اضافہ شدہ ایڈیشن

جماعتِ تبلیغ پر اعتراضات کے جوابات



ترتیب و تبویب

مولانا حافظ محمد اسلم زاہد

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ

مناظرِ اسلام حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ

شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ

جماعتِ تبلیغ پر اعتراضات کے جوابات

ترتیب و تبویب

مولانا حافظ محمد اسلم زاھد

الھادی
للنّشر و التوزیع
۳۸۔ غزنی سٹریٹ اردو بازار، لاھور

نام کتاب ---------------------------- جماعتِ تبلیغ پر اعتراضات کے جوابات

تاریخ اشاعت ---------------------------- اگست 2009ء

صفحات ---------------------------- 304

ناشر ---------------------------- الهادی للنشر والتوزیع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

ایک کم علم خادم دین اسلام کی یہ کاوش اگر انتساب کے لائق ہے تو............ وہ .... یہ سمجھتا ہے کہ اسکی یہ تالیف منسوب کی جائے ان مجاہدین اسلام کی طرف جنہوں نے اس امت میں دعوت و تبلیغ کو فروغ دینے میں جان و مال اور وقت کی قربانیاں دیں اور آج .... قرونِ اولیٰ کی نقل ان قافلوں میں نظر آتی ہے جنکی ایمانی محنت ہر ذی شعور کے دل پر دستک دے رہی ہے۔

''ہم سب کی کامیابی کا دارومدار اطاعتِ والٰہی و اتباعِ محمّدیؐ میں ہے............اور بس''

طالب علم

محمد اسلم زاہد

بسم الله الرحمن الرحيم

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ
لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ
وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

فہرست

عرض ناشر

اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے اور والدین و اساتذہ کی نیک تمناؤں سے ''مکتبہ الھادی'' کتابستان میں نمودار ہوتے ہی اسلامی لٹریچر سے اپنی خدمات کی ابتداء کر رہا ہے۔ ''جماعت تبلیغ'' اس کا طریق کار اور اس کے انمٹ اثرات کسی بھی ذی شعور سے مخفی نہیں ہے۔ یہ جماعت ملک اور بیرون ملک پھیلے ہوئے لاکھوں اہل اسلام کے دلوں میں اپنا احترام پیدا کر چکی ہے۔ اس لیے ہم نے اپنے اس سفر سعادت کا آغاز اس تحریک سے متعلق دو کتابوں کو چھاپنے کے ساتھ کیا ہے۔

(1) ''جماعتِ تبلیغ پر اعتراضات کے جوابات''

(2) ''آیات واحادیث اور واقعاتِ چھ نمبر''

مؤلف مدظلہٗ کی اجازت اور خصوصی دل چسپی کے ہم مشکور ہیں اور ان حضرات کے بھی ممنون ہیں جن کی راہنمائی ہمارے حوصلے بلند کیے ہوئے ہے۔

مؤلف کی اجازت سے یہ کتاب اس سے پہلے بھی طبع ہو چکی ہے تاہم اس جدید طباعت میں کئی اہم اضافے ہیں جن سے کتاب کی افادیت میں اضافہ ہوا ہے۔

خصوصاً کتاب کے آخر میں ''دارالعلوم دیوبند'' کے استاذ مولانا محمد عبداللہ معروفی مدظلہٗ کی تحریر شاملِ اشاعت ہے۔ جس میں چند اصولی باتیں ہیں، جن سے ''فضائلِ اعمال'' پر اعتراضات کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔

دوسری اہم خصوصیت اس مضمون کی یہ ہے کہ اس میں ضعیف احادیث کی حجیت پر ''اہلِ سنت والجماعت'' کے موقف کی وضاحت ہے۔ جو فی زمانہ انتہائی ضروری قابل مطالعہ تحریر ہے۔ یہ تحریر مؤلف کے بیٹے ابوعبدالرحمٰن نعمان زاہد نے انٹرنیٹ سے لی ہے۔ اس مضمون کا ایک بڑا حصہ ایسا تھا جو اس کتاب میں پہلے ہی طبع ہو چکا ہے۔ تکرار سے بچنے کے لیے اسے چھوڑ کر بقیہ مفید حصہ شامل کر دیا گیا ہے۔

قارئین سے درخواست ہے کہ وہ مؤلف، ناشر، ان کے اساتذہ و والدین اور ان مضامین نگاروں کو دعاؤں میں یاد رکھیں جن کی تحریروں سے استفادہ کرتے ہوئے کتاب کو ترتیب دے کر امت مسلمہ کے سامنے پیش کیا ہے۔

حافظ شفیق الرحمٰن

25,07,2009

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس کتاب کی موجودہ ترتیب کا پسِ منظر

دعوت و تبلیغ کے نام سے پوری دنیا میں "ایک محنت" پورے اخلاص کے ساتھ جاری ہے، جس کے ثمرات وفوائد روزِ روشن کی طرح واضح ہیں۔

ہر دور میں اہل علم نے اپنی دیگر دینی واصلاحی مصروفیات کے ساتھ اپنے بیانات، تحریروں اور اس جماعت کے ساتھ وقت لگا کر اس عظیم عالمی فکر رکھنے والی جماعت کی تائید کی۔

ادھر کچھ "کرم فرماؤں" نے کفر وشرک اور الحاد کو تو نظر انداز کر دیا اور اس داعی الی الدین جماعت کی بیخ کنی کی طرف رخ کر لیا اور عوام وخواص کو اس دینی فریضہ اور عالمی بیداری کی تحریک سے دور رکھنے کی مساعی لاحاصل شروع کر دیں۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ، قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مولانا منظور احمد نعمانی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد امین اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ و دیگر اہل علم صاحبان قلم نے رسائل اور کتب کے ذریعے ان "مہربانوں" کے سوالات کے جوابات دے کر اس عظیم فکری و عملی جماعت میں شمولیت کی دعوت دی۔

جماعت کی مخالفت کے لیے جو لوگ ادھار کھائے بیٹھے تھے ان پر تو اثر کیا ہونا تھا؟ لیکن ان جوابات سے اخلاص اور اصلاح کے حاملین حضرات کو تسلی ہوگئی اور وہ آہستہ آہستہ اس عظیم تحریک کے ممبر بن گئے۔

راقم نے دیکھا ہے اور اپنے مخلص احباب سے بھی سنا ہے کہ اعتراضات کرنے والوں میں اہل بدعت نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کیوں کہ یہ سنت رسول ﷺ کو عام کرنے کی تحریک تھی ان کے علاوہ اہل علم میں معترفین کی ایک کثیر تعداد وہ ہے جو خود اپنے سرپرست حضرات کے جماعت میں لگنے کی وجہ سے دینی تعلیم کی طرف آئی۔ اور انہوں نے اپنی محسن جماعت کو تختہ مشق

بنالیا لیکن کیوں کہ جماعت کی تشکیل اخلاص پر تھی وہ دن بدن ترقی کرتی رہی۔ اور دنیا کے ہر کونے سے جماعتوں کے آنے اور جانے کا سلسلہ شروع رہا۔

اعتراضات کے جوابات کی غالباً پہلی تحریری کوشش حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''تبلیغی جماعت پر عمومی اعتراضات اور ان کے جوابات'' ہے۔ بلاشبہ بڑی مقبول ہوئی اس کتاب کے بہت سے ایڈیشن نکل گئے، لیکن پہلی کتاب کے عکس در عکس کی وجہ سے الفاظ کافی بے رونق نظر آنے لگے۔

دوسرے، عنوانات کم ہونے کی وجہ سے جدید کتب کا عادی نوجوان اسے مشکل سمجھنے لگا۔ بلکہ بعض اہل علم نے بھی اسے ایک مضمون قرار دیا حالانکہ یہ کتاب حضرت شیخؒ کے علوم کے اور عالمی تبلیغی ایمانی تحریک کی معلومات کے استحضار کا بین ثبوت ہے۔

تیسرے حضرت شیخ رحمہ اللہ کے زمانے میں جماعت پر جو اعتراضات ہوئے ان کے جوابات حضرت نے اس طرح دیے کہ آج تک کافی ہیں اور غور سے کتاب کو سمجھ لیا جائے تو بہت سے آئندہ ہونے والے سوالات کے جوابات بھی اسی میں مل جائیں گے۔

اس سے قبل وقت کی ضرورت کے پیش نظر حضرت نعمانی رحمہ اللہ کا مضمون بھی حضرت شیخ الحدیث کی کتاب میں شامل کر دیا گیا۔

اب حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کے وہ جوابات جو انہوں نے ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' میں بڑی بصیرت افروزی سے دیئے ہیں ان کو بھی خاص ترتیب کے ساتھ شامل اشاعت کیا جا رہا ہے ان جوابات کی خاصیت یہ ہے کہ ان میں ان مسائل کا حل بھی موجود ہے جو جماعت میں چلنے والے احباب کو پیش آتے ہیں۔

احباب کی خواہش ہوئی اور راقم سے بعض دوستوں نے حکماً بھی کہا اور خود مرتب نے بھی محسوس کیا۔ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے ان قیمتی جواہر پاروں اور آپ کی اس شاہکار تصنیف کی ترتیب نو بھی کر دی جائے جس سے کتاب کے مضامین کو سمجھنے میں آسانی ہو اور جدید طرز کتابت سے مزین کر کے اچھے کاغذ پر چھاپا جائے۔ دوسری خاص ضرورت یہ محسوس کی گئی کہ ہمارے اہل حدیث حضرات (درحقیقت غیر مقلدین) نے بھی جماعت پر طبع آزمائی

شروع کردی ہے۔ کچھ ان حضرات کی خدمت میں بھی عرض کر دیا جائے اور جماعت میں چلنے والے احباب کو بھی اعتراضات کی حقیقت کا علم ہو جائے۔ ہمارے ان بھائیوں نے قرآن وحدیث کا مقدس نام استعمال کر کے پہلے فقہ حنفی اور اب خاص طور پر جماعت سے دور کرنے کے لیے بڑا خوبصورت جال تیار کیا ہے، جس سے پوری ملت اسلامیہ کو خسارہ پہنچ رہا ہے۔

اس مقصد کے حصول کے لیے امینِ ملت حضرت مولانا محمد امین اوکاڑویؒ کے علوم سے استفادہ کیا گیا جو بحمد للہ اس فرقہ کی نبض شناسی اور تجویز علاج میں سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ جنہیں دونوں جماعتوں (تبلیغی جماعت اور جماعت اہل حدیث) میں رہنے کا موقع ملا اور انہوں نے دونوں کو قریب سے دیکھا۔

قبل ازیں غیر مقلدین کے سوالات و وساوس پر جوابات کی ضرورت محسوس نہ تھی کہ یہ حضرات جماعت کے مداح تھے اور بعض جگہ پر اب بھی دستِ تعاون سے گریز نہیں ہے۔ بلکہ بعض جگہ جماعت کی قیادت بھی انہیں کے ہاتھوں میں ہے۔ ہمارے شہر چونیاں کے سابق امیر الحاج محمد انور صاحب اب بھی پوری سرپرستی کرتے ہیں اور راقم اور اس کے دادا جی رحمہ اللہ کا پہلا سہ روزہ بھی ان ہی کے ساتھ لگا۔

لیکن ایک مجلہ اور ''تبلیغی جماعت کا اسلام'' نامی کتاب اور مملکت سعودیہ عربیہ میں ان کی جماعت سے متنفر کرنے کی وارداتیں ہمیں کچھ لکھنے پر مسلسل مجبور کرتی رہیں ان محرکات کے پیش نظر مولانا اوکاڑویؒ کی ''علمی مجالس'' کی ترتیب کے دوران راقم سے اس پر کچھ کام ہوا۔

قارئین کرام! شکوک وشبہات ڈال کر انسانیت کو صراطِ مستقیم سے دور رکھنے کا یہ عمل آج کا نہیں بلکہ اس کی تاریخ بھی اتنی پرانی ہے جتنی دعوت کے کام کی عمر ہے۔

قرآن کریم نے بھی حضور ﷺ پر کفار کے اعتراضات کا تذکرہ کر کے جوابات دیے ہیں، تو گویا سنت الٰہی ہے کہ داعی پر اٹھنے والے سوالات کا مسکت جواب دیا جائے۔ تا کہ حجت تام ہو۔ وحی الٰہی کا سلسلہ تو بند ہے البتہ وحی کی تعلیمات سے مستفید ہو کر ہر دور میں اہل علم نے ہر اسلامی تحریک کی تائید اور منصفانہ دفاع کیا ہے، اس سے بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

(1) معترضین کا سامنا ہر کارکن کے بس کی بات نہیں ہوتی، ان تحریروں کے مطالعہ سے شبہات سے پاک گفتگو اور ممکنہ صورتِ حال سے باخبر رہنے کی وجہ سے قبل از وقت اس کا حل کارکن کے ذہن میں رہتا ہے۔

(2) اس عظیم کام کی بنیاد، دعوت کے اسلامی اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ اس لیے بعض شکوک درحقیقت اسلام کی لاریب تعلیمات سے جا ٹکراتے ہیں اور انسان تحقیق کے شوق میں دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اس لیے اہل قلم اپنا فرض ادا کرتے ہیں تاکہ انسانیت کا ایمان محفوظ رہے اور وہ صرف جماعت دشمنی میں ایسی حرکت نہ کر گزریں۔

(3) اعتراضات سن کر عام آدمی راہِ مستقیم سے ڈگمگا جاتا ہے پھر جوابات سن کر اس کے ایمان و یقین میں اضافہ ہوتا ہے۔

(4) آئندہ تحریروں سے معلوم ہوگا کہ کس طرح دنیا فریب دے کر اس جادۂ مستقیم سے بھٹکاتی ہے۔ اراکین جماعت آئندہ یا تو اعتراضات کے جوابات وہ خود دینے لگتے ہیں یا ''سانپ کا ڈسا رسی سے بھی ڈرتا ہے'' کا مصداق کم از کم چوکنا ہو جاتے ہیں۔

(5) جو حضرات قریب سے کام کو نہیں دیکھ پاتے لیکن ظاہر کو دیکھ کر خوش فہمی کی وجہ سے جماعت کو اچھا سمجھتے ہیں ان کے مطالعہ میں اہلِ اعتراض کی تحریریں بدگمانی میں مبتلا کر دیتی ہیں، جوابات کا لٹریچر ان تک پہنچے تو وہ مطمئن ہو کر پھر سنجیدگی سے سوچنے کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔

آخری گزارش اپنے باتوفیق قارئین سے یہ کرنی ہے کہ معترض جواب سن کر بھڑک جاتا اپنی شکست محسوس کرتا ہے تو سچ ماننے سے انکاری ہو جاتا ہے۔ اس لیے الجھنے کی ضرورت نہیں افہام، تفہیم کی فضاء میں یہ کتاب پڑھنے کے لیے دیں یا اس کتاب کا خوب مطالعہ اور ضرورت پڑنے پر اس انداز سے بات کو سامنے رکھیں کہ مناظرانہ کیفیت پیدا نہ ہو جس کا سنبھالنا ہر آدمی کا کام نہیں۔ یہ کتابیں اوروں کی بجائے جماعت کے کارکنوں کے مطالعے میں رکھنے کی ہیں۔ یہی مطالعہ ان کو بوقت ضرورت کام آئے گا۔

جماعت کے اہل حل و عقد کا نظریہ یہی ہے کہ پیار و محبت کی فضاء نہ توڑی جائے اور کسی

طرح وقت لگا کر کام کو خود دیکھ لینے کی انہیں دعوت دی جائے۔

بڑے حضرات کو سنا ہے کہ ایک معترض ہزار اعتراض بھی لایا ہے، ان کا جواب اسی جملے کے گرد گھومتا ہے کہ ''بھائی یہ راستہ دیکھ کر چلنے کا نہیں، چل کر دیکھنے کا ہے۔''

ہمارے ابا جی ارشاد فاروق صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے سے تا وفات ۱۹ اپریل ۲۰۰۲ء مکمل کوائف کے ساتھ کام میں جڑے رہے تھے) وہ فرماتے تھے کہ کچھ احبابِ جماعت نے بزرگوں سے عرض کیا کہ جماعت پر لوگوں کے اعتراضات کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔ ہمارے پاس اہل قلم موجود ہیں ہر ماہ رسالہ جاری ہوگا تو بہت سے سوالات کے جوابات ہو جایا کریں گے۔

حضرتؒ نے فرمایا تم جواب دو گے پھر اس پر اعتراضات ہوں گے پھر جواب الجواب دو گے پھر یہ سلسلہ مزید طول اختیار کر جائے گا اور معترض ایسے دور ہی رہے گا۔ مختصراً یہ کہ ان حضرات نے اس ماہنامے کی اجازت نہ دی۔

الغرض جماعت کا مزاج اعتراضات و جوابات ہرگز نہیں ہے۔ البتہ یہ سلسلہ سب کے لیے مفید ہے۔ قارئین سے استدعا ہے کہ اپنی دعاؤں میں مرتب و معاونین و ناشرین اور ان کے اساتذہ و والدین کو یاد رکھیں۔

(مولانا) محمد اسلم زاہد
مدرس ''بیت العلوم'' کھاڑک' لاہور
22 رجب 1324ھ 2003ء

باب اوّل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جماعت تبلیغ میں اٹھنے والے اعتراضات

اور

ان کے تسلی بخش جوابات

مدلل و حسین مرقع

نئی ترتیب اور جدید عنوانات کے ساتھ

شیخ الحدیث حضرت مولانا

محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

امابعد! نظام الدین کی دعوتِ تبلیغ کے سلسلہ میں چچا جان حضرت مولانا محمد الیاس نور اللہ مرقدہٗ ہی کے دور سے اس ناکارہ پر استفسارات اور اشکالات کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ چونکہ اس وقت صحت اچھی تھی لکھنے پڑھنے کی معذوری بھی نہیں تھی، اس لیے ہر خط کا جواب مختصر یا مفصل حسب موقع لکھتا رہا۔ جہاں تک میرا اندازہ ہے شائد ایک ہزار سے زائد خطوط اس سلسلہ میں لکھے ہوں گے۔ بہت سے اشکالات تو مشترک ہوتے تھے بعض وقتی اور ضروری بھی ہوتے تھے۔ مگر اب چند سال سے لکھنے پڑھنے کی معذوری کی وجہ سے علیحدہ علیحدہ جواب لکھوانا مشکل ہوگیا، اس لیے باوجود اپنے امراض کی کثرت اور معذوریوں کے میرا خیال یہ ہوا کہ چند اشکالات جو عموماً کثرت سے اور عامۃ الورود مجھ تک پہنچے ہیں ان کے مختصراً اپنے خیالات جمع کرادوں کہ اب خطوط کا علیحدہ علیحدہ جواب لکھوانا بھی بہت مشکل ہوگیا اور اپنے اکابر بالخصوص حضرت اقدس حکیم الامۃ حضرت تھانوی اور حضرت اقدس مدنی نور اللہ مرقدہما کی طرح سے اپنے متعلق بھی یہ خیال پیدا ہوا کہ لوگوں کو اس ناکارہ کی طرف سے غلط روایات نقل کرنے کا موقع نہ مل جائے اس لیے کہ کوئی ادارہ مدرسہ ہو یا خانقاہ اس زمانہ میں کوتاہیوں سے تو خالی نہیں اور جیسا کہ میرے اکابر کی طرف سے جو بعض موقعوں پر بعض جزوی تنبیہات ہوئی ہیں ان کی وجہ سے ان اکابر کو جماعتِ تبلیغ کا مخالف قرار دے کر ہوا دی جارہی ہے۔

اسی طرح اس ناکارہ کی طرف سے کسی تنبیہ سے کوئی غلط فائدہ نہ اٹھایا جائے اس لیے کہ میں بھی تبلیغی جماعت اور کارکنوں کی کوتاہیوں پر تنبیہات کرتا رہتا ہوں، بلکہ اپنی حماقت سے چچا جان نور اللہ مرقدہٗ کے دور میں ان پر بھی تنقید سے نہیں چوکتا تھا اور ان کے بعد عزیزانم مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا انعام الحسن صاحب سلمہٗ کے دور میں نہ ان محترم عزیزوں پر بلکہ قدیم وجدید کارکنوں پر نکیر کرتا رہتا ہوں تحریراً بھی اور تقریراً بھی، اسی طرح حجاز، پاکستان اور افریقہ کے دوستوں کو بھی نکیر و تنبیہ سے نہیں چھوڑتا، یقیناً میرے بہت سے

خطوط میں تنبیہیں، نکیریں اور اعتراضات ملیں گے، ان لغویات کی طرف تو میں نے کبھی التفات نہیں کیا کہ تبلیغ والے ایسا کرتے ہیں، تبلیغ والے یوں کرتے ہیں، یہ تو ایک ہوائی گاڑی ہے اور میرے نزدیک بھی جیسا کہ بعض معترضین کا اعتراض حضرات دہلی پر ہے وہ معترضین کے اعتراضات کو گوزشتر سمجھتے ہیں، میں ان سے زیادہ سمجھتا ہوں البتہ کسی بڑے سے بڑے شخص کے متعلق بھی میرے پاس کوئی مشخص شکایت پہنچی تو میں نے اس پر نکیر اور تنبیہ میں بھی کبھی کسر نہیں چھوڑی۔ بخاری شریف میں ہے "حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے یوں کہا کہ تم فلاں (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ان فتنوں کے بارے میں جو ان کے زمانے میں پیش آرہے تھے) گفتگو کرتے انہوں نے فرمایا کہ "تمہاری یہ رائے ہے کہ میں جو ان سے گفتگو کروں وہ ساری تم سے بھی کہوں، میں ان سے تنہائی میں گفتگو کرتا ہوں میں نہیں چاہتا کہ جو فتنہ کا دروازہ بند ہے میں کھولوں......"

اس لیے مجھے بھی خیال ہوا کہ میرا کوئی تنبیہی اور نکیری خط کسی کے پاس ہو اور میرے بعد تبلیغ کے کسی مخالف نے اسے شائع کیا اور اس کو میری مخالفت تبلیغ پر حمل کیا تو یقیناً غلط ہوگا، میں اس مبارک کام کو اس زمانہ میں بہت اہم اور بہت ضروری سمجھ رہا ہوں اور خود اہل مدرسہ اور اہل خانقاہ ہونے کے باوجود بیانگ دہل اس کا اعلان کرتا ہوں کہ یہ عمومی اور ضروری کام بعض وجہ سے مدارس اور خانقاہ سے زیادہ مفید اور افضل ہے۔ ان میں سب سے اہم اور عامۃ الورود اشکال جس کے متعلق سو ۱۰۰ سے کم تو نہیں، کچھ زیادہ ہی میرے خطوط میرے پاس آئے ہوں گے ان میں سب سے اہم یہ ہے۔

اشکال نمبر ۱: جہاد کی آیات واحادیث کو تبلیغ پر محمول کرنا

یہ ہے کہ تبلیغ والے جہاد کی احادیث کو اپنے تبلیغی اسفار کی تائید میں پیش کرتے ہیں اور تعجب اس پر ہے کہ یہ اشکال عوام کی بجائے اہل علم کی طرف سے زیادہ آیا، اہل علم کی طرف سے اس قسم کے اشکالات کا وارد ہونا زیادہ موجب تعجب ہے۔ اس لیے کہ جہاد کے اسفار میں قتال اگرچہ عرفاً زیادہ معروف ہے لیکن لغت اور نصوص جہاد کو قتال کے ساتھ مخصوص نہیں کرتے، اصل

جہاد اعلائے کلمۃ اللہ کی سعی ہے، جس کا درجۂ مجبوری اور آخری درجہ قتال بھی ہے، قتال اصل مقصود نہیں، بدرجۂ مجبوری ہے، تفسیر مظہری میں "کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ وَھُوَ کُرْہٌ لَّکُمْ" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جہاد کی فضیلت تمام نیکیوں میں اس وجہ سے ہے کہ وہ اشاعت اسلام اور ہدایت خلق کا سبب ہے پس جو شخص ان کی کوشش سے ہدایت پائے گا اس کی حسنات بھی ان مجاہدین کی حسنات میں داخل ہوں گی، اور اس سے زائد افضل علوم ظاہرہ اور علوم باطنہ کی تعلیم ہے۔ اس لیے کہ اس میں حقیقت اسلام کی اشاعت زیادہ ہے۔ فقط اس زمانہ میں تبلیغ سے جتنی ہدایت پھیلی اور پھیل رہی ہے اس سے تو کسی مخالف کو بھی انکار نہیں ہوسکتا، ہزاروں آدمی بلکہ لاکھوں بے نمازی پکے نمازی بن گئے، سینکڑوں غیر مسلم ان لوگوں کے ہاتھوں اور ان کی مساعی سے مسلمان بن گئے۔"

جہاد کا معنی

جہاد کی لغوی اور شرعی تحقیق یہ ناکارہ اپنی کتاب "اوجز المسالک، شرح موطا امام مالک اور لامع الدراری علی جامع البخاری کے حاشیہ پر تفصیل سے لکھ چکا ہے۔ جہاد کا لغوی معنی مشقت اٹھانے کے ہیں۔ اور شرعاً مشقت اٹھانا کفار کے قتال میں بھی اور اس کا اطلاق مجاہدۂ نفس پر بھی آتا ہے اور شیطان سے مجاہدہ پر بھی آتا ہے اور فاسقوں کے ساتھ مجاہدہ پر بھی، اور کفار سے جہاد ہاتھ سے بھی ہوتا ہے۔ زبان سے بھی ہوتا ہے اور مال سے بھی ہوتا ہے۔ قرآن پاک اور احادیث میں کثرت سے اس قسم کی آیات اور روایات وارد ہوئی ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے "اَلْمُجَاھِدُ مَنْ جَاھَدَ نَفْسَہٗ" اصل مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے، مشکوٰۃ شریف میں یہ روایت شعب الایمان للبیہقی کے حوالہ سے نقل کی ہے۔ ابن عربی نے ترمذی شریف کی شرح میں لکھا ہے کہ صوفیاء کا مذہب یہ ہے کہ جہاد اکبر نفس کا جہاد ہے اور قرآن کی آیت "وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْ فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا" میں اسی کی طرف اشارہ ہے اور حدیث پاک میں ہے کہ وہ اصل مجاہد نہیں جو دور کے دشمن سے جہاد کرے اصل مجاہد وہ ہے جو اس دشمن سے جہاد کرے جو ہر وقت ساتھ ہے۔

نبی کریم ﷺ ایک غزوہ سے واپس تشریف لائے تو حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ" یعنی ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹ کر آئے ہیں۔ "اِلٰى آخِرِ مَا بَسَطَ فِي الْاَوْجَزِ" اور ظاہر ہے کہ یہاں جہاد اکبر کا مصداق جہاد بالسیف اور جہاد مع الکفار نہیں، اس میں یہ بھی ہے کہ علامہ باجی نے لکھا ہے کہ "سبیل اللہ" کا لفظ تمام نیکیوں کو شامل ہے۔ حدیث "رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ" مختلف طرق سے نقل کی گئی ہے۔ اہل علم حوالہ دیکھنا چاہیں تو لامع الدرر کے حاشیہ پر ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے "التشرف بمعرفة احادیث التصوف" میں تفسیر روح المعانی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کی آیت "جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ" میں حضرت جابرؓ کی روایت کہ حضور ﷺ کے پاس ایک جماعت غزوہ سے واپس آئی تو حضور ﷺ نے فرمایا "تم بہت اچھا آنا آئے کہ جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف آئے۔" ان روایات میں جو کچھ ضعف ہے وہ اول تو فضائل میں معتبر ہوتا ہے اور تعدد طرق سے مندفع ہو جاتا ہے۔

علماء نے تصریح کی ہے جیسا کہ لامع کے حاشیہ میں ہے کہ فرائض نماز، روزہ وغیرہ چونکہ مقاصد العینہ ہیں وہ جہاد سے افضل ہیں۔ اس لیے کہ جہاد کی اصل غرض ایمان اور اعمالِ حسنہ ہی پر عمل کرانا ہے لامع کے حاشیہ میں ابن عابدین سے نقل کیا ہے کہ اس میں ذرا بھی تردد نہیں کہ ادائے فرائض پر مواظبت اپنے اوقات میں جہاد سے افضل ہے۔ اس لیے کہ وہ فرض عین ہے اور جہاد فرض کفایہ ہے۔ اور جہاد صرف ایمان اور نماز ہی کے لیے قائم کرنے کیلیے مشروع ہوا ہے۔ اس لیے اس کا حسن لغیرہ ہے اور نماز کا حسن لعینہ۔ اس لیے یہ افضل ہے اور ظاہر ہے کہ جو کچھ کوشش نماز وغیرہ کے قائم کرنے کے لیے کی جائے وہ افضل الجہاد ہی کے حکم میں شمار کی جائے گی۔

سبیل اللہ کا لفظ عام ہے

امام بخاری رحمہ اللہ نے جمعہ کی نماز کے لیے پاؤں چلنے پر "باب المشی الی الجمعة" میں حضرت ابو عبسؓ کی حدیث ذکر فرمائی ہے۔

''مَنْ اَغْبَرَتْ قَدَمَاهُ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ النَّارَ o

''جو شخص کہ اس کے دونوں پاؤں اللہ کے راستہ میں غبار آلود ہوئے ہوں اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ کو اس پر حرام کر دیتے ہیں۔''

اگر امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث پاک سے جمعہ کی نماز کے لیے پاؤں چلنے کی فضیلت پر استدلال کر سکتے ہیں تو پھر اگر مبلغین اللہ کے راستہ میں اعلاء کلمۃ اللہ کی خدمت کے لیے پاؤں چلنے پر اس حدیث سے استدلال کریں تو ان پر کیا الزام ہے۔

حضرت دہلوی نور اللہ مرقدہٗ اپنے ایک ملفوظ میں ارشاد فرماتے ہیں ''یہ سفر (یعنی سفر تبلیغ) غزوات ہی کے سفر کے خصائص اپنے اندر رکھتا ہے اور اس لیے امید بھی ویسے ہی اجر کی ہے یہ اگر چہ قتال نہیں ہے مگر جہاد ہی کا ایک فرد ضرور ہے، جو بعض حیثیات سے اگر چہ قتال سے کمتر ہے مگر بعض حیثیات سے اس سے بھی اعلیٰ مثلاً قتال میں شفاء غیظ اور اطفاء شعلۂ غضب کی صورت بھی ہے اور یہاں اللہ کے لیے صرف کظم غیظ ہے اور اس کے دین کے لیے لوگوں کے قدموں میں پڑ کے ان کی منتیں خوشامدیں کر کے بس ذلیل ہونا ہے۔ (ملفوظات)

حضرت دہلویؒ کا یہ ارشاد کہ جہاد میں اطفاء غضب بھی ہوتا ہے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت سے جو (بخاری میں آئی ہے) مستنبط ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ ایک آدمی غنیمت کی نیت سے لڑتا ہے اور ایک آدمی اپنی قوت کے مظاہرہ کی وجہ سے لڑتا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ فی سبیل اللہ جہاد وہی ہے جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے ہو۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ کلمۃ اللہ سے مراد دعوت الی الاسلام ہے وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے درمیان میں جو وجوہ وارد ہوئی ہیں ان میں ریا اور شہرت بھی آیا ہے اور ایک روایت میں حمیۃً بھی آیا ہے۔ اور ایک روایت میں یقاتل غضباً بھی آیا ہے یعنی اپنے حظِ نفس کے واسطے اور غصہ اتارنے کے واسطے انہوں نے لکھا ہے کہ اس روایت میں پانچ وجوہ ذکر کی گئی ہیں۔ فقط

لشکروں کو قتال کے لیے نہیں دعوت کے لیے بھیجا جاتا تھا

خود نبی کریم ﷺ سے جہاد کا اطلاق قتال کے علاوہ دوسرے امور پر بھی جو اس مقصد

میں معین و مددگار رہوں کثرت سے احادیث میں کیا گیا ہے جو اہل علم سے تو مخفی نہیں، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اسلامی سرحد پر ایک رات جاگنا دنیا اور دنیا کی سب چیزوں سے افضل ہے اور سرحد پر ٹھہرنا ظاہر ہے کہ اسلام ہی کی حفاظت کے لیے ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے جو شخص کسی غازی کی سامان سے مدد کرے وہ بھی غازی ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے ایک لشکر بھیجا، اور فرمایا ہر دو آدمیوں میں سے ایک نکلے (یعنی دوسرا اس کے گھر والوں کی خبر گیری کرے) تو ثواب دونوں میں مشترک ہوگا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ لشکروں کا بھیجنا قتال کے واسطے نہیں ہوتا تھا بلکہ اس میں اصل دعوت ایمانی ہوتی تھی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مشہور حدیث اور بخاری شریف وغیرہ میں موجود ہے کہ جب نبیؑ نے فتح خیبر کے لیے جھنڈا دے کر بھیجا اور حضرت علیؓ نے درخواست کی کہ حضورؐ! جا کر ان سے قتال شروع کر دوں یہاں تک وہ مسلمان ہو جائیں۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا بالکل نہیں۔ وہاں جا کر اطمینان سے اول ان کو اسلام کی دعوت دو، اگر ایک شخص بھی تیری کوشش سے مسلمان ہو جائے تو وہ (غنیمت کے) کے سرخ اونٹوں سے بہت اچھا ہے، اور اگر وہ اس سے انکار کریں تو پھر دوسرے درجہ میں ان کو جزیہ دینے پر آمادہ کر اور اگر وہ اس سے بھی انکار کریں تو پھر ان سے قتال کر۔ متعدد احادیث سے یہ مضمون مستنبط ہے کہ جہاد معروف میں بھی قتال مقصود نہیں بلکہ اصل مقصود ایمان اور اعلاء کلمۃ اللہ ہے۔

مولانا یوسف صاحب رحمہ اللہ نے نہٹور ضلع کے علماء کے خصوصی اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ نے جتنے وفود، لشکر، قبائل اور دوسرے علاقوں میں بھیجے ہیں وہ سب دعوت کے لیے تھے۔ حضور ﷺ کے تمام جہادوں کی تعداد ایک روایت کی بنا پر 19 ہے اور دوسری روایت کی بنا پر 27 ہے، ان میں سے نو کے متعلق یہ لکھا ہے کہ "بعث مقاتلا" آپؐ نے جنگ کے لیے بھیجا، بقیہ سب کے بارے میں یہی لکھا ہے کہ دعوت کے لیے بھیجا۔ (سوانح یوسفی عزیزی)

فی سبیل اللہ جہاد کے ساتھ خاص نہیں

اہل علم سے بڑا تعجب ہے کہ وہ فی سبیل اللہ کے لفظ کو جہاد بالقتال کے ساتھ مخصوص قرار دیتے ہیں جب کہ نصوص قرآنیہ اور احادیث کثیرہ اس کے عموم پر دلالت کرتی ہیں۔ قرآن پاک کی آیت "اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ" میں فی سبیل اللہ کی تفسیر میں علماء کے مختلف اقوال

ہیں جن کو اوجز جلد ثالث میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ علامہ باجی کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد جہاد فی سبیل اللہ ہے، امام مالک وغیرہ سے یہ قول نقل کیا گیا ہے، امام احمدؒ کا ارشاد یہ ہے کہ اس سے مراد حج ہے، یہی رائے امام محمدؒ کی ہے اور صاحب بدائع فرماتے ہیں کہ فی سبیل اللہ سے مراد جملہ امور خیر ہیں اس میں ہر وہ سعی داخل ہے جو اللہ کی اطاعت کے بارے میں ہو مشکوٰۃ میں عبد اللہ بن عمرو سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک صحابیؓ نے آکر حضور اقدس ﷺ سے جہاد میں شرکت کی اجازت چاہی، حضورؐ نے دریافت کیا کہ کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ زندہ ہیں، حضورؐ نے فرمایا کہ ان میں جہاد کر، یعنی ان کی خدمت کر یہاں نبی کریم ﷺ نے والدین کی خدمت کو بھی جہاد سے تعبیر کیا ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں بروایت خریم بن فاتک حضور ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو اللہ کے راستے میں کوئی خرچ کرے سات سو گناہ دو چند ہو جاتا ہے۔ جب کہ (اللہ کا راستہ) جہاد بالقتال کے ساتھ مخصوص نہیں ہے جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے۔ تو پھر اگر اہل تبلیغ اس حدیث سے تبلیغی اسفار میں خرچ کرنے کو داخل کریں تو کیا اشکال کی بات ہے؟ اسی طرح ایک دوسری حدیث میں حضرت علی، ابو درداء، ابو ہریرہ، ابو امامہ، عبداللہ بن عمرو، جابر بن عبداللہ، عمران بن حصین رضی اللہ عنہم اجمعین سے حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو کوئی گھر رہ کر اللہ کے راستہ میں کوئی خرچ بھیجے اس کو ایک درہم کے بدلے سات سو ۷۰۰ درہم ملتے ہیں اور جو خود جہاد میں نکلے اور خرچ کرے اس کو ہر درہم کے بدلے میں سات ۷۰۰۰۰۰ لاکھ درہم کا ثواب ہوتا ہے۔ اس میں تبلیغی اسفار یقیناً داخل ہیں اور مدارس کا چندہ بھی اسی میں داخل ہے۔ تفسیر مظہری میں "مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ" کی تفسیر میں "الجهاد او غير ذلک من ابواب الخير" ہے۔

اسی طرح "اَلَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِي سَبِيْلِ اللّٰه" کی تفسیر میں "فِي تَحْصِيْلِ الْعُلُوْمِ الظَّاهِرَةِ وَالْبَاطِنَةِ وَ الْجِهَاد" ذکر فرمایا گیا ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں بروایت ترمذی و دارمی حضرت انسؓ سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص طلب علم میں گھر سے نکلے وہ فی سبیل اللہ میں داخل ہے یہاں تک کہ گھر واپس آئے۔ مشکوٰۃ کے حاشیہ پر لکھا ہے یعنی جو شخص طلب علم کے لیے نکلتا ہے اس کو جہاد میں نکلنے کا ثواب ملتا ہے اس لیے کہ یہ طالب علم بھی مجاہد کی

طرح سے ہے دین کے زندہ کرنے میں اور شیطان کے ذلیل کرنے میں اور اپنے نفس کو مشقت میں ڈالنے میں اور یہ ظاہر ہے کہ یہ سب امور تبلیغی اسفار میں بطریقِ اولی پائے جاتے ہیں۔ اعتدال میں اس قسم کی روایات بہت کثرت سے ذکر کی گئی ہیں اس میں ذکر کیا گیا ہے کہ افضل جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنا ہے حالانکہ ظالم بادشاہ کا کافر ہونا ضروری نہیں بلکہ مسلمان بادشاہ اگر ظالم ہو تو وہ بھی اس میں بطریق اولی داخل ہے، البتہ شرط یہی ہے کہ ساری جد جہد کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ ہو جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ ایک حدیث میں ہے جہاد وہی ہے جو صرف اس لیے کیا جائے کہ اللہ کے نام کا بول بالا ہو، یہ مضمون ''اعتدال'' میں بہت تفصیل سے ذکر کیا جا چکا ہے۔

حضرت تھانویؒ کی ایک تحریر

نیز حضرت حکیم الامۃ تھانویؒ، حضرت شیخ الہندؒ اور مرجع الاتقیاء حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم صاحب نے ۱۳۲۸ھ میں جب کہ مظاہر علوم کے دار الطلبہ قدیم کی تعمیر کا سلسلہ چل رہا تھا تو مدرسہ کے چندہ کی ایک اپیل کی جو مظاہر علوم کی ۱۳۲۸ھ کی روداد میں شائع ہوئی اور حضرت حکیم الامۃؒ کی لکھی ہوئی ہے اور بقیہ ہر دو اکابر کی اس پر تصدیق ہے، اس جگہ کے مناسب وہ تحریر ہے، وہ حسب ذیل ہے:

میں اس اشتہار کے مضمون میں موافق ہوں دارلطلبہ اس وقت باقیاتِ صالحات کے افضل افراد سے ہے، حدیث صحیح میں باقیاتِ صالحات سے جن کا ثواب بعد مرنے کے بھی ملتا رہتا ہے یہ ارشاد فرمایا ہے: ''او بیتا لابن السبیل بناہ'' اور ظاہر ہے کہ طلبہ ابن السبیل یقیناً ہیں بلکہ سب ابناء السبیل سے افضل ہیں کیوں کہ یہ لوگ سبیل اللہ میں ہیں، جب مطلق سبیل والوں کی اعانت میں یہ فضیلت ہے تو سبیل اللہ والوں کی خدمت میں کیا کچھ فضیلت ہوگی، پھر غور کرنا چاہیے کہ سبیل اللہ کے سب افراد میں مطلقاً بھی اور خصوصاً اس وقت میں کہ علوم دینیہ کی سخت ضرورت ہے اور اس کی کمی سے سخت المضر تین واقع ہیں خاص اس سبیل اللہ یعنی تحصیل و تکمیل علوم دینیہ میں سب سے زیادہ فضیلت ہے، پس بالضرور دارلطلبہ کا بنانا اس وقت اس خاص حیثیت سے سب باقیات صالحات سے افضل ہے امید ہے کہ اہل اسلام اپنی اپنی استطاعت کے موافق

اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیں گے اور بلحاظ قلیل وکثیر کے ضرور اس میں امداد فرمائیں گے۔

"والسلام علی من اتبع الھدیٰ"

العبد اشرف علی تھانوی

بے شک حضرت مولانا اشرف علی صاحب سلمہٗ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے نہایت مناسب اور ضروری ہے۔ العبد عبدالرحیم عفی عنہ

مولانا اشرف علی صاحب نے جو تحریر فرمایا ہے حق اور صواب ہے۔

العبد محمود عفی عنہ فقط

میرا مقصد اس تحریر کے نقل کرنے کا یہ ہے کہ جو لوگ خروج فی سبیل اللہ کو صرف جہاد معروف کے ساتھ مخصوص قرار دیتے ہیں ان کے لیے تنبیہ ہے کہ فی سبیل اللہ کا لفظ جہاد معروف کے ساتھ مخصوص نہیں، تفسیر مظہری میں "قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَّ صَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" کی تفسیر میں لکھا ہے "عَنِ الْاِسْلَامِ وَالطَّاعَاتِ اھ" اسی طرح سے کثرت سے تفسیر مذکورہ میں سبیل اللہ کی تفسیر طاعات اللہ سے کی گئی ہے۔ اس لیے طاعات سے جو لوگ روکنے والے ہوں ان پر تشدد میں بھی مضائقہ نہیں۔ اگر قدرت ہو اور کوئی فتنہ نہ ہو تعجب اس پر ہے کہ ان اکابر ثلٰثہ کے متبعین میں سے کسی کی طرف سے یہ مضمون سنتا ہوں کہ تبلیغ والے خروج فی سبیل اللہ میں جو جہاد کے ساتھ مخصوص ہے، خروج للتبلیغ کو شامل کرتے ہیں تو مجھے بڑی حیرت ہوتی ہے۔ بہر حال اس سیہ کار کے نزدیک تو خروج فی سبیل اللہ کی آیات واحادیث میں یہ لوگ اپنے تبلیغی اسفار کو داخل کریں تو نہ کوئی اس میں اشکال ہے، نہ تردد ہے اور جہاں تک اس کوتاہ نظر کی معلومات کا حاصل ہے وہ مفسرین ومحدثین کے کلام میں فی سبیل اللہ کا لفظ قتال کے ساتھ مخصوص نہیں پایا۔ اس لیے اہلِ تبلیغ کا اعلان آیات اور روایات سے خروج للتبلیغ جو فی سبیل اللہ کا اعلیٰ فرد ہے پر استدلال کرنا بے محل نہیں ہے۔ یہ مضمون اپنی جوانی کے زمانے میں حذف واضافہ کے ساتھ بہت سے خطوط میں لکھوا بھی چکا ہوں۔

اشکال نمبر ۲: مسلمانوں کے پاس جماعتیں بھیجنا بدعت ہے

ایک اعتراض: جو کثرت سے بندہ کے پاس خطوط میں پہنچا وہ یہ کہ حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں یہ طریقہ نہیں تھا کہ مسلمانوں کے پاس جماعتیں بھیجی جائیں بلکہ سرایا اور جماعتیں کفار

کے لیے بھیجی جاتی تھیں، مسلمانوں کے یہاں جماعتیں بھیجنے کا معمول نہیں تھا۔ اس لیے یہ بدعت ہے۔ اس اشکال کے بھی بیسوں جوابات اس ناکارہ نے لکھے ہیں اور اس اشکال میں بھی مجھے اہلِ علم کی طرف سے اس قسم کی کوئی بات پہنچتی ہے تو زیادہ حیرت ہوتی ہے، جب کہ امر بالمعروف نہی عن المنکر مامور بہ ہے اور پہلے مضمون سے یہ بھی ظاہر ہو چکا ہے کہ دین کی اشاعت کے لیے جو کوشش بھی ہو وہ جہاد میں داخل ہے۔ پھر یہ کہنا کہ یہ طریقہ خاص حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں نہیں تھا اول تو فی حد ذاتہٖ غلط ہے جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔ لیکن بطریق تسلیم مامور بہ کے حاصل کرنے کا جو مباح طریقہ ہو اس کے مامور بہ ہونے میں کیا تامل ہے۔ کیا مدارس کا موجودہ طریقہ مدرسین کو اسباق کی تقسیم گھنٹوں کی پابندی، سہ ماہی، ششماہی، سالانہ امتحانات وغیرہ وغیرہ جو اس زمانہ میں نہایت ضروری ہیں اور ضروری سمجھے جا رہے ہیں، اور واقعۃً ضروری ہیں؟ کیا حضور ﷺ کے زمانے میں یہ سب تھے؟ اسی طرح خانقاہیں اور ان کے معمولات اور ان کے طرق باوجود نہایت اہم اور ضروری اور مامور بہ ہونے کے کیا حضور ﷺ کے زمانے میں یہی طریقے تھے؟ کیا کتابوں کی تصانیف، ان کی طباعت، شرح وحواشی کے سارے مروجہ طریقے حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں تھے؟ ایسے ہی ''ٹن کی نماز'' کہ جہاں گھنٹہ بجا خواہ امام ہو یا نہ ہو روزانہ کے مقتدی آچکے ہوں یا نہیں فوراً نماز شروع ہو جاتی ہے، یہ حضور ﷺ کے زمانہ میں کہاں تھا؟ ایسے ہی کیا کوئی عقلمند کہہ سکتا ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں توپ اور بندوق سے لڑائی نہیں تھی لہٰذا وہ تو بدعت ہے تیروں سے جہاد ہونا چاہیے۔ ان امور میں سے کسی کو بھی کوئی بدعت نہیں کہتا اور اس سب کے بعد یہ بھی کہنا غلط ہے حضور ﷺ کے زمانے میں مسلمانوں کے پاس جماعتوں کے بھیجنے کا طریقہ نہیں تھا، اس سلسلہ میں حضرت مولانا الحاج محمد یوسف صاحب رحمہ اللہ کی کتاب ''حیاۃ الصحابہؓ'' (جو اصل کتاب تو عربی میں ہے اہل علم کو خاص طور پر اس کا ملاحظہ کرنا چاہیے)

اس میں بیسیوں واقعات نبی کریم ﷺ کے جماعتوں کے بھیجنے کے بہت کثرت سے ملیں گے اور اس کے اردو ترجمے بھی کثرت سے ہو گئے ہیں، اس میں ایک مستقل باب ''باب ارسل الصحابه الى البلدان لتعليم'' ہے نمونہ کے طور پر چند نقل کرتا ہوں۔

(1) مسلمانوں کی تعلیم کے لیے صحابہؓ کے وفود

حضرت عاصم بن عمرؓ کی روایت سے نقل کیا گیا ہے کہ قبیلہ عضل اور قبیلہ قارہ کے چند آدمی حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ ہمارے یہاں مسلمان ہیں چند آدمیوں کو ہمارے یہاں بھیج دیجئے! جو ہمیں دین سکھلائیں، حضور اقدس ﷺ نے چھ نفر کی جماعت روانہ کی، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا ارشاد ہے کہ حضور ﷺ نے معاذ اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنھما کو یمن بھیجا، تا کہ وہاں کے لوگوں کو دین سکھلائیں، حضرت عمار بن یاسرؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے مجھے قبیلہ قیس کی ایک جماعت کی طرف بھیجا کہ ان کو جا کر دین کی باتیں سکھلاؤں، وہ کہتے ہیں کہ جب میں وہاں گیا تو میں نے ان کو وحشی اونٹوں کی طرح پایا کہ جن کا مقصد زندگی اونٹ اور بکریاں تھیں میں ان کی یہ حالت دیکھ کر حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں واپس آیا اور حضور ﷺ کی خدمت میں ان کی غفلت کی حالت ذکر کی تو حضورؐ نے فرمایا ''اے عمارؓ! تجھے اس سے زیادہ تعجب کی بات سناؤں ایک قوم جو دین کو جانتی بھی ہوگی اور ان سے بھی زیادہ غفلت میں ہوگی'' اور اس قسم کے متعدد واقعات حیاۃ الصحابہؓ میں لکھے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ کفار کی طرف بھی جماعتوں اور سرایا کو بھیجنا ان کی ہدایت کے لیے تو تھا اور جب مسلمان دین سے بے خبری اور بے توجہی میں ان کے قریب پہنچ گئے ہوں یا ان سے بھی آگے کفر وارتداد کی طرف بڑھ گئے ہوں تو کیا ان کی ہدایت کے لیے ضرورت نہیں؟ حضرت دہلویؒ کے ملفوظات میں ایک ارشاد نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ معظّمہ میں (قبل ہجرت) جو کام کرتے تھے یعنی چل پھر کر لوگوں کو دعوت حق دینا اور اس مقصد کے لیے خود ان کے پاس جانا بظاہر مدینہ طیبہ پہنچ کر یہ کام آپ کا نہیں رہا۔ بلکہ وہاں آپؐ اپنا ایک مستقر بنا کر بیٹھے لیکن یہ آپؐ نے اس وقت کیا جب کہ مکی دعوت کو سنبھالنے والوں اور اس کام کو حسن وخوبی کے ساتھ انجام دینے والوں کی ایک خاص جماعت آپؐ نے تیار کر دی اور پھر اس کام ہی کا تقاضا ہوا کہ آپؐ اپنے ایک مرکز میں بیٹھ کر اس کام کو نظم کے ساتھ چلائیں اور کارکنوں سے کام لیں علیٰ ہذا حضرت عمرؓ کو مدینہ طیبہ ہی کے مرکز میں مقیم رہنا اس وقت درست ہوا جب کہ ایران اور روم کے علاقوں میں اللہ کے کلمہ کو سر بلند کرنے کے لیے جہاد کرنے والے اللہ کے ہزاروں

بندے پیدا ہو چکے تھے۔ اور ضرورت تھی کہ حضرت عمرؓ مرکز میں رہ کر اس دعوت حق اور جہاد فی سبیل اللہ کے نظام کو استحکام کے ساتھ چلائیں۔

بے طلبوں میں طلب پیدا کرنے کیلئے جماعتوں کی روانگی

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب جو حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے بھانجے اور حضرت دہلوی مولانا الیاس صاحبؒ کے اخیر زمانہ میں عیادت کیلئے ایک دن کے لئے گئے تھے، مگر حضرت کے اس ارشاد پر کہ تمہیں اپنا وعدہ بھی یاد ہے (مولانا ظفر احمد صاحب نے عرصہ سے نظام الدین بسلسلہ تبلیغ ایک چلہ گذارنے کا وعدہ کر رکھا تھا) مستقل وہاں قیام کرلیا اور وصال تک وہیں رہے، اور حضرت کی شدت بیماری کی وجہ سے حضرت کو مسلسل کلام کرنا مشکل تھا وہ لکھتے ہیں ''ایک دفعہ فرمایا کہ سیدنا رسول اللہ ﷺ ابتداء اسلام کے زمانہ میں (جب دین ضعیف تھا اور دنیا قوی تھی) بے طلب لوگوں کے گھر جا جا کر ان کی مجالس میں بلا طلب پہنچ کر دعوت دیتے تھے طلب کے منتظر نہیں رہے بعض مقامات پر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو از خود بھیجا ہے کہ فلاں جگہ تبلیغ کرو، اس وقت وہی ضعف کی حالت ہے تو اب ہم کو بھی بے طلب لوگوں کے پاس خود جانا چاہیے۔ ملحدوں، فاسقوں کے مجمع میں پہنچنا چاہیے اور کلمہ حق بلند کرنا چاہیے (پھر خشکی غالب ہوگئی اور بات نہ کر سکے تو فرمایا) مولانا تم میرے پاس بہت دیر میں پہنچے اب میں تفصیل سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بس جو کہہ دیا اسی میں غور کرتے رہئے۔ فقط (ملفوظات دہلویؒ)

یہ کہنا کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں یہ طرز نہیں تھا کتب سیر اور کتب حدیث پر قلتِ نظر کا اثر ہے۔ ورنہ جیسا اوپر بھی لکھوا چکا ہوں کہ ''حیاۃ الصحابہؓ'' میں بہت کثرت سے وفود بھیجنے کی تفاصیل موجود ہیں اور وفد عبدالقیس کا قصہ تو ساری کتب حدیث میں مشہور ہے، انہوں نے عرض کیا تھا ''یارسول اللہ ﷺ قبیلہ مضر ہم میں اور آپ میں حائل ہے، ہم صرف اشہر حرم میں آسکتے ہیں۔ ہمیں ایمان کے امور بتا دیجئے تاکہ اگر ہم اس پر عمل کریں گے تو جنت میں داخل ہو جائیں گے، اور جا کر اپنی قوم کو بتائیں۔ اس پر حضور ﷺ نے چار چیزوں کا حکم فرمایا اور چار چیزوں سے منع فرمایا (جس کی تفصیل آئندہ اشکال نمبر 6 میں آرہی ہے) مسند طیالسی کی روایات میں اس قصہ

میں یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''اپنی قوم کو جا کر ان چیزوں کی دعوت دو'' (حیاۃ الصحابہؓ) اسی میں ایک بہت طویل حدیث بروایت حاکم نقل کی ہے کہ علقمہ بن الحارثؓ کہتے ہیں کہ میں اپنی قوم کے سات آدمیوں کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ''تم کون ہو؟ عرض کیا ''مومن ہیں'' تو حضور ﷺ نے فرمایا ''ہر قول کی ایک حقیقت ہوا کرتی ہے تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ انہوں نے عرض کیا ''پندرہ چیزیں ہیں جن میں سے پانچ کا تو آپؐ نے حکم فرمایا تھا اور پانچ چیزیں آپؐ کے قاصدوں نے بتائیں (لمبی حدیث ہے مجھے تو صرف اس جملہ کی طرف متوجہ کرنا تھا) کہ حضور اقدس ﷺ کے قاصد قوموں کے پاس جا کر حضور اقدس ﷺ کے ارشادات پہنچاتے تھے۔

داعی کا فریضہ

سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت پر وسعت نظر سے کون انکار کر سکتا ہے۔ تاریخ و سیرت میں ان کی وسعت نظر دنیا میں مشہور ہے، انہوں نے جو مقدمہ حضرت دہلویؒ کی سوانح مؤلفہ مولانا الحاج علی میاں پر لکھا ہے اس کے کچھ اقتباسات اپنی جگہ پر سید صاحب کے تذکرہ میں آئیں گے اس کے اندر وہ تحریر فرماتے ہیں کہ تبلیغ و دعوت کے ان اصولوں میں سے جو آنحضرتؐ کی سیرت میں نمایاں معلوم ہوتے ہیں ایک عرض ہے۔ یعنی حضور انور ﷺ اس کا انتظار نہیں فرماتے تھے کہ لوگ آپؐ کی خدمت میں خود حاضر ہوں بلکہ آپؐ اور آپؐ کے داعی لوگوں تک خود پہنچتے تھے اور کلمہ حق کی دعوت پیش فرماتے تھے (طویل مضمون ہے جو عنقریب آرہا ہے) اس کے بعد لکھتے ہیں ''اس سے معلوم ہوا کہ داعی اور مبلغ کا خود فرض ہے کہ وہ لوگوں تک پہنچے اور حق کا پیغام پہنچائے۔ (مقدمہ سوانح حضرت دہلویؒ)

مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی مفتی دارالعلوم دیوبند سے بھی ایک صاحب نے یہ اشکال کیا کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں لوگ کفار کے پاس جاتے تھے آج کل لوگ مسلمانوں کے پاس جاتے ہیں۔ کیا حدیث سے یہ ثابت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے مسلمانوں میں جا کر اس طرح سے تبلیغ کی ہو اگر ہے تو اس کا حوالہ چاہیے۔ مفتی صاحبؒ نے اس کے جواب میں لکھا ہے کہ کوفہ اور قرقیسیا میں صحابہ کرامؓ کا تبلیغ کے لئے جانا فتح القدیر جلد اول میں مذکور ہے، حضرت عمرؓ نے حضرت معقل بن یسار عبداللہ بن مغفل

وغیرہ حضرات کی جماعت کو شام بھیجا۔ یہ جماعتیں مسلمانوں کے پاس گئیں۔ (ازالہ الخفاء ج جلد۲)

اشکال نمبر۳: اہل تبلیغ علم وذکر کے مخالف ہیں

یہ بھی بہت کثرت سے کانوں میں پہنچتا رہتا ہے کہ تعلیم اور خانقاہوں کو بیکار بتایا جاتا ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ یہ اشکال یا تو عناد سے ذکر کیا جاتا ہے یا حالات سے ناواقفیت پر۔

تبلیغ کے تو اصولِ موضوعہ کے درمیان میں جو اس کے چھ نمبر معروف ہیں اور بالکل بنیادی ہیں، اس میں علم وذکر مستقل نمبر ہے اس کے علاوہ بانی تحریک حضرت دہلویؒ اور ان کے خلف الرشید مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے کلاموں میں، ان کی تقریروں میں، ان کے ملفوظات میں، علم وذکر پر جتنا زور ہے اتنا شاید کسی جزو پر نہ ہو، حضرت دہلویؒ کا تو مشہور مقولہ جس کو وہ ہمیشہ اپنی مجالس میں اپنے ارشادات میں بار بار دہراتے رہے کہ علم وذکر میری تحریک کے دو بازو ہیں اگر ایک بازو ٹوٹ جائے تو پرندہ کا اڑنا مشکل ہے۔ یہ اعتراض کرنے والے اگر حضرت دہلویؒ اور ان کے خلف الرشید حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی سوانح عمریاں اور ملفوظات دیکھ لیتے تو اس قسم کا لفظ زبان یا قلم سے نکالنے کی کبھی ہمت نہ ہوتی۔

علم وذکر کے متعلق مولانا محمد الیاسؒ کے ملفوظات

حضرت دہلویؒ کے ملفوظات میں ہے:

(**ملفوظ نمبر ۱**) ایک بار فرمایا جس کو مولانا ظفر احمد صاحب بھانجہ حضرت حکیم الامۃ تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے ملفوظات میں جو انہوں نے نظام الدین کے قیام میں جمع کیے اور وہ حضرت دہلویؒ کے ملفوظات میں طبع بھی ہو گئے لکھا ہے کہ مولانا نے ایک بار فرمایا کہ ہماری تبلیغ میں علم وذکر کی بڑی اہمیت ہے بدون علم کے نہ عمل ہو سکے نہ عمل کی معرفت اور بدون ذکر کے علم ظلمت ہی ظلمت ہے۔ اس میں نور نہیں ہو سکتا۔ مگر ہمارے کام کرنے والوں میں اس کی کمی ہے، میں نے (مولانا ظفر احمد صاحب نے) عرض کیا تبلیغ خود بہت اہم ہے۔ اس کی وجہ سے ذکر میں کمی ہونا ویسا ہی ہے جیسا حضرت سید صاحب بریلوی قدس سرہٗ نے جس وقت جہاد کی تیاری کے لیے اپنے خدام کو بجائے ذکر و شغل کے نشانہ بازی اور گھوڑے کی سواری میں مشغول کر دیا، تو بعض نے یہ شکایت کی کہ اس وقت پہلے جیسے انوار نہیں ہیں تو حضرت سید صاحب نے فرمایا کہ ہاں اس وقت ذکر کے انوار نہیں ہیں جہاد کے انوار ہیں اور اس کی اس وقت ضرورت ہے، فرمایا (یعنی حضرت دہلویؒ نے) مگر مجھے علم اور ذکر کی کمی کا قلق ہے اور یہ کمی اس واسطے ہے کہ اب تک اہل علم اور اہل ذکر اس میں نہیں لگے ہیں۔ اگر یہ حضرات آکر اپنے ہاتھ میں کام لے لیں تو یہ کمی بھی پوری ہو جائے، مگر علماء اور اہل ذکر تو ابھی تک اس میں بہت کم آئے ہیں۔

تشریح:...... اب تک جو جماعتیں تبلیغ کے لئے روانہ کی جاتی ہیں ان میں اہل علم اور اہل نسبت کی کمی ہے۔ جس کا حضرت کو قلق تھا۔ کاش اہل علم اور اہل نسبت بھی ان جماعتوں میں شامل ہو کر کام کریں تو یہ کمی پوری ہو جائے الحمد للہ مرکز تبلیغ میں اہل علم اور اہل نسبت موجود ہیں، مگر وہ چند گنتی کے آدمی ہیں اگر وہ ہر جماعت کے ساتھ جایا کریں تو مرکز کا کام کون سرانجام دے۔ (ملفوظات)

(**ملفوظ نمبر ۲**) ایک دن بعد نماز فجر جب کہ اس تحریک میں عملی حصہ لینے والوں کا نظام الدین کی مسجد میں بڑا مجمع تھا، اور حضرت مولانا کی طبیعت اس قدر کمزور تھی کہ بستر پر لیٹے لیٹے بھی دو چار لفظ بآواز نہیں فرما سکتے تھے تو اہتمام سے ایک خاص خادم کو طلب فرمایا، اور اس کے

واسطے سے اس پوری جماعت کو کہلوایا کہ آپ لوگوں کی یہ ساری چلت پھرت اور ساری جدو جہد بیکار ہوگی اگر اس کے ساتھ علم دین اور ذکراللہ کا پورا اہتمام آپ نے نہیں کیا بلکہ سخت خطرہ اور قوی اندیشہ ہے کہ اگران دو چیزوں کی طرف سے تغافل برتا گیا تو یہ جد و جہد مبادا فتنہ اور ضلالت کا ایک نیا دروازہ نہ بن جائے دین کا اگر علم ہی نہ ہوتو اسلام اور ایمان محض رسمی اور رسمی ہے، اور اللہ کے ذکر کے بغیر اگر علم ہو بھی تو وہ سراسر ظلمت ہے اور علیٰ ہذا اگر علم دین کے بغیر ذکراللہ کی کثرت بھی ہوتو اس میں بھی بڑا خطرہ ہے۔ الغرض علم میں نور ذکر سے آتا ہے، اور بغیر علم دین کے ذکر کے حقیقی برکات وثمرات حاصل نہیں ہوتے۔ بلکہ بسا اوقات ایسے جاہل صوفیوں کو شیطان اپنا آلہ کار بنالیتا ہے۔ لہٰذا علم اور ذکر کی اہمیت کو اس سلسلہ میں کبھی فراموش نہ کیا جائے اور اس کا ہمیشہ خاص اہتمام رکھا جائے ورنہ آپ کی یہ تبلیغی تحریک بھی بس ایک آوارہ گردی ہو کر رہ جائے گی اور خدا نہ کرے آپ لوگ سخت خسارہ میں رہیں گے۔

(**ملفوظ نمبر ۳**) ایک بار فرمایا کہ میں ابتداء میں اس طرح ذکر کی تعلیم دیتا ہوں (یہاں اوراد کی تفصیل ہے اس کے بعد فرمایا) علم بدون ذکر کے ظلمت ہے اور ذکر بدون علم کے بہت سے فتنوں کا دروازہ ہے۔

(**ملفوظ نمبر ٤**) فرمایا کہ دو چیزوں کا مجھے بڑا فکر ہے ان کا اہتمام کیا جائے ایک ذکر کا کہ اپنی جماعت میں اس کی کمی پار ہا ہوں ان کو ذکر بتلایا جائے۔ دوسرے اہل اموال کو مصرف زکوٰۃ سمجھایا جائے ان کی زکوٰتیں اکثر برباد جارہی ہیں مصرف میں خرچ نہیں ہوتیں۔ (مضمون طویل ہے)

(**ملفوظ نمبر ٥**) فرمایا علم سے عمل پیدا ہونا چاہئے اور عمل سے ذکر پیدا ہونا چاہیے جب ہی علم، علم ہے اور عمل، عمل ہے، اگر علم سے عمل پیدا نہ ہوا تو سراسر ظلمت ہے۔ اور عمل سے اللہ کی یاد دل میں پیدا نہ ہوئی تو پھس پھسا ہے، اور ذکر بلا علم بھی فتنہ ہے۔

(**ملفوظ نمبر ٦**) فرمایا کہ ذکراللہ شر شیاطین سے بچنے کے لئے قلعہ اور حصن حصین ہے لہٰذا جس قدر غلط اور برے ماحول میں تبلیغ کے لئے جایا جائے شیاطین جن وانس کے برے اثرات سے اپنی حفاظت کے لئے اسی قدر زیادہ ذکراللہ کا اہتمام کیا جائے۔

(**ملفوظ نمبر ۷**) فرمایا مجھے جب بھی میوات جانا ہوتا ہے تو میں ہمیشہ اہل خیر اور اہل ذکر

کے مجمع کے ساتھ جاتا ہوں پھر بھی عمومی اختلاط سے قلب کی حالت اس قدر متغیر ہو جاتی ہے کہ جب تک اعتکاف کے ذریعہ اس کو غسل نہ دوں یا چند روز کے لئے سہارنپور یا رائپور کے خاص مجمع اور خاص ماحول میں جا کر نہ رہوں قلب اپنی حالت پر نہیں آتا، دوسروں سے بھی کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے دین کے کام کے لئے پھرنے والوں کو چاہیے کہ گشت اور چلت پھرت کے طبعی اثرات کو خلوتوں کے ذکر و فکر کے ذریعہ دھویا کریں۔

(**ملفوظ نمبر ۸**) ارشاد فرمایا کہ علم و ذکر کو مضبوطی سے تھامنے کی زیادہ سے زیادہ ضرورت ہے (اس کے بعد طویل ارشاد علم و ذکر کی حقیقت میں ہے جس میں یہ فرمایا کہ علم نام صرف جاننے کا نہیں) دیکھو یہود اپنی شریعت اور اپنے آسمانی علوم کے کیسے عالم تھے کہ حضور اقدس ﷺ کے نائبوں کے نائبوں تک کے حلیے نقشے حتیٰ کہ ان کے جسم کے تل کے متعلق بھی ان کو علم تھا لیکن کیا ان باتوں کے صرف جاننے نے ان کو کوئی فائدہ دیا؟

یہ چند ملفوظات مختصر لکھوائے ہیں، حضرت دہلوی اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نور اللہ مرقدہما کی تقاریر ان کے ملفوظات اور ارشادات اور مکاتیب کثرت سے شائع ہو چکے ہیں۔ حضرت دہلویؒ کے ایک مکتوب کے چند فقرے نقل کراتا ہوں جو میوات کے کارکنوں کے نام لکھا گیا اور حضرت دہلویؒ کے مکاتیب میں طبع شدہ ہے" دوستو اور عزیزو! تمہارے ایک ایک سال دینے کی خبر سے جو ابھی سے مسرت ہو رہی ہے وہ تحریر سے باہر ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، اور توفیق مزید عطا فرمائے۔ میں چند باتوں کی طرف آپ صاحبان کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

(الف) اپنے اپنے حلقے کے ان لوگوں کی فہرست جمع کر کے مجھے اور شیخ الحدیث صاحب کو کہ جو ذکر شروع کر چکے ہیں یا اب کر رہے ہیں یا چھوڑ چکے ہیں۔

(ب) دوسرے جو بیعت ہیں اور ان کو بیعت کے بعد جو بتلایا جاتا ہے اس کو نباہ رہے ہیں یا نہیں؟

(ج) ہر مرکز میں جو مکاتب ہیں ان کی نگرانی اور جدید مکاتب کی جہاں جہاں ضرورت ہے۔

(د) تم خود بھی ذکر اور تعلیم میں مشغول ہو یا نہیں اگر نہیں ہو تو بہت جلد اب تک کی غفلت پر

نادم شروع کردو، الف سے مراد یہ کہ جن کو بارہ تسبیح بتائی ہیں وہ پابندی سے پورا کرتے ہیں یا نہیں اور انہوں نے ہم سے پوچھ کر کیا ہے یا خود اپنی تجویز سے ذکر کرنے والوں کو دیکھ کر شروع کیا ہے ہر ہر شخص سے دریافت کر کے نمبر وار تفصیل سے لکھو۔

(ہ) اپنے مرکزوں سے ہر ہر نمبر کے متعلق نمبر وار تفصیل کے ساتھ کارگزاری میرے اور شیخ الحدیث صاحب کے پاس روانہ کرنے کا اہتمام ہو۔

(و) جو ذکر بارہ تسبیح کر رہے ہیں ان کو آمادہ کرو کہ وہ ایک ایک چلہ رائپور جا کر گذاریں۔

(ز) میرے دوستو! تمہارے نکلنے کا خلاصہ تین چیزوں کا زندہ کرنا ہے، ذکر، تعلیم، تبلیغ یعنی تبلیغ کے لئے باہر نکالنا۔ اوران کو ذکر و تعلیم کا پابند کرنا۔ (مکاتیب)

مولانا محمد یوسفؒ اور علم و ذکر کی اہمیت

سوانح یوسفی میں لکھا ہے کہ مولانا محمد یوسف صاحبؒ یقین اور نماز کو اس کام کی بنیاد سمجھتے ہوئے علم و ذکر کو دعوت و تبلیغ کی تحریک کے دو بازو قرار دیتے تھے اور ہمیشہ اپنی تقریروں اور مکاتیب میں اس کی طرف پوری طرح متوجہ فرماتے تھے۔ اپنے ایک اہم مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں ''علم وذکر اس کام کے دو بازو ہیں، ان میں کسی ایک کی کمی اور سستی اصل کام کے لئے سخت مضر اور کمزور کرنے والی ہے، ہر ایک اپنی جگہ نہایت ضروری ولابدی ہے۔ علم و ذکر کے مراکز خانقاہیں اور مدارس ہیں، ہم اپنے دونوں بازوؤں کو قوی کرنے کے اندر ہر طرح ہر وقت اہل علم علماء صلحاء مشائخ کے محتاج ہیں وہ ہمارے بالخصوص ان دو اہم امور میں مقتدا ہیں چونکہ ان کے پاس علم نبوت اور جواہر نبوت موجود ہیں، ہمارے ذمہ لازم ہے کہ ہم اس علم وذکر کی وجہ سے ان کی خوب قدر کریں۔ ان کی خدمت کریں ان کی صحبت کو اپنے لئے باعث اصلاح ونجات سمجھیں، اسی بنا پر تبلیغ کے اہم نمبروں میں سے ہے علماء اور مشائخ کی زیارت اور ان سے دعاؤں کو لینا ان کے سامنے حالات تبلیغ سنانا اور مفید مشورہ حاصل کرنا۔ مفتی عزیز الرحمٰن صاحب سوانح حضرت جی میں لکھتے ہیں ''ایک دفعہ میں نے مولانا سے اپنی درسی مصروفیات کی شکایت کی اور عرض کیا کہ میں پڑھانے سے اس قدر تھک گیا ہوں کہ جی چاہتا ہے کہ تھوڑے دنوں کے لئے کوئی آدمی مل جائے تو درسی ذمہ داری اس کے سپرد کر کے کچھ دن تبلیغ میں لگا دوں تو

فرمایا ہر گز نہیں تبلیغ سے پہلے بھی یہی کام کرنا ہے اور تبلیغ کے بعد بھی یہی کام کرنا ہے، لوگ ہمیں کہتے ہیں کہ ہم مدرسوں کے مخالف ہیں حالانکہ یہ غلط ہے، ہم پڑھانے کو بنیادی کام سمجھتے ہیں اور حد یہ ہے کہ خود پڑھاتے ہیں، ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ پڑھانے کے کام کے ساتھ تبلیغ کو بھی لگائے رکھو۔ (سوانح یوسفی عزیزی)

اہل علم کی مجلس میں علم وذکر کے متعلق استفادہ کریں

حضرت دہلویؒ اپنے ایک طویل مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں اپنے وقتوں کو صبح وشام اور کچھ حصہ شب کا اپنی حیثیت کے مناسب ان دو چیزوں (تحصیل علم وذکر) میں مشغول رکھنا۔

سوانح حضرت دہلویؒ میں علی میاں لکھتے ہیں "آپ نے میواتیوں کو دیوبند، سہارنپور، رائپور اور تھانہ بھون کی طرف بھیجنا شروع کیا اور ہدایت فرمائی کہ بزرگوں کی مجلسوں میں تبلیغ کا ذکر نہ کریں پچاس ساٹھ آدمی ماحول کے دیہاتوں میں گشت کریں اور آٹھویں روز قصبہ میں جمع ہو جائیں پھر وہاں سے دیہات کے لئے تقسیم ہو جائیں حضرات اکابر کی طرف سے اگر پوچھا جائے تو بتلا دیا جائے، از خود کچھ ذکر نہ کیا جائے" شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں "میری ایک پرانی تمنا ہے کہ خاص اصولوں کے ساتھ مشائخ طریقت کے یہاں یہ جماعتیں آداب خانقاہ کی بجا آوری کرتے ہوئے خانقاہوں میں فیض اندوز ہوں اور جس میں باضابطہ خاص وقتوں میں حوالی کے گاؤں میں تبلیغ بھی جاری رہے اس بارے میں ان آنے والوں سے مشاورت کر کے کوئی طرز مقرر فرمار کھیں، یہ بندہ ناچیز بھی اس ہفتہ بہت زیادہ اغلب ہے کہ چند فقراء کے ساتھ حاضر ہو، دیوبند اور تھانہ بھون کا بھی خیال ہے۔ مولانا یوسف صاحبؒ اپنے منتسبین اور تبلیغی کام سے تعلق رکھنے والوں کو برابر، دیوبند حضرت مدنیؒ کی خدمت میں اور رائپور حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائپوریؒ کی خدمت میں حاضری اور وہاں کچھ وقت صرف کرنے اور زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے پر زور دیتے تھے۔ (حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کا وصال مولانا یوسف صاحب کے دور سے پہلے ہو چکا تھا) اپنے ایک پرانے تعلق رکھنے والے صاحب کو اس سلسلہ میں ایک مکتوب لکھتے ہوئے کتنے اہتمام سے ہدایت فرماتے ہیں۔

''آپ کے لئے باہمی مشورہ سے رائپور کا قیام طے ہوا، نہ صرف ایک چلہ کے لئے بلکہ تین چلوں تک آپ حضرت کے پاس بخوشی رہیں، حضرت عالی کی صحبت مبارکہ کو کیمیا اور اخلاق کے بلند ہونے کا بڑا علاج تصور فرماتے ہوئے وہاں کے آداب کی پوری پوری رعایت کرتے ہوئے ذکر الٰہی کا شوق اور محبت ربانیہ کی پیداوار کی کوشش میں رہیں''

ہم سے تو کچھ نہ ہوسکا آپ ہی اس عظیم ترین دولت کی تحصیل میں لگ جائیں اللہ پاک وہاں آپ کے قیام کو ہماری نجات ومغفرت کا ذریعہ قرار دے۔ حضرت سے بعد سلام مسنون اس عاجز وناچیز کے لئے دعاء کی درخواست عرض کردیں اور تمام متسبین ومقیمین بارگاہ کو بھی''

بندہ محمد یوسف غفرلہ (سوانح یوسفیؒ)

اشکال نمبر۴: تبلیغ مدارس کے نقصان کا ذریعہ ہے

مخالفت کا پروپیگنڈہ غلط ہے تبلیغی جماعت سے مدارس کو نقصان پہنچ رہا ہے یہ لوگ مدارس کی مخالفت کرتے ہیں یہ اعتراض بھی نہایت ہی لغو اور بے اصل ہے اس پہلے نمبر میں...... مدارس...... علم وذکر کی جو اہمیت بیان ہو چکی ہے،.... اس کے بعد یہ کہنا کہ مدارس کو نقصان پہنچتا ہے یا یہ لوگ مدارس کی مخالفت کرتے ہیں جتنا بے اصل ہے ظاہر ہے۔ ایک مرتبہ اس ناکارہ سے حضرت اقدس شیخ الاسلام مولانا مدنی نور اللہ مرقدہٗ نے ارشاد فرمایا کہ یہ تبلیغی لوگ مدارس کے چندہ کو منع کرتے ہیں میں نے عرض کیا کہ یہ کسی سفیر کی روایت ہوگی، سفراء مدارس اس کے ضرور شاکی ہیں اور میں خود بھی چونکہ مدرسہ والا ہوں اس لئے میرے پاس بھی اس قسم کی شکایتیں سفراء کی طرف سے پہنچتی رہتی ہیں، میں نے عرض کیا کہ اس کی اصلیت یہ ہے کہ تبلیغی اکابر کی طرف لوگوں کی رجوعات کی کثرت اور تبلیغی اجتماعات بہت بڑی مقداروں میں ہونے لگے ہیں، کسی اجتماع کے موقع پر کسی مدرسہ کا سفیر گیا ہوا ہوتا ہے وہ یہ چاہتا ہے کہ یہ تبلیغی احباب اپنے اجتماعات میں ہمارے مدرسوں کے لئے تحریک کردیں یا کم از کم ان کو تقریر کا موقع دیں تا کہ وہ اس اجتماع کو وصول کرتے ہوئے اپنے مدرسہ کے لئے چندہ تحریک کریں، اور ان دونوں باتوں کو تبلیغی حضرات قبول نہیں کرتے اور کرنا بھی نہیں چاہئے اس لیے کہ چندہ مانگنا ان کے اصول کے خلاف ہے اور جب وہ عذر کرتے ہیں۔ تو یہ اس کو اس عنوان

سے تعبیر کرتے ہیں کہ یہ مدارس کے خلاف ہیں، میں نے حضرت سے عرض کیا مجھ سے متعدد سفراء نے یہ شکایتیں کیں اور جب میں نے ان سے پوچھا کہ کس نے اور کہاں مخالفت کی تو ان کی نشاندہی پر واقعہ کی تحقیق کی تو یہی معلوم ہوا جو میں نے اوپر عرض کیا، حضرتؒ نے فرمایا کہ روایت تو ایک مدرسہ کے سفیر ہی کی تھی فقط اس قسم کے اعتراضات زیادہ تر سفراء کی طرف سے آتے ہیں، یا ان لوگوں کی طرف سے جن سے سفراء یہ شکایت کرتے ہیں اس میں شک نہیں کہ چندہ مانگنا ان لوگوں کے اصول کے خلاف ہے، اللہ ان کو اپنے اس عزم پر باقی رکھے۔ یہاں مدرسہ کی مسجد میں چند سال ہوئے مغرب کی نماز کے بعد ایک شخص نے اعلان کیا کہ میں نظام الدین سے آیا ہوں تبلیغ میں جا رہا ہوں میرے پاس کرایہ نہیں رہا۔ اہل خیر اپنی ہمت کے موافق کچھ مدد فرمائیں، میں نے اسی وقت اعلان کیا کہ یہ شخص جھوٹا ہے تبلیغ والوں کو چندہ مانگنے کی مرکز سے ہرگز اجازت نہیں اس کو کوئی چندہ نہ دے مدرسہ کی مسجد سے وہ فوراً چلا گیا، مگر معلوم ہوا شہر کی دوسری مساجد میں وہ اسی عنوان سے چندہ کرتا رہا۔ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے ملفوظات میں ہے "جہاں وعظ کہہ کر چندہ مانگا سب اثر گڑ بڑ ہو گیا، بڑے زور و شور کی تقریر گھنٹہ دو گھنٹہ کی محنت ایک لفظ چندہ کے کہتے ہی سب ختم، علماء صرف تبلیغ کریں جب ہی تبلیغ مؤثر ہو سکتی ہے۔ (افاضات)

کلکتہ کے اور ممبئی کے بعض تاجروں سے ایک مدرسہ کے بڑے ذمہ دار نے یہ شکایت کی کہ تبلیغ والوں سے مدارس کے چندہ کو نقصان پہنچتا ہے، ان لوگوں نے مختلف مواقع پر ایک ہی جواب دیا کہ ہم لوگ تو ان مدارس کو چندہ تبلیغ ہی کی برکت سے دے رہے ہیں، آپ دس برس پہلے کی رودادیں نکال کر دیکھ لیں اور اب کی رودادیں نکال کر دیکھ لیں اور موازنہ کریں کہ ہمارے شہروں سے ان دس برسوں میں چندہ میں کتنا اضافہ ہوا۔ حضرت دہلوی نور اللہ مرقدہ کی سوانح میں حضرت دہلویؒ کا ایک مکتوب درج ہے جو میوات کے چند دینداروں کے نام لکھا گیا ہے، جس میں اس حقیقت کی وضاحت فرمائی تھی۔ "دین کے ادارے اور جتنے بھی ضرورت کے امور ہیں ان سب کے لئے تبلیغ (صحیح) اصول کے ساتھ ملک ملک پھرتے ہوئے کوشش کرنا بمنزلہ زمین ہموار کرنے کے ہے اور بمنزلہ بارش کے ہے، اور دیگر جتنے بھی امور ہیں وہ اس زمین مذہب کے اوپر بمنزلہ باغات کی پرورش کرنے کے ہیں، باغات کی ہزاروں اقسام ہیں کوئی کھجوروں کا ہے کوئی اناروں کا ہے، کوئی

سیبوں کا، باغ ہزاروں چیزوں کے ہوسکتے ہیں، لیکن کوئی باغ دو چیزوں کے اندر پوری پوری کوشش کرنے کے بغیر نہیں ہوسکتا پہلی چیز زمین کا ہموار اور درست ہونا، زمین کے ہموار کرنے میں کوشش کئے بغیر یا زمین میں کوشش کر کے خود ان باغات کی مستقل پرورش کئے بغیر کسی طرح باغات پرورش نہیں پاسکتے۔ سو دین میں تبلیغی امور کی کوشش یہ تو زمین مذہب ہے، اور سب ادارے باغ ہیں، اب تک زمین مذہب ایسی ناہموار اور ہر طرح کی پیداوار اور باغات سے اس قدر نامناسب واقع ہو رہی ہے کہ کوئی باغ اس پر نہیں لگتا حضرت دہلوی کی رائے یہ تھی جس کو انہوں نے مختلف عناوین سے ملفوظات میں مکاتیب اور ارشادات میں ظاہر کیا ہے کہ ان کی تبلیغ مدارس اور خانقاہوں کی ترقی کا ذریعہ ہے۔ ایک جگہ حضرت دہلویؒ کا ایک مکتوب نقل کیا ہے علی میاں حضرت دہلویؒ کی سوانح میں لکھتے ہیں کہ مولانا مدارس دینیہ کے وجود کو مسلمانوں کے لئے نہایت ضروری سمجھتے تھے اور اس سایہ رحمت کے مسلمانوں کے سروں سے اٹھ جانے کو موجب وبال اور قہر سمجھتے تھے، لوگوں کی ناقدردانی اور غفلت سے دینی مدارس اور مکاتب کی ایک بڑی تعداد میوات میں معطل ہوگئی تھی۔ شیخ رشید احمد صاحب کو اسی خط میں اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں ''لوگوں کو یہ بات ذہن نشین کرانے میں آپ ہمت فرمادیں کہ سینکڑوں مدرسوں کا سست پڑ جانا یا بند ہو جانا اہل زمانہ کے لیے نہایت وبال اور نہایت بازپرس کا خطرہ رکھتا ہے۔ کہ قرآن دنیا سے مٹتا چلا جائے اور ہمارے پیسوں میں اس کا کوئی حصہ اور ہمارے دلوں میں اس کا کوئی درد نہ ہو یہ سب باتیں خطرناک ہیں۔''

(سوانح مولانا محمد الیاس صاحبؒ)

اشکال نمبر ۵: جماعتوں میں علماء کی اہانت ہوتی ہے۔

یہ اعتراض بھی بہت کثرت سے آرہا ہے کہ تبلیغ والے علماء کی اہانت کرتے ہیں۔

جہاں تک علماء کی اہانت کا تعلق ہے اس دور فساد میں کون سا طبقہ کون سی جماعت ایسی ہے جو علماء کی اہانت نہیں کررہی ہے، اگر ان میں سے کچھ لوگ تبلیغی جماعت میں بھی شریک ہوجائیں تو اس چیز کو تبلیغی جماعت کی طرف منسوب کرنا صریح ظلم ہے علماء کی اہانت کے متعلق تو یہ ناکارہ اپنے رسالہ ''اعتدال'' میں تقریباً پچاس صفحے پر بہت تفصیل سے گفتگو کرچکا ہے، اس میں اس اعتراض کو بھی اور

اس کی وجوہ کو بھی بہت تفصیل سے لکھا ہے جہاں تک تبلیغی جماعت کا تعلق ہے میرے علم میں تو یہ ہے کہ علماء کے احترام کی مرکز اور اکابر تبلیغ کی طرف سے بہت تاکید ہوتی ہے، اگر اس کے خلاف کسی کا قول یا فعل ہو تو اس کا ذاتی فعل یا قول ہے۔ میں اس سے پہلی فصل میں جہاں مدارس کے نقصان کا بیان کر چکا ہوں وہاں بہت سے تاجروں اور رئیسوں کا مقولہ جو متعدد علماء بلکہ خود مجھ سے بھی کہا گیا ہے کہ حضرت جی ہم لوگ تو آپ سے بہت خفا اور دور رہتے تھے۔ اس تبلیغ کی بدولت آپ تک پہنچنا ہوا۔ یہ مقولہ بلا تصنع بلا مبالغہ سو آدمیوں سے زائد سے میں نے سنا ہوگا۔ اس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے کہ ممبئی شہر میں علماء حقہ میں تبلیغ سے پہلے جانا کتنا دشوار تھا، اور وعظ کہنے کا تو واہمہ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہ کو اپنی اہلیہ محترمہ کی حج سے واپسی پر ممبئی تشریف لے جانے پر کس قدر اذیت دی گئی کہ مخالفین نے بجلی کے تار کاٹ دیئے مکان کا محاصرہ کر لیا اور حضرت قدس سرہٗ پر حملہ کیا۔ میزبان کی خوش اسلوبی اور بہترین انتظام کی وجہ سے حضرت اقدس سرہٗ کو اس مکان سے دوسرے مکان میں اندھیرے کے اندر پہنچایا گیا۔

۳۸ھ میں جب حضرت سہارنپوری قدس سرہٗ تین سو خدام کے ساتھ حج میں تشریف لے جا رہے تھے یہ ناکارہ بھی اس میں ہم رکاب تھا تو اہل ممبئی کے شری اور فسادی مخالفین کے خوف سے حضرت کو مع قافلہ کے ممبئی سے دس میل دور ایک قبرستان میں ٹھہرایا گیا تھا اور وہاں خیمے لگائے گئے تھے۔ علماء دیوبند کا ممبئی میں علی الاعلان جانا کس قدر دشوار تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ ممبئی کی کسی مسجد میں کسی معروف دیوبندی کا نماز پڑھ لینا معلوم ہو جاتا تو اس مسجد کو پاک کرایا جاتا تھا، لیکن اب وہی ممبئی ہے کہ جہاں علماء حقہ کی طلب اور بلانے کے تقاضے اتنی کثرت سے ہوتے ہیں کہ ان کا پورا کرنا بھی مشکل ہے، جہاں تک تبلیغی اکابر کے ارشادات کا تعلق ہے ان سے انکار یا چشم پوشی انتہائی موجب تعجب ہے، اگر کسی تبلیغ والے میں سے کسی نالائق نے جو پہلے سے علماء کا مخالف ہو علماء کی شان میں خلاف کہہ دیا ہو تو یہ بھی دیکھنا ہے کہ تبلیغ سے پہلے علماء کے ساتھ کیسا تعلق رکھتا تھا، اگر وہ پہلے سے معتقد تھا اور تبلیغ میں آنے کے بعد یہ حرکت شروع کی تب تو تبلیغ پر یہ الزام سچا ہے اور اگر وہ پہلے سے مخالف تھا تو تم ہی سوچو کہ اس میں تبلیغ پر کیا الزام ہے مجھے اس وقت حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ کا ایک لطیفہ یاد آیا'' ایک مدرسہ کے طالب علم نے کسی کی چوری کر لی تھی اس نے حضرت قدس سرہٗ سے

شکایت کی کہ حضرت طالب علم بھی چوری کرنے لگے تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ بالکل نہیں بلکہ چور طالب علمی کرنے لگے۔

علماء کے متعلق حضرت دہلویؒ کے ارشادات

حضرت دہلویؒ کا ارشاد ہے کہ:

(۱) ہمارے کارکن جہاں بھی کہیں جاویں وہاں کے حقانی علماء اور صلحاء کی خدمت میں حاضری کی کوشش کریں لیکن یہ حاضری صرف استفادہ کی نیت سے ہو اور ان حضرات کو براہِ راست اس کام کی دعوت نہ دیں۔ وہ حضرات جن دینی مشاغل میں لگے ہوئے ہیں ان کو تو وہ خوب جانتے ہیں اور ان کے منافع کا تجربہ رکھتے ہیں، اور تم اپنی یہ بات ان کو اچھی طرح سے سمجھا نہ سکو گے یعنی تم ان کو اپنی باتوں سے اس کا یقین نہ دلوا سکو گے کہ یہ کام ان کے دوسرے دینی مشاغل سے زیادہ دین کے لیے مفید اور زیادہ منفعت بخش ہے، نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تمہاری بات کو مانیں گے نہیں اس لیے ان کی خدمت میں بس استفادہ ہی کے لئے جایا جائے، لیکن ان کے ماحول میں نہایت محنت سے کام کیا جائے اور اصولوں کی زیادہ سے زیادہ رعایت کی کوشش کی جائے اس طرح امید ہے کہ تمہارے کام اور اس کے نتائج کی اطلاعیں خود بخود ان کو پہنچیں گی، اور وہ ان کے لئے داعی اور ان کی توجہ کی طالب ہو جائے گی پھر اگر اس کے بعد وہ خود تمہاری طرف اور تمہارے کام کی طرف متوجہ ہوں تو ان سے سرپرستی اور خبر گیری کی درخواست کی جائے، اور ان کے دینی ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی بات ان سے کہی جائے۔ (ملفوظات)

(۲) ارشاد فرمایا کہ اگر کہیں دیکھا جائے کہ وہاں کے علماء اور صلحاء اس کام کی طرف ہمدردانہ طور سے متوجہ نہیں ہوتے تو ان کی طرف سے بدگمانیوں کو دل میں جگہ نہ دی جائے، بلکہ یہ سمجھ لیا جائے کہ ان حضرات پر اس کام کی پوری حقیقت ابھی کھلی نہیں۔ علاوہ اس کے یہ بھی سمجھنے کی بات ہے کہ دنیا جو حقیر و ذلیل چیز ہے جب اس کے گرفتار اپنے دنیوی مشاغل پر اس کام کو ترجیح نہیں دے سکتے اور اپنے مشاغل و انہماک کو چھوڑ کر اس کام میں نہیں لگ سکتے تو اہل دین اپنے اعلیٰ مشاغل کو اس کام کے لئے کیسے آسانی سے چھوڑ سکتے ہیں۔ (ملفوظات)

(۳) فرمایا کہ مسلمانوں کوعلماء کی خدمت میں چار نیتوں سے جانا چاہئے۔ اول اسلام کی جہت سے، دوم یہ کہ ان کے قلوب واجسام حامل علوم نبوت ہیں۔ اس جہت سے بھی وہ قابل تعظیم اور لائق خدمت ہیں، سوم یہ کہ وہ ہمارے دینی کاموں کی نگرانی کرنے والے ہیں، چہارم یہ کہ ان کی ضروریات کے تفقد کے لیے کیونکہ اگر دوسرے مسلمان ان کی دنیوی ضرورتوں کا تفقد کر کے ان ضرورتوں کو پورا کردیں جن کو اہل اموال پورا کر سکتے ہیں تو علماء اپنی ان ضرورتوں میں وقت صرف کرنے سے بچ جائیں گے اور وہ وقت بھی خدمت علم ودین میں خرچ کریں گے تو اہل اموال کو ان کے ان اعمال کا ثواب ملے گا۔ (ملفوظات)

(۴) ایک بار فرمایا کہ جو وفود سہارنپور، دیوبند وغیرہ تبلیغ کے لئے جارہے ہیں ان کے ہمراہ تجار دہلی کے خطوط کردیئے جائیں جن میں نیاز مندانہ لہجہ میں حضرات علماء سے عرض کیا جائے کہ یہ وفود عوام میں تبلیغ کے لئے حاضر ہورہے ہیں، آپ حضرات کے اوقات بہت قیمتی ہیں، اگر ان میں سے کچھ وقت اس قافلہ کی سرپرستی میں دے سکیں جس میں آپ کا اور طلبہ کا حرج نہ ہو تو اس کی سرپرستی فرمائیں اور طلبہ کو اس کام میں اپنی نگرانی میں ساتھ لیں۔ طلبہ کو ازخود بدون اساتذہ کی نگرانی کے اس کام میں حصہ نہ لینا چاہئے، اور قافلہ والوں کو یعنی وفود تبلیغ کو نصیحت کی جائے کہ اگر حضرات علماء توجہ میں کمی کریں تو ان کے دلوں میں علماء پر اعتراض نہ آنے پائے، بلکہ یہ سمجھ لیں کہ علماء ہم سے بھی زیادہ اہم کام میں مشغول ہیں، وہ راتوں کو بھی خدمت علم میں مشغول رہتے ہیں جب کہ دوسرے آرام کی نیند سوتے ہیں، اور ان کی عدم توجہ کو اپنی کوتاہی پر محمول کریں کہ ہم نے ان کے پاس آمد ورفت کم کی ہے اس لئے وہ ہم سے زیادہ ان لوگوں پر متوجہ ہیں جو سالہا سال کے لئے ان کے پاس آپڑے ہیں۔ پھر فرمایا کہ ایک عامی مسلمان کی طرف سے بھی بلاوجہ بدگمانی ہلاکت میں ڈالنے والی ہے اور علماء پر اعتراض تو بہت سخت چیز ہے، پھر فرمایا کہ ہمارا طریقہ تبلیغ میں عزت مسلم اور احترام علماء بنیادی چیز ہیں۔ ہر مسلمان کی بوجہ اسلام کے عزت کرنی چاہئے اور علماء کا بوجہ علم دین کے بہت احترام کرنا چاہئے۔ پھر فرمایا کہ علم اور ذکر کا کام ابھی تک ہمارے مبلغین کے قبضہ میں نہیں آیا۔ اس کی مجھے بڑی فکر ہے اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ ان لوگوں کو اہل علم اور اہل ذکر کے پاس بھیجا جائے کہ ان کی سرپرستی میں تبلیغ بھی کریں۔ اور ان کے علم وصحبت سے بھی مستفید ہوں۔ (ملفوظات)

(۵) ایک مرتبہ مولانا ظفر احمد صاحب زادمجدہم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت مولانا تھانویؒ کے لوگوں کی مجھے بہت قدر ہے، کیونکہ وہ قریب العہد ہیں، اسی وجہ سے تم میری باتیں جلدی سمجھ جاتے ہو کہ مولانا کی باتیں سن چکے ہو اور تازہ سنی ہوئی ہیں، تمہاری وجہ سے میرے کام میں بہت برکت ہوتی ہے میرا بہت جی خوش ہوا، پھر بہت دعائیں دیں اور فرمایا تم خود بھی رو رو کر اس نعمت کا شکر کرو۔ (ملفوظات)

(٦) فرمایا کہ ہمارے کام کرنے والوں کو تین طبقوں میں تین ہی مقاصد کے لیے خصوصیت کے ساتھ جانا چاہئے علماء اور صلحاء کی خدمت میں دین سیکھنے اور دین کے اچھے اثرات لینے کے لئے۔ الی آخرہ (ملفوظات)

(۷) فرمایا کہ ہمارے اس کام کا اصول یہ ہے کہ مسلمانوں کے جس طبقہ کا حق اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے اس کو ادا کرتے ہوئے اس دعوت کو اس کے سامنے پیش کیا جائے.... علماء دین کا حق تعظیم ادا کر کے ان کو یہ دعوت دی جائے۔ (ملفوظات)

(۸) ارشاد فرمایا "علماء سے کہنا ہے کہ ان تبلیغی جماعت کی چلت پھرت اور محنت وکوشش سے عوام میں دین کی طرف صرف طلب اور قدر ہی پیدا کی جاسکتی ہے اور ان کو دین سیکھنے پر آمادہ ہی کیا جاسکتا ہے۔ آگے دین کی تعلیم و تربیت کا کام علماء اور صلحاء کی توجہ فرمائی ہی سے ہوسکتا ہے اس لئے آپ حضرات کی توجہات کی بڑی ضرورت ہے۔ (ملفوظات)

(۹) کسی سلسلے سے عہد حاضر کے ایک مشہور صاحب علم اور صاحب قلم خادم دین کا ذکر آگیا جن کی بعض علمی کمزوریوں کی بنا پر خاص دین دار حلقوں کو ان پر اعتراض تھا تو فرمایا کہ میں تو ان کا قدر دان ہوں، اگر ان میں کوئی کمزوری ہو تو میں اس کا علم بھی حاصل کرنا نہیں چاہتا یہ معاملہ اللہ کا ہے شاید ان کے پاس اس کا کوئی عذر ہو، ہم کو تو عام حکم یہ ہے کہ دعائیں کرو۔

"وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا الآيَة" (ملفوظات)

(۱۰) فرمایا کہ ہماری اس تحریک کا اصل مقصد ہے مسلمانوں کو "**جمیع ماجاء به النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم**" سکھانا یعنی اسلام کے پورے علمی و عملی نظام سے امت کو وابستہ کر دینا، یہ تو ہے ہمارا اصل مقصد۔ رہی قافلوں کی یہ چلت پھرت اور تبلیغی گشت سو یہ اس مقصد کے لیے

ابتدائی ذریعہ ہے اور کلمہ اور نماز کی تلقین و تعلیم گویا ہمارے پورے نصاب کی ا، ب، ت، ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ ہمارے قافلے پورے کام نہیں کر سکتے ان سے تو بس اتنا ہی ہوسکتا ہے کہ ہر جگہ پہنچ کر اپنی جدوجہد سے ایک حرکت اور بیداری پیدا کر دیں اور غافلوں کو متوجہ کر کے وہاں کے مقامی اہل دین سے وابستہ کرنے کی اور اس جگہ کے دین کی فکر رکھنے والوں علماء و صلحاء کو بیچارے عوام کی اصلاح پر لگا دینے کی کوشش کریں، ہر جگہ پر اصلی کام تو وہیں کے کارکن کر سکیں گے، اور عوام کو زیادہ فائدہ اپنی ہی جگہ کے اہل دین سے استفادہ کرنے میں ہوگا۔ البتہ اس کا طریقہ ہمارے ان آدمیوں سے سیکھا جائے جو ایک عرصہ سے افادہ و استفادہ اور تعلیم کے اس طریقہ پر عامل ہیں اور اس پر بڑی حد تک قابو پا چکے ہیں۔ (ملفوظات)

(۱۱) **دین علم سے ترقی پاتا ھے**: ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ علم کے فروغ اور ترقی کے بقدر اور علم ہی کے فروغ اور ترقی کے ماتحت دین پاک فروغ اور ترقی پا سکتا ہے، میری تحریک سے علم کو ذرا بھی ٹھیس پہنچے یہ میرے لئے خسران عظیم ہے۔ میرا مطلب تبلیغ سے علم کی طرف ترقی کرنے والوں کو ذرا بھی روکنا یا نقصان پہنچانا نہیں ہے۔ بلکہ اس سے بہت زیادہ ترقیات کی ضرورت ہے اور موجودہ جہاں تک ترقی کر رہے ہیں یہ بہت ناکافی ہے۔ (سوانح حضرت دہلویؒ)

علی میاںؒ سوانح مذکور میں لکھتے ہیں "مولانا ایک طرف علماء کو عوام سے اس دعوت کے ذریعہ قریب ہونے کی اور ان کا درد اپنے دل میں پیدا کرنے کی تاکید فرماتے تھے دوسری طرف عوام کو علماء کی مرتبہ شناسی، قدردانی اور ان سے استفادہ کی طرف توجہ دلاتے رہتے تھے۔ ان کو بتاکید اصول کے مطابق علماء کی خدمت میں حاضر ہونے کی فہمائش کرتے تھے ان کی ملاقات اور زیارت کا ثواب بیان فرماتے تھے۔ ان کی خدمت میں حاضر ہونے کے آداب و اصول سمجھاتے تھے۔ ان کو دعوت دینے ان سے فائدہ اٹھانے اور ان کو مشغول کرنے کا طریقہ بتاتے تھے۔ ان کی جو باتیں سمجھ میں نہ آئیں ان کی تاویل اور ان کے ساتھ حسن ظن رکھنے کی عادت ڈالتے، ان کو ان کی خدمت میں بھیجتے تھے اور پھر ان سے پوچھتے تھے کہ کس طرح گئے اور کیا باتیں ہوئیں؟ پھر ان کی تنقیدوں اور تاثرات کی اصلاح اور تصحیح فرماتے تھے۔ اسطرح عوام، تجار اور کاروباری لوگوں کو علماء سے اتنا قریب کر دیا کہ پچھلے برسوں میں کبھی اتنے قریب نہیں ہوئے۔ بدقسمتی سے شہروں میں سیاسی تحریکات اور مقامی

اختلافات کی وجہ سے عوام میں علماء کی طرف سے ایک عام بیزاری پیدا ہونے لگی تھی، اور بغیر کسی استثناء اور تخصیص کے عام حاملین دین اور علماء کے خلاف ایک عام جذبہ عناد پیدا ہونے لگا تھا۔ مولانا کی ان کوششوں اور حکمتِ عملی سے کم سے کم اس دعوت کے حلقۂ اثر میں یہ بات پیدا ہوگئی کہ سیاسی اختلافات کو عوام دین کے لیے گوارا کرنے لگے، اور سیاسی مسلک کے اختلاف کے باوجود علماء حق کی تعظیم اور قدر و اعتراف کی گنجائش نکل آئی، بڑے بڑے تاجر جو علماء سے برسوں سے متوحش تھے، علماء کی خدمت میں مؤدبانہ حاضر ہونے لگے۔ اور اپنے تبلیغی جلسوں اور تقریروں میں ادب و احترام کے ساتھ لے جانے لگے۔ (سوانح حضرت دہلویؒ)

(۱۲) علماء کی خدمت کرو:۔ ایک طویل ملفوظ جو اپنی بیماری کی حالت میں ان لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے جو وضو کرا رہے تھے فرمایا کہ تم مجھے وضو کراتے وقت بیمار کی خدمت کی نیت کے علاوہ یہ نیت بھی کیا کرو" اے اللہ! ہم یہ سمجھتے ہیں کہ تیرے اس بندہ کی نماز ہم سے اچھی ہوتی ہے تو ہم اس لیے اس کو وضو کراتے ہیں کہ اس کی نماز کے ثواب میں ہمارا حصہ ہو جائے۔" پھر فرمایا" یہ میں ان لوگوں کو کہتا ہوں لیکن میں خود اگر یہ سمجھنے لگوں کہ میری نماز ان لوگوں سے اچھی ہوتی ہے تو مردود ہو جاؤں۔" اس کے بعد دوسری گفتگو کے بعد فرمایا" تم لوگ ان علماء کی خدمت کرو جو ابھی تک تمہاری قوم کو دین سکھانے کی طرف متوجہ نہیں ہوئے ہیں میرا کیا ہے؟ میں تمہارے ملک میں جاتا ہی ہوں تم نہ بلاؤ جب بھی جاؤں گا جو علماء ابھی تمہاری طرف متوجہ نہیں ہیں ان کی خدمتیں کرو گے تو وہ بھی تمہاری قوم کی دینی خدمت کرنے لگیں گے۔ (ملفوظات)

(۱۳) مولانا محمد یوسفؒ اور علماء: مولانا الحاج محمد یوسفؒ کی سوانح میں لکھا ہے کہ مولانا کی نگاہ میں علماء دین کی سب سے زیادہ قدر تھی۔ آج جس طرح علماء کی ناقدری ان پر بیجا تنقید کا رواج پیدا ہو گیا ہے مولانا اس کو دین کے لیے بڑا مہلک سمجھتے تھے اور ناقدری کرنے والوں کی محرومی کا باعث جانتے تھے، اپنے ایک رفیق کو تحریر کرتے ہیں:

"دیکھئے! خوب سمجھ لیجئے ہم اکابر علماء کے ہر وقت محتاج ہیں ان کے بغیر چارہ کار نہیں ان کے دامن کے ساتھ وابستگی ہماری سعادت ہے، یہ حضرات بہت سی خوبیوں اور علوم نبویہ کے انوارات کے حامل ہیں ان کی قدردانی علومِ نبوت کی قدردانی ہے، جس قدر ہم ان کی قدر و خدمت

کریں گے اور ان کی خدمت میں حاضری کو بڑی عبادت سمجھ کر ان کے ارشادات ونصائح سے مستفید ہوتے ہوئے ان سے مفید مشورے حاصل کرتے رہیں گے اسی قدر علومِ نبویہ کے انوارات سے منور ہوتے رہیں گے۔" (سوانح یوسفیؒ)

(۱۴) ایک مرتبہ علماء کو تعلیمی حلقہ کے ختم پر فرمایا "ہم یہ نہیں چاہتے کہ بخاری پڑھانے والوں کو التحیات پڑھانے پر لگا دیں مگر یہ ضرور چاہتے ہیں کہ التحیات یاد کرانے کی بخاری پڑھانے والوں کے نزدیک بھی انتہائی اہمیت ہو۔ اس لئے کہ یہ بھی حضور ﷺ کے علوم میں سے ایک علم ہے اسے غیر اہم سمجھنے والا کہیں کا نہیں رہے گا، اور یہ بھی چاہتے ہیں کہ تعلیم کا یہ درجہ بھی ماہرین بخاری کی نگرانی میں ہو" (سوانح یوسفیؒ)

(۱۵) **علماء ہی امانت کے اہل ہیں:** ایک عالم دین کو خط لکھتے ہوئے حسب ذیل الفاظ تحریر فرمائے "حضرات عالی کو اللہ رب العزت نے ہر طرح کی خوبی سے مالا مال فرمایا ہے، ان کو نورانی روحانی علوم کا سرچشمہ بھی بنایا اور اس زبردست عظمت والی امانت نبوت کا داعی بھی بنایا، اگر حضرات عالی کی توجہات اور دعاؤں سے یہ مبارک قابل رشک اور بہترین گروہ علم کی بلندیوں سے اس مبارک عمل کے دوڑ دھوپ کے میدان میں کود پڑے اور اپنی اس علمی اشتغال والی قربانیوں کیساتھ تھوڑے دنوں اس گھاٹی کو عبور کرے تو یہ امانت مبارکہ اہلوں کے ہاتھ میں آکر سرسبز ہو جائے اور نااہلیت کی بنا پر جو خطرات لاحق ہوتے ہیں ان سے اس امانت عظیمہ کی حفاظت بھی ہو جائے۔ (سوانح یوسفیؒ)

(۱۶) **بزرگوں سے اچھا گمان رکھیں:** مولانا محمد یوسف صاحبؒ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں" بزرگان دین سے بدظن نہ ہوں بلکہ ان کی خدمت میں محض استفادہ کے طور پر جاتے رہا کریں، ان کے پاس جب جائیں تو دھیان میں یہ نہ ہو کہ میں ان کو کچھ دینے جا رہا ہوں بلکہ ہمیشہ یہی خیال رہے کہ مجھے کچھ حاصل کرنا ہے اور ان حضرات کو دعوت نہ دیا کریں۔" (سوانح یوسفیؒ)

(۱۷) **علماء عوام سے دور نہ ہوں:** مولانا محمد یوسف صاحب الوداعی ہدایات میں فرمایا کرتے تھے، خصوصی گشت میں جب دینی اکابر کی خدمت میں حاضری ہو تو ان سے صرف دعا کی درخواست کی جائے۔ اور ان کی توجہ دیکھی جائے تو کام کا کچھ ذکر کر دیا جائے۔ (سوانح یوسفی)

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری اپنی ابتدائی آمد کی تفاصیل میں مولانا یوسف صاحبؒ کی طرف سے اکرام، اعزاز، خاطر کی تفاصیل لکھنے کے بعد جو قابل دید ہیں مگر بہت طویل ہیں لکھتے ہیں کہ یہ صرف میری ہی خصوصیت نہ تھی بلکہ ان کو کسی طرح سے یہ معلوم ہو جانا چاہیے تھا کہ فلاں عالم ہے بس پھر کیا تھا ان کے ساتھ بھی یہی برتاؤ ہوتا، میرے ساتھ ایک رفیق تھے، جن میں کوئی ظاہری علامت ایسی نہ تھی جس سے ان کو عالم سمجھا جائے میں نے ان کو مولانا کہہ کر خطاب کیا۔ جس پر حضرت جی متوجہ ہوئے اور اپنی جگہ سے بلوا کر اپنے قریب بٹھایا۔ حضرت جی فرمایا کرتے تھے کہ میں جو دیو بند، سہارنپور جماعتیں بھیجتا ہوں اس لئے نہیں کہ تبلیغ کی جائے ان کو دعوت دی جائے میں تو اس غرض سے بھیجتا ہوں کہ آج عوام علماء سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ ان سے قریب ہو جاویں اسی میں ان کا فائدہ ہے۔ (سوانح یوسفیؒ عزیزی)

(۱۸) **علماء کا احترام**: مولانا یوسف صاحبؒ کے سلہٹ کی تشریف آوری کی کارگزاری کا ذکر کرنے کے بعد مفتی عزیز الرحمٰن صاحب لکھتے ہیں کہ جہاں حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ کا برسوں قیام رہا اور حضرت مولانا یوسف صاحب اس قسم کی نسبتوں کا بہت زیادہ خیال رکھا کرتے تھے جس مقام کو بزرگوں سے نسبت ہوتی وہاں کے اجتماع باوجود کام نہ ہونے کے خصوصی توجہ کے ساتھ مقرر فرماتے۔

چنانچہ انبہٹہ کا اجتماع حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی وجہ سے طے فرمایا۔ سلہٹ کے اجتماع میں حضرت مدنیؒ کے کافی خلفاء شریک ہوئے۔ آپ نے ان کا بہت زیادہ اکرام فرمایا اور مشوروں میں شریک رکھا۔ اور احترام ملحوظ رکھتے ہوئے کام کی طرف توجہ دلائی۔ (سوانح عزیزی)

(۱۹) **سب سے اہم علم وذکر**: مولانا محمد ثانی صاحب سوانح یوسفی میں ایک مکتوب مولانا یوسف صاحبؒ کا جناب الحاج فضل عظیم صاحب مراد آبادی ثم المکی کے نام طویل مکتوب میں لکھتے ہیں کہ ''سب سے اہم جز علم وذکر کا اشتغال ہے: اور اس کے لیے سب سے اہم دو جانبوں کے حقوق کو ادا کرنے پر مداومت پالینا ہے ایک علم وذکر کی طرف نسبت رکھنے والے بزرگوں کی عظمت کو دل میں محسوس کرنا جو کام کیا جائے اس کی اطلاع کے ذریعے اور مشاورت کے ذریعہ ان کی بڑائی کو پہچاننا اور ان کے حقوق کو ادا کرنا، اور اسی طرح دنیوی امور میں مادی بڑوں کے حقوق کو ادا کرنا اور اپنے مادی کاموں میں ان کی مشاورت کو بھی شامل کرنا۔

(۲۰) علماء کی خدمت میں حاضری عبادت سمجھی جائے: ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں (جو بہت طویل ہے) علم کے فضائل ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ علماء کی خدمت میں حاضری دی جائے اس کو بھی عبادت یقین کیا جائے، بہت طویل مکتوب تقریبا ۲۳ صفحے کا ہے، جو نصائح سے لبریز ہے۔ (سوانح یوسفی)

ایک اور جگہ ایک واقعہ لکھا ہے، مولانا یوسف صاحبؒ کے خادم اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم اپنے ساتھیوں کے ساتھ ابوداؤد شریف کا سبق پڑھنے کے لیے حضرت جی (مولانا محمد یوسف صاحبؒ) کے کتب خانہ میں جا رہے تھے کہ خبر ملی کہ مولانا مسیح اللہ خاں صاحب جلال آبادی خلیفہ حضرت تھانویؒ تشریف لا رہے ہیں، ہم لوگوں کا پڑھنا ملتوی ہوگیا، اور حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب تشریف لے آئے حضرت مولانا نے حجرے سے باہر آکر استقبال فرمایا اور حجرہ میں بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر گفتگو کے بعد حضرت مولانا اپنے کتب خانہ سے اپنی تصانیف امانی الحبار اور حیاۃ الصحابہؓ لائے۔ اور خدمت میں پیش فرمائیں۔ موصوف دیکھتے جاتے تھے اور حضرت کی قربانی اور بلند عزمی کا اظہار کرتے جاتے تھے۔ (سوانح یوسفی)

(اشکال نمبر ٦) تبلیغ اور وعظ میں فرق نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے

جو بہت ہی شروع سے ہو رہا ہے کہ تبلیغ علماء کا کام ہے جاہلوں کا کام تبلیغ کرنا نہیں، یہ اعتراض بہت ہی مختلف عنوانات میں مختلف عبارات میں مجھ تک پہنچتا رہا۔ اور میں مختصر و مفصل سوال کے مطابق جواب بھی لکھواتا رہا۔ یہ اعتراض دراصل تبلیغ و وعظ میں فرق نہ کرنیکی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ وعظ درحقیقت صرف عالموں کا کام ہے جاہلوں کو وعظ کہنا جائز نہیں اس کے لیے عالم ہونا بہت ضروری ہے تاکہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ شریعت کے موافق ہو۔

کوئی چیز اس میں قرآن وحدیث کے خلاف نہ کہی جاسکے، اور تبلیغ جس کے معنی صرف پیام پہنچا دینے کے ہیں کوئی پیام کسی کے ہاتھ بھیج دینے کے واسطے اس کا عالم ہونا بالکل ضروری نہیں جن اکابر کے کلام میں تبلیغ علماء کے ساتھ مخصوص ذکر کی گئی ہے وہ حقیقت میں تبلیغ کے لفظ کو عام سمجھ کر اس کا اطلاق کر دیا گیا ہے ورنہ نظام الدین کی تبلیغی جماعت پر یہ اشکال بالکل نہیں وارد

ہوتا۔ اس لیے کہ ان کی تبلیغ میں صرف چھ نمبر متعینہ بتائے جاتے ہیں ان ہی کی مشق کرائی جاتی ہے اور ان ہی کو پیام کے طور پر لے جا کر شہر در شہر ملک در ملک بھیجا جاتا ہے ان کے اصول میں یہ بھی ہے کہ چھ نمبروں کے ساتھ ساتواں نمبر یہ کہ ان چھ امور کے علاوہ کسی دوسری چیز میں مشغول نہ ہو، حضرت حکیم الامتؒ کا ارشاد ہے کہ جو مسائل منصوص صاف صاف شریعت کے ہیں ان کی تبلیغ صرف علماء کے ساتھ خاص نہیں ہر شخص باآواز بلند کہہ سکتا ہے امور اجتہادیہ سے خطاب کرنا البتہ علماء کے ساتھ خاص ہے کہ عوام اس میں غلطی کریں گے۔ (انفاس عیسیٰ)

تعجب ہے کہ ایک جانب تو ان پر یہ اعتراض ہے کہ جاہلوں کو تبلیغ کے واسطے بھیجا جاتا ہے اور اس کے بالمقابل دوسرا اعتراض یہ ہے کہ یہ لوگ دین کے دوسرے امور کو نہیں لیتے۔ شریعت اور دین ان چھ نمبروں میں موقوف نہیں، بہت سے اوامر، نواہی، منکرات ایسے ہیں جن کی اصلاح بہت ضروری ہے، مگر یہ تبلیغ والے ان کو نہیں چھیڑتے اس کی دراصل وجہ یہی ہے کہ یہ عامی لوگ ہوتے ہیں ان کو وعظ کہنے کی بالکل اجازت نہیں الا یہ کہ ان میں علماء ہوں تو وہ اس سے مستثنیٰ ہیں کہ عالم کا وعظ کہنا حق ہے مگر تبلیغی اسفار میں اور تبلیغی اجتماعات میں وہ بھی اس کے پابند ہیں کہ تبلیغ کے چھ نمبروں کے علاوہ اس اجتماع میں دوسری چیزیں نہ چھیڑیں کہ مسائل میں اختلافات ہوتے ہیں اور اختلافی مسائل میں مناظرہ وغیرہ شروع ہو جاتے ہیں ان کے چھ امور اجتماعی اور متفق علیہ ہیں جن میں کوئی اختلافی چیز نہیں، اور یہ بات کہ تبلیغ کے لئے عالم ہونا ضروری نہیں احادیث کثیرہ اور آثار صحابہؓ سے بہت ہی کثرت سے ثابت ہے۔

تبلیغ کے لئے عالم ہونا شرط نہیں

نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر متعدد اعلانات فرمائے جو کتب حدیث میں کثرت سے موجود ہیں اور ان پر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو حاضر ہیں وہ غائبین کو میرا پیام پہنچا دیں، حالانکہ حجۃ الوداع میں سوا لاکھ کا مجمع تھا، کیا سارے ہی عالم تھے۔ ان میں ایسے لوگ بھی تھے۔ جنہوں نے اس سے پہلے حضور اقدس ﷺ کی زیارت بھی نہیں کی تھی۔ مگر چونکہ صرف ایک خاص پیام پہنچانا تھا اس کے لیے عالم ہونے کی ضرورت نہیں، اس لیے نبی اکرم ﷺ نے متعدد مواقع میں یہ اعلان

فرمایا کہ حاضرین غائبین کو یہ پیام پہنچا دیں، امام بخاریؒ نے "باب رب مبلغ اوعیٰ من سامع" باب باندھا ہے یہ بہت سے ایسے لوگ جو کم پڑھے ہوں ایسوں کو پیام پہنچاتے ہیں جو زیادہ پڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ امام بخاریؒ نے حضور اقدس کا یہ پیام نقل کیا ہے کہ تمہارے خون اور تمہارے اموال اور تمہاری آبروئیں تم پر ہمیشہ کے لیے ایسے ہی حرام ہیں جیسا کہ اس شہر میں اس دن میں اور اس مہینے میں، پھر یہ اعلان فرمایا کہ جو موجود ہیں وہ غائبین کو میرا پیغام پہنچا دیں۔ بہت ممکن ہے کہ جو موجود ہیں وہ ایسے لوگوں تک میرا پیغام پہنچائیں جو سننے والوں سے زیادہ محفوظ رکھنے والے ہوں۔

اس حدیث پاک سے معترضین کا یہ اعتراض بھی اڑ گیا کہ جاہلوں کو تبلیغ کے لئے علماء کے پاس بھیجا جاتا ہے حضرت دہلویؒ کا ایک ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے کو تبلیغ کا اہل نہیں سمجھتا تو اس کو بیٹھا رہنا نہیں چاہئے بلکہ اس کو تو کام میں لگنے اور دوسروں کو اٹھانے کی اور زیادہ کوشش کرنا چاہیے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کوئی بڑا خیر کا کام چند نااہلوں کے سلسلہ سے کسی اہل تک پہنچ جاتا ہے اور پھر وہ پھولتا پھلتا ہے اور پھر اسکا اجر بقاعدہ "من دعا الی حسنة" (الحدیث) کی بنا پر نااہلوں کو بھی پورا پہنچ جاتا ہے جو اس کام کے اس اہل تک پہنچنے کا ذریعہ بنے۔ پس جو نااہل ہو اسکو تو اس کام میں اور زیادہ زور سے لگنا ضروری ہے میں بھی اپنے کو چونکہ نااہل سمجھتا ہوں اس لیے اس میں منہمک ہوں کہ شاید اللہ تعالیٰ میری اس کوشش سے کام کو اس کے کسی اہل تک پہنچا دے اور پھر اس کام کا جو اعلیٰ اجر اللہ پاک کے یہاں ہو وہ مجھے بھی عطا فرما دیا جاوے۔ (ملفوظات حضرت دہلویؒ)

تبلیغ خاص انفرادی طور پر ہر شخص کے ذمہ ہے (حضرت تھانویؒ)

اسی طرح امام بخاریؒ نے مستقل ایک باب اور باندھا ہے۔ "باب تحریض النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفد عبد القیس علی ان یحفظوا الایمان و العلم و یخبرو امن و رائهم" حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وفد کو چند باتیں بتائیں اور یہ فرمایا کہ ان باتوں کو محفوظ رکھو اور اپنی قوم میں جا کر ان کو پہنچا دو۔ امام بخاری نے باب القراءۃ علی المحدث میں ایک صحابیؓ کا واقعہ لکھا ہے جو ایک گاؤں کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہمارے پاس آپ کا قاصد پہنچا اور انہوں نے آپ کی طرف سے نقل کیا کہ اللہ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا

ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا "میرے قاصد نے سچ کہا ہے" انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ کے قاصد نے یہ بھی بتایا کہ ہمارے اوپر پانچ نمازیں فرض ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ سچ کہا، انہوں نے یہ بھی کہا کہ آپ ﷺ کے قاصد نے کہا کہ ہمارے اوپر ایک ماہ کے روزے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ سچ کہا، انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے میں ان چیزوں میں سے کسی میں کمی یا زیادتی نہیں کروں گا۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اگر اس نے سچ کہا تو جنت میں داخل ہوگا'' اس حدیث پاک میں کمی زیادتی نہ کرنے میں مختلف اقوال ہیں، جن میں سے ایک قول یہ ہے کہ اپنی قوم کے پاس پہنچانے میں کمی زیادتی نہیں کروں گا۔ انفاس عیسیٰ میں حضرت حکیم الامۃ تھانویؒ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ تبلیغ کی دو قسمیں ہیں خاص و عام، تبلیغ خاص انفرادی طور سے ہر شخص کے ذمہ ہے اور تبلیغ عام علماء کے ساتھ خاص ہے۔ اسی طرح خطاب بغیر المنصوص علماء کا کام ہے اور خطاب بالمنصوص کے ساتھ ہر مسلمان تبلیغ کا کام کرسکتا ہے۔ فقط

یہی وہ فرق ہے جس کو میں نے شروع میں کہا کہ وعظ صرف علماء کا کام ہے اور مخصوص چیزوں کا پہنچا دینا علماء کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ ہر شخص کو کرنا چاہیے۔ حضرت تھانویؒ نے اپنے وعظ آداب التبلیغ میں بہت تفصیل سے اس کو بیان فرمایا ہے اس میں بھی تبلیغ عام اور خاص کی تفریق فرمائی ہے۔ اور بیان فرمایا ہے کہ تبلیغ خاص کے لئے تو مسئلہ کی حقیقت کا معلوم ہونا اور اس کے بیان پر قدرت ہونا شرط ہے۔ اور تبلیغ عام یعنی وعظ کہنا یہ علماء کا کام ہے۔ خواہ درسیات پڑھ کر عالم ہوا ہو یا کسی عالم سے مسائل سن سن کر عالم ہوگیا ہو اس کو بھی تبلیغ عام کی اجازت ہے بشرطیکہ کسی بڑے نے اس کو اس کام کے لئے متعین کیا ہو، چنانچہ صحابہؓ نے کہاں پڑھا تھا وہ بھی تو سن سن کر تبلیغ کرتے تھے، مگر ہر شخص خود نہ سمجھے کہ میں اس قابل ہوں جب تک کوئی کامل نہ کہہ دے کہ تم کامل ہو، بہجۃ النفوس کا ترجمہ جو مولانا ظفر احمد صاحب نے حضرت تھانویؒ کے ارشاد سے کیا اور وہ بخاری شریف کی احادیث کا انتخاب ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ نیز تبلیغ کا خاص طور سے اہتمام کرنا چاہیے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے یہی مراد ہے۔

وارثین انبیاء علیہم السلام کو تدریس کے ساتھ تبلیغ بھی کرنی چاہیے

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ خواص نے درس وتدریس پر قناعت کر لی ہے عامۂ مسلمین کو امر ونہی کرنے سے پہلو تہی کی جاتی ہے، حالانکہ حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا جن کے یہ حضرات وارث ہیں اصل وظیفہ امر ونہی اور تبلیغ ہی تھا، اصطلاحی درس وتدریس ان کا وظیفہ نہ تھا۔ درس وتدریس دراصل اسی مقصد کا وسیلہ اور ذریعہ ہے تاکہ مبلغ علم صحیح کے ساتھ تبلیغ کر سکے۔ پھر یہ کس قدر حیرت کا مقام ہے وسیلہ اور ذریعہ کا تو اتنا اہتمام اور اصل مقصد سے اتنی بے پروائی....اور عامۂ مسلمین کو جان لینا چاہیے کہ تبلیغ احکام صرف علماء ہی کے ذمہ نہیں بلکہ ہر مسلمان کے ذمہ ہے۔ جس شخص کو جتنا علم احکام کا حاصل ہے اس کو دوسروں تک پہنچانا اس کے ذمہ فرض ہے۔ مثلاً سب کو معلوم ہے کہ نماز فرض ہے تو جو نماز نہیں پڑھتا اس کو یہ حکم پہنچانا ہر شخص کے ذمہ ضروری ہے۔ اسی طرح جن کاموں کا گناہ ہونا معلوم ہے ان کا گناہ ہونا اس شخص کو بتلایا جائے جو ان میں مبتلا ہے۔ البتہ عام لوگوں کو وعظ کی صورت سے تبلیغ نہ کرنا چاہیے کہ منصب اہل علم کا ہے، جاہل جب وعظ کہنا شروع کرتا ہے تو غلط یا صحیح جو زبان پر آتا ہے کہہ جاتا ہے۔ جس سے گمراہی کا اندیشہ ہے۔ اس لیے عوام کو وعظ نہ کہنا چاہئے بلکہ گفت وشنید اور نصیحت کے طور پر ایک دوسرے کو احکام سے مطلع کرنا چاہئے کیونکہ تبلیغ احکام فرض ہے اور اس کو اصلاح حال میں بھی بڑا دخل ہے۔ فقط

(اشکال نمبر ۷) تبلیغ مدارس اور خانقاہوں کی ہے

مدارس اور خانقاہوں کے ساتھ تبلیغ کو حریف قرار دیا جاتا ہے یہ بھی غلط ہے جیسا مدارس کا فائدہ علیحدہ ہے ایسا ہی خانقاہوں کا فائدہ علیحدہ اسی طرح تبلیغ کا فائدہ بھی مستقل ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ تبلیغ کا فائدہ عمومی ہے اور مدارس اور خانقاہوں کا فائدہ خصوصی ہے کہ مدارس اور خانقاہوں سے وہی لوگ تمتع حاصل کر سکتے ہیں۔ جو مدارس اور خانقاہوں میں جائیں اور تبلیغ کا فائدہ عمومی ہے اس حیثیت سے اس کا فائدہ ان دونوں سے زیادہ اہم اور اتم ہے کہ اس میں ناقدروں، جاہلوں دین سے ناواقف لوگوں کو دین کی طرف کھینچ کر لانا ہے۔ حضرت تھانویؒ کا ارشاد وافاضات میں لکھا ہے کہ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ درس وتدریس متعارف مقصود کا

مقدمہ ہے اور اصل مقصود تبلیغ ہے۔ آج کل بڑی کوتاہی ہو رہی ہے کہ درس و تدریس کو اصل سمجھ لیا ہے اور اس کوتاہی اور غلطی کی بدولت اکثر علماء کو جو تبلیغ نہیں کرتے ایک بہت بڑی فضیلت سے محرومی ہو گئی ہے۔ حضرات انبیاء کا درس یہی تبلیغ تھا۔ ابتداء میں درس و تدریس اور بعد فراغ علوم تحصیل اور تبلیغ دونوں کے حقوق ادا کرنے چاہئیں ایک طرف متوجہ ہو کر دوسری طرف سے غفلت کرنا یہ عظیم کوتاہی ہے علماء کو اسطرف ضرور توجہ کرنی چاہئے کہ وہ اپنا وقت تبلیغ میں بھی صرف کیا کریں..... آج کل مدارس میں اس کی بڑی کمی ہے، پڑھنے پڑھانے میں جس قدر مشغولی ہے تبلیغ کی طرف مطلق توجہ نہیں۔ جس قدر وقت اس میں صرف کرتے ہیں تبلیغ میں اس کا نصف حصہ بھی خرچ نہیں کرتے۔ اسی طرح ایک دوسری جگہ تحریر ہے "ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ دین میں تبلیغ اصل ہے اور درس و تدریس اس کے مقدمات، مگر یہ شرط ہے کہ بلاضرورت کسی مفسدہ میں ابتلاء ہو جائے ورنہ سکوت ہی بہتر ہے۔ چنانچہ..... میں ایک مرتبہ ریل میں سفر کر رہا تھا موقع پر خیال رہتا تھا کہ لوگوں کو تبلیغ کرنا چاہئے۔ ایک شخص ریل میں تھا۔ اسکا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ بھائی یہ شریعت کے خلاف ہے اس کو درست کر لینا۔ اس نے چھٹتے ہی شریعت کو ماں کی گالی دی، اسی روز سے میں نے بلاضرورت لوگوں کو کہنا چھوڑ دیا۔ کہ ابھی تک تو گناہ ہی تھا اور اس صورت میں کفر تک نوبت آ گئی۔" (افاضات یومیہ حصہ اول)

ایک مرتبہ فرمایا کہ اصل کام دعوت الی اللہ ہے۔ اور اس کے محفوظ اور قائم رکھنے کے لیے مدارس کی ضرورت ہے۔ اب یہ چاہئے کہ جب مدارس سے علم ضروری حاصل کر لیں تو دعوت الی اللہ بھی کیا کریں۔ جس کا آسان ذریعہ وعظ ہے اور پڑھنا پڑھانا اس کا مقدمہ ہے۔ اس لیے یہ شغل بھی ضرور رکھیں جیسے نماز کیلئے وضو اور وضو کے لئے پانی اور لوٹوں کا جمع کرنا ضروری ہے ایسے ہی تبلیغ کے لیے بھی پڑھنا پڑھانا ضروری ہے لیکن اگر کوئی شخص..... وضو اور لوٹوں ہی کے اہتمام میں رہے اور پانی ہی بھرا کرے اور نماز کا وقت گذر جائے تو کیا یہ شخص قابل مدح ہے؟ پس اسی طرح پڑھنا پڑھانا دعوت الی الحق کے صرف مقدمات ہیں۔ مگر اب ان مقدمات میں ایسی مشغولی ہوئی کہ اصل کام کو بھی بھول گئے افسوس جو لوگ اس کے اہل تھے وہ بھی اس کو بھولے ہوئے ہیں کہ وہ مقدمات ہی میں مشغول ہیں مقصود میں وقت صرف نہیں کرتے۔ (التبلیغ نمبر ۲۰ وعظ دعوت الی اللہ)

گذشتہ مضامین میں کثرت سے یہ مضمون لکھا جا چکا کہ حضرت دہلوی اور مولانا یوسف صاحب رحمہما اللہ کے مکاتیب، تقاریر، ملفوظات میں مدارس اور خانقاہوں کی اہمیت جتنی کثرت سے بیان کی گئی ہے وہ ظاہر ہے اور وہ دونوں حضرات اپنی تبلیغ کو مدارس اور خانقاہوں کے لئے بمنزلہ زمین ہموار کرنے کے فرماتے اور لکھتے رہے ہیں، اور ظاہر ہے کہ مدارس اور خانقاہوں میں وہی شخص جائے گا جس میں طلب ہوگی اور لوگوں میں طلب پیدا کرنے کا واحد ذریعہ یہ عمومی تبلیغ ہی ہے جس کی وجہ سے لوگوں میں دین کی طلب پیدا ہو اور جب تک دین کی طلب اور تڑپ پیدا نہ ہوگی نہ مدارس کو کوئی پوچھے گا نہ خانقاہوں کو، اگر تبلیغی کارگذاریوں کو معلوم کیا جائے اور ان کی احوال سے تفصیلی علم حاصل ہو تو صرف ایک میوات ہی اس کے لئے شاہد عدل ہے کہ جہاں اسلام سے بھی لوگ واقف نہیں تھے وہاں ان چالیس سال میں کتنے علماء پیدا ہوئے جن کی تعداد ہزار سے بھی متجاوز ہوگئی۔ کتنے سالکین حضرت اقدس تھانویؒ حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ حضرت اقدس رائے پوریؒ کے خلفاء بن چکے ہیں۔ علی میاںؒ حضرت دہلوی کی سوانح میں لکھتے ہیں کہ:

آپ نے یہ اچھی طرح محسوس کر لیا کہ ایسی حالت میں مسلمانوں میں ایمان یقین رو بہ تنزل ہیں دین کی قدر و عظمت دلوں سے اٹھتی جا رہی ہے، عام مسلمان دین کی ابتدائی اور بنیادی چیزوں سے محروم ہوتے جا رہے ہیں، لہٰذا ان تکمیلی شعبوں کا قیام جو دین کی جڑ پکڑ جانے کے بعد کی چیزیں ہیں ذرا قبل از وقت باتیں ہیں، طبائع اور رجحانات کے سیلاب کے رخ کو خداداد فراست و بصیرت سے پہچان کر آپ نے اچھی طرح محسوس کر لیا کہ نئے دینی اداروں کا قیام تو الگ رہا پرانے اداروں اور دینی مرکزوں کی زندگی بھی ایسی حالت میں خطرے سے باہر نہیں۔ اس لیے کہ وہ رگیں اور شرائیں جن سے ان میں خون زندگی آتا تھا مسلمانوں کے جسم میں برابر خشک ہوتی جا رہی ہیں، انکی طلب اور ان کی ضرورت کا احساس اور ان کے قائم ہو جانے کے بعد ان کی قدر اور ان کے خدمت گذاروں کی خدمات کا اعتراف ختم ہو رہا ہے، اس سلسلے میں حضرت کا ایک بہت طویل مکتوب جناب الحاج شیخ رشید احمد صاحبؒ تاجر اسلحہ الٰہی بخش اینڈ کو دہلی کے نام مدارس کی اہمیت اور ان کے بقاء و تحفظ کیلئے تبلیغ کی ضرورت پر تحریر فرمایا جو بہت اہم ہے، اس کے بعد اس خط کی شرح میں علی میاں لکھتے ہیں کہ ”مولانا سمجھتے تھے کہ مدارس کا وجود مسلمانوں کیلئے نہایت ضروری ہے اور اس سایۂ رحمت

کے مسلمانوں کے سروں سے اٹھ جانے کو موجب وبال اور قہر سمجھتے تھے۔ لیکن مولانا سمجھتے تھے کہ ان مدارس کا وجود و قیام اس زمین پر ہے جو ہمارے اسلاف تیار کر گئے تھے۔ اصل دین کی تبلیغ اور جدو جہد کی بدولت مسلمانوں میں دین کی جو طلب اور قدر پیدا ہو گئی تھی اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس دین کو اپنی نئی نسل میں پیدا کرنے کے لیے اور اس کو دنیا میں قائم و باقی رکھنے کے لیے دیندار مسلمانوں نے جا بجا مکاتب و مدارس قائم کئے اور ان کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھا اس بچی کھچی طلب اور قدر کا نتیجہ ہے کہ ابھی تک یہ مدارس چل رہے ہیں اور ان کو طالب علم مل رہے ہیں، لیکن اس سرمایہ طلب میں برابر کمی آرہی ہے اور اضافہ نہیں ہو رہا ہے یہ صورت حال دین کے مستقبل اور دینی اداروں کے وجود و بقاء کیلئے سخت تشویشناک ہے۔ (دینی دعوت)

(اشکال نمبر ۸) اہل علم کے ہوتے ہوئے جاہلوں کو امیر بنانا

یہ بھی بعض مرتبہ خطوط میں آیا اور سننے میں بھی آیا کہ عالموں کے ہوتے ہوئے جاہلوں کو امیر بنایا جاتا ہے۔ بظاہر تو یہ اعتراض یقیناً اہم ہے، مگر درحقیقت امارت کے مناسبات الگ ہوتے ہیں جس کے درمیان میں صرف علم کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ انتظامی صلاحیتیں غور و فکر وغیرہ امور بھی ضروری ہیں۔ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کو امیر بنانا عہد نبوت سے چلتا آرہا ہے۔ نبی کریمؐ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو متعدد سرایا میں امیر بنا کر بھیجا ہے۔ طعن کرنے والوں سے تو کوئی زمانہ خالی ہوتا نہیں بعض لوگوں نے انکی امارت پر اعتراض کیا حضور اقدس ﷺ نے خطبہ فرمایا۔ اور حمد و صلوۃ کے بعد ارشاد فرمایا کہ اگر تم لوگ اسامہ کی امارت پر اعتراض کرتے ہو تو اس سے پہلے ان کے والد زید کی امارت میں اعتراض کر چکے ہو اور خدا کی قسم کہ وہ امارت کا زیادہ مستحق تھا اور مجھے محبوب۔ (بخاری) اعتراضات کی وجوہ میں یہ بھی تھا کہ اس نوعمر لڑکے کو مہاجرین اولین پر امیر بنا دیا (حیاۃ الصحابہؓ) حضور اقدس ﷺ نے حضرت اسامہ کو اپنے مرضِ وصال میں امیر بنایا۔ جس کی تنفیذ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضور اقدس ﷺ کے وصال مبارک کے بعد کی کتب حدیث و سیر میں مفصل اس کی احادیث موجود ہیں۔ کہ اول تو اس لشکر کو اس حالت میں بھیجنے ہی پر لوگوں کو اشکال تھا۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اصرار کیا کہ جس لشکر کو حضور اقدس ﷺ نے نافذ فرمایا ہے

میں اس کو روک نہیں سکتا تو پھر انصار نے حضرت عمرؓ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس قاصد بنا کر بھیجا کہ اگر اس کا بھیجنا ضروری ہے تو پھر ہمارے اوپر کسی ایسے شخص کو امیر بنادیں جو سن رسیدہ ہو، جب حضرت عمرؓ یہ پیام لیکر حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس پہنچے تو حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت عمرؓ کی داڑھی مبارک کو پکڑ کر کہا تو مر جاوے حضور اقدس ﷺ نے اس کو امیر بنایا اور تو مجھے یہ کہتا ہے کہ میں اس کو اس کی امارت سے ہٹادوں۔ حضرت عمرؓ نے جا کر کہا کہ تمہیں تمہاری مائیں روئیں مجھے تمہاری وجہ سے آج خلیفۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پیش آیا۔'' بہت طویل قصہ ہے۔ حیاۃ الصحابہؓ نیز حضور ﷺ نے حضرت ابوعبیدہؓ کو امیر بنایا جبکہ ان کے ماتحت حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے۔ مفصل حدیث حیاۃ الصحابہؓ میں ہے، حضور اقدس ﷺ نے جہینہ پر جو وفد بھیجا اس میں عبداللہ بن جحش کو امیر بنایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ یہ تم میں زیادہ افضل نہیں ہے، لیکن بھوک اور پیاس پر زیادہ صبر کرنے والے ہیں۔ (حیاۃ الصحابہؓ ج۲)

امارت کیلئے خاص صفات کو دیکھا جاتا ہے

اس سے معلوم ہوا کہ امارت کے سلسلہ کے درمیان میں صرف افضلیت کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ اور بھی بہت سی چیزیں اس میں قابل لحاظ ہوتی ہیں۔ حضرت قیس بن سعد کو ایک لشکر کے اوپر امیر بنایا۔ جن میں حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ بھی موجود تھے۔ (حیاۃ الصحابہؓ جلد۲)

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں یزید بن ابی سفیان کو امیر بنایا اور ماتحتی میں امین ہذہ الامۃ حضرت ابوعبیدہؓ اور امام العلماء حضرت معاذ بن جبلؓ تھے اور یہ دونوں لقب ان دونوں حضرات کیلئے حضور اقدس ﷺ کے ارشاد فرمودہ ہیں مفصل قصہ حیاۃ الصحابہؓ میں ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو مہاجرین اور انصار کی بڑی جماعت پر امیر بنا کر بھیجا۔ اور ان سے فرمایا'' تم نے دیکھ لیا کہ میں نے تمہیں ایسے لوگوں پر امیر بنایا ہے جو اسلام میں تم سے مقدم ہیں اور وہ اسلام کے بارے میں تم سے زیادہ غنی ہیں۔ آخرت کے حاکموں میں سے بننے کی کوشش کیجیو، اور ہر بات کے درمیان میں اللہ کی رضا کا اہتمام رکھیو۔'' (حیاۃ الصحابہؓ)

حضرت حکیم الامۃؒ کا ارشاد افاضات یومیہ میں منقول ہے کہ محمد بن قاسم حجاج بن

یوسف کے داماد تھے، جس وقت ہندوستان پر چڑھائی کی اس وقت سترہ سال کی عمر تھی لشکر میں بڑے بڑے پرانے تجربہ کار ہمراہ تھے مگر سب ان کی اطاعت کرتے تھے۔ یہ سب برکت ایمان اور فہم صحیح کی تھی، سترہ سال کی عمر اور دوسرے ممالک پر چڑھائی، زمانہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تھا اس وقت فہم عام تھا۔ اب جس قدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے بعد ہوتا جارہا ہے اس قدر اس میں کمی ہوتی جارہی ہے فقط درحقیقت امارت کے واسطے صرف مشیخت یا افضلیت یا عملیت کافی نہیں اس میں ان چیزوں سے زیادہ ضرورت بالخصوص اسفار کے موقعہ پر ایسے شخص کی ہوتی ہے جو ہمت، قوت، مشقتوں کے برداشت میں زیادہ تحمل کرنے والا ہو، تبلیغ والے امارت کیلئے خاص طور پر اس کی رعایت ضرور رکھتے ہیں کہ پہلے سے کسی دورہ وغیرہ میں نکل چکا ہو کہ وہ فی الجملہ تجربہ کار ہوتا ہے واقف ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے بعض جماعتوں میں کسی پرانے کارکن کو ایسے اکابر پر بھی امیر بنادیا جاتا ہے اور بنانا ضروری ہے جو پہلے کسی گشت میں نہ گئے ہوں، کہ وہ اصول طریق کار سے اپنی علوشان کے باوجود ناواقف ہوتے ہیں۔ مقولہ مشہور ہے۔" سل المجرب و لاتسئل الحکیم"

"تجربہ کاروں سے دریافت کرو اہل حکمت سے نہ پوچھو"

کہ بات تجربہ کار سے پوچھنی چاہئے۔ بہت سے طبیب وڈاکٹر جن کی ڈگریاں اونچی ہوتی ہیں لیکن علاج ان سے کم ڈگریوں والوں کا بوجہ ان کے تجربات کے زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔ پہلے سفر حج یعنی ۱۳۳۸ھ میں شریف کے اخیر زمانہ میں مدینہ کا راستہ نہایت مخدوش تھا۔ جس کی وجہ سے مدینہ پاک قافلے بہت کم گئے۔ ہم لوگوں کا پہلا سفر حج تھا۔ اس لیے حضرت اقدسؒ نے ارشاد فرمایا کہ میں تو مدینہ کئی دفعہ حاضر ہو چکا ہوں۔ قیام کی نیت سے جارہا تھا مگر قیام کی تو حضرت مولانا محب الدین صاحب اجازت نہیں دیتے۔ تم لوگوں کا پہلا حج ہے معلوم نہیں پھر حاضری ہو نہ ہو۔ اس لیے تم ہو آؤ، مدینہ پاک کے اس سفر میں اس سیہ کار کو حضرت نے امیر بنادیا حالانکہ اس قافلہ میں مجھ سے زیادہ علم والے فضل والے بڑے بڑے بوڑھے بھی موجود تھے۔ اس کی تفصیل میرے رسالہ آپ بیتی میں گذر چکی ہے۔ اس سلسلہ میں یہ الزام بھی دہرایا گیا کہ تبلیغ والوں کا یہ عذر کہ کوئی اہل نہیں تھا اس واسطے نا اہل ہی کو امیر بنادیا۔ اور اس پر بہت فقرے کسے گئے کہ جب کوئی اہل نہیں تھا تو کیا

ضرورت تھی کہ جماعت نکالی جاتی یہ بھی ناواقفیت پر مبنی ہے۔ جب تبلیغ کی اہمیت اس کی ضرورت اور احتیاج کثرت سے معلوم ہو چکی تو پھر یہ اشکال کہ نااہل کو کیوں امیر بنادیا مسئلوں سے ناواقفیت ہے، علماء کے نزدیک بالاتفاق امیوں کی نماز امی امام کے پیچھے جائز ہے اس وجہ سے کہ جماعت میں کوئی قاری یا عالم نہیں جماعت کا چھوڑنا جائز نہیں، امارت تو معمولی چیزیں ہیں اور عارضی، حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ نے تو اپنے ملفوظات میں کثرت سے تحریر فرمادیا کہ مشائخ بعض اوقات نااہل کو بھی اجازت دے دیتے ہیں، میرے رسالہ آپ بیتی نمبر ۵ میں یہ مضمون بہت تفصیل سے گذر چکا ہے۔ حضرت تھانویؒ ایک طویل گفتگو میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر امامت کیلئے کوئی وجہ کافی نہ ہو تو یہی وجہ کافی ہے کہ امام کو باوجود نااہل ہونے کے جب لوگ اہل سمجھ کر امام بناتے ہیں تو ممکن ہے کہ حق تعالیٰ اس کو لوگوں کے گمان کے موافق اہل ہی کردیں۔ اکثر واقع ہوا ہے کہ مشائخ نے کسی ایسے شخص کو اجازت دی جس میں اہلیت نہ تھی مگر حق تعالیٰ نے ان کے فعل کی برکت سے اس کو اہل کردیا۔ (مجالس الحکمۃ)

انجن کی طاقت

حضرت دہلویؒ کا نکاح ۱۳۳۰ھ میں ہوا جب کہ عمر ۲۷ سال کی تھی، اور نکاح میں اعلیٰ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری حضرت اقدس مولانا الحاج خلیل احمد صاحب حضرت حکیم الامت تھانویؒ وغیرہ اکابر موجود تھے۔ حضرت دہلویؒ کو امامت کیلئے بڑھادیا تو مولانا بدرالحسنؒ نے جو خاندان کے بڑے تھے مزاحاً کہا کہ انجن تو اتنا چھوٹا اور اتنے بھاری بھاری ڈبے تو حضرت حکیم الامۃ نے فرمایا تھا کہ یہ تو انجن کی طاقت پر منحصر ہے فقط نو عمر امیر بھی بسا اوقات قافلہ کو زیادہ قابو میں رکھ سکتا ہے۔

(اشکال نمبر ۹) حضرات اکابر حضرت مدنیؒ و تھانویؒ تبلیغ کے حق میں نہ تھے

ایک اعتراض کثرت سے کانوں میں پڑا کہ حضرت حکیم الامۃ اور حضرت شیخ الاسلام مدنی نور اللہ مرقدہما اس موجودہ تبلیغ کے خلاف تھے، حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ کے متعلق تو آئندہ مستقل نمبر آرہا ہے کہ حضرت نور اللہ مرقدہٗ نے تو کثرت سے ان تبلیغی مجامع میں شرکت فرمائی۔ حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کی خدمت اقدس میں ۴۰ھ میں تو اس ناکارہ کی طباعت بذل کے

سلسلے میں بہت کثرت سے حاضری ہوئی، اس وقت تک تو یہ تبلیغ شروع نہ ہوئی تھی اس کے بعد ۴۶ھ سے حجاز سے واپسی کے بعد حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ کے وصال ۱۲ ارجب ۶۲ ۱۳ھ تک بہت ہی کثرت سے حضرت قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضری کی نوبت آئی۔ مہینہ تو شاید ہی کوئی گیا ہو مگر دو مہینے مسلسل کبھی ایسے نہیں گزرے ہوں گے کہ تھانہ بھون کی حاضری نہ ہوئی ہو۔ میں نے اس دوران میں حضرت کی مجلس میں کوئی مخالفت نہیں سنی۔

مولوی الیاس نے یاس کو آس میں بدل دیا (حضرت تھانویؒ)

البتہ لوگوں سے میرے کان میں پڑا، مگر حضرت قدس سرہٗ کے اجل خلفاء کی تحریرات مستقل نمبر میں آگے آرہی ہیں جن سے ان حضرات کا اس تبلیغ کے ساتھ شغف و انہماک معلوم ہوگا، اس کے بالمقابل یہ مقولہ حضرت حکیم الامۃ کا متعدد لوگوں سے میرے کان میں پڑا کہ "مولوی الیاس صاحب نے تو یاس کو آس سے بدل دیا حضرت دہلوی نور اللہ مرقدہٗ کی سوانح میں علی میاں نے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا الیاس صاحب نے جب حضرت حکیم الامۃ سے اس سلسلہ میں کچھ گفتگو کرنی چاہی تو مولانا نے فرمایا کہ دلائل کی ضرورت نہیں دلائل تو کسی چیز کے ثبوت اور صداقت کیلئے پیش کیے جاتے ہیں میرا تو اطمینان عمل سے ہو چکا ہے۔ اب کسی دلیل کی ضرورت نہیں آپ نے تو ماشاء اللہ یاس کو آس سے بدل دیا مولانا کو ایک بے اطمینانی یہ تھی کہ علم کے بغیر یہ لوگ فریضہ تبلیغ کیسے انجام دے سکیں گے۔ لیکن جب مولانا ظفر احمد صاحب نے بتلایا کہ یہ مبلغین ان چیزوں کے سوا جن کا ان کو حکم ہے کسی اور چیز کا ذکر نہیں کرتے۔ اور کچھ اور نہیں چھیڑتے تو مولانا کو مزید اطمینان ہوا۔" اور یہ مضمون گذشتہ مضامین حضرت تھانویؒ کے مختلف ملفوظات میں گذر چکا ہے کہ وعظ عالموں کا کام ہے تبلیغ ہر شخص کر سکتا ہے تبلیغ اور تذکیر کے فرق کے بیان میں حضرت تھانوی کے مختلف مضامین اس سلسلے میں گذر چکے ہیں، اگر کسی موقع پر حضرت حکیم الامت نے کوئی نکیر فرمائی ہوگی تو یقیناً اس روایت پر کہ جاہلوں کا وعظ نقل کیا گیا ہو، یا کسی مبلغ یا کسی خاص جماعت کی بے عنوانی نقل کی گئی ہوگی اس پر حضرت کا نکیر فرمانا برمحل ہے۔ تقریباً آٹھ سال ہوئے ایک صاحب کا خط میرے پاس آیا تھا جس میں یہی استفسار کیا گیا تھا کہ حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کیا اس تحریک کے مخالف تھے۔ اور یہ کہ میرے شیخ مجھے اس میں شرکت کی اجازت نہیں

دیتے اور میں اس کو بہت ضروری سمجھتا ہوں ایسی حالت میں مجھے کیا کرنا چاہئے۔ میرا وہ خط اسی زمانہ میں چند سال ہوئے ایک رسالہ ''چشمہ آفتاب'' میں طبع ہو گیا تھا، جس کو اس رسالہ سے یہاں نقل کراتا ہوں۔

ایک اہم مکتوب

عنایت فرمایم سلمہ بعد سلام مسنون۔ عنایت نامہ پہنچا حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہٗ کے متعلق مخالفت میرے علم میں نہیں۔ بلکہ میرے علم میں یہ ہے کہ حضرت قدس سرہٗ متعدد مرتبہ نظام الدین تشریف لے گئے بلکہ میوات بھی تشریف لے گئے اور پچا جان یعنی مولانا محمد الیاسؒ صاحب بھی کثرت سے تھانہ بھون حاضر ہوتے تھے، تھانہ بھون کی حاضری میں یہ ناکارہ بھی اکثر ساتھ ہوتا تھا اور پچا جان ہر حاضری پر اپنی مساعی کا تذکرہ کرتے تھے اس پر حضرتؒ اظہار مسرت بھی فرماتے تھے اور دعائیں بھی دیتے تھے یہ تو اس ناکارہ کا مشاہدہ ہے۔''

البتہ یہ تو میں بھی سن رہا ہوں کہ حضرت قدس سرہٗ کے بعض خلفاء اور خواص اس کو پسند نہیں فرماتے اس کے متعلق میرا خیال ہے کہ ان حضرات کو قریب سے دیکھنے کی نوبت نہیں آئی روایات پر رائے قائم فرماتے ہیں۔ نیز چونکہ اس کی کوئی منظم جماعت نہیں، بلکہ خود آپ نے بھی دیکھا ہوگا کہ ان حضرات کی کوشش رہتی ہے کہ ہر جگہ سے آدمی نکلیں نئے آدمی اصول سے واقف نہیں ہوتے ان سے بے اصولیاں بھی ہوتی ہیں، اس ناکارہ کو شروع ہی سے بہت قریب سے دیکھنے کی نوبت آئی ہے۔ اب ان جماعتوں کے کارنامے بہت کثرت سے دیکھنے اور سننے کے مواقع پیش آتے ہیں میرے نزدیک یہ تحریک موجودہ حالت کے لحاظ سے نہایت ہی مفید اور بے انتہا ثمرات کا موجب ہے، ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں بے نمازی بے دین دیندار بن گئے جو لوگ علماء اور مدارس کے بہت خلاف تھے وہ سینکڑوں کی تعداد میں اہل علم سے متعلق اور مدارس کے معین بن گئے۔''

''نہ صرف ہندوستان و پاکستان بلکہ عرب ممالک اور دوسرے یورپ کے بہت سے شہروں میں ہزاروں آدمی دین کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں جن ممالک میں مساجد ویران پڑی تھیں ان میں باقاعدہ نماز بلکہ تراویح کا اہتمام ہو گیا۔ کوتاہیوں سے انکار نہیں لیکن کوتاہیوں سے کون سا مجمع یا ادارہ خالی ہے نفع نقصان کی مجموعی حالت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ہمارے مدرسہ کے ناظم الحاج مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہ مولانا تھانوی قدس سرہٗ کے خلیفہ ہیں وہ تو بیعت کے وقت بھی ہر مرید کو اس کی تاکید فرماتے ہیں۔ اسی

طرح دوسرے بہت سے مشائخ بھی اپنے مریدین کو اس کی تاکید فرماتے ہیں، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب پاکستانی بھی حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے خلفاء میں سے ہیں۔ اس مرتبہ سفر حج سے واپسی پر خود اس ناکارہ کی موجودگی میں انہوں نے مولانا محمد یوسف صاحبؒ کو اپنے مدرسہ میں بلا کر اس کی تاکید اور تحریک پر تقریر کروائی۔

ابھی مولانا عبید اللہ صاحب بھی مدینہ منورہ سے پاکستان کے راستے سے واپس آئے انہوں نے بھی بتایا کہ مفتی صاحب نے بہت اصرار سے اپنے مدرسہ کے لوگوں کو اس بات کی طرف متوجہ فرمایا اور خود انہوں نے بھی ان کی تقریر کے بعد زوردار تائید فرمائی اس سب کے باوجود آپ کے متعلق میرا مشورہ یہ ہے کہ اگر آپ کو شیخ اس کی اجازت نہ دیں تو آپ کو ان کی منشاء کے خلاف شرکت نہیں کرنی چاہئے۔ البتہ اگر آپ کو شیخ خوشی سے اجازت دیں تو ضرور شرکت فرمائیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ اگر آپ اپنے شیخ کی رضا کے تحت شرکت نہ فرماویں تو مخالفت بھی نہ فرماویں، اس لیے کہ میری رائے یہ ہے کہ عنایت الٰہی اس تحریک کی طرف متوجہ ہے کہ مبشرات نبی کریم ﷺ کی طرف سے اس جماعت کے متعلق تواتر سے نقل کئے جارہے ہیں اور نبی کریمؐ کی طرف سے لوگوں کو اس میں شرکت کے واسطے ترغیبات و تاکیدات خوابوں میں کثرت سے کی جارہی ہیں جس کی نظیر لیلۃ القدر کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے۔ "اری رویا کم قد تواطئت فی السبع الاواخر الحدیث" جس کو شیخین نے تخریج کیا ہے، کی روشنی میں کثرت سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں حمایت کرنا، جو اتنی کثرت سے سننے میں آرہا ہے کہ اس کا احصاء دشوار ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے امور ایسے ہیں کہ جن کی بناء پر یہ ناکارہ مخالفت کو خطرناک سمجھ رہا ہے، عدم شرکت دوسری چیز ہے کوئی شخص اپنے اعذار کی وجہ سے یا اپنے شرح صدر نہ ہونے کی وجہ سے شرکت نہ کرے، اس میں بندہ کے نزدیک کوئی خطرہ نہیں، لیکن مخالفت دوسری چیز ہے یہ اس ناکارہ کا ناقص خیال ہے واللہ اعلم بالصواب۔ البتہ کوئی منکر صریح دیکھی جائے تو اس پر نکیر دوسری چیز ہے۔ یہ ناکارہ اپنے ہجوم مشاغل اور کثرت امراض کی وجہ سے طویل تحریرات سے معذور ہے اس لیے آپ کو اس خصوصی تعلق پر جو مدرسہ کی وجہ سے اس ناکارہ سے بھی ہے مختصراً اپنی رائے لکھدی ہے۔ "ان کان صوابا فمن اللہ و ان کان خطاً فمنی و من الشیطان۔" فقط والسلام

(شیخ الحدیث حضرت مولانا) محمد زکریا صاحب مظاہر علوم سہارنپور

بقلم محمد اسماعیل سورتی ۲۰ ج ۲ ۱۳۸۴ھ

افراد کے معاملات کو جماعت پر محمول نہ کیا جائے

اگر حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے کبھی کسی مبلغ یا جماعت کے متعلق کوئی تنقید فرمائی ہو تو مجھے اس سے انکار نہیں، حضرت قدس سرہٗ کی تنبیہات اور اصلاحات سے کون ناواقف ہے اور اس سے طلبہ علماء بالخصوص حضرت کے خدام اور مجازین میں کون سا مستثنیٰ ہے، خود حضرت قدس سرہٗ کا ارشاد مبارک ہے فرمایا کہ مشکل سے کوئی شخص ہوگا جو میری لڑائی سے (مراد روک ٹوک ہے) بچا ہوگا، ورنہ قریب قریب سب ہی سے لڑائی ہو چکی ہے۔ (افاضات) خوان خلیل کے ضمیمہ پرچام نمبر ۸ کے حاشیہ میں حضرت تھانوی قدس سرہٗ کا ارشاد ہے کہ باوجود درجہ مجازیت کے بھی انسان سے لغزش ہو سکتی ہے۔

حضرت مولانا تھانویؒ کی تربیت کے چند دلچسپ واقعات

اس وقت ایک موقع نظر کے سامنے بھی ہے، الامداد بابت محرم ۱۳۳۶ھ میں ایک صاحب پر جن کے مجاز ہونے کی عبارت میں بھی تصریح ہے کس قدر لتاڑ پڑی ہے..... ایک صاحب نے جو مولوی اور مجاز تھے ایک عریضہ لکھ کر خدمت والا میں پیش کیا جس میں یہ مضمون تھا کہ "میں اپنے وطن جاتا ہوں اور وہاں فتنے بہت ہیں آپ کچھ فرما دیجئے تا کہ مجھے اطمینان ہو جائے" فرمایا کہ میں کیا کہہ دوں۔ ان صاحب نے اس کا جواب دینے میں گنجلک (ٹال مٹول) کی آپ نے فرمایا کہ صاف جواب دو اس تحریر کا کیا مقصود ہے۔ اس کے بعد انہوں نے عرض کیا کہ کوئی ایسا لفظ کہہ دیجئے کہ حق تعالیٰ مددگار ہیں۔ فرمایا کہ یہ تو ایسا امر ہے کہ میں اس کے دریافت کرنے میں آپ کا حاجت مند ہوا اور آپ میرے کہنے سے پہلے ان کو جانتے ہیں پھر مجھ سے یہ لفظ کیوں کہلایا جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ میرے سامنے سے دور ہو جاؤ، تم کو بات کرنے کا سلیقہ بھی نہیں آیا۔ اگر دعا کرانی تھی تو صاف لفظوں میں کہا ہوتا کہ دعا کر دیجئے۔ اس کے بعد ایک صاحب نے ان صاحب کی سفارش کرنی شروع کی تو ان پر بھی لتاڑ پڑی "الامداد" میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ فقط اس سے بھی بڑھ کر جناب الحاج حکیم محمد مصطفیٰ صاحب نور اللہ مرقدہٗ حضرت قدس سرہٗ کے کتنے اخص الخواص مقرب اور معالج جن کے متعلق حضرت حکیم الامۃ نے لکھا ہے "دیکھئے حکیم مصطفیٰ صاحب کتنے محبوب" "معتمد کتنے مقرب کتنے مخصوص اس کے باوجود حکیم مصطفیٰ صاحب نے جب کہ حضرت حکیم الامۃ لکھنؤ شفاء الملک صاحب کے زیر علاج تھے تو

حکیم صاحب نے اپنے کسی دوست کے ذریعہ سے شفاء الملک سے حضرت حکیم الامۃ کے مرض کی تشخیص کے متعلق استفسار کیا تھا کہ کیا مرض ہے اس پر حضرت حکیم الامۃ نے اس دخل در معقولات پر جتنا سخت خط حکیم مصطفیٰ صاحب کو لتاڑ کا لکھا ہے وہ میری تو نقل کی ہمت نہیں پڑتی افاضات یومیہ جلد نہم حصہ دوم ملفوظ نمبر۱۳۳ میں نقل کیا ہے کہ اس سے یہ سمجھائے گا کہ حضرت قدس سرہٗ حکیم محمد مصطفیٰ صاحب سے ناراض ہو گئے تھے یا وہ معتوب بن گئے تھے۔ حضرت تھانویؒ اپنے بڑے بھانجے مولانا سعید احمدؒ کے متعلق فرماتے تھے کہ مجھے ان کے ساتھ سب سے زیادہ محبت تھی جس کو عشق کہہ سکتے ہیں۔ لیکن میں نے ان ہی کے ساتھ سب سے زیادہ سختی کا برتاؤ کیا..... سہارنپور کے ایک جلسہ میں مولانا کا نہایت اعلیٰ درجہ کا وعظ ہوا جس سے سامعین بیحد متاثر ہوئے حضرت نے بعد وعظ مولانا کو کسی معمولی سی بات پر برسر مجمع نہایت سختی کے ساتھ زجر و توبیخ فرمائی تا کہ ان میں عجب و پندار پیدا نہ ہو، بعد میں حضرت والا نے خود بھی یہی مصلحت بتائی۔ (اشرف السوانح)

کیا ان تین واقعوں سے یا اس قسم کے دوسرے واقعات سے کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت قدس سرہٗ اپنے سارے مجازین اور سارے اعزہ سے خفا تھے یا سب کو نکال دیا تھا اسی طرح اگر کسی مبلغ یا کسی جماعت کے متعلق کسی لغزش پر جو حضرت قدس سرہٗ تک صحیح یا غلط طریقہ پر پہنچی اور حضرت نے لتاڑا ہو تو برمحل ہے۔ لیکن اس کی وجہ سے یہ کہہ دینا کہ حضرت اس جماعت سے خفا تھے۔ کوئی بھی عقل سلیم مان سکتی ہے، بالخصوص جب کہ لوگوں کی عادت اکابر کی خدمت میں غلط واقعات پہنچانے کی مشہور و معروف ہے خوان خلیل کے قصہ کے سلسلہ میں حضرت اقدس سہارنپوری نور اللہ مرقدہ کا یہ مقولہ بھی درج ہے کہ معلوم نہیں لوگوں کو کیا مزا آتا ہے کہ غلط روایتیں پہنچا کر اہل خیر کے قلوب کو دکھاتے ہیں۔ فقط

حضرت حکیم الامۃ کی افاضات یومیہ میں بیسیوں قسم کے اس نوع کے واقعات ہیں اس لیے اکابر کی طرف سے اگر کسی آدمی پر کسی جماعت پر کوئی ڈانٹ پڑے تو وہ وقتی چیز ہوتی ہے۔ اس کو اس شخص یا جماعت کی طرف سے کلیہ پر حمل کرنا یا جہالت سے ہو سکتا ہے یا عناد سے۔

میری ڈانٹ اس لئے ہے کہ یہ حضرات مجھ سے بہتر ہو جائیں (حضرت تھانویؒ)

خود حضرت تھانویؒ نے ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جن لوگوں پر ڈانٹ ڈپٹ روک

ٹوک زیادہ کرتا ہوں یہ واقعہ ہے کہ ان کے متعلق یہ جی چاہتا ہے کہ یہ مجھ سے اچھے ہو جائیں۔ گو عام لوگ اس کو عدم مناسبت اور بے تعلقی کی دلیل سمجھتے ہیں۔ (افاضات یومیہ)

ابو داؤد شریف میں ایک حدیث نقل کی گئی ہے، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ مدائن (شہر کا نام) میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کچھ احادیث نقل کیا کرتے تھے جو نبی کریم ﷺ بعض لوگوں کے متعلق غصہ میں فرمایا جو لوگ یہ حدیثیں سنتے تھے اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر نقل کرتے تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ کو اپنی احادیث کا زیادہ علم ہے، لوگ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر کہتے کہ ہم نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے تمہاری حدیثیں نقل کیں، انہوں نے نہ تو تصدیق کی نہ تکذیب کی تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے دریافت کیا آپ میری ان احادیث کی تصدیق کیوں نہیں کرتے جو خود آپ نے بھی حضرت اقدس ﷺ سے سنی ہیں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ ناراضی کے درمیان میں بعض لوگوں کے متعلق کچھ فرما دیتے تھے اور بعض اوقات بعض لوگوں کی کسی مسرت کی بات پر مسرت کا اظہار فرما دیتے تھے تم اس قسم کی روایات نقل کرنے سے یا تو رک جاؤ جن کی وجہ سے بعض لوگوں کی محبت اور بعض لوگوں کے دل میں ناراضی پیدا ہو اور آپس میں اختلاف پیدا ہو۔ تم کو معلوم ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ خطبہ میں فرمایا کہ میں ایک آدمی ہوں دوسرے آدمیوں کی طرح سے مجھے بھی غصہ آجاتا ہے پس جس آدمی کو میں نے غصہ میں کچھ کہا ہو، یا اللہ! تو اس کہنے کو لوگوں کیلئے رحمت اور قیامت کے دن برکات کا سبب بنا! تو تم ایسی حدیثیں نقل کرنے سے رک جاؤ، ورنہ میں امیر المؤمنین کے پاس تمہاری شکایت لکھوں گا۔ (بذل ج۵)

مشائخ کی مجلسوں میں ایک تکلیف دہ گروہ

خود حضرت اقدس نور اللہ مرقدہٗ سے افاضات یومیہ میں نقل کیا گیا ہے کہ مشائخ کے یہاں جو مقربین بصیغۂ اسم مفعول ہوتے ہیں ان میں ایک دو مکربین بصیغۂ اسم فاعل بھی ہوتے ہیں، ہر وقت شیخ کو اور دوسرے متعلقین کو کرب میں رکھتے ہیں، جھوٹ، سچ لگاتے رہتے ہیں، جس سے چاہا شیخ کو ناراض کر دیا جس سے چاہا راضی کر دیا، بحمد للہ ہمارے بزرگ اس سے صاف ہیں حضرت مولانا محمد

قاسم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تو کسی کی شکایات سنتے ہی نہ تھے جہاں کسی نے کسی کی شکایات شروع کی فوراً فرمادیا کرتے تھے کہ خاموش رہو میں سننا نہیں چاہتا، اسکے بعد کسی کی ہمت ہی شکایت کی نہ ہوتی تھی، اور حضرت حاجی صاحبؒ سب سن کر فرمادیتے تھے کہ تم نے جو کچھ بیان کیا اور فلاں شخص کی شکایت کی سب غلط ہیں۔ میں جانتا ہوں اس شخص کو وہ ایسا نہیں، ایک صاحب نے عرض کیا، حضرت گنگوہیؒ کا اس بارے میں کیا معمول تھا۔ فرمایا کہ ایک صاحب نے حضرت سے سوال کیا تھا کہ آپ سے لوگ دوسروں کی شکایت بیان کرتے ہیں آپ پر کوئی اثر ہوتا ہے فرمایا کہ ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ میں سمجھ لیتا ہوں کہ دونوں میں رنجش ہے۔ مگر سن لیتے تھے سب۔'' افاضات یومیہ میں لکھا ہے کہ میں تو واقعات میں علماء تک کی روایات کا بھی اعتبار نہیں کرتا۔ میرا اعتقاد یہ ہے کہ یہ فتویٰ تو صحیح دیں گے مگر واقعات میں اکثر ان کا بھی معمول احتیاط کا نہیں، اس پر چاہے کوئی برامانے یا بھلا جو بات تھی صاف عرض کر دی۔''

ایک مرتبہ حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ نے ارشاد فرمایا کہ آج کل بزرگوں کے پاس مقربین یہ سوغاتیں لے کر جاتے ہیں کہیں اس کی شکایت کہیں اس کی شکایت کسی نے دو حضرات سے جا کر یہ کہہ دیا کہ دیکھئے آپ کے سفر حجاز کے بعد ہی اس نے (یعنی حضرت تھانویؒ) حدیث کا دورہ شروع کرا دیا۔ احقر نے عرض کیا کہ شاید مثنوی شریف کے درس کو کسی نے حدیث کا دورہ سمجھ لیا ہو فرمایا یہ بھی عجیب بات ہے کہ خرگوش کو اونٹ سمجھ لے پھر فرمایا کہ اگر شروع ہی کر دیتا تو کیا گناہ تھا۔ مگر لوگوں میں یہ سخت عیب کی بات ہے کہ بزرگوں کے بھی کان بھرتے ہیں۔ بزرگوں کے پاس یہ سوغاتیں لے کر جاتے ہیں۔

(احسن العزیز)

میرا مقصد ان چیزوں کے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ مشائخ کے یہاں روایات غلط اور صحیح پہنچتی ہی رہتی ہیں۔ اور اس بناء پر اگر کسی شخص کی کوئی تعریف یا کسی کی کوئی مذمت کی ہو تو ان کو کلیہ بنا لینا ہرگز مناسب نہیں، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہٗ نے تو جلیل القدر صحابی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہٗ صاحبِ سر النبی ﷺ کو بھی اس پر ڈانٹ دیا کہ ایسی روایات نقل نہ کیا کریں یہ میں لکھ چکا ہوں کہ حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے اجل خلفاء جن کی تفصیل آگے آرہی ہے اس کام میں بہت شرکت فرمارہے ہیں۔

اور حضرت مولانا وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے مختصر لفظوں میں بہت اچھی بات

لکھی کہ ''آپ لوگوں سے اس قسم کے استفسارات تعجب خیز ہیں یہ تبلیغ آج سے نہیں، ایک زمانہ دراز اس پر گذر چکا ہے اور اب یہ عروج پر ہے جب علماء اس میں شریک ہیں، انہوں نے اس کی ضرورت کو اور اس کی شرعی حیثیت کو مدنظر رکھ کر اس کام کو عمل میں لایا ہوگا۔ اور یہ بات روز روشن کی طرح واضح ولائح ہے اس کے بعد اب سوال کی کیا حاجت باقی رہ جاتی ہے۔

(اشکال نمبر ۱۰) حضرت مدنیؒ کو تبلیغ کے کام سے اتفاق نہ تھا

حضرت شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے متعلق میرے کان میں کبھی کبھی پڑا کہ حضرت بھی اس کے مخالف تھے۔ اس روایت پر تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی اسے لیے کہ حضرت قدس سرہٗ کی اس تبلیغ کے ساتھ دلچسپی شغف، ترغیبات تحریر وتقریر اتنی شائع ہو چکی ہیں کہ اس کے بعد اس قسم کی روایات حضرت کی طرف منسوب کرنا عناد کے سوا کچھ نہیں، اس جماعت کے جلسوں میں کثرت سے حضرتؒ کی شرکتیں بھی ہیں تقریں بھی ہیں اور شرکت کیلئے تاکیدیں بھی ہیں ان سب کا احاطہ اس مختصر رسالہ میں تو بہت دشوار ہے۔

حضرت کی تقریریں مستقل بھی رسائل میں شائع ہو چکی ہیں ان سب کا اس مختصر رسالہ میں نقل کرنا تو بہت دشوار ہے، حضرت شیخ الاسلام کی تبلیغی تقریروں کے نام سے بھی ایک مستقل رسالہ شائع ہو چکا اور مختلف اخبارات ورسائل میں بھی کثرت سے ان کے اقتباسات شائع کیے گئے نمونہ کے طور پر صرف ایک دو خطوط نقل کراتا ہوں، ان میں سب سے اہم بندہ کے نزدیک وہ خط ہے جو حضرت الحاج حکیم محمد اسحاق صاحب کٹھوری ممبر شوریٰ دار العلوم کے نام لکھا اور حضرت شیخ الاسلام کی تقریروں کے رسالہ میں چھپا ہوا ہے، وہ یہ ہے۔

نمبر۱: مکتوب مدنی رحمۃ اللہ علیہ

محترم المقام زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ مزاج مبارک یہ بات معلوم کر کے تعجب ہوا کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی تبلیغی جماعتیں شہر میرٹھ اور اس کے گردونواح میں تبلیغی سرگرمیوں کیلئے آتی ہیں مگر آپ حضرات اور آپ کے احباب واعزہ ان کی ہمدردی، رہنمائی، ہمت افزائی میں کوئی حصہ نہیں لیتے برخلاف اس کے وہ اشخاص جن کو اپنے بزرگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور نہ ان کو قومی اور وطنی تحریکات سے کوئی دلچسپی ہے وہ ان جماعتوں سے ہمدردی کرتے ہیں میں نہیں سمجھ سکا کہ اس کا کیا راز ہے۔

میرے محترم بزرگ! یہ جماعت تبلیغیہ نہ صرف ایک ضروری اوراہم فریضہ کی حسب استطاعت انجام دہی کرتی ہے بلکہ اس کی بھی سخت محتاج ہے کہ ان کی ہمت افزائی کی جائے۔اوران کوخود بھی مسلمانوں سے رابطہ قوی پیدا ہواور مسلمانوں میں اتحادویگانگت کاقوی جذبہ پیدا ہواوران کومذہبی احساسات کی سرگرمی کی طرف سے چلایا جائے جس سے مستقبل میں نہایت اعلیٰ درجہ کے نتائج اور ثمرات کی قوی امیدیں پیدا ہوتی ہیں، بنابریں میں امیدوار ہوں کہ آئندہ اس میں پوری جدوجہد کوکام میں لایا جائے اوران کی ہمت افزائی کی صورتیں عمل میں لائی جاویں۔ والسلام ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہ۱۶صفر۱۳۶۱ھ

نمبر۲ مکتوب مدنی رحمۃ اللہ علیہ

دوسرامکتوب پروفیسر سیداحمد شاہ صاحب مرادآبادی کے نام۔

محترم المقام زیدمجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ تبلیغی خدمات کے انجام دینے اور اس کے لئے مولانا الیاس صاحب کی خدمت میں حاضر ہوکر ہدایات حاصل کرنے کا مقصد مبارک مقصد ہے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور پھر توفیق عطا فرمائے کہ آپ اس مبارک مقصد کو بلکہ اپنی خاندانی وراثت کوبخیروخوبی انجام دیں۔ مولانا محمد الیاس صاحب کوعلیحدہ خط لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ بلاسفارش اس کام کومکمل طریقہ پرانجام دیں گےاور بالفرض آپ ضرورت ہی سمجھیں تواس عریضہ کوان کی خدمت میں پیش کردیں اورمیرا سلام اوراستدعاء دعوات صالحہ انجام دیں۔ فقط: والسلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ۔

تیسرامکتوب علماءافغانستان کے نام

جس کے متعلق سوانح یوسفی میں لکھا ہے یہ تو معلوم ہو چکا کہ حضرت مدنیؒ تبلیغی جماعت کی حمایت میں ہمیشہ سینہ سپررہے ہیں، اور جہاں جہاں بھی ان کی مددواعانت کی ضرورت پڑی مدد اور سرپرستی، افغانستان میں حضرت مدنی کے تلامذہ اور تعلق رکھنے والے مشائخ بکثرت تھے۔ جب یہ تبلیغی جماعت افغانستان جانے لگی تو حضرت مدنیؒ نے بعض ذی اثر علماء کوخطوط تحریر فرمائے تا کہ جماعت کوکوئی رکاوٹ پیش نہ آئے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔ "طال شوقی الی لقائکم ایھا الغائبون عن نظری" بخدمت عالی جناب ذولجاہِ والاکرام مولانا فضل ربی وحضرت علماء کابل لا ذالت شموس فیوضکم و بلور معالیکم لامعۃ ازیں بعدادائے مراسم اسلامیہ وسنن نبویہ علی صاحبہا الصلاۃ والتحیۃ عرض آنکہ حاملین

عریضہ ہمارے چند احباب خدمات عالیہ میں حاضر ہو رہے ہیں، ان کا مقصد کوئی سیاسی اور ملکی نہیں ہے فقط خدمات دینیہ اور فرائض تبلیغیہ ادا کرنا ہے اور مسلمانانِ افغانستان کو وہ مقصد یاد دلانا جس کو عام مسلمانوں نے بھلا دیا ہے مقصود ہے۔ امید آنکہ آپ حضرات ان کی امداد و اعانت میں کوتاہی روا نہ رکھیں گے اور ان پر اعتماد کرتے ہوئے ممکن تسہیلات سے درگذر نہ فرمائیں گے۔ والسلام خیر اندیش ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

صدر مدرس دار العلوم دیوبند صدر جمعیۃ علماء ہند

۱۳ محرم الحرام ۱۳۷۷ھ

افغانستان کی یہ پہلی جماعت تھی جو اگست 57ء میں گئی تھی۔ اور اس کے امیر مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی تھے گیارہ افراد پر مشتمل تھی جن کے اسماء سوانح یوسفی میں درج ہیں، اور اسی میں اس جماعت کے کارناموں کی تفصیل ہے۔ (سوانح یوسفی از مولانا محمد ثانی حسنی)

اہل تبلیغ بھی تو انسان ہیں

بنگلور میں ایک زمانہ میں تبلیغ کے خلاف بہت زور باندھے گئے اور کہا گیا کہ یہ مدرسوں کو فضول بتاتے ہیں اور بعض اہل مدارس کی طرف سے تبلیغ کے خلاف اشتہارات لکھے گئے جو حضرت مدنی قدس سرہٗ کی خدمت میں فیصلہ کے لیے بھیجے گئے۔ جس پر حضرت قدس سرہٗ نے یہ مضمون تحریر فرما کر بھیجا تھا جو اخبار ''روشنی'' بنگلور مورخہ ۱۷ مارچ ۱۹۵۷ء میں شائع ہوا۔

''اہل مدارس کی مختلف تحریریں اور پوسٹر دربارۂ جماعت تبلیغ ومخالفت ان دنوں نظر سے گذریں۔ جن میں حد اعتدال اور توسط سے تجاوز کرتے ہوئے افراط غلو سے کام لیا گیا ہے تبلیغ دین اور تعلیم دینی ہر دو امور ضروریات اور فرائض اسلامیہ سے ہیں ان کے کارکنوں کو ہمیشہ حدود شرعیہ کے اندر کام انجام دینا چاہئے، کوئی کام خواہ کتنا ہی اہم اور ضروری کیوں نہ ہو اگر حدود شرعیہ سے بالاتر ہو کر عمل میں لایا جائے گا تو ضرور بالضرور اس میں خرابیاں اور مفاسد پیدا ہوں گے اسے لیے میں ہر دو فریق سے نہایت ادب اور محبت سے التماس کرتا ہوں کہ وہ اعتدال اور توسط کو اختیار فرمائیں اور بے جا الزامات تراشی اور بے اعتدالیوں سے درگذر فرما کر اپنے اپنے فرائض و واجبات میں منہمک ہو جائیں زمانہ سعادت صحابہ کرامؓ سے لیکر آج تک ہمیشہ کارکن اشخاص اور جماعتوں سے غلطیاں بھی ہوتی ہیں مگر ان کی غلطیوں کی وجہ سے وہ ضروری چیزیں

ممنوع نہیں قرار دی گئیں بلکہ اصلاح کی گئی اور ان غلطیوں کو چھانٹ دیا گیا۔ اہل تبلیغ بھی ہماری طرح انسان ہیں ان میں نا تجربہ کار اور نو آموز افراط وتفریط کرنے والے اشخاص بھی ہیں۔ ان کی کسی کوتاہی پر نفس تبلیغ پر نکیر کرنا غلطی سے خالی نہ ہوگا اور یہی حال تعلیم کا بھی ہے اس لیے میں تمام بھائیوں سے امیدوار ہوں کہ ہر ایک دوسرے کی عزت افزائی کی کوشش کرے، اور گندگی اچھال کر مسلمانوں میں مزید تفریق پیدا نہ ہونے دے۔ وَاللّٰهُ يَهْدِى السَّبِيْلَ وَهُوَ الْمُسْتَعَان. ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری سوانح یوسفی میں لکھتے ہیں "اور حضرات کے بارے میں تو مجھے معلوم نہیں ہاں حضرت مدنیؒ کے بارے میں مجھے معلوم ہے کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب جب بھی سہارنپور تشریف لے جاتے تو دیوبند ضرور جاتے اور بہت دیر تک نہایت ادب اور احترام سے بیٹھے رہتے تھے، حضرت مدنیؒ کو بھی ان سے اسی قدر تعلق تھا جب اجتماعات میں شرکت فرماتے تھے تو پھر مصافحہ کرنے والے سے پوچھا کرتے تھے کہئے! آپ نے چلہ دیا یا نہیں؟ اگر وہ انکار کرتا تو آپ اس سے چلہ لکھواتے۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر کا اہم حصہ

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ کی تبلیغی اجتماعات میں تقریریں نہایت کثرت سے ہوئیں ان میں سے چند مطبوعہ بھی ہوگئیں جو بڑی طویل ہیں ان کو اس رسالہ کا جز بنانے میں تو یہ مختصر رسالہ بہت ہی طویل ہو جائیگا، اگر کوئی صاحب خیر ان کو ایک جگہ طبع کرا دے تو علاوہ اس کے کہ نہایت افادہ اور لوگوں کی ہدایت کا سبب بنے اس کا بھی اندازہ ہو جائے گا کہ حضرت شیخ الاسلام کو تبلیغی جماعت سے کتنا تعلق تھا۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ کی ایک تقریر کا خلاصہ

ایک مختصر رسالہ حضرت شیخ الاسلام کی اہم تقریروں کے نام سے چھپا ہے۔ اس میں دو تقریریں مفصل طبع کی گئی ہیں۔ دوسری تقریر کا آخری حصہ نقل کراتا ہوں، یہ تقریر ۲۶ جولائی ۱۹۵۷ء بعد نماز جمعہ بمقام ارکونم ضلع شمالی کا آرٹ مدارس میں ایک تبلیغی اجتماع میں فرمائی، تاثر کا یہ عالم تھا کہ سارا مجمع رو رہا تھا۔ اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ یہ حضرت کا سب سے آخری سفر تھا اور آخری ہی تقریر تھی اس کے آخری حصہ کے الفاظ یہ ہیں:

بھائیو! آپ کی یہ مجلس تبلیغ کی ہے یہ تبلیغ اصل میں وظیفہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ وہ کام جو تم کرتے ہو معمولی نہیں میں تم کو بشارت دیتا ہوں کہ خدا نے تم کو کیسی خدمت سپرد کی ہے۔

حقیقت میں کام لینے والا اللہ ہے، اگر وہ نہ چاہے تو تم کیا کرتے؟ وَمَا تَشَآؤُنَ اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِیْن

ارشاد ہے: "یَمُنُّوْنَ عَلَیْكُمْ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدَاكُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِیْنَ" خدا کا فضل ہے کہ اس نے تمہارے دلوں میں اس چیز کو ڈالا ہے۔ اسی ہندوستان میں ہمارے باپ دادا اور بہت سے لوگ گذر گئے جو آپس میں لڑتے رہے اور دنیا کے پیچھے پڑے رہے لیکن ان کو تبلیغ کا کبھی خیال نہیں آیا۔ خدا تعالیٰ نے ہمارے زمانے کے علماء اور اہل خیر کو اس کی توفیق دی۔ تم بہت سے بندگانِ خدا کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر رہے ہو، جو کلمہ اور نماز نہیں جانتے تھے کیا وہ مستحق دوزخ نہیں تھے؟ تم ان کو سمجھا کر اللہ کے راستے پر چلاتے ہو تو کیا دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل نہیں کر رہے ہو؟ اللہ جس کو چاہتا ہے اٹھاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گراتا ہے۔

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمہ کنی

منت شناس ازو کہ بخدمت بد اشتت

خدا کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہیں اس کی توفیق دی یہ بات ضرور ہے کہ بہت سے لوگ تمہاری بات نہیں مانیں گے تم کیا ہو؟ لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی بات نہ مانی اور آپ کے ساتھ کیا کیا نہیں کیا؟ تم گھبراؤ نہیں پریشان نہ ہو اگر بیوقوف اور جاہل برا بھلا کہیں، طعنہ دیں تو سن لو یہ تو سنت ہے آنحضرت ﷺ کی اور سنت ہے انبیاء سابقین کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لقد اوذیت فی اللہ و ما اوذی احد مثلی و لقد اُخِفت فی اللہ و ما اخیف احد مثلی" (الحدیث) اگر تمہیں کامیابی نہیں ہوئی اور کوئی بھی سیدھا نہیں ہوا تو اس کے باوجود تمہارا درجہ بڑا ہے اور تمہیں پورا اجر ملے گا۔ تم اطمینان رکھو تمہارا کام اللہ کے دربار میں مقبول ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خیبر فتح کرنے کیلئے بھیجتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا چاہتے ہیں قتال شروع کر دوں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہاں جا کر ٹھہرو، اور لوگوں کو "لا الہ الا اللہ" کی طرف بلاؤ اگر مانیں تو دوسرا معاملہ کرنا اس لیے کہ "لان یھدی اللہ بک رجلا خیر لک من الدنیا و ما فیھا" ایک آدمی کو بھی تمہارے ذریعہ اللہ تعالیٰ ہدایت دے دے تو وہ تمہارے لیے دنیا و مافیہا سے بہتر ہے دوسری روایت میں ہے کہ تم کو جوان اونٹوں کے ملنے سے بھی یہ بہتر ہے۔

بھائیو! تم نے جو قدم اٹھایا ہے وہ مبارک ہے اللہ پاک تمہاری جد وجہد سے لوگوں کو

فائدہ پہنچائے۔ اور تم سے اسلام کی خدمت لے۔ تم ہرگز تنگدل مت ہو، تکلیفیں اٹھانی پڑیں گی جیسے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو اٹھانی پڑیں، کیا تم کو خبر ہے کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عرب سے کیوں نکلے؟ وہ عراق میں پہنچے، شام، ایران، افغانستان، سندھ، یوپی، بہار اور جنوب میں دکن تک پہنچے؟ یہاں تک کیوں پہنچے ان کا مقصد کیا تھا؟ ملک فتح کرنا تھا؟ یا دولت لوٹنی تھی؟ ہرگز نہیں ان کا اصلی مقصد صرف ''لا الہ الا اللہ'' کی دعوت دینا تھا، دنیا کو سچے دین پر لانا تھا اللہ کے بچھڑے ہوئے بندوں کو اللہ سے ملانا تھا اور دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کرنا تھا، بعد والوں نے بے وقوفی کی کہ دنیا کے پیچھے پڑ گئے تاریخ گواہ ہے کہ ہند میں باہر سے آنے والے مسلمانوں کی تعداد صرف چار یا پانچ لاکھ تھی، مگر تقسیم ہند کے وقت دس کروڑ پچیس لاکھ مسلمان تھے۔ ہمارے بزرگ اسلاف نے اور اولیاء کرام نے تبلیغ دین کیلئے بہت ہی کوششیں کیں، ایک انگریز اسمتھ لکھتا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک پر نوے لاکھ مسلمان ہوئے۔ ان کے پاس کیا تھا؟ کوئی فوج تھی؟ فقط اللہ کی معرفت کا خزانہ تھا۔ ہر جگہ اللہ کے سچے بندے گذرے ہیں جنہوں نے دین کی تبلیغ کی، میں نے تاریخ ترکی میں دیکھا کہ ترک قوم کے تین لاکھ خاندان ایک دن میں مسلمان ہوئے اللہ کا کرم کہ تبلیغ کی کوشش وہ پھل لائی کہ ایک زمانہ میں بعض حکام کو یہ تدبیر کرنی پڑی کہ وہ اپنی رعایا کو مسلمان ہونے سے روکیں 100 ھ میں خلافت عمر بن عبد العزیزؒ کے زمانہ میں خراساں کے حاکم کو یہ خطرہ ہوا کہ جزیہ بند ہونے سے خزانہ خالی ہو جائے گا اس لیے اعلان کرنا پڑا کہ کسی کا اسلام اس وقت تک قبول نہ کیا جائے گا جب تک وہ ختنہ نہ کرالے، بوڑھوں کے لیے تکلیف دہ بات تھی اس لئے اس حکم کے جاری ہونے سے اسلام کی ترقی رک گئی، اب خلیفہ کو اطلاع ملی کہ والی خراساں نے اسلام پر پابندی لگادی ہے تو آپ نے اس کو معزول کر کے دوسرے کو مقرر کر دیا اور فرمایا کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے آئے تھے کہ ان پر اسلام کو موقوف رکھا جائے؟

میرے بھائیو! ہمارے اسلاف کی کوششوں سے اہل اللہ علماء کرام اور عام مسلمانوں کی کوششوں سے دس کروڑ پچیس لاکھ مسلمان ہو گئے، اگر غلط کاری نہ ہوئی ہوتی تو یقیناً ہندوستان کا اکثر حصہ مسلمان ہو جاتا، میرے بزرگو! اللہ نے آپ کے دلوں میں تبلیغ کی محبت ڈالی یہ مبارک کام ہے اور آپ مبارک باد کے مستحق ہیں۔ اللہ آپ کو اس سے زیادہ خدمت کی توفیق عطا کرے اپنی بھی اصلاح کرو اور اپنے بھائیوں

کی بھی، اللہ آپ کو مزید ہمت عطا فرمائے۔ بھائیو! تنگدل نہ ہو، اللہ کی رحمت کے امیدوار رہو، سب کو اللہ کی رضا و خوشنودی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف بلاؤ خود بھی عمل کرو، رسول اللہ ﷺ کی صورت بناؤ سیرت اختیار کرو۔ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ مولانا حفظ الرحمٰنؒ اور مفتی کفایت اللہؒ کی سرپرستی

حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ کی تبلیغی اجتماعات میں بہت کثرت سے شرکت ہوئی ہے، جن کو تتبع اور تلاش کیا جائے تو بہت ہی وقت لگے گا، میرے روزنامچوں میں بھی بہت سے اجتماعات ایسے ملیں گے جن میں حضرت شیخ الاسلام کی شرکت ملے گی، سوانح یوسفی میں ڈاسنہ کے اجتماع میں جو ۳ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۷ جنوری ۵۶ء منگل کی دوپہر کو حضرت شیخ الاسلام نے شرکت فرمائی۔ اس کے متعلق سوانح کے حاشیہ میں یہ لکھ دیا گیا غالباً حضرت مدنیؒ کی یہ شرکت تبلیغی اجتماعات میں اپنی زندگی کی آخری شرکت تھی یہ اندازہ سے لکھا گیا۔ اس لیے کہ ایک ہی سال بعد حضرت شیخ الاسلام کا وصال ہو گیا لیکن آرکاٹ کے جس اجتماع کی شرکت کا ذکر اوپر گذرا وہ اس کے بعد کی ہے حضرت مدنی قدس سرہٗ نے ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں کے بعد جب کہ نظام الدین کے حضرات کو جلسے کرنے مشکل ہو رہے تھے بہت کثرت سے اجتماعات میں شرکت فرمائی، سوانح یوسفی میں لکھا ہے کہ ۱۹۴۷ء کے ہنگامے میں ایسے پرخطر دور میں ادھر ادھر جانا دشوار تھا، ذرا قدم نکالا موت نے آدبوچا۔ بڑے سے بڑے ہمدرد تعلق والے آنکھیں پھیر لیتے حتیٰ کہ بعض ایسے اہم ترین اور مخلص ترین اور پرانے تعلق رکھنے والے اصحاب جو اس وقت صاحب اختیار تھے، جن کا حکومت میں اثر ورسوخ تھا انہوں نے بھی ایسے پرخطر دنوں میں خاموش رہنے کا مشورہ دیا......... لیکن اس اندھیری رات میں روشنی کی ایک ایسی شمع بھی چلی جس نے روشنی دی۔ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کا تو کہنا ہی کیا کہ وہ برابر مرکز اور مرکز والوں کی سرپرستی فرماتے رہے اور ان کی ہمت کو شکستہ ہونے سے بچائے رکھا لیکن مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ نے بھی اپنی مجاہدانہ زندگی اور دیرینہ تعلق واحساس فرض کی صفت کا پوری طرح مظاہرہ کیا۔ (مولانا کے متعلق مضمون ان کے بیان میں آرہا ہے) حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اور مولانا احمد سعید صاحبؒ بھی ان خطرناک ایام میں جماعت کی بہت زیادہ معاونت فرماتے رہے۔

دیگر اکابر کی نظام الدین کی تبلیغ کے متعلق آراء وارشادات

(الف) حضرت اقدس قدوۃ الاتقیاء رأس الاصفیاء شاہ عبدالقادر صاحب رائپوری نور اللہ مرقدہ کے متعلق تو شاید ہی کسی کو اس سے انکار کی جرأت ہو کہ حضرت قدس سرہ' کا نظام الدین کثرت سے تشریف لے جانا، اور تبلیغی اسفار اور اہم امور میں مشوروں میں شرکت بہت کثرت سے ہوتی تھی خود اس ناکارہ کے ذریعہ سے حضرت اقدس رائپوری قدس سرہٗ نے حضرت دہلوی نور اللہ مرقدہٗ کے دور میں اور اس کے بعد مولانا الحاج محمد یوسفؒ کے دور میں کئی باران اکابر کو رائپور میں اجتماعات کرانے کے لیے بلایا، اور حضرت رحمۃ اللہ کے دور میں بار بار، رائپور میں تبلیغی اجتماعات حضرت کے ارشادات پر ہوئے۔

حضرت رائپوریؒ کی دہلی میں تشریف بری بھی بہت کثرت سے ہوتی تھی۔ جس کے دوران میں تبلیغی مشورے حضرت دہلویؒ کے دور میں بھی اور مولانا محمد یوسفؒ کے دور میں بھی حضرت رائپوریؒ سے ہوا کرتے تھے، باوجود اس کے کہ حضرت دہلویؒ کی یہ تمنا رہتی تھی کہ حضرت رائپوریؒ کی تشریف بری اس سے بھی زائد ہو۔ جس کے متعلق آپ بیتی نمبر ۴ میں ایک طویل قصہ بھی لکھوا چکا ہوں کہ حضرت دہلویؒ کی اس تمنا اور خواہش پر کہ حضرت کی تشریف آوری میں اضافہ ہو جائے حضرت کا یہ ارشاد کہ ''میری آمد تو ان (اس ناکارہ کی طرف اشارہ فرما کر) پر موقوف ہے'' اس پر چچا جان نور اللہ مرقدہ کو بہت غصہ آیا اور فرمایا کہ جب حضرت کی تشریف آوری اتنی آسان ہے پھر اتنی تاخیر کیوں ہوتی ہے۔ سوانح حضرت دہلویؒ میں لکھا ہے کہ مولانا کے نزدیک ملک کی جہالت وغفلت دینی بے حمیتی اور جذبات کی خرابی تمام فتنوں کی جڑ اور ساری خرابیوں کا سرچشمہ تھی اور اس کا علاج صرف یہ تھا کہ میوات کے لوگ اپنی اصلاح وتعلیم اور دین کو دنیا پر مقدم رکھنے اور اس کے لیے جدوجہد کرنے کی طاقت اور جذبات پیدا کرنے کے لیے باہر اور خصوصاً یوپی کے شہروں میں جائیں۔ اور اس کے لیے سب سے پہلا سفر اپنے وطن کاندہلہ کا رمضان میں تجویز ہوا جس کی تفصیل سوانح حضرت دہلوی میں موجود ہے۔ اس کے بعد دوسرا سفر رائپور کا تجویز ہوا، اور شوال میں ۱۰۔۱۱، آدمیوں کو اپنے ساتھ لیکر رائپور تشریف لے گئے۔ رائپور بھی اطمینان کی جگہ تھی اور دینی وروحانی مرکز تھا۔ نیز مولانا عبدالقادر صاحب جانشین حضرت مولانا الحاج شاہ عبدالرحیم صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے رائپوری

سے یکجہتی اور یگانگت کی بنا پر وہاں سے بھی کوئی تکلف اور اجنبیت نہیں تھی۔ (سوانح حضرت دہلویؒ)

یہ میوات کی جماعتوں کے یوپی میں آنے کی ابتدائیں ہیں۔ اس کے بعد متعدد مرتبہ رائپور میں اجتماعات ہوتے رہے اور حضرت اقدس رائپوری قدس سرہٗ باغ کے اپنے تمام لوگوں کو اجتماع میں شرکت کیلئے اہتمام سے بھیجتے تھے۔ یہ ناکارہ بھی رائپور کے متعدد اجتماعات میں شریک ہوا۔ سوانح یوسفی میں لکھا ہے کہ مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے تقسیم ہند کی لائی ہوئی مصیبت اور وحشت پیدا کرنے والے دور میں اجتماعات کی ابتداء ایسے مقام سے کی جہاں پر ذکر کی فضا قائم تھی اور برسوں سے اللہ اللہ کرنے والے وہاں پر موجود تھے۔ اور ایک ایسے مرد خدا اور بزرگ شخصیت کا سایہ تھا جس نے برسوں ایمان ویقین اور یادالٰہی کا سبق دیا۔ تقسیم ہند کے بعد سب سے پہلا اجتماع رائپور میں ہوا۔ ۳ ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۴ فروری ۱۹۴۸ء کی شب میں مولانا محمد یوسف صاحب نظام الدین سے سہارنپور تشریف لے گئے اور لکھنؤ سے مولانا ابوالحسن علی ندوی اور مولانا محمد منظور صاحب نعمانی پنجاب میل سے سہارنپور پہنچے۔ دوسرے دن صبح ان سارے حضرات کی رائپور روانگی ہوئی۔ رائپور میں ایک طویل اجتماع تھا جس کے سلسلہ میں یکشنبہ کی شب میں جامع مسجد میں ایک جلسہ ہوا۔ یہ جلسہ اپنی نوعیت کا ایک کامیاب بنیادی جلسہ تھا۔ اس سے آئندہ اجتماعات اور جلسوں کی راہ ہموار ہوئی مشرقی پنجاب کے بہت سے پناہ گزیں جنہوں نے رائپور میں آکر قیام کر لیا تھا وہ بھی اس میں شریک ہوئے یہی وہ سفر ہے جس میں حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوری نے مولانا محمد یوسفؒ سے پاکستان کے سفر اور دورہ پر اصرار فرمایا۔

دوسرا اجتماع رائپور کا پہلے سے طے شدہ نہ تھا پہلے سے کسی کو خبر تھی، اور نہ کوئی اس کے لیے انتظام ہی کیا گیا تھا، مولانا محمد یوسفؒ حضرت رائپوری صاحبؒ سے ملنے کی خاطر رائپور تشریف لے گئے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اہل فیض آباد ضلع سہارنپور بہت دنوں سے حضرت شیخ الحدیث سے فیض آباد آنے کی درخواست اور اصرار کر رہے تھے مگر حضرت رائپوری نے حضرت شیخ الحدیث کو سفر کی مشقت کی خاطر فیض آباد جانے کی رائے نہ دی اور جو حضرات فیض آباد لیجانے پر مصر تھے ان سے یہ فرمایا کہ تم لوگ رائپور میں رہو اور حضرت شیخ سے یہیں نیاز حاصل کرو ۱۶ محرم ۱۳۷۳ھ بروز شنبہ مولانا محمد یوسف صاحب سہارنپور تشریف لے گئے مع دوسرے رفقاء کے انہوں نے جب

حضرت شیخ کو سہارنپور میں نہ پایا تو اسی وقت رائپور تشریف لے گئے اس طرح اس وقت رائپور میں اہل تعلق کا ایک اجتماع ہو گیا، حضرت اقدس رائپوری نور اللہ مرقدہ نے اہل رائپور کو حکم دیا کہ وہ قرب وجوار میں آدمیوں کو بھیج کر لوگوں کو جمع کریں، اور بدھ کی صبح کو جامع مسجد رائپور میں ایک تبلیغی اجتماع کر لیں۔ مولانا محمد یوسف صاحب نے عرض کیا کہ میں اس وقت حضرت کی صرف زیارت کے لیے آیا ہوں، مگر حضرت رائپوری نے حکم فرمایا، اصرار فرمایا، مولانا محمد یوسف صاحب اس پر آمادہ ہو گئے اور بدھ کی صبح کو تقریباً چھ گھنٹے جامع مسجد رائپور میں اجتماع ہوا قرب وجوار کا یہ کامیاب اجتماع تھا حضرت شیخ اور مولانا کی تشریف بری کو سن کر بڑی تعداد میں لوگ جمع ہو گئے مولانا نے اس اجتماع میں چار گھنٹہ تقریر فرمائی۔ اور تقریر کے بعد دو گھنٹے تشکیل ہوئی۔ (سوانح یوسفی)

حضرت رائپوری نور اللہ مرقدہٗ اور حضرت دہلوی اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نور اللہ مرقدہما کی سوانح عمریوں میں بہت کثرت سے ان دونوں حضرات کی رائپور میں حاضری اور اجتماعات کے تذکرے ہیں، اور حضرت اقدس رائپوری نور اللہ مرقدہٗ کی بھی ؛ ئی حضرت دہلوی کے زمانے میں اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے زمانے میں نظام الدین کی تشریف بری اور کئی کئی دن قیام اور اہم امور میں مشوروں کا ذکر ہے۔ چونکہ گلالتہ کا اجتماع حضرت دہلوی نور اللہ مرقدہٗ کی وصال کے بعد اہم اجتماع تھا جس میں شرکت کے لیے حضرت اقدس رائپوری نور اللہ مرقدہٗ رائپور سے اہتمام کے لیے تشریف لے گئے۔ سوانح یوسفی میں اس اجتماع کی تفصیل بہت ہی طویل لکھی ہے، لکھا ہے کہ مراد آباد کے ستر ۷۰ نفر پیدا! چل کر اس جلسہ میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے۔ لیکن ذوق وشوق اور کیف وسرور اتنا تھا کہ تکان کا پتہ بھی نہ چلا، سہارنپور سے شیخ الحدیث صاحب اور رائپور سے حضرت رائپوری ۲۹/ شوال کو نظام الدین پہنچے اور ہر دو حضرات یک شنبہ کی صبح کو نظام الدین سے گلالتہ تشریف لے گئے۔ اسی دن اجتماع تھا اور جوالا پور ضلع سہارنپور کا اجتماع تو حضرت اقدس رائپوری ہی کی سفارش پر تجویز ہوا تھا جس کی تفصیل سوانح یوسفی میں ہے۔

حضرت تھانویؒ کے خلیفۂ اجل حضرت مولانا وصی اللہ کا مکتوب گرامی:

(ب) حضرت مولانا وصی اللہ خلیفہ اجل حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ کے مکتوب کا مختصر حصہ حضرت حکیم الامۃ کے بیان میں گذر چکا۔ پورا مکتوب یہ ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایسے استفسارات پہلے یہاں آئے ہیں ان کا جواب دیا گیا ہے، اب آپ نے بھی کیا ہے۔ آپ جیسے حضرات سے یہ امر تعجب خیز ہے۔ یہ تبلیغ آج سے نہیں ایک زمانہ دراز اس پر گذر چکا ہے اور اب یہ عروج پر ہے۔ جب علماء اس میں شریک ہیں انہوں نے اس کی ضرورت کو اور اس کی شرعی حیثیت کو مد نظر رکھ کر اس کام کو عمل میں لایا ہوگا۔ اور یہ بات روز روشن کی طرح واضح ولائح ہے۔ اس کے بعد اب سوال کی اور پھر ہم جیسے لوگوں سے کیا حاجت باقی رہ جاتی ہے۔ کام مقصود ہے اور اس کو شرعی طریقہ سے کرنا ہے اور علماء دونوں کو جانتے ہیں پھر ان کی تقلید کو جو ضروری سمجھ رہا ہے اس پر ان کی تقلید ضروری ہے، جو کام کرتا ہے اس کی اہمیت کو وہ عمل سے پہلے اور شرعی نقطۂ نظر سے اس کو سمجھ لیتا ہے۔ بس یہ دونوں پہلو پیش نظر ہیں پھر اب سوال کی حاجت نہیں۔ سوال عمل سے پہلے ہوتا ہے اور اب سوال سے کیا فائدہ؟ اب تبلیغ اپنے عروج پر ہے وہ روز بروز بڑھتی ہی رہے گی۔ جو اس کے موافق ہو خلوص سے اس کو عمل میں لائے۔ سوال سے تردد کا پتہ چلتا ہے کہ اب عمل کے جواز ہی میں تردد ہے یا سب کو اس میں شریک کرنا چاہتا ہے۔ بہت سے کام ہیں اور ضروری ہیں سب کو کرنا ہے۔ ایک جماعت اس کے لیے ہونا بھی ضروری ہے اور بس اور حدود شرع کا پاس ولحاظ ہر جماعت کے لیے ضروری ہے۔ والسلام

وصی اللہ عفی عنہ (چشمۂ آفتاب)

حضرت مولانا وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے خلیفۂ خاص مولانا ڈاکٹر صلاح احمد صاحب صدیقی جو رسالہ ''معرفت حق'' جو حضرت مولانا وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی خانقاہ سے نکلتا ہے اس کے مدیر بھی ہیں ان کے داماد جناب شمس الرحمٰن صاحب کا خط میرے پاس آیا۔ جنہوں نے اپنی تبلیغی مساعی جمیلہ ہر ہفتہ دو گشتوں میں شرکت، مرکز میں شب گذاری اور روزانہ بعد فجر کی تعلیم کے اپنے متعلق ہونا، اور ہفتہ واری تقریر اپنے ذمہ ہونا وغیرہ وغیرہ امور کی تفصیل لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ ڈاکٹر صاحب میری جماعت کی آمد ورفت پر کبھی کچھ نہیں فرماتے۔ بلکہ کبھی کبھی بہت ہی فراخدلی سے کہتے ہیں کہ یہ بھی بہت بڑا اور ضروری کام ہے اور ہمارا ہی کام ہے فقط۔ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کو ان کی سرپرستی کا دونوں جہان میں بہترین بدلہ عطا فرمائے اور ان کے داماد صاحب کی مساعی جمیلہ کا اجر ڈاکٹر

صاحب کو بھی عطا فرمائے، اور ان سب اجور کا مجموعہ حضرت شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کو عطا فرمائے کہ یہ سب حضرت شاہ صاحب ہی کی توجہ کا نتیجہ ہے۔

مولانا اسعد اللہ صاحب خلیفہ حضرت تھانویؒ کا مکتوب

(ج) مکتوب مولانا اسعد اللہ صاحب خلیفہ حضرت حکیم الامۃ تھانوی نور اللہ مرقدہٗ ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

محترمی ومکرمی مولانا صاحب! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ کئی روز ہوئے آپ کے جوابی گرامی نامے نے عزت بخشی۔ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی تحریک اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اختلافات کے متعلق میں نے آپ کے استفسار پر کافی غور کیا اور اس سلسلے میں اپنی معلومات کو ذہن میں یکجا کرتا رہا۔ پھر میں نے آپ کے گرامی نامہ کا جواب لکھنے کے لیے محمد اللہ سے کہا۔

(۱) جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے حضرت نے کسی کو میرے سامنے تبلیغ سے نہیں روکا اور نہ منع کیا۔

(۲) چند ہی دنوں کی بات ہے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنے یہاں مولانا عبید اللہ صاحب سرگرم کارکن تبلیغ سے تبلیغی تقریر کرائی اور حضرت مفتی صاحب موصوف اپنے یہاں کام کرتے رہتے ہیں علاوہ ازیں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کے بہت سے متوسلین اور معتقدین تبلیغ میں عملی حصہ لیتے رہتے ہیں۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں تبلیغ میں شرکت کو اپنی سعادت سمجھتا ہوں، میرے عوارض مجھے اجازت نہیں دیتے کہ میں عملی شرکت کروں، پھر گاہے بہ گاہے تبلیغی اجتماعات میں شرکت کرتا رہتا ہوں۔ اور اب سے چار پانچ سال قبل سہارنپور کی جامع مسجد میں جمعرات کے ہفتہ واری اجتماع میں پابندی سے شریک ہوتا تھا۔ نیز میں اپنے تمام احباب ظاہر و باطن کو ادھر متوجہ کرتا رہتا ہوں۔ اور وہ لوگ جو مجھ سے بیعت ہوتے ہیں انہیں تو میں بتاکید تبلیغ میں شرکت کے لیے کہتا رہتا ہوں۔ ادھر یہ ایک حقیقت ہے کہ ہمارے حضرت کے یہاں برابر تبلیغ کا کام ہوتا رہا ہے۔ ممکن ہے کہ کبھی حضرت نے کسی مبلغ کے متعلق کچھ فرمایا ہو نفس تبلیغ پر حضرت نے میرے علم کے مطابق کبھی نکیر نہیں فرمائی اور جب آپ خود تحریر فرما رہے ہیں، دوسری طرف جو احقر نے اس دعوت و تبلیغ کو دیکھا تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں سنت

رسول اللہ ﷺ کے مطابق زندگی گذارنے کا واحد ذریعہ یہی تبلیغ ہے۔ اب اس کے بعد مزید استفسار کی کیا گنجائش رہی؟ واقعہ یہ ہے کہ موجودہ آزمائشی حالات نے تبلیغ کی ضرورت کو ہمیشہ سے زائد ثابت کر دیا۔ نیز اس کا نفع ظاہر و باہر ہے۔ اللہ کے حکم سے رسولوں نے تبلیغ کی ان کے بعد برابر ان کے صحابہؓ، تابعین، تبع تابعین، علماء اور اولیاء وصوفیاء رحمہم اللہ ہمیشہ تبلیغ کرتے رہے۔ مجھے امید ہے بلکہ یقین ہے کہ اب آپ کو اطمینان ہو جائے گا، اور کوئی خلش باقی نہیں رہے گی۔ تبلیغ نے تمام دنیا کے مسلمانوں میں بیداری پیدا کر دی ایسی صورت میں اس کا تعاون ضروری ہے۔ مجھے حضرت شیخ مدظلہٗ سے معلوم ہوا کہ حضرت پھول پوری قدس سرہٗ تبلیغ کے بڑے زبردست حامی تھے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہٗ تو انتہائی شد ومد کے ساتھ تحریک تبلیغ کے حامی تو تھے ہی نیز دورہ کے اساتذہ حضرت مولانا امیر احمد صاحب، مفتی مظفر حسین، صاحب اور دوسرے مدرسین عملاً شرکت کرتے رہتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ ایک حقیقت ہے کہ دراصل تبلیغ کا سرچشمہ اور منبع مظاہر علوم بذات خود ہے اس تحریک کے موسس مؤید اور سرپرست سب ہی مظاہر علوم کے سرپرست رہے۔ حضرت شیخ ہر ماہ کافی روپیہ مبلغین کے دعوت طعام وغیرہ میں خرچ فرماتے ہیں۔ والسلام فقط

(حضرت مولانا) محمد اسعد اللہ (رحمہ اللہ) بقلم محمد اللہ

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تائید

(د) حضرت مولانا الحاج قاری محمد طیب صاحب خلیفہ حضرت حکیم الامۃ تھانوی صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند کی شرکت ان تبلیغی اجتماعات میں اتنی کثرت سے ہوتی رہتی ہے کہ ان کی تفاصیل کا احصاء مشکل ہے۔ حضرت قاری صاحب کی کئی تقاریر مستقل طور پر ایک رسالہ میں جس کا نام ''کیا تبلیغی کام ضروری ہے'' میں شائع ہو چکی ہیں۔ اگر حضرت قاری صاحب کے تبلیغی اسفار کی تفصیل کو کوئی جمع کرنا چاہے تو رسالہ دارالعلوم سے معلوم ہو جائے گا کہ کہاں کہاں کے اجتماعات میں حضرت قاری صاحب کی شرکت ہوئی ہے۔ میوات کے متعدد اجتماعات میں یہ ناکارہ بھی حضرت قاری صاحب کے ساتھ شریک ہوا، اور سہارنپور کے سالانہ اجتماع میں ہمیشہ قاری صاحب کی تشریف آوری اور کئی کئی گھنٹے اس تبلیغی جماعت کی حمایت اور اس میں شرکت کی تاکید تقریروں میں تو یہ ناکارہ خود بھی شریک ہوا قاری صاحب کی بھوپال

کے اجتماع کی ایک تقریر جس کو مولوی محمد احسن ندوی نے ضبط کیا تھا اور اس کو ''نشان منزل'' نے طبع کیا تھا۔ جس کی نقل ''حقیقت تبلیغ'' مرتبہ جناب الحاج ابراہیم یوسف باوا صاحب رنگونی میں ہے کہ ہندوستان میں اس وقت دعوت و تبلیغ کے کام کو چند سال قبل حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شروع کیا خدا تعالیٰ نے ان کے قلب مبارک پر اس کا القاء کیا انہوں نے تبلیغ کے لیے جماعتوں کا طریقہ اختیار کیا مولانا محمد یوسف صاحب نے جماعتی طریقہ اختیار فرمایا میں نے شاید کہیں لکھا ہے کہ تبلیغ کو اللہ تعالیٰ نے مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دل پر بطور فن کے القاء کیا۔

اس میں تعلیم و تربیت سیر و سیاحت روح کی دل چسپی بدن کی ورزش ہر ایک چیز موجود ہے۔ آج کے دور میں یہ کام بڑا ہی مفید اور لازمی ہے۔ اسی وجہ سے یہ کام تیزی سے پھیل رہا ہے اور اس خاموش تبلیغ سے ایک عظیم انقلاب آ رہا ہے، ہندوستان کے ہر خطہ میں اور ہندوستان سے باہر جہاں بھی گیا وہاں میں نے تبلیغی جماعتیں اور تبلیغی مراکز دیکھے، رسمی انداز میں اس عالمگیر طریقہ پر کام نہیں ہو سکتا اور اس کے ساتھ ساتھ نہ فتنہ و فساد ہے اور نہ واویلا و شور، آپ نے کہیں نہیں سنا ہوگا کہ ان جماعتی لوگوں نے کبھی عذر کیا، کہیں فساد برپا کیا یہ خاموش تبلیغ ہے جو عالم گیر طریقہ سے ساری دنیا میں پھیلتی جا رہی ہے اور اس کی مقبولیت روز بروز بڑھتی چلی آ رہی ہے۔ تبلیغ کے کام میں آدمی کو اس کے گھر سے نکالا جاتا ہے وہ گھر کے ماحول سے نکل کر خدا کے گھر میں پہنچتا ہے۔ وہاں اسے دوسرا ماحول ملتا ہے۔ گھر کے ماحول اور اس کے ماحول میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ یہاں سے داعی اور عامل دونوں بننا پڑتا ہے...... وہ داعی بن کر آتا ہے اور عامل بن کر جاتا ہے۔ آج کے دور میں بہت سی تحریکیں چل رہی ہیں لیکن یہ تحریک اپنی مثال آپ ہے۔ اس میں نہ عہدے ہیں نہ منصب ہیں، نہ کرسیاں ہیں اور نہ سیٹیں ہیں۔ بلکہ اپنے ہی مال کا خرچ ہے اپنی جیب پر بار ہے۔ یہ تحریک موجودہ دور میں دین کے تحفظ کے لیے ایک بڑی پناہ گاہ ہے...... آج جس دور سے ہم گذر رہے ہیں، اس دور میں مسلمانوں کے لیے صرف دو پناہ گاہیں ہیں ایک دینی مدرسے دوسرے یہ تبلیغی کام۔

قاری صاحب کا ایک بہت طویل وعظ ۴۴ صفحہ کا ''کیا تبلیغی کام ضروری ہے؟'' کے نام سے بلفظہ شائع کیا گیا ہے جس میں قاری صاحب نے ان سب اعتراضات کا جواب دیا ہے جو اس وقت ان کے کان میں پڑے تھے اور ان کو یاد رہے تھے اس کے بعد فرمایا خلاصہ وعظ کا یہ ہے کہ اصلاح نفس کے چار طریقے ہیں۔ جو میں نے اوپر بیان کئے اور اس کام میں اصلاح نفس کے تقریباً چاروں طریقے موجود

ہیں۔ جو جتنی محنت کرے گا اتنی ہی ترقی حاصل کرے گا۔ اس لیے کہ جب آپ عمل کریں گے تو اس پر اس کام کے ثمرات بھی ضرور مرتب ہوں گے۔ اب تک معترضین کے متعلق جو کچھ ہم نے کہا وہ ان کے اعتراض کو مان کر کے اور اگر غور کیا جائے تو سرے سے ان کے اعتراضات ہی قابل تسلیم نہیں اس لیے کہ اس میں بڑے اور پرانے لوگ بھی تو موجود ہوتے ہیں جن سے کام کے اصول معلوم ہو سکتے ہیں اور اصول سے کام کرنے میں ترقی ہوگی۔ بعض ارباب درس وتدریس ہوتے ہیں اور بعض اہل فتویٰ ان سے آپ کو روکتے بھی نہیں ہیں۔

اگر کسی کو علم حاصل کرنا ہو تو ان سے کر سکتا ہے، مسائل معلوم کرنا ہوں تو ان سے معلوم کئے جا سکتے ہیں۔ کام کرنے والوں کے لیے یہ سب باتیں ہیں اور محنتیں ہیں اور نہ کام کرنے والوں کے لیے یہ سارے اعتراضات ہیں۔ بہر حال نسخہ ہے مکمل، ہاں دل ہی اگر نہ چاہے تو اور بات ہے کسی نے صحیح کہا کہ: اگر تو نہ چاہے تو بہانے ہزار ہیں

تو بات بتلانے والوں نے بتلادی، اعلان کرنے والوں نے آواز بھی لگادی، منزل بھی بتلادی ثمرہ بھی بتلا دیا کہ یہ سامنے آئے گا، اب ان حضرات کی ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ آپ کی طرف چلیں بھی، آپ چلیں گے اور کام کریں گے تو اس کا پھل پائیں گے ظاہر ہے کہ نفع عام ہے اس لیے اس میں ضرورت ہے کہ سب چلیں، اگر آپ تعلیم میں شرکت کر سکتے ہوں تو تعلیم میں شریک ہوں، گشت میں شرکت کر سکتے ہوں تو گشت میں شریک ہوں، اور اگر کچھ اوقات لگا سکتے ہوں تو اوقات بھی لگائیں اور بھائی اس سے کنارے رہنا بڑی ہی محرومی کی بات ہے۔ فکری طور پر ہو، عملی طور پر جس درجہ میں بھی ہو اس میں شریک رہنا چاہیے۔

سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ مجاز حضرت تھانویؒ کی تائید

(۵) حضرت مولانا الحاج سید سلیمان ندوی خلیفہ حضرت تھانویؒ کی شرکت لکھنؤ کے قیام میں پھر بھوپال کے قیام میں پھر پاکستان کے قیام میں ان تبلیغی اجتماعات میں بہت کثرت سے ہوئی ہے حجاز کے تبلیغی اجتماعات میں بھی حضرت سید صاحب کی شرکت ہوتی ہے اور تقریریں بھی فرمائی ہیں۔ مولانا الحاج ابوالحسن علی میاں صاحب نے جو حضرت دہلوی کی سوانح عمر لکھی ہے اس پر حضرت سید صاحب کا مبسوط مقدمہ ہے جس کے متعلق سید صاحب کی سوانح ''تذکرہ سلیمان'' میں لکھا ہے کہ یہ بلند پایہ مقدمہ بھی اپنی

جامعیت علمیت اور افادیت کے اعتبار سے اپنی نظیر آپ ہے۔ بیس صفحات میں اتنے ہی اہم مضامین کی وسعتوں کو سمیٹ لینا یہ حضرت ہی کا حصہ تھا، صرف عنوانات کے شمار ہی سے اس کی گونا گونی کا اندازہ لگایئے جو یہ ہیں: (۱) امت مسلمہ کا فریضہ (۲) دولت وسلطنت مقصود اصلی نہیں (۳) امت مسلمہ جانشین ہے (۴) تعلیم وتزکیہ میں تفریق (۵) تعلیم وتزکیہ کی یکجائی (۶) فلاح دونوں کی یکجائی میں ہے (۷) مزاج نبوت قوام ملت ہے (۸) صاحب سوانح اس معیار سے (۹) سلسلہ، ولی اللٰہی، صاحب (۱۰) سوانح کا سلسلہ نسب (۱۱) اس عہد میں تبلیغی ناکامی کے وجوہ (۱۲) انبیاء کے اصول دعوت (تذکرہ سلیمان) یہ تو اجمالی عنوانات ہیں۔ ان میں سے عنوان نمبر ۸ ''صاحب سوانح اس معیار سے'' کے ذیل میں مقدمہ لکھا ہے کہ ''آئندہ اوراق میں جس داعی حق اور دعوت حق کی تصویر کھینچی گئی ہے میری آنکھوں نے اس کے چہرے کے خدوخال کا مشاہدہ کیا تھا، اس کے ظاہر وغائب کے حالات دیکھتا اور سنتا رہا اور جن کو یہ سعادت حاصل نہیں ہوئی ان کو ان اوراق کے پڑھنے سے اس کی پوری کیفیت معلوم ہو جائے گی۔ اور اسی ضمن میں اس کے اصول وطریق دعوت اور خود حقیقت دعوت کے سارے حالات واضح ہو جائیں گے۔

اسی مقدمہ کے عنوان نمبر ۵، انبیاء کے اصول دعوت کے ذیل میں تحریر فرمایا: ''تبلیغ و دعوت کے ان اصولوں میں سے جو حضور ﷺ کی سیرت میں نمایاں معلوم ہوتے ہیں ایک عرض ہے یعنی حضور انور ﷺ اس کا انتظار نہیں فرماتے تھے کہ لوگ آپؐ کی خدمت میں خود حاضر ہوں بلکہ آپؐ اور آپؐ کے داعی لوگوں تک خود پہنچتے تھے اور حق کی دعوت دیتے تھے یہاں تک کہ کبھی کبھی لوگوں کے گھروں تک خود پہنچ جاتے تھے۔ اور کلمۂ حق کی دعوت پیش فرماتے تھے۔ مکہ معظمہ سے سفر کر کے طائف تشریف لے گئے اور وہاں عبد یا لیل وغیرہ رئیسوں کے گھروں پر جا کر تبلیغ کا فرض ادا فرمایا حج کے موسم میں ایک ایک قبیلہ کے پاس تشریف لے جاتے اور ان کو حق کا پیغام پہنچاتے۔ اور ان کی ترشی وتند جوابوں کی پرواہ نہ فرماتے تھے۔

آخر اسی تلاش میں یثرب کے وہ سعادت مند ملے جن کے ہاتھوں سے ایمان واسلام کی دولت مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کو منتقل ہوئی، صلح حدیبیہ کے بعد جب ملک میں امن وامان واطمینان ہوا تو اسلام کے سفیر مصر وایران وحبش کے بادشاہوں اور عمان وبحرین اور یمن اور حدود شام کے رئیسوں کے پاس اسلام کا پیغام لے کر پہنچے۔ اور مختلف صحابہؓ نے عرب کے مختلف صوبوں اور قبیلوں میں جا کر اسلام کی

تبلیغ کی، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ گئے، حضرت علی اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما نے یمن کا رخ کیا، یہی حال ہر دور کے علماء حق اور ائمہ دین کا رہا۔

اس سے معلوم ہوا کہ داعی اور مبلغ کا خود فرض ہے کہ وہ لوگوں تک پہنچے اور حق کا پیغام پہنچائے۔ بعض صاحبوں کو خانقاہ نشینوں کے موجودہ طرز سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ان خاصان حق کا ہمیشہ سے یہی طریقہ رہا ہے حالاں کہ یہ سراسر غلط ہے، ان بزرگوں کی سیرتوں اور تذکروں کو کھول کر پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ یہ کہاں کے رہنے والے تھے، فیض کہاں سے پایا اور جو پایا اس کو کہاں کہاں بانٹا اور کہاں جا کر زیر زمین آرام کیا اور یہ اس وقت کیا جب دنیا ریلوں، لاریوں، موٹروں اور سفروں کے دوسرے سامان راحت سے محروم تھی۔ معین الدین چشتی علیہ الرحمۃ سیتان میں پیدا ہوئے، چشت واقع افغانستان میں دولت پائی اور راجپوتانہ کے کفرستان میں آ کر حق کی روشنی پھیلائی، فرید شکر گنج علیہ الرحمۃ سندھ کے کناروں سے دہلی تک اور دہلی سے پنجاب تک آ گئے۔ اور ان کے مریدوں میں حضرت نظام الدین سلطان الاولیاء علیہ الرحمۃ اور پھر ان کے خلفاء کے احوال اور ان کے سفر کے مقامات اور ان کے مزارات کی جائے وقوع کو دیکھئے کہ وہ کہاں کہاں ہیں کوئی دکن میں ہے کوئی مالوہ میں ہے کوئی بنگال میں ہے کوئی صوبجات متحدہ میں ہے (مقدمہ سوانح) سید صاحب اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

سید سلیمان ندوی رحمہ کا اہم مکتوب

''از بھوپال یکم ذی الحجہ ۱۳۶۸ھ'' عزیزم مکرم حیاکم اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ مکی زندگی سے مدنی زندگی بمشکل کامیاب ہو سکتی ہے، اور پچھلے فرسودہ نظام زندگی کی بنیاد پر تجدید کی دیواریں کھڑی نہیں ہو سکتی، خود مسلمان بننا دوسرے کو مسلمان بننے کی دعوت دینا وقت کی اہم پکار ہے۔ اور اس نفرت کے بجائے محبت کے جذبہ سے انجام دینا سب سے اہم ہے۔ (تذکرہ سلیمان)

اسی سوانح میں دوسری جگہ لکھا ہے کہ ''حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی جماعت کا ایک بڑا مرکز بھوپال بھی تھا اور تبلیغی حضرات کئی وجوہ سے حضرت والا سے خاص تعلق رکھتے تھے اس لیے جب تک حضرت بھوپال میں مقیم رہے تبلیغی کاموں کی گویا سرپرستی فرماتے رہے اور غالباً حضرت ہی کے ایماء سے مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی بڑی گرم جوشی سے تبلیغی وفود میں حصہ لیتے رہے اور اپنے مواعظ حسنہ

کے ذریعہ ریاست کے چپہ چپہ تک اسلام خالص کی دعوت پہنچائی۔

صاحب سوانح ایک جگہ لکھتے ہیں کہ وصال سے صرف چار یوم قبل مغرب کے بعد جب حضرت والا حسب معمول نماز سے فارغ ہو کر چار پائی پر لیٹے تھے کہ سفیر شام مع چند رفقاء کے تشریف لائے۔اس کے بعد سفیر نے جماعت تبلیغ کے متعلق حضرت والا کی شخصی رائے دریافت فرمائی، ارشاد ہوا کہ تبلیغی جماعت دین خالص کی داعی ہے۔ (تذکرہ سلیمان)

مولانا الحاج علی میاں صاحب حضرت دہلوی کے لکھنو کے سفر کی تفاصیل لکھتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ سید سلیمان صاحب ایک روز پہلے لکھنو تشریف لا چکے تھے اور مولانا کے ساتھ ہی مقیم تھے، سید صاحب کو اس سے چند گھنٹے پہلے کے لیے تھانہ بھون کے اسٹیشن اور تھانہ بھون سے کاندھلہ تک ریل میں مولانا سے گفتگو کا اتفاق ہوا تھا اور آپ نے اگلے روز پھاٹک جبش خان کے جلسہ میں مولانا کی دعوت کی ترجمانی اور اپنے خیالات کا اظہار فرمایا تھا، اس موقع پر آٹھ نو دن شب و روز ساتھ رہا۔ آخری روز جمعہ کے دن جو خاص مصروفیت کا تھا امیر الدولہ اسلامیہ کالج تشریف لے گئے جہاں ایک بہت بڑا اجتماع آپ کے انتظار میں تھا وہاں پہلے مولانا سید سلیمان صاحب نے ایک پر اثر تقریر کی آپ کے بعد مولانا نے ارشاد فرمایا (سوانح حضرت دہلویؒ) یہ ناکارہ بھی حضرت دہلوی کی معیت میں ندوۃ العلماء میں مقیم رہا۔ سید صاحب بہت اہتمام سے حضرت دہلوی کی نجی تقاریر اور اجتماعات میں نہایت ہی سکون و وقار کے ساتھ شریک رہتے اور بہت غور سے تقاریر خاص طور سے نجی مجالس کی سنتے۔ ایک دفعہ میرے سامنے حضرت دہلوی سے فرمایا تھا کہ آپ کے ارشادات میں مجھے حکیم الامتؒ کے ارشادات کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

سوانح یوسفی میں لکھا ہے کہ ۴۹ء میں مولانا سید سلیمان ندوی حج کو تشریف لے گئے، مولانا سید سلیمان ندوی سے عرب کے علماء بہت پہلے سے واقف تھے ان کے حجاز پہنچنے سے تبلیغی جماعت کے افراد نے بڑا فائدہ اٹھایا اور کئی ایسے اجتماع کئے جن میں عرب کے علماء بکثرت شریک ہوئے اور حجاز و یمن اور شام و عراق کے علاوہ سوڈان، مصر، مراکش، ٹیونس کے علماء بھی شریک ہوئے۔ اس سلسلے کا پہلا اجتماع حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان میں ہوا تھا، اور سید صاحب نے ایک ایسے اجتماع کو خطاب کیا جس میں مصر، سوڈان، مراکش، ٹیونس کے فاضل علماء اور خواص جمع تھے۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ نے نہایت اچھے پیرائے اور علمی اسلوب میں بڑے سلجھے ہوئے انداز سے دعوت و تبلیغ پر روشنی ڈالی۔ اجتماع

کے اختتام پر سب ہی علماء اور خواص نے اپنے اپنے پتے دیے، علماء نے کام کو خوب سراہا اور اس کام سے اپنے تعلق کا اظہار کیا۔ (سوانح)

اطاعت امیر کا ایمان افروز تذکرہ

(نوٹ:۔ان سطور کی پروف ریڈنگ کے دوران ۱۵۔ اپریل ۲۰۰۴ کو حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ کی وفات کی حسرت آیات کی خبر مولانا شفیق الحسن ناصر کے ذریعہ ملی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون)

مفتی زین العابدین صاحب لائل پوری نے اس سفر حج کا قصہ اپنے گرامی نامہ میں تفصیل سے لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ سید سلیمان ندویؒ جب ۱۹۴۹ء میں ہند سے حجاز تشریف لے گئے ہم مکہ معظمہ تین دن مسلسل حاضر ہوتے رہے، تیسرے دن حضرت نے پوچھا آپ کہاں کے ہیں تو بندہ نے عرض کیا کہ پنجاب کا ہوں، حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے ڈابھیل میں دورہ پڑھا پھر امرتسر میں پڑھاتا رہا، اس کے بعد سات چلے تبلیغ میں لگائے، پھر ایک سال نظام الدین گذارا، پھر ان حضرات نے یہاں ۱۹۴۷ء میں بھیج دیا۔ اب یہاں اس طرح حجاج میں اور بقیہ وقت یہاں کے عربوں میں کام کرتے رہتے ہیں۔ اس پر فرمایا کہ تیرا نام بمبئی میں معلوم ہوا تھا۔ اور یہ بھی کہ یہاں کے امیر جماعت تم ہو۔ میں نے عرض کیا مجھے امیر بنا رکھا ہے تو فرمایا کہ میرا یہاں کو پورا وقت آپ کے حوالہ ہے میں خود کوئی پروگرام نہیں بناؤں گا۔ چنانچہ اس پر اس شدت سے عمل فرمایا کہ ایک دن میں مدرسہ صولتیہ میں لیٹا ہوا تھا، ایک ساتھی نے آکر اٹھایا کہ شیخ عمر بن حسن رئیس امر بالمعروف نجد شیخ عبداللہ بن حسن شیخ الاسلام کے بھائی تشریف لائے ہیں، میں حیران ہو کر اٹھا ان سے باہر آکر ملا پھر اندر لے گیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا، میں شیخ سید سلیمان ندوی کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کو اپنے یہاں کھانے کی دعوت دی تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ میں یہاں کا وقت تبلیغ میں دے چکا ہوں، میرے امیر سے پوچھیں اگر وہ قبول کرلیں تو مجھے قبول ہے۔ چنانچہ میں اسی وقت شیخ عمر بن حسن کی کار میں ان کے ساتھ بیٹھ کر سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت سے استفسار کر کے ان کی دعوت قبول کی۔ اور ان کے چلے جانے کے بعد میں نے عرض کیا کہ حضرت ان بڑے لوگوں سے تو براہِ کرم آپ خود طے فرما لیا کریں تو فرمایا بالکل نہیں جو طے کرنا ہے تجھے کرنا ہوگا۔ فقط

جناب الحاج عبدالوہاب صاحب روحِ رواں تبلیغ پاکستان اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

''سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ تو ہمارے ساتھ ہر اتوار کو تشریف لے جاتے تھے، اور بندہ کی باتوں کو سنتے تھے، اور بندہ کا نام ''بلبل ہزار داستان'' رکھا ہوا تھا، فرماتے تھے کہ جب تم لوگ آجاتے ہو تو میں سمجھتا ہوں کہ دنیا میں خیر ہی خیر ہے اور جب تم چلے جاتے ہو تو سمجھتا ہوں کہ دنیا میں شر ہی شر ہے فقط۔

خلیفہ حضرت اقدس تھانوی مولانا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کی توثیق

(و) حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب سابق صدر مدرس مدرسہ مظاہر علوم خلیفہ حضرت اقدس حکیم الامۃ تھانوی نور اللہ مرقدہما جب تک سہارنپور مقیم رہے میوات کے جلسوں میں کثرت سے تشریف لے جاتے رہے۔ حضرت مولانا کی ایک دفعہ طبیعت ناساز تھی حکیم کو دکھانے دہلی تشریف لے گئے چونکہ نظام الدین ہی قیام کرتا رہتا تھا اس وقت حضرت دہلوی میوات کے ایک سخت ترین سفر پر جارہے تھے جو پہاڑ پر تھا، حضرت دہلوی نے مولانا کو بھی ساتھ چلنے کی دعوت دی، باوجود یہ کہ مولانا بیمار بھی تھے اور حکیم کے پاس علاج کے لیے تشریف لے گئے تھے مگر ساتھ ہو لیے۔ جمعہ کا دن نہایت گرمی کا وقت پہاڑ تک سواری مل گئی، مگر پہاڑ پر پاؤں چڑھنا پڑا اچھا جان تو مشاق تھے ہمیشہ کے عادی تھے مولانا مرحوم کو اس قسم کے سفر کا کبھی سابقہ نہیں پڑا تھا دونوں اکابر نہایت مشقت کے ساتھ جمعہ کی عجلت کی وجہ سے تیزی سے پہاڑ پر چڑھ رہے تھے پسینہ پسینہ ہو رہے تھے۔ ایک ناواقف میواتی نے دوسرے کو آواز دے کر کہا کہ ارے فلانے دیکھ تو مولبی گنجی کھانے کے شوق میں کیسا بھاگ رہے ہیں۔ (گنجی میوات کا ایک خاص کھانا ہے جو ان کے یہاں بہت پسندیدہ ہے اور یوپی والوں کو اس کا کھانا مشکل ہے۔) ''تجلیات رحمانی''

یعنی حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی سوانح عمری میں لکھا ہے کہ تبلیغی جماعت کے کام سے آپ کو بڑی دل چسپی تھی، تبلیغ کو آپ اس دور میں جہاد اکبر سمجھتے تھے۔ امیر جماعت تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حضرت مولانا کے ساتھ بڑے گہرے تعلقات تھے۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے خلوص اور للّٰہیت کے صمیم قلب سے قائل تھی، فرماتے تھے کہ یہ جو کچھ حرکت ہو رہی ہے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے خلوص اور للّٰہیت کی برکت ہے۔ مولانا محمد یوسف صاحب حضرت مولانا کے خاص تلامذہ میں سے تھے انہوں نے دورہ کی اکثر کتابیں مولانا مرحوم سے پڑھی تھیں۔ تبلیغی جماعت کے بعض دوسرے سرکردہ حضرات مولانا کے تربیت یافتہ اور تلامذہ تھے۔ مولانا انعام

الحسن صاحب مولانا عبید اللہ صاحب حضرت مولانا سے پڑھے ہوئے ہیں۔ مولانا سعید احمد خاں صاحب امیر جماعت سعودی عرب حضرت کے تلمیذ خاص اور بڑے تعلق والے تھے، مولانا اپنے تلامذہ و متعلقین کو تبلیغی سلسلہ میں شرکت کا حکم اور مشورہ دیتے۔

مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹی نے تحریر کیا کہ میں مدرسہ سے رخصت لے کر تین چلوں پر مشرقی پاکستان چلا گیا تھا اور اب جماعت تبلیغی کے ہمراہ مکہ مکرمہ جا رہا ہوں، اس کے جواب میں حضرت مولانا نے تحریر فرمایا جو کام آپ کر رہے ہیں اس میں شک نہیں کہ موجودہ زمانے میں جہادِ اکبر ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ ایک صاحب نے کراچی سے مولانا کو لکھا کہ میں تبلیغی جماعت کے ساتھ جو دعوت الی اللہ کے لیے جاتی ہے شرکت برابر کرتا رہتا ہوں مگر پچھلی اتوار کی شام کو تبلیغی جماعت کے ایک صاحب جو عالم معلوم نہیں ہوتے تھے انہوں نے اپنے بیان میں فرمایا کہ گشت میں جانے والوں کو سات لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے، حالاں کہ مسجد الحرام خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے والوں کو صرف ایک لاکھ کا ثواب، یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔ حالاں کہ حضرت تھانویؒ کے وعظ آداب التبلیغ میں پڑھا تھا کہ یہ تبلیغ فرض کفایہ ہے تو جب فرض عین نہیں تو انہوں نے یہ کیسے بیان کر دیا؟ جس پر حضرت مولانا نے مختصراً تحریر فرمایا کہ ایسے جزوی امور کو ترک کر دیجئے جو بات شریعت کے موافق نظر آئے اس پر عمل کرتے رہیں۔ (تجلیات رحمانی)

ایک شخص نے تبلیغ میں مسلسل چلوں کا ذکر کیا تو فرمایا کہ موجودہ زمانہ میں یہ بہت بڑا فریضہ ہے۔ مگر اس کے ساتھ پسماندگان کے حقوق کا بھی خیال فرمانا ضروری ہے۔ (تجلیات رحمانی)

حضرت مفتی اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی

(د) حضرت مولانا الحاج مفتی محمد شفیع صاحب سابق مفتی دارالعلوم دیوبند حال ناظم جامعہ اسلامیہ کراچی خلیفہ حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے متعلق حضرت ناظم صاحب مظاہر علوم اور اس ناکارہ کے خطوط میں گذر چکا ہے کہ حضرات دہلی کی آمد پر حضرت مفتی صاحب ان لوگوں کو اپنے مدرسے میں بلاتے ہیں اور مدرسین وطلبہ کو جمع فرما کر ان حضرات سے تبلیغی تقریریں اہتمام سے کراتے ہیں اور بعد میں خود بھی اس کی تائید میں تقریر فرماتے ہیں، واقعات بالا تو خود میرے مشاہد ہیں وہاں کے طلبہ کے خطوط سے بھی اکثر حضرت مفتی صاحب کی مستقل تقریر اس جماعت کی تائید ونصرت وشرکت میں ہونی

معلوم ہوتی رہتی ہے۔

یہ چند نمونے میں نے حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ کے اجل خلفاء کے نقل کرائے ہیں۔ میری سمجھ میں تو نہیں آتا کہ اگر حضرت حکیم الامۃ اس جماعت سے خفا تھے تو حضرت کے اجل خلفاء میں سے کسی کو بھی ناراضی کی خبر نہ ہوئی اور یہ سب حضرات نہایت جوش وخروش کے ساتھ اس میں شرکت بھی فرماتے رہے شرکت کے تقاضے بھی پورے کرتے رہے۔ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ کے بھانجے نے ایک مستقل چلہ اس میں دینے کا وعدہ فرما رکھا تھا جو مشاغل کے ہجوم کی وجہ سے پورا نہ ہوسکا اور وہ جب چچا جان کی بیماری میں ایک دن تشریف لے گئے اور چچا جان نور اللہ مرقدہٗ نے ان کو ان کا وعدہ یاد دلایا تو اپنی سخت مجبوری اور ضرورت کے باوجود مستقل قیام فرمالیا اور وصال تک وہیں موجود رہے، اور اس زمانہ میں تبلیغی اجتماعات میں کثرت سے شرکت فرماتے رہے اور ملفوظات بھی جمع کرتے رہے۔ اور اس کا اطمینان بھی دلاتے رہے کہ آپ کے بعد یہ کام انشاء اللہ اسی طرح چلتا رہے گا۔ جیسا کہ ملفوظات حضرت دہلوی میں تفاصیل سے موجود ہے، میں نے حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کے خلفاء آراء اور ارشادات اسی وجہ سے لکھوائے ہیں کہ لوگ حضرت قدس سرہٗ کی طرف سے اس چیز کو پھیلاتے ہیں کہ حضرت حکیم الامۃ ناراض تھے۔ تعجب ہے کہ اس مجہول روایت کی اطلاع حضرت کے اجل خلفاء کو نہ ہوئی۔

بالخصوص مولانا ظفر احمد صاحب کو جو ہر وقت کے تھانہ بھون کے حاضر باش خانقاہ کے مفتی اعظم اور حضرت قدس سرہٗ کے مسودات اور ارشادات کو لکھنے والے اور حضرت کی خدمت میں رہ کر اعلاء السنن وغیرہ کی تصانیف کرتے رہے۔ ان کو حضرت تھانوی کی ناراضی کا شائبہ بھی ہو جاتا تو حضرت دہلوی کے اخیر زمانہ میں اس طرح موجودہ تبلیغ کے اندر سرگرمی سے منہمک نہ ہوتے۔ ان کے علاوہ آراء دیگر مشائخ اور علماء کی نمونۃً لکھواتا ہوں۔

مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب اور تبلیغی جماعت

(الف) حضرت مولانا الحاج شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی نقشبندی، بھوپالی، مولانا الحاج عمران خاں صاحب کی وجہ سے وہ بھوپال کی مرکزی جماعت کے روح رواں ہیں اور حضرت شاہ صاحب کے

اخص الخواص مریدین میں ہیں۔ تبلیغ کی سرپرستی فرماتے رہے، خاص طور سے بھوپال کے اجتماع میں کثرت سے دعائیں اور مشورے بھی فرماتے رہے، حضرت مولانا الحاج ابوالحسن علی میاں نے حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں چندروز قیام کے دوران میں حضرت شاہ صاحب کے ملفوظات حضرت پیران پیر کے مواعظ کی طرح سے تاریخ وار مجالس کے ساتھ جمع کیے۔ جن کا نام ''صحبتے بااہل دل'' ہے۔ اس میں تحریر فرماتے ہیں، اٹھارویں مجلس ۳/ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ آج حضرت کی طبیعت کچھ مضمحل تھی، کمر میں کئی دن سے درد تھا آج اس میں غالباً زیادتی ہوگئی اشراق پڑھ کر خلاف معمول لیٹ گئے اور آنکھ لگ گئی۔ مولانا انعام الحسن صاحب چند رفقاء وخدام کے ساتھ ملنے آئے، یہ معلوم کر کے کہ حضرت آرام فرمارہے ہیں راقم سطور کے پاس اندر مہمان خانہ میں آگئے، کچھ دیر کے بعد جلسہ (اجتماع بھوپال) میں شرکت کرنے والے مہمانوں اور خانقاہ میں آنے والوں کا ہجوم ہوگیا، اندر کا دلان بالکل بھر گیا۔ حضرت بیدار ہوگئے مولانا کے میرے پاس تشریف رکھنے کا علم ہوا تو بجائے باہر خانقاہ میں جانے کے اندر تشریف لے آئے اور دالان کے کنارے جہاں جوتے اتارے جاتے ہیں اس کے پاس ہی بیٹھ گئے۔ حاضرین نے صدر مجلس میں تشریف رکھنے کے لیے عرض کیا تو فرمایا مجھے یہیں راحت ہے، بے تکلفی بڑی راحت کی چیز ہے۔

مولانا انعام الحسن صاحب اور ان کے بعض رفقاء نے یورپ میں تبلیغی اثرات جماعتوں کی نقل وحرکت اور مساجد کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہونے کا ذکر کیا یہ بھی تذکرہ فرمایا کہ جماعت کے لوگوں نے پیرس میں ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کی اس مرتبہ رمضان المبارک میں وہاں تراویح ہوئی، ۶۰/۷۰ آدمی تراویح میں شریک ہوتے تھے، اخیر عشرہ میں ایک صاحب نے اعتکاف بھی کیا، خط میں تھا کہ پیرس کی تاریخ میں شاید یہ پہلا اعتکاف ہے، حضرت نے ان واقعات پر بڑی مسرت کا اظہار کیا اور فرمایا کہ خدا کی شان ہے کہ کفر وظلمت کے مرکز میں یہ تبدیلیاں ہورہی ہیں اور اسلام اور ایمان کے مرکزوں میں اور بزرگوں کے خاندانوں میں جہاں پشتوں سے دینداری اور بزرگی چلی آرہی تھی مغرب کی نقالی دین سے بے رغبتی بلکہ دین کی تحقیر اور شعائر اسلام سے وحشت اور ان کے ساتھ تمسخر کے مناظر دیکھنے میں آتے ہیں۔ ''ع چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی'' فرمایا کہ ہم تو اسی وقت سے معتقد ہیں کہ جب نظام الدین کی یہ مسجد بہت مختصر اور کچی پکی تھی۔ اور کچھ معذور واپاہج میواتی وہاں پڑے رہتے تھے،

ہمیں تو یہ باغ اسی وقت لہلہا تا نظر آ تا تھا۔ میں ایک مرتبہ نظام الدین کی زیارت کے لیے گیا، زیارت سے فارغ ہو کر جانے لگا تو کسی نے کہا کہ ایک چھوٹی سی مسجد اور ہے وہاں ایک چھوٹا سا مدرسہ اور ایک بزرگ رہتے ہیں وہاں بھی چلئے۔ میں حاضر ہوا اور ان بزرگ (مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ) کا دریافت کیا، کہا گیا کہ وہ اس وقت مسجد سے باہر گئے ہوئے ہیں ظہر کی نماز کے وقت ملیں گے۔ میں ٹھہر گیا اور ظہر کی نماز کا وقت آیا وہ تشریف لائے، میں نے ان کے پیچھے نماز پڑھی یا تو اپنے والد صاحب کے پیچھے (ایسے اطمینان کی) نماز پڑھی تھی یا ان کے پیچھے۔ پھر میں نے مولانا یوسف صاحب کا دور بھی دیکھا، ایک دن میں نے اسے کہا کہ میں نے آپ کو اس وقت دیکھا تھا جب صفوۃ المصادر پڑھتے تھے۔ بڑی سادگی سے بولے اب بھی وہی پڑھ رہا ہوں۔ (صحبتے با اہل دل)

بھوپال کا رسالہ ''نشان منزل'' میں وقتاً فوقتاً حضرت شاہ صاحب کے ارشادات اس جماعت و تبلیغ کی حمایت میں شائع ہوتے رہے ہیں جو میری نگاہ سے بھی وقتاً فوقتاً گذرتے رہے ہیں۔ اس وقت یہ خیال بھی نہیں تھا کہ ان چیزوں کو کسی وقت نمایاں کرنا پڑے گا۔ لیکن اگر کوئی دیکھنا چاہے تو نشان منزل کا رسالہ میں بہت کثرت سے ملے گا۔ بھوپال کا سالانہ اجتماع بہت مشہور ہے۔

(ب) جناب الحاج مفتی کفایت اللہ صاحب مفتی اعظم دہلی کی شرکت میوات کے جلسوں میں کثرت سے ہوئی، اور بعض اجتماعات میں یہ ناکارہ بھی شریک تھا۔ مفتی محمود صاحب گنگوہی فرماتے ہیں کہ مفتی صاحب کے ساتھ میوات کے بعض اجتماعات میں میں بھی شریک ہوا ہوں۔ مفتی صاحب اور مولانا الحاج احمد سعید صاحب سابق ناظم جمعیۃ علماء کی تقریریں میوات کے بعض جلسوں میں بندہ نے خود سنی ہیں۔ بہت ہی شد و مد سے لوگوں کو اس کام میں شرکت کے لیے تقاضا اور دعوت دیا کرتے تھے۔ سوانح یوسفی میں ایک جلسہ کا مختصر ذکر ہے اس میں لکھا ہے کہ قصبہ نوح ضلع گوڑگانواں میں ایک تبلیغی اجتماع ۲۷/ذی الحجہ ۱۳۲۸ھ بروز یک شنبہ ہوا۔ اس جلسہ میں مرکز کے اکابر کے علاوہ مفتی کفایت اللہ صاحب، مولانا احمد سعید صاحب دہلویؒ، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی شریک ہوئے۔ اس تبلیغی اجتماع میں مولانا احمد سعید صاحب دہلوی نے تبلیغ کی ضرورت اور افادیت پر کئی گھنٹے تقریر فرمائی۔ اس اجتماع میں میوات کے اہل تعلق اور کثیر تعداد میں میواتی شریک ہوئے۔ دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ مولانا عبدالرشید صاحب مسکین بھوپال کے مشہور عالم اور ملی کارکن نے

مولانا محمد الیاس صاحب کی زندگی میں مفتی کفایت اللہ صاحب کی وساطت سے بھوپال میں تبلیغی کام کی دعوت دی تھی (سوانح یوسفی)

حضرت دہلویؒ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں آج یہ بندہ اس دعوت کو لے کر مدرسہ امینیہ گیا تھا جس میں اللہ کے فضل اور لطف اور رحمت نے بہت امید افزاء صورت پیدا فرما دی، حضرت مفتی صاحب نے تمام مدرسین اور طلباء کو جمع فرمایا اور میری تحریض کے بعد مولوی فخر الحسن صاحب نے تحسین فرمائی ان کے بعد حضرت مفتی صاحب نے باوجود وقت کے تنگ ہونے کے اس کی صورت ثابت فرمائی۔ عنوان بہت ہی اچھا اختیار فرمایا، حضرت دہلویؒ اپنے ایک اہم مکتوب میں علی میاں کو تحریر کرتے ہیں کہ اس وقت ایک اہم ضرورت جو درپیش ہے وہ یہ کہ مبلغین کی معتد بہ جماعت کراچی پہنچ رہی ہے۔ وہاں سے ایک تار جناب کی دعوت کا آیا ہوا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ حیدر آباد سندھ میں ایک جلسہ ہونے والا ہے اس میں اکابر مثلاً مفتی کفایت اللہ صاحب، مولانا طیب صاحب وغیرہما اکابر علماء امت شرکت فرمارہے ہیں اس میں آپ کی شرکت کی شدید ضرورت ہے، آپ اللہ سے مانگتے ہوئے اور اسی پر بھروسہ فرماتے ہوئے اور استقلال اور دل جمعی کے ساتھ دعوت دینے کے عزم سے حیدر آباد سندھ تشریف لے جاویں۔ (مکاتیب)

۱۳۶۰ھ میں قصبہ نوح میں ایک بڑا تبلیغی اجتماع ہوا۔ میوات کی سرزمین میں اس سے پہلے اتنا بڑا اجتماع نہیں ہوا تھا۔ شرکاء جلسہ کا اندازہ پچیس ہزار کا کیا جاتا ہے۔ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب جو اس اجتماع میں شریک تھے فرماتے تھے کہ میں ۳۵ سال سے ہر قسم کے مذہبی اور سیاسی جلسوں میں شریک ہو رہا ہوں لیکن میں نے اس شان کا ایسا بابرکت اجتماع آج تک نہیں دیکھا۔ (سوانح یوسفی)

مراد آباد کے اجتماع میں حضرت دہلوی نور اللہ مرقدہٗ تشریف نہ لا سکے ان کی جگہ نیابت میں جناب الحاج مفتی کفایت اللہ صاحب نے شرکت فرمائی۔ (سوانح یوسفی)

مولانا محمود حسن صاحب مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند کی تصدیق

(د) جناب الحاج مفتی محمود حسن صاحب مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند کی شرکت موجودہ تبلیغ کے اجتماعات میں اور مخالفین کے اعتراضات کے جوابات میں بہت کثرت سے رسائل اور اخبارات میں شائع ہو چکی ہیں اور بہت سے مضامین ''کیا تبلیغی کام ضروری ہے'' میں شائع ہو چکے ہیں۔ ایک تحریر ان

کی کسی شا کی کی شکایات کے جواب میں رسالہ ''حقیقت تبلیغ'' مؤلفہ الحاج ابراہیم یوسف باوا رنگونی میں ہے، وہ کسی معترض کے خط کے جواب میں ہے جس کا نام مجھے معلوم نہیں، خط بہت طویل ہے جو حقیقت تبلیغ میں چھپا ہوا ہے اور اس سے رسالہ ''کیا تبلیغی کام ضروری ہے'' میں بھی نقل کیا گیا ہے۔ اس نے لکھا تھا کہ تبلیغی جماعت کی سرگرمیاں ماشاء اللہ ترقی پذیر ہیں جماعتیں یوں بھی تمام سال قریہ قریہ گشت کرتی رہتی ہیں۔ خصوصاً یہاں بھوپال میں کثرت سے سالانہ اجتماع اور ہفتہ وار اجتماع کو دیکھنے کا موقع ملتا رہا۔ لیکن اس ضمن میں چند امور ہمیشہ کھٹکتے رہے اور دل کلیۃً جماعت کے طریق کار سے متفق نہ ہوا، لیکن گذشتہ ماہ نومبر ۱۹۶۳ء میں لکھنؤ کے سالانہ اجتماع میں آپ کو دیکھ کر یہ خیال ہوا کہ یہ عاجز کسی غلطی یا وسوسۂ شیطانی میں مبتلا ہے، اس بنا پر اسی وقت سے یہ خلش تھی کہ حضرت محترم سے اپنے رفع شکوک ودفع وسواس کے لیے اس باب میں استفسار کر کے اصلاح حاصل کروں گا، آگے اشکالات کی فہرست ہے جو مفتی صاحبؒ کے جواب سے خود سمجھ میں آتی ہے۔

اہم مکتوب

مکرم ومحترم زیدت مکارمکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! گرامی نامہ صادر ہوا مگر رمضان المبارک میں اتنی طویل تحریر کا پڑھنا مشکل، پھر جواب اس سے زیادہ مشکل، تاہم پڑھا، معلوم ہوا کہ وقتی اور کوئی فوری چیز جواب طلب نہیں۔ مکرما! تبلیغ کا جو نقشہ آپ نے کھینچا ہے، میں نے اس سے قبل کبھی نہیں سنا اور دیکھنے کی تو آج تک نوبت نہیں آئی، میں نے خود طویل طویل سفر کئے ہیں، یہاں بھی ہمیشہ ہفتہ وار اجتماع میں شرکت کرتا ہوں ۳۵ برس سے شرکت کا موقع ملتا رہتا ہے، سہارنپور، دیوبند، رائپور، لکھنؤ وغیرہ کے اکابر ارباب مدارس وارباب خانقاہ کا جو کچھ اس کام سے تعلق ہے وہ بھی براہ راست معلوم ہے، مشائخ کرامؒ اپنے زیر تربیت سالکین کو کس طرح اس کام کی ترغیب دے کر کام میں لگاتے ہیں، وہ بھی معلوم ہے اس کی بھی کوئی وجہ نہیں کہ آپ کے بیان کو غلط کہا جائے ہوسکتا ہے کہ بعض کم فہم کم علم ناتجربہ کار لوگوں کے ذاتی اعمال وکردار سے کوئی صورت رونما ہو جائے یا کچھ اصحاب اغراض لوگ ان ناتجربہ کار لوگوں کا اپنے مقاصد پورے کرنے کے لیے غلط طور پر استعمال کرلیں جس سے اس قسم کے فتنے پیدا ہوں، آپ کی تحریر کردہ صورت حال یقیناً بہت دکھ اور اذیت کی چیز ہے یہ بھی یقینی امر

ہے کہ اس قسم کی چیزوں (تعزیہ داری وغیرہ اور مدارس وخانقاہوں کی مخالفت یا توہین) کی ذمہ دار حضرات کی طرف سے ہرگز اجازت نہیں، ایسی چیزیں تبلیغ کے کام اور دین کو سخت نقصان پہنچانے والی ہیں، تبلیغی نمبروں میں ایک نمبر اکرام مسلم بھی ہے اصولی حیثیت سے وہ بہت قابل اہتمام ہے۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی طرف سے سخت ہدایت ہے کہ جس بستی میں جماعت جائے وہاں کے علماء اور مشائخ کی خدمت میں ضرور حاضر ہو ان کے اصولوں کی پابندی کرے، ان کو ہرگز دعوت نہ دے ان سے صرف دعا کی درخواست کرے، علماء اور طلباء کو ہدایت ہے کہ اس کام کی وجہ سے درس ومطالعہ تکرار کا حرج ہرگز نہ کریں۔ سالکین کو ہدایت ہے کہ اپنے اوراد ووظائف اور تسبیحات کو ہرگز ترک نہ کریں بلکہ زمانہ خروج میں شدت کے ساتھ پابندی کرے، راتوں میں تہجد اور ذکر وگریہ کی عام فضا اذکار ومراقبات کا اہتمام، مواخات ومؤاسات، ایثار وہمدردی، تواضع وانکسار، احتساب وانضباطِ اوقات، حقوق اللہ وحقوق العباد کی نگہداشت وغیرہ یہ وہ دینی امور ہیں جو خانقاہوں کا طرۂ امتیاز ہیں اور حق تعالیٰ نے مشائخ پر ان کا انعام فرمایا ہے۔

تبلیغی جماعت کے ذمہ دار حضرات کی پوری کوشش ہے کہ اللہ پاک ان امور کی طرف سے تمام مسلمانوں کو متوجہ فرمائے اور سب کے نفوس میں ان کو راسخ فرمادے تو پھر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ یہ جماعت خانقاہوں کے کام کو قدر کی نظر سے نہیں دیکھتی، علم وذکر کا نمبر اخلاص نیت کا نمبر آخر کس لیے ہے؟ جگہ جگہ جماعت نے مدارس دینیہ قائم کئے اور کر رہی ہے، خود مرکز نظام الدین دہلی میں عربی مدرسہ ہے جہاں چھوٹی بڑی سب کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ میں نے خود تبلیغ کے لیے جن اکابر علماء ومشائخ کو نکلتے اور ترغیب دیتے ہوئے دیکھا ہے چند کے نام یہ ہیں، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ صدر جمعیۃ علماء ہند وصدر مدرسہ امینیہ دہلی میں جو میوات کے علاقہ میں ان کے ساتھ تھا۔ اور ان کو بہت نزدیک سے دیکھا ہے کہ ان کو تبلیغی کام سے کس قدر گہرا تعلق تھا، مفتی اشفاق الرحمٰن صاحب مفتی مدرسہ فتح پوری دہلی، مفتی جمیل احمد صاحب مفتی تھانہ بھون، مولانا اسعد اللہ صاحب مجاز حضرت تھانویؒ، حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور مجاز حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ، مولانا حسین احمد صاحب صدر مدرس دار العلوم دیوبند مجاز، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ، حضرت مولانا ابوالحسن ندویؒ، حضرت مولانا منظور احمد نعمانیؒ وغیرہم۔ جب ایک کام اس

قدر عالم گیر ہو اور مسلمانوں کے گروہ دین سیکھنے کے لیے نکلیں تو ان سے بے اصولی اور غلطی ہونا بھی مستبعد نہیں، خاص کر ایسی حالت میں کہ ہر جماعت کو امیر عالم بھی میسر نہ آئے نہ ان کی غلطی کو سراہا جائے گا نہ ان کی غلطی کی وجہ سے تبلیغ سے بددل ہو کر کام کو چھوڑا جائے گا نہ تبلیغ کے فوائد وضرورت سے صرف نظر کیا جائے گا۔ بلکہ خود غلطی سے بچتے ہوئے دوسروں کو غلطی سے بچانے کی کوشش کی جائے گی اور اس کی بڑی ذمہ داری ان علماء حضرات پر ہے جو غلطیوں کو دیکھ کر دلوں میں اعتراضات کا پہاڑ قائم کرلیں۔ اور اس کام سے دور ہی دور رہیں۔ ان کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اس کام کو اپنا کام تصور کرتے ہوئے پوری قوت کے ساتھ شرکت کریں اور کم علم وفہم بھائیوں سے جو غلطی ہو اس کو شفقت ومحبت کے ساتھ ان پر ترس کھاتے ہوئے ''الدین النصیحۃ'' کے پیش نظر بلطائف الحیل اصلاح فرمائیں وقت ملاقات اگر آپ زبانی تذکرہ فرماتے تو کچھ مزید عرض کرتا۔ والسلام

کوئی بات ناگوار خاطر گذرے تو معاف فرمائیں اس تحریر میں جو غلطی دیکھیں اصلاح فرمائیں اور مطلع فرمائیں شکر گذار رہوں گا۔ والسلام

احقر محمود عفی عنہ مدرسہ جامع العلوم کانپور

مفتی صاحب کے ۹ خطوط بہت مفصل مکاتیب محمودیہ کے نام سے مستقل رسالہ کی شکل میں بھی طبع ہو چکے ہیں جو رسالہ ''کیا تبلیغی کام ضروری ہے'' میں بھی طبع ہوئے ہیں، مکتوب ہذا ان نو مکاتیب میں سے آٹھواں ہے۔ اس کی تمہید میں ناشر نے لکھا ہے کہ مفتی صاحب کی شخصیت ان چند برگزیدہ ہستیوں میں سے ایک ہے جو ایام طالب علمی اور تبلیغ کے ابتدائی دور سے ہی کام میں دلچسپی اور حصہ لیتے رہے اور جہاں بھی رہے اپنے تعلیم وتدریس اور افتاء جیسے مشاغل کے ساتھ مرکز سے وابستہ رہے اور اسی کے زیر سایہ کام کرتے رہے اور اب بھی دار العلوم دیوبند میں وقتاً فوقتاً طلبہ میں خطاب فرمایا کرتے ہیں، اور اس حیثیت سے بھی اور اس حیثیت سے کہ وہ ملک کے سب سے بڑے دینی ادارے کے صدر مفتی ہیں اور ان کے پاس تبلیغی جماعت سے متعلق بھی سوالات آتے رہتے ہیں جن کے جوابات ان کو دینے پڑتے ہیں ان خطوط کی صورت میں اس گرانقدر عطیہ پر بہت ہی مشکور وممنون ہیں۔ ''فجزاہ اللہ خیر الجزاء'' اس مجموعہ کے علاوہ مفتی صاحب کے دوسرے خطوط بھی متعدد رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔

مولانا حفظ الرحمٰن ناظم جمعیۃ علماء اسلام کی توثیق

(ہ) مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم عمومی علماء تبلیغی اسفار میں بہت کثرت سے شرکت کرتے تھے۔ مجھے بھی مولانا مرحوم کے ساتھ میوات کے بعض جلسوں میں شرکت کی نوبت آئی، لیکن ۴۷ء کے ہنگامے میں جتنی کثرت سے مولانا نے اجتماعات میں شرکت کی اس کا بیان سوانح یوسفی میں اس طرح لکھا ہے کہ "۴۷ء میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے اپنی مجاہدانہ زندگی اور دیرینہ تعلق احساس فرض کی صفت کا پوری طرح مظاہرہ کیا...... مولانا محمد یوسف صاحب اوران کے ہمراہیوں کی خبر گیری شب و روز رکھی۔ مولانا محمد یوسف صاحب ہمیشہ ان کے اس احسان کا ذکر کرتے رہے کہ جب کہ سب کی ہمتیں چھوٹ چکی تھیں اور اپنے بھی پرائے ہو رہے تھے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور اپنی جماعت بتا بتا کر جہاں یہ جماعت جانا چاہتی بھیجتے اور اس کی حفاظت کا سامان کرتے۔ جماعت جب بھی کسی جگہ کے لیے پروانہ راہداری مانگتی تو باوجود یہ کہ مولانا انتہائی مشغول ہوتے لیکن پروانہ راہداری فوراً لکھ دیتے کہ یہ جماعت ہماری جماعت ہے اس پرچہ کو لے کر جماعت جہاں بھی جانا چاہتی چلی جاتی۔ کہیں بھی پولیس مزاحم نہ ہوتی اس کے علاوہ خود مولانا اپنا وقت نکال کر گشت کرتے ہوئے نظام الدین کثرت سے جاتے......

بعض اوقات جماعت کی طرف سے امور پیش آتے جو مولانا کو الجھن میں ڈال دیتے لیکن کسی وقت بھی ہمدردی اور شفقت کا ہاتھ نہ اٹھاتے اپنے رویہ میں ادنیٰ سا فرق نہ آنے دیتے۔ مولانا محمد یوسف صاحب کا ایک خاص مزاج تھا۔ وہ کسی ایسے اجتماع یا جلسے میں شریک نہ ہوتے جو صرف سیاسی ہو یا جس میں شرکت کرنے سے تبلیغی کام پر اثر پڑے۔ اس نازک موقعہ پر ایسے کئی حالات پیش آئے۔ ایک مرتبہ میوات میں گھاسیڑہ کے مقام پر ہندو مسلمانوں کا حکومتی پیمانہ پر ایک جلسہ کیا گیا، جس میں گاندھی جی سردار پٹیل اور پنڈت نہرو بھی شریک تھے۔

چونکہ یہ میوات کا علاقہ تھا اور مولانا محمد یوسف صاحب سے تعلق رکھنے والے اس کے باشندے تھے اور وہی لوگ فساد سے زیادہ متاثر تھے۔ لیکن یہ جلسہ خالص سیاسی طرز کا تھا...... اس لیے اس جلسہ میں شرکت نہ کرنے کا ارادہ کرلیا، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اور مولانا احمد سعید صاحب

لبستی نظام الدین تشریف لے گئے اور مولانا سے فرمایا کہ آپ بھی اس جلسہ میں شریک ہوں، لیکن مولانا نے ان حضرات کے احترام کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے اپنی عدم شرکت کا اظہار فرمادیا۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے مولانا کے صریح انکار اور اپنی پوزیشن کی نزاکت کے باوجود کسی قسم کی ناراضگی یا بیزاری کا اظہار نہیں کیا اور آئندہ بھی کبھی اس ناگواری کو زبان پر نہ لائے۔ اور دبی زبان سے بھی کبھی ذکر نہ کیا بلکہ ہر آڑے وقت برابر جماعتوں کی ہر طرح مدد کی اور جو بھی رکاوٹیں پیش آئیں ان کو دور کیا، یہی وہ مولانا کا طرز عمل تھا جس نے مولانا محمد یوسف صاحب کے دل کو تشکر اور ممنونیت سے بھر دیا تھا۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کا بھی وہ احسان ہے جس کو ہمیشہ یاد کیا گیا اور مرکز کے ہر بڑے چھوٹے نے اس کا کھلے دل سے اعتراف کیا۔ (سوانح یوسفی)

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی طرف سے ابتداء میں تو اپنی جماعت کے اندر بھی لیکن اب اپنی جماعت میں تو علی الاعلان یہ الزام نہیں رہا، لیکن مخالفین کا مکالمۃ الصدرین کی ایک عبارت کو بہت جلی قلموں سے شائع کرتے ہیں کہ اہل تبلیغ کو حکومت (انگریزوں) کی طرف سے روپے ملتے ہیں، اب تو وہ حکومت بھی نہیں رہی وہ دور بھی ختم ہوگیا۔ لیکن چونکہ اس عبارت سے اب بھی غلط فہمی پھیلاتے ہیں اس لیے مجھے مستقل نمبر پر جو ۱۳ نمبر میں آرہا ہے لکھنا پڑا۔ لوگ مولانا کی طرف نسبت کیے ہوئے جھوٹے الفاظ کو بہت کثرت سے شائع کرتے ہیں اور مولانا مرحوم کی مؤکد تردید کو جو مولانا نے "وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا" کے ساتھ کی ہے نظر انداز کردیتے ہیں۔ مولانا مرحوم نے تو ہمیشہ اس جماعت کو اپنی جماعت بیان کیا اور ۴۷ء کے ہنگامہ میں جہاں کہیں پروانۂ راہداری کی ضرورت پیش آئی یہی الفاظ کہ "یہ ہماری جماعت ہے" لکھ کردیے۔

مفتی عزیز الرحمٰن بجنوریؒ

(و) مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری نے تو مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مستقل سوانح لکھی ہے جس میں اس کام کی اہمیت اس کے دینی منافع اور مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا علماء کے ساتھ احترام کا معاملہ اور ان کے واقعات بہت کثرت سے لکھے ہیں، وہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:
"حضرت جی فرمایا کرتے ہیں کہ موجودہ مغربیت کا توڑ تبلیغی جماعتوں کی بے حد وحساب نقل وحرکت

اوران چھ نمبروں کی اشاعت پر ہے۔اس پر عاجز نے بہت سوچا بالآخر شرح صدر ہو گیا اور اب میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ دنیا وآخرت کی کامیابیاں ادھر ہیں۔ مجھے جملہ اکابر کی آراءنہ مقصود ہیں اور نہ تتبع وتلاش کی فرصت ہے،جن حضرات کی تبلیغ کے ساتھ اہمیت حافظہ میں محفوظ تھی وہ لکھوادیا ورنہ اگر تتبع کیا جائے تو علماء کرام اور اہل الرائے سینکڑوں نہیں ہزاروں ملیں گے جنھوں نے اس مبارک کام کو سمجھا، دیکھا اور اس کی اہمیت کو محسوس کیا۔اس کے خلاف اگر چند اکابر یا علماء اس کی مخالفت نہ کریں تو کوئی اشکال کی بات نہیں،دین کا کون سا کام ایسا ہے جس میں اختلاف نہیں ہے۔البتہ میرے ذہن میں پختہ ہے کہ جن حضرات نے مخالفت فرمائی ہے وہ صرف غیر محقق روایات پر مبنی ہے۔خود نظام الدین جا کر یا اجتماعات میں شرکت کر کے ملاحظہ کرنے کی نوبت نہیں آئی۔اسی لیے جب مجھ سے کوئی شخص کوئی اعتراض کیا کرتا ہے تو میرا پہلا سوال یہ ہوتا ہے کہ آپ نے نظام الدین میں کتنا قیام کیا اور اس مبارک کام میں کتنے چلے دیے تا کہ میں اندازہ کر سکوں کہ یہ آپ کی اپنی رائے ہے یا محض روایات پر مبنی ہے۔

ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم اور لندن کا پہلا گشت

(د) ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم صدر جمہوریہ ہونے سے پہلے بلکہ ۴۷ء کے ہنگامہ سے پہلے بہت کثرت سے نظام الدین تشریف لاتے تھے اور لندن میں جو سب سے پہلا تبلیغی گشت ہوا اس کی سرکردگی بھی ڈاکٹر صاحب ہی نے کی تھی کہ ڈاکٹر صاحب اپنی کسی ضرورت سے لندن گئے ہوئے تھے وہاں تبلیغی جماعت سب سے پہلے پہنچی چونکہ بہت پہلے سے اس جماعت سے واقف تھے، جامعہ ملیہ میں یہ جماعت کثرت سے جاتی رہتی تھی اس لیے ڈاکٹر صاحب نے لندن میں سب سے پہلا گشت اس جماعت کو کرایا۔ایک کتاب ہے''بیس بڑے مسلمان''اس میں ڈاکٹر صاحب کا ایک خط نقل کیا ہے،جس کا مضمون یہ ہے''اس اہم کام (تبلیغ دین) کی انجام دہی کا جو نظم مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے قائم فرمایا ہے اس کو دیکھنے اور سمجھنے کا موقعہ مجھے پچھلے دنوں نصیب ہوا اس کام کی سچی روح مجھے اس نظم میں کارفرما دکھائی دیتی ہے۔ایمان اور یقین بحث اور دلیل سے پیدا نہیں ہوتے کسی کو یہ دولت نصیب ہو تو دوسروں تک بھی اسے منتقل کر دیتا ہے اپنے دل کی آگ سے دوسروں کے سینے بھی گرماتا ہے اور

اپنے عمل کی بھی بے چینی سے بے عملوں کی عروق مردہ میں بھی خون زندگی دوڑا دیتا ہے۔ فقط

ڈاکٹر ذاکر حسین کے متعلق میں نے اپنے حافظہ سے لکھا تھا کہ لندن کا سب سے پہلا اجتماع ان کی سرکردگی میں ہوا، ایک دوست نے بتایا کہ سوانح یوسفی میں اس واقعہ کو بہت تفصیل سے لکھا ہے، اس میں لکھا ہے کہ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق رکھنے والوں میں کئی ایسے اہل علم اور مغربی علوم سے واقف اور یورپ کے تمدن سے گہری واقفیت رکھنے والے حضرات تھے۔ ان میں سرفہرست ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب شیخ جامعہ ملیہ اور حال صدر جمہوریہ ہند ہیں۔ مدتوں سے یہ حضرات مولانا الیاس صاحب کی خدمت میں آتے جاتے تھے اور حضرت مرحوم سے گہرا تعلق ہوگیا تھا۔ اور اس تحریک کے مؤیدین میں سے تھے۔

۲۰ جنوری ۱۹۴۶ء میں ان ہی دو (ڈاکٹر ذاکر صاحب اور جناب راحت رضوی صاحب) کے ذریعہ لندن میں تبلیغ کا ابتدائی گشت شروع ہوا جو لوگ لندن کی ہماہمی سے واقف ہیں وہ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس ملک میں خالص دینی اور تبلیغی کام جب کہ اس میں گشت جیسے عمل کو ایک ضروری جزو قرار دیا گیا ہے کتنا مشکل اور نامانوس ہوگا، اس زمانہ میں ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب ایک تعلیمی کانفرنس میں لندن گئے ہوئے تھے۔ انہوں نے لندن میں اس گشت کا افتتاح کیا۔ چونکہ ڈاکٹر صاحب علمی دنیا میں ایک ممتاز درجہ رکھتے ہیں اور عالم گیر شہرت کے مالک ہیں اس لیے لندن کے رہنے والوں نے ادھر توجہ کی اس گشت کے امیر و قائد راحت رضوی صاحب لکھنوی ہوئے۔ یہ گشت بڑا مبارک ثابت ہوا اور اس سے مقامی کام کی ابتداء ہوئی۔

(اشکال نمبر ۱۱) تبلیغ میں جبر سے کام لیا جاتا ہے

ایک اعتراض یہ بھی کثرت سے کانوں میں پڑتا رہا کہ اہل تبلیغ لوگوں پر جبر کرتے ہیں اور زبردستی کرتے ہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ جبر و زبردستی میں اور اصرار و الحاح میں بہت فرق ہے عوام کے سمجھنے کی چیز تو نہیں مگر علماء کے سمجھنے کی چیز ضرور ہے کہ اکراہ کی کیا تعریف ہے۔ مجھے سینکڑوں نہیں ہزاروں جلسوں میں شرکت کی نوبت آئی۔ اصرار اور ترغیبیں تو بہت کثرت سے سننے میں آئیں۔ لیکن زبردستی کرتے تو میں نے دیکھا نہیں اور اصرار کو زبردستی کہنا مشکل ہے۔ حضرت دہلوی کا

ارشاد ہے کہ جن لوگوں کے حقوق خدمت تم پر ہیں اور جن کی اطاعت کرنا تمہارے لیے ضروری ہے ان کی خدمت وراحت کا انتظام کر کے اور ان کو مطمئن کر کے اس کام میں نکلو اور اپنا رویہ ایسا رکھو کہ تمہارے علم واصلاح کے ذوق میں ترقی دیکھ کر تمہارے سرپرست اس مشغلہ میں تمہارے لگنے سے نہ صرف یہ کہ مطمئن ہوں بلکہ خواہاں اور راغب ہو جائیں۔ (ملفوظات حضرت دہلویؒ)

حضرت دہلوی اپنے ایک ملفوظ میں ارشاد فرماتے ہیں: ''اہل علم ایک سلسلہ یہ شروع فرما دیں کہ پہلے سے طے کرلیں کہ آئندہ جمعہ فلاں مسجد یا فلاں گاؤں میں پڑھنا ہے اور اپنے متعلقین کو بھی اس کی اطلاع دیدیں۔ وہاں پہنچ کر نماز سے پہلے تبلیغی گشت اور لوگوں کو آمادہ کر کے مسجد میں لائیں پھر تھوڑی دیر کے لیے انہیں روک کر دین کی اہمیت اور اس کے سیکھنے کی ضرورت ان کو سمجھا کر دین سیکھنے کے واسطے تبلیغی جماعتوں میں نکلنے کی دعوت دیں اور ان کو سمجھائیں کہ اس طریقہ پر وہ چند روز میں دین کا ضروری علم وعمل سیکھ سکتے ہیں۔ اگر اس دعوت پر تھوڑے تھوڑے آدمی بھی تیار ہو جائیں تو کسی مناسب جماعت کے ساتھ ان کے بھیجنے کا بندوبست کریں۔

حضرت دہلویؒ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں'' آپ لوگ خوب یقین فرمالیجئے کہ ہماری تحریک اور اسلامی تبلیغ نہ کسی کی دل آزاری کو پسند کرتی ہے اور نہ کسی فتنہ فساد کے الفاظ سننا چاہتی ہے۔ آپ لوگوں نے بدعتی کے لفظ سے بعض جگہ کے لوگوں کو یاد کیا ہے آئندہ سے ایسے الفاظ سے احتراز چاہیے۔ (طویل مکتوب)

مولانا محمد یوسف صاحب نے کارکنوں کے لیے ہدایات کا جو بہت طویل مکتوب لکھا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں'' مطالبہ اور تشکیل کے وقت محنت ساری دعوت کا مغز بنتی ہے۔ اگر مطالبوں پر جم کر محنت نہ ہوئی تو پھر کام کی باتیں رہ جائیں گی۔ اعذر کا دل جوئی اور غیب کے ساتھ حل بتائیں، صحابہ کی قربانیوں کے قصوں کی طرف اشارے کریں اور پھر آمادہ کریں۔ (سوانح یوسفی)

مولانا محمد یوسف صاحب اپنے ایک طویل مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں، کارکنوں کو تشکیل کی صورت میں لکھنے کے بعد...... اپنی دعوت میں تو چار ماہ کا مطالبہ رکھیں لیکن اس پر زور اتنا دیں جتنی لوگوں میں استعداد ہو اگر وہ اس دعوت کے بعد صرف ایک گھنٹہ روز کا بھی لگانے پر آمادہ ہو جائیں تو اس کی قدر کریں، اور اس وقت کو اتنا قیمتی بنائیں کہ اس کے سامنے اس

محنت کی قیمت اچھی طرح کھل جائے۔ (سوانح یوسفی عزیزی)

جبر بھی کسی حد تک جائز ہے

یہ تو نظام الدین کے حضرات کا عمل ہے لیکن میرے نزدیک اگر جبر بھی دین کے کاموں میں ہو تو اپنی استطاعت اور قدرت کے موافق کوئی مضائقہ نہیں۔ "لَا اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ" کافروں کے حق میں ہے کہ ان کو زبردستی تلوار کے زور سے مسلمان نہیں بنایا جا سکتا، لیکن مسلمان کے بارے میں حضور ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ "من رأی منکم منکراً فلیغیره بیده" (الحدیث) مشہور ہے کہ اگر کوئی ناجائز بات ہوتے دیکھے اور قدرت ہو تو ہاتھ سے روکے اور ہاتھ سے قدرت نہ ہو تو زبان (ڈانٹ) سے روکے اور یہ بھی طاقت نہ ہو تو دل سے اس کا برا سمجھنا تو ایمان کا سب سے کم ترین درجہ ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا پاک ارشاد ہے "مثلی کمثل رجل استوقد ناراً" (الحدیث) مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ میں ہے حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری مثال اس شخص کی ہے جس نے ایک آگ جلائی جب وہ خوب روشن ہو گئی تو اس کے اوپر پروانے وغیرہ گرنے لگے آگ میں جلنے لگے۔ اور آدمی ان پروانوں کو ہٹاتا ہے اور وہ پروانے اس شخص پر زبردستی گرتے ہیں اور آگ میں گھستے ہیں۔ پس اسی طرح میں بھی تمہاری کمریں پکڑ کر آگ سے ہٹاتا ہوں اور تم آگ میں گھسے جاتے ہو۔ یہ بخاری کی روایت ہے اور مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ میں تم سے کہتا ہوں کہ آگ سے ہٹ جاؤ اور تم اس میں گھسے چلے جاتے ہو یہ تبلیغ والے حضور ﷺ کی اتباع میں لوگوں کو جہنم سے ہٹا رہے ہیں۔ کھینچ رہے ہیں کیا بے نمازی اور بے دین جہنم میں نہیں گر رہے؟ کیا اسی کو زبردستی کہا جاتا ہے۔ حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ کا ارشاد ہے کہ ترک تبلیغ کے لیے محض ناگواری مخاطب عذر نہیں، حق تعالیٰ فرماتے ہیں: "اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحاً اَنْ كُنْتُمْ قَوماً مُّسْرِفِيْنَ" کیا ہم تم کو نصیحت کرنے سے پہلو تہی کریں گے کہ تم لوگ حد سے نکلنے والے ہو، حالاں کہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ تو امر بالمعروف واجب نہیں۔ وہ اس سے پاک ہیں کہ ان پر کوئی بات واجب ہو، بس یاد رکھئے کہ امر بالمعروف کے لیے عذر صرف یہ ہے کہ لحوق ضرر کا اندیشہ ہو اور ضرر بھی جسمانی محض فوت منفعت عذر نہیں۔ جو شخص خدا سے بیگانہ ہے اگر اس کو احکام

الٰہی کی تبلیغ نا گوار ہے تو ہماری جوتی سے، ہم تبلیغ سے کیوں رکیں بس ہم کو خدا پر نظر رکھنا چاہیے اور صرف اس کی رضا کا طالب ہونا چاہیے، چاہے تمام عالم ناراض ہو جائے۔ (انفاس عیسیٰ)

دوسری جگہ ارشاد ہے کہ اگر کوئی کہے کہ ہم کسی کو نصیحت کرتے ہیں تو وہ برا مانتا ہے ناک منہ چڑھاتا ہے اور ہمارے درپئے ایذا ہو جاتا ہے تو کیا پھر بھی ہم امر بالمعروف کریں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ امر بالمعروف شروع کر دیں جب کام شروع کر کے گاڑی اٹکے گی اس وقت استفسار کر لینا ابھی سے اعذار کا حکم دریافت کرنے کا آپ کو حق نہیں، بلکہ اس وقت اعذار کا حکم دریافت کرنا گویا جان بچانے کی تدبیریں ڈھونڈنا ہے۔ (انفاس عیسیٰ)

ایک سالک پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا اصرار

حسن العزیز میں ایک دیہاتی کا طویل قصہ نقل کیا ہے کہ وہ حضرت کی خدمت میں بیعت کی نیت سے حاضر ہوا۔ حضرت نور اللہ مرقدہٗ نے اس کے حال کے اعتبار سے اس کو پندرہ دن قیام ضروری بتایا اس نے کہا کہ کھیتی باڑی کی وجہ سے نہیں رہ سکتا۔ حضرت نے پوچھا کہ کوئی اور بھائی وغیرہ بھی ہے، اس نے عرض کیا کہ ہیں اور اگر کچھ دن یہاں رہوں گا تو ناراض ہو جائیں گے۔ فرمایا کہ اب یہاں تو ناراض نہیں ہو رہے جب جاؤ گے تو اکٹھے ناراض ہو لیں گے، کم از کم پندرہ دن تو ٹھہرو تا کہ اتنے دن کا گھسا ہوا شیطان دل کے اندر سے نکلے اور اتنے دن بھی بہت کم ہیں ورنہ قاعدہ سے تو یہ چاہیے تھا کہ جتنے دن تک وہ شیطان دل میں گھسا ہوا رہا کم از کم اتنے دن تو اس کے نکلنے کے لیے چاہئیں۔ پھر اس نے مغرب کے بعد بیعت کی درخواست کی اور اصرار کیا، حضرت نے فرمایا کہ میں کہہ چکا ہوں کہ ابھی بیعت کی ضرورت نہیں اس پر اس نے بیچ میں کہہ دیا کہ میری حالت تو ایسی ہو گئی ہے نماز چھوڑنے کو جی چاہتا ہے، اس پر حضرت بہت برہم ہوئے اور دیر تک نہایت سختی کے ساتھ ڈانٹتے رہے کہ اچھا جنون ہے اگر ایسا ہی جنون ہے تو کبھی گوہ کھانے کو جی نہ چاہا ابھی سر پر لگ جائے تو دماغ روشن ہو جائے اپنے پاس سے دھکا دے کر نالائق پاجی کہہ کر اٹھا دیا۔

اگر تبلیغ والے یوں کہیں کہ جس گھر میں دو آدمی ہوں نمبروار ایک آدمی تبلیغ میں جاتا رہے دوسرا گھر کا کام کرتا رہے تو اس پر کیا الزام ہے رسالہ کے خاتمہ پر تکملہ میں حضرت حکیم الامۃ کے

ایک خلیفہ مولانا عبدالسلام کا تفصیلی قصہ آ رہا ہے کہ حضرت حکیم الامۃ نے باوجود والد صاحب کی ناراضی کے جانے کی اجازت نہ دی، اگر چہ تبلیغ والے والد صاحب کی ناراضگی پر ان کو راضی کرنے کی تاکید کرتے ہیں اور یہ ناکارہ تو والد صاحب کی اجازت کے بغیر جانے کی اجازت ہی نہیں دیتا۔ اگر چہ میں تبلیغ کو اتنا ہی ضروری سمجھتا ہوں جتنا اصلاح نفس لیکن تبلیغ پر اعتراض کرنے والوں کو پہلے حکیم الامۃ پر اعتراض کرنا ہوگا کہ انہوں نے باپ کی ناراضی کی بھی پرواہ نہ کی۔

ایک شخص نے حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کی خدمت میں دو ماہ رہنے کی خواہش ظاہر کی کہ ایک بیوی دو بچے ایک میں چار آدمی ہیں، حضرت نور اللہ مرقدہٗ نے ان کو لکھا کہ کیا یہ ہوسکتا ہے کہ بیوی کو دو ماہ کے اس کے باپ کے گھر ان سب کی خوشی سے چھوڑ دیا جائے، اس طرح آسانی سے موقع مل سکتا ہے۔ (تربیت السالک)

اگر تبلیغ والے یہ کہیں کہ اپنی غیبت کے زمانے میں بیوی کو اس کے گھر چھوڑ دو تو وہ گردن زنی ہے، حقوق العباد کی پرواہ نہیں کرتے۔

صحت جسمانی سے صحت روحانی مقدم ہے

تربیت السالک میں ایک شخص نے اپنا طویل حال لکھا ہے کہ میں ڈیڑھ ہزار کا مقروض ہوں، میری آمدنی چمڑے کی تجارت ہے...... اب گذارش یہ ہے کہ آپ ضرور اجازت دیدیں کہ میں آٹھ دن کے لیے حاضر خدمت ہو جاؤں شاید اس آٹھ دن کی قلیل مدت میں میری حالت میں تغیر ہو جائے اور اگر قرض کا عذر مانع ہو تو میں یہ عرض کروں گا کہ اگر خدانخواستہ مجھ کو دفعتہً کوئی جسمانی مرض لاحق ہو جائے کہ جس کی وجہ سے علاج کرنا ضروری ہو جائے اور دہلی حکیم اجمل صاحب کی خدمت میں جانا پڑے تو پھر بمجبوری سب خرچ برداشت کرنا پڑیں گے اور یہی کہا جائے گا کہ اگر چہ میں قرض دار ہوں قرض ادا کرنا تمام کاموں سے مقدم ہے لیکن جب صحت جسمانی ہی ٹھیک نہ ہوگی تو قرض ادا ہونا بھی غیر ممکن ہے اس لحاظ سے میرے خیال میں صحت جسمانی کی حفاظت زیادہ ضروری ہوگی۔

پس بالکل اسی ضرورت کو سمجھ کر میں اجازت حاضری آٹھ یوم کی چاہتا ہوں میرے خیال سے صحت جسمانی سے صحت روحانی زیادہ اہم اور ضروری ہے اور پھر جب کہ میری دنیا کا دارومدار بھی

اسی روحانی صحت پر موقوف ہے۔ مختصر گزارش یہ ہے کہ اگر مناسب ہو تو اجازت حاضری مرحمت فرمائی جائے۔ حضرت قدس سرہٗ کا مختصر جواب یہ ہے کہ آپ کی مجموعی حالت موجودہ میں آنے کی ممانعت نہیں۔

قرض برائے تبلیغ

اگر تبلیغ والے بھی کسی مقروض کو اس نہایت ہی اہم ضروری روحانی کام کے لیے نکلنے کی ترغیب دیں تو وہ مجرم کیوں؟ لوگ دنیوی لغویات کے لیے محض شادیوں میں نام ونمود کے لیے سودی روپے تک قرض لیتے ہیں اور باوجود بار بار کے سمجھانے، علماء کے روکنے کے کبھی بھی ان کو قرض یا سود کا خیال نہیں آتا، لیکن دینی کام کے لیے سوالات، استفتاء اور اعتراضات سب ہی کچھ ہوتے ہیں جو لوگ اپنے مقروض ہونے کا عذر کرتے ہیں۔

اگرچہ ناکارہ خود کبھی ایسے لوگوں کو جو مقروض ہوں یا قرض لے کر جائیں جانے کی اجازت نہیں دیتا تاوقتیکہ ادائیگی قرض کا کوئی اعتماد یا ذریعہ معلوم نہ ہو جائے، لیکن تبلیغی لوگوں پر اعتراض کرنے والوں سے یہ ضرور پوچھا کرتا ہوں کہ آپ نے کبھی کسی مقروض سے یہ بھی پوچھا کہ یہ قرضہ جو آپ کے ذمہ ہوا تبلیغ ہی میں جانے کی وجہ سے ہوا یا ناجائز رسومات ادا کرنے کے واسطے لیا تھا، میرے سینکڑوں خطوط میں ایسے لوگوں کو جانے کی ممانعت ملے گی۔ مگر میں جب لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ آپ کے ذمہ جو قرض ہوا تھا وہ تبلیغی سفر کی وجہ سے ہوا تھا یا بیٹی کی شادی کی وجہ سے آپ نے محض لوگوں کے طعن وتشنیع کی وجہ سے شادی میں تو سود پر قرض لے لیا اس وقت کسی سے مسئلہ نہ پوچھا لیکن ایک دینی اہم کام کے سفر کے لیے آپ کو استفتاء کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اس کا کوئی معقول جواب، مجھے اب تک نہ ملا۔

اپنے معاملات اللہ کے سپرد کر دو

حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں ایک صاحب نے بہت لمبا چوڑا خط لکھا، جس میں دین ودنیا دونوں کے متعلق پریشانیاں لکھی تھیں اور یہ بھی لکھا تھا کہ میں حاضری کا قصد بہت دنوں سے کرتا ہوں مگر ایسے واقعات پیش آجاتے ہیں کہ حاضر ہو ہی نہیں سکتا۔ اب حاضری کا مصمم ارادہ تھا مگر ایک مقدمہ میرے ایک عزیز نے دائر کر دیا مجبوراً آ نہیں سکتا۔ حضرت

نے لکھا کہ میں دعا کرتا ہوں کہ پریشانیاں رفع ہوں اور یہاں آنا بہتر تھا، اگر صورت آنے کی نہ بھی ہو تو تدبیر لکھتا ہوں کہ اپنے معاملات اللہ کے سپرد کر دینا چاہیے وہ جو کریں اس میں راضی رہے۔ یہ بہترین تدبیر ہے کوئی کر کے تو دیکھے، پھر ارشاد فرمایا کہ آج کل لوگ ایسے جوابات کو خشک مضامین سے تعبیر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ہمیں مضامین (خشک) میں مزا نہیں آتا۔ میں کہتا ہوں کہ گوہ کے کیڑے کے نزدیک حلوائی کی ساری دکان بے فائدہ ہے، کیڑا کہنے لگے کہ یہ جولڈو اور پیڑے ہیں جو دکان میں رکھے ہیں بے فائدہ ہیں کیوں کہ میرے کام تو آتے نہیں۔ اور یوں کہے کہ گوبر وغیرہ اچھی چیز ہے تو اس کا یہ کہنا کیسا ہی ظاہر ہے کہ محض فضول ہے۔ (حسن العزیز)

حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ نے بھی تو یہی ارشاد فرمایا جو تبلیغ والے کہتے ہیں کہ اپنے سارے کام اللہ کے سپرد کر کے نکلو جن پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ جبر کرتے ہیں اعزار کو سنتے نہیں بجائے اس کے اس کی تحقیق کریں کہ تمہیں کوئی عذر تو نہیں اگر کوئی عذر کرے تو کہہ دیتے ہیں کہ اللہ کے سپرد کرو...... اگر میں یوں کہوں کہ یہ بھی حضرت دہلویؒ کے ارشاد پر عمل ہے کہ تعلیم حضرت تھانویؒ کی ہو اور طریق کار میرا تو اس کا کون انکار کرے گا۔ اس سب کے بعد ایک تجربہ میرا اور بھی ہے اور بہت تکلیف دہ ہے کہ بہت سے لوگ اپنی پریشانیوں سے گھبرا کر نظام الدین پہنچ جاتے ہیں اور وہاں ازخود نام لکھواتے ہیں، اور جب گھر کے لوگ اور قرض خواہ اصرار کرتے ہیں تو تبلیغ کو آڑ بناتے ہیں کہ میں مجبور کر کے بھیج دیا گیا تا کہ گھر والوں سے نجات مل جائے، یہ سنی سنائی باتیں نہیں بلکہ میرے پاس اس قسم کے بلا مبالغہ پچاسوں خطوط آئے ہیں تو ہر خط کے جواب میں یہی لکھواتا ہوں کہ تمہارے جو حالات ہیں ان کے ہوتے ہوئے تبلیغ میں جانا ہرگز مناسب نہیں، اس رسالہ کے لکھوانے کے بعد طباعت سے پہلے کیرانہ کے ایک صاحب کا خط پہنچا ہے جو حسب ذیل ہے۔

ایک خط اور شیخ الحدیث رحمۃ اللہ کا جواب

قبلہ وکعبہ شیخ الحدیث مدظلہ العالی!

السلام علیکم! گذارش یہ ہے کہ حضرت والا دوکان میں نقصانات اور قرض ہونے کی وجہ سے اتنا پریشان ہوا ہوں کہ دوکان بھی چھوڑ دی اور قرض والوں کی وجہ سے جب انہوں نے

پریشان کیا تو گھر کو بھی چھوڑنا پڑا، اور میں پریشان ہوکر مرکز نظام الدین آ گیا اور بال بچے گھر پر چھوڑ آیا۔ لیکن ان کے پاس صرف پانچ روپے کے اور کچھ گھر پر نہ تھا اور میرے پاس بھی صرف سات روپے تھے۔ جو دہلی کرایہ لگ کر ختم ہوگیا۔ اور یہاں پر رہ کر اب آگے تبلیغ میں نکلنے کے لیے کچھ پیسہ نہیں ہے۔ حضرت والا! آپ تجویز فرمائیں کہ میں کہیں تبلیغ میں جاؤں یا گھر پر جیسا آپ فرمائیں گے انشاء اللہ آپ کے حکم پر چلوں گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ خدا قرض سے نجات دلائے۔ فقط والسلام

جواب از زکریاؒ

بعد سلام مسنون! آپ نے جو حالات لکھے ہیں ان کے لحاظ سے میرے نزدیک چلہ میں جانا ہرگز مناسب نہیں بلکہ گھر والوں کی معاشی خبر گیری اور قرض والوں کا قرض ادا کرنا بہت ضروری ہے۔ اگر آپ اپنے حالات کی وجہ سے کیرانہ میں قیام نہ کر سکتے ہوں تو قرب و جوار میں کہیں مزدوری یا ملازمت کی فکر کیجئے اور خود فاقہ کر کے اولاً گھر والوں کے معاش کا فکر کیجئے اور اس کے بعد قرض کی ادائیگی کا۔

فقط والسلام

۱۱/ربیع الثانی ۹۲ھ

اس قسم کے جیسا کہ پہلے لکھوا چکا ہوں پچاسوں خطوط آئے ہوں گے مگر مجھے ان کی کوئی اہمیت نہیں تھی اس لیے، جواب لکھوا کر چاک کر دیے۔ یہ خط عین وقت پر پہنچا۔ اس لیے لکھوا دیا، اگر تحقیق کی جائے کہ جن لوگوں پر تبلیغ والوں کا اصرار ہوگا ان کو میری طرف سے ممانعت ضرور ملے گی۔ دو سال قبل کیرانہ کے متعدد خطوط اس قسم کے آئے تھے، مگر معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے صرف تبلیغ والوں کے اصرار کا ذکر کیا میری ممانعت کا ذکر نہیں کیا۔ اگر ان لوگوں سے اب بھی تحقیق کی جائے تو میرے خطوط ان کے پاس ضرور ملیں گے مجھے دو چیزوں میں خاص تصلب ہے، ایک یہ کہ جن کے ذمہ حقوق العباد ہوں وہ مقدم ہیں، دوسرے یہ کہ جو کسی شیخ سے منسلک ہوں اور شیخ کی طرف سے ممانعت ہو وہ ہرگز بغیر اجازت کے شریک نہ ہوں، یہ مضمون اس رسالہ میں پہلے آ چکا ہے۔

(اشکال نمبر ۱۲) چلہ کہاں سے نکالا گیا ہے

ایک اعتراض قریب میں تو سننے میں نہیں آیا مگر پہلے کثرت سے آیا اور زیادہ تعجب

یہ ہے کہ بعض اہل علم کی طرف سے بھی یہ اشکال کان میں پڑا۔ جس سے زیادہ حیرت ہے کہ یہ چلہ تبلیغ والوں نے کہاں سے نکالا اور اس کی اصل کیا ہے؟ حالاں کہ چلہ کی اصل قرآن پاک میں بھی ہے حدیث میں بھی ہے۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے: "وَوٰعَدْنَا مُوسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً وَّاَتْمَمْنٰھَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً" حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ نے تفسیر بیان القرآن میں اس آیت شریفہ کو مشائخ کے چلوں کی اصل فرمایا ہے۔

چنانچہ تحریر فرماتے ہیں۔ "وفیہ اصل الاربعین المعتاد عندالمشائخ الذی یشاھدون البرکات فیھا اھ" یعنی آیت شریفہ صوفیہ کے چلوں کی اصل ہے جس میں وہ حضرات بہت سی برکات کا مشاہدہ کرتے ہیں، حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ کے ترجمہ کے فوائد میں لکھا ہے کہ جب بنی اسرائیل کو طرح طرح کی پریشانیوں سے اطمینان نصیب ہوا تو انہوں نے موسیٰؑ سے درخواست کی کہ اب ہمارے لیے کوئی آسمانی شریعت لائیے جس پر ہم دل جمعی کے ساتھ عمل کر کے دکھلائیں۔ موسیٰؑ نے ان کا معروضہ بارگاہ الٰہی میں پیش کر دیا خدا تعالیٰ نے ان سے کم از کم تیس دن اور زیادہ سے زیادہ چالیس دن کا وعدہ فرمایا کہ جب اتنی مدت تم پے در پے روزے رکھو گے اور کوہ طور پر معتکف رہو گے تم کو تورات شریف عنایت کی جائیگی۔ چالیس دن کی معیاد پوری ہو جانے پر حق تعالیٰ نے موسیٰؑ کو کسی مخصوص و ممتاز رنگ میں شرف کا مکالمہ بخشا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہٗ کی مشہور حدیث ہے جس کو صاحب مشکوٰۃ نے بخاری اور مسلم دونوں سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے رسول اللہ ﷺ نے جو الصادق المصدوق ہیں ارشاد فرمایا کہ آدمی کی ابتدائی خلقت ماں کے رحم میں چالیس دن تو نطفہ رہتی ہے اور پھر چالیس دن تک خون کا لوتھڑا رہتا ہے پھر چالیس دن تک وہ بوٹی بنا رہتا ہے، اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ تغیر حالت میں چالیس دن کو خاص دخل ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص چالیس دن اخلاص کے ساتھ ایسی طرح نماز پڑھے کہ تکبیر اولیٰ فوت نہ ہو تو اس کو دو پروانے ملتے ہیں، ایک پروانہ جہنم سے چھٹکارے کا دوسرا نفاق سے بری ہونے کا۔

دوسری حدیث میں ہے جو شخص چالیس دن کسی مسجد میں نماز پڑھے کہ رکعت اولیٰ فوت نہ ہو اس کو جہنم سے آزادی مل جاتی ہے۔ (فضائل نماز)

ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص میری مسجد میں چالیس نمازیں اس طرح پڑھے کہ ایک نماز بھی اس کی مسجد سے فوت نہ ہو تو اس کے لیے آگ سے برأت لکھی جاتی ہے اور عذاب سے بری ہونا لکھا جاتا ہے اور وہ شخص نفاق سے بری ہو جاتا ہے۔ (فضائل حج) ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص میری امت پر چالیس دن تک غلہ روکے اور صدقہ کرے تو اس کا صدقہ مقبول نہ ہوگا۔ (جامع الصغیر)

ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص اللہ کے لیے چالیس دن تک اخلاص کے ساتھ اعمال کرے گا اللہ جل شانہٗ اس کے دل میں حکمت کے چشمے ابال کر اس کی زبان سے ادا کراتے ہیں۔ (جامع الصغیر)

اور چہل حدیث کی روایات تو مختلف الفاظ کے ساتھ نقل کی گئی ہیں جو میرے رسالہ چہل حدیث فضائل قرآن کے شروع میں نقل کی گئی ہیں جس سے حضور ﷺ نے چالیس حدیثوں کے محفوظ کرنے پر مختلف بشارتیں فرمائی ہیں، ان سے بھی چالیس کے عدد کی اہمیت معلوم ہوتی ہے، ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی نابینا کی چالیس قدم تک دستگیری کرے اس کی مغفرت کردی جائے گی۔

دوسری حدیث میں ہے کہ جنت اس کے لیے واجب ہو جائے گی (جامع الصغیر) مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ ان کے صاحبزادے کا انتقال ہو گیا تو انہوں نے اپنے (آزاد کردہ غلام) کریب سے فرمایا کہ دیکھ باہر کتنے آدمی ہیں۔ انہوں نے آکر عرض کیا کہ بہت بڑا مجمع ہے۔ تو ابن عباسؓ نے فرمایا کہ چالیس ہوں گے فرمایا جی ہاں!

تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جنازہ لے چلو۔ میں نے حضور اقدس ﷺ سے سنا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ جس مسلمان کا انتقال ہو جائے اور اس کے جنازہ کی نماز چالیس نفر پڑھیں جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں تو اس میت کے حق میں ان کی سفارش قبول ہوتی ہے۔ صوفیاء کے یہاں تو چلہ کشی معروف و مشہور چیز ہے، ہر چیز کے لیے چلے کرائے جاتے ہیں۔ اعتکاف کے بھی، اسماء الٰہیہ کے بھی جو ہر شخص کے حال کے مناسب مشائخ تجویز کرتے ہیں۔

چپ کا چلہ

اور حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے تو چپ کا چلہ بھی تجویز فرمایا، حضرت قدس سرہٗ نے ہواخوری سے واپسی کے بعد فرمایا کہ میں نے ایک چلہ سکوت ایجاد کیا...... لوگ کہتے ہیں کہ کیسا سخت چلہ نکالا بڑا سخت کام لیتا ہے یہ چلہ ایسا نکالا ہے کہ بہت ہی مشکل ہے پھر فرمایا کہنے دو لوگوں کے کہنے کی کہاں تک پرواہ کی جائے۔ الحمد للہ متقدمین کی سنت زندہ ہوتی ہے، سائل نے پوچھا کہ یہ چلہ سکوت پہلے بھی کسی نے کرایا؟ فرمایا نہیں یہ چلہ تو نہیں کرایا مگر قلت کلام کے بڑے بڑے اہتمام کئے اب یہ انتظامی امر ہے کہ پہلے اور طرح سے اس کے اہتمام کئے گئے اور اب یہ صورت تجویز کی گئی ہے۔ (حسن العزیز)

مفتی محمود صاحبؒ نے نقل کیا تھا کہ ایک صاحب نے جن کے لیے حضرت نے چلہ سکوت تجویز کیا تھا انہوں نے ایک تختی تعویذ کی طرح اپنے گلے میں لٹکا رکھی تھی جس پر جلی قلم سے لکھا ہوا تھا "خاموش"

ایک صاحب نے اپنی خرابی حالت کا تفصیلی حال لکھا، حضرت نے فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ نے ہر مرض کا معالجہ تجویز فرمایا ہے۔ استعمال میں ہمت کی ضرورت ہے اس کے لیے آج کا دن اور روانگی کا دن چھوڑ کر پورے چالیس روز قیام کرو (تربیت السالک) حضرت حکیم الامۃ کا ایک ارشاد ہے کہ مناسبت پیدا کرنے کے لیے کم از کم چالیس روز تو شیخ کی صحبت میں رہے مگر یہ ایک ضابطہ کی بات ہے، اصل تو یہ کہ اس کی کوئی مدت نہیں (افاضات)

جواب اشکال نمبر ۱۳:

انگریزوں کی امداد سے نہیں بلکہ اللہ کی مدد سے تبلیغی کام کو ترقی ملی

ایک قدیم اور بہت پرانا اعتراض جو ابتداء میں تو اپنی جماعت میں بہت زوروں پر چلا، اخبارات، اشتہارات میں مخالفین نے اسے بہت اچھالا، لیکن مولانا حفظ الرحمن صاحب

رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مدنی قدس سرہٗ کی تردید کے بعد اپنی جماعتیں تو علی الاعلان اس کو ذکر نہیں کرتی تھیں لیکن ''**اذا خلا بعضھم الٰی بعض**'' اشارۃً کنایۃً اب بھی اس کی یاد دہانی کرتے رہتے ہیں۔ لیکن دوسری جماعتوں کے لوگ اس وقت بھی اپنے اشتہارات کی موٹی اور جلی سرخیوں اور رسائل میں لکھتے رہتے ہیں وہ یہ کہ اس تبلیغ کو ابتداء میں انگریزوں کی طرف سے پیسے ملتے تھے۔ یہ روایت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے مکالمۃ الصدرین سے نقل کی گئی، اس میں لکھا ہے کہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے کہا کہ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی تحریک کو بھی ابتداً حکومت کی جانب سے بذریعہ حاجی رشید احمد صاحب کچھ روپیہ ملتا تھا پھر بند ہو گیا (مکالمہ) مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی جماعت کے ذمہ دار حضرات میں اور جمعیۃ العلماء کے ناظم عمومی اور تبلیغ کے خاص معاونین میں تھے۔ ان کی شہادت ایسی نہ تھی کہ اس کو نظر انداز کر دیا جائے۔ اس لیے اس روایت نے بہت شہرت پکڑی، لیکن چند ماہ بعد جب حضرت شیخ الاسلام مدنی نوراللہ مرقدہٗ نے اس مکالمۃ الصدرین کی تردید اور اس کی روایت کی تردید میں ایک رسالہ ''کشف حقیقت'' لکھا۔ اور اس میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ کی طرف سے اپنے اس قول کی تر... ان الفاظ میں لکھی ''اس وقت فوری طور پر ایک ایسے افترا اور بہتان اور کذب بیانی کی تردید ضروری سمجھتا ہوں جس سے عمداً وقصداً مرتب صاحب نے بعض مخلصین کے درمیان معاندانہ افتراق وانشقاق پیدا کرنے اور غلط فہمی میں ڈال کر بغض وعناد کے قریب ترلانے کی سعی ناکام فرمائی ہے، میرا روئے سخن مکالمۃ الصدرین کی اس عبارت کی جانب ہے۔

(عبارت مذکورہ مکالمۃ الصدرین) ''وَکَفٰی بِا للّٰہِ شَھِیْدًا'' اس کا ایک ایک حرف افترا و بہتان ہے، میں نے ہرگز ہرگز یہ کلمات نہیں کہے اور نہ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک کے متعلق یہ بات کہی گئی۔ ''**سُبْحَانَکَ ھٰذَا بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ**'' بلکہ مرتب صاحب نے اپنی روانیٔ طبع سے ان کو گھڑ کر اس لیے میری جانب منسوب کرنا ضروری سمجھا کہ اس کے ذریعہ سے حضرت مولانا الیاس کی تحریک سے والہانہ شغف رکھنے والے ان مخلصوں کو بھی جمعیۃ

علماء ہند سے برہم اور تنقیر کرنے کی ناکام سعی کریں، جو جمعیۃ علماء ہند کے اکابر و رفقاء کار کے ساتھ بھی مخلصانہ عقیدت اور تعلق رکھتے ہیں۔

اب قارئین کرام کا اپنا فرض ہے کہ وہ اس تحریر کو صحیح قرار دیں، جس کی بنیاد شرعی اور اخلاقی احساسات کو نظر انداز کر کے محض جو جھوٹے پروپیگنڈے پر قائم کی گئی ہے یا اس سلسلہ میں میری گزارش اور تردید پر یقین فرمائیں البتہ میں مرتب کی اس بیجا جسارت کے متعلق اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتا ہوں" والی اللہ المشتکی و اللہ بصیر بالعباد "

اس کے بعد حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ تحریر فرماتے ہیں'' مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کے بیان مذکورہ کی رو میں حضرت علامہ عثمانی صاحبؒ کا ایک مختصر بیان چند سطروں میں لیگی اخباروں میں آیا تھا، جس میں مولانا موصوف نے بقیہ اراکین وفد سے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کے بیان اور اس عبارت کے انکار کی تصدیق کا مطالبہ کیا تھا اور دوسرے اعتراضات کا کوئی جواب نہ تھا' حضرت مدنی اس پر طویل کلام فرماتے ہوئے لکھتے ہیں'' مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اپنے انکار کو'' وَكَفَىٰ بِاللّٰهِ شَهِيدًا اور'' سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ ''وغیرہ کے ساتھ مؤکد فرماتے ہیں۔

ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی

اس کے بعد کشف حقیقت'' میں دوسرے بیانات کی تردید کے بعد مولانا عثمانیؒ کو خطاب کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپ تو خود ہی خوب جانتے ہیں کہ جب ۳۰ھ میں کانگریس اور جمعیۃ العلماء کی سول نافرمانی کی تحریک شروع ہوئی تھی تو حکومت کے اشارہ سے'' ترغیب الصلوٰۃ'' کے نام سے مختلف مقامات پر انجمنیں قائم کی گئی تھیں'' چنانچہ دہلی میں بھی اس انجمن کا زور شور تھا حتیٰ کی مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی نیک نیتی سے اس کو مذہبی تحریک سمجھ کر اپنے معتقدین کو اس میں شرکت کی اجازت دی تھی' یہ سلسلہ شروع ہی ہوا تھا کہ ایک روز شام کے وقت'' شہری لیگ'' کے نام سے ایک جلوس شہر میں نکلا' یہ لیگ علی الاعلان سول نافرمانی کی تحریک

کے خلاف قائم کی گئی تھی ...... اس میں مسلمانوں کو یہ دیکھ نہ صرف حیرت ہوئی بلکہ ان میں سخت غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی کہ جلوس کی ترتیب میں ''انجمن ترغیب الصلوٰۃ'' کی رضا کارانہ کور بھی نمایاں موجود ہے'' آخر جب دو چار روز کے بعد اہل شہر کی ایک مجلس میں اس واقعہ کا مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی میں ذکر آیا تو مولانا بیحد متاثر ہوئے اور نظام الدین جا کر انہوں نے سختی کے ساتھ اس رشتہ اتحاد کو درہم برہم کر کے خود کو اور اپنی جماعت کو اس سے جدا کر لیا' حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی موجودہ تحریک تو اس کے بہت عرصہ بعد منظر عام پر آئی ہے، لہٰذا کون بیوقوف اس کا ذکر کر کے صریح دروغ گو بن سکتا ہے' مگر مرتب ''مکالمہ'' کے مقاصد مشومہ نے مذکورہ بالا الفاظ کی جگہ ''مکالمۃ الصدرین'' کی پر افتراء گفتگو ایجاد کر کے شائع کر دی' جس کی بناء پر مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کو ان زوردار الفاظ میں برائت کرنی پڑی۔

''فلاحول و لاقوۃ الاباللہ العلی العظیم'' (کشف حقیقت)

یہ اشکال اعتراض پرانا بھی ہو گیا اور اپنی جماعت میں ختم بھی ہو گیا۔ مگر چونکہ ''مکالمۃ الصدرین'' کی روایت کو اب بھی بعض مخالفین مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کر کے جلی الفاظ میں شائع کرتے ہیں اس لیے مجھے اس کے ذکر کرنے کی ضرورت پڑی بلکہ اپنی اس تحریر کی بھی زیادہ ضرورت یہی ہوئی کہ میری کسی تحریر سے غلط فہمی پیدا نہ کی جائے۔

اشکال نمبر ۱۴: حضرت تھانویؒ کی کتابیں تبلیغ میں کیوں نہیں؟

ایک جدید اور تازہ اعتراض جو آج تک کبھی کان میں نہیں پڑا۔ ایک دوست نے مجھے سنایا کہ ایک رسالہ میں یہ لکھا ہے کہ یہ لوگ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کی کتابوں سے روکتے ہیں' ایک اور زیادہ افسوسناک یہ سانحہ ہے کہ ایک عالم اگر چہ وہ اپنی تلون مزاجی کے لیے کافی مشہور ہیں' مگر تاہم ان کا شمار اور زور قلم حلقہ علماء میں ہے۔ اور خود تو معلوم ہوا کہ وہ ہندوستان

و پاکستان کے وسیع حلقہ میں بالخصوص افتاء میں ''ثالث ثلثہ'' ہونے کے مدعی ہیں اپنے مکتوب میں ایک صاحب مقیم جدہ کو تحریر فرماتے ہیں کہ ''مولانا تھانوی کی کتابیں نہ دیکھی جائیں۔ انتہی بلفظہ

اس اعتراض کا پہلا جز و دوسرے عام اعتراضات کی طرح سے گول مول جماعت کی طرف منسوب کیا گیا ہے، جماعت کے افراد اب ہزاروں لاکھوں تک نہیں بلکہ اب کروڑوں سے متجاوز ہو گئے جہاں تک میری معلومات ہیں دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں ہوگا جہاں تبلیغی جماعت نہ گئی ہو اور جہاں کے لوگ تبلیغی کام میں مشغول نہ ہو رہے ہوں۔ اس لیے یہ گول الزام تو دوسرے الزامات کی طرح سے قابل التفات نہیں۔ کس کس سے تحقیق کی جائے بالخصوص جبکہ تبلیغ کے نصاب میں حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے بہشتی زیور کو ہر شخص پڑھتا ہے پڑھنے کی تاکید کی جاتی' اور حضرت دہلوی کا مشہور ارشاد ہے'' جو بیسیوں جگہ شائع ہو چکا ہے کہ تعلیم حضرت تھانوی کی ہو اور طرز میرا ہو۔ نیز تبلیغی نصاب میں خاص طور سے جزاءُالاعمال کی تاکید کثرت سے ہے'' مکتوبات میں بار بار اس پر تاکید ہے'' ایک مکتوب میں ہے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ محکمہ تبلیغ سے ایک نصاب مقرر کیا جائے' اس سلسلہ کے ترقی پکڑ جانے پر آپ جیسے اہل علم کے مشورہ کی ضرورت ہوگی بالفعل میں نے نارسا طبیعت سے پانچ کتابیں تجویز کر رکھی'' ان میں سب سے پہلے جزاءُالاعمال ہی کا ذکر ہے۔

ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں بندہ اس چیز کا بہت متمنی ہے کہ تبلیغ کے سلسلہ کی یہ چند کتابیں ان کے ساتھ تبلیغ کی لائن میں قدم دھرنے والوں کے ساتھ ہوں وہ کتب حسب ذیل ہیں جواب تک تجویز ہو چکی ہیں۔ جزاءالاعمال' چہل حدیث وغیرہ۔ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ امکنہ تبلیغ میں امور ذیل کی کتابوں کا رچ جانا بہت ضروری ہے۔ جزاءالاعمال وغیرہ۔

ایک جگہ لکھتے ہیں کہ'' تبلیغ کے سلسلہ میں میرا جی چاہتا ہے کہ ایک نصاب مقرر ہو کر وہ ہر ہر شخص کے رگ و پے میں سما جاوے'' جس کو یوں جی چاہتا ہے کہ اگر ایک شخص پڑھا لکھا ہے اول تنہائی میں دیکھا کرے اور پھر سنایا کرے اور اس میں جو اعمال ہوں اس پر اول اپنے آپ کو جمانے کی کوشش

کرے اس کو مجمع میں پھیلا دے، بالفعل پانچ کتابوں کا اہتمام ہے راہ نجات، جزاء الاعمال وغیرہ۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے متوسلین سے ملتے رہیں

ایک مکتوب میں جس میں کارکنان میوات کے لئے اہم ہدایات لکھی ہیں اس میں ۹ نمبر یہ ہے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے منتفع ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ان کی محبت ہو اور ان کے متعلقہ آدمیوں سے اور ان کی کتابوں کے مطالعہ سے منتفع ہوا جاوے۔ ان کی کتابوں کے مطالعہ سے علم آوے گا اور ان کے آدمیوں سے عمل۔

حضرت دہلوی نور اللہ مرقدہٗ نے حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے وصال کے بعد جو تعزیتی خطوط اپنے احباب کو لکھے ہیں ان میں حضرت نور اللہ مرقدہٗ کے ایصال ثواب کی تاکید و ترغیب اور تعلیمات کی توسیع کی کوشش کو لکھا ہے ایک صاحب حضرت تھانوی کے لوگوں میں ملاقات کے لیے تشریف لائے تو حضرت دہلوی نے فرمایا ''جن حضرات کا حلقہ محبت اتنا وسیع ہو جتنا کہ ہمارے حضرت تھانوی قدس سرہٗ کا تھا چاہئے کہ ان کی تعزیت عامہ کی فکر کی جائے، میرا جی چاہتا ہے کہ اس وقت حضرت کے تمام تعلق رکھنے والوں کی تعزیت کی جائے اور خاص طور سے یہ مضمون آج کل پھیلا یا جائے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق بڑھانے، حضرت کی برکات سے استفادہ کرنے اور ساتھ ہی حضرت کے ترقی درجات کی کوششوں میں حصہ لینے اور حضرت کی روح کی مسرتوں کو بڑھانے کا سب سے اعلیٰ اور محکم ذریعہ یہ ہے کہ حضرت کی تعلیمات حقہ اور ہدایات پر استقامت کی جائے۔ اور ان کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے کی کوشش کی جائے۔'' (ملفوظات دہلویؒ)

عجیب اعتراض

البتہ اس اعتراض کا دوسرا جزو سانحہ عظیم جو لکھا ہے یہ اعتراض سب سے پہلے اسی مرتبہ کان میں پڑا۔ اتفاق سے جس وقت مجھے یہ الفاظ سنائے جا رہے تھے تو مولانا ...... میرے پاس تشریف فرما تھے۔ ان الفاظ کو سن کر انہوں نے بھی بہت استعجاب کیا اور کہا کہ یہ

اعتراض آج تک کبھی کان میں نہیں پڑا اتفاق سے اسی دوران میں اکابر نظام الدین تشریف لائے تو انہوں نے بھی یہی فرمایا کہ یہ واقعہ ہمارے کانوں میں کبھی نہیں پڑا۔ میں نے قرب وجوار کے مفتیان سے پوچھا کہ تم میں سے اس کا مصداق کون ہے تو ہر شخص نے اس واقعہ سے لاعلمی اور تبری ظاہر کی تو میں نے ایک جوابی کارڈ معترض صاحب کو لکھا جس میں ان متلون مزاج عالم کا نام دریافت کیا اور جدہ کے ان صاحب کا پتہ پوچھا جن کے نام یہ خط لکھا گیا۔ اس کا مضمون یہ تھا۔

عنایت فرمایم سلمہ بعد سلام مسنون' پرسوں کی ڈاک سے آپ کا مرسلہ ایک رسالہ پہنچا، یہ ناکارہ اپنی صحت وقوت کے زمانہ میں تو ہر موافق ومخالف چیز پڑھنے کا بڑا شوقین تھا۔ لیکن اب کئی سال سے امراض کی کثرت اور آنکھوں کی معذوری کی وجہ سے ضروری خطوط کا سننا اور لکھوانا بھی مشکل ہے' میرے ایک دوست نے بتلایا کہ اس میں نظام الدین کی تبلیغ کے متعلق کچھ معروضات آپ نے تحریر فرمائی ہیں۔ اس لیے میں نے مختلف اوقات میں تھوڑا تھوڑا سنا۔

اس میں کوئی نئی بات ایسی نہ تھی جواب تک اشتہارات واخبارات اور خطوط میں مختلف علماء سے سوال وجواب نہ ہو چکے ہوں اور ان کے جوابات مختلف علماء کی طرف سے کثرت سے شائع نہ ہو چکے ہوں، البتہ صرف ایک بات اس میں نئی سنی جو نہ اب تک کان میں پڑی تھی اور تحقیق سے معلوم ہوا وہ یہ کہ نظام الدین کے احباب اور تبلیغی احباب میں سے کسی کے کان میں یہ روایت پہنچی ہو' آپ نے اس رسالہ کے صفحہ نمبر ۱۰ پر بالخصوص جماعت کی طرف یہ منسوب کیا ہے کہ یہ لوگ حضرت تھانویؒ کی تصانیف سے روکتے ہیں اس سلسلہ میں مجھے جماعت کے ان افراد کے نام کی ضرورت ہے جو حضرت حکیم الامۃ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں سے روکتے ہیں کہ میں ان سے اس کا جواب طلب کروں۔

اس میں آپ نے ایک عالم صاحب کا ذکر کیا کہ وہ اپنے مکتوب میں ایک صاحب مقیم جدہ کو تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت تھانویؒ کی کتابیں نہ دیکھی جائیں'' مجھے ان عالم صاحب کے نام کی بھی ضرورت ہے کہ میں ان سے اس کا استفسار کروں اور جدہ کے ان صاحب کا

پتہ چاہئے جن کے نام یہ خط لکھا گیا ہے' ایک صاحب کے خط پر آپ کو ساری جماعت تبلیغ پر یہ سنگین الزام لگانا بندہ کے ناقص فہم سے بالا ہے۔ اس کے متعلق بجائے رسالہ میں اشاعت کے آپ کو مرکز والوں کو اور خاص طور سے اس ناکارہ کو پہلے خط سے متنبہ کرنا چاہئے تھا تا کہ ان عالم صاحب سے اس کا منشا دریافت کرتا۔ اگر واقعی آپ کی نیت نیک تھی اور اصلاح مقصود تھی بالخصوص جبکہ بانی تحریک کا یہ مشہور مقولہ تو آپ نے بھی اپنے رسالہ میں بار بار دہرایا ہے اور اہل بدعت بھی اس کو اپنے اشتہارات میں بڑے جلی عنوانات سے شائع کرتے ہیں کہ تعلیم حضرت حکیم الامۃ کی اور طریق کار میرا' ایسی حالت میں ایک شخص کے مقولہ کو جماعت کی طرف منسوب کرنا دیانۃً تو کہاں تک صحیح تھا' اس سے تو آپ خود ہی واقف ہوں گے اور اگر کسی شخص نے اپنے کسی نجی خط میں کسی مصلحت سے یا حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کے ساتھ تعلق کی کمی سے ایسا لکھا تو بانی تحریک کے بار بار کے ارشادات کے خلاف جماعت کی طرف اس کو منسوب کرنا بندہ کے خیال میں تو حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کیساتھ بھی آپ نے ادب کا معاملہ نہیں کیا' اس لیے کہ جماعت تبلیغ اب ہندوستان و پاکستان میں نہیں حجاز' عراق' لندن' امریکہ' افریقہ' برما وغیرہ سارے ہی ملکوں میں پھیل چکی ہے اور ساری دنیا نہ تو حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کی معتقد ہے اور نہ اکابر میں کوئی بھی ایسا ہے جس کی ساری دنیا معتقد ہو اس لیے آپ نے غیر معتقد لوگوں کے لئے حجت پیش کی ہے کہ تبلیغ والے بھی حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کی تصانیف سے روکتے ہیں' بہر حال ان کا تب اور مکتوب الیہ کے نام سے بواپسی مطلع فرمادیں۔ والسلام زکریا

شب ۷ اصفر ۹۲ھ

اس کے جواب میں وہی عمومی الزامات دہرائے گئے جس کے متعلق پہلے بھی لکھا جاچکا ہے میں نے بعض دوسرے احباب سے بھی ان متلون مزاج مفتی صاحب کی تحقیق کرنی چاہی کہ میں ان مفتی صاحب سے براہِ راست دریافت کروں مجھے اس میں کامیابی نہ ہوسکی' عرصہ کے بعد ایک ایسے صاحب کا نام معلوم ہوا جو اتفاق سے جس دن یہ رسالہ سب سے پہلے مجھے سنایا

جار ہا تھا اس وقت میرے پاس موجود تھے۔ انہوں نے بھی بڑے استعجاب اور حیرت سے اس مضمون کو سنا اور ایسے شخص سے اپنی لاعلمی ظاہر کی جو حضرت تھانوی کی کتابوں سے روکتا ہو' مجھے جدہ کے ان صاحب کا پتہ بتانے سے انکار کر دیا گیا کہ میں براہِ راست ان صاحب سے اس خط کی تحقیق کرتا۔

جماعت کا فیضان

باقی جماعت کے افراد میں ہر نوع کے آدمیوں کا ہونا سب ہی کو معلوم ہے۔ وہ جاہل جو دین سے بالکل ناواقف نمازوں سے بے خبر آداب مشائخ سے کہاں واقف ہو سکتے ہیں' حضرت دہلوی نور اللہ مرقدہٗ کے ملفوظات میں متعدد جگہ یہ مضمون ہے کہ ہماری تبلیغی جماعت تو دھوبی کی بھٹی ہے اس میں ہر قسم کے پاک ناپاک' کپڑے پڑتے ہیں۔ اور صاف ہوتے ہیں اور اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ لاکھوں نہیں کروڑوں کی دینی حالت بہتر سے بہتر ہو گئی' ہزراوں نہیں لاکھوں ایسے ہیں جو کلمہ' نماز کو بھی نہیں جانتے تھے وہ تہجد گزار و ذاکر بن گئے' جو لوگ اپنے احوال کے اعتبار سے کفر کے قریب پہنچ گئے تھے وہ اس کی برکت سے مشائخ سلوک میں داخل ہو گئے۔ حضرت حکیم الامۃ' شیخ الاسلام حضرت مدنی' حضرت اقدس رائپوری نور اللہ مرقدہم کے مجازین میں داخل ہو گئے۔ یہ خیال کہ جو شخص جماعت میں نام لکھوالیتا ہے وہ اخلاق فاضلہ سے فوراً مزین ہو جاتا ہے کس کی عقل میں آ سکتا ہے اخلاق کی درستی کے لیے تو سالہا سال مجاہدات کرنے پڑتے ہیں اور جماعت میں شریک ہونے والوں کے سابقہ حالات معلوم ہونا ضروری ہیں کہ اس کا اگر تعلق پہلے حضرت تھانوی قدس سرہٗ سے تھا بعد میں تبلیغ میں داخل ہونے سے عقیدت میں کمی ہوئی تب تو جماعت پر الزام آ سکتا ہے لیکن جو شخص پہلے ہی سے سخت مخالف ہو اس کی مخالفت کو تبلیغ کی طرف منسوب کرنا یہ تو صریح تعصب اور تبلیغ کی مخالفت ہے۔

اس سے کون شخص انکار کر سکتا ہے کہ لیگ و کانگریس کی زور کے زمانہ میں دونوں

طرف کے عوام نہیں بلکہ کم درجہ علماء بھی ایک دوسرے سے متنفر اور سخت سے سخت گالیاں دینے والے تھے اور دونوں کی کتابوں کو پڑھنا تو در کنار ہر دو فریق کی کتابوں کا نام بھی گوارانہ تھا۔ اور تبلیغی جماعت میں دونوں طرح کے حضرات کثرت سے شریک تھے۔

میرا تو تجربہ ہے اور انشاء اللہ اس سے کسی کو بھی انکار نہ ہوگا کہ تبلیغی جماعت میں شریک ہونے کے بعد عصبیت اور گروہ بندی میں نمایاں کمی ہوئی' میں پہلے اعتراض میں لکھ چکا ہوں کہ نہ صرف مجھ سے بلکہ اکابر علماء سے بہت سے لوگوں نے خود اس کا اعتراف کیا ہے کہ ہم تو علماء سے اتنے بدظن تھے کہ ملنا بھی گوارانہ تھا۔ اور اب ہم اس تبلیغ کی برکت سے آپ حضرات کے خادم بنے کھڑے ہیں' نیز بہت جدوجہد کے بعد ان صاحب نے متلون مزاج عالم کا نام مجھے بعد میں لکھا وہ اتفاق سے غیر ملکی سفر میں تھے۔ میں نے ان سے بھی بذریعہ خط دریافت کیا۔ عرصہ کے بعد ان کے بیک وقت دو گرامی نامے سفر ہی سے پہنچے۔ جس میں بہت زور وشور سے اپنے الزام کی تبری کی وہ مکتوب نمبرا میں لکھتے ہیں کہ "اس عبارت میں اگر فتوے والی عبارت نہ ہوتی تو میں اس کو اپنے ہی بارہ میں سمجھتا' مگر فتوے کی بات سے ہی شبہ ہوا کیونکہ میں فتویٰ نویسی سے ہمیشہ سے گریز کرتا ہوں معلوم نہیں میرے بارے میں ان صاحب کو یہ غلط فہمی کیوں ہوئی اور کسی بزرگ نے ان کو یہ بتلایا۔ بہرحال اب یہ بات بالکل متعین ہے کہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ میں چونکہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کو اصلاح کے لیے بہت مفید اور خاص کر علماء کے لیے ان کا مطالعہ بہت ضروری سمجھتا ہوں اس لیے پورے یقین سے اس کی تردید کر سکتا ہوں کہ میں نے ایسی بات کبھی نہیں لکھی۔ زیادہ سے زیادہ یہ ممکن ہے کہ کسی نے مجھ سے جماعتوں میں تعلیم کے لیے مشورہ کیا ہو تو میں نے فضائل کے لئے کہا ہو' میں اس میں صرف تبلیغ کی مصلحت سمجھتا ہوں اور انشاء اللہ اس بارہ میں ہر ایسے آدمی کو مطمئن کر سکتا ہوں جو مخلص ہو اور سمجھنا چاہے یہ واقعہ ہے کہ فضائل کی کتابوں سے ہزاروں اللہ کے بندوں کو ولایت حاصل ہوئی ہے جدہ میں کسی صاحب سے میری خط و کتابت نہیں ہے' ایک صاحب کی طرف خیال جاتا ہے کہ شاید ان سے یہ بات چلی ہو' واپسی

میں ان سے بات کروں گا۔

دوسرے خط میں لکھتے ہیں کل ایک خط ہوائی اڈہ پر جاتے ہوئے لکھا تھا وہ ناقص رہ گیا تھا' جو بات میری طرف منسوب کی گئی ہے وہ اس لئے بھی قطعاً غلط ہے کہ میں عام طور سے لوگوں کو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کے مطالعہ کا مشورہ دیتا ہوں' یہ مشورہ عام تقریروں میں بھی دیتا ہوں اور تبلیغی کام سے اپنے تعلق کے آغاز سے اس وقت تک مجھے کوئی دور ایسا یاد نہیں جب میرا یہ حال اور ذوق نہ رہا ہو' مجھے حضرت تھانوی کی کتابوں سے ذاتی مناسبت ہے' میری قطعیت کے ساتھ یہ رائے ہے کہ تبلیغی کام کی مصلحت کا تقاضہ یہی ہے کہ اس کی تعلیم کے نظام میں حضرت کے یہ فضائل پڑھے جائیں' بعض لوگوں نے مجھ سے میری کتابوں کے متعلق کہا۔ میں نے ان سے کہا کہ پھر یہ سوال اٹھے گا کہ مولانا طیب صاحب، مولانا سعید احمد اکبر آبادی یا مولانا علی میاں کی کتابیں کیوں نہ پڑھی جائیں۔ اسی طرح اگر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں جماعت کے تعلیمی نظام میں رکھی جائیں تو ایک حلقہ کی رائے ہوگی کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات بھی رکھے جائیں اور نقشبندی سلسلہ کے لوگ چاہیں گے کہ حضرت امام ربانی یا خواجہ معصوم یا اسی سلسلہ کے دیگر اکابر کی تصانیف یا مکتوبات پڑھے جائیں اور امت کے موجودہ مزاج کے تجربہ کی بنا پر یقین ہے کہ اس مسئلہ پر انتشار تنازع اور کشمکش کی نوبت آئیگی۔ اس لیے سلامتی اس میں ہے اور اسی میں خیر ہے کہ بس فضائل کی یہ کتابیں پڑھی جائیں اور ان کتابوں کی تاثیر وافادیت اور مقبولیت الحمدللہ تجربہ اور مشاہدہ میں آ چکی ہیں۔ فقط۔

اشکال نمبر ۱۵: دینی نفع کے لئے ہر شخص کو کیوں ملا جاتا ہے

حضرت دہلوی پر ایک اعتراض یہ ہے کہ وہ ہر قسم کے لوگوں سے ملتے ہیں خود حضرت دہلوی کا ارشاد ہے کہ ہمارے بعض خاص حضرات میرے اس رویہ سے ناراض ہیں کہ میں اس دینی کام کے سلسلے میں ہر طرح اور ہر وضع کے لوگوں اور مسلمانوں کے ہر گروہ کے آدمیوں

سے ملتا ہوں' اور ملنا چاہتا ہوں اور اپنے لوگوں سے بھی ان کے ساتھ ملنے جلنے کو کہتا ہوں لیکن میں اپنے خاص حضرات کی اس ناراضی کو سہنا اور ان کو معذور قرار دیتے ہوئے ان کو بھی اس طرف لانے کی پوری سعی کرتے رہنا شکر واجب کا ایک جزو سمجھتا ہوں۔ ع

چوں حق بر تو پاشد تو برخلق پاش

ان حضرات کا خیال ہے کہ یہ طرز عمل ہمارے حضرت نور اللہ مرقدہٗ کے طریقہ اور مذاق کے خلاف ہے' لیکن میرا کہنا یہ ہے کہ جس چیز کا دین کے لئے نافع اور نہایت مفید ہونا دلائل اور تجربوں سے معلوم ہو گیا اس کو صرف اس لئے اختیار نہ کرنا کہ ہمارے شیخ نے یہ نہیں کیا' بڑی غلطی ہے۔ (ملفوظات حضرت دہلویؒ)

اس ملفوظ میں بات نہایت اہم اور قابل لحاظ ہے کہ حضرت دہلوی کا یہ ارشاد کہ جس کام کا حق ہونا محقق ہو جائے اس کو صرف اس وجہ سے نہ کرنا کہ ہمارے شیخ نے نہیں کیا یہ ہر شخص کا کام نہیں خود اسی شخص کا کام ہے جو خود بھی شیخ المشائخ کے درجہ تک پہنچ گیا ہو ورنہ ہم جیسے عامیوں کے لئے یہ درجہ حاصل نہیں، حضرت قطب الارشاد گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ نے بہت سے امور ایسے کئے جو ان کے شیخ نے نہیں کئے تھے اور بعض امور میں حضرت حکیم الامۃ نے بھی اپنے شیخ کے بعض اعمال میں اتباع ترک کر کے حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کا اتباع کیا۔ اس لیے تو مسئلہ بہت اونچا ہے اور باریک ہے حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے تذکرۃ الرشید جلد ثانی میں اس مضمون کو بہت بسط و تفصیل سے لکھا ہے' جہاں حضرت امام ربانی نور اللہ مرقدہٗ نے حذاقت امراض کی تشخیص اور اس کا علاج لکھا ہے یہاں ساری تفصیل اور توضیح کی گنجائش نہیں مجھے تو اس وقت اس مضمون کو بیان کرنا تھا کہ عمومی اعتراضات سے نہ تو کوئی جماعت خالی اور نہ اکابر میں سے کوئی خالی ہے۔

اشکال نمبر ۱۶: تبلیغ والے اعتراضات کا جواب کیوں نہیں دیتے؟

تبلیغ والوں پر یہ بھی ایک مستقل اعتراض ہے کہ وہ معترضین کے اعتراضات کی

طرف التفات نہیں کرتے' میرے نزدیک یہ اعتراض لغو ہے۔ اس لیے کہ بلاتعین گول مول اعتراض کی طرف کون توجہ کرسکتا ہے بالخصوص تبلیغی حضرات کو تو اپنے مشاغل کے ہجوم کی وجہ سے اتنی فرصت نہیں رہی کہ ایسے لغو اعتراضات کہ ''تبلیغ والے ایسا کرتے ہیں'' کی طرف التفات کریں اکابر نے بھی کبھی التفات نہیں کیا۔ حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ پر ہمیشہ کتنے اعتراضات کی بوچھاڑ ہر طرف سے رہی حضرت کا ارشاد ہے کہ اعتراض سے تو انسان کسی حالت میں بھی نہیں بچ سکتا نیک ہو یا بد' عالم ہو یا جاہل ہو بس اسلم یہ ہے کہ معترضین کو بکنے دیں اور جو سمجھ میں آوے کرے۔ (از: طویل ملفوظ: افاضاتِ یومیہ)

حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ کا مستقل رسالہ حکایات الشکایات کبھی پڑھا تھا اور میرے کتب خانہ میں موجود بھی ہے مگر اس وقت وہ تو نہیں ملا البتہ اس کی تمہید جو چند ماہ ہوئے الامداد سے اس ناکارہ نے حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ کے رسالہ ''خوان خلیل'' کے ضمیمہ میں نقل کی تھی یہ ہے۔ بعد حمد صلوٰۃ کے یہ احقر عرض رسا ہے کہ ایک مدت دراز سے مجھ پر عنایت فرماؤں کی طرف سے بے جا اعتراضوں کی بوچھاڑ ہے جن میں سے اکثر کا سبب تعصب و تخرب ہے جس کے جواب کی طرف احقر نے اس لیے کبھی التفات نہیں کیا کہ میں نے ان اعتراضوں کو قابل التفات نہیں سمجھا نیز یہ بھی خیال ہوا کہ آجکل جواب دینا قاطع اعتراض نہیں ہوتا بلکہ اور زیادہ مطول کلام ہو جاتا ہے' تو وقت بھی ضائع ہوا اور غایت بھی حاصل نہیں ہوئی۔ تیسرے مجھ کو اس سے زیادہ اہم کام اس کثرت سے رہے کہ اس کام کے لئے مجھ کو وقت بھی نہیں مل سکتا تھا' چوتھی میں نے جہاں تک دل کو ٹٹولا ایسے اعتراضوں کے جوابوں میں نیت اچھی نہیں پائی میں اہل خلوص کو کہتا نہیں مگر مجھ جیسے مغلوب النفس کی نیت تو زیادہ یہی ہوتی ہے کہ جواب نہ دینے میں معتقدین کم ہو جائیں گے۔ شان میں فرق آ جائے گا' جس کا حاصل ارضاء عوام ہے سو طبعاً مجھ کو اس مقصود یعنی ارضاء عوام میں غیرت آتی ہے۔ بہت طویل مضمون ہے جس میں حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ نے بے جا اعتراضات کی طرف توجہ نہ کرنے کا اپنا معمول اور ترغیب فرمائی ہے۔

حضرت تھانویؒ اور اعتراضات کا حل

ایک مرتبہ ایک گمنام خط حضرت کی خدمت میں آیا۔ حضرت حکیم الامتؒ نے ارشاد فرمایا کہ جوابی تو ہے نہیں جس کے جواب کی ضرورت ہو اس کو علیحدہ رکھئے‘ پڑھنے کی بھی ضرورت نہیں ایک تو ۔ نے لا یعنی حرکت کی اور ایک میں لا یعنی حرکت کروں کہ اس کو سنوں‘ ۔ مخواہ اپنا جی خراب کروں چنانچہ بلا سنے ردی میں رکھوا دیا‘ پھر فرمایا کہ متو ضلع اعظم گڈھ میں دوران وعظ میں ایک شخص نے ایک پرچہ لاکر مجھ کو دیا اور دیتے ہی چلا گیا۔ میں نے بعد وعظ وہیں پر چراغ میں بلا پڑھے اس کو جلا دیا‘ ایک صاحب کہنے لگے بلا پڑھے جلا دینے کو آپ کا جی کیسے مانا؟ ہم کو تو بے پڑھے کبھی صبر نہ آتا۔ میں نے کہا کہ جی عقل کی تو یہی بات ہے کیونکہ اگر جواب کی ضرورت ہوتی تو وہ بلا جواب کیسے چلا جاتا پھر میرے پڑھنے کی کیا ضرورت تھی کیونکہ نہ معلوم اس میں گالیاں لکھی تھیں یا نہ جانے کیا بلا لکھی ہو۔ (حسن العزیز)

ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں لوگ بے جانے اور بے سمجھے اعتراض کر دیتے ہیں‘ پہلے ایک چیز کو دیکھو سمجھ لو اور اگر وہ چیز قالی نہ ہو تو اس کو اکتساب کرنے کے بعد کہو جو کچھ کہنا ہے‘‘ یہ ناکارہ بھی عمومی اعتراض کرنے والوں سے یہ پوچھا کرتا ہے کہ یہ اعتراض آپ نے خود ملاحظہ فرمایا سنا ہوا ہے‘ آپ نے کتنے دن نظام الدین قیام فرمایا اور کتنے چلوں میں باہر گشت کیا تاکہ وہاں کے حالات مشاہدہ اور تجربہ صحیح ہوتا حضرت حکیم لامۃ قدس سرہٗ دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں‘ آپکے سارے شبہات کسی کے پاس رہنے سے رفع ہونگے کسی جگہ آپ کو رہنا چاہئے اور سارے شبہات دفعتہً پیش کر کے دو مہینے تک زبان بند رکھیں یہ طریقہ ہے اور اس کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ کوئی شخص مل گیا اس کے سامنے شبہات پیش کر دیئے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے علیحدہ ہو کر پھر شبہات تازہ ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح شبہ بھی وہی معتبر ہوتا ہے جو کام کرنے کے بعد ہو اس سے پہلے ہوائی شبہات ہوتے ہیں۔ میں نے موتمر الانصار کے جلسہ میں میرٹھ کے اندر

علی الاعلان کہہ دیا تھا کہ جن صاحبوں کو شبہات پیش آتے ہیں وہ چالیس روز ہمارے پاس رہیں اور سارے شبہات ایک پرچہ پر لکھ کر دیں۔ اور اس عرصہ تک زبان بند رکھیں انشاء اللہ سارے شبہات حل ہو جائیں گے' طویل ملفوظ ہے۔ (حسن العزیز)

جناب الحاج قاری طیب صاحب نے ایک تبلیغی اجتماع میں جو سہارنپور ہی میں ہوا تھا فرمایا کہ اعتراضات تو وہ قابل قبول ہیں جو کام میں گھس کر کئے جائیں اور جو باہر بیٹھ کر اعتراضات کرے وہ قابل قبول نہیں ہوا کرتے اگر اندر گھس کر کوئی اعتراض کرے تب تو ٹھیک ہے۔ لیکن اندر گھسنے والا کوئی اعتراض کرتا نہیں کیونکہ داخل ہونے کے بعد اسے کام کا فائدہ معلوم ہو جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ سب باہر کے اعتراضات ہیں جو قابل قبول نہیں طویل مضمون جو رسالہ ''کیا تبلیغی کام ضروری ہے'' میں موجود ہے۔ ایک جگہ حضرت تھانوی کا ارشاد ہے کہ یہ زمانہ نہایت ہی پرفتن ہے جو غریب اپنے مسلک اور مشرب اور اپنے بزرگوں کے طرز پر رہے اور سلف کا مذہب اختیار کرے سب اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جاتے ہیں' کسی طرح چین نہیں لینے دیتے چنانچہ اس جرم میں میرے حال پر بھی بعض کی عنایت ہے' مگر الحمد للہ میں التفات بھی نہیں کرتا بولنا مجھ کو بھی آتا ہے زبان اللہ نے مجھ کو بھی دی اللہ نے قلم بھی میرے ہاتھ میں دیا ہے لیکن میں اس طرز ہی کو پسند نہیں کرتا (افاضات)

ایک جگہ ارشاد ہے کہ معترضین کے کہنے کا خیال کیا جائے تو زندگی محال ہے اس واسطے آدمی کو چاہئے کہ اپنا معاملہ حق تعالیٰ کے ساتھ صاف رکھے اور دنیا کو بکنے دے کوئی کچھ کہا کرے۔ (حسن العزیز)

حضرت نظام الدین تو چچا جان نور اللہ مرقدہٗ کی تمنا پر عمل کرتے ہوئے کہ تعلیم حضرت تھانویؒ کی ہو اور طریق کار میرا اعتراضات کے جواب کی طرف التفات بھی نہیں کرتے۔ اور لوگوں کو اس پر غصہ آتا ہے کہ ہمارے اعتراض کی طرف التفات نہیں کیا۔ حالانکہ ان لوگوں کو اس میں نہ تصنع ہے نہ رعایت ان فضولیات کی فرصت بھی نہیں سینکڑوں کی آمد ورفت کا سلسلہ تو روز انہ کا ہے اور بعض اوقات نئے آنے والوں کا سلسلہ تو ہزار سے بھی متجاوز ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں وہ کام کریں یا گول مول اعتراضوں کے جوابات کی طرف التفات

کریں ان کو واقعی التفات نہیں کرنا چاہئے کہ بقول حضرت تھانوی کے ان کے پاس دینی اہم کام بہت زیادہ ہیں' البتہ دوسرے اکابر اہل علم نے ان عمومی اعتراض کے اپنی تقاریر اور تحریروں میں بیسیوں جوابات دے دیئے ہیں' بالخصوص جناب الحاج قاری طیب صاحب خلیفہ حضرت حکیم الامتؒ نے مولانا محمد منظور نعمانی نے مفتی محمود حسن صاحب صدر مفتی درالعلوم دیو بند نے اور دیگر اکابر نے بھی جو مختلف رسائل میں مفصل شائع ہو چکے ہیں بالخصوص ''کیا تبلیغی کام ضروری ہے'' میں ان حضرات اکابر کی تقریرات اور تحریرات جمع کردی گئی ہیں اور مولانا منظور صاحب کے جوابات تو الفرقان کے رسالہ میں بہت کثرت سے شائع ہوتے رہے ہیں' مستقل مضامین اعتراضات کے جوابات میں بہت مفصل تحریر فرمائے ہیں' اور کچھ عمومی اعتراضات یہ ناکارہ بھی اس رسالہ کے شروع میں لکھوا چکا ہے جو عامۃ الورود ہیں۔

جماعت میں جائیں تو یہ احتیاط رکھیں (ہدایات)

جہاں تک نظام الدین کے حضرات کا تعلق ہے وہ تو اپنی طرف سے احتیاطوں میں کمی نہیں کرتے جس کو وہی جانتا ہے جو وہاں کچھ قیام کر چکا ہو' یا اجتماعات میں شریک ہوا ہو یا کسی جماعت کی روانگی کے وقت کی ہدایات سن چکا ہو' جس میں روانہ ہونے والوں کے لیے اکابر علماء کے احترام اور رفقاء کے ساتھ برتاؤ' رفقاء کی راحت وآرام کی کوشش' کسی رفیق کی چیز بھی بلا اجازت نہ لینا اور اجازت پر لینے کے باوجود فراغ پر جلدی واپس کر دینا' ایسی چھوٹی باتوں پر تنبیہات ہوتی ہیں جن پر عام طور پر توجہ بھی نہیں۔ یہ الوداعی ہدایات کم سے کم آدھ گھنٹہ اور بعض اوقات ایک بلکہ دو گھنٹے تک طویل ہو جاتی تھیں اور ہو جاتی ہیں' صرف ایک اجتماع کی ہدایات کو عزیز مولوی محمد ثانی سلمہ نے مولانا محمد یوسف صاحب کی سوانح کے آخر میں جمع کیا وہ خود مستقل دس صفحے کا مضمون ہے پورا نقل کرنا تو دشوار ہے اس کے آخر میں چند ضروری امور مختصراً ذکر کئے گئے ہیں۔

وہ فرماتے ہیں کہ نکلنے کے زمانے میں بس چار کاموں میں اپنے کو مشغول رکھنا

ہے،سب سے پہلی چیز ہے ایمان ویقین کی اور ایمان والے اعمال کی دعوت' اور اس دعوت کے لیے عمومی گشت ہوں گے خصوصی گشت ہونگے' جن کے اصول وآداب گشت کے لیے نکلتے وقت بتلائے جائیں گے ان کو دھیان سے سنا جائے' پھر جب آپ دعوت کے لیے گلیوں اور بازاروں میں نکلیں گے تو شیطان آپ کو وہاں کے نقشوں کی طرف متوجہ کریگا۔ اسلئے سب سے پہلے دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ شیطان ونفس کے شرور سے بچائے۔ اور اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے کی توفیق دے پورے گشت میں اس کا اہتمام رہے کہ بس اللہ کے جلال اور جمال پر اور اسکی صفات عالیہ پر نظر رہے نگاہیں نیچی رہیں اور اپنا مقصد نگاہ کے سامنے رہے' جس طرح جب کسی مریض کو ہسپتال لیکر جاتے ہیں تو خود مریض اور اس کے ساتھی ہسپتال کی عالیشان عمارتوں کو دلچسپی سے نہیں دیکھتے بلکہ ان کے سامنے بس مریض کا علاج ہوتا ہے' خصوصی گشت میں اگر دیکھا جائے کہ وہ صاحب جن سے آپ ملنے گئے ہیں اس وقت توجہ سے بات سننے کو تیار نہیں ہیں تو مناسب طریقہ سے جلدی بات ختم کر کے ان کے پاس سے اٹھ جانا چاہئے' اور اگر دیکھا جائے کہ وہ صاحب متوجہ ہیں تو پوری بات ان کے سامنے رکھنا چاہئے' خصوصی گشت میں اکابر کے پاس اگر جایا جائے تو صرف دعاء کی درخواست کی جائے اور ان کی توجہ دیکھی جائے تو کام کا کچھ ذکر کر دیا جائے۔

نمبر۲: جب تعلیم کے لئے بیٹھیں تو نہایت ادب سے بیٹھیں دل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے علم کی عظمت سے دبا ہوا ہو۔ نمبر۳ و نمبر۴ جو وقت دعوت اور تعلیم سے خالی ہو اور کوئی دوسرا ضروری کام بھی اس وقت میں نہ ہو اسمیں نوافل پڑھے جائیں یا قرآن مجید کی تلاوت کی جائے یا تسبیح میں مشغول کیا جائے یا اللہ کے کسی بندہ کی خدمت کی جائے یہ چار کام اس پورے زمانہ میں بطور اصل مقصد کے کئے جائیں گے۔

مجبوری میں چار باتیں

چار باتیں بجبوری کرنے کی ہیں اور چار باتوں سے روکا گیا ہے۔ پہلی چار باتیں

نمبر ا کھانا پینا نمبر ۲ قضاء حاجت نمبر ۳ سونا نمبر ۴ باہم بات چیت کرنا' یہ ناگریز ضروتیں ہیں ان کو بس اتنا ہی وقت دیا جائے جتنا ضروری اور ناگزیر ہو سونے کے لیے دن رات میں بس چھ گھنٹے کافی ہیں۔

چار باتیں جن سے ہر حال میں بچیں

چار باتیں وہ ہیں جن سے پورے اہتمام سے بچا جائے۔

نمبر ا: کسی سے سوال نہ کیا جائے بلکہ کسی کے سامنے اپنی کوئی ضرورت ظاہر بھی نہ کی جائے یہ بھی ایک طرح کا سوال ہے۔ نمبر ۲: اشراف سے بھی بچا جائے۔ اشراف یہ ہے کہ زبان سے تو سوال نہ کریں لیکن دل میں کسی بندہ سے کچھ حاصل ہونے کی طمع ہو' گویا بجائے زبان کے دل میں سوال ہو' نمبر ۳: اسراف سے بچا جائے اسراف یعنی فضول خرچی ہر حال میں معیوب اور مضر ہے۔ لیکن اللہ کے راستے میں نکلنے کے زمانہ میں اس کے نتیجے اپنے حق میں بھی بہت برے ہوتے ہیں۔ اور دوسرے ساتھیوں کے حق میں بھی۔ نمبر ۴: بغیر اجازت کسی ساتھی کی بھی کوئی چیز استعمال نہ کی جائے بعض اوقات دوسرے آدمی کو اس سے بڑی ایذا پہنچتی ہے اور یہ شرعاً قطعاً حرام ہیں ہاں اجازت لیکر استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ بس یہ ہیں ضروری باتیں جن کی پابندی رکھنا اس راستے میں نکلنے والوں کے لیے ضروری ہیں اور آپ لوگوں کے چوبیس گھنٹے ان پابندیوں کے ساتھ گذرنے چاہئیں۔ ان اعمال کی پوری پابندی کرتے ہوئے آپ اللہ کی زمین میں اور اللہ کی مخلوق میں پھریں اور اپنے لیے اور پوری امت مسلمہ کے لیے اور عام انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے ہدایت مانگیں بس یہی آپ کا عمل اور آپ کا وظیفہ ہو۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ جو ارحم الراحمین ہے ہرگز محروم نہیں رکھے گا۔ (سوانح یوسفی)

جب جماعتیں نظام الدینؒ سے جاتی ہیں تو ان کو بہت اہتمام اور بہت تفصیل سے روانگی کے وقت کی ہدایات بتائی جاتی ہیں اور نظام الدینؒ کی مسجد میں ایک بڑے تختہ پر ایک

مضمون چسپاں ہے تاکہ ہر شخص ہر وقت اس کو دیکھا کرے' وہ مضمون حسب ذیل ہے۔

ایک اہم مضمون دینی کام کرنے والوں کے لئے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم' ضروری ہدایت' تبلیغ میں جانے والے حضرات کو خاص طور سے ان امور کی رعایت رکھنی چاہئے۔ ورنہ منافع سے زیادہ نقصان کا اندیشہ ہے۔

(۱)...... ہر کلمہ گو اور علم والے کا دل سے اکرام واحترام کریں' اور اس کی مشق کریں۔

(۲)...... دوسرے کے عیوب سے اپنی آنکھیں بند کریں۔ اپنے عیوب تلاش کرتے رہیں۔

(۳)...... بیان اور تعلیمی حلقوں' اور مجلسوں میں کسی طبقہ یا جماعت یا فرد پر نکیر یا طنز نہ کرنا' جو لوگ جماعت میں وقت نہ لگا سکیں ان کی بھی تنقیص نہ کرنا۔

(۴)...... ہر علاقہ کے بزرگان دین علماء اور مشائخ سے استفادہ کی اور دعا کی نیت سے ملیں اور ہر ایک کے تعلق والوں سے اکرام ومحبت کے ساتھ مل کر کام کریں' کسی پر تنقید نہ کریں۔

(۵)...... تبلیغ اور جماعت میں نکلنے کو دنیوی فائدہ حاصل کرنے کا ذریعہ نہ بنایا جائے بلکہ اپنے حاصل ہوئے مفادوں کو قربان کرنے کی مشق کی جائے۔

(۶)...... بیان میں اپنے کارنامے نہ بیان کئے جائیں' انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور اسلاف علیہم الرحمۃ کے واقعات کے ذریعہ ترغیب دی جائے اور ان ہی کی مددوں کا تذکرہ کیا جائے۔

(۷)...... کرنیوالی ذات صرف خدا کی ہے' دن میں اسکے دین کی انتھک کوشش کر کے راتوں کو تضرع وزاری والحاح کے ساتھ خدا ہی سے اسکی نصرت اور مدد مانگی جائے اور جو کچھ وجود میں آئے اس کا کرم سمجھا جائے۔ فقط

یہ نقشہ کئی سال سے مسجد میں لٹکا ہوا بھی ہے اور آنے والوں کو اس کی طرف توجہ بھی دلائی جاتی ہے جب جماعتیں جاتی ہیں ان کو تفصیلی ہدایات جیسا کہ اوپر گذر چکا اہتمام سے

سمجھائی جاتی ہیں، اور جب کوئی جماعت واپس آتی ہے بہت اہتمام سے اسکی کارگذاری سنی جاتی ہے، اور اس میں جو چیزیں قابل اصلاح ہوتی ہیں ان پر تنبیہ نکیر اصلاح کی جاتی ہے، سہانپور جو جماعتیں آتی ہیں ان لوگوں میں اگر کوئی بے اصولی یا تقریر میں کسی لغزش کی اطلاع مجھے ملتی ہے تو فوراً مرکز کو جماعت کی تفصیل اور اس کے امیر کی تعیین کیساتھ اطلاع کرتا ہوں، اور یہ جماعت جب واپس جاتی ہے تو اس چیز پر خاص طور سے نکیر کی اطلاعیں بھی مجھے ملتی ہیں بندہ کے خیال میں تو اہل مرکز کی یہ رعایتیں اتنے ہمہ گیر کام کے درمیان میں یقیناً قابل قدر ہیں، دور بیٹھے اپنی مجالس یا اخبار و اشتہارات میں یہ کہہ دینا کہ جماعت والے ایسا ایسا کرتے ہیں بندہ کے خیال میں تبلیغ والوں کے لیے کوئی مفید چیز ہے نہیں، معترضین کے لئے شاید ان کی نیک نیتی سے ان کیلئے کوئی موجب اجر پر ہو یہ بات کہ کوتاہی کرنے والوں پر کوئی تادیبی کارروائی نہیں کی جاتی۔ اس بات کا مفہوم اعتراض کرنے والے ہی اچھی طرح سمجھتے ہوں گے کہ کیا تادیبی کارروائی کی جائے، ان کو کوڑے لگائے جائیں یا جیل خانہ بھیج دیا جائے؟ جہاں تک تنبیہات اصلاحات کا تعلق ہے وہ اوپر کے مضامین سے واضح ہو چکا ہے اس زمانے میں بھی زیادہ تر ہدایات مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری فرماتے ہیں اسکی نقل مختصراً کرتا ہوں۔

❁❁❁❁

مولانا محمد عمر پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایات

الحمدللہ و کفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

اللہ تعالیٰ نے سارے انسانوں کے حالات کو اعمال سے جوڑا ہے، چیزوں سے نہیں جوڑا اور اعمال کو اعضاء سے جوڑا ہے اور اعضاء کو دل سے جوڑا ہے اور دل خدا کے قبضے میں ہیں' اگر دل کا رخ اللہ کی طرف ہو جائے تو اعمال اللہ کے لیے ہو کر حالات دنیا و آخرت کے بنیں گے۔ حتیٰ کہ بیوی کے منہ میں لقمہ بھی ڈالے تو صدقہ کا ثواب لے اور اگر دل کا رخ غیر اللہ کی طرف ہو اعمال غیر اللہ کے لیے ہو کر حالات خراب ہونگے حتیٰ کہ سخی شہید اور قاری بھی ہو تو دوزخ میں جائے گا۔ لہٰذا سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ دل کا رخ اللہ کی طرف ہو' اسے ہدایت کہتے ہیں جو ایک نور ہے جو انسان کے دل میں ڈالا جاتا ہے جیسے سورج کی روشنی سے چیزوں کا نفع نقصان نظر آتا ہے' خارجی چیزوں کے نفع و نقصان کے دکھانے کے لیے خارجی روشنی چاند و سورج کی ہے اور داخلی اعمال کے نفع و نقصان دکھانے کے لیے داخلی نورِ ہدایت اللہ نے پیدا کیا۔ دل میں ہدایت کا نور ہو' تو امانت اور سچائی میں نفع نظر آئے گا' اور خیانت اور جھوٹ میں نقصان نظر آئیگا' اور اگر ضلالت کا اندھیرا ہو تو اعمال کا نفع و نقصان نظر نہیں آتا' لہٰذا جب اعمال بگڑتے ہیں' تو حالات خراب ہوتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ہر انسان کو سب سے زیادہ ضرورت ہدایت کی ہے' اور ہدایت خدا کے قبضے میں ہے۔ اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ وَھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ ''خدا سے ہدایت لینے کے لیے سوائے دعا کے اور کوئی راستہ نہیں ہے، اس لیے اللہ نے سب کے لیے مشترکہ دعا ''سورۂ فاتحہ'' میں ہدایت کی تجویز کی۔ کسی دعا کا مانگنا اتنا ضروری نہیں کیا جتنا کہ ہدایت کی دعاء کا مانگنا ضروری کیا' روزانہ ہر نمازی چالیس پچاس مرتبہ یہ دعا مانگتا ہے' لیکن یہ دنیا دارالاسباب ہے اس لیے جو دعا مانگی جائے اس کے لیے اسباب اختیار کیے جائیں، شادی کر کے اولاد کی دعا مانگی جاتی ہے، کھیت میں ہل

چلا کر کھیتی میں برکت کی دعا مانگی جاتی ہے، ایسے ہی ہدایت کی دعا کے ساتھ محنت کرنا بھی ضروری ہے۔ اگر مجاہدہ کیا جائے تو اللہ کی طرف سے ہدایت کا وعدہ ہے۔ ''**وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا** الآیۃ'' تو دو چیزیں ہوئیں، ایک طرف مجاہدہ ہو دوسری طرف دعا ہو تو اللہ کی ذات سے ہدایت ملنے کا یہ قوی ذریعہ ہے' مجاہدہ انفرادی ہو تو ہدایت انفرادی ملے گی اعمال انفرادی طور پر بنیں گے حالات بھی انفرای بنیں گے اور مجاہدہ اجتماعی ہو تو ہدایت اجتماعی زندہ ہوگی تو اعمال بھی مجموعہ کے بنیں گے تو حالات بھی اجتماعی طور بنیں گے' ان جماعتوں کا خدا کے راستہ میں نکلنا اسی مجاہدہ کیلئے ہے اور جو لوگ گھروں پر واپس جا رہے ہیں وہ بھی مقامی کام کریں یعنی ہفتہ کے دو گشت روزانہ کی تعلیم مسجد میں اور اپنے گھر کی عورتوں اور بچوں میں بھی فضائل کی کتاب پڑھیں، تاکہ دین پر چلنے کا شوق پیدا ہو' اور ماہانہ تین دن اطراف کے دیہاتوں میں جاویں اور ہفتہ واری اجتماع میں رات گزاریں۔ یہ چند کام اجتماعی ہیں اس کے علاوہ ہر آدمی کم سے کم چھ تسبیحیں پوری کرے' اور قرآن پاک کی تلاوت کرے اور فرض نمازوں کے علاوہ نفلی نمازیں جتنی نبھا سکے اسے کرے چونکہ واپس جا رہے ہیں ایسے واپس جانے والے بھی غور سے سنیں۔

مجاہدہ کیا ہے؟

اب سنو مجاہدہ کیا ہے؟ مجاہدہ یعنی اپنے آپ کو رضاء الٰہی کیلئے اعمال میں مشغول رکھنا' یوں دین میں بہت سے اعمال ہیں لیکن چند بنیادی اعمال میں رضاء الٰہی کے جذبے سے اللہ کے یقین کے ساتھ اپنے آپکو مشغول رکھنے سے دین کے بقیہ اعمال پر چلنے کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے' وہ بنیادی اعمالِ مساجد ہیں یعنی اپنے آپکو مجالسِ ایمانیہ میں تعلیم کے حلقوں میں نمازوں میں، اذکار میں اور دعوت میں آخرت کے تذکروں اور خدمت گزاری میں دعاؤں میں رضاء الٰہی کے جذبہ سے مشغول رکھنا، یہ اعمال مطلوب مجاہدہ ہیں، یعنی نفس کیخلاف ہیں' مطلوب مجاہدہ مطلقاً تکلیف اٹھانے کا نام نہیں ہے' یہ تکلیف تو نفس کے مطابق ہے، مجاہدہ کی طرف نفس آنے نہیں دیتا۔

نفس انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے، نفس کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ وہ انسان کو چیزوں سے جوڑے رکھے، اعمال کی طرف نہ آنے دے اور اگر کوئی آدمی اعمال کی طرف آجائے، تو نفس اعمال پر جمنے نہیں دیتا، اسی وجہ سے تعلیم، بیان یا ذکر اور تلاوت سے نفس آدمی کو کسی بہانے سے اٹھا کر بازار میں لے جاتا ہے اور اگر کوئی آدمی ان اعمال میں جم گیا تو یہ نفس کھانا کھانے اور استنجاء کرنے اور سونے کے وقت ادھر ادھر کے تذکروں کے ذریعہ اور خیالات کے ذریعہ سارے اعمال کا نور ختم کراتا ہے۔ اور اگر کوئی اس میں بھی سنت پر جمارہا تو پھر نفس گھروں پر واپس لوٹنے کے بعد کاروباری مشاغل اور گھریلو مشاغل میں اتنا گھیرتا ہے کہ آدمی مقامی تعلیم، گشت، اذکار وعبادات چھوڑ بیٹھتا ہے اور اگر کوئی آدمی مقامی طور پر بھی اعمال میں جما یعنی کاروباری وگھریلو مشاغل کے ساتھ ساتھ تعلیم وگشت واذکار وعبادات ومشوروں میں فکر سے لگارہا تو نفس کا آخری حربہ یہ ہوتا ہے کہ اب وہ اعمال سے نہ روکے گا بلکہ ان اعمال کو اللہ کے لیے ہونے کے بجائے اپنے لیے کرائے گا، یعنی ان اعمال سے لوگوں میں عزت ہوگی، شہرت ہو گی، لوگ برکت کے لیے گھر پر لیجائیں گے، تعلقات میں وسعت ہوگی، دنیاوی اغراض پوری ہونگی الغرض ان اعمال کو اللہ کے لیے ہونے کے بجائے اغراض کے لیے کرانے کی کوشش کرے گا لہٰذا یہ اعمال اگر کسی دنیاوی غرض سے ہوں تو پھر مجاہدہ دینیہ نہیں رہتا۔

یہ اعمال اسی وقت دینی مجاہدہ بنتے ہیں، جب خالص اللہ کے لیے ہوں، تب ہی ان میں طاقت آتی ہے اور اللہ کی نسبت کا نور آکر ہدایت کا ذریعہ بنتے ہیں، نفس کا یہ حربہ موت تک چلتا رہتا ہے، اس لیے ہمارا پہلا کام تو یہ ہو کہ چیزوں کو قربان کر کے اعمالِ مساجد کے عادی بنیں، اور اس کے ساتھ بار بار اپنی نیت ٹٹولتے رہیں، یہ فکر موت تک لگی رہے، اگر نیت میں اخلاص نظر نہ آوے تو بھی ان اعمال میں لگے رہیں فکر کرتے رہیں تو کرمِ الٰہی سے امید ہے کہ وہ اخلاص مرحمت فرماویں گے، بے فکر نہ ہوں، ان اعمال میں مشغولی کی ترتیب کیا ہو جماعت جب روانہ ہو تو امیر ماموراایک دوسرے کو پہچان لیں، ہر ساتھی کی نوعیت سامنے ہو۔

امیر اور اس کی اطاعت

امیر کی اطاعت ضروری ہے، جب تک کہ امیر قرآن وحدیث کے مطابق کہے اس کی بات مانی جائے بلکہ امیر کو صراحۃً کہنے کی ضرورت نہ پڑے بلکہ جماعت اشاروں اور منشاء کو دیکھ کر کام میں لگنے کی کوشش کرے امیر کی اطاعت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت آسان ہوگی اللہ کی اطاعت آسان ہوگی، لیکن امیر اپنے آپ کو سب کا خادم جانے اور مامورین امیر کو اپنا بڑا جانیں، جس آدمی کو خود امیر بننے کا شوق ہو اسے امیر نہ بنایا جائے۔ اللہ ایسے امیر کو اس کے نفس کے حوالے کر دیتے ہیں جو آدمی امیر بننے سے واقعی ڈر رہا ہو وہ امیر بنانے کے لائق ہے جو خود امیر بننا نہیں چاہتا اسے مشورہ کر کے امیر بنایا جائے تو اللہ اس کے ساتھ ایک فرشتہ مقرر کرتے ہیں تا کہ اسے سیدھا چلاوے یعنی اس کے ساتھ غیبی تائید ہوتی ہے' حضرت جی دامت برکاتہم (مولانا انعام الحسن صاحب اس وقت حیات تھے) ارشاد فرمایا کرتے ہیں امیر امیر ہے آمر نہیں ہے یعنی اس کے ساتھ ہمیشہ امر کا فکر لگا ہوا ہو' امیر حاکمانہ لہجہ سے کام نہ لے بلکہ ترغیب دے کر لوگوں سے دینی کام کرادے۔ اب جماعت میں نکل کر چوبیس گھنٹے کیسے گذاریں۔ جماعت میں ایک دو ساتھی انتظامی کام کے لیے طے ہو جائیں تا کہ ساری جماعت کا ذہن اعمال کے لئے فارغ رہے وہ دو ساتھی ریل یا موٹر کی تحقیق کریں۔

سفر میں کیا کریں؟

باقی ساری جماعت پلیٹ فارم پر اپنی تعلیم میں مشغول رہے' ایسے عمومی مقامات پر تعلیم میں ایمانیات' اخلاقیات' عبادات اور آخرت اور انسانیت کے تذکرے ہوں ...... تا کہ جو بھی سنے اسے فائدہ ہو اور صحیح انسانیت کی فضا بنے' ریل میں ایک بوگی میں سوار نہ ہو سکیں تو دو تین بوگیوں میں ہو جائیں' اور ریل کے وقت کا نظام بنالیں۔ تعلیم' تلاوت' اذکار اور وقت پر نمازوں کا جماعت کے ساتھ پڑھنا چاہئے دو۲ دو۲ آدمی جماعت کریں۔ پلیٹ فارم پر ریل کے زیادہ رکنے

کا یقین ہو تو اتر کر نماز با جماعت پڑھیں اس سے مجموعی عبادت کی فضاء بنتی ہے۔

لیکن اگر ریل کے زیادہ دیر رکنے کا یقین نہ ہو تو اپنی ہی بوگی میں دو۲ دو۲ آدمی جماعت کر کے نماز پڑھیں صرف فرض اور وتر اور صبح کی سنتیں پڑھیں اور باقی سنتیں اور نفلیں چھوڑ دیں تا کہ مسافروں کو تکلیف نہ ہو' فرض بھی مختصر پڑھیں' فجر کی اذان کے وقت مسافر سوئے ہوتے ہیں اس لیے اذان دھیمی آواز سے دیں۔ ریل میں ساتھیوں کو فکر مند بنایا جائے تا کہ آگے جا کر وقت اچھا گذاریں۔ ریل سے اترنے سے پہلے ایک ساتھی ایسا مقرر کریں جو پیچھے دیکھ لے کہ کسی کی کوئی چیز چھوٹ گئی ہو تو اتار لے۔

جب بستی آجائے......

ریل سے اتر کر شہر میں داخلہ سے پہلے سارے ساتھی دعا کر لیں' لیکن سامان بیچ میں رکھیں تا کہ گم نہ ہو جائے۔ بستی دیکھنے کی جو مسنون دعا ہے وہ پڑھیں تو زیادہ اچھا ہے ورنہ اس وقت کے مناسب دعا مانگیں' دعا مانگنے سے پہلے ساتھیوں کا مختصر سا ذہن بنایا جائے کہ راستہ میں نظریں نیچی کرتے ہوئے اللہ کا ذکر کرتے ہوئے چلیں تا کہ کسی غیر محرم عورت یا تصویروں پر نگاہ نہ پڑے۔ نگاہ کے راستے سے دل میں خرابی جاتی ہے۔ مسجد میں جاتے ہوئے پہلے بائیں پیر کا جوتہ نکالیں پھر داہنے پیر کا' لیکن مسجد میں پہلے دایاں پیر داخل کریں پھر بایاں پیر داخل کریں اور داخلہ کی دعا پڑھ لیں اور اعتکاف کی نیت کر لیں اور بستر اگر خارج مسجد کا کمرہ ہو تو اس میں رکھیں ورنہ مسجد میں کسی کونے پر ایسی ترتیب سے رکھیں کہ نمازیوں کو تکلیف نہ ہو پھر وضو کر کے اگر وقت مکروہ نہ تو دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھ کر سارے ساتھی مشورہ میں بیٹھ جائیں' مشورہ میں چوبیس گھنٹے کا نظام بنالیں اور ساتھیوں کے ذمہ کام تقسیم کریں' دو۲ باتیں بہت فکر سے سوچیں (۱) اس بستی سے جماعت کیسے نکلے؟ (۲) یہاں مقامی کام کیسے چالو کیا جائے؟ اس کے لیے سارے ساتھیوں کو فکر مند کریں، مقامی احباب کو بھی شریک کیا جائے' تا کہ بستی کی صحیح نوعیت سامنے آسکے۔ یہاں تعلیمی

گشت ہو رہا ہے کہ نہیں' لوگ اوقات گذارنے والے ہو گئے ہیں یا نہیں' یا ان میں سے کسی کے جماعت میں نکلنے کے وعدے ہیں یا نہیں' اس اعتبار سے محنت ہو گی۔

مشورہ کے آداب

سب سے پہلے مشورہ یہ کیا جائے کہ کھانا کون پکائے کیونکہ اپنا کھانا کھا کر کام میں جان پیدا ہوتی ہے۔ کھانا پکانے کے لیے آدمی طے کر کے پھر خصوصی گشت کی جماعت بنائی جائے۔ مشورے میں ایک ہی کام روزانہ ایک ہی آدمی کے سپرد نہ ہو بلکہ بدل بدل کر ساتھیوں کو کام دیئے جائیں تاکہ ہر عمل کی ہر ساتھی کو مشق ہو ہر ساتھی دعوت دینے والا بنے' تعلیم کرنے والا بنے' گشت کرنے والا بنے' کھانا پکانے والا بنے' تاکہ دوسری جماعت چلا سکے' مشورہ میں امیر جس سے رائے مانگے، وہ رائے دے' سب ساتھی بہت فکر سے مشورہ کریں لاابالی پن نہ ہو' رائے دینے والا چند باتوں کا لحاظ رکھے، ایک تو یہ کہ رائے دینے میں کام کی اور ساتھیوں کی رعایت ہو۔ یعنی نفسانیت نہ مثلاً خود کے سر میں درد ہے' سونا ہے لیکن کام کا اور ساتھیوں کا فائدہ تعلیم میں ہے تو یہ رائے نہ دے کہ سب سو جائیں' یہ رائے نہ دے یہ خیانت ہے' رائے تو تعلیم کی دے اور جب تعلیم شروع ہو تو امیر سے اجازت لے کر اپنی معذوری کی بناء پر آرام کرے۔ لیکن رائے میں صرف اپنی وجہ سے سونے کی رائے نہ دے' دوسرے یہ کہ رائے میں کسی ساتھی کی رائے کے کاٹ کا انداز نہ ہو' اختلافی رائے میں اگر چہ حرج نہیں ہے' لیکن کاٹ کا انداز نہ ہو مثلاً کسی نے رائے دی کہ ابھی آرام کرنا چاہئے آپ کی رائے تعلیم کی ہے تو سیدھی سادھی تعلیم کی رائے دو فائدہ بتاؤ نہ یہ کہو کہ کیا یہ آرام کا وقت ہے؟ گھروں سے سونے کیلئے آئے ہو' اس سے ساتھی کا دل دکھے گا۔

تیسرے یہ کہ رائے میں تحکم کا انداز نہ ہو مثلاً یوں کہے'' ابھی سوائے تعلیم کے اور کیا ہو گا، تعلیم ہی ہونی چاہئے اور کچھ نہ ہونا چاہیے'' گویا امیر پر حکم دیا جا رہا ہے یہ بھی غلط ہے۔ امیر جب فیصلہ دے تو ساری رایوں کا احترام کرتے ہوئے فیصلہ دے۔ امیر کثرت رائے

پابند نہیں ہے سب رایوں کے بعد جو اللہ اس کے دل میں ڈالے اس کے مطابق فیصلہ دے لیکن سارے ساتھیوں کی رائے کا احترام کرے۔ مثلاً بعضوں کی رائے سونے کی ہے اور بعضوں کی رائے تعلیم کی ہے امیر کے ذہن میں تعلیم کا فیصلہ دینا ہے تو یوں کہے کہ بھائی جماعت تھکی ہوئی ہے آرام ضروری ہے اگر جماعت بیمار پڑ گئی تو کام کیسے ہوگا' دن کو اگر آرام کرے تو تہجد میں اٹھنا بھی آسان ہوتا ہے اس لیے آرام بھی بہت ضروری ہے جیسا کہ ہمارے بھائیوں نے مشورہ دیا۔ لیکن یہ بستی نئی ہے آتے ہی سونے سے ہی ہماری مجبوری نہ جان سکیں گے اور بدظن ہوجائیں گے۔ اس لیے میری رائے یہ ہے کہ پہلے تھوڑی تعلیم ہوجائے پھر آرام کرلیں گے۔ اس طرح ساتھیوں کا جوڑ باقی رہتا ہے۔

اب امیر کے فیصلے کے بعد سارے ساتھی خوشی خوشی کام میں لگیں کوئی ساتھی اپنی رائے کو وحی منزل من السماء نہ جانے اور اصرار نہ کرے بلکہ امیر کا فیصلہ جس کی رائے کے مطابق ہو وہ تو ڈر جائے کہ کہیں میرے نفس کا چور میری رائے میں نہ ہو اور خوب فکرمند ہو کر دعا خیر مانگے اور جس کی رائے کے خلاف امیر کا فیصلہ ہو تو خوش ہوجائے کہ کم از کم میرے نفس کے چور سے یہ مشورہ محفوظ رہا' اور خوب اہتمام سے کام میں لگ جائے۔

برقت کھانے کا اہتمام اپنا انتظام ضروری ہے

تاکہ خصوصی گشت سے پہلے اپنے کھانے کا انتظام کرنے کے لیے آدمی مقرر ہوجائے۔ اگر کھانے کا نظم نہ کیا اور خصوصی گشت میں گئے تو چودھری صاحب سب سے پہلے کھانے کے بارے میں پوچھیں گے تو آواز دھیمی نکلے گی دعوت کی جان نکل جائیگی اس لیے ہر جماعت اپنے ساتھ اپنا توا' پرات اور برتن ساتھ رکھے' اور اگلے گاؤں میں جانے سے پہلے والے گاؤں سے ہی آٹا' چاول خرید لے تاکہ دوسرے گاؤں میں پہنچ کر خریدنا نہ پڑے' جماعت والوں کا کمال یہ ہے کہ اپنا کھانا پکا دیں اور گاؤں والوں کا کمال یہ ہے کہ مہمانوں کو کھانا کھلا دیں ضیافت

کی صفت اگر کسی علاقہ میں ہے تو اسے ختم نہیں کرنا ہے، لیکن جماعت والے اپنی ضیافت...... کام میں لگنے کو بتائیں۔ یعنی ہمارے گشت وتعلیم وخطاب میں ساتھ دو اور گاؤں سے چلہ تین چلہ کی جماعت تیار کراؤ، یہ اصل ضیافت ہے' اس ساری محنت میں شرکت کے ساتھ اگر کھانے کی ضیافت کی جائے تو ہوسکتا ہے کہ جماعت والے مختلف پہلوؤں پر غور کر کے ایک آدھ وقت کی قبول کریں جماعت والے حضرات اس پر غور کریں کہ اگر دعوت نہ کھانے میں اپنی محنت کا فائدہ ہے کہ لوگوں میں زیادہ اثر پڑے گا اور دین سے قریب ہونگے تو اکرام باقی رکھتے ہوئے دعوت نہ کھائے۔ مثلاً یہ کہے کہ تم ہی فکر مند ہو لہٰذا تم ہمارے ساتھ ہی جماعت نکلوانے کی محنت کرو' اگر کھانا پکانے میں لگ گئے تو کام رہ جائے گا لہٰذا کھانا تو دونوں وقت کا پک چکا ہے اور تمہیں خدا جزائے خیر دے اب تو ہم سب کام کی فکر کریں' یا اس قسم کی اور کوئی اکرام کی بات کر کے ٹال دیں۔

اور اگر یہ معلوم ہو کہ کھانا کھانے سے اور ضیافت قبول کرنے سے بستی کے لوگ قریب ہونگے تو اپنے آپ کو اشراف سے بچاتے ہوئے ایک آدھ وقت کا قبول کریں' یا اپنا اور میزبان کا کھانا ساتھ کر کے سب ساتھ بیٹھ کر مسجد میں کھالیں' الغرض قبول نہ کرنے میں اکرام ملحوظ رہے اور قبول کرنے میں اپنے کو اشراف سے محفوظ رکھنے کی کوشش کریں جماعت والوں میں اپنا کھانے کا جذبہ ہو اور گاؤں والوں میں کھلانے کا جذبہ ہو۔

خصوصی گشت کے آداب

خصوصی گشت کے لئے تین چار احباب جاویں۔ ان ہی میں سے ایک مقامی بھی ہو۔ خصوصی گشت بااثر لوگوں میں کرتے ہیں۔ اگر کوئی دینی اعتبار سے بااثر ہوں مثلاً بزرگ ہیں' عالم ہیں' پیر ہیں' شیخ ہیں۔ اس قسم کے بااثر حضرات کے پاس ان کے ملنے کے اوقات میں جانا چاہئے بے وقت نہ پہنچے جس سے ان کے معمولات میں حرج نہ ہو۔ ان کی خدمت میں دعوت دینے کی نیت سے نہ پہنچیں، اگر صرف ظاہر داری ہو اور اندر سے استفادہ کی نیت نہ ہو تو فائدہ نہ

ہوگا' بلکہ اس سے اللہ والے کے قلب میں بھی تمہاری طرف تکدر کا خطرہ ہے اس لیے استفادہ کی نیت جاویں۔ اگر متوجہ ہوں تو سفر کے حالات مختصر سنائے جائیں۔ امت کے حالات سنائے جائیں اور کام کا فائدہ سنایا جائے۔ تاکہ ان کا قلب دعا کی طرف متوجہ ہو اس سے ہمارا کام بنے گا۔ لیکن کسی فرد یا گاؤں کی برائی نام لے کر نہ بیان کریں اگر وہ بزرگ متوجہ نہ ہو سکیں تو تھوڑی دیر بیٹھ کر دعا کی درخواست کر کے واپس آ جائیں تو بھی خصوصی گشت ہو گیا اور اگر کسی دنیاوی لائن کے با اثر آدمی کے پاس جانا ہو مثلاً چودھری صاحب یا کوئی بڑے تاجر یا سرمایہ دار کے پاس جانا ہو تو اس میں اپنی حفاظت کی بہت ضرورت ہے۔ ان کی مادی چیزوں کا دل پر اثر نہ پڑے ورنہ ہم بجائے داعی ہونے کے مدعو ہو جائیں گے۔ نظریں نیچی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے جائیں ایک ساتھی کو خصوصی گشت میں امیر بنا دیں۔ ان سے جا کر موقع محل کی مناسبت سے بات چیت ہو' لیکن چھ نمبروں کے اندر رہ کر بات ہو' کوئی اختلافی یا سیاسی بات نہ ہو، کسی کی حمایت یا مخالفت کی بات نہ ہو ان صاحب کو جتنے وقت کے لئے آمادہ کیا جا سکے آمادہ کیا جائے۔ اور اگر متوحش ہونے کا خطرہ ہو تو کم سے کم مسجد میں اعلان کریں یا اپنا کوئی آدمی گشت میں ساتھ کریں۔ اسی پر لایا جائے بشرطیکہ ان کا اعلان یا ان کے آدمی کا گشت میں شریک ہونا دینی مصلحت کے خلاف نہ ہو۔

خواص سے بات

خواص کے سامنے ایک دم سے تکلیف اٹھانے کی بات کے بجائے آخرت میں ہمیشہ کی عزت اور اکرام کا ایسا تذکرہ ہو کہ اس کے لیے اپنی محنت میں تکلیف اٹھانے کی بات سے اور قربانی کی بات سے تبشیر ہو تنفیر نہ ہو' تیسیر ہو تعسیر نہ ہو' "بَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا" کی رعایت ہو' یہی بات عمومی گشت اور تعلیم اور بیان اور تشکیل میں ہر جگہ ملحوظ رہے۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اس کی رعایت ہر جگہ ہو' دوسرا عمومی گشت یہ ہماری دعوت میں ریڑھ کی ہڈی ہے۔

عمومی گشت کے آداب

عمومی گشت میں یہ بات ملحوظ رہے کہ جس نماز کے بعد عمومی بیان کرنا ہے اس نماز سے پہلے والی نماز میں جماعت مسجد میں ہو' یہ مقامی طور پر گشت میں بھی ملحوظ رہے۔ مثلاً مغرب کے بعد بیان ہے تو عصر کی نماز میں جماعت موجود ہو بعض مرتبہ مقامی گشتوں میں صرف اعلان کر دیا جاتا ہے کہ آج عشاء سے پہلے گشت ہے کھانا کھا کر آ جانا' لوگ اپنی فرصت میں آتے ہیں' رواروی والا گشت ہوتا ہے' سالہا سال سے گشت کے باوجود نمازیوں کی تعداد نہیں بڑھتی صرف وقت گذاری سی ہو جاتی ہے (نہ ہونے سے تو اتنا ہونا بھی بہتر ہے) لیکن اس سے دینی ماحول نہیں بنتا۔ مثلاً مغرب کے بعد خطاب کرنا ہے تو عصر کی نماز کے بعد جم کر اعلان اور ترغیب اور لوگوں سے یہ کہا جائے عصر سے عشاء تک کا وقت کون کون فارغ کرتا ہے۔ جیسے تین چلوں کی تشکیل ہوتی ہے۔ اسی طرح عصر سے عشاء تک وقت لے لو جو لوگ اتنا وقت دیں انہیں آگے کر دو باقی لوگوں پر اصرار نہ ہو' انہیں جانے دو لیکن یہ کہا جاوے کہ اگلی نماز میں فارغ ہو کر آئیں' اور دوسروں کو بھی دعوت دے کر لا دیں' جو لوگ عصر سے عشاء تک فارغ ہو کر بیٹھ گئے اب ان کا وقت امانت ہے سب کو اعمال میں لگایا جائے اگر لوگ زیادہ ٹھہر گئے تو جتنی عمومی گشت کی جماعتیں بنانے کی ضرورت ہو اتنی بنائی جائیں اگر ان لوگوں سے معلوم ہو کہ قرب و جوار میں خواص سے بھی ملا جا سکتا ہے تو بقدر ضرورت خصوصی گشت کے لئے بھی تین تین چار چار آدمیوں کی جماعتیں بنا کر بھیج دیں تا کہ خواص کے گھروں پر، قیام گاہوں پر جا کر اپنی پوری دعوت سمجھا کر نقد بیان میں لانے کی کوشش ہو پھر مسجد میں جو لوگ بچ جائیں ان میں ایک ساتھی جم کر دعوت والی بات کرے۔ کچھ ساتھی ذکر و دعاؤں میں لگیں' کچھ احباب نئے لوگوں کے لئے فارغ رہیں کہ باہر سے جو نئے احباب مسجد میں بھیجے جائیں انہوں نے اگر نماز نہ پڑھی ہو تو استنجاء وضو کرا کر اس وقت کی فرض نماز پڑھا کر دعوت والے حلقہ میں بٹھا دیں اور آخر تک ان کی نگرانی کرے۔ ان کا جی لگائے ان کی

تشکیل کا فکر ہو' عمومی گشت رواروی کے ساتھ نہ ہو بلکہ فکر اور اہتمام سے ہو' جماعت دس آدمیوں کے لگ بھگ ہو' ایک امیر بنایا جائے ایک مقامی رہبر بنایا جائے۔ ایک متکلم ہو' دعا مانگ کر سب گشت میں چلیں' سب مل جل کر چلیں' نظریں نیچی ہوں' زبان سے ذکر اللہ ہو' رہبر جس کے پاس لے جائے متکلم اس سے بات کرے' امیر کا کام یہ ہے کہ سب کو جوڑے رکھے رہبر کو سمجھا دیا جائے کہ وہ لوگوں کے عیب نہ بتادے کہ دیکھو یہ بے نمازی ہے' یہ شرابی ہے ایسا نہ کہے صرف ملاقات کرادے۔ متکلم مزاج شناسی' موقع شناسی مردم شناسی کی رعایت کے ساتھ بات کرے اس کا اکرام بھی باقی رہے اور اللہ کی بات بھی پہنچ جائے بات میں طعن کا انداز نہ ہو، نرم لہجے سے بات کرے صرف اعلان درجہ نہ ہو کہ فلاں نماز کے بعد بیان ہوگا آ جائیو صرف اتنا نہ ہو بلکہ اس طور پر بات کرے کہ وہ آدمی نقد مسجد کی طرف چل دے' زیادہ لمبی تقریر بھی نہ ہو۔

متکلم کی بات

گشت میں ایسے معین لفظ نہیں جو ہر موقع پر چل جائیں تخمیناً یہ الفاظ ہیں کہ بھائی ہم اور آپ مسلمان ہیں ہم نے کلمہ پڑھ کر اللہ کی بات ماننے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر چلنے کا اقرار کیا ہے۔ اسی سے دنیا و آخرت میں ہمیں کامیابی ملے گی لیکن اس کے لیے ایک محنت درکار ہے اسی کے سلسلے میں جماعت آئی ہے مسجد میں ہمارے ساتھی اسی سلسلہ میں ابھی بات کر رہے ہیں لہٰذا آپ مسجد تشریف لے چلیں فلاں نماز کے بعد اسی محنت کو تفصیلی طور پر کھولا جائے گا۔ بعض موقع پر کلمہ بھی سنا جائے تو حرج نہیں ہے۔ ہر موقع پر سنا جائے کبھی ان الفاظ میں حسب موقع کمی و بیشی کر سکتے ہیں' مسجد کی طرف جانے کے لیے جتنے احباب آمادہ ہو جائیں ان کے ساتھ اپنا ایک آدمی لگا کر بھیجا جائے۔ اگر مسجد کی طرف جانے کو کوئی صاحب آمادہ نہ ہوں تو ان کو اپنے ساتھ گشت میں لے لیں' اگر اس کے لیے بھی آمادہ نہ ہوں تو اگلی نماز کے بعد بیان میں شرکت کا وعدہ لے لیا جائے اور کہا جائے کہ دوسروں کو بھی لانا۔ یہ آخری درجہ کی چیز ہے ورنہ اصل

تو نقد مسجد میں لانا ہے اس گشت کے ذریعہ غفلت کی جگہ میں یاد الٰہی کی مشق کرنی ہے۔ تواضع اور صبر کو سیکھنا ہے اکرام ملحوظ رکھتے ہوئے حکم الٰہی کے پہنچانے کی مشق کرنی ہے اس میں اپنی اصلاح کی نیت ہووے' گشت میں کشیدگی کی نوبت نہ آئے بلکہ لوگوں کو نرمی سے مانوس کرنے کی سعی ہو، گشت کے ذریعے پورے گاؤں میں چہل پہل ہو' رات کا بیان مقامی احباب کے مشورے سے مغرب کے بعد عشاء کے بعد جب بھی طے ہوا ہو اس میں خطاب کرنے والے کا پہلے سے مشورہ ہو۔

مطالبے والا بیان

بیان میں چھ نمبروں کے اندر رہ کر بات ہو' دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کا عظیم الشان اور پائیدار ہونا جم کر کہا جائے' انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے صحیح واقعات بیان کر کے آخر میں چار چار ماہ کا مطالبہ ہو' اس بیان میں جماعت کے سارے ساتھی بھی متفکر ہو کر بیٹھیں' اکیلے مقرر کے حوالہ نہ ہو، مقرر کو کھڑا کر کے ساتھی اپنے آرام یا چائے وغیرہ کی طرف متوجہ نہ ہوں' مقرر پوری جماعت کی زبان ہے سب ملے جلے ہوں تو زبان کا اثر ہوگا نماز کے بعد اعلان کر کے مختصر سی سنتیں پڑھ کر سارے ساتھی خوشامد کر کے مجمع کو جوڑیں اس اجتماعی عمل کے موقع پر اپنا انفرادی عمل ذرا مؤخر کر دے۔ مثلاً مغرب کے بعد کے اوابین سے پہلے مجمع جڑنے کا فکر ہو' پتہ نہیں اس مجمع میں سے کتنے آدمی دین کی دعوت پر یا فرائض پر کھڑے ہو جائیں یہ نوافل سے بدرجہا بہتر ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ نوافل ترک کر دیئے جائیں' بلکہ جب سارا مجمع جڑ جائے تو ساتھی دو۲ دو۲ تین۳ تین۳ کر کے الگ کونے میں جا کر اپنی اوابین بھی باری باری سے پڑھ لیں تاکہ اجتماعی اور انفرادی کام یکے بعد دیگرے سب ہوں' نوافل واذکار کے اہتمام میں بھی فرق نہ پڑے بلکہ اہتمام اور زیادہ ہو جائے۔ بیان کے بعد تشکیل کے وقت کچھ دیر منتظر رہے تاکہ لوگ اپنے چلہ تین چلہ بولیں پھر ساتھی حلقہ بنا بنا کر مقامی احباب کی تشکیل کریں' ان کے اعذار کا حل بتا دیں ان کے اعذار سن کر مرعوب نہ ہوں بلکہ حکمت سے اس کا حل بتا دیں۔ دینی محنت اتنی

ہی اہمیت کے ساتھ سامنے آوے کہ آدمی اعذار کا حل خود ہی نکالے لیکن اعذار کا جواب دینے میں مجذوب بھی نہ بنیں' وہ تو کہہ رہا ہے کہ میری بیوی بیمار ہے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ مرنے دے' دین اجڑ رہا ہے نکل جا یہ کہنا بالکل غلط ہوگا' آئندہ اس قسم کا آدمی بیان میں بھی نہیں آئے گا' اس کے عذر اور تکلیف میں ہمدردی کا اظہار ہو اور سنجیدگی کے ساتھ شریعت کی حدود کی رعایت کے ساتھ اس کا حل بتایا جائے' تھوڑے وقت کے نام بولے جائیں حتیٰ کہ تین دن اور ایک دن بھی کوئی دے تو قدر دانی کے ساتھ نام لیا جاوے اور وقت اچھا گذروایا جاوے تو وہی تین چلہ کا بن جائے گا جو نام آوے ان کا وقت اور پتہ بھی لکھ لیا جائے۔ اور صبح کو وصولیوں کا گشت کر کے جماعت نقد نکالی جائے' اور روانہ کر دیا جائے ساتھ میں پرانا آدمی لگایا جائے۔ روانہ کرتے وقت اصول وآداب مختصر سے بیان کئے جائیں۔ اگر ایک دن میں جماعت نہ نکل سکے تو اسی بستی میں دوسرے دن ٹھہر جاؤ۔ جماعتیں جماعتوں کو نکالیں۔ یہ اصل ہے اور اجتماعات سے جماعتوں کا نکلنا یہ ثانوی درجہ ہے۔ جو جماعت نکل جائے یہ آپ کی محنت کا خلاصہ ہے۔

چند کام تجربہ کے

جماعت کے نکالنے میں چند کام تجربہ میں آئے۔ ایک تو جماعت اپنا کھانا پکائے تو آسانی سے جماعت نکلتی ہے' دوسرے گاؤں میں وصولی کا گشت کرے۔ پہلے سے جن کے وعدے ہوں یا اب نکلنے کا وعدہ کیا ہو انہیں گھروں پر جا جا کر تیار کرنا اور دیگر موقعوں پر بھی تشکیل جاری رہے۔

مقامی کام

جنہوں نے باہر جانے کے نام لکھوائے اس کے علاوہ جو مجمع میں بچ جائے ان کو مقامی کام پر آمادہ کیا جائے بلکہ نام مانگیں' اور مقامی کام کے لیے وہاں ایک جماعت بنائیں' جن کے ذمہ چند کام ہوں ایک تو روزانہ کی تعلیم مسجد میں چالو کرے۔ اس کا وقت بھی مقرر کر دو دوسرے

ہفتہ میں دو گشت کیا کریں ایک گشت اپنی مسجد کے اطراف میں اس کا بھی دن اور وقت مقرر کرے اور دوسرا گشت دوسرے محلے کی مسجد میں کریں لیکن دوسرا گشت دوسرے محلہ والوں سے کرانا ہے دو تین ہفتہ میں انہیں بذات خود گشت پر کھڑا کرنا ہے جب وہ گشت پر کھڑے ہو جائیں اور خود کرنے لگیں تو پھر ان کے ذمہ یہ بھی کیا جائے کہ اپنے گشت کے علاوہ اور مسجدوں میں گشت کو چالو کریں۔ اور آپ کسی تیسری مسجد میں گشت چالو کریں یعنی دوسرا گشت مختلف مساجد میں چالو کروانے کیلئے ہے' یوں ہر مسجد والے اپنے گشت کے علاوہ دوسرا گشت بھی کریں اور گشت چالو کرادیں' تیسرے یہ کہ اپنے گشت کے دنوں میں بیان کر کے چلہ تین چلہ کی جماعتیں بنادیں کم سے کم تین دن کی جماعتیں بنادیں' اور خود بھی ماہانہ تین دن کی جماعت میں جادیں۔

شب جمعہ

چوتھے یہ کہ ہفتہ واری اجتماع اگر ہورہا ہو تو اس میں عصر سے اشراق تک خود بھی وہ مقامی جماعت میں جائے اور دوسروں کو بھی لے جائے، یہ ہفتہ واری اجتماع پورے شہر کی مسجدوں میں محنتوں کا نچوڑ اجتماع ہے۔ ہر محلہ والے تین تین دن کی جماعتیں لے کر پہنچیں یا زیادہ وقت کی جماعتیں لیکر پہنچیں تا کہ ہفتہ واری اجتماع میں صرف یہاں ہی نہ ہو بلکہ سارے محلوں سے جماعتیں بن کر آویں اور روانہ ہوں' ہر محلے والے اگر دو دو آدمی بھی چلے کیلئے دے دیں تو وہ تین جماعتیں ہر ہفتہ چلہ تین چلہ کی روانہ ہو سکتی ہیں۔ ورنہ تین تین دن کی جماعتیں جتنی بن سکیں لاویں۔ ہفتہ واری اجتماع میں ہر آدمی اپنا اپنا کھانا لے کر پہنچے اور عصر سے اشراق تک سب اس ماحول میں ٹھہریں رات کو خطاب ہو اور صبح جماعتیں روانہ ہوں' اطراف میں تین دن کی جو جماعتیں جاویں وہ پھر اسی طرح محنت کر کے چلوں کے لئے آدمی اٹھاویں یا کم وبیش وقت کے لیے آدمی اٹھاویں اور آخر میں وہ بھی مقامی جماعت بنادیں۔ اور مندرجہ بالا کام ان کے سپرد کریں۔ مقامی جماعت ان چند کاموں کو خود بھی کرے اور اہل محلّہ کو بھی ان کاموں پر اٹھاوے' تعلیم گشت ماہانہ تین دن ہفتہ واری اجتماع

اگر ہو رہا ہو تو شرکت اور اگر نہ ہو رہا ہو تو حضرت جی دامت برکاتہم سے پوچھے بغیر چالو نہ کرے۔

انفرادی اعمال

اس کے علاوہ یہ مقامی جماعت کچھ انفرادی معمولات پر بھی چلے اور چلاوے مندجہ بالا امور تو اجتماعی ہیں' اس کے علاوہ کم از کم چھ تسبیحیں' تلاوت' نوافل کا اہتمام خود کرے اور ہر گشت کے دن مجمع کو ان عمال پر آمادہ کرے۔

گھر کی تعلیم

اس کے علاوہ ہر آدمی کو ترغیب دے کہ اپنے گھر میں مستورات اور بچوں میں روزانہ فضائل کی تعلیم ہو تا کہ عورتوں اور بچوں میں بھی عبادات واذکار اور دین پر چلنے کا ذہن بنے' یوں مستورات کا کام بغیر کسی شور و ہنگامے کے ہزاروں گھروں میں جاری ہو جائے گا۔ فضائل کی تعلیم گھریلو زندگی کی تبدیلی کا انشاء اللہ سبب بنے گی اس ترتیب سے مسجد کے باہر والے مسجد میں آکر گشتوں کے ذریعہ نمازی بنیں گے اور نمازی داعی بنیں گے اور کام کا تعدیہ ہوگا' ایک مجمع کا مجمع کام والا بہت آسانی سے بنتا جائے گا۔ اس میں لوگوں کے گھریلو اور کاروباری مشاغل کی رعایت ہے تو جماعت بیرون تشکیل کے ساتھ مقامی جماعت بھی بنا کر مندرجہ بالا امور ان کے سپرد کریں یہ ہماری دعوت والی لائن ہوئی یعنی خصوصی گشت عمومی گشت عام بیان اور انفرادی طور پر ریل اور موٹر جو بھی ملے حکمت سے دعوت دے۔

تعلیم کے آداب

دعوت کے علاوہ جماعت اپنے آپ کو تعلیم میں مشغول کرے جم کر تعلیم ہو' تعلیم کا ایک جزو تو یہ ہے کہ فضائل کی کتابوں کا سننا سنانا ہو' ہماری اس تعلیم میں فضائل کی تعلیم ہوتی ہے اس سے شوق اور رغبت پیدا ہوتی ہے اور اس میں کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوتا چونکہ مسائل میں اختلاف ہے اس لیے اجتماعی تعلیم میں مسائل کا تذکرہ نہیں ہوتا کیونکہ اگر ہم نے وضو کے چار فرض

بتائے تو یہ صرف حنفیوں کے لیے دعوت ہوگی' شافعی حضرات نہیں جڑیں گے کیونکہ ان کے وہاں چھ فرض ہیں فضائل پر ہم پوری امت کو جوڑ سکتے ہیں' جماعت کی نماز پر ستائیس ۲۷ درجہ کا ثواب ملنا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے' دوسرے یہ کہ اگر سارے ہی حنفی ہوں تو بھی مسائل بیان کرنے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ جماعت میں اکثر عوام ہوتے ہیں غلط مسائل بتانے لگیں گے اس لیے مسائل کو تو علماء کرام کے لیے ہی رکھیں۔ فضائل کے ذریعے دین کا پیاسا بنانا ہے' جب پیاسا بن کر پانی مانگے یعنی مسائل پوچھے تو اسے کہہ دے کہ اپنے اپنے کنویں کا پانی پیو' یعنی حنفی' حنفی علماء سے پوچھے شافعی' شافعی علماء سے پوچھے' اہلحدیث اپنے علماء سے پوچھے۔ یوں سب جڑ کر چل سکتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جماعت والے مسائل سے بے نیاز ہو جائیں' مسائل کا سیکھنا ضروری ہے اس کے بغیر نماز وغیرہ کا عمل نہ ہوگا' فضائل کے معلوم ہوئے بغیر تو ہو سکتا ہے لیکن مسائل کے بغیر عمل نہ ہوگا۔ فضائل تو صرف اعمال کا شوق دلانے کیلئے ہیں اس لیے اجتماعی تعلیم میں صرف فضائل ہونگے اور مسائل ہر آدمی اپنے طور پر انفرادی طور علماء کرام سے پوچھ پوچھ کر ہو' کروڑں مسلمان نماز نہیں پڑھتے اور ہم جزئیات پر جھگڑیں یہ مناسب نہیں کسی بھی طرح مسلمان نماز پر آوے پھر اپنے علماء سے طریقے پوچھے فضائل کی کتابیں جو حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم سے حضرت مولانا الیاسؒ نے لکھائی ہیں جس میں حکایت صحابہ بھی ہے انہیں میں سے تعلیم ہو' بہت سے بھائی یہ پوچھتے ہیں کہ یہ کتابیں تو بیسیوں مرتبہ پڑھ چکے اب آگے کی کتابیں بتاؤ تاکہ علم بڑھے۔ حالانکہ ہماری اس تعلیم کا مقصد قرآن وحدیث کی باتوں سے اثر لینا آ جاتا ہے' خوشی کی خبروں سے خوشی کا اثر ہو غمی کی خبروں سے غمی کا اثر ہو جیسے دنیا کی خبروں سے ہوا کرتا ہے یہ قرآن وحدیث سے ہونے لگے' اس لیے اس کیفیت کو پیدا کرنے کے لیے بار بار انہیں احادیث کو عظمت کے ساتھ سنا جائے۔ انسان صرف علم سے عمل پر نہیں پڑتا۔ اگر ایسا ہوتا تو شرابی شراب کو حرام جانتا ہے لیکن بچتا نہیں' اور بے نمازی نماز کے فرض ہونے کا علم رکھتا ہے لیکن پڑھتا نہیں۔ اصل علم کا نور ہے جو آدمی کو عمل پر ڈالتا ہے۔ وہ تو اس وقت ملتا ہے جب آدمی

تعلیم میں عظمت کے ساتھ بیٹھے' کلام اور صاحب کلام کا احترام دل میں لیتے ہوئے بیٹھے اور ظاہر ہیئیت بھی عظمت کی بنائے۔ اگر باوضو ہوکر خوشبو لگا کر بیٹھے تو اور زیادہ اثر ہونے کی امید ہے' دیہاتی ان باتوں کی رعایت سے بعض مرتبہ بیٹھتے ہیں تو ان میں بہت جلد اثر ہوکر عمل پر پڑ جاتے ہیں، ان فضائل کا قلب پر اتنا تاثر ہو کہ عمل کے وقت وہ فضیلت مستحضر رہے اس کی ہر شخص کو ضرورت ہے خواہ عالم ہو یا نہ ہو پرانا ہو یا نیا ہو سب اس کے موت تک محتاج ہیں اور یہ سارا معاملہ قرآن اور حدیث کی عظمت کے ساتھ جڑا ہوا ہے اس تعلیم میں اپنی تقریر نہ ہو بلکہ حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے جو فائدہ لکھا ہے اسی کو پڑھا جائے ہاں اگر کوئی مشکل ہو تو ترجمہ کردے اس تعلیم کے موقع پر گشت بھی ہوتا کہ صرف جماعت والوں کی تعلیم ہوکر نہ رہ جائے بلکہ گاؤں والے بھی شریک ہوں۔

تعلیم کا دوسرا حصہ

اس تعلیم کا دوسرا جزو قرآن کا سننا سنانا ہے کم سے کم سورۂ فاتحہ اور چند سورتیں ایک دوسرے کی سنی جائیں' حلقہ بنا کر سنی جائیں اس کے ذریعے بستی والوں میں صرف احساس پیدا کرانا ہے کیونکہ تھوڑے وقت میں تو وہ اپنی نماز ٹھیک نہیں کرسکتے صرف سیکھنے کا جذبہ پیدا ہو اس کے لیے تشکیل بھی آسان ہوگی' لیکن جو احباب جماعت میں نکلے ہیں ان کو نماز سبقاً سبقاً یاد کرانی چاہئے۔ تاکہ چلہ میں کم سے کم نماز تو ٹھیک ہو جائے' جسے جتنی یاد ہے دوسروں کو یاد کرادے دین سیکھنے والے کی فضیلت یہ ہے کہ اگر دین سیکھنے کی نیت سے نکلے تو فرشتے پیروں کے نیچے پر بچھاتے ہیں' اور سکھانے والے کی فضیلت یہ ہے کہ زمین و آسمان والے حتیٰ کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں سمندر میں اس کے لئے دعا کرتی ہیں' لیصلون علیٰ معلم الناس الخیر" تو دونوں اپنے فکر اور شوق سے مشغول ہوں' ان حلقوں میں حسب استعداد غلطی بتائی جائے پورا فن تجوید کھولنے سے عوام قرآن سیکھنے سے مایوس ہو جائیں گے موٹی موٹی ایسی غلطیاں ٹھیک کرائی جائیں جو فوری طور پر ٹھیک ہوں تاکہ اس میں سیکھنے کا شوق ہو' غلطی کا احساس ہو اور

قرآن سیکھنا آسان نظر آئے بعض مرتبہ غلطی بتانے سے کسی کے شرمندہ ہونے کا خطرہ ہو، مثلاً چودھری ہے یا گریجویٹ ہے تو ایسے موقع پر اجتماعی طور پر بتایا جائے یعنی کسی شخص کا نام لے کر نہ بتایا جائے۔ عمومی طور پر اصلاح ہوتا کہ بات بھی پہنچے اور شرمندہ بھی نہ ہو۔ التحیات اور دعائے قنوت اجتماعی تعلیم میں نہ ہو کیونکہ اس میں بھی اختلاف ہے۔ البتہ کلمہ طیبہ، سوۂ فاتحہ اور چند سورتیں ہوں، ہاں اپنی انفرادی تعلیم میں اور چیزیں بھی یاد کریں۔

چھ نمبروں کا تذکرہ

اس تعلیم میں چھ نمبروں کا مذاکرہ بھی ہو اصل تو یہ چھ نمبر اپنی زندگی میں اتارنے کیلئے ہیں، بیان سیکھنے کے لیے نہیں ہیں، کلمہ کی اتنی دعوت دیں کہ ساری چیزوں کا یقین نکل کر اللہ کی ذات کا یقین دل میں اتر جائے اور سارے طریقوں سے کامیابی کا یقین نکل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں میں کامیابی کا یقین آ جائے، نماز کو سنوار کر ایسا پڑھے کہ چوبیس گھنٹہ کی زندگی حقیقت صلوٰۃ پر آ جائے اور اعضاء و جوارح امر الٰہی کے پابند بن جائیں تعلیم کے حلقوں میں بیٹھ کر اتنا شوق پیدا ہو کہ ہر کام کرنے سے پہلے یہ تحقیق کر لے کہ اسمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ کیا ہے، اللہ کا ذکر اتنا کرے کہ اللہ کا دھیان دل میں جم جائے جو گناہوں سے روکے اور ہر وقت کے امر پر کھڑا کر دے ان ساری صفات کے پیدا ہونے کے باوجود دوسرے مسلمانوں کو اپنے سے اچھا سمجھنے کی مشق کرے جس سے تواضع پیدا ہوگی، اگر ان اعمال کو کر کے عجب ہوا اپنے کو بڑا سمجھنے کا مرض پیدا ہوا تو کئے کرائے پر پانی پھر جانے کا خطرہ ہے، اس میں کم سے کم درجہ حقوق العباد کی ادائیگی ہے اگر یہ نہ ہو تو نیکیاں ان کے حصے میں چلی جائیں گی، جن کی حق تلفی ہوئی ہے۔ اکرام تو اس سے بھی آگے درجہ ہے ان سارے اعمال کو دنیا کی کسی غرض کے ماتحت نہ کرے بلکہ رضائے الٰہی کا جذبہ ہو آج دین کا کام کر کے آدمی یہ دیکھتا ہے کہ مجھے دنیا کتنی ملی، آخرت کا جذبہ نہ رہا۔ لہٰذا عمل کی طاقت نکل گئی۔ صحابہؓ دین کے لیے اپنی دنیا قربان کرتے تھے تو ان کے دین

میں بڑی طاقت تھی کیونکہ انکے عمل میں اللہ کی نسبت قوی تھی۔اس لیے جماعت میں جانے والے کو کہا جاتا ہے کہ اپنے گاڑھے پسینہ کی کمائی جیب میں ہو اور آدمی اپنی جان مال کے ساتھ نکلے۔ اور یہ دیکھے کہ دین کیلئے میری دنیا کتنی قربان ہوئی' اس قربانی کے بقدر اخلاص پیدا ہوگا' الغرض دین کو اپنی دنیا بنانے کا ذریعہ نہ بنائے' آخرت بنانے کا ذریعہ بنائے' اللہ اپنے کرم سے دنیا بھی بنا دیتے ہیں' لیکن ہماری نیت یہ نہ ہو اللہ کے وعدوں پر یقین ہو لیکن مقصود اور نیت اللہ کی رضاء ہو' ان ساری باتوں کے علاوہ دعوت دینا مستقل سیکھنے کی چیز ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا' حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی آپ کے تابع بن کر آویں گے۔اس لیے اب یہ دعوت والا کام اس امت کو کرنا ہے چاہے جونسے طبقہ کا امتی ہو' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے کے سو فیصد امتیوں کو داعی بنایا حتیٰ کہ دیہاتی حضرات اور سختی سے بات کرنے والے بدوی حضرات کو بھی داعی بنایا نبوت کے بعد سب سے پہلا وہ کام جس پر ہر کلمہ گو کو اٹھایا وہ کلمہ کی دعوت ہے پنج وقتہ نماز بھی فرض نہ تھی لیکن کلمہ والی دعوت شروع سے آخر تک چلتی رہی' آج بھی ہر شخص پر محنت کرنی ہے کہ وہ داعی بنے' داعی کی مثال منادی کی ہے اور منادی کے لیے پورا عالم ہونا ضروری نہیں' جتنی بات کی ندا دے رہا ہے اتنی بات معلوم ہونی چاہئے دعوت کی مثال زمین کی سی ہے اور ایمان کی مثال جڑ کی سی ہے اس پر دین کا درخت تیار ہوتا ہے' دعوت دینے سے ایمان قوی ہوتا ہے اس کیلئے مشاغل میں سے ایک مرتبہ چار ماہ فارغ کئے جائیں پھر حسب استطاعت سالانہ چار ماہ چھ ماہ یا چلہ دیتے رہیں' سالانہ ماہانہ ہفتہ واری اور روزانہ کی کوئی ترتیب دین کی محنت کی قائم ہو۔یہ بہت ہی مختصر سے چھ نمبر ہیں' اس میں ساتھیوں کو کوئی بات سمجھانی ہو تو تعلیم کے موقعہ پر اطمینان سے سمجھائی جا سکتی ہے مثلاً کوئی بے عنوانی ہے کہ اجتماعی طور پر سمجھانے کا اچھا موقع ہے۔

ذکر

ذکر و دعوت اور تعلیم کے علاوہ ذکر الٰہی میں وقت گذرے ذکر میں سب سے اہم

قرآن پاک کی تلاوت ہے روزانہ کی تلاوت کا اتنا معمول ہو جتنا کہ روزانہ نبھا سکے اور جو بے پڑھے حضرات ہوں وہ روزانہ پندرہ بیس منٹ یا آدھ گھنٹہ قرآن پاک سیکھ لیا کریں، لیکن جتنا قرآن نماز میں پڑھنا ضروری ہے وہ پہلے سیکھ لیں، بعد میں پورا قرآن سیکھنے کی نیت سے روزانہ محنت کریں۔ اس کے علاوہ اذکار مسنونہ ہیں جن میں سوم کلمہ درود شریف اور استغفار دوسو ۲۰۰ دوسو ۲۰۰ مرتبہ سے کم پڑھیں، اور روزمرہ کی مسنون دعائیں مثلاً کھانے سے پہلے اور بعد اور استنجاء کے بعد اور پہلے سوتے وقت اور جاگ کر مسجد میں داخل ہوتے وقت، مسجد سے نکلتے وقت سواری پر سوار ہوتے وقت جو اذکار مسنون ہیں وہ بھی یاد کر کے عمل میں لانے کی کوشش ہو زندگی بھر کیلئے یہ سنتیں زندگی میں آ جائیں، اور گھر پر عورتوں اور بچوں میں بھی زندہ کریں لیکن یہ سنتیں معتبر کتابوں میں دیکھ کر یاد کریں، من گھڑت سنتیں نہ ہوں ان اذکار مسنونہ میں بہت نور ہے اور امت میں اختلاف بھی نہیں ہے، تلاوت اور اذکار مسنون کے علاوہ اگر کوئی صاحب کسی سے بیعت ہوں تو اپنے شیخ کا بتلایا ہوا ذکر بھی پورا کریں، اور اگر کوئی مشائخ کے متوسلین ایک جماعت میں ہوں ہر ایک اپنے شیخ کے بتلائے ہوئے طریقہ پر ذکر کرے، اور کوئی صاحب کسی بزرگ پر تنقید نہ کریں، امت کو مطلقاً اللہ کے ذکر پر ڈالنا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ خلوت اور جلوت میں دعاؤں کا خوب اہتمام ہو یہ کام دعاؤں سے چلے، دن بھر کی تھکا دینے والی محنت ہو اور تنہائیوں میں خوب رو رو کر دعاؤں کا مانگنا ہو پتہ نہیں کس کا رونا اللہ کو پسند آ جائے اور ہدایت کے دروازے کھل جائیں۔

عبادات

دعوت، تعلیم اور ذکر کے ساتھ عبادات بھی ذوق وشوق سے ادا کی جائیں فرض نماز جماعت سے پڑھنے کا اہتمام ہو تکبیر اولیٰ فوت نہ ہونے پائے۔ صف اول کا فکر ہو، خوب جی لگا کر نمازیں پڑھی جائیں فرائض کے علاوہ قضاء نمازیں اور سنتیں نفلیں بھی اہتمام سے پڑھی جائیں، اشراق، چاشت اوابین اور تہجد کے اہتمام کی فکر کی جائے۔

کام کرنے والے خصوصی طور سے تہجد کا خوب اہتمام کریں' تو دن بھر کے کاموں میں قوت رہے گی۔" رھبان باللیل و فرسان بالنھار "دن کو دعوت کے لیے اللہ کے بندوں کے سامنے کھڑا ہونا' رات کو دعا کیلئے اللہ کے سامنے ہاتھ اٹھانا او ردن کو بندوں سے خدا کی قدرت منوانا۔ اور رات کو خدا کی رحمت کو بندوں کی طرف متوجہ کرانا۔" یَآ اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِر " کا منظر ہو اور رات کو" یَآ اَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّیلَ" (المزمل) کا منظر ہو' لیکن نئے آنے والوں پر تہجد وغیرہ کے لئے اتنا زور نہ دیا جائے کہ وہ اکتا جائیں نفل کو نفل کے درجہ میں رکھنا ہے فرض کا درجہ نہیں دینا ہے البتہ شوق اتنا دلایا جائے کہ آدمی خود کہے کہ مجھے جگا دو' پھر نئے آدمی کو جگانے میں حرج نہیں۔

خدمت

دعوت' تعلیم ذکر وعبادت کے ساتھ ساتھ ساتھیوں کی خدمت بھی ہو' احباب جتنی خدمت گذاری کریں گے اتنا ہی جوڑ ہوگا' ہر ساتھی خدمت کرنے والا ہو خدمت چاہنے والا کوئی نہ ہو تو اس سے جماعت میں جوڑ ہو جائے گا' اور اگر سارے خدمت چاہنے والے ہوں خدمت کرنے والا کوئی نہ ہو تو اس سے جماعت میں آپس میں لڑائی ہوگی' تکلیف کے موقع پر اپنے آپ کو آگے کرے اور راحت کے موقع پر دوسروں کو آگے کرے وہ جماعت بہت مبارک ہے جو آپس میں محبت کے ساتھ اپنا وقت پورا کرے' مختلف علاقوں اور مزاجوں کے احباب ایک جماعت میں ہوتے ہیں ان میں آپس میں کشیدگی نہ ہو بلکہ محبت سے وقت گذرے۔ اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ سب سے چھوٹا بن کر رہے تو جوڑ پیدا ہوگا' اور اگر بڑا بن کر ہر آدمی رہے تو توڑ ہوگا' تواضع سے جوڑ ہوتا ہے اور تکبر سے توڑ ہوتا ہے' یہ چند کام تو کرنے کے ہیں۔

ان کاموں سے بچنا ہے

اور کچھ کام ایسے ہیں جن سے بالکلیہ بچنا چاہئے' اس میں ایک تو اشراف سے

دوسرے سوال سے بچنا چاہئے۔ کسی انسان کے کھانے یا پیسے یا چیزوں کی طرف اگر خیال آ جائے اور اندر ہی اندر کھچڑی پکے تو یہ اشراف ہے اور اگر زبان سے مانگ لیا تو یہ سوال ہے داعی سائل نہیں ہوا کرتا "مَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰه" اگر کسی چیز کی ضرورت ہوتو نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے مانگے' انسانوں سے نہ مانگے اس سے قوت دعاء بڑھے گی' اسی طرح فضول خرچی سے بچے' سیدھا سادھا کھانا بستر کپڑا ہو' یہی سادگی پھر گھر میں داخل ہوگی' یہ سادگی بذات خود مطلوب ہے' اس کی برکت سے اقتصادی پریشانیاں بھی دور ہونگی اسکے علاوہ کسی کی چیز اس کی اجازت کے بغیر استعمال نہ کرے' اگر اجازت بھی دے تو سنجیدگی کے ساتھ استعمال کرے بے محل استعمال نہ کرے اور اس کی ضرورت کے وقت پر استعمال نہ کرے ان چند باتوں سے بالکلیہ بچنا ہے' یہ ساری ظاہری تدابیر ہیں' اصل کرنے والے اللہ ہیں' خوب محنت کر کے پھر اللہ کے سامنے رو کے اپنی گندگیوں کا' قصوروں کا اعتراف کرتے ہوئے۔ شیطان اول تو محنت سے روکے گا یہ غرور ہے اور اگر محنت کی تو پھر عجب پیدا کرائے گا۔ آدمی محنت خوب کرے پھر خدا کے سامنے روتا رہے تو انشاء اللہ اس کے ہاتھوں اللہ کا دین پھیلنے کی امید ہے' ہر جماعت اپنا وقت پورا کئے بغیر نہ لوٹے جتنا وقت لکھوایا ہے اس سے جھکتا تولے یعنی دو چار روز زیادہ دے' لکھائے ہوئے سے کم نہ کرے۔

سب ساتھی داعی بنیں

ایک بات یہ بھی ذہن میں رہے کہ ساتھ چلنے والے داعی بنیں' اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان سے گشت تعلیم بیان وغیرہ سارے کام کرائے جائیں اور کبھی کبھی نئی جماعت دے کر تین دن کے لیے اپنے سے الگ کیا جائے۔ جماعت کا بوجھ سر پر پڑے گا تو دعوت کا کام کھلے گا۔ تین دن کے بعد جب واپس آویں تو پوری کارگزاری سنی جائے' اب یہ صاحب ساتھ رہیں گے تو ہر چیز فکر سے سیکھیں گے' ہر جماعت یہ دیکھے کہ اس میں جماعتوں کے چلانے والے کتنے ہیں؟ اور ہر ساتھی کا وقت کیسا گذرا؟ اور جس علاقہ میں گئے وہاں سے کتنی جماعتیں نکلیں اور کتنی جگہ مقامی کام

چالو ہوا' اور خود اپنا وقت کیسے گذرا؟ ہر جماعت اس طور خود ہی اپنا محاسبہ کرے۔

ہجرت اور نصرت

ہماری اس دعوت کے دو پہلو ہیں ایک ہجرت' دوسرے نصرت' ہجرت تو یہ ہے اپنے مرغوبات کو قربان کر کے خدا کے راستے میں نکلنا' اور نصرت یہ ہے کہ اپنی بستی میں کوئی جماعت آوے تو ہم ان کا پورا ساتھ دیں' اور ان کے کام میں ہاتھ بٹائیں' گاؤں سے جماعت نکلوانے میں ان کے معاون بنیں' صرف کھلانے پلانے کی نصرت نہ ہو' بلکہ کام میں ہاتھ بٹانے کی نصرت ہو' اس سے انشاء اللہ دین پھیلے گا' مکہ مکرمہ کے مہاجرین کی حبشہ والوں نے بھی نصرت کی' لیکن صرف ٹھکانہ دیا' اکرام کیا' لیکن مہاجرین کے کام کو نہ اوڑھا' تو حبشہ سے دین نہیں پھیلا' اور مدینہ منورہ والوں نے ایسی نصرت کی ٹھکانہ دینے اور سہولتیں بہم پہنچانے کے علاوہ کام میں شریک ہوئے بلکہ دینی محنت کو اوڑھا تو مدینہ منورہ سے دین پھیلا' نصرت کی دوسری نوعیت یہ ہے کہ اپنی بستی میں سے جو آدمی خدا کے راستے میں جائے اس کے کاموں کی خیر وخبر باقی احباب لیں۔ مثلاً اس کی وجہ سے گشت تعلیم چالو تھی اس کے جانے کے بعد باقی ماندہ لوگ اوڑھیں یا وہ مکتب پڑھاتا تھا تو اب گاؤں والے باری باری اس کا کام کریں تاکہ بچوں کی تعلیم میں حرج نہ ہو اس کے گھر والوں کی دلجوئی' ہمت افزائی اپنی مستورات کے ذریعہ کرائی جائے۔ گھر والی بیمار ہو تو اپنی اہلیہ کے ذریعہ دوا کی ترتیب بنائی جائے' سودا سلف کوئی لانے والا نہ ہو تو سودا لا دیں' الغرض اس کے بال بچوں کو اپنے بڑے کی غیر حاضری محسوس نہ ہو" **من خلف الغازی کمن عزا**" اگر باہر نہ نکلے تو کم سے کم باہر نکلنے والوں کی دلجمعی کا سبب بنے' لیکن اس پر اکتفا نہ کرے یہ تو جب ہے جب ہجرت نہ کرے تو نصرت کرے ورنہ اصل ہجرت ہے ہجرت نہ تو پھر نصرت ہے "**لولا الھجرت لکنت امرامن الانصار**" اس کے واپس آنے کے بعد اگر گھریلو اور کاروباری حالات پریشان کن ہوں تو اسے طعنہ نہ مارا جائے' بلکہ تسلی دی جائے "**وتواصوا بالصبر**" کا منظر قائم ہو تا کہ

وہ آئندہ ہمت سے دین کا کام کر سکے۔ یہ ہدایات آجکل بھی بہت اہتمام سے بڑی تفصیل سے دی جاتی ہیں اور سمجھائی جاتی ہیں' یہ خیال کہ صرف جماعتوں کا نکال دینا مقصد ہے یہ غلط ہے۔

اشکال نمبر ۱۷: مسائل کی بجائے فضائل کی کتابوں پر زور کیوں؟

ایک اعتراض یہ بھی اکثر کانوں میں پڑا کہ تبلیغ والے فضائل کی کتابوں پر زور دیتے ہیں' مسائل کی کتابوں پر نہیں اس اعتراض سے بھی بڑی حیرت ہے کہ جب کسی عالم کی زبان سے سنتا ہوں' واقعہ صحیح ہے اور ایسا ہی ہے کہ تبلیغی نصاب میں فضائل کی کتابوں کو زیادہ اہمیت ہے۔ جس کی وجہ خود حضرت دہلوی نور اللہ مرقدۂ کے ملفوظات میں مسطور ہے وہ ارشاد فرماتے ہیں۔ ''فضائل کا درجہ مسائل سے پہلے ہے' فضائل سے اعمال کے اجر پر یقین ہوتا ہے جو ایمان کا مقام ہے اور اسی سے آدمی عمل کے لیے آمادہ ہوتا ہے' مسائل معلوم کرنیکی ضرورت کا احساس تو تب ہی ہوگا جب وہ عمل پر تیار ہوگا' اس لیے ہمارے نزدیک فضائل کی اہمیت زیادہ ہے''

(ملفوظات حضرت دہلویؒ)

اور بھی متعدد ملفوظات حضرت دہلوی اور مولانا محمد یوسف صاحب کے اس مضمون کے ہیں' جو ان کے ملفوظات اور سوانح سے معلوم ہو سکتے ہیں' ہدایات بالا میں اس کی مکمل وجہ لکھی جا چکی ہے کہ فضائل میں اختلاف نہیں مسائل میں اختلاف ہے۔ اور ان حضرات کا یہ فعل اللہ اور اس کے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عین سنت ہے' بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ سے نقل ہے کہ قرآن پاک میں جو ابتداء میں نازل ہوا وہ آخر قرآن میں مفصل ہوا اس میں جنت دوزخ کا ذکر تھا' یہاں تک کہ جب لوگ اسلام کی طرف متوجہ ہو گئے تو اسکے بعد حلال و حرام کے احکام اترے اگر شروع ہی میں یہ احکام اتر جاتے کہ شراب مت پیو تو لوگ کہنے لگتے کہ اس کو تو ہم نہیں چھوڑ سکتے' اور اگر نازل ہوتا کہ زنا چھوڑ دو تو وہ کہتے کہ ہم سے تو کبھی بھی نہیں چھوٹے گا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر مکہ میں جبکہ میں کمسن لڑکی تھی (سورۂ

قمر کی آیۃ)''بَلِ الساعة موعدهم والساعة ادهیٰ وامرّ'' بلکہ قیامت ہے ان کے وعدے کا وقت اور وہ گھڑی بڑی آفت ہے اور بہت کڑوی (ترجمہ حضرت شیخ الہند) اور سورۂ بقرہ اور نساء (جن میں احکام کی آیتیں ہیں وہ اس وقت نازل ہوئیں جب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئی تھی (یعنی مدینہ منورہ میں) حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہٗ کا ارشاد ہے۔ پہلے مجھ کو شبہ تھا کہ علماء وعظ میں احکام کیوں نہیں بیان کرتے' صرف ترغیب وترہیب پر اکتفاء کرتے ہیں۔ اور جو علماء محض واعظ ہیں صرف ان پر یہ سوال نہیں تھا بلکہ حقیقت میں جو علماء ہیں ان کے متعلق یہ شبہ تھا اور اپنے بزرگوں پر بھی یہی شبہ تھا' لیکن پھر خود تجربہ سے معلوم ہوا کہ وعظ میں مسائل بیان کرنا ٹھیک نہیں خصوصاً اس زمانہ میں جب کہ بدفہمی کا بازار گرم ہے۔ صرف ترغیب دینا ہی مناسب ہے ترغیب ہی دینا چاہئے۔ یہ تجربہ مجھ کو لکھنؤ کے ایک وعظ سے ہوا' میں نے چند مسئلے ربوا کے متعلق ایک دم بیان کردیے سامعین میں بعض مسائل میں اختلاف ہوگیا' میرے پاس مکرر تحقیق کے لیے آئے۔ معلوم ہوا کہ قلت فہم یا سوء حفظ سے کسی مقدمہ کا مقدم دوسرے کی تالی سے جوڑ دیا اور بالعکس اس لیے گڑبڑ ہوگئی اور جب خود واقعہ پیش آوے گا تو اس کے پوچھنے پر صرف واقعہ نظر میں ہوگا' اس میں غلط نہیں ہوسکتا۔ (افاضات یومیہ)

ایک دوسرے ملفوظ میں اسی واقعہ کو دوسرے عنوان سے تعبیر فرما کر آخر میں فرمایا ہے کہ اسی مصلحت کی بناء پر علماء صرف مضامین ترغیب وترہیب ہی کے وعظ میں بیان فرماتے ہیں۔ (حسن العزیز)

ایک جگہ ارشاد ہے کہ میرے مواعظ میں امید کے مضامین بہت ہوتے ہیں' ترہیب بہت کم ہوتی ہے' میری زیادہ غرض یہ ہوتی ہے کہ لگاؤ اور محبت حق تعالیٰ سے پیدا ہوجائے گو خیال ہوتا ہے کہ جرأت معصیت پر نہ ہوجائے' لیکن لگاؤ اور محبت اگر پیدا ہوجائے ...... تو معصیت ہو ہی نہیں سکتی' یہ حضرت حاجی صاحب کا طریق ہے وہاں بس تسلی تھی کسی حال میں مایوس نہ ہونے دیتے تھے' یوں فرماتے تھے کہ ہم لوگ عبد احسانی ہیں احسان اور لطف کے بندے ہیں

جب تک آرام وآسائش میں ہیں تب تک تو عقائد بھی درست ہیں اور تھوڑا بہت نماز روزہ بھی ہے اور جہاں کوئی مصیبت پڑی بس سب رخصت۔ (حسن العزیز)

حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جواب

جناب الحاج مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے اس اعتراض کا جواب اپنے وعظ میں بہت تفصیل سے دیا ہے' فرمایا کہ یہ لوگ ایک اعتراض یہ کیا کرتے ہیں کہ تبلیغی جماعت والے صرف فضائل بیان کرتے ہیں مسائل نہیں بیان کرتے اور دین درست ہوتا ہے مسائل سے فضائل سننے کے بعد دل میں امنگ تو پیدا ہو جاتی ہے مگر جب آگے مسئلہ معلوم نہ ہوگا تو ممکن ہے کہ لوگ امنگ اور جذبات کی رو میں بہہ کر من گھڑت عمل شروع کر دیں اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ بدعت میں مبتلا ہو نگے' لوگوں کا یہ کہنا کہ اس طرز عمل سے لوگ بدعت کے اندر مبتلا ہوتے چلے جائیں گے اولاً تو محض احتمال اور امکان کی بات ہے' دیکھنا یہ ہے کہ واقعہ کیا ہے' چالیس برس کے اندر کتنے لوگ بدعت میں مبتلا ہوئے؟ رہا مسائل کا نہ چھیڑنا اس کا اگر یہ جواب دیا جائے کہ ہم پہلے فضائل بیان کر کے جذبہ پیدا کرنا چاہتے ہیں بعد میں مسائل چلائیں گے تو بھی غلط ہے کیونکہ چالیس سال سے تبلیغ چل رہی ہے کیا آج تک جذبہ ہی پیدا نہیں ہوا' اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ تبلیغ والے فضائل ہی تو بیان کرتے ہیں مسائل سے انکار تو نہیں کرتے' کیا وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مسئلہ کسی سے نہ پوچھو' ہرگز وہ ایسا نہیں کہتے' دوسرے یہ کہ کام کرنے کے مختلف میدان اور مختلف لائنیں ہوتی ہیں کوئی درس وتدریس کی لائنیں اختیار کرتا ہے کوئی وعظ وتبلیغ کی تو کوئی سیاست وحکمت کی ان حضرات نے بھی ایک لائن اختیار کر لی ہے فضائل بیان کرتے ہیں لوگوں کے اندر دینی جذبہ پیدا کرتے ہیں اب ساری لائن وہی اختیار کر لیں یہ نہ تو ضروری ہے اور نہ ہی ممکن۔

جب آپ کسی کام کو شروع کرتے ہیں تو آپ کام کرنے سے پہلے کچھ مقاصد

اور اصول مقرر کرتے ہیں اور اپنی لائن متعین کرتے ہیں اس میں آپ سب چیزوں کو داخل نہیں کرتے تو پھر آپ اس میں سب چیزوں کو کیوں شامل کرنا چاہتے ہو؟ بہر حال جب کوئی اعتراض کرے تو اس سے سن لینا چاہئے اور اپنا کام کرتے رہنا چاہئے' عمل ہی سب اعتراضات کا جواب ہے۔ بس تبلیغ والوں کا حاصل یہ ہے کہ لوگوں کے اندر دین کا جذبہ اور دینی امنگ پیدا کر دی جائے اب اس امنگ سے آدمی دین کی جس لائن میں بھی کام لینا چاہے لے سکتا ہے تیز دیکھنے میں یہ آتا ہے کہ جب کسی چیز کی امنگ پیدا ہو جاتی ہے تو آدمی خود ہی اس امنگ کو صحیح طریقہ سے پورا کرنے کی جدوجہد اور سعی کرتا ہے۔

علماء سے ملیں اور مسائل معلوم کریں

اگر آپ کے اندر صحیح امنگ پیدا ہو گئی ہے اور آپ کو مسائل کی طلب ہے تو علماء سے ملئے مدرسہ میں جائیے اور مسائل معلوم کیجئے باقی کام میں نہ لگنا اور اعتراضات کا کرنا یہ حیلہ حوالہ کرنے والوں کا کام ہے جیسا کہ میں نے ابھی کہا کہ ہر جماعت کا ایک نصب العین اور طریقہ کار ہوتا ہے' آپ کا اس پر دوسری چیزوں کا لادنا کہ فلاں چیز کو بھی اس میں شامل کر لیجئے کسی طرح مناسب نہ ہوگا جب اس جماعت نے اپنا ایک موضع متعین کر لیا تو آپ کو چاہئے کہ آپ اس پرکار بند رہنے دیں' بہر حال تبلیغ سے نفع اظہر من الشمس ہے کہ لاکھوں انسانوں کے دلوں میں دین کی امنگ اور طلب پیدا ہوئی اور اسی امنگ اور طلب کی وجہ سے کتنی بدعات ختم ہوئیں ورنہ لاکھوں آدمیوں کا محض اللہ اور اللہ کے دین کی خاطر اپنا پیسہ خرچ کر کے سفر کرنا اپنا کھانا اپنا پینا' پہلے یہ جذبہ کہاں تھا۔ تو اس سے جو نفع پہنچا اس کو تو آپ بیان نہ کریں اور جو ان کا منصوبہ نہیں اس کو آپ اعتراض کی بنیاد بنائیں یہ تو کوئی مناسب بات نہ ہوگی' بہر حال اصلاح نفس کے چار جزو اور چار طریقے ہیں اور تبلیغ کے اندر حسن اتفاق چاروں طریقے جمع ہو گئے ہیں' صحبت صالح بھی ہے' ذکر وفکر بھی ہے' مواخاۃ فی اللہ بھی ہے اور محاسبہ نفس بھی ہے' اور انہیں چاروں مجموعوں کا نام تبلیغی

جماعت ہے عام لوگوں کے لئے اصلاح نفس کا اس سے بہتر کوئی اور طریقہ نہیں ہو سکتا اس طریقہ کار سے دین عام ہوتا جا رہا ہے اور ہر ملک کے اندر یہ صدا پہنچتی چلی جا رہی ہے اس طریقہ کار سے دین عام ہوتا جا رہا ہے لوگ تیزی سے اعمال کی جانب بڑھ رہے ہیں اور اپنے آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے سانچے میں ڈھالنے کی پوری کوشش کر رہے ہیں کم از کم ان تجربات کو سامنے رکھ کر اعتراض کرنے والوں کو ٹھنڈے دل سے سوچنا اور غور کرنا چاہئے اس لیے اس میں خود چل کر اس کام کے فائدہ کو دیکھنا چاہئے آپ خود داخل ہو کر اس بات کا فائدہ محسوس کریں گے کہ اس کام سے آپ کو کیا فائدہ پہنچا۔

آپ اسے تجربات کی روشنی میں معلوم کر لیجئے جو شخص بھی حسن نیت سے اس کام میں آئے گا اس کا اثر اسے ضرور ہوگا اس کام میں دعوت بھی ہے اور دعوت ہے لا الہ الا اللہ کی، نماز کی محنت بھی ہے ساتھیوں کے ساتھ تعلق بھی ہے ذکر بھی ہے محاسبہ بھی ہے اور بھی بہت سی چیزیں ہیں یہی وجہ ہے کہ اس محنت سے بہت سی خیر اور بھلائی انسان میں آ رہی ہے کتنے برے تھے جماعت کی وجہ سے اچھے بن گئے یہاں تک دیکھا گیا ہے کہ برے عقیدہ والے صالح عقیدہ والے بن گئے ہیں۔ اور پھر اعتراضات تو وہ قابل قبول ہیں جو کام میں گھس کر کیے جاویں اور جو باہر بیٹھ کر اعتراضات کرے وہ قابل قبول نہیں ہوا کرتے۔ اگر اندر گھس کر کوئی اعتراض کرے تب تو ٹھیک ہے لیکن اندر گھسنے والا کوئی اعتراض کرتا نہیں کیونکہ داخل ہونے کے بعد اسے اس کام کا فائدہ معلوم ہو جاتا ہے اس سے معلوم ہو گیا کہ یہ سب باہر کے اعتراضات ہیں جو قابل قبول نہیں یوں تو اعتراضات سے مدرسہ والے بھی خالی نہیں اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی اعتراض سے خالی نہیں۔ (کیا تبلیغی کام ضروری ہے)

اشکال نمبر ۱۸: موجودہ تبلیغ مولانا محمد الیاسؒ کے طرز پر نہیں

اعتراض موجودہ تبلیغ مولانا محمد الیاسؒ کے طرز پر نہیں ہے۔ اور جواب ایک

احمقانہ جاہلانہ اعتراض بھی کانوں میں پڑا کہ تبلیغ اپنی افادیت ہدایت اور اصلاح کے درمیان یقیناً ایسی ہی تھی جیسا کہ لوگ بتاتے ہیں لیکن اب موجودہ تبلیغ چونکہ حضرت دہلوی کی طرز پر نہیں رہی اس لیے اب یہ ضلالت وگمراہی ہے میں ان لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ کیا موجودہ دارالعلوم دیوبند اسی طرز پر باقی ہے جو حضرت نانوتوی قدس سرہٗ اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے دور میں تھا؟ کیا مظاہر العلوم سہارنپور اب اسی طریقہ اور اصول پر ہے جو حضرت مولانا احمد علی صاحب نور اللہ مرقدہٗ اور حضرت شیخ الہند اور مولانا کفایت اللہ صاحب کے دور میں تھا؟ کیا موجودہ جمیعۃ علماء ہند وہی جمیعۃ ہے جو حضرت حاجی صاحب اور حضرت گنگوہی کے زمانہ میں تھیں اور اگر وہ نہیں ہیں تو کیا ساری گمراہی وضلالت ہے؟ تو کیا یہ سارے ہی ادارے اور ان جیسے سارے ہی ادارے اب ضلالت وگمراہی بن گئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مشہور ارشاد ہے کہ میرا زمانہ سب سے بہتر زمانہ ہے پھر اس کے بعد کا زمانہ پھر اس کے بعد زمانہ اس لیے خیر القرون سے جتنا بھی بعد ہوتا جائے گا ظاہر ہے کہ وہ صلاح وفلاح خیر وبرکات ہرگز نہیں رہ سکتی جو سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تھی تو کیا اب اسلام کو ضلالت وگمراہی کہا جائیگا؟

مشکوٰۃ شریف میں بخاری شریف کی روایت سے نقل کیا ہے حضرت زبیر بن عدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حجاج ظالم کے مظالم کی شکایت کی تو انہوں نے صبر کی تلقین کی اور فرمایا کہ کوئی زمانہ تم پر ایسا نہیں آئے گا کہ اس کے بعد والا اس سے زیادہ برا نہ ہو میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سنا ہے حضرت زہری کہتے ہیں کہ میں حضرت انسؓ کی خدمت میں دمشق میں حاضر ہوا تو وہ رو رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی کوئی چیز بھی ایسی نہیں رہی جو تم لوگوں نے بدل نہ دی ہو ایک نماز رہ گئی تھی اسے بھی ضائع کر دیا (یہ دو حدیثوں کا مشترک مضمون ہے) بخاری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم لوگ ایسے زمانہ میں ہو کہ اگر مامور بہ کا دسواں حصہ بھی چھوڑ دو تو ہلاک ہو جاؤ لیکن عنقریب ایک زمانہ آنے والا ہے کہ اگر وہ لوگ مامور

یہ کا دسویں حصہ پر بھی عمل کریں گے تو نجات پالیں گے۔ (مشکوٰۃ)

مشکوٰۃ میں بروایت ترمذی حضرت انسؓ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ پاک تشریف آوری ہوئی مدینہ پاک کی ہر چیز روشن ہوگئی اور جس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا ہر چیز بے نور ہوگئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن کے بعد ہم ہاتھ مٹی سے جھاڑنے بھی نہ پائے تھے کہ ہم نے اپنے دلوں میں تغیر پایا' اس لیے اکابر کے دور کی برکات اور ان کے انوار بعد میں ڈھونڈنا یا بعد والوں کو ان کے معیار پر جانچنا نادانی کے سوا کیا ہوسکتا ہے میں تو پچاس سال سے دیکھ رہا ہوں کہ اکابر میں سے جو بھی گیا اپنی جگہ بالکل خالی چھوڑ گیا وہ برکات انوار خیرات جو ان اکابر کے دور میں تھیں بعد میں نہ مل سکیں۔

مفتی محمودؒ کا جواب

مفتی صاحب نے اسی نوع کے ایک اعتراض پر اپنے ایک نجی خط میں جو چشمۂ آفتاب میں چھپ بھی گیا ہے بڑی شدت سے نکیر کی ہے۔ اس کے آخر میں لکھا ہے کہ تبلیغی کام کسی خاص طبقہ کی اصلاح کا ذریعہ نہیں بلکہ تمام دین کے احیاء اور تمام مسلمانوں کی اصلاح اور پختگی کا ذریعہ ہے اور دائرہ اسلام کی بیش از بیش وسعت کا ذریعہ ہے' اور دیگر اقوام کے مطالعہ کا ذریعہ ہے کہ جو غلط چیزیں غلط ماحول اور جہالت کی وجہ سے لوگوں میں پھیل گئی ہیں ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں' چونکہ یہ کام بہت عمومی حیثیت رکھتا ہے ہر قسم کے آدمی اس میں آتے ہیں اور کام کرتے ہیں اور ایک کی اصلاح اس کے حوصلہ کے موافق ہوتی ہے۔ اس لیے بے علم اور باعلم ذہین اور نجی نئے اور پرانے' تجربہ کار اور بے تجربہ' متقی اور غیر متقی' ذاکر اور غافل' نستعلیق اور شکستہ' شہری اور دیہاتی' شستہ زبان اور اکھڑ' سب کو تنقید کرتے وقت ایک معیار پر جانچنا اور ایک وزن سے تولنا صحیح نہیں بلکہ اصولاً غلط ہے۔ کسی سے اگر کوتاہی ہو جائے تو اس کو اصول قرار نہیں دیا جاسکتا۔ بلکہ اصلاح کی طرف متوجہ کیا جائے گا آپ کی اس تحریر سے انشاء اللہ کام کرنے والوں کے بددل ہوجانے کا تو اندیشہ نہیں کیوں کہ ان میں جو اہل علم ہیں وہ دلائل حقہ کی روشنی میں اعلیٰ وجہ البصیرت

کام کررہے ہیں' آپ کی مجمل تحریر سے ان کے دلائل میں اضمحلال پیدا نہیں ہوگا اور جو بے علم ہیں وہ اپنی عملی اور اخلاقی حالت کو بہتر سے بہتر ترقی پر دیکھتے ہیں اور ان کے ایمان میں قوت پیدا ہوتی ہے جس سے یقین میں پختگی آتی ہے اور اللہ پاک کی رحمتیں ان پر نازل ہوتی ہیں' بے علم ہونے کے باوجود ان کو یہ چیزیں روزانہ زیادہ سے زیادہ اس کام پر مستعد کرتی ہیں۔ (چشمہ آفتاب)

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا قول

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے ایک ملفوظ میں فرمایا کہ ''میں سچ عرض کرتا ہوں کہ ہم اپنی وضع پر نہیں رہے۔ ہم اپنے بزرگان سلف کی سوانح دیکھتے ہیں کہ ان کا برتاؤ دیکھ دیکھ کر لوگ مسلمان ہوتے ہیں'' (ملفوظات یومیہ) کیا خدانخواستہ نعوذ باللہ خانقاہ اشرفیہ حضرت تھانویؒ کے دور میں ضلالت وگمراہی بن گئی تھی؟ جب کہ وہ اپنے اکابر اور اسلاف کا طرز مدارس کے معاملہ میں اور اوقات کے سلسلہ میں کئی واقعات لکھ چکا ہے' جن پر عمل تو درکنار موجودہ اہل مدارس کے حلق کے تلے بھی نہیں اترتے۔ تو کیا ان سب مدارس کو گمراہی کہہ دیا جائے گا؟ جن کا وجود موافق ومخالف سب کے نزدیک نہایت ضروری ہے۔ ان سب کے باوجود مجھے نہ تبلیغ والوں کو معصوم بتانا ہے نہ ان کی بے جا حمایت کرنی ہے۔ نہ ان کی غلطیوں سے انکار ہے' پہلے مختلف نمبروں میں یہ مضامین کثرت سے گزر چکے ہیں کہ غلطیوں سے کونسا گروہ اور کونسا ادارہ خالی ہے۔ میرا مقصد ان سارے مضامین سے یہ ہے کہ اعتراضات سے اگر واقعی اصلاح مقصود ہے اور محض تخریب مقصود نہیں ہے تو پھر اعتراضات اصلاح کے طریقہ سے ہونا چاہئیں جن کی تفاصیل اوپر گذر چکی ہیں، حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ نے ایک ملفوظ میں ارشاد فرمایا ہے کہ مدرسہ کی مخالفت کرنے والے تو خود اعتراض میں مبتلا ہیں الا ماشاء اللہ' شکایات تو خود مجھ کو بھی کارکنان مدرسہ سے ہیں مگر شکایات کا یہ طریقہ نہیں جو ان مخالف لوگوں نے اختیار کر رکھا ہے' کہ انہوں نے مدرسہ ہی کو بیخ وبنیاد سے اکھاڑ دینے کا انتظام کر دیا' مجھ کو مدرسہ والوں کے ساتھ تو صرف طریقہ کار سے اختلاف ہے اور مخالفین کے ساتھ ان باتوں سے اختلاف ہے جو بدون

تحقیق کارکنان مدرسہ کے سر تھوپ گئیں۔ آخر دین بھی کوئی چیز ہے دشمنی میں بھی حدود سے تجاوز نہ ہونا چاہیے۔

دوسرے یہ کہ اگر ان کو دشمنی بھی ہے تو کارکنان مدرسہ سے نہ کہ مدرسہ سے' تو ایسی حرکت کرنا یا وہ طریقہ اختیار کرنا جس سے مدرسہ کو نقصان پہنچے یہ کس درجہ تک عقل کی بات ہے اور خاص اغراض پورا کرنے کی وجہ سے چالاکیاں اور پالیسی اختیار کرنا کون سی کمال کی بات ہے۔ ایسی پالیسی تو ہم بھی جانتے ہیں مگر استعمال سے نفرت ہے (افاضات یومیہ) جہاں تک مبلغین پر تنبیہات کا تعلق ہے اور ان کی فہمائش اور اصلاح کا تعلق ہے میں پہلے لکھوا چکا ہوں کہ نظام الدین سے جماعتوں کی روانگی کے وقت دو گھنٹے تک ہدایات سمجھی جاتی ہیں اور اس تبلیغ کی موجودہ تحریک کے سلسلہ میں اب سے بیالیس سال پہلے حضرت دہلویؒ کے ارشاد پر اس ناکارہ نے رسالہ فضائل تبلیغ لکھا تھا جو کئی بار طبع بھی ہو چکا ہے۔ اس کے درمیان کئی فصلیں مبلغین کی تنبیہات اور ان کے کاموں کی اصلاح کے بارے میں شائع ہو چکی ہیں نیز اپنے رسالہ الاعتدال میں ۵۷ھ میں لکھا گیا تھا معترضین کے متعلق بھی کچھ تفصیل لکھوا چکا ہوں' جس کا یہاں اعادہ موجب طوالت ہے۔ یہ بھی میں پہلے لکھوا چکا ہوں کہ جو جماعتیں مرکز میں واپس جاتی ہیں ان سے بہت اہتمام سے اب بھی کارگزاری سنی جاتی ہے اور اس میں قابل اصلاح چیزوں پر نکیر اور تنبیہ کی جاتی ہے۔ جماعتوں کے سہارنپور آنے کے زمانے میں کسی کارکن سے کوئی لغزش میرے کان میں پڑتی ہے یا مبلغین کی تقریروں میں سے کسی کی تقریر میں کوئی بے اعتدالی کان میں پڑتی ہے تو میں اس جماعت کی تحقیق اس مقرر کا نام اور تقریر کا قابل گرفت حصہ نقل کر کے مرکز بھیجتا ہوں کہ وہ اس جماعت سے واپسی پر میرے خط کے حوالہ سے اس کی گرفت بھی کرتے ہیں اور یہ ناکارہ خود بھی ان مقرر صاحب یا کارکن کو تنہائی میں بلا کر اس پر نکیر کرتا ہے' مضمون بے ارادہ طویل ہو گیا بہت ہی مختصر اجمالی طور پر چند امور لکھوانے کا خیال تھا مگر بات میں بات یاد آتی گئی، آخر میں حضرت دہلویؒ کے چند ملفوظات پر جو کام سے خصوصی تعلق رکھتے ہیں اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

ملفوظات حضرت دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

ملفوظ نمبر ۱ :۔ ارشاد فرمایا کہ سب سے پہلا اور اہم تقاضہ یہ ہے کہ آدمی اپنی زندگی کا احتساب کرے، اپنے فرائض اور اپنی کوتاہیوں کو سمجھے اور ان کی ادائیگی کا فکر کرنے لگے لیکن اگر اس کے بجائے وہ اپنے علم سے دوسروں ہی کے اعمال کا احتساب اور ان کی کوتاہیوں کے شمار کا کام لیتا ہے تو پھر یہ علمی کبر و غرور ہے جو اہل علم کے لیے بڑا مہلک ہے۔ ؎ ''کار خود کن کار بیگانہ مکن''

ملفوظ نمبر ۲ : ارشاد فرمایا کہ ہماری اس تحریک کا اصل مقصد ہے مسلمانوں کو جمیع ما جاء بہ النبی ﷺ سکھانا (یعنی اسلام کے پورے علمی و عملی نظام سے امت کو وابستہ کر دینا) یہ تو ہے میرا اصل مقصد، رہی قافلوں کی یہ چلت پھرت اور تبلیغی گشت سو یہ اس مقصد کے لیے ابتدائی ذریعہ ہے اور کلمہ و نماز کی تلقین و تعلیم گویا پورے نصاب کی ا۔ب۔ت ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ ہمارے قافلے پورا کام نہیں کر سکتے ان سے تو بس اتنا ہی ہو سکتا ہے کہ ہر جگہ پہنچ کر اپنی جدوجہد سے ایک حرکت و بیداری پیدا کر دیں اور غافلوں کو متوجہ کر کے وہاں کے مقامی اہل دین سے وابستہ کرنے کی اور اس جگہ کے دین کی فکر رکھنے والوں (علماء و صلحاء) کو بے چارے عوام کی اصلاح پر لگا دینے کی کوشش کریں۔ ہر جگہ پر اصلی کام تو وہیں کے کارکن کر سکیں گے اور عوام کو زیادہ فائدہ اپنی ہی جگہ کے اہل دین سے استفادہ کرنے میں ہوگا، البتہ اس کا طریقہ ہمارے ان آدمیوں سے سیکھا جائے جو ایک عرصہ سے افادہ و استفادہ اور تعلیم و تعلم کے اس طریقہ پر عامل ہیں، اور اس پر بڑی حد تک قابو پا چکے ہیں۔

ملفوظ نمبر ۳ :۔ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب سابق شیخ الاسلام پاکستان تقسیم سے پہلے حضرت دہلوی کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے تو دیکھتے ہی فرمایا ؎

بلبہم رسید جانم تو بیا کہ زندہ مانم
پس ازاں کہ من نہ مانم بچہ کار خواہی آمد

مجھ (مولانا ظفر احمد صاحب) پر اتنا اثر ہوا کہ آبدیدہ ہو گیا۔ پھر فرمایا کہ وعدہ بھی یاد ہے؟ میں نے (مولانا ظفر احمد صاحب) وعدہ کیا تھا کہ کچھ دن تبلیغ میں دوں گا، عرض کیا یاد ہے،

مگر اس وقت تو دہلی میں گرمی بہت ہے رمضان میں تعطیل ہوگی تو بعد رمضان کے وقت دوں گا۔ فرمایا کہ تم رمضان کی باتیں کرتے ہو یہاں شعبان کی بھی امید نہیں۔ میں نے عرض کیا بہت اچھا اب میں ٹھہر گیا آپ دل برا نہ کریں۔ میں ابھی تبلیغ میں وقت دوں گا۔ یہ سن کر چہرہ خوشی سے چمک اٹھا، میرے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور پیشانی پر بوسہ دیا اور دیر تک سینہ سے لپٹائے رکھا، اور بہت دعائیں دیں، پھر فرمایا تم نے میری طرف رخ تو کیا ہے، بہت سے علماء تو دور ہی دور سے میرے مقصد کو سمجھنا چاہتے ہیں، پھر ایک بڑے عالم کا نام لیا کہ وہ تبلیغ میں آجکل بہت حصہ لے رہے ہیں مگر مجھ سے پوچھو تو اب تک بھی وہ میرے منشاء کو نہیں سمجھے کیوں کہ مجھ سے آج تک بلا واسطہ گفتگو نہیں کی اب میں وسائط سے اپنے منشاء کو کیوں کر سمجھا دوں؟ خصوصاً جب کہ وسائط بھی ناقص ہوں، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تم کچھ دن میرے پاس رہو تو میری منشاء کو سمجھو گے۔ دور رہ کر نہیں سمجھ سکتے، یہ میں جانتا ہوں کہ تم تبلیغ میں حصہ لیتے ہو جلسوں میں تقریر کرتے ہو، تمہاری تقریر سے نفع بھی ہوتا ہے مگر یہ تبلیغ وہ نہیں جو میں چاہتا ہوں۔

ملفوظ نمبر ٤:۔ ایک دینی مدرسہ کے طلبہ کی ایک جماعت سے خطاب کا آغاز اس سوال سے کیا بتاؤ تم کون ہو؟ پھر خود ہی فرمایا تم مہمانان خدا اور مہمانان رسول ﷺ ہو مہمان اگر میزبان کو ایذاء دے تو اس کی ایذا دوسروں کی ایذا سے زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔ پس اگر تم طالب علم ہو کر خدا اور رسول کی رضا کے کام نہ کرو اور غلط راہوں پر چلو تو سمجھ لو کہ تم اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے ستانے والے ان کے مہمان ہو۔

ملفوظ نمبر ٥:۔ فرمایا دوستو! ابھی کام کا وقت باقی ہے، عنقریب دین کے دو زبردست خطرے پیش آئیں گے ایک تحریک شدھی کی طرح کفر کی تبلیغی کوشش جو جاہل عوام میں ہوگی، اور دوسرا خطرہ ہے الحاد و دہریت کا جو مغربی حکومت و سیاست کے ساتھ ساتھ چلا آرہا ہے۔ یہ دونوں گمراہیاں سیلاب کی طرح آئیں گی جو کچھ کرنا ہے ان کے آنے سے پہلے پہلے کر لو۔

ملفوظ نمبر ٦:۔ فرمایا دین کی عمومی تعلیم و تربیت کا جو طریقہ ہم اپنی اس تحریک کے ذریعہ رائج کرنا چاہتے ہیں صرف وہی طریقہ حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں رائج تھا، اور اسی طرز سے

وہاں عام طور پر دین سیکھا اور سکھایا جاتا تھا۔ بعد میں جو اور طریقے اس سلسلے میں ایجاد ہوئے مثلاً تصنیف وتالیف اور کتابی تعلیم وغیرہ سوان کو ضرورت حادثہ نے پیدا کیا، مگر اب لوگوں نے صرف اسی کو اصل سمجھ لیا ہے، اور حضور ﷺ کے زمانے کے طریقہ کو بالکل ہی بھلا دیا ہے حالاں کہ اصل طریقہ وہی ہے اور عمومی پیمانے پر تعلیم وتربیت صرف اسی طریقہ سے دی جا سکتی ہے۔"

ملفوظ نمبر ۷:۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو وعدے فرمائے ہیں بلاشبہ وہ بالکل یقینی ہیں اور آدمی اپنی سمجھ بوجھ اور اپنے تجربات کی روشنی میں جو سوچتا ہے اور جو منصوبے قائم کرتا ہے وہ محض ظنی اور وہمی باتیں ہیں، مگر آج کا عام حال یہ ہے کہ اپنے ذہنی منصوبوں اور اپنے تجویز کیے ہوئے وسائل واسباب اور اپنی سوچی ہوئی تدابیر پر یقین واعتماد کر کے لوگ ان کے مطابق جتنی محنتیں اور کوششیں کرتے ہیں اللہ کے وعدوں کی شرطیں پوری کر کے ان کا مستحق بننے کے لیے اتنا نہیں کرتے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے خیالی اسباب پر ان کو جتنا اعتماد ہے اتنا اللہ کے وعدوں پر نہیں ہے اور یہ حال صرف ہماری عوام کا ہی نہیں ہے بلکہ سب ہی عوام وخواص کا (الا ماشاء اللہ) ان ہی وعدوں والے اور یقینی اور روشن راستہ کو چھوڑ کر اپنی ظنی اور وہمی تدبیروں میں الجھے ہوئے ہیں، پس ہماری اس تحریک کا خاص مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کی زندگی سے اس اصولی اور بنیادی خرابی کو نکالنے کی کوشش کی جائے۔ اوران کی زندگیوں وسرگرمیوں کو ظنون واوہام کی لائن کی بجائے الٰہی وعدوں کے یقینی راستہ پر ڈالا جائے۔ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ یہی ہے اور انہوں نے اپنی امتوں کو یہی دعوت دی ہے وہ اللہ کے وعدوں پر یقین کر کے اور بھروسہ کر کے ان کی شرطوں کے پورا کرنے میں اپنی ساری کوششیں صرف کر کے ان کے مستحق بنے اللہ کے وعدوں کے بارے میں جیسا تمہارا یقین ہوگا ویسا ہی تمہارے ساتھ اللہ کا معاملہ ہوگا۔ حدیث قدسی ہے۔ "انا عند ظن عبدی بی"

ملفوظ نمبر ۸:۔ فرمایا ہمارے سب کام کرنے والوں کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ تبلیغ کے لیے باہر جانے کے زمانے میں بالخصوص علم اور ذکر کی طرف بہت زیادہ توجہ کریں۔ علم اور ذکر میں ترقی کے بغیر دینی ترقی ممکن نہیں نیز علم اور ذکر کی تحصیل وتکمیل اس راہ میں بڑوں سے وابستگی رکھتے ہوئے اور ان کے زیر ہدایت اور ان کی نگرانی میں ہو، انبیاء علیہم السلام

کا علم وذکر اللہ تعالیٰ کے زیر ہدایت اور اس کے حکم کے ماتحت ہوتا تھا اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا علم وذکر رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے ماتحت اور آپ کی نگرانی میں ہوتا تھا۔ پھر ہر زمانہ کے لوگوں کے لیے اس قرآن کے اہل علم اور اہل ذکر گویا رسول اللہ ﷺ کے خلفاء ہیں، لہٰذا علم وذکر میں اپنے بڑوں کی نگرانی سے استغناء نہیں یہ بھی ضروری ہے کہ خاص کر باہر نکلنے کے زمانہ میں صرف اپنے خاص مشاغل میں اشتغال رہے اور دوسرے تمام مشاغل سے یکسو رہا جائے۔ اور وہ خاص مشاغل یہ ہیں، تبلیغی گشت، علم، ذکر، دین کے لیے گھر بار چھوڑ کر نکلنے والے اپنے ساتھیوں کی خصوصاً اور عام خلق اللہ کی عموماً خدمت کی مشق، اور تصحیح نیت اخلاص واحتساب کا اہتمام اور اتہام نفس کے ساتھ بار بار اس اخلاص واحتساب کی تجدید یعنی اس کام کے لیے نکلتے وقت یہ تصور کرنا اور اثناء سفر میں بھی بار بار اس تصور کو تازہ کرتے رہنا کہ ہمارا یہ نکلنا صرف اللہ کے لیے اور ان نعمائے آخرت کی طمع میں ہے جن کا وعدہ دین کی خدمت ونصرت پر اور اس راہ کی تکلیفیں اٹھانے پر فرمایا گیا ہے یعنی بار بار اس دھیان کو دل میں جمایا جائے کہ اگر میرا نکلنا خالصاً مخلصاً ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول فرمالیا تو اللہ کی طرف سے مجھے دو نعمتیں ضرور ملیں گی جن کا وعدہ اس کام پر قرآن پاک اور احادیث میں فرمایا گیا ہے اور وہ یہ یہ ہوں گی، بہر حال ان الٰہی وعدوں پر یقین اور ان کی امید کے دھیان کو بار بار تازہ کیا جائے۔ اور اپنے سارے عمل کو اسی یقین اور اسی دھیان سے باندھا جائے۔ بس اسی کا نام ایمان واحتساب ہے اور یہی ہمارے اعمال کی روح ہے۔

ملفوظ نمبر ۹:۔ فرمایا اس راہ میں کام کرنے کی صحیح ترتیب یوں ہے جب کوئی قدم اٹھانا ہو مثلاً خود تبلیغ کے لیے جانا ہو یا تبلیغی قافلہ کہیں بھیجنا ہو یا شکوک وشبہات رکھنے والے کسی شخص کو مطمئن کرنے کے لیے اس سے مخاطب ہونے کا ارادہ ہو تو سب سے پہلے اپنی نااہلیت اور بے بسی اور وسائل واسباب سے اپنی تہی دستی کا تصور کر کے اللہ کو حاضر ناظر وقادر مطلق یقین کرتے ہوئے پورے الحاح وزاری کے ساتھ اس سے عرض کریں کہ خداوند! تو نے بار ہا بغیر اسباب کے بھی محض اپنی قدرت کاملہ سے بڑے بڑے کام کر دیے ہیں۔ اللہ! بنی اسرائیل کے لیے تو نے محض اپنی قدرت ہی سے سمندر میں خشک راستہ پیدا کر دیا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کے لیے تو نے اپنی رحمت اور

قدرت ہی سے آگ کو گلزار بنا دیا تھا اور اے اللہ! تو نے اپنی حقیر حقیر مخلوقات سے بھی بڑے بڑے کام لے لیے ہیں ابابیل سے تو نے ابرہہ کے ہاتھیوں والے لشکر کو شکست دلوائی اور اپنے گھر کی حفاظت کرائی، عرب کے اونٹ چرانے والے امیوں سے تو نے اپنے دین کو ساری دنیا میں چمکایا اور قیصر وکسریٰ کی سلطنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرا دیا، پس اے اللہ! اپنی اس سنت قدیمہ کے مطابق مجھ نکمے ناکارہ اور عاجز و بے بس بندہ سے بھی کام لے۔ اور میں تیرے دین کے جس کام کا ارادہ کر رہا ہوں اس کے لیے جو طریقہ تیرے نزدیک صحیح ہے مجھے اس کی طرف رہنمائی فرما اور جن اسباب کی ضرورت ہو وہ محض اپنی قدرت کاملہ سے مہیا فرما دے۔ بس اللہ سے یہ دعا مانگ کے کام میں لگ جائے جو اسباب اللہ کی طرف سے ملتے رہیں ان سے کام لیتا رہے اور صرف اللہ ہی کی قدرت و نصرت پر کامل بھروسہ رکھتے ہوئے اپنی کوشش بھی بھرپور کرتا رہے اور رو رو کے اس سے نصرت اور انجاز وعد کی التجائیں بھی کرتا رہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مدد ہی کو اصل سمجھے اور اپنی کوشش کو اس کے لیے شرط اور پردہ سمجھے۔

ملفوظ نمبر ۱۰:۔ فرمایا کہ ہماری تبلیغ کا حاصل یہ ہے کہ عام دیندار مسلمان اپنے اوپر والوں سے دین کو لیں، اور اپنے نیچے والوں کو دیں، مگر نیچے والوں کو اپنا محسن سمجھیں کیوں کہ جتنا ہم کلمہ کو پہنچائیں گے، پھیلائیں گے اس سے خود ہمارا کلمہ بھی کامل اور منور ہوگا، اور جتنوں کو ہم نمازی بنائیں گے اس سے خود ہماری نماز بھی کامل ہوگی، تبلیغ کا یہ بڑا گر ہے کہ اس سے مبلغ کو اپنی تکمیل مقصود ہو، دوسروں کے لیے اپنے کو ہادی نہ سمجھے کیوں کہ ہادی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہے۔

ملفوظ نمبر ۱۱:۔ حضرت مولانا علی میاںؒ نے حضرت دہلویؒ کی سوانح میں لکھا ہے جو خود میرے علم میں بھی ہے بلکہ میں خود تنخواہ دار مبلغین کا ابتداء بہت حامی رہا، میرے ہی اصرار پر شروع میں مبلغین رکھے گئے۔ اور تجربہ سے واقعی معلوم ہوا کہ تنخواہ دار مبلغین سے وہ لوگ بہت مفید اور کارآمد ثابت ہوئے جو بلا معاوضہ دینی جذبہ سے کام کرتے ہیں، علی میاں صاحب لکھتے ہیں کہ دہلی اور دوسرے مقامات پر تبلیغ کرنے کے لیے کچھ عرصہ میں پانچ تنخواہ دار مبلغین رکھے ہوئے تھے جو قریب قریب تبلیغ کے مروجہ عام طریقوں پر کام کرتے تھے انہوں نے تقریباً ڈھائی سال کام کیا لیکن ان سے مولانا کا مقصود حاصل نہیں ہوتا تھا اور مولانا اس سست اور بے روح کام سے بہت اکتا گئے

تھے، ان لوگوں کے کام سے وہ دینی اور اصلاحی نتائج حاصل نہیں ہو رہے تھے اور وہ حرکت و زندگی نہیں پیدا ہو رہی تھی جو میوات کے رضا کار اور طالب اجر اور ایثار پیشہ مبلغین سے پیدا ہوگئی تھی مولانا اس طریق کار سے بالکل غیر مطمئن ہو گئے تھے اور اس کو ختم کر دینا چاہتے تھے۔ (دینی دعوت)

ملفوظ نمبر ۱۲:۔ ایک مکتوب میں حضرت دہلویؒ ارشاد فرماتے ہیں "تبلیغ کے لیے خاص جگہ کو مخصوص کر لینا اور باقی مواضع کو اس کے بعد پر رکھنا ایک سنگین بنیادی غلطی ہے، خطرناک اور زہریلا خیال ہے، ہرگز ہرگز اس کو دل میں جگہ نہ دیں اور اس خیال کو قلب میں نہ آنے دیں۔" علی میاں اس کی تائید میں لکھتے ہیں کہ اگر ایک ہی مقام پر اپنی کوشش اور توجہ کو مرکوز رکھا ہوتا اور دوسرے مقام کی طرف قطعاً توجہ نہ دی جاتی تو سخت ہمت شکنی اور شکستہ دلی کا باعث ہوتا۔ اس لیے کہ بعض مقامات قطعاً اہلیت اور استعداد سے محروم ہیں، مقامات کی تعداد اور تنوع کی وجہ سے ہمت افزائی اور تازگی کام میں رہی۔ (مکاتیب)

آخری گذارش

آخر میں کام کرنے والے احباب سے بھی باصرار درخواست ہے کہ حضرت دہلویؒ کے اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے ملفوظات اور ارشادات اور ہر دو کی سوانح عمریاں اور مکاتیب بہت اہتمام سے مطالعہ میں رکھا کریں کہ کام کرنے والوں کے لیے یہ بہت قیمتی ہوتی ہیں اور ان اصول کی پابندی کام میں اضافہ ترقی اور برکت کا سبب ہے، اور جیسا کہ حضرت دہلویؒ نے بار بار فرمایا اور ملفوظات میں بھی کئی جگہ آیا کہ ان اصول کی رعایت سے تو انشاء اللہ کام میں ترقی کی امید ہے اور بے اصولی سے سخت خطرات کا اندیشہ ہے اس مضمون کو بھی یہ ناکارہ رسالہ فضائل تبلیغ میں بہت تفصیل سے لکھ چکا ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين وصلى الله تعالىٰ علىٰ خير خلقه محمد وعلىٰ اله واصحابه اجمعين برحمتك يا ارحم الراحمين

محمد زکریا کاندھلویؒ

چہار شنبہ ۲۵/ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ بمطابق ۱۰/ مئی ۱۹۷۲ء

تکملہ

اس ناکارہ نے جب حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ کے خلفاء ہند کی اس کام میں شرکت اور آراء لکھیں تو اس وقت اپنے بعض دوستوں کو پاکستان میں لکھا کہ حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ کے خلفاء میں سے آپ کے کام میں کسی کی شرکت ہو تو ضرور مطلع فرمادیں، رسالہ کے پورا ہونے کے بعد چند دوستوں کے خطوط آئے چونکہ رسالہ کی ابھی تک طباعت پوری نہیں ہوئی تھی گو معظم حصہ ہو گیا تھا، اس لیے تکملہ کے طور پر ان احباب کے خطوط بھی نقل کرتا ہوں۔

(۱) مکتوب عزیزم الحاج مولوی احسان الحق صاحب مدرس مدرسہ عربیہ رائیونڈ

میں نے ڈاکٹر اسماعیل صاحب کے ذریعہ سے جو عریضہ لکھا ہے (وہ ابھی تک نہیں پہنچا) جس میں حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے خلفاء کے متعلق لکھ چکا ہوں۔ دوبارہ احتیاطاً لکھتا ہوں (ا) مولانا عبدالسلام نوشہرہ والے دس یوم کے لیے یہاں تشریف لائے تھے مقامی مرکز میں تشریف لے جاتے ہیں، علاقے کے اجتماع میں شرکت کرتے ہیں۔ صاحبزادہ کو چلے کے لیے بھیجا (ب) مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوری کراچوی رحمۃ اللہ علیہ (ج) پیر فخر الدین گھونکی رحمۃ اللہ علیہ ہر دو حضرات بھی تبلیغ کے زبردست مؤید تھے (د) مولوی مقصود اللہ صاحب باریسال مشرقی تو تبلیغ کے کام میں چلوں کے حساب سے شرکت فرمایا کرتے تھے (ہ) مولوی نور اللہ بخش صاحب چاٹگامی کے دو خلفاء مولانا عبدالحلیم صاحب فینی اور مولانا سعید الحق صاحب ہاتھیہ پہلے تو ابھی زندہ ہیں چار ماہ تبلیغ میں لگانے کے ارادے سے آئے تھے، اور آج کل وقت تبلیغ کا پورا کر کے کراچی میں مقیم ہیں۔ مولانا سعید الحق صاحب تبلیغ کے بڑے زبردست کارکنوں میں تھے۔ (و) مولانا محمد اللہ صاحب (ز) مولانا اطہر علی صاحب جنگ سے پہلے حیات تھے اب کا حال معلوم نہیں اور یہ دونوں حضرات بھی خوب تائید فرماتے ہیں۔

(۲) عزیز احسان کا ایک مکتوب

بلکہ متعدد خطوط دیگر احباب کے جب کہ یہ رسالہ زیر کتابت تھا پہنچے۔ ان سب کا نقل

کرانا تو شعار ہے عزیز احسان کا مکتوب چونکہ مختصر ہے اس لیے اس کو مختصر کر کے لکھواتا ہوں۔

حضرت والا کا گرامی نامہ بمبئی لندن کراچی ہوتا ہوا ان دنوں رائیونڈ پہنچا جب کہ میں سفر میں تھا واپسی سے اس سے مشرف ہوا۔ اس میں فوری جواب دینے کا حکم تھا، لیکن بعض باتیں قاضی جی، عبدالوہاب اور مولانا عبدالعزیز صاحب سے دریافت کر کے جواب دینے کی تھیں۔ اور یہ تینوں بھی سفر میں تھے اب ان حضرات کے واپس آتے ہی معلومات حاصل کر کے جواب ارسال خدمت کر رہا ہوں۔ ہمارے ہاں پیر فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ گھوٹکی سندھ اور مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ کراچی، ہر دو حضرت تھانویؒ کے خلفاء میں سے تبلیغی کام کی بہت زیادہ تائید فرمایا کرتے تھے اور دیگر خلفاء میں سے مولانا قاضی عبدالسلام صاحب نوشہرہ اور مولانا فقیر اللہ صاحب پشاور حیات ہیں۔ اور ہر دو زبردست موئد موکد ہیں، اپنے اقارب کو یہاں بھیجتے ہیں بلکہ اول الذکر تو ایک مرتبہ خود یہاں تشریف لائے تھے دس یوم کے لیے۔ اور مشرق میں تھانوی سلسلے کے خلفاء میں سے پیر مقصود صاحب رحمۃ اللہ باریسال بہت ہی زیادہ عملی حصہ لیا کرتے تھے، ادھر سے رائیونڈ بھی تشریف لائے تھے۔ اور دیگر خلفاء میں سے مولانا عبدالوہاب صاحب مدظلہ ہاٹ ہزاری، مولانا اطہر علی صاحب کشور گنج اور پیر جی حضور مولانا محمد اللہ صاحب لال باغ ڈھاکہ لسانی تائید فرماتے ہیں اور مولانا نور بخش صاحب رحمۃ اللہ فینی جو کہ حضرت تھانوی کے اجل خلفاء میں سے تھے، ان کے خلیفہ مولانا سعید الحق صاحب اتر ہاتھیہ بھی بہت ہی زیادہ عملی حصہ لیا کرتے تھے اور ان کے دوسرے خلیفہ مولانا عبدالحلیم صاحب فینی تو گزشتہ سال چار ماہ کے لیے یہاں تشریف لائے اب راستہ مسدود ہونے کی وجہ سے کراچی قیام پذیر ہیں۔

(۳) مکتوب جناب الحاج مفتی زین العابدین صاحب

وہ تحریر فرماتے ہیں کہ مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ رائیونڈ کے اجتماع میں تشریف لائے مکی مسجد کراچی تو بارہا تشریف لائے بیان بھی فرمایا، لوگوں نے ان کے بیان پر اوقات دیے۔ حضرت جی رحمۃ اللہ (مولانا محمد یوسف صاحب) جب بھی کراچی تشریف لائے حضرت

مفتی صاحب ان کو باصرار دار العلوم بلاتے رہے اور دار العلوم میں ان کا بیان کرایا اور مجھ سے بار ہا فرمایا کہ سالانہ امتحان سے پہلے آ کر دار العلوم میں بیان کیا کرو تا کہ طلباء زیادہ تعداد میں وقت لگانے کے لیے نکلیں اور بالکل یہی صورت حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ (خلیفہ حضرت تھانویؒ) کی تھی۔ جب بھی ملتان کا تبلیغی اجتماع ہوا حضرت نے خیر المدارس کی چھٹی کی' حضرت جی مدظلہٗ (مولانا انعام صاحب) کو خیر المدارس بلا کر بیان کرایا اور یہاں تک کہ جب بھی میں خیر المدارس گیا مجھ سے طلباء میں بیان کرایا اور طلباء نے اوقات لکھوائے اور میرے لیے خیر المدارس کے سالانہ جلسے میں حاضری ضروری تھی اور بیان بھی ضرورت تبلیغ پر کراتے تھے۔ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ (خلیفہ حضرت تھانویؒ) کی حیات میں جامعہ اشرفیہ کے جلسے میں بندے کی حاضری ضروری تھی اور بیان ان کی طرف سے ضرورت تبلیغ پر مقرر ہوتا تھا ایک دفعہ نیلا گنبد کی مسجد میں حضرت مفتی صاحب سے تعلق رکھنے والوں نے دعوت الحق کا کام شروع کیا ہمارے ساتھی اسی مسجد میں دوگشت اور تعلیم کرواتے تھے انہوں نے مجھ سے پوچھا ہم کیا کریں؟ تو میں نے ان سے کہا کہ جب ان حضرات نے کام شروع کر دیا تو تم دوسری جگہ کام کرو۔ مقصد تو تبلیغ کا کام ہے۔ چند روز بعد میں دوبارہ لاہور آیا تو حسب دستور حضرت مفتی صاحب سے ملنے گیا، امرتسر کے قیام کے زمانے سے بہت شفقت فرماتے تھے، میں نے عرض کیا حضرت الحمدللہ دعوت الحق کا کام شروع ہو گیا اس لیے میں نے اپنے ساتھیوں کو دوسری جگہ کام کرنے کو کہہ دیا ہے، تو فرمایا کہ منع نہ کرتے وہ بھی کرتے رہتے۔ کیوں کہ یہ لوگ التزام واہتمام سے معلوم نہیں کرتے ہیں یا نہ اور وہ کام جو التزام سے ہو رہا ہے رک جائے گا تو میں نے عرض کیا خدانخواستہ یہ حضرات چھوڑ دیں گے تو پھر ان سے کرنے کو کہہ دوں گا۔ چنانچہ کچھ مدت بعد انہوں نے بالکل چھوڑ دیا اور احباب نے پھر شروع کر دیا اور الحمدللہ ہم نے ہمیشہ ان حضرات کو اپنے اکابرؒ سے سمجھا اور انہوں نے بھی ہمیشہ ہمیں اپنا سمجھا ہے اور اب بھی دار العلوم کراچی، جامعہ اشرفیہ اور خیر المدارس کے ساتھ معاملہ حسب سابق ہے۔'' والحمدللہ علی ذالک''

(۴) مکتوب جناب الحاج عبدالوہاب صاحب

وہ اپنے خط میں تحریر کرتے ہیں کہ مولانا عبدالسلام صاحب نوشہرہ کے ایک بزرگ ہیں مدرسہ حسین بخش دہلی کے فارغ ہیں، حضرت تھانویؒ دستار بندی کے جلسے میں تشریف لے گئے۔ جب ان کی دستار بندی فرمارہے تھے مصافحہ کیا تو فرمایا دو تین ماہ کے لیے ہمارے پاس تھانہ بھون آجانا چنانچہ یہ اپنے گاؤں زیارت کا کا سے تھانہ بھون تشریف لے گئے اور وہاں قیام کیا، لیکن ایک ماہ کے بعد ان کے والد صاحب کا خط آیا کہ میں ناراض ہوں واپس آجاؤ تمہارے لیے والد کی خدمت ضروری ہے، حضرت تھانویؒ نے خود ہی جواب لکھوایا کہ جس چیز میں لگا ہوا ہوں اس کے بغیر میرا والد صاحب کی خدمت میں جانا جائز نہیں اور ان کو روک لیا تین ماہ کے بعد خلافت دے کر رخصت فرمایا۔

آج سے چار پانچ برس پہلے ہمارا گرمیوں میں ٹیکسلا میں اجتماع ہوا وہاں تین روز کے لیے تشریف لائے ہمیں بالکل خبر نہ تھی کہ وہ تشریف لائے ہوئے ہیں۔ عوام میں چھپے رہے دس روز لکھوا دیے اور رائیونڈ تشریف لے آئے۔ فجر کی نماز کے بعد بندہ ہی بیان کرتا تھا شروع سے لے کر اخیر تک سنتے تھے بیچ میں بوڑھا ہونے کی وجہ سے پیشاب کے لیے اٹھ کر جاتے تھے۔ اسی دوران جماعتوں میں باہر بھیج دیا گیا، اس زمانہ میں ہمارے یہاں آٹھ دس روز کے بعد رائیونڈ واپس بلا لیا جاتا تھا اور پھر کسی اور جماعت میں جوڑ کر بھیج دیا جاتا تھا، اسی میں چلہ پورا کرنے کا ارادہ کرلیا۔ ہمیں کچھ خبر نہیں کہ عالم ہیں یا غیر عالم۔ اپنے آپ کو ظاہر نہ ہونے دیا۔ ایک روز بندہ کا ان کے پاس گذر ہوا یا خود ہی بندہ کے پاس تشریف لائے کہ خلوت میں بات کرنی ہے۔ بندہ نے عرض کیا حاضر ہے، فرمانے لگے کہ یہ میرے معمولات ہیں تو اس میں کچھ اضافہ کرنے کو کہہ دے تو میں بڑھا دوں، بندہ نے عرض کیا کہ جن سے آپ بیعت ہوں ان ہی سے پوچھیں میں تو نہ عالم نہ کسی سے اجازت۔ فرمانے لگے کہ تو ضرور بتا، غرض اس سوال وجواب میں اپنا سارا واقعہ سنایا مجھے بڑی شرم اور ندامت ہوئی کہ یہ تو اپنے آپ کو چھپانے میں کامیاب ہو گئے لیکن پہنچاننے میں ناکامیاب ہو گئے۔ پھر فرمایا کہ میں نے تیرے سارے بیان سنے اور بس تربیت

کے لیے اپنے دو بیٹوں کو جو کہ فارغ التحصیل ہیں مولوی ہیں ان کو تیرے پاس بھیجوں گا۔ بندہ نے عرض کیا کہ حضرت ضرور بھیجیں اور دعاء فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان سے منتفع فرمادے، فرمانے لگے کہ نہیں انگریزی کالجوں کی طرف ان کا رخ ہے۔ انشاء اللہ تیرے پاس رہنے سے بہت فائدہ ہوگا، ہر شب جمعہ میں جو کہ ان ہی کی جامع مسجد میں ہوتی ہے شرکت فرماتے ہیں ابھی دو تین ہفتہ پہلے بندہ حاضر ہوا نوشہرہ میں تو خدمت میں حاضری کے لیے گیا تو تشریف فرمانہ تھے بندہ جماعت کے پاس واپس آ گیا تو مغرب کی نماز وہیں آ کر پڑھی اور بندہ کے بیان میں شروع سے آخر تک بیٹھے رہے۔ بندہ کو پتہ چل جاتا تو انہی سے عرض کرتا عشاء کے بعد ملاقات ہوئی کھانا بھی اکٹھا کھایا اور پھر تشریف لے گئے۔ انہیں صرف ایک اشکال ہے کہ جمعہ کی صبح کو جماعتوں کو ان دیہات میں بھیج دیا جاتا ہے جہاں جمعہ نہیں ہوتا اس سے جمعہ کی اہمیت پر چوٹ پڑتی ہے، بندہ نے احباب سے عرض کیا کہ بھائی جمعرات کو روانہ کر دیا کرو۔ بندہ نے سارا واقعہ اس لیے درج کر دیا کہ انہوں نے کسی بات پر اشکال نہیں کیا۔ ہمارے یہاں بھی رہے اور جماعتوں میں باہر بھی پھرے اور مزاج میں تنقید اتنی ہے کہ بھرے جلسوں میں مقرر کو ٹوک دیتے ہیں اور کسی کی مخالفت کی پرواہ نہیں کرتے...... گزشتہ سال پہاڑوں کا نہایت دشوار گزار سفر اختیار فرمایا صرف بندہ کے ایک پیغام پر اور ایک اجتماع میں بھی آئے۔ فقط۔

جیسا کہ رسالہ میں بار بار کئی جگہ لکھوا چکا ہوں کہ حضرات نظام الدین کو اس قسم کے اعتراضات اور جوابات کی فرصت ہے اور نہ ان لوگوں کو ادھر متوجہ ہونا چاہیے۔ لیکن دیگر اکابر اس قسم کے اعتراضات کے بہت سے جوابات تحریراً و تقریراً دے چکے ہیں، بالخصوص حضرت الحاج قاری محمد طیب صاحب مولانا محمد منظور صاحب نعمانی، الحاج مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی وغیرہ اور بعض مضامین اس رسالہ میں گذر بھی گئے ہیں اور ان حضرات کے اکثر مضامین رسالہ ''کیا تبلیغی کام ضروری ہے'' میں مفصل طبع ہو چکے ہیں۔ رسالہ کے خاتمہ پر مولانا منظور احمد نعمانیؒ کا مضمون جو الفرقان میں طبع ہوا ہے نقل کراتا ہوں اور اسی پر رسالہ کو ختم کرتا ہوں۔

باب دوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تبلیغی جماعت کے متعلق بعض اہم شبہات کے حقائق پر مبنی

جوابات

حضرت مولانا

محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

کی

ایک دلنشین تحریر

''تبلیغی جماعت'' اور بعض شکایات

از: مولانا محمد منظور نعمانیؒ مطبوعہ ''الفرقان'' ذیقعدہ ۱۳۷۹ھ

کئی مہینے ہوئے صوبہ ممبئی سے ایک صاحب علم کا خط اس ناچیز کے نام آیا تھا۔ جس میں ''تبلیغی جماعت'' اور اس کے کام سے متعلق کچھ شکایات درج تھیں اتفاق سے گذشتہ مہینے شوال میں ایک سفر کے دوران میں اس کا جواب لکھا جاسکا اسی سفر میں بعض تبلیغی احباب سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس طرح کی شکایتیں بعض خاص حلقوں میں یہاں بھی پھیل رہی ہیں اس لیے اس جواب کی عام اشاعت مناسب سمجھی گئی (منظور احمد نعمانی عفا اللہ عنہ)

بسمہ سبحانہ وتعالیٰ

مکرمی ومحترمی......زید مجدکم......سلام مسنون

خدا کرے مزاج بعافیت ہوں، گرامی نامہ کا جواب آج بہت تاخیر سے دے رہا ہوں، میری عادت سی ہوگئی ہے کہ جن خطوط کا جواب مختصر نہیں دیا جاسکتا وہ فرصت کے انتظار میں رکھے رہتے ہیں اور بسا اوقات ہفتوں اور کبھی کبھی تو کئی مہینوں کے بعد ان کے جواب کی نوبت آتی ہے آپ کے گرامی نامہ کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا اس وقت سفر میں ہوں اور یہ جواب چلتی ٹرین میں لکھ رہا ہوں آپ کو انتظار جواب کی بڑی زحمت ہوئی ہوگی امید ہے کہ معذور تصور فرما کر معاف فرمادیں گے۔

آپ نے تبلیغی جماعت اور اس کے تبلیغی کام کے متعلق جو چند شکائتیں اور بعض اشکالات لکھے ہیں اور بعض اصلاح طلب امور کی طرف توجہ دلائی ہے اس کے بارے میں پہلی بات تو مجھے یہ عرض کرنی ہے کہ آپ نے جماعت کا خاص رکن اور ذمہ دار سمجھ کر اس سلسلہ میں مجھے مخاطب فرمایا ہے میں ذرہ برابر انکسار کے بغیر عرض کرتا ہوں'' واقعہ میں میری یہ حیثیت بالکل نہیں ہے۔ میں اگرچہ اصولی طور پر اس کام کو بڑا مبارک اور مقبول کام سمجھتا ہوں اور میرے دل میں اس

کی بڑی عظمت ہے لیکن اپنے خاص حالات اور اپنے ان بعض مشاغل کی وجہ سے جن کو میں نے اپنا رکھا ہے میں اس کام میں بہت کم عملی حصہ لے سکتا ہوں اور چونکہ یہ کام سراسر عملی ہے اس میں کسی کا کوئی منصب اور کوئی عہدہ نہیں ہے اس لیے میں اس کے تیسرے درجہ کے کارکنوں میں شمار ہونے کے قابل نہیں ہوں اس لیے اس کام کے سلسلہ میں اگر آپ کو یا کسی کو کوئی مخلصانہ مشورہ دینا ہو یا کسی اصلاحی بات کی طرف توجہ دلانی ہو تو اس کام کے اصل مرکز ''بستی نظام الدین اولیاء دہلی'' کو لکھنا چاہئے بلکہ زیادہ صحیح اور مفید طریقہ یہ ہے کہ اس کام کے اصل روح رواں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب دامت فیوضہم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشافہ ان سے عرض کیا جائے۔''

تاہم چونکہ اس کام سے اور اس کے خاص کارکنوں اور ان کے حالات و خیالات سے بفضلہ تعالیٰ واقفیت رکھتا ہوں اس لیے گرامی نامہ کے مندرجہ جات کے بارے میں چند باتیں عرض کرتا ہوں۔ آپ کے خط سے مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کام کی حقیقت سے آپ شاید بالکل واقف نہیں ہیں بلکہ اس کے مشہور عنوان ''تبلیغ'' کے لفظ سے آپ کے ذہن میں جو تصور قائم ہوا ہے، بس اسی کو بنیاد بنا کر آپ نے رائے قائم کی ہے اور مشورے دیے ہیں اس لیے ان میں زیادہ تر ایسے ہیں جو اصل کام سے بالکل غیر متعلق ہیں۔ ''یہ داخلی تبلیغ'' اور ''خارجی تبلیغ'' کی لمبی بحث جو آپ نے لکھی ہے اسی ناواقفی کا نتیجہ ہے۔ میرا ہمیشہ سے یہ خیال ہے کہ اس کام کے لیے ''تبلیغ'' کا عنوان اور اس کے کرنے والوں کے لئے ''تبلیغی جماعت'' کا نام بہت سوں کے لیے غلط فہمیوں اور ذہنی الجھنوں کا سبب بنتا ہے، تبلیغ کے اس لفظ سے لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ وعظ و نصیحت کا کام ہے اور ''تبلیغی جماعت'' وعظ و نصیحت کا کام کرنے والوں کی کوئی ٹیم یا پارٹی ہے اس لیے وہ یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ اس جماعت کے ہر آدمی کو دین کا اتنا علم ضروری ہونا چاہئے جتنا کہ وعظ و نصیحت کے لئے ضروری ہے اسی طرح عملی حیثیت سے بھی اس میں کوئی نمایاں کمی نہ ہونی چاہیے۔ پھر جب وہ پھرنے والی تبلیغی جماعتوں میں ایسے لوگوں کو بھی دیکھتے ہیں جن کو صحیح وضو کرنا بھی نہیں آتا اور جن کی وضع اور صورت بھی شریعت کے مطابق نہیں ہوتی تو ان کے دلوں میں سخت

اعتراض پیدا ہوتا ہے...... اسی طرح جب وہ دیکھتے ہیں کہ تبلیغی جماعت والے سب سے زیادہ اصرار اس پر کرتے ہیں کہ لوگ اپنے گھر چھوڑ کر اس کام کے لیے باہر نکلیں اور لمبے لمبے سفر کریں تو بھی لوگوں کو حیرت ہوتی ہے۔ اور ان کے دلوں میں اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ جب وعظ ونصیحت ہی کرنا ہے اور قرب وجوار میں اور خود اپنے علاقوں میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جن میں یہ کام کرنے کی ضرورت ہے تو یہ لمبے لمبے سفر کیوں کئے جاتے ہیں اور اللہ کے بندوں کا پیسہ ریل کے کرایوں میں کیوں فضول صرف کرایا جاتا ہے؟ بہر حال اس طرح کے سارے اعتراضات صرف اس لیے پیدا ہوتے ہیں کہ تبلیغی جماعت کا کام وعظ ونصیحت سمجھا جاتا ہے' حالانکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ یہاں تبلیغ سے مراد ایک خاص نظام عمل ہے یعنی ایک خاص قسم کے دینی اور دعوتی ماحول میں خاص اصولوں کے ساتھ کچھ خاص اعمال واشغال کی پابندی کرتے ہوئے خاص پروگرام کے مطابق زندگی گذارنا جس سے ایمانی کیفیت میں ترقی ہو' دین سے تعلق اور واقفیت بڑھے اعمال واخلاق کی کچھ اصلاح ہو اور دین کے لیے جانی ومالی قربانی کی عادت پڑے' الغرض یہاں تبلیغ سے مراد یہی خاص ''عملی پروگرام'' ہے اور اس لیے ہر مسلمان کو خواہ اس کے علم وعمل میں کتنی ہی کمی ہو اس کی دعوت دی جاتی ہے بلکہ جہاں تک بس چلتا ہے کھینچنے کی کوشش کی جاتی ہے...... اور ان کو ساتھ لینے کیلئے کوئی شرط نہیں لگائی جاتی بلکہ اس امید پر ان کو لے جایا جاتا ہے کہ انشاء اللہ جماعتی ماحول اور اس کی فضاء سے یہ متاثر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ جو دراصل ہادی اور مقلب القلوب ہے ہم سب پر اپنا فضل فرمائے گا۔ اس لیے جماعتوں میں ہر طرح کے اور ہر قماش کے لوگ ہوتے ہیں۔

البتہ جیسا کہ آپ نے تحریر فرمایا ہے یہ غلطی جماعتوں میں ہوتی ہے کہ عام مجمعوں میں بعض اوقات ایسے لوگوں کو بات کرنے کے لئے کھڑا کر دیا جاتا ہے جو اس کے اہل نہیں ہوتے بلکہ اس کام سے بھی اچھی طرح واقف نہیں ہوتے اور پھر وہ بات کرنے میں اپنے علم کے حد کی بھی پابندی نہیں کرتے لیکن اس کو جیسے آپ غلط سمجھتے ہیں اسی طرح کام کے ذمہ دار حضرات بھی اس کو غلط اور اس کی اصلاح ضروری سمجھتے ہیں جماعتوں کو سفر شروع کرتے وقت جو

ہدایتیں دی جاتی ہیں ان میں اس بارہ میں بھی ہدایت کی جاتی ہے کہ بات کس کو اور کس طرح کرنی چاہیۓ' ان ہدایتوں کی پوری پابندی ہو تو ایسی غلطیاں نہ ہوں۔ لیکن واقعہ یہی ہے کہ ایسی غلطیاں بکثرت ہوتی ہیں' یہ بات کام کی ذمہ داروں کے لیے بلاشبہ بہت فکر اور توجہ کے لائق ہے خود میری رائے یہ ہے کہ ایسے اہم امور کے بارے میں زبانی ہدایات کے علاوہ اگر کوئی تحریری یاداشت بھی دے دی جایا کرے تو پھر انشاء اللہ ایسی غلطیوں کا بہت کچھ سد باب ہوسکتا ہے۔

تبلیغ کی وجہ سے مدارس کو ترقی ملی ہے

اس کے بعد میں آپ کے خط کے سب سے اہم اور آخری جز کے متعلق کچھ عرض کرتا ہوں۔ اور آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ "تبلیغی جماعت والے دینی مدارس کی مخالفت کرتے ہیں اور جو لوگ تبلیغی جماعت میں کام کرنے لگتے ہیں ان کا تعلق مدرسوں سے کم ہو جاتا ہے۔" یہ بات بڑی سنگین ہے ایسی باتوں کو زبان پر یا قلم پر لانے سے پہلے جتنی تحقیق کر لینی ضروری ہے میرا خیال ہے کہ اس کے بغیر آپ نے یہ بات لکھ دی ہے۔ اگر آپ تبلیغی کام سے تعلق رکھنے والے کسی خاص شخص یا چند متعین افراد کے متعلق ایسی بات کہیں تو زیادہ مستبعد نہیں' میں ابھی عرض کر چکا ہوں کہ اس کام سے تعلق رکھنے والوں میں ان تمام مزاجوں اور خیالوں کے لوگ ہو سکتے ہیں جو مسلمانوں کے موجودہ معاشرے میں پائے جاتے ہیں لیکن تبلیغی کام کرنے والوں کے متعلق عموم کے ساتھ یہ بات کہنا کہ وہ دینی مدارس کی مخالفت کرتے ہیں بڑی زیادتی کی بات ہے۔ آپ نے اتنا تو سوچا ہوتا کہ اس کام سے تعلق رکھنے والوں میں کتنے ہیں جو خود مدرسے چلا رہے ہیں یا مدرسوں میں تدریس کی خدمت انجام دے رہے ہیں' خود حضرت مولانا محمد یوسف صاحب (۱) جو اس کام کے روح رواں ہیں اور سب سے بڑے ذمہ دار ہیں ایک مدرسہ (کاشف العلوم) وہ بھی چلا رہے ہیں' جس میں خود بھی پابندی سے درس دیتے ہیں اور یہی حال ان کے خاص الخاص رفقاء کار مولانا انعام الحسن صاحب اور مولانا عبید اللہ صاحب وغیرہ کا ہے۔ مجھے بھی آپ اس کام

سے خاص تعلق رکھنے والوں میں سمجھتے ہیں اور مدارس کی دنیا سے میرا تعلق آپ کو معلوم ہے۔ یعنی یہ کہ میں دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ اور عاملہ کا رکن ہوں، دارالعلوم ندوۃ العلماء سے بھی میرا تعلق ہے بلکہ اب تو کچھ عرصہ سے میں نے تدریس کی کچھ ذمہ داری بھی لے لی ہے۔ اور بھی ایسے بیسیوں حضرات کو آپ جانتے ہوں گے جو اس کام سے بھی تعلق رکھتے ہیں اور کسی مدرسہ کی ذمہ داری بھی ان پر ہے۔ ایسی صورت میں یہ کہنا کہ تبلیغی کام کرنے والے دینی مدارس کی مخالفت کرتے ہیں کس قدر غلط اور کتنی بے تکی بات ہے۔

مدارس کی مخالفت کی اصل وجہ اور علاج

میرے نزدیک حقیقت اس بارہ میں یہ ہے کہ بہت سے ایسے لوگ بھی جن کا ذہن کسی وجہ سے مدارس اور اہل مدارس کے خلاف بن چکا ہے اپنے اسی ذہن کے ساتھ اس کام میں لگ جاتے ہیں' اور ان کی زبانوں سے وقتاً فوقتاً ایسی باتیں نکلتی ہیں اسی طرح کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک آدمی جو دین سے بالکل بے تعلق تھا غفلت اور فراموشی کی زندگی گذار رہا تھا اس کام میں لگنے کے بعد بس اسی کام کو اصل دینی کام اور دینی خدمت سمجھتا ہے اور جب وہ دیکھتا ہے کہ بہت سے علماء اور اہل مدارس جن پر دین کی خدمت کا سب سے زیادہ حق ہے یہ کام نہیں کررہے تو اپنی علمی اور دینی تربیت نہ پانے کی وجہ سے ان پر اعتراض اور تنقید کرنے لگتا ہے، لیکن میں اپنے معمولات اور تجربوں کی بنا پر پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں اور کہتا ہوں کہ ایسے لوگوں کا تعلق کام سے جس قدر بڑھتا ہے اور اصل کارکنوں اور ذمہ داروں سے جتنا ان کا اختلاط ہوتا ہے ان کی اس غلطی کی اصلاح ہوتی رہتی ہے، البتہ دوسری علمی و عملی غلطیوں کی طرح اس غلطی کی اصلاح کے لیے یہاں تردید و بحث کا طریقہ اختیار نہیں کیا جاتا۔ بلکہ اپنے طریقہ پر ذہن بدلنے کی کوشش کی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اکثر کامیاب ہوتی ہے، میں ایسے متعدد حضرات کو جانتا ہوں جو پہلے مدارس اور اہل مدارس سے سخت بیزار اور بڑے بیباک معترض تھے۔ لیکن اس

کام سے اور پھر کام کے مرکز نظام الدین سے تعلق بڑھنے کے بعد ان کا ذہن بدلا اور وہ مدارس کے قدر شناس اور خادم بن گئے۔ ہم نے خود حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ کو دیکھا ہے کہ وہ اس کا پورا اہتمام کرتے تھے کہ ان سے اور ان کے کام سے تعلق رکھنے والے لوگ حضرات علماء کرام سے اور مدارس سے گہرا عقیدت مندانہ تعلق رکھیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بھی اس کا پورا اہتمام اور اس کی پوری کوشش کرتے ہیں، آپ کو تو معلوم نہ ہوگا لیکن میں بتاتا ہوں کہ ہر مہینہ مولانا موصوف کی خدمت میں مختلف علاقوں اور طبقوں کے نئے نئے سینکڑوں افراد اور بیسیوں پچاسوں جماعتیں آتی ہیں ان کا یہ مستقل معمول ہے کہ اپنے پاس آنے والے ہر اہم فرد اور ہر اہم جماعت کو وہ دیوبند اور سہارنپور (کے مدارس میں) حتی الوسع ضرور بھیجتے ہیں تاکہ وہاں کے اکابر کی زیارت کریں اور وہاں کے علمی مراکز دارالعلوم اور مظاہر علوم کو بھی دیکھیں اس طرح ہر مہینے اس تبلیغی راستے سے مختلف اقطاع کے سینکڑوں افراد ہمارے ان علمی مرکزوں سے واقف ہوتے ہیں۔ اور ان کی عظمت اور ہمارے اکابر کی عقیدت اپنے قلوب میں لے کر اپنے علاقوں کو لوٹ جاتے ہیں، ان علمی مرکزوں اور ان کے مسلک حق کی یہ ایک ایسی ٹھوس اور خاموش خدمت انجام دی جارہی ہے..... جو ہم اپنی مساعی سے غالباً کسی طرح بھی انجام نہیں دے سکتے تھے خود مولانا محمد یوسف صاحب دیوبند سہارنپور وغیرہ کے اکابر سے جیسا نیاز مندانہ تعلق رکھتے ہیں اور اس سلسلہ میں ان کا جو رویہ ہے اس کے معلوم ہونے کے بعد ان سے محبت وعقیدت رکھنے والے کسی شخص کی رائے مدارس اور حضرات اہل مدارس کے خلاف کس طرح ہو سکتی ہے۔

مدارس کی مالی ترقی میں معاونت

اس کے علاوہ اس کام سے مدرسوں کے لیے جو مجموعی فضا بن رہی ہے اس کا احساس تو میرے نزدیک ہر ایک کو ہونا چاہیے معلوم نہیں آپ جیسے حضرات اس کو کیوں نہیں محسوس کرتے میں تو گویا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ اس تبلیغی کام سے ہمارے مدارس کو بالکل اس طرح کی مدد مل رہی ہے جس طرح کی مدد بارش کے پانی اور موافق ہواؤں سے کھیتوں اور باغوں کو ملتی

ہے۔ میں ایسے سینکڑوں افراد و اشخاص بلکہ بہت سے ایسے علاقوں اور طبقوں کو بتا سکتا ہوں جن کا ہمارے دینی مدارس سے کوئی ربط و تعلق نہ تھا نہ وہ ہمارے اکابر سے آشنا اور واقف تھے، تبلیغی جماعتوں ہی کی آمد و رفت نے ان میں دینی احساس پیدا کیا اور ان ہی کے ذریعہ وہ ہمارے مدارس اور ہمارے اکابر کی دینی خدمات سے واقف ہوئے، پھر وہاں سے طلبہ بھی دینی مدارس میں آنے لگے اور دینی مدارس کی خدمت ہونے لگی اس سلسلہ میں خصوصیت سے یہ بات بھی قابل ذکر سمجھتا ہوں کہ جہاں تک میرا اندازہ ہے ہندوستان کے ہمارے دینی مدارس کو سب سے زیادہ امداد کلکتہ اور بمبئی کے اہل خیر سے ملتی ہے۔ میں رجماً بالغیب نہیں بلکہ اپنی قابلِ وثوق معلومات کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ ان دونوں شہروں سے جس قدر امداد ہمارے دینی مدارس کو تبلیغی جماعت کے کام اور اثر سے پہلے ملتی تھی، اب اس سے کئی گناہ زیادہ ملتی ہے اور بہت سے اہلِ مدارس بھی جانتے ہوں گے کہ دینی مدارس کی اس خدمت اور فکر مندی میں زیادہ حصہ ان ہی اہلِ خیر کا ہے، جن کا تبلیغی کام سے بھی خالص تعلق ہے۔

مدارِس کی خدمات

اس سلسلہ میں ایک اور بات بھی ہم اور آپ جیسوں کے سوچنے کی ہے کہ اب جب کہ مدارس عربیہ کی آبادی صرف ان غریب گھرانوں کے طلبہ سے ہے، جو اسکولوں اور کالجوں کی تعلیم کا خرچ برداشت نہیں کر سکتے (حتیٰ کہ ہم لوگ بھی جنہوں نے جو کچھ پایا ہے ان غریب پرور مدرسوں سے پایا ہے، اپنے بچوں کو عزت کی روٹی حاصل کرنے کے لیے کالجوں میں بھیجنے لگے ہیں) تو ایسے وقت میں اس تبلیغی کام کے طفیل بہت سے وہ لوگ جن کا ارادہ اپنے بچوں کو تعلیم کے لیے یورپ اور امریکہ بھیجنے کا تھا اور ان کو اس کے پورے وسائل بھی حاصل تھے وہ اپنے ان ہی بچوں کو اسکولوں اور کالجوں سے نکال نکال کر ہمارے ''دارالعلوموں'' میں بھیج رہے ہیں۔ ان سب باتوں کو سامنے رکھ کر سوچئے کہ تبلیغی کام اور اس کے کرنے والوں کی جو شکایات آپ نے دینی مدارس سے متعلق کی ہے وہ کس قدر بے جا ہے۔ میرا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ اس کام کے کرنے

والے فرشتے ہیں یا اس کام میں غلطیاں نہیں ہورہی ہیں، بلا شبہ اس کام میں بہت سی غلطیاں ہوتی ہیں اور اس کام سے تعلق رکھنے والوں میں بہت ہی گھٹیا قسم کے افراد بھی ہیں، اس کام کی ساخت ہی ایسی ہے بقول حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ کے ''یہ تو دھوبی کی بھٹی ہے اس میں میلے کچیلے اور غلیظ بھرے گندے ناپاک کپڑے بھی ہیں۔''

لیکن جس قسم کی شکایتیں اور جس انداز میں آپ نے کی ہیں میں ان کو صحیح نہیں سمجھتا مجھے جن غلطیوں کا احساس ہوتا ہے میں کام کرنے والوں کو اپنی بساط کے مطابق ان کی طرف توجہ دلاتا رہتا ہوں، ہاں بعض چیزیں ایسی بھی ہیں کہ باہر کا آدمی از راہ اخلاص ان کو غلط اور قابل اصلاح سمجھے، اور جو کام میں گھسا ہوا ہے اور اس کام کی منطق سے واقف ہے وہ اسے ناگزیر سمجھے گا ایسی چیزوں میں اپنی رائے کے اظہار کے بعد کام کے ذمہ داروں کے علم اور ان کی دیانت پر اعتماد کرنا چاہیے۔

جیسا کہ عرض کر چکا ہوں اس سلسلہ میں جو کچھ لکھنا آپ ضروری سمجھیں اس کام کے مرکز کو دہلی لکھیں اور مجھے بالکل معذور تصور فرمائیں۔

والسلام

محمد منظور نعمانی نور اللہ مرقدہٗ

باب سوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فضائل اعمال، فضائل صدقات، بہشتی زیور، ہدایہ

اور

تبلیغی کام پر غیر مقلدین کے وساوس

اور ان کا مدلل محاسبہ

حضرت مولانا

محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

کے

حقیقت انگیز قلم سے

''فضائل اعمال'' پر غیر مقلدین کے وساوس

وکیل اہلسنت حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

''تبلیغی جماعت'' جس کے متعلق کچھ معلومات آپ کو گذشتہ صفحات سے ہوئیں، یوم تاسیس سے ہی اس پر اعتراضات کا سلسلہ جاری ہے۔ اور ہر دور میں یہ وساوس اپنا رنگ بدلتے رہتے ہیں۔ چنانچہ نصف صدی سے یہ جماعت غیر مقلدین کے عتاب کا شکار بھی ہے۔ مولانا اوکاڑویؒ کو اللہ پاک نے اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے چنا اور ان کے ذریعے ہزاروں انسانوں کا ایمان محفوظ رہا' بلکہ بہت سے خوش قسمت مرزائیت وغیرہ فرق باطلہ سے تائب ہو گئے تبلیغی جماعت سے حضرت کو خاص پیار تھا اور انہوں نے وقت بھی لگایا تھا۔ اس لیے مختلف مجالس میں اس کے خلاف وساوس کا ازالہ فرمایا کرتے تھے جسے ہم نے اکٹھا کر کے کتابی شکل دے دی ہے۔ فرماتے ہیں: ''کراچی کے سفر میں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی جو اپنا نام مرزا وحید بیگ بتا رہے تھے وہ اصل میں پنجابی ہیں مگر عرصہ دراز سے امریکہ میں مقیم ہیں۔ انہوں نے اپنی سرگذشت یوں بیان فرمائی کہ میں یہاں سے ایف، اے کر کے امریکہ گیا تھا۔ ایک سال اس حال میں گزرا کہ دونوں عیدیں اور چند نمازیں بھی پڑھیں۔ آخر عید کی نماز میں دو تین ساتھیوں سے ملاقات ہوئی' جو تبلیغی جماعت سے تعلق رکھتے تھے' انہوں نے میرا ایڈریس نوٹ کیا اور مجھ سے رابطہ رکھا۔

''دعوت و تبلیغ'' نے زندگی کا رخ بدل دیا

مزید حالات سناتے ہوئے وہ نوجوان کہنے لگا ''ان تبلیغی حضرات کی صورت اور سیرت شریعتِ محمدیہ ﷺ کی ترجمان تھی، ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے مجھے بھی اسلامی زندگی کا احساس ہوا۔ میں نے تبلیغی جماعت کے ساتھ وقت لگانا شروع کر دیا، مجھے ایک عجیب ذہنی سکون اور قلبی راحت محسوس ہوئی اور الحمدللہ میں نماز روزے کا پابند بن گیا، حرام حلال کا امتیاز کرنے لگا، اپنے

وقت اور مال سے کچھ حصہ دین سیکھنے اور اس کی تبلیغ کرنے کے لیے وقف کر دیا۔ بیوی بچوں، دوست احباب، سب پر محنت کی اور ایک پرسکون دینی ماحول بن گیا اور میری زندگی کے پورے چار سال اسی طرح گذرے۔ میں نے اور میری بیوی نے گذشتہ زندگی کی نمازوں کو قضا کیا۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں جو کوتاہیاں ہوئی تھیں شرعی مسائل پوچھ کر ان کی ادائیگی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ندامت اور توبہ کا شغل اختیار کیا۔ فضائل اعمال، تعلیم الاسلام اور بہشتی زیور کتابیں خریدیں اور ان کی تعلیم اور عمل میں کوشش کرتے۔''

صراط مستقیم سے گمراہی کی طرف

چار سال کے بعد ایک عید کے موقعہ پر ہی دو تین نوجوانوں نے مجھے آ گھیرا۔ بڑی گرمجوشی سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے میرے دینی جذبات اور کوششوں کی تعریف کی۔ اگرچہ ان نوجوانوں کے چہرہ پر داڑھی تھی نہ ان کا لباس شرعی انداز کا تھا لیکن وہ دین سے لگاؤ اور محبت کا ذکر اس جوش سے کرتے تھے کہ میں ان کا گرویدہ ہو گیا ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہو گیا۔ اس نیت سے کہ ان کے جذبہ کی قدر کر کے ان کو شرعی صورت وسیرت اور شرعی لباس اور احکام پر آسانی سے آمادہ کیا جا سکتا ہے۔ میں ان کے ہاں گیا ان کے پاس اسلامی کتابوں کی ایک لائبریری تھی۔

(قارئین! وہ نوجوان ان غیر مقلدین کو لے کر حضرت اوکاڑویؒ کے پاس آ جاتا ہے۔ حضرت ان کے وساوس سنتے ہیں اور انہیں جوابات دے کر وساوس کا ازالہ فرما رہے ہیں' ہم نے اس ساری گفتگو کو وسوسہ نمبر اور ازالہ کے عنوان سے ترتیب دیا ہے۔)

وسوسہ نمبر ا:۔ تبلیغ والوں کا دین انڈیا کا ہے نہ کہ مکہ مدینہ والا

وہ نوجوان کہنے لگا'' انہوں نے مجھے کہا کہ آپ لوگوں کا دین انڈیا سے آیا ہے اور ہمارا مکہ، مدینہ سے اور وہ یہ کہتے ہوئے ایک کتاب صلوٰۃ الرسولؐ، مصنفہ مولانا محمد صادق سیالکوٹی، مجھے دی کہ اگر مکے، مدینے کا دین ماننا ہے تو یہ کتاب پڑھو'' میں نے یہ کہتے ہوئے کتاب لے لی'' یہ کتاب تو سیالکوٹی کی ہے نہ کہ مکہ مدینہ کی۔'' انہوں نے کہا اگرچہ سیالکوٹ میں لکھی گئی مگر باتیں

مکہ مدینہ کی ہیں۔

میں نے ان غیر مقلدین سے کہا کہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ نے بھی فضائل اعمال میں آیات قرآنیہ احادیث نبویہ ﷺ اور نیک لوگوں کے واقعات ہی ذکر فرمائے ہیں۔ بہت عجیب کتاب ہے، میری زندگی میں یہ تبدیلی اسی کتاب کی مرہونِ منت ہے کہ میں بے نماز تھا، نمازی بن گیا۔ جھوٹ بولتا تھا اس سے توبہ کی، حلال حرام کا خیال نہیں کرتا تھا اب پوری کوشش کر کے حرام سے بچتا ہوں، میری صورت اور سیرت میں جو" اسلامی رنگ" ہے یہ اسی کتاب کی برکت ہے۔

وسوسہ نمبر۲:۔" فضائل اعمال" میں حوالہ جات نہیں

حضرت جی پھر انہوں نے فوراً میری بات کاٹتے ہوئے کہا کہ آپ پڑھے لکھے آدمی ہیں، شیخ الحدیث صاحب نے بہت سی باتیں بلا حوالہ نقل کر دی ہیں۔ انہوں نے مجھے کئی ایک مقامات دکھائے جہاں کوئی حوالہ نہ تھا اور پھر" صلوٰۃ الرسول" دکھا دکھا کر کہہ رہے تھے کہ دیکھو ہر بات باحوالہ ہے۔ دین ہمیشہ باحوالہ اور مستند ہونا چاہیے نہ کہ بے حوالہ اور غیر مستند اس بات سے وہ صالح نوجوان بالکل لاجواب ہو گیا اور واقعی بڑا دھچکا لگا کہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ نے بہت جگہ حوالے کیوں نہیں دیے؟ حضرت اوکاڑوی ؒ فرماتے ہیں اس نے یہ بتاتے ہوئے مجھے کہا کہ آپ مجھے اس بات کا جواب دیں۔ تاکہ ان غیر مقلدین کو مطمئن کرسکوں۔

ازالہ:۔ میں نے کہا" اس کا جواب حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ خود دے چکے ہیں۔"

فرماتے ہیں:" اس جگہ ایک ضروری امر پر متنبہ کرنا بھی لابدی ہے وہ یہ کہ میں احادیث کا حوالہ دینے میں مشکوٰۃ، تنقیح الرواۃ، احیاء العلوم کی شرح اور منذری کی ترغیب وترہیب پر اعتماد کیا ہے اور کثرت سے ان سے مواد لیا ہے، اس لیے ان کے حوالہ کی ضرورت نہیں سمجھی۔ البتہ ان کے علاوہ کہیں اور سے کیا ہے تو اس کا حوالہ نقل کر دیا ہے۔ (فضائل قرآن ص ۷)

اس نے اس عبارت کو تین دفعہ پڑھا اور کہنے لگا" حضرت ؒ نے واقعی بات واضح فرمادی لیکن میں نے پورا مطالعہ نہیں کیا۔"

آپ اپنا طرز عمل خود ہی دیکھ لیں

پھر میں نے کہا کہ ''صلوٰۃ الرسول (ان غیر مقلدین کی نماز کی مشہور کتاب)'' میں بھی کئی باتیں بلاحوالہ درج ہیں ص ۴۴۹ تا ص ۴۵۴ جو اذکار اور اعمال درج کئے ہیں وہ سب بلاحوالہ درج ہیں۔ چنانچہ مولوی عبدالرؤف (ان کے اپنے مولوی غیر مقلد عالم) صلوٰۃ الرسول کلاں کے حاشیہ پر آیت کریمہ کے عمل کا یوں مذاق اڑاتا ہے:۔

کیا ایسا بہتر نہیں ہے کہ یہ وظیفہ آیت کریمہ کرنے والے کو ایک مچھلی نما صندوق میں بند کر کے کسی دریا میں یا سمندر میں پھینک دیا جائے۔ تاکہ حضرت یونسؑ کے مچھلی کے پیٹ کے اندھیرے کا نہ صرف نقشہ ہی کھنچ جائے بلکہ یونسؑ والی صحیح کیفیت پیدا ہو جائے۔ اس طریقہ سے عمل کرنے سے اکتالیس دن انتظار کی ضرورت نہیں بلکہ چند ہی گھنٹوں میں بفضلہٖ تعالیٰ ہر قسم کے ہموم و غموم کے بادل چھٹ جائیں گے۔ کسی طرح کی بھی مشکل و مصیبت باقی نہ رہے گی، بلکہ سب پریشانیوں اور مصیبتوں سے نجات ابدی مل جائے گی۔ ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' مجھے نہایت تعجب بھی ہے اور افسوس بھی کہ اس قسم کی لایعنی چیزیں اور خرافات ہم سلفیین میں کدھر سے گھس آئیں باللہ علیکم کیا اس قسم کی باتیں اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس سے استہزاء کے مترادف نہیں؟ یہ طریقے کس آیت قرآنی اور کس حدیث نبویؐ سے ماخوذ ہیں۔ (اس محفل میں بیٹھے غیر مقلدین بڑے حیران ہیں کہ ہمارے ہی مولوی نے ہماری ہی کتاب کو غلط قرار دیا ہے)

(صلوٰۃ الرسول محشی ص ۵۰۴)

غلط حوالہ جات:۔ وہ آنے والا نوجوان تو یہ بے حوالہ باتیں اور ان پر تبصرہ پڑھ کر ہی حیران ہو رہا تھا کہ میں نے بتایا کہ صلوٰۃ الرسول میں بہت سے حوالے غلط ہیں۔ دیکھئے صلوٰۃ الرسول ص ۱۳۶ پر زیر عنوان ''نماز کے لامثال محاسن'' فضائل کی ۱۲۴ احادیث نقل کی ہیں اور حوالہ صحاح ستہ کا دیا ہے مگر ان میں سے ۱۱۴ احادیث ''۱، ۵، ۶، ۷، ۸، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷۔ ۲۰ کا نشان تک صحاح میں نہیں ہے۔ اسی طرح مولوی عبدالرؤف صاحب (غیر مقلد اپنے ہی مولوی کی خبر لیتے

ہوئے) ہی لکھتے ہیں.

بعض ایسی احادیث بھی ہیں کہ موصوف نے انہیں جن کتب، کی طرف منسوب کیا ہے ان کتب میں وہ نہیں پائی جاتیں۔ مثلاً ۲۷۸، ۲۸۳، ۳۱۱، ۳۴۳، ۳۵۸، ۵۰۹، ۵۷۱، ۲۶۰، ۶۳۹، ۶۶۵، ۶۶۷، ۲۷۷، (صلوٰۃ الرسول محشی ص ۱۴) یہ بارہ احادیث بھی ایسی ہیں کہ جن کے حوالے غلط ہیں .مثال کے طور پر ۲۶ غلط حوالے دیے ہیں ورنہ ''ایں خانہ ہمہ آفتاب است'' میں نے کہا ''اس چھوٹی سی کتاب میں غلط حوالوں کی اتنی بھر مار۔'' اب تو مرزا وحید بیگ بھی دریائے حیرت میں غرق ہے اور بار بار کہہ رہا تھا کہ یا اللہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں۔

وسوسہ نمبر۳:۔فضائلِ اعمال میں ضعیف احادیث ہیں

جناب وحید صاحب نے کہا کہ پھر ان غیر مقلدوں نے مجھے بتایا کہ اکثر باتیں تو شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ بلا حوالہ لکھیں اور جن کا حوالہ دیا ان میں سے بھی اکثر ضعیف، جھوٹی اور من گھڑت احادیث لکھ دیں لیکن صلوٰۃ الرسول میں ایک بھی ضعیف حدیث نہیں ہے۔ وحید صاحب نے بتایا کہ ان کا یہ اعتراض تو واقعی بہت وزنی تھا جس سے میں فضائل اعمال سے دل برداشتہ ہو گیا۔

ازالہ:۔ میں نے کہا دل برداشتہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ان کا یہ اعتراض محدثین کے مسلمہ اصول کے خلاف ہے کیونکہ محدثین کا اصول ہے کہ فضائل اور ترغیب و ترہیب میں ضعیف احادیث مقبول ہیں ۔خود حضرت شیخ الحدیثؒ نے اس اصول کو بیان فرمایا۔ چنانچہ فضائل نماز کے آخر میں آخری گزارش کے تحت فرماتے ہیں:

''اخیر میں اس امر پر تنبیہ ضروری ہے کہ حضرات محدثینؒ کے نزدیک فضائل کی روایات میں توسع ہے اور معمولی ضعف قابل تسامح، باقی صوفیاء کرام رحمہم اللہ کے واقعات تو تاریخی حیثیت رکھتے ہی ہیں اور ظاہر ہے کہ تاریخ کا درجہ حدیث کے درجہ سے کہیں کم ہے''

(فضائلِ نماز ص ۹۶)

ایک جگہ فرماتے ہیں ''اگر چہ محدثانہ حیثیت سے ان پر کلام ہے لیکن یہ کوئی فقہی مسئلہ نہیں جس میں دلیل اور حجت کی ضرورت ہو مبشرات اور منامات ہیں۔'' (فضائل درود ص ۵۶)

قرآنی اصول اور فضائلِ اعمال

میں نے مزید کہا میں اس کی تھوڑی سی تفصیل عرض کر دیتا ہوں۔ (جس سے معلوم ہوگا کہ ''فضائل اعمال'' کی احادیث معتبر ہیں)

جس طرح سارے حساب کا خلاصہ دو ہی قاعدے ہیں، جمع اور تفریق۔ حدیث کی سند کے راوی میں بھی بنیادی طور پر دو ہی باتیں دیکھی جاتی ہیں، حفظ اور عدالت، (راوی ایسا ہو کہ) اس کا حافظہ اچھا ہو اور وہ نیکوکار ہو فاسق فاجر نہ ہو۔ اگر راوی میں ضعف حفظ کی وجہ سے ہے تو اس کو محدثین ''ضعفِ قریب'' کہتے ہیں کیونکہ متابعت یا شواہد سے ختم ہو جاتا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے دو عورتوں کی گواہی کو ایک مرد کے برابر قرار دے دیا ہے وجہ یہ ہی بتائی ہے کہ اگر ایک عورت بھول جائے گی تو دوسری یاد دلا دے گی، اسی سے محدثین نے یہ اصول بنا لیا کہ اگر ایک حدیث کی دو سندیں ہوں اور دونوں میں ایک راوی ایسا ہو کہ جس کا حافظہ کمزور ہو تو دونوں سندیں مل کر وہ حدیث صحیح مانی جائے گی۔ اسی لیے حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ علیہ بہت جگہ یہ تحریر فرما دیتے ہیں ''یہ مضمون بہت سی روایات میں آیا ہے'' تاکہ معلوم ہو جائے کہ شواہد اور متابعات کی وجہ سے مقبول ہے۔ اب ان روایات کو رد کرنا گویا قرآنی اصول کا انکار کرنا ہے تو یہ اعتراض حضرت رحمۃ اللہ کی بجائے قرآن پاک پر ہونا چاہیے۔ (وحید صاحب حیران تھے کہ قرآن وحدیث کے نعرے لگا کر مجھے دین سے دور کرنے والے خود قرآنی اصول سے ناواقف ہیں)

آگے مولانا نے مزید فرمایا:

فضائل میں ضعیف احادیث معتبر ہیں

اور اگر راوی عادل نہ ہو تو اس کو ضعف شدید کہتے ہیں اس لیے احکام میں اس کی روایت حجت نہیں ہوتی مگر فضائل اور تاریخ میں سرے سے عدالت ہی شرط نہیں ہے۔ رسول اقدس ﷺ فرماتے ہیں: حدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج (بخاری ج۱/۴۹۱، ترمذی ج۲/ص۱۰۷) بنی اسرائیل سے روایت کرو کوئی حرج نہیں۔ جب ترغیب وترہیب کے واقعات کافروں تک سے روایت کرنے کی اجازت ہے تو یہ غیر عادل راوی کیا ان یہود سے بھی بدتر ہیں؟ (ہرگز نہیں) پھر

یہاں بھی جب کئی طریقوں سے روایت ہو اس کے بیان میں کوئی حرج نہیں' ہاں احکام میں ایسے راویوں کی روایت حجت نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے جو روایات لی ہیں وہ قرآن پاک، احادیث نبویہ اور محدثین کے اصولوں کے عین مطابق لی ہیں اور سب محدثین نے فضائل میں یہی طریق اختیار فرمایا ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ مقدمہ شرح مسلم ج/ص ۲۱ اور شیخ ابن تیمیہ فتاویٰ ج ۱۸/ص ۶۵۔ ۶۸ پر تصریح فرماتے ہیں کہ فضائل میں ضعاف مقبول ہیں۔

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت

میں نے کہا آپ حیران ہوں گے کہ صلوٰۃ الرسول میں نہ صرف فضائل میں بلکہ احکام میں بھی ضعیف احادیث کی بھرتی کر دی گئی ہے۔ (ان کے اپنے) مولوی عبدالرؤف صاحب نے نمبروار ۸۴، احادیث کی نشاندہی کی ہے جو انتہائی ضعیف احادیث ہیں۔ ۶، ۱۳، ۱۴، ۱۶، ۲۲، ۳۴، ۵۲، ۵۳، ۵۶، ۵۳، ۵۶، ۶۶، ۷۳، ۷۵، ۸۸، ۱۰۷، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۵۳، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۲، ۱۷۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۹، ۲۱۴، ۲۲۴، ۲۲۶، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۶، ۲۳۹، ۲۴۱، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۷۸، ۳۶۳، ۳۸۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۹، ۴۴۴، ۴۴۸، ۴۵۹، ۴۶۱، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۸۵، ۵۴۱، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۵۱، ۵۵۷، ۵۶۵، ۵۷۸، ۵۸۴، ۵۸۶، ۶۲۶، ۶۳۰، ۶۵۴، ۶۶۰، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۷۳، ۶۷۹، ۶۸۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۹، ۳۰۷۔ یہ تمام احادیث انتہائی ضعیف ہیں۔ اسی کو کہتے ہیں "دیگراں را نصیحت خود میاں فضیحت" یہ دیکھ کر تو جناب وحید صاحب بہت پریشان تھے کہ الٰہی یہ ماجرا کیا ہے۔

"ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور"

وسوسہ نمبر ۴:۔ یہ فضائل صدقات وغیرہ شرک سے پُر ہیں

پھر مجھے انہوں نے بتلایا کہ یہ فضائل اعمال تو سارا شرک سے بھرا ہوا ہے۔ فضائل صدقات، فضائل درود اور فضائل حج میں ایسے واقعات ہیں جو واقعۃً شرک کی تعلیم دیتے ہیں۔ کچھ دن تو میں پریشان رہا کہ یہ کتاب ساری دنیا میں پھیل چکی ہے، ہزاروں نہیں لاکھوں انسانوں کی

زندگیوں میں اس نے انقلاب پیدا کر دیا ہے، سینکڑوں علماء نے ابھی اسے دیکھا ہے مگر کسی مفتی، محدث اور فقیہ کی نظر یہاں تک نہیں گئی جہاں تک ان کلرکوں کی پہنچ گئی ہے مگر ان واقعات کی کوئی تاویل مجھے بھی سمجھ نہ آتی تھی آخر نہ صرف یہ کہ میں نے تبلیغی جماعت کو چھوڑ دیا بلکہ ان کے سخت مخالف ہو گیا کیونکہ میرے علم کے مطابق یہ لوگ (تبلیغی جماعت والے) شرک کے مبلغ تھے اور ان کی نمازیں بھی غلط در غلط تھیں۔ اب میرے نزدیک، نماز، روزے، حج اور جہاد سے سب سے بڑی نیکی تبلیغی جماعت کی مخالفت تھی۔ گھر میں، بازار میں، دفتر میں، مجالس میں، مساجد میں، میرا یہی جہاد ہے کہ یہ جماعت توحید نہیں شرک کی داعی ہے اور اسلام نہیں حنفیت کی پرچار کرتی ہے۔

اگرچہ اب مجھ میں جماعت اور تکبیر اولیٰ کی پابندی کا کوئی ذوق نہیں، حلال، حرام کی بھی زیادہ تفتیش باقی نہیں رہی مگر توحید و سنت کا نشہ ہے جس کے بعد ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے، اپنی نماز کا وہ اہتمام باقی نہیں رہا مگر دوسروں کو مشرک اور بے نماز کہنے کا ذوق بڑھ گیا ہے، اپنی اصلاح کی بھی خاص فکر نہیں رہی کیوں کہ ان سب سے مقدم اس ساری دنیا کو شرک سے بچانا ہے جن کو فضائل اعمال کے مطالعہ نے مشرک بنا دیا ہے۔ اگرچہ دنیا میں مجھے اس میں خاص کامیابی نہیں ہوئی کیونکہ دو سال کی محنت شاقہ سے میں بمشکل دو کلرکوں کو تبلیغی جماعت سے کاٹ سکا ہوں جب کہ ہزاروں نئے آدمی اس جماعت سے جڑ گئے ہیں لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ سے پورے پورے اجر کا امیدوار ہوں۔

کرامات کی حقیقت نہ جاننے کی وجہ سے ایک اعتراض

وحید صاحب نے ایک اور کتاب دکھائی یہ ایک کالج کے لیکچرار غیر مقلد نے ''الدیوبندیہ'' یعنی علمائے دیوبند کے عقائد'' دیوبندیت'' بریلوی دیوبندی ایک ہیں'' اور'' تبلیغی جماعت کا اسلام'' نامی رسالے لکھے ہیں جن میں صوفیائے کرام رحمہم اللہ کی متشابہات یا شطحیات جمع کر دی ہیں لیکن ان میں سے کسی رسالہ میں یہ نہیں بتایا کہ متشابہات اور شطحیات کا شرعی حکم کیا ہے حالانکہ امت کا اجماع ہے کہ کرامات اور شطحیات میں چونکہ ان لوگوں کے اختیار و ارادہ کو دخل نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ مرفوع القلم ہوتے ہیں جیسے خواب میں کلمۂ کفر کسی کی زبان سے جاری ہو جائے تو اسے کافر نہیں کہا جاتا، خواب میں کوئی گناہ کا کام کرے تو اسے ہرگز گناہ گار نہیں کہا جاتا لیکن غیر

مقلدین کی بدنصیبی ہے کہ ان کے حصہ میں قرآن پاک میں سے متشابہات، احادیث میں سے متعارضات، فقہ سے شواذ اور تصوف سے شطحیات آئی ہیں یہی ان کا ''علمی حدود اربعہ'' ہے۔

ازالہ نمبر ۲:...... میں نے کہا وحید بھائی جن واقعات کی طرف آپ اشارہ فرما رہے ہیں وہ کرامات ہیں، ان کو خرق عادات بھی کہتے ہیں یعنی

(1) عادت یہ ہے کہ مرد عورت دونوں کے ملاپ سے اولاد پیدا ہو مگر خرق عادت یہ ہے کہ بی بی مریم کو بغیر مس بشر کے بیٹا مل جائے۔

(2) عادت یہی ہے کہ اونٹنی اونٹنی سے پیدا ہو اور خرق عادت یہ ہے کہ اونٹنی پہاڑ سے پیدا ہو۔

(3) عادت یہی ہے کہ سانپ سپنی کے انڈے سے نکلے اور خرق عادت یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی سانپ بن جائے۔

(4) عادت یہی ہے کہ آپریشن یا دوا سے جھلی دور ہو جائے اور نابینا دیکھنے لگے اور خرق عادت یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کی قمیص اور عیسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ لگنے سے بینائی آ جائے۔

(5) عادت یہی ہے کہ بیل بیلوں کی طرح آواز نکالے اور بھیڑیا بھیڑیوں کی طرح مگر خرق عادت یہ ہے کہ بیل اور بھیڑیا انسانوں کی طرح کلام کریں، ان میں جو باتیں عادت ہیں ان میں کچھ انسان کا بھی اختیار ہوتا ہے لیکن خرق عادت میں اختیار اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہے اور ظہور مخلوق کے ہاتھ پر ہوتا ہے۔

غیر مقلدیت یا عیسائیت پسندی......؟

دیکھئے قرآن پاک میں مسیح علیہ السلام کے معجزات مذکور ہیں، مسلمان بھی ان معجزات کو برحق مانتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ معجزات عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے مگر یہ سب قدرت خداوندی کا ظہور تھا۔ جب مسلمان ان کو قدرت الٰہی کا ظہور مانتے ہیں تو ان کو ہر ہر معجزہ دلیل توحید نظر آتا ہے لیکن عیسائی ان معجزات کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عادت اور ان کے اختیار سے مانتے ہیں تو انہوں نے ایک ایک معجزہ کو دلیل شرک بنا لیا۔ اب ان معجزات سے شرک کشید کر لینا اس میں نہ تو اللہ تعالیٰ کا قصور تھا نہ عیسیٰ علیہ السلام کا، قصور تو عیسائی ذہنیت کا تھا جس نے توحید کو شرک بنا ڈالا۔ بالکل اسی طرح ہم اہلسنت والجماعت جب کرامات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان کو

خدا تعالیٰ کے علم وقدرت کا کرشمہ یقین کرتے ہیں اس لیے ہمیں ان کرامات میں توحید ہی توحید نظر آتی ہے، ورآپ لوگ جب ''تبلیغی نصاب'' کا مطالعہ عیسائی ذہن سے کرتے ہیں تو آپ کو وہ کرامات شرک ہی شرک نظر آتی ہیں تو قصور نہ اللہ تعالیٰ کا ہے کہ اس نے ان بزرگوں کی عزت افزائی کے لیے اپنی قدرت نمائی کیوں کی اور نہ ہی ان بزرگوں کا، قصور تو سارا اس عیسائی ذہنیت کا ہے۔ اگر آپ بھی اس عیسائی ذہنیت سے توبہ کر کے اسلامی ذہن سے مطالعہ کریں تو آپ کو توحید ہی توحید نظر آئے گی۔

کرامات کا انکار قدرت خداوندی کا انکار ہے

اب وحید صاحب بڑے غصے میں تھے (اور ان نوجوانوں سے جواب دینے کا کہہ رہے تھے) لیکن غیر مقلدین نے اور سوال کیا کہ ان واقعات میں تو ایسی ایسی باتیں ہیں جو ہو ہی نہیں سکتیں، بالکل ناممکن ہے۔ میں نے پوچھا کس سے نہیں ہو سکتیں خالق سے یا مخلوق سے؟ اگر مخلوق سے نہیں ہو سکتیں تو بالکل درست مگر ان کو مخلوق کا فعل قرار دینا ہی تو عیسائی ذہنیت ہے اور اگر کہو کہ خالق سے بھی نہیں ہو سکتیں تو یہ اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت کا انکار ہے۔ اگر آپ اس کے منکر ہیں اور خالق کی قوت اتنی ہی مانتے ہیں جتنی آپ کی کہ جو آپ سے نہ ہو سکے وہ خدا سے بھی نہیں ہو سکتا تو اپنی توحید کی خیر منایئے اور توبہ کیجئے۔ اللہ والوں کی کرامات کا انکار نہیں یہ تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار ہے۔

وسوسہ نمبر ۵: بزرگوں کی طرف جھوٹے واقعات منسوب ہیں کیونکہ لوگ اپنے بزرگوں کے لیے غلط اور جھوٹے واقعات گھڑ لیتے ہیں تو ان کا کیا اعتبار؟

ازالہ: جھوٹ کہاں نہیں گھڑا گیا لوگوں نے جھوٹے خدا بنائے، جھوٹے نبی بنائے، جھوٹی حدیثیں بنائیں، جعلی کرنسی بنائی تو کیا صرف جھوٹے خداؤں کا ہی انکار کرو گے یا ساتھ ہی سچے خدا کا بھی انکار کرو گے؟ صرف جھوٹے نبیوں کا ہی انکار کرو گے یا سچوں کا بھی انکار کرو گے؟ صرف جھوٹی حدیثوں کا انکار کرو گے یا سچی احادیث کو بھی چھوڑ دو گے؟ صرف جعلی کرنسی سے بچو گے یا اصلی کرنسی بھی گلی میں پھینک دو گے؟ یہاں بھی جھوٹے واقعات کو ماننے کی آپ کو کس نے دعوت دی ہے؟ اور سچے واقعات سے انکار کیوں ہے؟

وسوسہ ٦: وحید صاحب نے غیر مقلیدین کا سوال دھراتے ہوئے کہا ایسے واقعات کو کیسے مان لیا جائے؟ ان میں ایسی باتوں کا ذکر ہے جو انبیاء علیہم السلام اور صحابہؓ کے لیے بھی ظاہر نہیں ہوئیں، نبی اور صحابہ کا مقام تو ولی سے بہت بلند ہے۔ یہ بالکل ناممکن ہے کہ ایک خرق عادت نبی اور صحابی کے ہاتھ پر تو ظاہر نہ ہو اور کسی ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہو جائے۔

ازالہ: (مولانا نے جواباً کہا) عجیب بات ہے جہاں قیاس جائز ہو وہاں تو آپ اس کو شرک کہتے ہیں اور خرق عادات میں قیاس شروع کر دیا ہے۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ کو خواب نظر آتے ہیں یا نہیں؟ اس نے کہا آتے ہیں۔ میں نے کہا بالکل وہی جو انبیاء اور صحابہ کرام کو آئے یا اور بھی؟ اس نے کہا یہاں انبیاء اور صحابہ کا کیا ذکر اللہ تعالیٰ جس کو خواب چاہیں دکھا دیں۔

مثال نمبر ا:...... میں نے کہا بعض اوقات ایک چھوٹے بچے کو خواب نظر آتا ہے اور صبح بتاتا ہے کہ آج خواب میں، میں نے دیکھا کہ نانا ابو آئے ہیں اور واقعتاً وہ آ بھی جاتے ہیں اور خواب سچا ہو جاتا ہے مگر اس خواب کا کوئی یہ کہہ کر انکار نہیں کرتا کہ گھر کے بڑوں کو یہ خواب نہیں آیا تو ہم کیسے مان لیں کہ بچے کو خواب آ گیا؟ (یہ کوئی بھی نہیں کہتا اور سارے مان لیتے ہیں)

مثال نمبر ۲:...... دیکھو بی بی مریم ولیہ ہیں ان کو بے موسم پھل مل رہے ہیں مگر حضرت زکریا علیہ السلام جو نبی ہیں ان کو نہیں مل رہے یہ اللہ کی دین ہے۔

مثال نمبر ۳:...... سیدہ عائشہ صدیقہؓ کو خاوند کے ہوتے ہوئے لڑکی بھی نہیں دی اور بی بی مریم کو بغیر خاوند کے لڑکا عطاء فرما دیا۔

مثال نمبر ۴:...... حضرت یعقوب علیہ السلام ہاتھ مبارک روزانہ منہ پر پھرتے ہیں مگر بینائی واپس نہیں آئی، حضرت یوسف علیہ السلام کی صرف قمیض لگنے سے بینائی واپس آ گئی۔

مثال نمبر ۵:...... جو ہوا سلیمان علیہ السلام کا تخت اٹھائے پھرتی تھی اس ہوا کو یہ حکم نہیں ملا کہ سفر ہجرت میں آپ ﷺ کو ایک لمحہ میں مدینہ پہنچا دے۔

مثال نمبر ٦:...... حضرت سلیمان علیہ السلام نبی ہیں لیکن تخت بلقیس کا آنا ان کے صحابی کی کرامت ہے۔

مثال نمبر ۷:...... یہ اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے وہ چاہیں تو ہزاروں میل دور بیت المقدس کا کشف ہو

جائے، جنت دوزخ کا کشف ہو جائے اور نہ چاہیں تو چند میل سے سیدنا عثمانؓ کی شہادت کی غلط خبر آئے اور آپؐ بیعت لینا شروع فرما دیں۔

مثال نمبر ۸:...... وہ نہ چاہے تو کنعان کے کنویں میں یوسف علیہ السلام کا یعقوب علیہ السلام کو پتہ نہ چلے اور جب چاہے تو مصر سے یوسف علیہ السلام کے کرتے کی خوشبو کنعان میں سونگھا دے۔ مین نے کہا آپ جو ساری دنیا کو مشرک کہہ رہے ہیں اس پر نظر ثانی کریں اور توبہ کریں۔ (کرامات میں اللہ کی طاقت کی طرف نظر رکھیں)

صوفیاء کرام کے بارہ میں نواب صدیق حسن کی نصیحت

فضائل اعمال وغیرہ میں صوفیاء پر یہ اعتراض غیر مقلدین کی اپنی کتب سے ناواقفیت کی بناء پر کیا گیا ذیل کی تحریر ان کے مسلم عالم کی ہے۔نواب صاحب فرماتے ہیں:

کہ صوفیاء کرام رحمہم اللہ کے حالات میں چار امر قابل بحث ہیں۔

(امر اوّل)...... مجاہدات، ان کا تعلق اذواق و مواجید اور محاسبہ نفس و اعمال کے ساتھ ہے۔ انہی اذواق کی منتہا اور غایات کو مقامات کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

(امر دوم)...... کشف و ادراک حقائق عالم غیب جس کا تعلق صفات ربانیہ۔ عرش و کرسی و ملائکہ ووحی ونبوت وروح وحقائق موجودات غائب وشاہد وترکیب اکوان وغیرہ سے ہے۔

(امر سوم)...... تصرفات انواع کرامات کے ساتھ اکوان وعوالم میں۔

(امر چہارم)...... الفاظ موہومہ یعنی شطحیات بعض لوگ ان امور چہارگانہ کے منکر ہیں، بعض محسن ہیں اور بعض تاویلات کے قائل ہیں۔

بہر حال امر اوّل میں کوئی کلام وانکار نہیں ہو سکتا۔ صوفیاء کرام کے اذواق بالکل صحیح ہیں اور ان کا تحقق عین سعادت ہے۔

اسی طرح امر دوم صحیح نا قابلِ انکار ہے اگر چہ بعض علماء نے انکار کیا ہے، مگر یہ انکار حق کے مقابل کوئی چیز نہیں ہے۔

امر سوم یہ انواع متشابہات میں سے ہے اس لیے اس کا تعلق وجدانِ قلبی سے ہے، محض الفاظ ولغت سے ان کی مرادات پر اطلاع نہیں ہوسکتی الفاظ تو محض محسوساتِ متعارفہ کی تعبیر کے

لیے وضع کیے گئے ہیں۔

امر چہارم شطحیات اس کا تعلق غلبہ حال اور واردات سے ہے محسوسات سے بیگانہ وارر ہتے ہیں اسی سبب سے بعض اوقات ان کی زبان سے ایسے کلمات صادر ہو جاتے ہیں جو ان کے قصد وارادہ سے نہیں ہوتے ظاہر ہے کہ جو شخص مغلوب الحال ہو وہ ہر طرح معذور اور مجبور ہے اس قسم کے لوگوں میں سے جو شخص صاحب فضل ولائق اقتدا ہو اس کے کلمات موہومہ کو مقصد جمیل پر محمول کرنا چاہیے۔ (ماثر صدیقی ص ۱۵/ جلد ۴ مرتب: حضرت پیران پیر اور غیر مقلدین)

وسوسہ نمبر ۷: غیر مقلد نے کہا کیونکہ تبلیغی جماعت والے مقلد ہیں اور یہ جو نماز پڑھتے ہیں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے محض اندھی تقلید ہے کیا یہ نماز قبول ہوگی؟

ازالہ: آپ ایمانداری سے بتائیں کہ آپ کو تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام تک نماز کے ہر ہر قول اور ہر ہر فعل کی دلیل تفصیلی یاد ہے؟ اگر ہے تو ذرا سنا دیں! اس نے کہا کہ دو تین مسائل کے علاوہ مجھے کسی مسئلے کی دلیل یاد نہیں۔ میں نے کہا تو آپ کے اقرار سے آپ کی نماز ستانوے فیصد تقلیدی ہے وہ کیسے قبول ہوگی؟ اب وہ پریشان سا ہوا کہنے لگا وہ کہتے ہیں کہ:

وسوسہ نمبر ۸: ہم صرف قرآن وحدیث کو مانتے ہیں اور حنفیوں سے حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں اور لاکھوں روپے انعام رکھتے ہیں مگر کوئی حنفی جواب نہیں دیتا۔

ازالہ: ہم بھی دو حدیثیں آپ سے پوچھتے ہیں آپ ہی میرا مطالبہ پورا فرمادیں اور کروڑ روپیہ فی حدیث انعام لے لیں۔

غیر مقلدین سے چند سوالات

پہلا سوال:...... ایک حدیث ایسی لائیں کہ امام کے پیچھے مقتدی کو ۱۱۳ سورتیں پڑھنی حرام ہیں، صرف ایک سورۃ فاتحہ پڑھنی فرض ہے اس کے پڑھے بغیر مقتدی کی نماز نہیں ہوتی اور اس حدیث کو اللہ یا رسول اللہ ﷺ نے صحیح فرمایا ہو (کیونکہ تمہارے نزدیک اللہ اور رسول ﷺ کے سوا کسی کی بات حجت نہیں)

دوسرا سوال:...... چار رکعت نماز میں آٹھ سجدے ہوتے ہیں۔ آپ نہ آٹھ سجدوں میں جاتے وقت رفع یدین کرتے ہیں اور نہ اٹھتے وقت۔ گویا سولہ جگہ رفع یدین نہیں کرتے اور دوسری اور چوتھی

رکعت کے شروع میں بھی رفع یدین نہیں کرتے تو کل اٹھارہ جگہ رفع یدین نہیں کرتے اور چار رکعت میں رکوع ہوتے ہیں۔ آپ رکوع جاتے اور اٹھتے وقت رفع یدین کرتے ہیں، یہ آٹھ رفع یدین ہوئیں اور پہلی اور تیسری رکعت کے شروع میں رفع یدین کرتے ہیں تو کل دس جگہ رفع یدین ہوئیں۔ آپ ایک اور صرف ایک اور صرف ایک حدیث پیش فرمائیں کہ آنحضرت ﷺ اٹھارہ جگہ رفع یدین نہیں کرتے تھے اور دس جگہ کرتے تھے اور یہ آپ کا ہمیشہ کا عمل تھا جو اس طرح نماز نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی؟ اور اس حدیث کو اللہ یا رسول اللہ ﷺ نے صحیح فرمایا ہو۔ ہم آپ کو انعام بھی دیں گے اور اہلحدیث بھی ہو جائیں گے۔ صرف ایک غیر جانبدار عربی پروفیسر یہ تصدیق کر دے کہ واقعی دونوں حدیثوں میں مطلوبہ پانچ باتیں پائی گئی ہیں۔ وحید صاحب نے کہا مجھے تو ایسی حدیثیں معلوم نہیں میں اپنے (غیر مقلدین) علماء سے ان کا مطالبہ کروں گا اگر میں لے آیا تو آپ کو اہلحدیث ہونا پڑے گا اور اگر نہ لا سکا تو میں اہلسنت والجماعت حنفی بن جاؤں گا۔ میں نے کہا بالکل درست۔ وہ چلا گیا۔ (اور غیر مقلدین بھی چلے گئے)

اہل حدیث سے مطالبہ حدیث شرارت کیوں؟

تین دن بعد وحید صاحب اکیلے آئے اور کہا میں نے تین دن آرام نہیں کیا، ایک ایک مولوی صاحب کے پاس پہنچا اور ان سے کہا کہ صرف دو مطلوبہ حدیثیں لکھ دو لیکن کسی نے حامی نہیں بھری بلکہ ناراض ہوئے کہ ایسے سوالات ہمارے پاس آئندہ نہ لانا، یہ سوالات محض شرارت کے لیے ہیں۔ وحید صاحب کہتے ہیں میں نے ان سے کہا کہ اگر ایسے سوال آپ کریں تو اس کو تو آپ عمل بالحدیث کہتے ہیں اور وہ لوگ آپ سے حدیث پوچھ لیں تو اس کو آپ شرارت کہتے ہیں۔ وحید صاحب نے کہا کہ وعدہ کے مطابق تو مجھے اہلسنت والجماعت حنفی بن جانا چاہیے مگر میرے ابھی اور بھی اشکالات ہیں۔

صرف دو حدیثوں کا سوال

وسوسہ نمبر۹: وحید صاحب نے کہا معلوم ہے ہوا کہ سورۃ فاتحہ فرض ہے اور مقتدی اگر سورۃ فاتحہ نہ پڑھے تو اس کی نماز بالکل نہیں ہوتی۔

ازالہ: میں نے کہا کہ دو آیتیں یا حدیثیں مجھے لکھوا دیں میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں گا۔ ایک تو

یہ کہ مقتدی پر سورۃ فاتحہ فرض ہے اور دوسری حدیث یہ لکھوائیں کہ نماز میں کل فرائض کتنے ہیں؟ آپ کے تمام علماء مل کر یہ دو حدیثیں نہیں دکھا سکتے۔

میں نے کہا وحید صاحب! اہلسنت والجماعت کا دین کامل ہے ان کا فقہ میں فرائض کی پوری تفصیل ہے، غیر مقلدین کا دین ناقص ہے یہ بے چارے کسی حدیث سے مکمل فرائض نہیں دکھا سکتے اس نے کہا یہ کیا بات ہے اگر نہ دکھا سکیں گے تو میں وہ ناقص دین چھوڑ دوں گا۔

میں نے کہا اب تک آپ جو نماز پڑھتے آرہے ہیں آپ کو فرائض تک معلوم نہیں چہ جائے کہ ان کے دلائل، تو آپ یہ نماز کن کی اندھی تقلید میں پڑھ رہے ہیں۔ تقلید تو آپ کے ہاں شرک ہے تو نماز پڑھ کر آپ نمازی بنتے ہیں یا مشرک؟۔

رفع یدین کے متعلق ایک سوال

وسوسہ نمبر ۱۰: اس نے کہا کہ اٹھارہ جگہ رفع یدین نہ کرنا سنت ہے اور دس جگہ ہمیشہ رفع یدین کرنا سنت ہے اور حنفیوں کی نماز بالکل خلاف سنت ہے۔

ازالہ: میں نے کہا میں چاہتا ہوں کہ کامل اہلحدیث بنوں نہ کہ آپ کی طرح ناقص، اس لیے یہاں بھی آپ دو احادیث مجھے دکھائیں ایک وہ حدیث جس میں صراحت ہو کہ اٹھارہ جگہ ترک رفع یدین سنت ہے اور دس جگہ رفع یدین کرنا سنت ہے اور دوسری وہ حدیث دکھائیں کہ چار رکعت نماز میں کل کتنے اقوال اور افعال سنت ہیں تا کہ پتہ چلے کہ آپ کا دین کامل ہے یا ناقص؟ اس نے کہا مجھے تو ایسی حدیث یاد نہیں میں نے کہا بڑی حیرت ہے کہ ساری دنیا کے مسلمانوں کو آپ مشرک اور بے نماز کہتے نہیں تھکتے اور اپنی نماز سے اتنے غافل ہیں کہ نہ نماز کے فرائض کی حدیث یاد ہے نہ نماز کی سنتوں کی حدیث یاد ہے قیامت کو حساب پوری نماز کا ہوگا یا صرف ایک فرض اور ایک سنت کا؟ آپ اپنے پر رحم کریں اور دوسروں کو بے نماز کہنے کی بجائے اپنی مکمل نماز حدیث سے ثابت کریں۔

وسوسہ نمبر ۱۱: مسئلہ فاتحہ خلف الامام کے متعلق وحید صاحب نے کہا کہ پوری امت کا اتفاق ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔

ازالہ: میں نے کہا " آپ پوری امت شاید کسی غیر ذمہ دار غیر مقلد کو سمجھتے ہیں وحید صاحب! آپ کو شاید معلوم نہیں کہ غیر مقلد علماء نے اس مسئلہ میں ہتھیار ڈال دیے ہیں۔ سنئے! امام احمد

رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''ہم نے اہل اسلام میں سے کسی سے نہیں سنا جو یہ کہتا ہو کہ جب امام جہر سے قرأت کرتا ہو اور مقتدی اس کے پیچھے قرأت نہ کرے تو اس کی نماز فاسد ہو گی۔ فرمایا کہ یہ آنحضرت ﷺ ہیں اور یہ آپؐ کے صحابہؓ اور تابعین رحمہم اللہ ہیں اور یہ امام مالک ہیں اہل حجاز ہیں، یہ امام ثوری رحمۃ اللہ ہیں اہل عراق میں یہ امام اوزاعی رحمہ اللہ ہیں اہل شام میں اور یہ امام لیث رحمہ اللہ ہیں اہل مصر میں، ان میں سے کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ جب کوئی شخص نماز پڑھے اور اس کا امام قرأت کرے اور مقتدی قرأت نہ کرے تو اس کی نماز باطل ہے۔ (مغنی ابن قدامہ ج۱/ص۶۰۲) وحید صاحب! معلوم ہو گیا کہ پورے خیر القرون میں ایک مسلمان بھی بے نماز کہنے میں ان کا ہمنوا نہیں ہے۔

پوری امت سے ہٹ کر موقف اختیار کیا ہے

مزید پڑھیے امام بخاری رحمہ اللہ سے لے کر دور قریب کے محققین علمائے اہلحدیث تک کسی کی تصنیف میں یہ دعویٰ نہیں کیا گیا کہ فاتحہ نہ پڑھنے والے کی نماز باطل ہے، وہ بے نماز ہے وغیرہ۔ اس لیے اگر آج بعض حضرات نے جو قدم اٹھایا ہے اسے پیش قدمی نہیں کہا جا سکتا پھر جماعت کے نامور اور ذمہ دار حضرات میں بھی ان کا شمار نہیں ہوتا۔ (توضیح الکلام ج۱/ص۴۳)
(یہ مذکورہ کتاب غیر مقلدین کے مستند عالم کی ہے)

مزید سنئے ارشاد الحق اثری (غیر مقلد عالم) لکھتے ہیں ''فاتحہ نہ پڑھنے والے پر تکفیر کا فتویٰ یا اس کے بے نماز ہونے کا فتویٰ امام شافعی رحمہ اللہ سے لے کر مؤلف خیر الکلام تک کسی ذمہ دار محقق عالم نے نہیں دیا۔'' (توضیح الکلام ج۱/ص۹۹)

نیز لکھتے ہیں: ''امام بخاری رحمہ اللہ سے لے کر تمام محققین علمائے اہلحدیث میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ جو فاتحہ نہ پڑھے وہ بے نماز ہے، کافر ہے۔'' (توضیح الکلام ج۱/ص۵۱۷)

نیز تحریر کرتے ہیں: ''ہمارا تو مسلک ہے کہ فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ فروعی اختلافی ہونے کی بنا پر اجتہادی ہے پس جو شخص حتی الامکان تحقیق کرے اور یہ سمجھے کہ فاتحہ فرض نہیں خواہ نماز جہری ہو یا سری اپنی تحقیق پر عمل کرلے تو اس کی نماز باطل نہیں ہوتی۔''
(۳۲و توضیح الکلام از ارشاد الحق اثری ج۱/ص۴۵)

عجیب تضاد ہے

اب وحید صاحب بار باران اردو عبارات کو پڑھتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ اہلحدیث مذہب بھی عجیب ہے۔ تقریروں میں رات دن ہمیں کہتے ہیں کہ یہ حنفی بے نماز ہیں مگر تحریروں میں ایسے سب لوگوں کو غیر محقق اور غیر ذمہ دار قرار دے رہے ہیں۔ اس سے تو یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ ان لوگوں کا کوئی ٹھوس مسلک نہیں محض اہلسنت والجماعت سے ضد ہے۔ اپنے گھر بیٹھ کر خوب ضد کو ظاہر کیا، ان کو بے نماز اور مشرک تک کہا، جہاں اہلسنت سے آمنا سامنا ہوا تو ہتھیار ڈال دیے اور اپنے سارے فرقے کو غیر محقق اور غیر ذمہ دار قرار دے دیا' گویا یہ فرقہ گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا رہتا ہے۔

ہدایہ پر اعتراضات

وسوسہ نمبر ۱۲: وحید صاحب نے کہا کہ غیر مقلدین کے بقول ضد اور جھوٹ تو حنفیوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ دیکھو پہلے حنفی ضد نہیں کرتے تھے لیکن آج کل کے حنفی تو نہ قرآن و حدیث کو مانتے ہیں اور نہ فقہ حنفی کو۔ دیکھئے ہدایہ میں لکھا ہے پگڑی پر مسح جائز ہے۔ (ج ا/ص ۱۰) آنحضرت ﷺ کا عمل دوام غلس میں (فجر اندھیرے میں پڑھنے کا) تھا (ج ا/ص ۱۷۱) اذان میں ترجیع ثابت ہے (ج ا/ص ۲۹۲) حضرت مولانا مظہر جان جاناں ہمیشہ سینہ پر ہاتھ باندھتے تھے۔ (ج ا/ص ۳۹۱) ایک وتر پر مسلمانوں کا اجماع ہو چکا ہے (ہدایہ ج ا/۵۲۹) ابن ہمام نے کہا رکوع کے بعد قنوت پڑھنے کی حدیث صحیح ہے (ج ا/ص ۵۳۰) لیکن آج کل کے حنفی محض اہلحدیث کی ضد میں ہدایہ کے مسائل پر عمل نہیں کرتے۔

ازالہ: میں نے کہا آپ نے ہدایہ کے حوالوں میں با قاعدہ جلد اور صفحہ بھی بتایا ہے مگر یہ سب حوالہ جات بالکل جھوٹے ہیں ہدایہ میں تو ان کے خلاف لکھا ہے:

(1)...... **لا يجوز المسح على العمامة**...... (ج ا/ص ۴۰) پگڑی میں مسح جائز نہیں۔

(2)...... **يستحب الاسفار بالفجر لقوله عليه السلام اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر** ...... مستحب ہے کہ نماز روشنی میں پڑھی جائے اس لیے کہ رسول اقدس ﷺ نے فرمایا خوب روشن کر کے نماز پڑھو اس میں زیادہ اجر ہے۔

(3)...... **لا ترجيع في المشاهير** ...... احادیث مشہورہ میں ترجیع نہیں ہے۔ (ج ا/ص ۲۱۰)

(4)...... صاحب ہدایہ کا وصال ۵۹۰ھ میں ہوا جب کہ مرزا مظہر جان جاناں ۱۱۱۱ھ میں ہوئے تو چھ سو سال پہلے کی کتاب میں ان کا سینے پر ہاتھ باندھنا کیسے لکھا گیا ہے؟

(5)...... ہدایہ میں تو ہے ...... **حكى الحسن اجماع المسلمين على الثلاث**...... امام حسن بصری رحمہ اللہ نے سب مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے کہ وتر تین ہیں۔

(6)...... شیخ ابن ہمام نے ۸۶۱ھ میں وصال فرمایا جب کہ صاحب ہدایہ ۵۹۰ھ میں وصال فرما چکے تھے تو اپنی پیدائش سے تین سو سال قبل ہی ہدایہ میں رکوع کے بعد قنوت پڑھنے کا مسئلہ کیسے لکھ

گئے؟ آخر آپ لوگ عقل کے پیچھے کیوں لٹھ لیے پھر رہے ہیں؟

وحید صاحب نے کہا یہ حوالے ہمارے مولوی یوسف جے پوری نے حقیقۃ الفقہ میں لکھے ہیں اگر یہ میں اصل عربی ہدایہ سے نہ دکھا سکا تو پھر اہلحدیث کے مذہب کے جھوٹے ہونے میں مجھے ذرہ بھر شک نہیں رہے گا۔

یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

میں نے کہا جیسے پہلے آپ کی خواہش کے مطابق ہم نے دو احادیث مانگیں وہ ان سے آپ نہ لا سکے، نماز کے مکمل فرائض اور مکمل سنتیں حدیث سے نہ دکھا سکے، اب فقہ پر ایک ہی سانس میں چھ جھوٹ بول دیے، یہ بھی آپ ہرگز نہ دکھا سکیں گے۔ دیکھئے ضد اور جھوٹ حنفیوں کی عادت ہے یا آپ کا اوڑھنا بچھونا۔

ضد احناف کرتے ہیں یا......؟

میں نے کہا ''اس ملک میں اہلسنت والجماعت حنفی ہی اسلام لائے، قرآن لائے، سنت لائے، فقہ لائے، اور لاکھوں کافروں کو مسلمان کیا جب یہ فرقہ پیدا ہوا، تو اس نے ضد کو ہی اپنا روز مرہ کا معمول بنالیا۔ چند مسائل بطور نمونہ دیکھیں:

1)...... حنفی کہتے تھے منی ناپاک ہے۔ انہوں نے ضد میں کہہ دیا منی بالکل پاک ہے۔
(عرف الجادی ص ۱۰، کنز الحقائق ص ۱۲، نزل الابرار ج ۱/ ص ۴۹، بدور الاہلہ ص ۱۵)

2)...... حنفی کہتے تھے کہ تھوڑے پانی مثلاً ایک لوٹے میں تھوڑی سی نجاست بھی گر جائے اگرچہ اس پانی کا رنگ یا بو یا مزا نہ بدلے تو بھی ناپاک ہے مگر حکیم صادق سیالکوٹی نے صاف کہا کہ جب تک نجاست کی وجہ سے تینوں وصف رنگ، بو، مزہ نہ بدلیں اس وقت تک پانی ناپاک نہیں ہوتا۔
(صلوٰۃ الرسول ص ۵۳)

3)...... حنفی کہتے تھے کہ خمر (شراب) نجس العین ہے مثل پیشاب کے مگر ضد کا خدا برا کرے وحید الزمان نے صاف لکھ دیا کہ پاک ہے۔ (نزل الابرار ج ۱/ ص ۴۹)

4)...... حنفی مردار، خنزیر اور خون کو ناپاک کہتے تھے انہوں نے محض ضد میں ان کو پاک کہہ

دیا۔ (بدورالابلہ،عرف الجادی ص ۱۰)

معلوم ہواان کے ہاں منی،خنزیر،مردار،خون سے پورا جسم اور کپڑے لت پت ہوں تو بھی ان کا جسم اور کپڑے پاک ہیں۔وحید صاحب! کیا ہی خوب ہو کہ ایک دن یہ پورانقشہ بنا کر آپ نماز پڑھیں۔چلوزندگی کی ایک ہی نماز عمل بالحدیث پرادا ہو جائے کیا خیال ہے؟

5)...... حنفی کہتے تھے کہ استنجاء کرتے وقت نہ قبلہ کی طرف منہ کرے نہ پشت،لیکن انہوں نے ضد میں کہہ دیا:"**ولا یکرہ الاستقبال والاستدبار للاستنجاء**" (نزل الابرار ج۱/ص۵۳) یعنی استنجاء کے وقت قبلہ کی طرف منہ کرنا اور پشت کرنا مکروہ نہیں۔

6)...... احناف کہتے تھے کہ بے وضو آدمی کو قرآن کو ہاتھ نہ لگانا چاہیے مگر انہوں نے صاف کہہ دیا کہ محدث راسِ مصحفِ جائز باشد (عرف الجادی ص ۱۵) یعنی بے وضو شخص کا قرآن کو چھونا جائز ہے۔ضد کا تو یہ حال ہے۔

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ لکھتے ہیں:''ایک اور عجوبہ سماعت فرمائیں آبادی کے اندر بول و براز کی حالت میں قبلہ کی طرف رخ کرنے کا جواز مختلف فیہ ہے اس لیے احتیاط بہر حال اس میں ہے کہ اس سے احتراز کیا جائے مگر اہلحدیث کے ہاں تو دوسرے مذاہب کی مخالفت ہی بڑا اجہاد ہے۔چنانچہ کراچی میں انہوں نے اپنی مسجد کے استنجاء خانے گرا کر از سرِ نو قبلہ رخ تعمیر کرائے ہیں۔وجہ پوچھنے پر ارشاد ہوا کہ یہ سنت چودہ سو سال سے مردہ تھی ہم نے اس کو زندہ کیا ہے۔(احسن الفتاویٰ ج ۳/ص ۱۰۹)

بہشتی زیور پر اعتراضات

وسوسہ نمبر۱۳: وحید صاحب کہنے لگے کہ اگر اہل حدیثوں نے حنفیوں سے ضد کی ہے تو حنفی حدیث رسول سے ضد کرتے ہیں۔ دیکھو رسول اقدس ﷺ نے فرمایا "کتا برتن میں منہ ڈال دے تو اس برتن کو سات دفعہ دھودو" لیکن "بہشتی زیور" میں ہے کہ سات دفعہ نہیں تین دفعہ دھودو۔ دیکھو مکے والا دین کوفہ میں آکر کس طرح بدل گیا اس ضد کا کوئی ٹھکانہ ہے کہ نبی ﷺ کچھ کہیں امام ابوحنیفہ صاحب رحمہ اللہ کچھ۔

ازالہ: میں نے کہا وحید صاحب! حضرت عطاء مکہ کے مفتی تھے جنہوں نے دوسو صحابہؓ کی زیارت کی وہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں منہ ڈال دے تو اسے چاہیے کہ پانی بہادے اور برتن کو تین بار دھولے (الکامل لابن عدی) پھر حضرت عطاء رحمہ اللہ خود ابوہریرہؓ سے یہی فتویٰ نقل فرماتے ہیں کہ تین مرتبہ دھویا جائے (دارقطنی ج۱/ص۶۶) پھر خود عطاء رحمہ اللہ یہی فرماتے ہیں کہ میں نے اس بارہ میں سات دفعہ دھونا بھی سنا ہے۔ پانچ دفعہ بھی اور تین دفعہ بھی۔ (عبدالرزاق ج۱/ص۹۷)

وحید صاحب......! افسوس ہے کہ آپ نے "بہشتی زیور" کے بارہ میں غلط بیانی فرمائی ہے کہ اس میں سات دفعہ دھونے سے منع کیا ہے۔ حضرت نے بہت احتیاط فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں: کتے کا جھوٹا نجس ہے اگر کسی برتن میں منہ ڈال دے تو تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جاوے گا چاہے مٹی کا برتن ہو چاہے تانبے وغیرہ کا دھونے سے سب پاک ہو جاتا ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ سات مرتبہ دھووے اور ایک مرتبہ مٹی لگا کر مانجھ بھی ڈالے کہ خوب صاف ہو جاوے (بہشتی زیور حصہ اوّل جانوروں کے جھوٹے کا بیان مسئلہ نمبر۲) وحید صاحب فرمائیے کہ یہ کس حدیث کے خلاف ہے؟

آئینہ دکھایا تو بُرا مان گئے

اب ذرا نواب صدیق حسن خاں کی بھی سن لیجئے۔ فرماتے ہیں۔ کتے کے منہ ڈالنے والی

حدیث پورے کتے، اس کے خون، بال اور پسینے کے ناپاک ہونے پر دلالت نہیں کرتی۔

(بدور الاہلہ ص ۱۶)

اور نواب وحید الزمان فرماتے ہیں: ''لوگوں نے کتے، خنزیر اور ان کے جھوٹے کے متعلق اختلاف کیا ہے زیادہ راجح یہ ہے کہ ان کا جھوٹا پاک ہے ایسے ہی لوگوں نے کتے کے پیشاب، پاخانہ کے متعلق اختلاف کیا ہے حق بات یہ ہے کہ ان کے ناپاک ہونے پر کوئی دلیل نہیں۔

(نزل الابرار ج ۱/ ص ۵۰)

وحید صاحب! آپ نے دیکھا ان حضرات کو کتے سے کتنا پیار ہے؟ اس کا خون بھی پاک پیشاب بھی پاک، پاخانہ بھی پاک، لعاب اور جھوٹا بھی پاک۔

فضائل اعمال کے حصہ

(حکایاتِ صحابہؓ) پر اعتراضات

وسوسہ نمبر ۱۴: وحید صاحب نے کہا کہ حکایات صحابہؓ میں شیخ الحدیث صاحب نے یہ متضاد بات لکھ دی ہے ص ۳۷ پر لکھتے ہیں کہ حضرت حنظلہؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم بیوی بچوں میں مشغول ہوتے ہیں تو وہ حالت باقی نہیں رہتی' جو حضور اقدس ﷺ کی پاک صحبت میں ہوتی ہے اس لیے مجھے نفاق کا ڈر ہے اور ص ۹۷ پر لکھتے ہیں کہ حضرت حنظلہؓ کی نئی شادی ہوئی تھی وہ بلا غسل میدان جہاد میں تشریف لے گئے اور شہید ہو گئے تو ملائکہ نے انہیں غسل دیا تو ان کے بچے تھے کہاں جن میں مشغولیت سے انہیں نفاق کا خوف ہوتا؟ ایسی متضاد باتوں کی وجہ سے ہی پڑھے لکھے لوگ اس کتاب سے متنفر ہوتے جارہے ہیں۔

ازالہ: میں نے کہا الحمد للہ پڑھی لکھی دنیا اس کتاب کی برکات سے دین کی دلدادہ بن رہی ہے ہاں ان پڑھ اور ضدی کا علاج کسی کے پاس نہیں۔ جس واقعہ میں حضرت حنظلہؓ نے نفاق کا ڈر ظاہر کیا ہے وہ حضرت حنظلہؓ بن الربیع کاتب رسول ہیں اور جن حضرت حنظلہؓ کو فرشتوں نے غسل دیا وہ حضرت حنظلہؓ بن مالک ہیں۔ یہ تفصیل بحوالہ مرقاۃ حاشیہ مشکوٰۃ ص ۱۹۷/ج ۶ پر ہے۔ جب وحید صاحب کو یہ دکھایا گیا تو وہ بہت پریشان ہوئے اور توبہ توبہ کررہے تھے کہ ہم تو اس اعتراض کو بہت اچھالتے ہیں اور کتنے لوگوں کو ہم نے پریشان کیا تو اب پتہ چلا کہ یہ بیماری ان کی اپنی کم علمی تھی۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے)

وسوسہ نمبر ۱۵: وحید صاحب نے کہا کہ خون کا حرام ہونا قرآن پاک کی قطعی نص سے ثابت ہے لیکن حضرت شیخ الحدیث صاحب نے دو صحابہ کرامؓ کے خون پینے کا واقعہ ذکر کیا اور حضرت نبی کریم ﷺ کو بھی علم ہوا اور آپ ﷺ نے ان پر کوئی ناراضگی نہ فرمائی بلکہ فرمایا کہ جس کے خون میں میرا خون ملا اس کو جہنم کی آگ نہیں چھو سکتی کیا اللہ کے نبی قرآن کی مخالفت کر سکتے ہیں؟

ازالہ نمبر ۱: میں نے کہا کہ ان دو میں ایک واقعہ تو حضرت ابو سعید خدریؓ کے والد

محترم حضرت مالکؓ بن سنان کا ہے اس کا ذکر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے (الاصابہ ج ۳/ ص ۳۴۶) اور ابن البرؒ نے الاستیعاب ج ۳/ ص ۳۷۰ پر کیا ہے تو کیا آپ ان دونوں حفاظ کو بھی حضرت شیخ الحدیث کے ساتھ اعتراض میں شامل کریں گے یا نہیں؟

ازالہ نمبر ۲: دوسرے یہ کہ حضرت مالکؓ بن سنان احد میں ہی آخر میں شہید ہو گئے۔ (الاستیعاب ج ۳/ ص ۳۷۰)

دیکھئے احد میں شہید ہونے والوں میں بعض وہ بھی تھے' جنہوں نے شراب پی تھی' کیونکہ ابھی شراب کی حرمت کا اعلان نہیں ہوا تھا تو کیا آپ ثابت کر سکتے ہیں کہ احد سے پہلے خون یعنی دمِ مسفوح کی حرمت نازل ہو چکی تھی؟ امام قرطبی رحمہ اللہ اپنی تفسیر ج ۲/ ص ۲۱۶ پر فرماتے ہیں کہ دمِ مسفوح والی آیت حجۃ الوداع کے دن عرفہ میں نازل ہو چکی تھی آپ کا اعتراض ہی باطل ہے ہاں نبی اقدسؐ اور صحابہ کرامؓ کے ساتھ حسن ظن رکھنا واجبات میں سے ہے' اس لیے کسی صحابیؓ کے شراب پینے کا ذکر پڑھ کر ہم فوراً یقین کر لیں گے کہ یہ حرمت سے پہلے کا واقعہ ہے۔

(نوٹ: اس مسئلہ پر اہم معلومات اگلے صفحات میں پڑھیے!)

ایسے ہی کسی صحابی کے خون پینے اور اس پر حضور اقدس ﷺ کے نہ ڈانٹنے سے یقیناً یہی سمجھا جائے گا کہ حرمت سے قبل کا واقعہ ہے اور حضرت عبداللہ بن زبیر حضور اقدسؐ کے وصال کے وقت نو سال کے تھے ان کا واقعہ بھی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے الاصابہ ج ۲/ ص ۳۱۰ پر نقل کیا ہے تو کیا اس اعتراض میں حافظ ابن حجر کو بھی شریک کیا جائے گا یا نہیں؟ انہوں نے بچپن میں یہ حرکت کی تو اگر حرمت سے پہلے کی بات ہے' تو اعتراض ہی نہیں اور بعد میں کی تو اس جملہ میں ڈانٹ موجود ہے جس کے بدن میں میرا خون جائے گا اس کو آگ چھو نہیں سکتی' مگر تیرے لیے بھی لوگوں سے ہلاکت ہے اور لوگوں کو تجھ سے۔

اپنی کتابیں بھی دیکھیں

اس قسم کے اعتراض کسی علمی بنیاد پر نہیں محض ضد پر مبنی ہیں۔ دیکھو حنفی کہتے ہیں کہ امام ناپاک ہو غسل کئے بغیر نماز پڑھا دے یا بغیر وضو کے نماز پڑھا دے' تو مقتدیوں کی نماز نہیں ہوتی لیکن علامہ وحید الزمان ضد میں آ کر یہ لکھ گئے کہ امام جنابت یا بے وضو ہونے کی حالت میں نماز

پڑھائے تو مقتدیوں کو نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ (نزل الابرار ج ۱/ص ۱۰۱)

اہلسنت کہتے ہیں کہ کافر کے پیچھے مسلمان کی نماز نہیں ہوتی مگر وحید الزمان صاحب کہتے ہیں ہو جاتی ہے۔ (نزل الابرار ج ۱/ص ۱۰۱)

وسوسہ نمبر ۱۶: وحید صاحب نے کہا کہ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے تو تحریر کیا ہے کہ حضور ﷺ کے فضلات پیشاب، پاخانہ وغیرہ سب پاک ہیں۔

ازالہ: میں نے کہا فضلہ کا معنی بچا ہوا پھوک ہے معدہ کھانے کو پکاتا ہے اس میں اصل قوت جگر کھینچ لیتا ہے اور پھوک پاخانہ بن کر نکل جاتا ہے یہ معدے کا فضلہ ہے پھر جگر خون تیار کر کے دل کو دیتا ہے اور جو پھوک رہ جاتا ہے وہ پیشاب بن کر خارج ہو جاتا ہے یہ جگر کا فضلہ ہے پھر وہ خون ایک ایک رگ کو سٹیم مہیا کرتا ہے اس خون سے جو فضلہ بچتا ہے وہ مسامات میں پسینے کی شکل میں خارج ہو جاتا ہے، پھر وہ جو خون جزو بدن اور گوشت بن گیا اس کا پھوک میل کچیل کی شکل میں مسامات کے ذریعے نکلتا ہے۔

(1)...... لیکن یہ تو صراحۃً ثابت ہے کہ عوام کے میل کچیل پر مکھی بیٹھتی ہے مگر آنحضرت ﷺ کے جسد اطہر پر مکھی نہیں بیٹھتی تھی۔

(2)...... اور یہ بھی متفق علیہ حقیقت ہے کہ عوام کا پسینہ بدبودار ہوتا ہے مگر آنحضرت ﷺ کا پسینہ مبارک دنیا کی اعلیٰ ترین خوشبوؤں کو شرماتا تھا۔

(3)...... آپ ﷺ کی نیند مبارک کو بھی نیند ہی کہا جاتا تھا مگر وہ نیند ہماری ہزار بیداریوں سے اعلیٰ وارفع تھی، آپ ﷺ کا خواب بھی وحی ہوتا تھا۔

(4)...... آپ ﷺ کی نیند مبارک سے وضو نہیں ٹوٹتا تھا تو جیسے آپ ﷺ کا پسینہ مبارک پسینہ ہی کہلاتا ہے مگر کس نے کہا کہ آپ ﷺ کے پسینہ مبارک کو عام انسانوں جیسا سمجھا جائے وہ آپ کے لیے پسینہ ہی تھا مگر عشاق کیلئے بہترین خوشبو۔

(5)...... بادام روغن نکلنے کے بعد جو بادام کا فضلہ بچتا ہے وہ بادام کا تو فضلہ ہی ہے مگر بنولہ کہے کہ میرے فضلہ جیسا ہے تو کوئی عقلمند اس کو تسلیم نہیں کرے گا۔ آنحضرت ﷺ بے شک انسان تھے لیکن آپ ﷺ کو جن خصائص سے اللہ تعالیٰ نے نوازا تھا ان خصائص کا انکار کیوں کیا جائے؟

(6)...... یاقوت بھی پتھر ہے، حجر اسود بھی ایک پتھر ہے مگر یاقوت اس کا مقابلہ کہاں کر سکتا ہے حجر اسود جنت سے آیا ہوا ہے۔

(7)...... حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجسام مطہرہ مقدسہ میں اللہ تعالیٰ نے جنت کے خواص رکھ دیئے ہیں اسی لیے ان اجسام مطہرہ کو مٹی پر حرام کر دیا گیا ہے ان اجسام مطہرہ کا پسینہ مثل جنت کے پسینے کے خوشبودار بنا دیا گیا اسی طرح دوسرے فضلات بھی اگر خصوصیت طہارت رکھتے ہوں تو اس میں کیا اشکال ہے؟ (اس سوال کا ایک تفصیلی جواب آئندہ باب میں ملاحظہ فرمائیں۔ مرتب)

روشنی کی طرف

وحید صاحب میری یہ ساری باتیں ٹیپ کر کے لے گئے، دو دن بعد آئے اور کہنے لگے ''جس طرح مطلوبہ احادیث وہ لوگ پیش نہیں کر سکے اسی طرح حقیقۃ الفقہ والے نے جو غلط حوالہ جات ہدایہ کے دیے ہیں وہ بھی عربی ہدایہ سے نہیں دکھا سکے اور ''صلوٰۃ الرسول'' کے غلط حوالے بھی صحاح ستہ سے نہیں دکھا سکے، نہ ہی صلوٰۃ الرسول کے فضائل تو کجا احکام میں ضعیف احادیث پیش کرنے کا کوئی جواب ان کے پاس ہے اور مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اس فرقہ کا کوئی اصول نہیں اس کی بنیاد صرف اور صرف اہلسنت والجماعت کی ضد پر ہے۔ آپ نے جو مسائل ان کے بتائے وہ ضد کا واضح ثبوت ہی ہیں۔ میں اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتا ہوں کہ دعوت و تبلیغ والے ایسے لوگوں کو چھوڑ کر جن کی صورت اور سیرت سے پیغمبر پاک ﷺ کی سنتیں نمایاں تھیں، جو خوف خدا کی دولت سے مالا مال تھے، جو حرام و حلال کا امتیاز کرتے تھے، جن کا دن رات اس فکر میں گزرتا تھا کہ نبی پاکؐ کا طریقہ کسی طرح دنیا میں جاری ہو جائے، میں ان چھوکروں کے پیچھے لگ گیا جن کے پلے میں بجز اکابر اہل اسلام پر بدزبانی کرنے اور ان کے خلاف بدگمانی پھیلانے اور مسلمانوں کو اکابر اہل اسلام سے متنفر کرنے کے کوئی کام نہیں ہے اب میں تہ دل سے توبہ کرتا ہوں کہ الحمد للہ مسلک حقہ اہلسنت والجماعت حنفی پر ہی قائم رہوں گا اور اس کے خلاف وسوسے پھیلانے والوں سے خود بھی خبردار رہوں گا اور دوسروں کو بھی خبردار کروں گا۔ اللہ تعالیٰ مجھے حق پر استقامت نصیب فرمائیں اور دین میں وسوسے

ڈالنے والوں کے شر سے محفوظ فرمائیں۔ (تجلیات جلد ا ص ۴۶۰ سے مولانا محمد امین اوکاڑویؒ کے ملفوظات کو ایک خاص انداز میں مرتب کیا گیا)

امین یاالٰہ العَالَمِینَ

باتوفیق قارئین سے درخواست

عالمی دینی تحریک پر سوالات کے جوابات آپ نے پڑھے۔ ہر دور میں اہل علم نے دینی تحریکوں پر اعتراضات کے بھرپور جوابات دیے ہیں اور ان سے خاطر خواہ فائدہ ہوا لیکن ان حضرات نے فائدہ حاصل کیا جنہوں نے تعصب سے بالاتر ہو کر پڑھا۔

اکثر و بیشتر سوالات کی وجہ بدگمانی ہے اور اس کا علاج صرف یہ ہے چند دن اس جماعت کے ساتھ رہ کر اعمال کو اپنی آنکھوں سے دیکھا جائے۔ الحمدللہ جوابات سے بہت سے معترضین معتقدین بن گئے، فتنہ وفساد کے اس دور میں دُعا کرنی چاہیے کہ:

اے اللہ ہم پر حق واضح فرمادے اور اس کی اتباع نصیب کردے۔ (آمین)۔

باب چہارم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تبلیغ میں چلنے والے احباب کے مسائل

اور

"فضائل اعمال" پر سوالات

اور

ان کا تسلی بخش حل

شہید ختم نبوت حضرت مولانا

محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

کے گوہر بار قلم سے

تبلیغی جماعت کے متعلق اہم سوالات کے جوابات

از:......مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ

سب سے پہلے ایک سوال اور اس کا جواب لکھا جاتا ہے جس سے حضرت لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس جماعت سے محبت اور اس مشن سے عقیدت مندانہ وابستگی ظاہر ہو رہی ہے۔ مرتب

کوئٹہ سے ایک صاحب نے اپنے مکتوب میں لکھا ہے:......

''بندہ یہ بات بلا مبالغہ کہتا ہے کہ آپ کی تصنیف وتحریر سے بندہ کے دل میں آنجناب کا جتنا احترام سمایا ہوا ہے شاید اتنا قدر واحترام اپنے والد کا بھی میرے دل میں نہیں ہوگا۔ میرا تعلق چونکہ تبلیغی جماعت کے ساتھ ہے اور تبلیغی جماعت کے بارے میں آپ کی آراء کئی دفعہ نظروں سے گزری ہے، جس میں آپ نے تبلیغی جماعت کی تائید بہت عقیدت مندی اور زبردست ولولے کے ساتھ کی تھی۔ چونکہ یہ کام ہمارا ایک مقصدی فریضہ ہے اگر چہ ہمیں اس کام کو شرح صدر کے ساتھ کرنا چاہیے، محض تقلیدی طریقہ پر نہیں۔ لیکن پھر بھی علماء حضرات کی تائید اس پرفتن دور میں بہت ضروری ہے اور بار بار ضروری ہے۔''

اس سلسلے میں آپ سے استدعا یہ ہے کہ آج کل ایک جماعت پھرتی ہے، جن کی اچھی خاصی داڑھی بھی ہوتی ہے۔ یہ جماعت مختلف شہروں میں آکر لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے نماز روزہ اور اس قسم کے اچھے اعمال کی آواز لگاتے ہیں مثلاً جھوٹ نہ بولو، چوری نہ کرو! وغیرہ وغیرہ اور ساتھ ہی رسالے بھی تقسیم کرتے ہیں، جس کا نام ''ضرب حق'' رکھا ہے اور مصنف کا نام عتیق الرحمٰن گیلانی لکھا ہے۔ اس دفعہ یہ جماعت ہمارے شہر ضلع پشین کوئٹہ میں آئی تھی، اور ساتھ ہی بہت سے رسالے بھی لائے تھے جلدی جلدی کچھ آوازیں لگا کر رسالے تقسیم کر کے فوراً شہر سے نکل گئے۔

ان رسالوں میں عجیب قسم کی خرافات اور بکواس لکھی ہوئی تھی۔ رسالے کے اکثر صفحوں پر بڑی بڑی سرخیاں قائم کر کے تبلیغی جماعت پر الزام لگائے تھے۔ ایک صفحے پر جس کی نقل آپ کے پاس بھیج رہا ہوں آپ کی کتاب ''عصر حاضر'' کا سہارا لے کر لکھا تھا کہ مفتی محمد یوسف لدھیانوی

نے اس جماعت کو عالمگیر فتنہ قرار دیا ہے۔ اب تبلیغی جماعت کے اپنے اکابرین نے اس جماعت کو فتنہ قرار دینا شروع کر دیا۔

گذارش یہ ہے کہ آپ کے بارے میں میرا سینہ بالکل صاف ہے لیکن امت کے سادہ لوح انسانوں کا اس فتنے میں پھنسنے کا شدید خطرہ ہے۔ اس لیے اخبار کے ذریعے اس جماعت کا دجل آشکارا کریں اور ایک بار پھر تبلیغی جماعت کو اپنے زریں خیالات سے نوازنے کی زحمت فرما کر باطل فرقوں کی حوصلہ شکنی کریں تا کہ ہمارے علاقے کے بلکہ پورے پاکستان کے سادہ لوح باشندے اس فتنے سے بچ جائیں۔'' جواب جلد از جلد پوری تفصیل کے ساتھ مطلوب ہے۔

حضرت نے جواب میں لکھا ہے۔

محترم ومکرم......!

زید مجدہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ......!

''آپ نے عتیق الرحمٰن گیلانی نام کے کسی شخص کا ذکر کیا ہے کہ اس نے تبلیغی جماعت کے خلاف پمفلٹ لکھے ہیں، اور ان میں کہا گیا ہے کہ اکابرین نے اس جماعت کو فتنہ قرار دیا ہے، اور یہ کہ اس کے معتقدین تبلیغی جماعت کو بدنام کرنے کے لیے مسقل مہم چلا رہے ہیں، اور بہت سے سادہ لوح لوگ ان سے متاثر ہو رہے ہیں، اس سلسلہ میں چند امور لکھتا ہوں، بہت غور سے ان کو پڑھیں۔''

(ا) مختصر اعلان

تبلیغ والوں کا جس مسجد میں گشت یا بیان ہوتا ہے، اس سے پہلے ان الفاظ میں اس کا اعلان کیا جاتا ہے:

''حضرات! ہماری اور سارے انسانوں کی کامیابی اللہ تعالیٰ کے حکموں کو پورا کرنے اور آنحضرت ﷺ کے مبارک طریقوں پر چلنے میں ہے، اس کے لیے ایک محنت کی ضرورت ہے، اسی محنت کے سلسلہ میں نماز کے بعد بات ہوگی، آپ سب حضرات تشریف رکھیں، ان شاء اللہ بڑا نفع ہوگا۔ یہ ہے دعوت وتبلیغ کی وہ ''محنت'' جو تبلیغی جماعت کا موضوع ہے، اور جس کا اعلان ہر مسجد میں ہوتا ہے۔''

(۲) انبیاء علیہم السلام کی دعوت

اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا یہ وہ پاک مقصد ہے جس کے لیے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور ان حضرات نے بغیر کسی اجر کے محض رضائے الٰہی کے لیے دعوت الی اللہ کا فریضہ انجام دیا، اس راستے میں ان کے سامنے مصائب و مشکلات کے پہاڑ آئے، انہیں ایذائیں دی گئیں، ان کی تحقیر کی گئی، انہیں ستایا گیا، ان کو گالیاں دی گئیں، انہیں دھمکایا اور ڈرایا گیا، لیکن ان کے پائے استقامت میں لغزش نہیں آئی، بلکہ تمام تر مصائب و مشکلات کو ان حضرات نے محض رضائے الٰہی کے لئے برداشت کیا، اور اس کے لیے جان و مال اور عزت و آبرو کی کسی قربانی سے دریغ نہیں فرمایا۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے جو حالات قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں بیان فرمائے گئے ہیں۔ ان میں جہاں یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ حضرات ایمان و یقین، صبر و استقامت اور بلند ہمتی کے کتنے بلند مقام پر فائز تھے، وہاں یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ دعوت الی اللہ کا مقصد کس قدر عظیم الشان اور عالی مقصد ہے کہ اس مقصد کے لیے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے فوق العادت قربانیاں پیش کیں۔

(۳) ختم نبوت کی ذمہ داری

آنحضرت ﷺ خاتم النبیین ہیں، آپ ﷺ پر سلسلہ نبوت ختم کر دیا گیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کو نبوت و رسالت کے منصب رفیع پر فائز نہیں کیا جائے گا، آپ کی ختم نبوت کے طفیل میں دعوت الی اللہ کا یہ کام، جس کے لیے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو کھڑا کیا گیا تھا، اب آپ ﷺ کی امت کے سپرد کر دیا گیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ O (آل عمران:۱۰۴)

اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے کہ خیر کی طرف بلایا کریں اور نیک کام کرنے کو کہا کریں اور برے کاموں سے روکا کریں اور ایسے لوگ پورے کامیاب ہوں گے۔

(ترجمہ حضرت تھانویؒ)

نیز ارشاد ہے:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰه الآيةo (آل عمران: ۱۱۰)

تم لوگ اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہے تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو۔

(ترجمہ: حضرت تھانویؒ)

ان آیات شریفہ میں دعوت الی اللہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام امت محمدیہ (علیٰ صاحبها الصلوٰة والتسلیمات) کے سپرد کر کے اسے ''خیر امت'' کا لقب دیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امت کا ''خیر امت'' ہونا اسی مبارک کام کی وجہ سے ہے۔

(۴) امّت کا فریضہ

ان آیات شریفہ میں دعوت الیٰ اللہ کا جو فریضہ امت کے سپرد کیا گیا ہے، الحمدللہ! کہ یہ امت اس فریضہ سے کبھی غافل نہیں ہوئی، بلکہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لے کر آج تک اکابر امت اس مقدس خدمت کو بجالاتے رہے ہیں، اور دعوت الی اللہ کے خاص خاص شعبوں کے لیے افراد اور جماعتیں میدان میں آتی رہیں، کبھی قتال و جہاد کے ذریعہ، کبھی وعظ و ارشاد کی شکل میں، کبھی درس و تدریس کی صورت میں، کبھی تصنیف و تالیف کے ذریعہ، کبھی مدارس اور خانقاہوں کے قیام کے طریقہ سے، کبھی اصلاح و ارشاد کے راستہ سے، کبھی قضا و افتاء کے ذریعہ سے، کبھی باطل اور گمراہ فرقوں کے ساتھ مناظرہ و مباحثہ کے ذریعہ، کبھی انفرادی طور پر، کبھی اجتماعی تعلیم و تبلیغ کے ذریعہ۔ یہ سب کی سب دعوت الیٰ اللہ ہی کی مختلف شکلیں اور اس کے مختلف شعبے ہیں۔ الحمدللہ! دعوت الی اللہ کا کوئی میدان ایسا نہیں جس کو امت نے خالی چھوڑ دیا ہو، اور کوئی شعبہ ایسا نہیں، جس میں کام کرنے والی ایک معتدبہ جماعت موجود ہو۔ **فالحمدلله علی ذلک۔**

(۵) مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی جماعت کا سلف صالحین سے تعلق

تبلیغی جماعت جس طرز پر دعوت الی اللہ کا کام کر رہی ہے، یہ سنت نبوی ﷺ اور طریقہ سلف صالحینؒ کے عین مطابق ہے۔ حضرت اقدس مولانا شاہ محمد الیاس کاندھلویؒ ثم دہلوی، حضرت قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے خادم، حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوری مہاجر مدنی کے خلیفہ اور اپنے دور کے تمام اکابر امت معتمد اور منظور نظر تھے۔

ان کی زندگی کا ایک ایک عمل سنت نبوی ﷺ کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا' وہ ایمان و اخلاص، زہد و توکل، ایثار و ہمدردی، صبر و استقامت، بلند نظری و بلند ہمتی اور اخلاق و اوصاف میں فائق الاقران تھے، حق تعالیٰ شانہٗ نے ان سے دین کی دعوت و تبلیغ کا تجدیدی کام لیا، اور اللہ تعالیٰ نے مادیت کے جدید طوفان کے مقابلے میں ان پر ''عمومی دعوت'' کا طریقہ منکشف فرمایا، اور انہوں نے ایک عام سے عام آدمی کو بھی دین کی دعوت کے کام میں لگا دیا، حضرت مولانا الیاسؒ کے وقت سے آج تک ''تبلیغی جماعت'' اسی نہج اور اسی نقشہ پر دعوت الی اللہ کا کام کر رہی ہے، اور الحمدللہ ثم الحمدللہ اس کے ذریعے کروڑوں افراد کو حق تعالیٰ نے فسق و فجور کی تاریکیوں سے نکال کر شریعت مطہرہ کی پابندی اور سنت نبوی ﷺ کے مطابق زندگی ڈھالنے کا جذبہ عطا فرما دیا ہے۔

(٦) اللہ کا کام

تبلیغی جماعت کے اس مبارک کام پر لوگوں کی طرف سے ناواقفی کی وجہ سے نکتہ چینیاں بھی ہوئیں' اس کے کام میں رکاوٹیں پیدا کرنے کی کوشش بھی کی گئی' اور اس کو بدنام کرنے لیے افسانے بھی گھڑے گئے' لیکن یہ اللہ کا کام ہے' الحمدللہ! کہ ان تمام رکاوٹوں کے باوجود اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں سے اپنے دین کی دعوت کا کام لے رہا ہے' حق تعالیٰ شانہ کی رحمت وعنایت سے قوی امید ہے کہ وہ اپنے بندوں کو اس کام کے لیے کھڑا کرتے رہیں گے۔

(۷) راز کی بات

اس ناکارہ کو ایک عرصہ تک تبلیغی اسفار میں شریک ہونے کی سعادت حاصل ہوئی ہے' اور

اکابر تبلیغ کی نجی سے نجی محفلوں میں بیٹھنے اوران کے حالات کا بغور مطالعہ کرنے کا موقع ملا ہے حق تعالیٰ شانہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس ناکارہ کو اس سلسلہ میں جس قدر قریب سے قریب ہونے کا موقع ملا ہے اسی قدر اس کام کی افادیت اور اس کام میں لگنے والے حضرات کی حقانیت اس ناکارہ پر کھلتی گئی ہے' اس لیے یہ ناکارہ کامل انشراح اور پر بصیرت کے ساتھ یہ اظہار کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ تبلیغی جماعت کا کام نہایت مبارک ہے' امت محمدیہ (علیٰ صاحبھا الصلوٰت والتسلیمات) کی نشاۃ ثانیہ کا ذریعہ ہے' اور تمام مسلمان بھائیوں کا اس بابرکت کام میں لگنا دنیا وآخرت کی سعادتوں کا ذریعہ ہے حق تعالیٰ شانہ' ہمیں اپنی رضا ومحبت نصیب فرمائیں اور دنیا وآخرت میں اپنے مقبول بندوں کی رفاقت ومعیت نصیب فرمائیں۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل جلد نہم)

(قارئین! یہاں سے سوالات وجوابات کا وہ سلسلہ شروع کیا جاتا ہے جو اس عظیم جماعت کے متعلق لوگوں نے حضرت لدھیانویؒ سے لوگوں سے کئے اور حضرت نے بصیرت افروز جوابات دیے۔)

ملفوظات پر اعتراض

۵......ملفوظات الیاسؒ کا مرتب اپنی کتاب میں ان کا یہ دعویٰ نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

''کُنتُم خَیرَ اُمَّۃٍ اُخرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ''
کی تفسیر خواب میں یہ القاء ہوئی کی تم مثل انبیاء علیہم السلام کے لوگوں کے واسطے ظاہر کیے گئے ہو (ملفوظات ص:۵۱)

(س) سائل نے لکھا کہ حضرت پوچھنا یہ چاہتا ہوں کہ کیا حضرت جی یعنی مولانا محمد الیاسؒ کا یہ دعویٰ صحیح ہے؟

(ج) انبیاء کے مثل'' سے مراد ہے کہ جس طرح ان اکابر پر دعوت دین کی ذمہ داری تھی حضور ﷺ کی ختم نبوت کے طفیل میں یہ ذمہ داری امتِ مرحومہ پر عائد کردی گئی' اس میں کون سی بات خلاف

واقعہ ہے اور اس پر کیا اشکال ہے؟

دوسرا اشکال

مولوی عبدالرحیم شاہ باڑہ ٹوٹی صدر بازار دہلی والے ان کی کتاب (اصول دعوت و تبلیغ) کے آخری ٹائٹل مولوی احتشام الحسن صاحب (مولانا الیاسؒ کے برادر نسبتی ان کے خلیفہ اول ہیں) ان کی یہ تحریر ''انتظار کیجئے'' کے عنوان سے شائع ہوئی ہے یہ تحریر انہوں نے اپنی ایک کتاب (زندگی کی صراط مستقیم) کے آخر میں ضروری انتباہ کے نام سے شائع کی ہے لکھتے ہیں:

نظام الدین کی موجودہ تبلیغ میرے علم وفہم کے مطابق نہ قرآن وحدیث کے موافق ہے اور نہ حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور علماء حق کے مسلک کے مطابق ہے، جو علماء کرام اس تبلیغ میں شریک ہیں ان کی پہلی ذمہ داری ہے کہ اس کام کو پہلے قرآن وحدیث ائمہ سلف اور علماء حق کے مسلک کے مطابق کریں' میری عقل وفہم سے بہت بالا ہے کہ جو کام حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی حیات میں اصولوں کی انتہائی پابندی کے باوجود صرف ''بدعتِ حسنہ'' کی حیثیت رکھتا تھا اس کو اب انتہائی بے اصولیوں کے بعد دین کا اہم کام کس طرح قرار دیا جارہا ہے؟ اب تو منکرات کی شمولیت کے بعد اس کو بدعتِ حسنہ بھی نہیں کہا جا سکتا' میرا مقصد صرف اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہونا ہے۔''

(س) حضرت برائے مہربانی اس سوال کا جواب ذرا تفصیل سے عنایت کریں کیونکہ میں اس کی وجہ سے پریشان ہوں اللہ آپ کو جزائے خیر عطاء فرمائیں۔ آمین

(ج) (تبلیغ کی محنت) ان بزرگ کے علم وفہم کے مطابق نہیں ہوگی لیکن یہ بات قرآن کی کس آیت میں آئی ہے کہ ان بزرگ کا علم وفہم دوسروں کے مقابلہ میں حجت قطعیہ ہے؟ الحمدللہ! تبلیغ کا کام جس طرح حضرت مولانا الیاسؒ کی حیات میں اصولوں کے مطابق ہورہا ہے آج بھی ہورہا ہے، ہزاروں نہیں لاکھوں انسانوں کی زندگیوں میں انقلاب آرہا ہے، بے شمار انسانوں میں

دین کا درد، آخرت کی فکر، اپنی زندگی کی اصلاح کی تڑپ اور بھولے ہوئے انسانوں کی محمد رسول اللہ ﷺ والی لائن پر لگانے کا جذبہ پیدا ہو رہا ہے' اور یہ ایسی باتیں ہیں جن آنکھوں سے دیکھا جاسکتا ہے اب اس خیر و برکت کے مقابلہ میں جو کھلی آنکھوں نظر آ رہا ہے تبلیغ سے روٹھے ہوئے ایک بزرگ کا علم وفہم کیا قیمت رکھتا ہے؟

اوران بزرگ کا اس کام کو ''بدعتِ حسنہ'' کہنا بھی ان کے علم وفہم کا قصور ہے' دعوت الی اللہ کا کام تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا کام چلا آیا ہے' کون عقل مند ہوگا جو انبیاء کرام علیہم السلام کے کام کو بدعت کہے؟

میں نے اعتکاف میں قلم برداشتہ یہ چند الفاظ لکھ دیئے ہیں، امید ہے کہ موجب تشفی ہوں گے' ورنہ نکات کی تشریح مزید بھی کی جاسکتی تھی' مگر اس کی نہ فرصت ہے اور نہ ضرورت۔ ایک خاص بات یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جو لوگ علم میں کمزور ہوں ان کو کچے پکے لوگوں کی کتابیں اور رسالے پڑھنے سے پرہیز کرنا چاہئے، کیونکہ ایسے لوگوں کا مقصود تو محض شبہات و ساوس پیدا کر کے دین سے برگشتہ کرنا ہوتا ہے، اعتراضات کس پر نہیں کئے گئے؟ اس لئے ہر اعتراض لائق التفات نہیں ہوتا۔

اپنی اور اپنے مسلمان بھائیوں کی اصلاح

(س) میرا مسئلہ تبلیغ سے متعلق ہے۔ قرآن پاک کی آیت کا ترجمہ لکھتا ہوں۔

تم بہترین امت ہو۔ لوگوں کے لئے نکالے گئے ہو تم لوگ نیک کام کا حکم کرتے ہو اور برے کام سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو''۔

دوسری آیت کا ترجمہ

''اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی ضروری ہے جو خیر کی طرف بلائے اور نیک کاموں کے کرنے کو کہا کرے اور برے کام سے منع کرے۔ ایسے لوگ پورے کامیاب ہوں گے'' ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''جو شخص کسی ناجائز کام کو ہوتے ہوئے دیکھے اگر اس پر

قدرت ہوتو اس کو ہاتھ سے بند کردے اتنی قدرت نہ ہوتو دل میں برا جانے اور یہ ایمان کا بہت کم درجہ ہے''۔

ایک دوسری حدیث کامفہوم ہے

''تمام نیک اعمال جہاد کے مقابلے میں ایک قطرہ ہیں اور تبلیغ دین ایک سمندر ہےاور جہاد تبلیغ کے مقابلے میں بس ایک قطرہ ہے''۔

آیت اورحدیث کی روشنی میں ان کا جواب دیں؟۔

(ج) آپ نے صحیح لکھا ہے، دین کی دعوت دینا، لوگوں کو نیک کاموں پر لگانا اور برے کاموں سے روکنا بہت بڑا عمل ہے۔ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ اپنے مسلمان بھائیوں کی فکر کرے اور بقدر استطاعت ان کو نیکیوں پر لگائے اور برائیوں سے بچائے۔

آخری حدیث جو آپ نے لکھی ہے۔ یہ میری نظر سے نہیں گزری۔

کیا تبلیغی جماعت سے جڑنا ضروری ہے؟

(س) جماعت کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟ کیا اس کام میں جڑنے کے علاوہ بھی اصلاح اور ایک مخصوص ذمہ داری بحیثیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مسلمان امتی ہونے کے ادا ہوسکتی ہے۔ ایک مسلمان کے ذمہ کیا ہے؟ وہ کیسے اپنی زندگی کا رخ صحیح کرے اور ساری انسانیت کے لئے فکرمند کیونکر ہو؟۔

(ج) جماعت بہت مبارک کام کررہی ہے۔ اس میں جتنا وقت بھی لگایا جاسکے ضرور لگانا چاہئے اس سے اپنی اور امت کی اصلاح کی فکر پیدا ہوتی ہے، اور اپنے نفس کی اصلاح کے لیے کسی شیخِ کامل محقق کے ساتھ اصلاحی تعلق رکھنا چاہیے۔

طائف سے واپسی پر آنحضرت ﷺ کی حج کے موقع پر تبلیغ

(س) کیا طائف سے واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ سے روک دیا گیا تھا اور آپ صلی اللہ

علیہ وسلم صرف حج کے موقع پر ہی دین کی تبلیغ کر سکتے تھے؟۔

(ج) کفار کی جانب سے تبلیغ پر پابندی لگانے کی کوشش ہوتی رہی، لیکن یہ پابندی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی قبول نہیں فرمائی، البتہ جب یہ دیکھا کہ اہل مکہ میں فی الحال قبول حق کی استعداد نہیں اور نہ یہاں رہ کر آزادانہ تبلیغ کے مواقع ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موسم حج میں باہر سے آنے والے قبائل کو دعوت پیش کرنے کا زیادہ اہتمام فرمایا، جس سے یہ مقصد تھا کہ اگر باہر کوئی محفوظ جگہ اور مضبوط جماعت میسر آ جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں ہجرت کر جائیں۔

کیا نماز کی دعوت اور سنت کی تلقین ہی تبلیغ ہے؟

(س) تبلیغ کے کیا معنی ہیں اور اس کا دائرہ کار کیا ہے؟ کیا نماز کی دعوت اور سنت کی تلقین ہی تبلیغ ہے؟ اگر کوئی شخص معاشرے کو سنوارنے کے لئے جدوجہد کرتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ اقتدار کے لیے ایسا کرتا ہے اور کہتے ہیں کہ سنت پر عمل کریں تو دنیا قدموں میں خود بخود آ جائے گی۔ حالانکہ مقصد اصلاح معاشرہ ہے اور معاشرے کو ان برائیوں سے بچانا مقصود ہے جو اسے دیمک کی طرح چاٹ رہی ہیں۔ پوچھنا یہ ہے اس شخص یا جماعت کا یہ فعل کس حد تک اسلام کے مطابق ہے کیا یہ تبلیغ کی مد میں شامل ہے؟

(ج) معاشرہ افراد سے تشکیل پاتا ہے، افراد کی اصلاح ہوگی تو معاشرے کی اصلاح ہوگی، اور جب تک افراد کی اصلاح نہیں ہوتی اصلاح معاشرہ کی کوئی صورت ممکن نہیں۔ پس جو حضرات بھی افراد سازی کا کام کر رہے ہیں وہ دعوت و تبلیغ کا کام کر رہے ہیں۔

تبلیغ کا دائرہ کار تو پورے دین پر حاوی ہے، مگر نماز دین کا اولین ستون ہے۔ جب تک نماز کی دعوت نہیں چلے گی اور لوگ نماز کی طرف نہیں آئیں گے نہ ان میں دین آئے گا اور نہ ان کی اصلاح ہوگی اور ہر کام میں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنانے کی دعوت، درحقیقت پورے دین کی دعوت ہے، کیونکہ سنت ہی دین کی شاہراہ ہے۔ اس لیے بلاشبہ نماز اور سنت کی دعوت ہی دین کی تبلیغ

ہے۔

تبلیغی اجتماعات کی دعاء میں شامل ہونے کے لئے سفر کرنا اور عورتوں کا جانا

(س) تبلیغی دوستوں نے مستورات کے تبلیغ میں جانے کے لیے خاص اصول وشرائط رکھے ہیں، ان اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے عورتوں کے لیے تبلیغی جماعت کے اجتماعات میں وعظ ہوتا ہے اور اختتام پر بلند آواز سے دعا ہوتی ہے۔ ایک دعا مانگتا ہے اور باقی سب آمین کہتے ہیں، اس پر بڑے بڑے مصارف کر کے دور دراز سے لوگ سفر کر کے شریک ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کو اجتماع کا اصل مقصد سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی اس میں شریک نہ ہوا اور اٹھ کر چلا جائے تو تصور کیا جاتا ہے کہ اس نے اجتماع میں شرکت نہیں کی۔ بندہ بھی اس میں شریک ہونے کا بڑا آرزومند ہوتا ہے اور تلاوت قرآن سے اس کو زیادہ باعث ثواب سمجھتا ہے۔ کیا یہ نظریہ درست ہے یا نہیں؟

(ج) تبلیغی جماعت کے اجتماعات بڑے مفید ہوتے ہیں اور ان میں شرکت باعث اجر وثواب ہے۔ اختتام اجتماع پر جو دعا ہوتی ہے وہ موثر اور رقت انگیز ہوتی ہے۔ اجتماع اور اس دعاء میں شرکت کے لئے سفر باعث اجر ہوگا۔ انشاء اللہ۔ قرآن کریم کی تلاوت اپنی جگہ بہت اہم اور باعث ثواب ہے دونوں کا تقابل نہ کیا جائے۔ بلکہ تلاوت بھی کی جائے اور اجتماع میں شرکت بھی کی جائے۔

عورتوں کا تبلیغی جماعتوں میں جانا کیسا ہے؟

(س) عورتوں کا تبلیغی جماعت میں جانا کیسا ہے؟

(ج) تبلیغ والوں نے مستورات کے تبلیغ میں جانے کے لیے خاص اصول وشرائط رکھے ہیں۔ ان اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے عورتوں کا تبلیغی جماعت میں جانا بہت ضروری ہے، اس سے دین کی فکر اپنے اندر بھی پیدا ہوگی اور امت میں دین والے اعمال زندہ ہونگے۔

کیا تبلیغ کے لیے پہلے مدرسہ کی تعلیم ضروری ہے؟

(س) بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ تبلیغ عالموں کا کام ہے، اس میں جو لوگ کچھ نہیں جانتے ان کو

چاہیے کہ وہ پہلے مدرسہ میں جا کر دین کا کام سیکھ لیں بعد میں یہ کام کریں ورنہ ان کی تبلیغ حرام ہے۔کیا یہ صحیح ہے؟

(ج) غلط ہے، جتنی بات مسلمان کو آتی ہے اس کی تبلیغ کر سکتا ہے۔اور تبلیغ میں نکلنے کا مقصد سب سے پہلے خود سیکھنا ہے اس لیے تبلیغ کے عمل کو بھی ''چلتا پھرتا مدرسہ'' سمجھنا چاہیے۔

لوگوں کو خیر کر طرف بلانا قابل قدر ہے لیکن انداز تند نہ ہونا چاہیے

(س) جناب میں بذات خود نماز پڑھتا ہوں اور دوسروں کو نماز پڑھنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ لیکن ہمارے ایک صوفی صاحب ہیں انہوں نے مجھے منع فرماتے ہوئے کہا کہ جناب آپ کسی کو نماز کے لیے زیادہ سخت الفاظ میں نہ کہا کریں کیونکہ آپ کے بار بار کہنے کے باوجود دوسرا آدمی نماز پڑھنے سے انکار کرے تو اس طرح انکار کرنے سے آپ گنہگار ہوتے ہیں۔لیکن جناب میرا مشن تو یہی اور تھا بھی کہ اگر میں کسی کو بار بار کہتا ہوں اور اگر وہ آج انکار کرتا ہے تو کوئی بات نہیں، شاید کل اس کے دماغ میں میری بات بیٹھ جائے اور وہ نماز شروع کر دے۔ میں تو یہاں تک سوچتا ہوں کہ چلو آج نہیں تو میرے مرنے کے بعد میری آواز ان کے کانوں میں گونجنے لگے اور شاید پھر یہ نماز شروع کر دیں۔اس سلسلے میں آپ میری رہنمائی فرمائیں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ امید ہے آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں میری پریشانی دور فرمائیں گے۔

(ج) آپ کا جذبہ تبلیغ قابل قدر ہے، بھولے ہوئے بھائیوں کو خیر کی طرف لانے اور بلانے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے، لیکن انداز گفتگو خیر خواہانہ ہونا چاہیے، سخت و تند نہیں، تا کہ آپ کے انداز گفتگو سے لوگوں میں نماز سے نفرت پیدا نہ ہو۔

گھر بتائے بغیر تبلیغ پر چلے جانا کیسا ہے؟

(س) بعض لوگ اپنا شہر یا اپنا ملک چھوڑ کر اپنے اہل وعیال کو یہ بتائے بغیر کہ وہ کہاں جا رہے ہیں اور کتنے دن کے لیے جا رہے ہیں، چپ چاپ نکل جاتے ہیں۔اور کسی مقام پر پہنچ کر اپنے

گھر والوں کو بذریعہ خط وغیرہ بھی کوئی اطلاع نہیں دیتے۔ بلکہ اس اجنبی شہر یا ملک کے مسلمانوں کا کلمہ درست کرانے اور نماز کی تلقین کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ اکثر ان کے اہل خانہ کو اس عمل سے پریشانی ہوتی ہے اور خرچ وغیرہ نہ ملنے کی وجہ سے شکایت بھی ہوتی ہے۔ وہ لوگ اس طرح ۵۔۵یا۶۔۶ ماہ بلکہ ایک ایک سال باہر گزارتے ہیں۔ اس کو وہ ''چلہ'' دینا کہتے ہیں۔ نیز وہ خود بھی سمجھتے ہیں اور دوسروں کو بھی سمجھاتے ہیں کہ جو جتنا لمبا چلہ دیتا ہے وہ اتنا ہی کامل مسلمان بن جاتا ہے۔ یہ عمل کہاں تک درست ہے؟ اور کیا کتاب وسنت کے مطابق ہے؟ کیا صحابہ کرامؓ نے بھی ایسے چلے دیے ہیں؟ عربی میں چلے کو کیا کہا جاتا ہے؟ کیوں کہ اردو میں تو چلہ صرف چالیس دن کا ہوتا ہے۔ وہ بھی پیر، فقیر اور روحانی عامل کسی وظیفہ وغیرہ پڑھنے کی مدت کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

(ج) ایسا بے وقوف تو شاید ہی دنیا میں کوئی ہو جو سال چھ مہینے کے ملک سے باہر چلا جائے نہ گھر والوں کو بتائے نہ وہاں جا کر اطلاع دے، نہ ان کے نان نفقہ کا سوچے۔ ایسی فرضی صورتوں پر تو احکام جاری نہیں کیے جاتے۔ جہاں تک دین کے سیکھنے سکھانے کا عمل ہے، یہ مسلمانوں کے ذمہ فرض ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور بزرگان دین بھی ہماری طرح گھروں میں بیٹھے رہتے تو شاید ہم بھی مسلمان نہ ہوتے، نہ آپ کو سوال کی ضرورت ہوتی اور نہ کسی کو جواب دینے کی۔ جوان بیبیوں کو چھوڑ کر جو لوگ چند ٹکے کمانے کے لیے سعودیہ، دبئی، امریکہ چلے جاتے ہیں اور کئی کئی سال تک نہیں لوٹتے، ان کے بارے میں آپ نے کبھی مسئلہ نہیں پوچھا۔ جو لوگ دین سیکھنے کے لیے مہینے دو مہینے چار مہینے کے لیے جاتے ہیں ان کے بارے میں آپ کو مسئلہ پوچھنے کا خیال آیا۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ گھر کے لوگوں کے نان ونفقہ کا انتظام کر کے آپ بھی چار مہینے کے لیے تو ضرور تشریف لے جائیں، اس کے بعد آپ مجھے لکھیں کیوں کہ اس وقت آپ جو کچھ تحریر فرمائیں گے، وہ علی وجہ البصیرت ہوگا۔

ماں باپ کی اجازت کے بغیر تبلیغ میں جانا

(س) اگر مکی مسجد گارڈن کراچی جائیں تو لوگ وہاں وہابی کہتے ہیں اور دوسری طرف جانے

سے بریلوی اور بدعتی ہونے کا خطاب ملتا ہے۔ میرے ناقص مشاہدہ میں یہ بے چارے تبلیغی جماعت والے صحیح ہیں اور میں ہر جمعرات کو جاتا ہوں مگر میری ناقص فہم میں نہیں آتا کہ ماں باپ بوڑھوں کی بھی رضامندی اور ان کی بھی خدمت فرض ہے۔ میرا مطلب ہے جب وقت ہے تو جاؤ، بہت سے تو ماں اگر بیمار ہے تو بھی چلے جاتے ہیں۔ میں نے دو مرتبہ تین تین دن لگائے ہیں۔ آپ براہِ کرم بتلایئے کہ ان کی اجازت کے بغیر ہم جماعت میں جاسکتے ہیں یا نہیں؟

(ج) تبلیغی جماعت کے بارے میں آپ نے صحیح لکھا ہے کہ یہ اچھے لوگ ہیں، ان کی نقل وحرکت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ہزاروں انسانوں کی زندگیاں بدل دی ہیں، اس لیے ان لوگوں کے ساتھ جتنا وقت گذرے سعادت ہے۔ رہا یہ کہ والدین کی اجازت کے بغیر جانا جائز ہے نہیں؟ تو اس میں تفصیل ہے۔ اگر والدین خدمت کے محتاج ہوں اور کوئی دوسرا خدمت کرنے والا بھی نہ ہو تب تو ان کو چھوڑ کر ہرگز نہ جانا چاہیے، اور اگر ان کو خدمت کی ضرورت نہیں، محض اسی وجہ سے روکتے ہیں کہ ان کے دل میں دین کی عظمت نہیں ورنہ اگر یہی لڑکا دوسرے شہر بلکہ غیر ملک ملازمت کے لیے جانا چاہے تو والدین بڑی خوشی سے اس کو بھیج دیں گے۔ کیوں کہ دنیا کی قیمت انہیں معلوم ہے دین کی معلوم نہیں۔ تو ایسی حالت میں تبلیغ میں جانے کے لیے والدین کی رضامندی کوئی شرط نہیں۔ کیوں کہ تبلیغ میں نکلنا درحقیقت ایمان سیکھنے کے لیے ہے اور ایمان کا سیکھنا اہم ترین فرض ہے۔

تبلیغی جماعت سے والدین کا اپنی اولاد کو منع کرنا

(س) تبلیغ دین کا سلسلہ جیسا کہ آپ کو مجھ سے بہتر علم ہوگا اگر ہم تبلیغی کاموں میں حصہ لیں گھر والے اس سے اس لیے منع کریں کہ رشتہ داروں میں ناک کٹ جائے گی وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے کہ ان کا لڑکا تبلیغی ہوگیا ہے۔ ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے؟ کیا اس مبارک کام کو چھوڑ دینا چاہیے؟

(ج) تبلیغ کا کام ہرگز نہ چھوڑیے، لیکن والدین کی بے ادبی بھی نہ کی جائے، بلکہ نہایت

صبر وتحمل سے ان کی کڑوی باتوں کو برداشت کیا جائے۔ یہ لوگ بیچارے دنیا کی عزت ومنصب کی قدر جانتے ہیں، دین کی قدر وقیمت نہیں جانتے۔ ضرورت ہے کہ ان کو کسی تدبیر سے سمجھایا جائے کہ دین کی پابندی عزت کی چیز ہے اور بے دینی ذلت کی چیز ہے۔

تبلیغ کرنا اور مسجدوں میں پڑاؤ ڈالنا کیسا ہے؟

(س) تبلیغ کا کام کرنا کیسا ہے اور تبلیغی جماعت کا بستروں سمیت مسجد میں پڑاؤ ڈالنے کے متعلق کیا حکم ہے؟

(ج) تبلیغ کے نام سے جو کام ہو رہا ہے اس کا سب سے بڑا فائدہ خود اپنے اندر دین میں پختگی پیدا کرنا اور اپنے مسلمان بھائیوں کو رسول اللہ ﷺ والے طریقوں کی دعوت دینا ہے۔ تجربہ یہ ہے کہ اپنے ماحول میں رہتے ہوئے آدمی میں دین کی فکر پیدا نہیں ہوتی۔ بیسیوں فرائض کا تارک رہتا ہے اور بیسیوں گناہوں میں مبتلاء رہتا ہے۔ عمریں گذر جاتی ہیں مگر کلمہ نماز بھی صحیح کرنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ تبلیغ میں نکل کر احساس ہوتا ہے کہ میں نے کتنی عمر غفلت اور ناقدری کی نذر کر دی اور اپنی کتنی قیمتی عمر ضائع کر دی۔ اس لیے تبلیغ میں نکلنا ضروری ہے۔

اور جب تک آدمی اس راستے میں نکل نہ جائے اس کی حقیقت سمجھ میں نہیں آسکتی، چونکہ تبلیغ میں نکلنے سے مقصد دین کا سیکھنا اور سکھانا ہے اور دین کا مرکز مساجد ہیں، اس لیے تبلیغی جماعتوں کو خدا کے گھروں میں اعتکاف کی نیت سے ٹھہر کر دین کی محنت کرنا بالکل بجا ہے اور درست ہے۔

تبلیغی نصاب کی کمزور روایتوں کا مسجد میں پڑھنا

(س) کیا تبلیغی نصاب میں کچھ حدیثیں کمزور شہادتوں والی بھی ہیں اگر ہیں تو اس کا مسجد اور گھر میں پڑھنا کیسا ہے؟

(ج) فضائل میں کمزور روایت بھی قبول کر لی جاتی ہے۔

تبلیغی جماعت پر اعتراض کرنے والوں کو کیا جواب دیں؟

(س) موجودہ دور میں تبلیغی جماعت کام کرتی ہے۔ ہر کسی کو نماز کی طرف بلانا، تعلیم وغیرہ

کرنا۔ مگر لوگ اکثر مخالفت اس طرح کرتے ہیں کہ یہ جاہل ہیں، اپنی طرف سے چھ باتیں بنائی ہیں فقط انہیں ہی بیان کرتے ہیں۔

(ج) جو لوگ اعتراض کرتے ہیں ان سے کہا جائے کہ بھائی تین چلے، ایک چلہ، دس دن، تین دن جماعت میں نکل کر دیکھو پھر اپنی رائے کا اظہار کرو، جب تک وقت نہ لگاؤ اس کام کی حقیقت سمجھ میں نہیں آئے گی اور کسی چیز کی حقیقت سمجھے بغیر اس کے بارے میں رائے دینا غلط ہوتا ہے۔

کیا برائی میں مبتلا انسان دوسرے کو نصیحت کر سکتا ہے؟ نیز کسی کو اس کی کوتاہیاں جتانا کیسا ہے؟

(س) میں ایک طالب علم ہوں، طالب علم ساتھیوں کی محفل میں شراب اور پھر خودکشی کا تذکرہ چل نکلا۔ میں نے توبہ کرتے ہوئے کہا کہ شراب ''ام الخبائث'' ہے اور ''خودکشی'' حرام ہے۔ اس پر ایک طالب ساتھی نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا آپ نماز پڑھتے ہیں؟ میں نے شرمندگی کے ساتھ عرض کیا نہیں۔ پھر انہوں نے مجھے احساس دلایا کہ آپ داڑھی بھی مونڈھتے ہیں؟ میں نے سر تسلیم خم کر دیا۔ اس پر موصوف فرمانے لگے کہ جب آپ پر نماز فرض ہے ادا نہیں کرتے جس کے متعلق سب سے پہلے پرسش ہوگی اور داڑھی بھی مونڈھتے ہیں تو پھر حرام (شراب اور دیگر معاشرتی برائیاں) جن کا درجہ بعد میں آتا ہے ان کے بارے میں کیوں فکر مند ہوتے ہیں؟ واضح رہے کہ موصوف خود بے نمازی اور کلین شیو ہیں۔ مندرجہ بالا تفصیل کی روشنی میں مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات مرحمت فرما کر ہم دوستوں کی الجھن دور فرمائیں۔ کیا کوئی شخص جو خود ان کوتاہیوں اور گناہوں کا مرتکب ہو رہا ہو کسی دوسرے شخص کی وہی کوتاہیاں گنوانے اور نصیحت کرنے کا حق رکھتا ہے؟

(ج) کسی کو اس کی کوتاہیاں اور برائیاں جتانا اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ محض طعن و تشنیع کے طور پر برائی کا طعنہ دیا جائے، یہ تو حرام اور گناہ کبیرہ ہے، قرآن کریم میں اس کی مذمت فرمائی ہے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ خیر خواہی کے طور پر اس سے کہا جائے کہ یہ

برائی چھوڑ دینی چاہیے، یہ نصیحت کرنا اچھا ہے جو بہت اچھا عمل ہے۔ قرآن وحدیث میں برائی سے روکنے کا جگہ جگہ حکم آیا ہے۔ رہا یہ کہ جو شخص خود کسی گناہ میں مبتلا ہو کیا وہ دوسروں کو اس گناہ سے منع کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دوسرے کو منع کر سکتا ہے مگر دوسرے پر نصیحت کا اثر اسی وقت ہوتا ہے جب آدمی خود بھی عمل کرے، ایسا شخص جو خود گناہ میں مبتلا ہو اگر دوسرے کو نصیحت کرے تو اس کو یوں کہنا چاہیے کہ بھائی! میں خود بھی گناہگار ہوں، اس گناہ میں مبتلا ہوں۔ آپ خود بھی اس گناہ کو چھوڑ دیں اور میرے لیے بھی دعا کریں کہ میں اس گندگی سے نکل جاؤں۔

(س) کیا بے نمازی شخص کو وہ تمام حرام اور ممانعت اختیار کر لینے چاہئیں جن کا درجہ بعد میں آتا ہے اور جن سے وہ مکمل طور پر پہلو تہی کرتا ہے؟

(ج) ایک جرم دوسرے جرم کے اور ایک گناہ دوسرے گناہوں کے جواز کی وجہ نہیں بن جاتا۔ جو شخص دوسرے گناہوں سے بچتا ہے مگر نماز نہیں پڑھتا اس کو تو یہ کہا جائے گا کہ جب ماشاء اللہ آپ دوسرے گناہوں سے بچتے ہیں تو آپ کو ترک نماز کے گناہ سے بھی بچنا چاہیے۔ مگر یہ کہنا جائز نہیں کہ جب آپ ترک نماز سے نہیں بچتے تو دوسرے گناہوں سے کیوں پرہیز کرتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ جو دوسرے گناہوں سے بچتا ہے مگر ایک بڑے گناہ میں مبتلا ہے اللہ تعالیٰ اس کو کسی دن اس گناہ سے بچنے کی توفیق عطا فرمادیں گے۔ علاوہ ازیں ہر گناہ ایک مستقل بوجھ ہے جس کو آدمی اپنے اوپر لاد رہا ہے، پس اگر کوئی آدمی کسی گناہ میں مبتلا ہے تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ دنیا بھر کی گندگیوں کو آدمی سمیٹنا شروع کر دے۔

(س) ناصح کا طرز عمل اور انداز نصیحت درست تھا یا غلط؟

(ج) اوپر کے جوابات سے معلوم ہو گیا کہ ان کا طرز عمل قطعاً غلط تھا اور یہ نصیحت ہی نہیں تھی تو ''انداز نصیحت'' کیا ہو گا۔

کمپنی سے چھٹی لیے بغیر تبلیغ پر جانا

(س) میں جہاں کام کرتا ہوں وہاں میرے ساتھ چار اور ساتھی ہیں۔ عموماً یہ ہوتا ہے کہ

ایک ایک ساتھی یا دو دو دس بارہ دن کے لیے کام پر نہیں آتے ہیں اور حاضری لگتی رہتی ہے۔ یہ چھٹیاں باری باری ہوتی ہیں جب میری باری ہوتی ہے تو میں اکثر ۱۰ دن کے لیے تبلیغ پر نکل جاتا ہوں اور حاضری لگتی ہے۔ اب بتائیے کہ یہ میرا تبلیغ میں جانا کیسا ہے؟ کیا الٹا گناہ تو نہیں؟ میرے جانے سے کمپنی کو کوئی نقصان بھی نہیں ہوتا۔ مفصل جواب دیجئے اور میرے جانے کا افسروں کو پتہ بھی نہیں چلتا۔

(ج) کمپنی سے رخصت لیے بغیر غیر حاضری کرنا خیانت ہے۔ اور اس وقت کو کسی دوسرے کام میں استعمال کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ آپ کو لازم ہے کہ غیر حاضری کے دنوں کی تنخواہ وصول نہ کیا کریں۔

امر بالمعروف نہی عن المنکر کی شرعی حیثیت

(س) قرآن مجید میں اور احادیث مبارکہ میں بھی ایسی کئی احادیث مبارکہ ہیں اور ان آیات اور احادیث کا مفہوم اس طرح بنتا ہے کہ مسلمان کے لیے نہ صرف یہ کہ خود نیک عمل کرے بلکہ دوسروں کو بھی ان کی تلقین کرے اسی طرح نہ صرف خود برے کاموں سے پرہیز کرے بلکہ دوسروں کو بھی اس سے بچنے کی ترغیب دے۔ اس کام کو نہ کرنے پر احادیث مبارکہ میں وعیدیں بھی آئی ہیں سوال یہ ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر فرض ہے یا فرض کفایہ یا واجب ہے یا کوئی اور شکل یا یہ کہ مختلف صورتوں میں مختلف حکم؟

(ج) مسئلہ بہت تفصیل رکھتا ہے مختصر یہ کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر فرض ہے دو شرطوں کے ساتھ، ایک یہ کہ یہ شخص مسئلہ سے ناواقف ہو۔ دوم یہ کہ قبول کی توقع غالب ہو، اگر یہ دو شرطیں نہ پائی جائیں تو فرض نہیں، البتہ بشرط نفع مستحب ہے اور اگر نفع کی بجائے اندیشہ نقصان کا ہو تو مستحب نہیں۔

(س) آج کل دعوت و تبلیغ کے نام سے مسجدوں میں جو محنت ہو رہی ہے اور اس سلسلے میں جو اجتماعات ہوتے ہیں ان میں جڑنا یا شمولیت اختیار کرنا فرض ہے یا اس کی کیا حیثیت ہے؟ اس

کے علاوہ یہ کہ میں بہت سے علماء کرام کی مجالس میں جاتا رہتا ہوں لیکن انہوں نے کبھی چالیس دن، چار مہینے یا اجتماعات پر زور نہیں دیا بلکہ یہ حضرات اکابرین کے انفرادی اعمال پر اور زہد وتقویٰ پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ میری رہنمائی فرمائیں کہ ایک مسلمان کو کس طرح مکمل زندگی گزارنی چاہیے؟

(ج) دعوت وتبلیغ کی جو محنت ہورہی ہے اس کے دو رخ ہیں، ایک اپنی اصلاح اور اپنے اندر دین کی طلب پیدا کرنا، پس جس شخص کو ضروریات دین سے واقفیت ہو، اپنی اصلاح کی فکر اور بزرگوں سے رابطہ وتعلق ہو اس کے لیے یہ کافی ہے اور جس شخص کو یہ چیز حاصل نہ ہو اس کے لیے اس تبلیغ کے کام میں جڑنا بطور بدلیت فرض ہے اور دوسرا رخ دوسروں کی اصلاح کی فکر کرنا ہے یہ فرض کفایہ ہے جو شخص اس کام میں جڑتا ہے مستحق اجر ہوگا اور جتنے لوگ اس کی محنت سے اس کام میں لگیں گے ان سب کا اجر اس کے نامہ اعمال میں درج ہوگا اور جو نہیں جڑتا وہ گناہگار تو نہیں اس ''اجر خاص'' سے البتہ محروم ہے مگر یہ کہ اس سے بھی زیادہ اہم کام میں مشغول ہو۔

تبلیغ کا فریضہ اور گھریلو ذمہ داریاں

(سوال) بعض حضرات سہ روزہ، عشرہ، چالیس روزہ، چار مہینے یا سال کے لیے اکثر گھربار چھوڑ کر علاقے یا شہر سے باہر جاتے ہیں تاکہ دین کی باتیں سیکھیں اور سکھائیں اکثر لوگ اس کو سنت اور کچھ لوگ اس کو فرض کا درجہ دیتے ہیں ایک عالم صاحب نے کہا ہے کہ یہ سنت ہے نہ فرض بلکہ یہ ایک بزرگوں کا طریقہ ہے۔ تاکہ عالم لوگ دین کی باتیں سمجھیں، اور اس پر عمل کریں۔ اس کی حیثیت واضح فرمائیں...........!

(جواب) دعوت وتبلیغ میں نکلنے سے مقصود اپنی اصلاح اور اپنے ایمان اور عمل کو ٹھیک کرنا ہے اور ایمان کا سیکھنا فرض ہے تو اس کا ذریعہ بھی فرض ہوگا البتہ اگر کوئی ایمان کو صحیح کر چکا اور ضروری اعمال میں بھی کوتاہی نہ کرتا ہو اس کے لیے فرض کا درجہ نہیں رہے گا۔

(سوال) تبلیغ پر جانے والے کچھ لوگ گھر والوں کا خیال کیے بغیر چلے جاتے ہیں جس سے ان

کے بیوی بچوں وغیرہ کو معاشی پریشانی ہوتی ہے۔ اور انہیں قرض مانگنا پڑتا ہے؟

(**جواب**) ان کو چاہیے کہ غیر حاضری کے دنوں کا بندوبست کر کے جائیں۔ خواہ قرض لے کر، کہ بچوں کو پریشان نہ ہونا پڑے۔

(**سوال**) اسی طرح کچھ حضرات اکثر اپنے گھر میں بتائے بغیر کچھ لوگوں کو مہمان بنا کے لے آتے ہیں اور یہ ایک سے زیادہ مرتبہ ہوتا ہے۔ آج کل کے معاشی حالات میں گھر والے اس طرز عمل سے پریشان ہوتے ہیں اور لوگ ان کے متعلق غلط باتیں کرتے ہیں۔

(**جواب**) اس میں گھر والوں کی پریشانی کی تو کوئی بات نہیں۔ جس شخص کے ذمہ گھر کے اخراجات ہیں اس کو فکر مند ہونے کی ضرورت ہے۔ غلط باتیں تو لوگ انبیاء و اولیاء کے بارے میں بھی مشہور کرتے رہے ہیں عوام کی باتوں کی طرف التفات کرنا ہی غلط ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ شرعی نقطہ نظر سے صحیح ہے یا نہیں۔ وہ میں اوپر ذکر کر چکا ہوں۔

(**سوال**) اکثر لوگ اسی وجہ سے تعلیمی حلقوں میں جو کہ عشاء کی نماز کے بعد مسجدوں میں ہوتی ہیں شرکت سے کتراتے ہیں اور اپنے رشتہ داروں کو بھی روکتے ہیں، کیونکہ ان محفلوں میں سہ روزہ وغیرہ کی دعوت دی جاتی ہے اور اس پر زور دیا جاتا ہے۔

(**جواب**) جو لوگ اس سے کتراتے ہیں وہ اپنا نقصان کرتے ہیں، مرنے کے بعد ان کو پتہ چلے گا کہ وہ اپنا کتنا نقصان کر کے گئے اور تبلیغ والے کتنا کما کر گئے۔

تبلیغ اور جہاد

(**سوال**) تبلیغ اور جہاد دونوں فرض ہیں ترجیح کس کو دی جائے گی؟ وضاحت فرمادیں۔

(**جواب**) جہاں صحیح شرائط کے ساتھ جہاد ہو رہا ہو وہاں جہاد بھی فرض کفایہ ہے اور دعوت و تبلیغ کا کام اپنی جگہ اہم ترین فرض ہے۔ اگر مسلمانوں کے ایمان کو محفوظ کر لیا جائے تو جہاد بھی صحیح طریقہ سے ہو سکے گا۔ اس لئے عام مسلمانوں کو تو تبلیغ کے کام کا مشورہ دیا جائیگا۔ ہاں! جہاں جہاد بالسیف کی

ضرورت ہو، وہاں جہاد ضروری ہوگا۔

کیا تبلیغ میں نکل کر خرچ کرنے کا ثواب سات لاکھ گنا ہے

(**سوال**) جو تبلیغ والے کہتے ہیں کہ اللہ کے راستے میں نکل کر اپنے اوپر ایک روپیہ خرچ کرنے کا ثواب سات لاکھ روپے صدقہ کرنے کے برابر ملتا ہے اور ایک نماز پڑھنے کا ثواب انچاس کروڑ نمازوں جتنا ملتا ہے، کیا یہ صحیح ہے۔؟

(**جواب**) حدیث سے یہ مضمون ثابت ہوتا ہے۔

تبلیغی جماعت سے متعلق چند سوال

(**سوال**) تبلیغی جماعت والے کیسے لوگ ہیں؟

(**جواب**) بہت اچھے لوگ ہیں۔ اپنے دین کے لئے مشقت اٹھاتے ہیں۔

(**سوال**) تبلیغی جماعت والے کہتے ہیں اللہ کے راستے میں نکلو، اللہ کے راستے میں ایک نماز کا ثواب انچاس کروڑ نمازوں کے برابر ہے۔ لیکن میں نے سنا ہے کہ یہ ثواب جہاد فی سبیل اللہ میں ہے؟

(**جواب**) تبلیغی کام بھی جہاد فی سبیل اللہ کے حکم میں ہے۔

(**سوال**) اجتماعی کام میں شریک ہونا چاہیے لیکن دوسرے وقت میں اپنے انفرادی اعمال کا بھی اہتمام کرنا چاہیے۔

فضائل اعمال پر چند شبہات کا جواب

(**سوال**) ایک دوست انڈیا سے کتاب لائے ہیں۔ "تبلیغی نصاب، ایک مطالعہ" تابش مہدی صاحب نے تحریر کی ہے ان کی دعوت یہ ہے کہ تبلیغی نصاب میں موضوع، ضعیف اور عقل سے بعید کتاب وسنت کی تعلیمات کے برعکس واقعات اور سب کچھ ہی اس تبلیغی نصاب میں موجود ہے۔ اور شیخ الحدیثؒ نے عربی میں احادیث لکھ دی ہیں اور عربی ہی میں بتادیا کہ یہ روایت موضوع ضعیف ہے یا مردود۔

مگر اردو میں یہ نہیں لکھا جو بے ایمانی میں آتی ہے اور گزارش ہے کہ علماء دیوبند اس کتاب سے ایسی احادیث اور حکایات وخواب دور کر دیں جو اسلامی مزاج سے میل نہیں کھاتی ہیں اور یہ کتاب صرف رضاالٰہی کے لیے اور گمراہیت سے بچانے کے لیے ہی لکھی ہے۔

اسی کتاب میں لکھا ہے کہ دیوبند کے بڑے بڑے اکابر بھی شیخ الحدیث کی اس کتاب سے واقف ہیں اور ان کی حیات میں جب بھی اکابرین دیوبند سے کہا گیا تو جواب یہ ملا ''اگر تبلیغی نصاب کی۔ مندرجہ ذیل بالا غلطیوں پر تنقید کی گئی تو شیخ الحدیثؒ ناراض ہو جائیں گے'' اور یہ بات شرع سے ہٹ کر تھی اس لیے تابش مہدی صاحب نے جو کہ مدیر ''الایمان'' دیوبند ہیں یا تھے اس طرف توجہ فرمائی اور ہمت کی، وغیرہ وغیرہ۔

آج اسی کتاب کی بدولت بہت سے دوست جو کہ پہلے بھی کچھ اس جماعت سے متنفر تھے اب تو ایک ہتھیار ان کے ہاتھ ہے۔ حق بات حق ہی ہوتی ہے۔ (بشرطیکہ حق کی تفصیل وہ جانتا ہو) میں یہ صلاحیت نہیں رکھتا اس لیے حضرت کی خدمت میں یہ چند چیزیں عرض کرتا ہوں۔

اپنے والد صاحب کو صحابہ کرامؓ پر فضیلت دینے کی تہمت

(۱) ''تحریف قرآن کا عظیم نمونہ'' کے تحت جو کچھ لکھا ہے خلاصہ لکھ دیتا ہوں۔ قرآن حکیم کی کسی بھی آیت یا جملہ کا وہ مفہوم اخذ کرنا جو منشائے خداوندی کے برعکس ہو تحریف کہلاتا ہے اور جس نے قرآن حکیم میں تحریف کی گویا اسلام کی بنیاد ہی ہلا دی اور ایسے شخص کا تعلق اسلام سے کس حد تک قائم رہ سکتا ہے قارئین واقف ہیں سورۃ قمر کی آیت ''وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ'' کا ترجمہ ہر عالم نے وہی کیا ہے جو منشائے خداوندی ہے اس کے بعد مولانا اشرف علی تھانویؒ شیخ الہندؒ مولانا شاہ رفیع الدینؒ مولانا شاہ عبدالقادر دہلویؒ کا ترجمہ پیش کیا پھر شیخ سعدیؒ وشاہ ولی اللہؒ کا ترجمہ پیش کیا گیا۔ ایک ترجمہ لکھ دیتا ہوں۔ ''تحقیق ہم نے قرآن کو نصیحت پکڑنے کے لیے آسان کر دیا۔ پھر ہے کوئی نصیحت پکڑنے والا۔'' فضائل قرآن ص ۵۴ پر ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ کلام اللہ شریف کا حفظ یاد ہو جانا

درحقیقت یہ خود قرآن شریف کا ایک کھلا معجزہ ہے ورنہ اس سے آدھی تہائی مقدار کی کتاب بھی یاد ہونا مشکل ہی نہیں بلکہ قریب بہ محال ہے اس وجہ سے حق تعالیٰ شانہ نے اس کے یاد ہو جانے کو سورۃ قمر میں بطور احسان ذکر فرمایا اور بار بار اس پر تنبیہ فرمائی۔

آیت کا ترجمہ: ہم نے کلام پاک کو حفظ کرنے کے لئے سہل کر رکھا ہے کوئی ہے حفظ کرنے والا۔

(فضائل اعمال ص ۲۶۰)

(۲) حضرت شیخ الحدیثؒ کے والد اور حضرت حسینؓ کے تحت ہے: سید السادات حضرت حسینؓ اپنے بھائی حضرت حسنؓ سے بھی ایک سال چھوٹے تھے اس لیے ان کی عمر حضور اکرم ﷺ کے وصال کے وقت اور بھی کم تھی یعنی چھ برس اور چند مہینے کی چھ برس کا بچہ کیا دین کی باتوں کو محفوظ کر سکتا ہے؟ لیکن امام حسینؓ کی روایتیں حدیث کی کتابوں میں نقل کی جاتی ہیں محدثین نے انہیں اس جماعت میں شمار کیا ہے جن سے آٹھ حدیثیں منقول ہیں۔

حکایات صحابہؓ صفحہ ۱۶۳ میں حضرت شیخ الحدیثؒ نے فائدہ کے تحت یہ بتایا ہے کہ اس قسم کے ذہانتی واقعات حضرت حسینؓ ہی نہیں دوسرے بہت سے صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ پھر فائدے کے ضمن میں حضرت شیخ الحدیثؒ نے اس سے بھی زیادہ قابل ذکر ذہانت کا تذکرہ بایں انداز فرمایا ہے کہ ''میں نے اپنے والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے بھی بار بار سنا ہے اور اپنے گھر کی بوڑھیوں سے بھی سنا ہے کہ میرے والد صاحب کا جب دودھ چھڑایا گیا تو پاؤ پارہ حفظ ہو چکا تھا اور ساتویں برس کی عمر میں قرآن شریف پورا حفظ ہو چکا تھا اور اپنے والد یعنی میرے دادا صاحب سے مخفی فارسی کا بھی متعدبہ حصہ بوستان، گلستان سکندر نامہ وغیرہ بھی پڑھ چکے تھے۔

ملاحظہ فرمائیں کہ حضرت مؤلفؒ نے کس سادگی اور حکمت کے ساتھ باپ کو حضرت حسینؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ و اکابر پر فوقیت دے دی۔ اگر حضرت حسینؓ نے چھ برس کی عمر میں چند حدیثیں یاد کر لیں تو کون سی قابل ذکر بات ہوگئی اس قسم کی ذہانتیں تو دوسرے لوگوں میں پائی جاتی ہیں۔ مگر باعث حیرت بات تو یہ ہے کہ حضرت شیخ کے والد نے ماں کا دودھ چھوڑنے سے قبل ہی پاؤ پارہ حفظ کر لیا جب

کہ بچے اس عمر میں بول بھی مشکل پاتے ہیں یہ واقعہ بیان کر کے مؤلف محترم نے اپنے والد کو نہ صرف یہ کہ صحابہ کرامؓ پر فوقیت دے دی بلکہ حضرات انبیاء علیہم السلام سے بھی آگے بڑھا دیا اس قسم کے واقعات تو ان کی زندگیوں میں شاذ و نادر ہی ملیں گے حضرت عیسیٰ ماں کی گود میں محض چند ہی الفاظ بول سکے تھے یہاں پاؤ پارہ حفظ کا ذکر ہے۔

حضرت ابن زبیرؓ کا واقعہ

(۴) آنحضور ﷺ پر ایک عظیم بہتان کے تحت ہے۔ خون کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے خواہ وہ کسی کا بھی خون ہو۔ ارشاد خداوندی ہے۔

"اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحمَ الْخِنْزِيْر " (النحل:۱۱۵)

سورۃ البقرۃ آیت ۱۷۳ اور سورۃ المائدہ آیت ۳ میں بھی یہ حکم من وعن موجود ہے یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ جس معاملے میں قرآن یا حدیث کا صریح حکم موجود ہو اس میں کسی قسم کی تاویل و منطق کی گنجائش نہیں باقی رہتی۔ لہٰذا قرآن کی رو سے خون ہمیشہ، ہمیشہ اور ہر فرد بشر کے لیے حرام ہے اب اگر مرضی سے کوئی اسے جائز قرار دیتا ہے تو گویا وہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے ان معروضات کے بعد شیخ الحدیثؒ کی ایک کاوش فکر ملاحظہ فرمائیں۔

حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ سینگیاں لگوائیں اور جو خون نکلا وہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو دیا کہ ان کو کہیں دبا دیں وہ گئے اور آ کر عرض کیا کہ دبا دیا۔ حضور اکرم ﷺ نے دریافت کیا کہاں؟ عرض کیا میں نے پی لیا حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جس کے بدن میں میرا خون جائے گا اس کو جہنم کی آگ نہیں چھو سکتی۔

لگے ہاتھوں اسی ضمن کی دوسری روایت بھی ملاحظہ ہو:

احد کی لڑائی میں جب نبی اکرم ﷺ کے چہرہ انور یا سر مبارک میں خود کے دو حلقے گھس گئے تھے الخ تو حضرت ابو سعید خدریؓ کے والد ماجد مالک بن سنانؓ نے اپنے لبوں سے اس خون کو چوس لیا۔ الخ

(حکایاتِ صحابہؓ ص ۱۷۳)

دوسری روایت میں نے صرف اشارے کے طور پر لکھ دی ہے۔ پوری نہیں لکھی۔

ایک ہی مضمون کی یہ دو منقولہ روایتیں ہیں ایک خمیس کے حوالے سے اور دوسری قرۃ العیون کے حوالے سے یہ دونوں کتابیں اہل علم کے نزدیک میلادِ اکبر۔ میلاد گوہر یا یوسف زلیخا اور جنگ زیتون جیسی غیر مستند اور گمراہ کن ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ایسی خلاف شریعت حرکت کوئی صحابیؓ رسولؐ دانستہ ہرگز ہرگز نہیں کرسکتا ایسے خون کا حرام ہونا قرآن مجید میں صریح طور پر موجود ہے۔ لیکن اگر تھوڑی دیر کے لیے بادل نخواستہ یہ فرض ہی کرلیا جائے کہ حضرت ابن زبیر اور مالک بن سنانؓ نے محبت میں آکر اپنے محبوب کا خون پی لیا ہوگا اگر چہ دل اس کے لیے بھی آمادہ نہیں ہے، مگر یہ بات کس طرح مان لی جائے کہ حضور اکرم ﷺ نے ان دونوں صحابہؓ کو اس خلاف قرآن عمل سے روکنے یا منع کرنے کے بجائے انہیں دوزخ سے خلاصی کی خوشخبری دے دی اور یہ کہہ کر جس کے بدن میں میرا خون جائے گا اس کو جہنم کی آگ نہیں چھو سکے گی آئندہ کے لیے اجازت بلکہ ترغیب دے دی اس لیے کہ آپ ﷺ رسولؐ تھے۔ نبی و رسول کا ایک ایک سانس اس کی شریعت کا نمائندہ ہوتا ہے نبی کی زبان سے نکلی ہوئی بات شریعت بن جاتی ہے۔ اس لیے ایسی عظیم ہستی کی طرف اس قسم کی غلط بات کا انتساب حد درجہ ناجائز اور نادرست ہے۔ ان سب کے علاوہ آنحضور ﷺ کی نظافت طبعی بھی اس روایت کی تکذیب کرتی ہے۔

غالباً حضرت شیخ الحدیثؒ کی نظر سے حضور اکرم ﷺ کی یہ حدیث ضرور گزری ہوگی۔ "من کذب علی متعمدا فلیتبوء مقعده من النار" بلاشبہ حضرت شیخ الحدیثؒ نے یہ بے سند روایت بیان کر کے رسول اکرم ﷺ پر ایک عظیم اتہام کا ارتکاب کیا ہے۔ پھر فائدہ کے نوٹ میں لکھا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کے فضلات پاخانہ پیشاب وغیرہ سب پاک ہیں اس لیے اس میں کوئی اشکال نہیں۔ (حکایاتِ صحابہؓ ص ۱۷۲)

لیکن موصوف مرحوم نے یہ نہ بتایا کہ انہیں یہ بات کہاں سے ملی۔ براہِ راست قرآن میں موجود ہے یا حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ یا آپ کے صحابہ کرامؓ نے عملاً اس کا ثبوت دیا۔ آگے لکھا ہے۔

''خیر محترم شیخ الحدیثؒ تو اس دنیا میں نہیں رہے ان کے خلفاء ہی کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ کسی مستند حوالے سے کم از کم کسی ایک ہی صحابی کی نشاندہی فرمائیں جس نے آپ ﷺ کے فضلات پاخانہ پیشاب وغیرہ نوش جاں فرما کرامت کے لیے حلال اور پاک ہونے کا ثبوت دیا ہو۔ میں ان کا بے حد ممنون و متشکر رہوں گا۔''

(۴) ''یہ اعجوبے'' کے تحت میں، میں ایک ہی بات نقل کرتا ہوں فضائل صدقات ص ۲۷۴ پر ایک بزرگ کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ روزانہ ۱۰۰۰ رکعتیں کھڑے ہو کر ۱۰۰۰ بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے جب کہ ایک رکعت فی منٹ کے حساب سے اس طرح ۳۳ گھنٹوں میں ممکن ہے اور شب و روز میں کل ۲۴ گھنٹے ہوتے ہیں آخر مزید ۹ گھنٹے کہاں سے آئے۔ جواب کا منتظر رہوں گا۔

مہتاب احمد سلطنت عمان

جواب

بسم اللہ الرحمن الرحیمo

الحمدللہ و کفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، امابعد

تابش مہدی کی یہ کتاب کئی سال پہلے نظر سے گذری تھی اور بعض احباب کے اصرار پر یہ داعیہ بھی اس وقت پیدا ہوا تھا کہ اس کا جواب لکھا جائے۔ لیکن کتاب کے مطالعہ کے بعد معلوم ہوا کہ کتاب کا مصنف نہ تو علمِ حدیث کے فن سے واقف ہے اور نہ ہی دیگر اسلامی علوم پر اس کی نظر ہے۔ اس بے چارے کے علم و فہم کا حدودِ اربعہ کچھ اردو کتب ورسائل کا سطحی مطالعہ ہے اور بس ایسے شخص کی تردید کے درپے ہونا محض اضاعتِ وقت ہے۔ دوسری طرف حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ کے رسائل کو حق تعالیٰ شانہٗ نے ایسی مقبولیت عطا فرما رکھی ہے کہ دنیا بھر کی مختلف زبانوں میں ان رسائل کا مذاکرہ ہو رہا ہے۔ اور دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں شاید ایک لمحہ بھی ایسا نہ گزرتا ہوگا جس میں دنیا کے کسی نہ کسی خطہ میں ان رسائل کے سننے، سنانے کا شغل جاری نہ رہتا ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ مقبولیت محض من جانب اللہ ہے کسی انسان کے سعی وکسب کا نتیجہ نہیں۔ پس جب کہ حضرت مصنفؒ کے اخلاص وللّٰہیت کی برکت سے حق تعالیٰ شانہٗ نے ان کتابوں کو ایسی خارقِ عادت مقبولیت عطا فرما رکھی ہے، تو تابش مہدی جیسے لوگوں کی سطحی تنقید سے ان کا کیا بگڑتا ہے؟

علاوہ ازیں سنت اللہ اسی طرح جاری ہے کہ جس شخصیت کو منجانب اللہ شرف قبولیت کا جامہ پہنا جاتا ہے، کچھ لوگ ایسی شخصیت کی پوستین دری اور اس پر بے جا تنقید کو اپنا محبوب مشغلہ بنا لیتے ہیں، اس قانون سے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی مستثنیٰ نہیں فرمایا۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا، وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَo (الانعام:۱۱۲)

"اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن سے شیطان پیدا کیے، کچھ آدمی اور کچھ جن۔ جن میں سے بعضے دوسروں بعضوں کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے تھے، تا کہ ان کو دھوکہ میں ڈال دیں

اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا' تو یہ ایسے کام نہ کر سکتے۔ سو ان لوگوں کو اور جو کچھ یہ افترا پردازی کر رہے ہیں' ان کو آپ رہنے دیجئے۔" (ترجمہ: حضرت تھانویؒ)

اور یہ چیز ان اکابر کے رفع درجات کا ذریعہ ہے۔ جیسا کہ شیعہ کے اتہامات آج تک حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے رفع درجات کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں۔ اس سنت اللہ کے مطابق حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کے مقابلہ میں بھی تابش مہدی جیسے لوگوں کا وجود ضروری تھا۔ اب اگر تابش مہدی کے تمام الزامات کا معقول اور مدلل جواب بھی لکھ دیا جائے تب بھی ان صاحب کو "رجوع" کرنے اور اپنی غلطی کا اعتراف کرنے کی توفیق نہیں ہوگی۔ بلکہ شیطان انکو نئے نئے نکتے تلقین کرتا رہے گا۔

الغرض ان وجوہ اسباب کی بناء پر تابش مہدی کے تنقیدی رسالہ کا جواب لکھنا غیر ضروری بلکہ کارِ عبث معلوم ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ آنجناب کا گرامی نامہ بھی کئی مہینوں سے رکھا ہے۔ لیکن اس کا جواب دینے کو جی نہ چاہا۔ آج آپ کی خاطر دل پر جبر کر کے قلم ہاتھ میں لیا ہے۔ کوشش کروں گا کہ آپ کے چار سوالوں کا جواب گو مختصر ہو، مگر شافی ہوتا کہ آپ کی پریشانی دور ہو جائے۔

(۱) تحریف قرآن کا الزام

"سورۃ القمر" کی آیت ۲۲ "ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر" کا جو ترجمہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے فضائلِ قرآن میں کیا ہے، یعنی ہم نے کلامِ پاک کو حفظ کرنے کے لیے سہل کر رکھا ہے کوئی ہے حفظ کرنے والا"؟

تابش مہدی اپنے محدود سطحی مطالعہ کی بناء پر اس کے بارے میں تحریف قرآن کا فتویٰ صادر فرماتے ہیں کیوں کہ یہ ترجمہ عام اردو تراجم کے خلاف ہے۔ اگر ان کو مستند عربی تفاسیر دیکھنے کا اتفاق ہوا ہوتا تو معلوم ہوتا کہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کا بیان کردہ بھی صحیح ہے اور یہ بھی سلف صالحین سے منقول ہے، کیوں کہ اس آیت کریمہ کے دو مفہوم بیان کئے گئے ہیں۔ اور اپنی جگہ دونوں صحیح ہیں۔

ایک یہ کہ "ہم نے قرآن کو حفظ کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے۔"

اور دوسرا یہ کہ "ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے۔"

— بعض اکابر نے دونوں مفہوم نقل کر دیے ہیں اور بعض نے صرف ایک کو اختیار فرمایا ہے اور بعض نے دونوں کو ذکر کر کے ایک کو ترجیح دی ہے۔ جو مفہوم حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے اختیار کیا ہے اس

کے لیے چند تفاسیر کے حوالے ذکر کر دینا کافی ہیں۔

(۱) تفسیر جلالین میں ہے:

"سهلناه للحفظ اوهياناه للتذكر"

ترجمہ:۔ہم نے اس کا آسان کر دیا ہے حفظ کے لیے یا مہیا کر رکھا ہے نصیحت حاصل کرنے کے لیے۔

(۲) تفسیر کشاف میں ہے:

اى سهلناه للاذكار والاتعاظ، وقيل: ولقد سهلناه للحفظ واعنا عليه من اراد حفظه، فهل من طالب للحفظ ليعان عليه، ويروى ان كتب اهل الاديان نحوالتوراة والانجيل لا يتلوها اهلها الا نظراً، ولا يحفظونها ظاهراً كما القرآن○(تفسير كشاف ص: ۴۳۵ ج ۴)

"ہم نے اس قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر رکھا ہے۔اور کہا گیا ہے کہ ہم نے اس کو حفظ کرنے کے لیے آسان کر رکھا ہے اور جو شخص اس کو حفظ کرنا چاہے اس کی اعانت اپنے ذمہ لے رکھی ہے پس ہے کوئی اس کے حفظ کرنے والا کہ اس کی مدد کی جائے؟ مروی ہے کہ پہلے ادیان کے لوگ اپنی کتابیں ناظرہ پڑھ سکتے تھے قرآن کی طرح حفظ نہیں پڑھ سکتے تھے۔"

(۳) (ولقد يسرنا القرآن) اى سهلناه (للذكر)اى للحفظ والقراة (فهل من مدكر)اى من ذاكر يذكره ويقراه، والمعنى هوالحث على قراة وتعلمه، قال سعيد ابن جبير: ليس من كتب الله كتاب يقرا كله ظاهرا الا القرآن○(زادالمیسر ۹۴۔۹۵ج ۸)

"اور ہم نے آسان کر دیا قرآن کو ذکر کر کے، یعنی حفظ و قرأت کے لیے۔پس کیا ہے کوئی یاد کرنے والا، جو اس کو یاد کرے اور پڑھے؟ اور مقصود قرآن کریم کی قرأت اور اس کے سیکھنے کی ترغیب دلانا ہے۔سعید ابن جبیرؒ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کے سوا کتب الٰہیہ میں کوئی کتاب ایسی نہیں جو پوری کی پوری حفظ پڑھی جاتی ہو۔"

امام ابن جوزیؒ نے صرف وہی مفہوم اختیار کیا ہے جو حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے فضائل قرآن میں ذکر فرمایا:

تفسیر قرطبی میں ہے:

ای سھلناہ للحفظ و اعناعلیہ من اراد حفظہ فھل من طالب للحفظہ فیعان علیہ. قال سعید بن جبیر: لیس من کتب اللہ کتاب یقرا کلہ ظاھراً الا القرآن ٥

(تفسیر قرطبی: ص ۱۳۴ ج ۱۷)

''یعنی ہم نے اس کو حفظ کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے اور جو شخص اس کو حفظ کرنا چاہے اس کی اعانت ہے۔ پس کیا کوئی اس کو حفظ کرنے کا طالب ہے، کہ اس کی اعانت کی جائے؟ سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ کتب الٰہیہ میں قرآن کے سوا کوئی کتاب نہیں جو پوری حفظ پڑھی جاتی ہو۔''

امام قرطبی نے بھی صرف اسی مفہوم کو لیا ہے۔

(۵) تفسیر ابن کثیر میں ہے:۔

ای سھلناہ للحفظ، ویسرنا معناہ لمن ارادہ لیتذکر الناس...... قال مجاھد: (ولقد یسرنا القرآن لذکر) یعنی ھونا قرأتہ، وقال السدی: یسرنا تلاوتہ علی الالسن، وقال الضحاک: قال ابن عباس رضی اللہ عنھما: لو لا ان اللہ یسرہ علی لسان الآدمین ما استطاع احد من الخلق ان یتکلم بکلام اللہ عزوجل وقولہ: (فھل من مدکر) ای فھل من متذکر بھذاالقرآن الذی یسر اللہ حفظہ ومعناہ''

(مختصر تفسیر ابن کثیر ص: ۴۱۰ ج ۳)

یعنی جو شخص قرآن کو حاصل کرنا چاہے تو ہم نے اس کے لیے اس کے الفاظ کو سہل اور اس کے معنی کو آسان کر دیا ہے تا کہ لوگ غور کریں...... امام تفسیر مجاہد فرماتے ہیں کہ ''ہم نے قرآن کو آسان کر دیا یاد کے لیے'' یعنی اس کے پڑھنے کو آسان کر دیا ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس کی تلاوت کو زبانوں پر آسان کر دیا ہے اور ضحاکؒ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ''اگر اللہ تعالیٰ نے آدمیوں کی زبانوں پر اس کو آسان نہ کیا ہوتا تو مخلوق میں سے کوئی بھی کلام الٰہی کو زبان سے ادا نہ کر سکتا''۔ ''فھل من مدکر'' یعنی کوئی اس قرآن کے ساتھ نصیحت حاصل کرنے والا ہے جس کے حفظ و معنی کو اللہ تعالیٰ نے آسان کر دیا ہے۔ (اور آگے ابن شوذبؒ، مطرورراقؒ اور قتادہؒ سے بھی یہی مضمون نقل کیا ہے)

مندرجہ بالا عبارت سے واضح ہے کہ جو مفہوم حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے ذکر فرمایا وہ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اور تابعینؒ میں سے امام مجاہد، قتادہ، ضحاک، مطروراق اور سدی رحمہم اللہ سے منقول ہے۔

(۶) تفسیر البحر المحیط میں ہے:

ای للاذکار والاتعاظ، وقیل: للذکر للحفظ، ای سھلناہ للحفظ، وقال ابن جبیر: لم یستظھر شیء من الکتب الالھیہ غیر القرآن.

''یعنی ہم نے قرآن نصیحت کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے اور کہا گیا ہے کہ ذکر سے مراد حفظ ہے یعنی ہم نے اس کو حفظ کے لیے آسان کر دیا ہے۔ ابن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ قرآن کے سوا کتب الٰہیہ میں سے کوئی کتاب حفظ نہیں کی گئی۔''

(۷) تفسیر روح المعانی:۔

للذکر ای للتذکر والاتعاظ، وقیل: المعنی سھلناالقرآن للحفظ، فھل من طالب لحفظہ لیعان علیہ؟ ومن ھنا قال ابن جبیر: لم یستظھر شیء من الکتب الالھیہ غیر القرآن، واخرج ابن المنذر وجماعۃ عن مجاھد انہ قال یسرنا القرآن ھونا قرأتہo

ہم نے قرآن کو ذکر کرنے کے لیے یعنی نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے قرآن کو حفظ کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے۔ پس کیا کوئی اس کے حفظ کرنے کا طالب ہے کہ حفظ کرنے کے لیے اس کی اعانت کی جائے؟ اسی بناء پر سعید ابن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ کتب الٰہیہ میں قرآن کے علاوہ کوئی کتاب حفظ نہیں کی گئی۔ ابن منذر اور ایک جماعت نے حضرت مجاہدؒ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا ''ہم نے قرآن کو سہل کر رکھا ہے''۔ یعنی ہم نے اس کی قرأت کو آسان کر رکھا ہے۔

(۸) تفسیر مظہری میں ہے:

ای للاذکار والاتعاظ، بان ذکرنا فیہ الانواع المواعظ والعبر والوعید احوال الامم السابقۃ، والمعنی یسرنا القرآن للحفظ بالاختصار وعذوبہ اللفظo

''یعنی ہم نے قرآن کو آسان کردیا ہے نصیحت حاصل کرنے کے لیے بایں طور کہ ہم نے اس میں انواع واقسام کی نصیحتیں، عبرتیں، وعیدیں اور گذشتہ امتوں کے حالات ذکر کردیے ہیں۔ یا یہ معنی کہ ہم نے قرآن کو اختصار اور الفاظ کی شیرینی کے ذریعہ حفظ کرنے کے لیے آسان کردیا ہے۔''

(۹) تفسیر بغوی میں ہے:

(ولقد یسرنا) سھلنا (القرآن لذکر) لیتذکر ویعتبر بہ، وقال سعید ابن جبیر: یسرناہ للحفظ والقراۃ، ولیس شیء من کتب اللہ یقراء کلہ ظاھراً الا القرآن ٥

''اور ہم نے قرآن کو سہل کررکھا ہے ذکر کے لیے، تاکہ اس کے ذریعہ نصیحت وعبرت حاصل کیا جائے۔ سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس کو حفظ وقرأت کے لیے آسان کررکھا ہے اور کتب الٰہیہ میں قرآن کریم کے علاوہ اور کوئی ایسی کتاب نہیں جس کو حفظ کیا جاتا ہو۔''

(۱۰) تفسیر کبیر میں ہے:

ثم قال تعالیٰ: (ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر) وفیہ وجوہ: الاول: للحفظ، فیکمن حفظہ ویسھل، ولم یکن شیء من کتب اللہ تعالیٰ یحفظہ علی ظھر القلب غیر القرآن، وقولہ تعالیٰ: (فھل من مدکر) ای ھل من یحفظہ ویتلوہ ٥

پھر فرمایا ''اور ہم نے قرآن کو آسان کررکھا ہے پس کیا ہے کوئی یاد کرنے والا؟ اس میں کئی وجوہ ہیں۔ اول یہ کہ ذکر کے لیے، سے مراد ہے ''حفظ کرنے کے لیے'' پس اس کا حفظ کرنا ممکن اور سہل ہے اور کتب الٰہیہ میں قرآن کے سوا کوئی کتاب ایسی نہیں جو زبانی حفظ کی جاتی ہو۔ اور ارشاد خداوندی ''فھل من مدکر'' کا مطلب یہ ہے کہ ہے کوئی جو اس کو حفظ کرے اور اس کی تلاوت کرے؟

مندرجہ بالا حوالوں سے واضح ہوا ہوگا کہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کے ذکر کردہ مفہوم کو نہ صرف یہ کہ اکابر مفسرین نے ذکر کیا ہے بلکہ بہت سے اکابر نے تو یہی مفہوم بیان فرمایا ہے اور اس مفہوم کے بیان کرنے والوں میں نام آتے ہیں۔ حضرت ترجمان القرآن عبداللہ بن عباس، حضرت سعید بن جبیر، حضرت مجاہد، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہم اور مطر وراق جیسے اکابر صحابہ وتابعین

کے۔لیکن تابش مہدی صاحب کے نزدیک یہ مفہوم بیان کرنا قرآن کریم کی تحریف ہے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون۔

اس وضاحت کے بعد تابش مہدی سے دریافت کیا جائے کہ کیا ان کو اپنی غلطی کا اعتراف کرنے اور ایک جلیل القدر محدث اور عارف ربانی پر تحریف کا الزام واپس لینے کی توفیق ہوگی؟ اور کیا ان کے خیال میں مندرجہ بالا اکابر مفسرین سب کے سب قرآن کی تحریف کرنے والے تھے؟

"نعوذ باللہ من الجھل و الغباۃ"

(۲) اپنے والد کو حضرات صحابہؓ پر فوقیت دینے کی تہمت

حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ نے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بچپن کی یادداشت کے جو واقعات لکھے ہیں ان کے تحت یہ فائدہ درج فرمایا ہے:

"بچپن کا زمانہ حافظہ کی قوت کا زمانہ ہوتا ہے۔اس وقت کا یاد کیا ہوا کبھی بھی نہیں بھولتا ایسے وقت میں اگر قرآن پاک حفظ کرا دیا جائے تو نہ کوئی دقت ہو، نہ وقت خرچ ہو۔"

اور پھر اس فائدہ کی وضاحت کے لیے اپنے والد ماجد کا قصہ ذکر فرمایا ہے اس کے آخر میں لکھتے ہیں:

"یہ پرانے زمانے کا قصہ نہیں ہے، اسی صدی کا واقعہ ہے، لہٰذا یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ صحابہؓ جیسے قوی اور ہمتیں اب کہاں سے لائی جائیں؟"

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ فائدہ میں جو بچپن کے اندر قرآن کریم حفظ کرانے کی ترغیب دی گئی تھی کہ اس کی تائید کے لیے والد ماجدؒ کا واقعہ ذکر فرمایا ہے۔

"حکایات صحابہ" جب سے تالیف ہوئی ہے۔اس کو بلا مبالغہ کروڑوں انسانوں نے پڑھا سنا ہوگا لیکن اس واقعہ کے سیاق و سباق سے یہ خبیث مضمون کبھی کسی کے ذہن میں نہیں آیا جو تابش مہدی نے اخذ کیا ہے جو مضمون نہ مصنف کے ذہن میں ہو، نہ اس کی سیاق و سباق سے اخذ کیا جا سکتا ہو اور نہ اس کے لاکھوں قاریوں کے حاشیہ خیال میں بھی گزرا ہو اس کے مصنف کی طرف منسوب کرنا آپ ہی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ دیانت و امانت کی کون سی قسم ہے؟

اور حضرت شیخ کے والد ماجدؒ کے واقعہ کا سیدنا عیسیٰؑ سے مقابلہ کرنا بھی حماقت و غباوت کی

حد ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کا واقعہ ولادت کے ابتدائی ایام کا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ پیدائش کے بعد حضرت مریمؑ بچے کو اٹھائے ہوئے قوم کے سامنے آئیں لوگوں نے دیکھتے ہی چہ مگوئیاں شروع کیں اور حضرت مریمؑ کے بارے میں ناشائستہ الفاظ کہے ان کے جواب میں حضرت مریمؑ نے بچے کی طرف اشارہ کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

انی عبداللہ اتانی الکتاب وجعلنی نبیا، وجعلنی مبارکا این ما کنت و اوصانی بالصلاۃ والزکاۃ ما دمت حیا، وبرا بوالدتی ولم یجعلنی جبارا شقیا، والسلام علی یوم ولدت ویوم اموت ویوم ابعث حیاo (مریم: ۳۳)

''وہ بچہ (خود ہی) بول اٹھا کہ میں اللہ کا (خاص) بندہ ہوں اس نے مجھ کو کتاب (یعنی انجیل) دی اور اس نے مجھ کو نبی بنایا (یعنی بنادے گا) اور مجھ کو برکت والا بنایا میں جہاں کہیں بھی ہوں اور اس نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا جب تک میں (دنیا میں) زندہ رہوں اور مجھ کو میری والدہ کا خدمت گزار بنایا اور اس نے مجھ کو سرکش بد بخت نہیں بنایا اور مجھ پر (اللہ کی جانب سے) سلام ہے جس روز میں پیدا ہوا اور جس روز مروں گا اور جس روز قیامت میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔'' (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

کہاں طفل یک روزہ کا ایسی فصیح وبلیغ تقریر کرنا اور کہاں دو سال کے بچے کا قرآن کریم کی سورتیں یاد کر لینا؟ کیا ان دونوں کے درمیان کوئی مناسبت ہے؟

تابش مہدی جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں لیکن اہل عقل جانتے ہیں کہ ڈیڑھ سال کا بچہ عموماً بولنے لگتا ہے اب اگر چھ مہینے کی طویل مدت میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کے والد ماجد نے پاؤ پارہ یاد کر لیا تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے اور اس کا موازنہ حضرت عیسیٰؑ کے معجزہ تکلم فی المھد سے کرنا تابش مہدی جیسے غیر معمولی ذہین لوگوں کا ہی کام ہو سکتا ہے۔ ورنہ کون عقلمند ہوگا جو دو ڈھائی سالہ بچے کے چند چھوٹی سورتیں یاد کر لینے کو ایک خارق عادت اور واقعہ اور معجزہ عیسوی سے بالاتر اعجوبہ سمجھنے لگے؟

(۳) حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کا واقعہ

تیسرے سوال کے تحت تابش مہدی نے جو لکھا ہے اس کا تجزیہ کیا جائے تو دو بحثیں نکلتی

ہیں، اول یہ کہ ابن زبیر اور مالک بن سنانؓ کے جو واقعات حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ نے ذکر فرمائے ہیں وہ مستند ہیں یا نہیں؟ دوسری بحث یہ کہ حضور ﷺ کے فضلات کا کیا حکم ہے، وہ پاک ہیں یا نہیں؟

جہاں تک پہلی بحث کا تعلق ہے اس سلسلہ میں یہ گزارش ہے کہ یہ دونوں واقعے مستند ہیں اور حدیث کی کتابوں میں سند کے ساتھ روایت کئے گئے ہیں۔

چنانچہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کا واقعہ متعدد سندوں کے ساتھ متعدد صحابہ کرامؓ سے مروی ہے حوالہ کے لیے درج ذیل کتابوں کی مراجعت کی جائے۔

(۱) مستدرک حاکم (۳-۵۵۴) حلیۃ الاولیاء (۱-۳۳۰) سنن کبری بیہقی (۷-۶۷) کنزالعمال بروایت ابن عساکر (۱۳-۴۶۹) مجمع الزوائد بروایت طبرانی وبزار (۸-۲۷۰) الاصابہ بروایت ابویعلیٰ والبیہقی فی الدلائل (۲-۳۱۰) سیر اعلام النبلاء للذہبی (۳-۳۶۶) الخصائص الکبریٰ (۲-۲۵۲)

اب اس واقعہ کے ثبوت کے بارے میں چند اکابر محدثین کی آراء ملاحظہ فرمائیں۔

امام بیہقی سنن کبری (۷-۶۷) میں اس واقعہ کو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

قال الشيخ رحمه الله: وروى ذلك من وجه آخر عن اسماء بنت ابى بكر وعن سلمان فى شرب ابن الزبير رضى الله عنهم دمه"o

"حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے آنحضرت ﷺ کے خون پی جانے کا واقعہ حضرت اسماء بنت ابی بکر اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہم سے بھی متعدد اسانید سے مروی ہے۔

حافظ نورالدین ہیثمیؒ مجمع الزوائد (۸-۲۷۰) میں اس واقعہ کو خصائص نبوی ﷺ کے باب میں درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

رواه الطبرانى والبزار ورجال البزار رجال الصحيح غير هنيد بن القاسم وهو ثقهo

"یہ طبرانی اور بزار کی روایت ہے اور بزار کے تمام راوی صحیح کے راوی ہیں۔ سوائے ھنید

بن القاسم کے اور وہ بھی ثقہ ہیں۔

حافظ شمس الدین ذہبی نے تلخیص مستدرک (۳۔۵۵۴) میں اس پر سکوت کیا اور سیر اعلام النبلاء (۳۔۳۶۶) میں لکھتے ہیں:

''رواه ابويعلى فى مسنده وما علمت فى هنيد جرحة''

ترجمہ:۔ یہ حدیث ابویعلی نے اپنی مسند میں روایت کی ہے اور ھنید راوی کے بارے میں کسی جرح کا علم نہیں۔

کنز العمال (۱۳۔ ۴۲۹) میں اس کو ابن عساکر کے حوالے سے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: رجالہ ثقات (اس کے تمام راوی ثقہ ہیں)

مالک بن سنان رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد ماجد حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ کا جو واقعہ حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ نے ''قراۃ العیون'' کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ الاصابہ (۳۔۳۴۶) میں یہ واقعہ ابن ابی عاصم، بغوی، صحیح ابن السکن اور سنن سعید بن منصور کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

تاریخ خمیس اور قراۃ العیون

تو تابش مہدی ایسے اہل علم کے نزدیک غیر مستند اور گمراہ کن کتابیں ہیں لیکن تابش مہدی سے دریافت کیجئے کہ حدیث کی مندرجہ بالا کتابیں اور یہ اکابر محدثین، جن کا میں نے حوالہ دیا ہے کیا وہ بھی نعوذ باللہ غیر مستند اور گمراہ کن ہیں اور یہ بھی دریافت کیجئے کہ تابش مہدی اپنے جہل کی وجہ سے ان مشہور و معروف مآخذ سے ناواقف تھے یا ان کا رشتہ منکرین حدیث سے استوار ہے؟ کہ نہ انہیں ان کتب حدیث پر اعتماد ہے جن میں یہ واقعات متعدد اسانید کے ساتھ تخریج کئے گئے ہیں اور نہ ان اکابر محدثین پر اعتماد ہے۔ جنہوں نے ان واقعات کی توثیق فرمائی ہے۔

دوسری بحث فضلات نبوی ا کا حکم

ایک سوال کے جواب میں یہ مسئلہ ضروری تفصیل کے ساتھ ذکر کر چکا ہوں کہ مذاہب اربعہ

کے محققین کے نزدیک آنحضرت ﷺ کے خصائص میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ کے فضلات پاک ہیں اوراس کے لیے امام ابوحنیفہؒ، امام نوویؒ، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، حافظ بدرالدین عینیؒ، ملاعلی قاری علامہ ابن عابدین شامیؒ، مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ اور مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے حوالے سے ذکر کر چکا ہوں یہ جواب ''بینات'' محرم الحرام ۱۴۰۹ھ میں شائع ہو چکا ہے۔ آپ کی سہولت کے لیے اس کا اقتباس درج ذیل ہے:

میری گذشتہ تحریر کا خلاصہ یہ تھا کہ اول تو معلوم کیا جائے کہ یہ واقعہ کسی مستند کتاب میں موجود ہے یا نہیں؟ دوم یہ کہ حضور ﷺ کے فضلات کے بارے میں اہل علم واکابر ائمہ دین کی تحقیق کیا ہے ان دو باتوں کی تحقیق کے بعد جو شبہات پیش آسکتے ہیں ان کی توجیہ ہوسکتی ہے اب ان دونوں نکتوں کی وضاحت کرتا ہوں۔

امر اول یہ کہ واقعہ کسی مستند کتاب میں ہے یا نہیں؟ حافظ جلال الدین سیوطیؒ کی کتاب خصائص کبریٰ میں حضور ﷺ کی امتیازی خصوصیات جمع کی گئی ہیں۔ اس کی دوسری جلد کے صفحہ ۲۵۲ کا فوٹو آپ کو بھیج رہا ہوں۔ جس کا عنوان ہے'' آنحضرت ﷺ کا بول وبراز پاک تھا'' اس عنوان کے تحت انہوں نے احادیث نقل کی ہیں ان میں سے دو احادیث جن کو میں نے نشان زدہ کر دیا ہے، کا ترجمہ یہ ہے۔

(۱) ابویعلی، حاکم، دارقطنی، طبرانی اور ابونعیم نے سند کے ساتھ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے رات کے وقت مٹی کے پکے ہوئے ایک برتن میں پیشاب کیا، پس رات کو اٹھی، مجھے پیاس تھی، میں نے وہ پیالہ پی لیا، صبح ہوئی تو میں نے آپ ﷺ کو بتایا۔ پس آنحضرت ﷺ مسکرائے اور فرمایا تجھے پیٹ کی تکلیف کبھی نہ ہوگی اور ابویعلی کی روایت میں ہے کہ آج کے بعد تم پیٹ کی تکلیف کی شکایت کبھی نہ کروگی۔''

(۲) طبرانی اور بیہقی نے بسند صحیح حکیمہ بنت امیمہ سے اور انہوں نے اپنی والدہ حضرت امیمہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ کے یہاں لکڑی کا ایک پیالہ رہتا تھا۔ جس میں شب کو گاہ وبے گاہ پیشاب کر لیا کرتے تھے اور اسے اپنی چارپائی کے نیچے رکھ دیتے تھے۔ آپؐ ایک مرتبہ صبح کو اٹھے اس کو تلاش کیا تو وہاں نہیں ملا۔ اس کے بارے میں دریافت فرمایا

تو بتا دیا گیا کہ اس کو برہ نامی حضرت ام سلمہ کی خادمہ نے نوش کر لیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس نے آگ سے بچاؤ کے لیے حصار بنالیا۔

یہ دونوں روایتیں مستند ہیں اور محدثین کی ایک بڑی جماعت نے ان کی تخریج کی ہے اور اکابر امت نے ان واقعات کو بلا نکیر نقل کیا ہے اور انہیں خصائص نبویؐ میں شمار کیا ہے۔

امر دوم: حضور ﷺ کے فضلات کے بارے میں اکابر امت کی تحقیق

(۱) حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری باب الماء الذی یغسل بہ شعر الانسان (۱۔۲۷۲ مطبوعہ لاہور) میں لکھتے ہیں:

وقد تکاثرت الادلة علی طهارة فضلاته، وعد الائمة ذلک من خصائصه فلا یلتفت الی ما وقع فی کتب کثیر من الشافعیه مما یخالف ذالک، فقد استقر الامر بن ائمتهم علی القول بالطهارة٥

”حضور ﷺ کے فضلات کے پاک ہونے کے دلائل حد کثرت کو پہنچے ہوئے ہیں اور ائمہ نے اس کو آپ کی خصوصیات میں شمار کیا ہے، پس بہت سے شافعیہ کی کتابوں میں جو اس کے خلاف پایا جاتا ہے وہ لائق التفات نہیں کیوں کہ ان کے ائمہ کے درمیان طہارت قول ہی پر معاملہ آن ٹھہرا ہے۔

(۲) حافظ بدالدین عینی نے عمدۃ القاری (۲۔۳۵) مطبوعہ دار الفکر بیروت میں حضور ﷺ کے فضلات کی طہارت کو دلائل سے ثابت کیا ہے اور شافعیہ میں سے جو لوگ اس کے خلاف قائل ہیں ان پر بلیغ رد کیا ہے، اور صفحہ ۷۹ جلد ۲ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کا حضور ﷺ کے بول اور باقی فضلات کی طہارت کا قول نقل کیا ہے۔

(۳) امام نوویؒ نے شرح مہذب (۱۔۲۳۴) میں بول اور دیگر فضلات کے بارے میں شافعیہ کے دونوں قول نقل کر کے طہارت کے قول کو موجہ قرار دیا ہے وہ لکھتے ہیں:

حدیث شرب المرأة البول صحیح، رواه الدار قطنی، وقال: هو حدیث صحیح، وهو کاف فی الاحتجاج لکل الفضلات قیاساً الخ٥

(شرح مھذب ص ۲۳۴ ج ۱)

''عورت کے پیشاب پینے کا واقع صحیح ہے، امام دار قطنی نے اس کو روایت کر کے صحیح کہا ہے اور حدیث آپ ؐ کے فضلات کی طہارت کے استدلال کے لیے کافی ہے۔''

(۴) علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں:

صحیح بعض ائمة الشافعیه طهارة بوله ﷺ وسائر فضلاته وبه قال ابو حنیفه کما نقله فی المواهب اللدنیة عن شرح البخاری للعینی٥

(ردالمختار ۱:۲۱۸ مطبوعہ کراچی)

''بعض ائمہ شافعیہ نے آپ ﷺ کے بول اور باقی فضلات کی طہارت کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ بھی اسی کے قائل ہیں جیسا کہ مواہب لدنیہ میں علامہ عینیؒ کی شرح بخاری سے نقل کیا ہے۔''

(۵) ملا علی قاریؒ جمع الوسائل شرح الشمائل (۲۔۲ مطبوعہ مصر ۱۳۱۷ھ) میں اس پر طویل کلام کے بعد لکھتے ہیں:

قال ابن حجر: وبهذا استدل جمع من ائمتنا المتقدمین وغیرهم علی طهارة فضلاته ﷺ وهو المختار وفاقاً لجمع من المتاخرین فقد تکا ثرت الادلة علیه وعدة الائمة من خصائصه ﷺ.

(جمع الوسائل شرح الشمائل ص ۲ ج ۲ مصر ۱۳۱۷ھ)

''ابن حجر کہتے ہیں کہ ہمارے ائمہ متقدمین کی ایک جماعت اور دیگر حضرات نے ان احادیث سے آنحضرت ﷺ کے فضلات کی طہارت پر استدلال کیا ہے، متاخرین کی جماعت کی موافقت میں بھی مختار ہے، کیوں کہ اس پر دلائل بکثرت ہیں اور ائمہ نے اس کو آنحضرت ﷺ کے خصائص میں شمار کیا ہے۔''

(۶) امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

ثم مسألة طهارة فضلات الانبیاء توجد فی کتب المذاهب الاربعة٥

(فیض الباری ۱.۲۵۰)

''فضلات انبیاء کی طہارت کا مسئلہ مذاہب اربعہ کی کتابوں میں موجود ہے۔''

(۷) محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ لکھتے ہیں:

وقد صرح اهل المذاهب الاربعة بطهارة فضلات الانبياء الخ o(معارف السنن ۱.۹۸)

''مذاہب اربعہ کے حضرات نے فضلات انبیاء علیہم السلام کے پاک ہونے کی تصریح کی ہے۔''

الحمدللہ! ان دونوں نکتوں کی وضاحت تو بقدر ضرورت ہو چکی ہے، یہ واقعہ مستند ہے اور مذاہب اربعہ کے ائمہ فقہاء نے ان احادیث کو تسلیم کرتے ہوئے فضلات انبیاء علیہم السلام کی طہارت کا قول کیا ہے، اس کے بعد بھی اگر اعتراض کیا جائے تو اسے ضعف ایمان ہی کہا جا سکتا ہے۔

اب ایک نکتہ محض تبرعاً لکھتا ہوں، جس سے یہ مسئلہ قریب الفہم ہو جائے گا۔ حق تعالیٰ شانہٗ کے اپنی مخلوق میں عجائبات ہیں جن کا ادراک بھی ہم لوگوں کے لیے مشکل ہے۔ اس نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے بعض اجسام میں ایسی محیر العقول خصوصیات رکھی ہیں جو دوسرے اجسام میں نہیں پائی جاتیں۔

وہ ایک کیڑے کے لعاب سے ریشم پیدا کرتا ہے، شہد کی مکھی کے فضلات سے شہد جیسی نعمت ایجاد کرتا ہے، اور پہاڑی بکرے کے خون کو نافہ میں جمع کر کے مشک بنا دیتا ہے۔ اگر اس نے اپنی قدرت سے حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجسام مقدسہ میں بھی ایسی خصوصیات رکھی ہوں کہ غذا ان کے ابدان طیبہ میں تحلیل ہونے کے بعد بھی نجس نہ بلکہ اس سے جو فضلات ان کے ابدان میں پیدا ہوں وہ پاک ہوں تو کچھ جائے تعجب نہیں۔ اہل جنت کے بارے میں سبھی جانتے ہیں کہ کھانے پینے کے بعد ان کو بول براز کی ضرورت نہ ہوگی، خوشبودار ڈکار سے سب کھایا پیا ہضم ہو جائے گا اور بدن کے فضلات خوشبودار پسینے میں تحلیل ہو جائیں گے۔ جو خصوصیت کہ اہل جنت کے اجسام کو وہاں حاصل ہوگی اگر حق تعالیٰ شانہٗ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے پاک اجسام کو وہ خاصیت دنیا ہی میں عطا کر دیں تو بجا ہے، پھر جب کہ احادیث میں اس کے دلائل بکثرت موجود ہیں، جیسا کہ اوپر حافظ ابن حجرؒ کے کلام میں گذر چکا ہے تو انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو اپنے اوپر قیاس کر کے ان کا انکار کر دینا یا ان کے تسلیم کرنے میں تامل کرنا صحیح نہیں۔

اور اس پر چند مزید حوالوں کا اضافہ کرتا ہوں۔

(۱) امام بیہقیؒ نے سنن کبری میں کتاب النکاح کے ذیل میں آنحضرت ﷺ کے خصائص ذکر کیے ہیں اسی سلسلہ میں ایک باب کا عنوان ہے۔

"باب ترکه الا نکار علی من شرب بوله و دمه"

یعنی جن حضرات نے آپ کا بول ودم پیا ان پر آپ کا انکار نہ کرنا"

اور اس کے تحت تین واقعات سند کے ساتھ ذکر کئے ہیں، حضرت امیمہؓ کا واقعہ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا واقعہ اور حضرت سفینہؓ کا واقعہ ہے۔

(۲) اوپر ذکر کر چکا ہوں کہ امام حافظ نورالدین ہیثمیؒ نے بھی مجمع الزوائد میں ان واقعات کو خصائص نبویؐ میں ذکر کیا ہے۔

(۳) اور حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے خصائص کبریٰ میں یہ واقعات درج ذیل عنوان کے تحت ذکر فرمائے ہیں:۔

"باب اختصاصه صلی الله علیه وسلم بطهارة دمه وبوله وغائطه"

ترجمہ:۔یعنی آنحضرت ﷺ اس کی خصوصیات کا بیان کیا کہ آپ کے فضلات پاک تھے۔"

(۴) فقہ شافی کی کتاب "نهاية المحتاج" (۱۔۲۴۲) میں ہے:۔

وشمل كلامه نجاسة الفضلات من رسول الله ﷺ وهو ما صححاه وحمل القائل بذلک الاخبار التی یدل ظاهر ما للطهارة كعدم انكارة ﷺ شرب ام ايمن بوله على التداوى، لكن جزم البغوى وغيره بطهارتها، وصححه القاضى وغيره، ونقله المعرانى عن الخراسائين، وصححه السبكى والبارزى والزركشى، وقال ابن الرفعة: انه الذى اعتقده القى الله به، وقال البلقينى: ان به القتوى، وصححه القايانى قال: انه الحق، وقال الحافظ ابن حجر: تكاثرت لادله على ذلک وعده الائمه فى خصائصه، فلا يلتفت الى خلافه، ان وقع فى كتب كثير من الشافعية، فقد استقر ألامر من أئمتهم على القول بالطهارة، انتهى، وافتنى به الوالد رحمه الله تعالىٰ وهو المعتمدo (نهاية المحتاج ص۲۴۲ ج۱)

''اور مصنف کا کلام شامل ہے، آنحضرت ﷺ کے فضلات کو، اور دونوں حضرات (یعنی رافعیؒ اور نوویؒ) نے اس قول کی تصحیح کی ہے اور جو لوگ اس کے قائل ہیں انہوں نے ان احادیث کو جو بظاہر طہارت پر دلالت کرتی ہے، جیسے آنحضرت ﷺ کا ام ایمن کے شرب بول پر نکیر نہ کرنا، ان کو علاج پر محمول کیا ہے، لیکن امام بغوی وغیرہ نے قطعیت کے ساتھ فضلات نبوی کو پاک قرار دیا ہے اور قاضی وغیرہ نے اسی کو صحیح کہا ہے اور عمرانی نے خراسانیوں سے اس کو نقل کر کے صحیح قرار دیا ہے اور ام سبکی، بارزی اور زرکشی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ ابن رفعہ فرماتے ہیں کہ میں یہی عقیدہ رکھتا ہوں اور اسی پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گا، علامہ بلقینی فرماتے ہیں کہ اسی پر فتویٰ ہے اور قایانی نے اسی کو صحیح کہا ہے اور فرمایا ہے کہ یہی حق ہے اور حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس پر دلائل بکثرت ہیں اور ائمہ نے اس کو آنحضرت ﷺ کی خصوصیت میں شمار کیا ہے۔ پس اس کے خلاف کا قول لائق التفات نہیں۔ اگرچہ وہ بہت سے شافعیہ کی کتابوں میں درج ہوا ہے کیوں کہ ائمہ شافعیہ کے نزدیک معاملہ طہارت کے قول پر آٹھہرا ہے۔ میرے والد ماجد (شیخ شہاب الدین رملی) رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر فتویٰ دیا ہے اور یہی لائق اعتماد ہے۔

(۵) اور فقہ شافعی کی کتاب ''مغنی المحتاج'' (۱۔۷۹) میں ہے:

وھذہ الفضلات من النبی ﷺ طاھرۃ کما جزم بہ البغوی وغیرہ، وصححہ القاضی وغیرہ، افتی نہ شیخی خلافا لما فی الشرح الصغیر، والتحقیق من النجاسۃ لان برکۃ الحبشیۃ شربت بولہ ﷺ فقال: لن تلج النار بطنک، صححہ الدار قطنی، وقال ابو جعفر الترمذی: دم النبی ﷺ طاھر، لان اباطیبۃ شربہ وفعل مثل ذلک ابن الزبیر وھو غلام حین اعطاہ النبی ﷺ دم حجامتہ لیدفنہ فشربہ، فقال لہ النبی ﷺ من خالط دمہ دمی لم تمسہ النار''(مغنی المحتاج ص ۸۹ ج ۱)

''اور آنحضرت ﷺ کے یہ فضلات پاک تھے جیسا کہ امام بغوی وغیرہ نے قطعیت کے ساتھ یہ فیصلہ فرمایا ہے اور قاضی وغیرہ نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے اور میرے شیخ (شہاب رملی) نے اسی پر فتویٰ دیا ہے، بخلاف اس کے جو شرح صغیر اور تحقیق میں نجاست کے قول کا ذکر کیا ہے کیوں

کہ برکہ حبشیہ نے آنحضرت ﷺ کا بول نوش کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تیرا پیٹ آگ میں داخل نہ ہوگا۔ اس حدیث کو امام دار قطنیؒ نے صحیح کہا ہے ابوجعفر ترمذی فرماتے ہیں کہ آنحضرت کا خون پاک تھا کیوں کہ ابوطیبہ رضی اللہ عنہ نے اس کو نوش کیا اور حضرت ابن زبیرؓ نے بھی یہی کیا جب کہ وہ نوعمر لڑکے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ نے سینگیاں لگوا کر ان کو وہ خون دفن کرنے کے لیے دیا تو انہوں نے پی لیا۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے ان کو فرمایا کہ ''جس کے خون میں میرا خون مل گیا اس کو آتش دوزخ نہیں پہنچے گی۔''

(۶) فقہ مالکی کی کتاب منح الجلیل شرح مختصر الخلیل میں (۱۔۵۴) میں ہے:

الا الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام فضلتهم طاهرة ولو قبل بعثتهم لاصطفاء هم واستجاء هم كان للتنظيف والتشريع○

''آدمی کے فضلات ناپاک ہیں سوائے انبیاء علیہم السلام کے کہ ان کے فضلات پاک ہیں خواہ ان کی بعثت سے قبل ہو بوجہ ان کے برگزیدہ ہونے کے اور ان کو استنجاء کرنا تنظیف وتشریع کے لیے تھا۔''

اکابرامت کی اس قسم کی تصریحات بے شمار ہیں، ان کے مقابلہ میں تابش مہدی جیسے لوگوں کے رائے کی کیا قیمت؟ اس کا فیصلہ ہر شخص کرسکتا ہے اور جب یہ معلوم ہو چکا کہ طہارت فضلات آنحضرت ﷺ کی ایسی خصوصیت ہے جس پر بقول حافظ الدنیا ابن حجرؒ بکثرت دلائل جمع ہیں'' اور مذاہب اربعہ کے ائمہ ومحققین اس کے قائل ہیں تو اس مسئلہ پر عمومات سے استدلال کرنا صحیح نہیں۔ بلکہ قادیانیوں کی سی جہل آمیز حرکت ہے۔ وہ لوگ بھی عمومات سے استدلال کر کے حضرت عیسیٰؑ کی خصوصیت، بن باپ پیدائش اور رفع آسمانی کا انکار کرتے ہیں۔ افسوس ہے کہ تابش مہدی بھی بزعم خود قرآن سے استدلال کرتے ہوئے جہل مرکب کے اسی گڑھے میں گر رہے ہیں، جس میں ان سے پہلے بہت لوگ گر چکے ہیں۔

(۴) ہزار رکعت پڑھنے کا واقعہ

حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ نے ایک بزرگ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ ایک ہزار رکعت کھڑے ہوکر اور ایک ہزار رکعت بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے تابش مہدی ہمیں منٹوں کا حساب لگا کر بتاتے ہیں

کہ چوبیس گھنٹے کے محدود وقت میں یہ کیونکر ممکن ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور حضرات اولیاء اللہ کی کرامات کے واقعات کو محض عقلی ڈھکوسلوں اور ریاضی کے حسابات کے ذریعہ جھٹلانا عقلمندی نہیں، بلکہ عقلیت کا ہیضہ ہے۔ مسلمان جس طرح انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات کو برحق مانتے ہیں اسی طرح ان کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ:

کرامات الاولیاء حق — اولیاء اللہ کی کرامات برحق ہیں۔

جو خارق عادت امر کسی نبی برحق کے ہاتھ پر ظاہر ہو وہ ''معجزہ'' کہلاتا ہے اور جو کسی ولی اللہ کے ہاتھ پر ظاہر ہو اسے ''کرامت'' کہا جاتا ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ ''الفقہ الاکبر'' میں فرماتے ہیں:

''ولآیات للانبیاء والکرامات للاولیاء حق''

ترجمہ:۔ انبیاء کرام کے معجزات اور نشانات اور اولیاء کی کرامتیں برحق ہیں۔

شیخ علی قاریؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

ولآیات ای خوارق العادات المسماة بالمعجزات للأنبیاء والکرامات للأولیاء حق ای ثابت بالکتاب والسنة، ولا عبرة بمخالفة المعتزلة واھل البدعة فی انکار الکرامة، والفرق بینھما، ان المعجزة امر خارق للعادة کاحیاء میت واعدام جبل علی وفق التحدی وھو دعوی الرسالة ولکرامة خارق للعادة الا انھا غیر مقرونة بالتحدی وھو کرامة للولی وعلامة لصدق النبی فان کرامة التابع کرامة امتبوع ٥ (شرح فقہ اکبر ص ۹۵ مطبوعہ مجتبائی دھلی ۱۳۴۸ھ)

''انبیاء علیہم السلام کی آیات یعنی وہ خارق عادت امور جن کو معجزات کہا جاتا ہے اور اولیاء کی کرامات برحق ہیں اور معتزلہ اور اہل بدعت جو کرامت کے منکر ہیں، ان کی مخالفت کا کوئی اعتبار نہیں اور معجزہ و کرامت کے درمیان فرق یہ ہے کہ معجزہ اور خارق عادت امر ہے جو بطور تحدی یعنی دعوائے رسالت و نبوت کے ساتھ ہو، جیسے کسی مردہ کو زندہ کر دینا یا کسی جماعت کو ہلاک کر دینا اور کرامت خارق عادت امر کو کہتے ہیں مگر وہ تحدی ساتھ مقرون نہیں ہوتی اور (ایسا خارق عادت جو

کسی ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہو) وہ ولی کی کرامت ہے اور اس کے متبوع نبی کے سچے ہونے کی علامت ہے۔ کیوں کہ جو چیز تابع کے لیے شرف وکرامت ہو وہ اس کے متبوع کے لیے بھی شرف وکرامت ہے۔"

امام طحاویؒ اپنے عقیدہ میں (جو تمام اہلسنت کے یہاں مسلم ہے) لکھتے ہیں:

ونومن بما جآء من كرامتهم وصح عن الثقات من روايتهم"

"اور اولیاء اللہ کی کرامت کے جو واقعات منقول ہیں اور ثقہ راویوں کی روایات سے صحیح ثابت ہیں ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں۔"

اس کے حاشیہ میں محمد بن نافع لکھتے ہیں:

كرامات اولياء حق ثابتة بالكتاب والسنة وهي متواترة لا يكنرها الا اهل البدع كالمعتزلة ومن نحا نحوهم من المتكلمين، وقد ضلل اهل الحق من انكرها لانه ابا نكاره صادم الكتاب والسنة ومن عارضها وصادمهما برأيه الفاسد وعقله الكاسد فهو ضال مبتدع

(العقيده الطحاوية ص ٢٤ مطبوعه دائرة المعارف الاسلامية، آسيا آباد، بلوجستان)

"اولیاء اللہ کی کرامتیں برحق ہیں کتاب وسنت سے ثابت ہیں، اور یہ متواتر ہیں ان کے منکر صرف اہل بدعت ہیں جیسے معتزلہ قسم کے متکلمین اور اہل منکر کرامات کو گمراہ قرار دیتے ہیں، کیوں کہ وہ اپنے انکار سے کتاب وسنت سے ٹکراتا ہے اور جو شخص اپنی فاسد رائے اور کھوٹی عقل کے ذریعہ کتاب وسنت سے ٹکراؤ اور مقابلہ کرے وہ گمراہ اور مبتدع ہے۔"

عقیدہ نسفیہ میں اولیاء اللہ کی کرامات کی مثالیں ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

وكرامات الاولياء حق فتظهر الكرامة على طريق نقض العادة للولى من قطع المسافة البعيدة فى المدة القليلة وظهور الطعام والشراب واللباس عند الحاجة والمشى على الماء والطيران فى الهواء وكلام الجماد والعجماء اندفاع المتوجه من البلاء وكفاية الهم عن الاعداء وغير ذلك من الاشياء○ (شرح عقائد نسفی ص ۱۴۴ مابعد)

''اور اولیاء اللہ کی کرامات برحق ہیں، پس ولی کے لیے بطور خرق عادت کے کرامت ظاہر ہوتی ہے مثلاً قلیل مدت میں طویل مسافت طے کر لینا بوقت حاجت غیب سے کھانے، پانی اور لباس کا ظاہر ہو جانا، پانی پر چلنا، ہوا میں اڑنا، جمادات وحیوانات کا گفتگو کرنا، آنے والی مصیبت کا ٹل جانا، دشمنوں کے مقابلہ میں مہمات کی کفایت ہونا وغیرہ وغیرہ۔

معجزہ وکرامت کی ایک صورت یہ ہے کہ معمولی کھانا یا پانی بہت سے لوگوں کو کافی ہو جائے۔ احادیث میں اس کے متعدد واقعات مذکور ہیں اور اولیاء اللہ کے سوانح میں بھی یہ چیز تواتر کے ساتھ منقول ہے اور جس طرح معجزہ وکرامت کے طور پر کھانے پینے کی چیز میں خارق عادت برکت ہو جاتی ہے، اسی طرح وقت میں بھی ایسی خارق عادت برکت ہو جاتی ہے کہ عقل وقیاس کے تمام پیمانے ٹوٹ جاتے ہیں۔ ایسی خارق عادت برکت کی ایک مثال معراج شریف کا واقعہ ہے۔

چنانچہ حضور ﷺ جب معراج پر تشریف لے گئے تو طویل مسافت طے کر کے پہلے مکہ مکرمہ سے بیت المقدس پہنچے، وہاں انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت فرمائی پھر وہاں سے آسمانوں پر تشریف لے گئے اور آسمانوں سے بھی اوپر لا مکاں تک پہنچے۔ جنت و دوزخ کی سیر فرمائی اب اگر ان تمام امور کو عقل وقیاس کے پیمانوں سے ناپا جائے تو ان واقعات معراج کے لیے اربوں کھربوں سال کا عرصہ دراز ہے، لیکن قدرت خداوندی سے یہ سب کچھ رات کے ایک حصہ میں ہوا، اسی طرح اگر بطور خرق عادت اللہ تعالیٰ نے کسی مقبول بندے کے اوقات میں غیر معمولی برکت فرمادی ہو اور اس نے محدود وقت میں دو ہزار رکعتیں پڑھ لیں ہوں تو محض عقلی موشگافیوں کے ذریعہ انکار وہی شخص کر سکتا ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات کا اور حضرات اولیاء اللہ رحمہم اللہ کی کرامات کا منکر ہے اور جیسا کہ اوپر معلوم ہوا ایسا شخص زمرۂ اہل سنت سے خارج ہے۔

جناب تابش مہدی صاحب بزعم خود جرح وتنقید کے اسلحہ سے مسلح ہو کر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کے خلاف نبرد آزمائی کے لیے نکلے تھے، لیکن حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کی کرامت دیکھئے کہ وہ راہ بھول کر اہل باطل اور اہل بدعت کی صف میں جا کھڑے ہوئے ہیں۔

وہ شیفتہ کہ دھوم تھی حضرت کے زہد کی
میں کیا کہوں کہ رات مجھے کس کے گھر ملے

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور دیگر بہت سے اکابر کے کثرت عبادت کے واقعات تواتر کے ساتھ منقول ہیں، لیکن بہت سے عقلیت گزیدہ حضرات تابش مہدی کی طرح ان کو محض اپنی عقل کے زور سے رد کرتے ہیں اور شاید یہ بیچارے اپنی ذہنی وفکر پرواز کے لحاظ سے معذور ہیں کیوں کہ:

"فکر ہر کس بقدر ہمت است"

شپرہ چشم اگر آفتاب کے وجود کا انکار کرے تو اس کو معذور سمجھنا چاہیے لیکن جن لوگوں کو معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کا معاملہ ان کے خاص بندوں کے ساتھ وہ نہیں ہوتا جو ہم جیسوں کے ساتھ ہوا کرتا ہے، وہ ایسے واقعات کے انکار کی جرأت نہیں کرتے۔

تبلیغی جماعت کا فیضان ایک سوال کا جواب

(س) آپ کی خدمت اقدس میں ایک پرچہ بنام "تبلیغی جماعت احادیث کی روشنی میں" جو طیبہ مسجد کے مولانا نے کسی شخص ریاض احمد کے نام سے بٹوایا ہے پیش خدمت ہے اس میں منجملہ اور باتوں کے تیسری حدیث میں تحریر کیا ہے "انہیں جہاں پاناقتل کردینا قیامت کے دن ان کے قتل کا بڑا اجر وثواب ہے۔" (بخاری جلد۲ ص ۱۰۲۴)

ایک بات عرض خدمت ہے کہ واقعی بعض حضرات اس جماعت کے لیے بہت مشتعل ہو جاتے ہیں اور بجائے کسی اعتراض اور سوال کے جواب دینے کے یا قائل کرنے کے ہاتھا پائی اور حد یہ ہے کہ گالی گلوچ پر اتر آتے ہیں دوسرے یہ لوگ کافی حد تک صرف کتابیں پڑھنا اولین فرض سمجھتے ہیں مگر عملی زندگی میں اکرام مسلم وغیرہ سے تعلق نہیں، یہ سنی سنائی بات نہیں بلکہ میرا ذاتی مشاہدہ ہے۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ لوگ برسہابرس لگالیں گے مگر چھ نکات سے آگے نہیں نکلتے اور صرف تبلیغی نصاب ہی پڑھتے ہیں، قرآن پاک سے استفادہ نہیں کرتے جب کہ مسلمان کے لیے قرآن کریم ہی سب کچھ ہے جس کی تشریحات احادیث نبوی سے ملتی ہیں، ان سے

جب قرآن پاک کا ذکر کرو تو وہ کہتے ہیں صحابہؓ نے پہلے ایمان سیکھا پھر قرآن اور یہ لوگ برسہا برس لگانے کے بعد بھی ایمان سکھاتے رہتے ہیں قرآن پر کبھی نہیں آتے بلکہ کئی لوگ اس پر مشتعل ہو گئے اور لڑنے لگے۔ گو میں تبلیغی جماعت سے تقریباً ۱۰ سال سے منسلک ہوں مگر کچھ عرصے سے میرا دل اس جماعت سے ہٹ سا گیا ہے، خصوصاً اب اس پرچے کی روشنی میں بالکل دوراہے پر کھڑا ہوں۔

براہِ کرم رہنمائی فرمائیں، اب اس پر تفصیلی روشنی ڈالیں تاکہ میں فیصلہ کرسکوں کہ کون سا راستہ ٹھیک ہے اور یہ احادیث کن لوگوں کے لیے ہے؟

(ج) تبلیغی جماعت کے بارے میں جناب ریاض احمد صاحب کا جو اشتہار آپ نے بھیجا ہے اس قسم کی چیزیں تو میری نظر سے پہلے بھی گذرتی رہی ہیں ان کا تو براہِ راست تبلیغی جماعت پر نہیں بلکہ علمائے دیوبند پر اعتراض ہے جس کو وہ ''دیوبندی فتنہ'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ! حالانکہ حضرات علمائے دیوبند سے اللہ تعالیٰ نے دینی خدمات کا جو کام گزشتہ صدی میں لیا ہے وہ ہر آنکھوں والے کے سامنے ہے۔ جو احادیث شریفہ ریاض احمد صاحب نے نقل کی ہیں شراح حدیث کا اتفاق ہے کہ وہ ان خوارج کے متعلق ہیں، جنہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے زمانہ میں ان کے خلاف خروج کیا تھا اور وہ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور دیگر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نعوذ باللہ برے الفاظ سے یاد کرتے تھے، علماء دیوبند کا یا تبلیغی جماعت کا ان سے رشتہ جوڑنا، اور خوارج کے بارے میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں ان کو نہ صرف عام مسلمانوں پر بلکہ اکابر اولیاء اللہ (حضرت قطب العالم مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیعؒ، حضرت اقدس مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ، حضرت شیخ مولانا زکریا مہاجر مدنیؒ وغیرھم) پر چسپاں کرنا نہایت ظلم ہے۔

ان اکابر کی زندگیاں علم نبوت کی نشر و اشاعت اور ذکر الٰہی کو قلوب میں راسخ کرنے میں گذریں، تمام فتنوں کے مقابلہ میں یہ حضرات سینہ سپر رہے اور دین میں کسی ادنیٰ تحریف کو

انہوں نے کبھی برداشت نہ کیا، یہ حضرات خود اتباعِ سنت کے پتلے تھے اور اپنے متعلقین کو رسول اللہ ﷺ کے اخلاق و آداب پر مر مٹنے کی تعلیم دیتے تھے۔ جن لوگوں کو ان اکابر کی خدمت میں حاضری کی کبھی توفیق عطا نہیں ہوئی وہ بیچارے جو چاہیں کہتے پھریں، لیکن جن لوگوں کو خود برسہا برس تک ان اکابر کی خفی و جلی محفلوں میں حاضری میسر آئی ہو وہ ان کے تمام احوال و کوائف کے چشم دید گواہ ہوں ان کو معلوم ہے کہ یہ حضرات کیا تھے؟ بہر حال کفار و منافقین کے بارے میں جو آیات و احادیث آئی ہیں ان کو ان اولیاء اللہ پر چسپاں کرنا ظلم عظیم ہے اور یہ ظلم ان اکابر پر نہیں، کہ وہ تو جس ذات عالی کی رضا پر مر مٹے تھے اس کی بارگاہ میں پہنچ چکے ہیں، ان کو اب کسی کی مدح و ذم کا کوئی فائدہ یا نقصان نہیں، جو لوگ ان اکابر پر طعن کرتے ہیں وہ خود اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں اور اپنی جان پر ظلم کرتے ہیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروقِ اعظمؓ کو لوگ کیا کیا نہیں کہتے؟ مگر لوگوں کی بدگوئی کا ان اکابر کو کیا نقصان ہے؟ یہ دونوں اکابر آج تک صحبت نبویؐ کے مزے لوٹ رہے ہیں۔ لیکن بدگوئی کرنے والوں کو اس سے بھی عبرت نہیں ہوتی۔ یہی سنت اکابر دیوبند میں بھی جاری ہوئی۔ یہ اکابر حق تعالیٰ شانہٗ کی رضا و رحمت کی آغوش میں جا چکے ہیں اور ان کی بدگوئی کرنے والے مفت میں اپنا ایمان برباد کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے حال پر رحم فرمائیں۔ رہا آپ کا یہ سوال کہ تبلیغی جماعت والے کسی سوال کا جواب دینے کی بجائے ہاتھا پائی یا گالی گلوچ پر اتر آتے ہیں ممکن ہے آپ کو ایسے لوگوں سے سابقہ پڑا ہو، لیکن اس ناکارہ کو قریباً چالیس برس سے اکابر تبلیغ کو دیکھنے اور ان کے پاس بیٹھنے اور ان کی باتیں سننے کا موقع ملا رہا ہے۔ میرے سامنے تو کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا۔

اور آپ کا یہ ارشاد کہ تبلیغ والے چھ نمبروں سے نہیں نکلتے اور دین کی دوسری مہمات کی طرف توجہ نہیں دیتے، یہ بھی کم از کم میرے مشاہدے کے خلاف ہے، ہزاروں مثالیں تو میرے سامنے ہیں کہ تبلیغ میں لگنے سے پہلے وہ بالکل آزاد تھے اور تبلیغ میں لگنے کے بعد انہوں نے نہ صرف خود قرآن کریم پڑھا، بلکہ اپنی اولاد کو بھی قرآن مجید حفظ کرایا اور انگریزی پڑھانے کی بجائے انہیں دینی تعلیم میں لگایا، دینی مدارس قائم کئے، مسجدیں آباد کیں، حلال و

حرام اور جائز و ناجائز کی ان کے دل میں فکر پیدا ہوئی اور وہ ہر چھوٹی بڑی بات میں دینی مسائل دریافت کرنے لگے، بہت ممکن ہے کہ بعض کچے قسم کے لوگوں سے کوتاہیاں ہوتی ہوں، لیکن اس کی ذمہ داری تبلیغ پر ڈال دینا ایسا ہوگا کہ مسلمانوں کی بداعمالیوں کی ذمہ داری اسلام پر ڈال کر نعوذ باللہ اسلام ہی کو بدنام کیا جانے لگا۔ جس طرح ایک مسلمان کی بدعملی یا کوتاہی اسلام پر صحیح عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہے نہ کہ نعوذ باللہ اسلام کی وجہ سے اسی طرح کسی تبلیغ والے کی کوتاہی یا بدعملی بھی تبلیغ کے کام کو پوری طرح ہضم نہ کرنے کی وجہ سے ہوسکتی ہے، نہ کہ خود تبلیغی کام کی وجہ سے اور لائق ملامت اگر ہے تو وہ فرد ہے نہ کہ تبلیغ۔

آپ نے لکھا ہے کہ آپ تقریباً دس سال سے تبلیغ سے منسلک ہیں مگر اب آپ کا دل اس سے ہٹ گیا ہے، یہ تو معلوم نہیں کہ دس سال تک آپ نے تبلیغ میں کتنا وقت لگایا ہے تاہم دل ہٹ جانے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ تبلیغ جیسے اونچے کام کے لیے اصولوں اور آداب کی رعایت کی ضرورت ہے، وہ آپ سے نہیں ہوسکی۔ اس صورت میں آپ کو اپنی کوتاہی پر توبہ واستغفار کرنا چاہیے اور یہ دعا بہت ہی الحاح وزاری کے ساتھ پڑھنی چاہیے۔

اللھھم انی اعوذبک عن الحور بعدالکور، ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمة انک انت الوھاب"

(آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد ہشتم)

''فضائل اعمال'' پر اعتراضات۔ایک اصولی جائزہ

تمہید: حامداً ومصلیاً: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی شہرہ آفاق ومقبول ترین کتاب ''مجموعہ فضائل اعمال'' محتاج تعارف نہیں ہے،نو قیمتی کتابوں (حکایات صحابہؓ،فضائل نماز، فضائل قرآن مجید،فضائل رمضان،درود شریف،فضائل صدقات،فضائل حج) کا یہ مجموعہ ایک گنجینۂ علم معرفت اور مرقع درس عبرت ہے۔دلوں میں شریعت مقدسہ اور اس کے احکام کی عظمت کا سکہ بٹھانے میں ایک لاجواب کتاب ہے،دعوت اسلامی کا فریضہ انجام دینے والے ہر عالم وغیر عالم کے ہاتھ میں ایک روشن قندیل ہے،جس کی روشنی میں راستہ کے نشیب وفراز سے باخبر ہو کر دعوتی سفر تیز رفتاری کے ساتھ طے کیا جاسکتا ہے،بالخصوص ایک عالم اور صاحب تحقیق کو تو اس کتاب کے ذریعہ متعلقہ مضامین پر نصوص قرآن وحدیث اور اقوال وآثار کا ایک وافر مواد ہاتھ آ جانے کے علاوہ مشکل نصوص کے سمجھنے میں بے حد مدد ملتی ہے،کتاب کا ایک ایک لفظ،ایک ایک حرف نہ جانے اخلاص وللّٰہیت کی کس چاشنی میں ڈبویا ہوا ہے کہ جس نے بھی ایک بار چکھا دلدادہ وگرویدہ ہوئے بغیر نہ رہا،اور یہ امر واقعہ ہے کہ اس کتاب نے لاکھوں انسانوں کے دلوں میں انقلاب پیدا کر دیا اور بقول حضرت مولانا سید ابو الحسن ندوی رحمۃ اللہ:

''ان (کتب فضائل) سے جو دینی وعملی نفع پہنچا اس کے بارے میں ایک ممتاز معاصر عالم یہ کہنا مبالغہ آمیز نہیں معلوم ہوتا کہ ان کتابوں کے ذریعہ ہزاروں بندگان خدا ولایت کے درجہ تک پہنچ گئے۔''

(ایک عالمی وبین الاقوامی کتاب فضائل اعمال)

آخر تو کوئی وجہ ہے کہ نو اعمال پر مشتمل یہ مجموعہ:

1: آج دنیا کی اکتیس زبانوں میں اس کے ترجمے ہو چکے ہیں۔

سعودی عرب، ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، افغانستان، ایران، ازبکستان، برما، ملیشیا، انڈونیشیا، انگلینڈ، افریقہ، امریکہ، کناڈا، ترکی، جاپان، زامبیا، سری لنکا، فرانس، فلپائن، کمبوڈیا، کینیا، پرتگال جیسے تیئس ممالک کے ایک سو پینتالیس محققین اور اہل علم ''فضائل اعمال'' کے علمی وتحقیقی خدمت اور اس کو دیگر زبانوں میں منتقل کرنے میں مصروف کار ہیں۔(ایضاً:ص21)

(۳) صرف ہندو پاک کی حد تک چوہتر (74) اشاعتی ادارے اس کتاب کو مسلسل شائع کر رہے ہیں۔
(۴) اس لیے بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ مختلف زبانوں میں اس کے نسخوں کی مجموعی تعداد کروڑوں کے شمار سے باہر ہے۔

کتب فضائل پر ایک تاریخی نظر

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ کی اس کتاب کا موضوع کوئی نیا نہیں، بلکہ عام کتب حدیث کے علاوہ مستقل طور سے دوسری صدی ہجری (جب کہ حدیث نبوی کی باضابطہ تدوین ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی) میں آداب واخلاق، زہد ورقاق، اور فضائل وترغیب پر تصنیف کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور آج تک قائم ہے۔ کچھ تصنیفات حسب ذیل ہیں:

کتاب الزهد للام عبدالله بن المبارک (ت ۱۸۱ ھ)
فضائل القرآن للام الشافعی (ت ۲۰۴ ھ)
فضائل القرآن لابی عبید (ت ۲۲۴ھ)
کتاب الزهد للام احمد بن حنبل (ت ۲۴۱ھ)
الادب المفرد للام البخاری (ت ۲۵۶ ھ)
کتاب الاداب، کتاب الزهد، وفضائل الاوقات للام البهیقی (ت ۴۵۸ھ)
الترغیب والترهیب لابن شاهین (ت۳۸۵ ھ)
الترغیب والترهیب لابی القاسم اسماعیل بن محمد الاصفهانی (ت ۵۳۵ ھ)
الترغیب والترهیب للحافظ عبدالعظیم بن عبدالمقری المنذری (ت ۶۵۶ ھ)

اذکار اور دعاؤں میں

۱۲ ...... عمل الیوم واللیلة للنسائی (ت ۳۰۳ھ)
۱۳ ...... عمل الیوم واللیلة لابن الحسینی (ت۳۶۴ھ)
۱۴ ...... کتاب الدعاء للطبرانی (ت ۳۶۰ھ)
۱۵ ...... الدعوات الکبیر للبیهقی، الاذکار للنووی (ت ۶۷۶ھ)

درود شریف اور اس کے مخصوص صیغوں کے فضائل پر حافظ شمس الدین سخاوی (ت ۹۰۲ھ) کی

"القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع"

وغیرہ زیادہ مشہور ہیں۔

اسی سلسلۃ الذہب کی ایک نمایاں کڑی شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا مجموعہ "فضائل اعمال" ہے جو اردو زبان میں اپنی جامعت اور شرح وبسط کے اعتبار سے منفرد حیثیت رکھتا ہے۔

"مجموعہ فضائل اعمال" کی تالیف

یہ پوری کتاب جو "تبلیغی نصاب" یا "فضائل اعمال" کے نام سے مشہور ہے، حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے کسی منظم پروگرام کے پیش نظر تالیف نہیں فرمائی بلکہ مختلف ابواب وموضوعات پر یہ مختلف کتابیں ہیں، جو مختلف اوقات میں مختلف حضرات کے تقاضوں اور اصرار کے نتیجہ میں شیخ نے ترتیب دیں، ان کو جماعت تبلیغ کے ذمہ داران نے جماعتوں میں نکلنے والے احباب کی دینی تعلیم وتربیت کے واسطہ سے تجویز کردیا، اسی لیے اس مجموعہ کو بعض ناشرین نے "تبلیغی نصاب" کے نام سے شائع کردیا، بہت دنوں تک یہ نام چلتا رہا بعد میں اصل موضوع کی رعایت سے فضائل اعمال کے نام سے طبع ہونے لگا، ۹ کتابوں کے اس مجموعے کے مفردات کی تالیف اور محرکات کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

۱......فضائل قرآن مجید:

اوائل ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ میں اس کی تالیف شروع ہوئی اور ۲۹ ذی الحجہ ۴۸ھ کو مکمل ہوئی، حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ایک خلیفہ تھے شاہ یٰسین صاحب نگینوی، انہیں کے ایماء اور خواہش پر یہ کتاب تصنیف کی گئی۔

۲......فضائل رمضان:

یہ کتاب حضرت نے اپنے چچا جان مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ بانیٔ تحریک تبلیغ کی فرمائش پر رمضان ۱۳۴۹ھ میں تالیف فرمائی، اور تکمیل ۲۷ رمضان المبارک کو ہوئی۔

۳......فضائلِ تبلیغ:

یہ بھی چچا جان نور اللہ مرقدہٗ کے ارشاد پر لکھی گئی اور ۵ صفر شب دوشنبہ ۱۳۵۰ھ کو پوری ہوئی،

اس کی تالیف میں چند روز لگے۔

۴......حکایاتِ صحابہؓ:

صفر ۱۳۵۷ھ میں ''اجراڑہ'' جاتے ہوئے شیخ رحمہ اللہ کو میرٹھ میں شدید نکسیر پھوٹی اور تقریباً دو گھنٹے خون بہہ گیا، ڈاکٹروں اور حکیموں نے آپ کو چند ماہ تک دماغی کام کرنے سے بالکل منع کر دیا، ادھر تقریباً چار برس سے حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ کی طرف سے ''حکایاتِ صحابہؓ'' کی تالیف کا تقاضا تھا، شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس بیماری کے زمانہ کو غنیمت جان کر تعمیل ارشاد میں پڑے پڑے کچھ لکھتا رہا اور ۱۲ شوال ۵۷ھ کو پوری ہوگئی۔''

۵......فضائل نماز:

یہ بھی چچا جان نور اللہ مرقدہٗ کے حکم کی تعمیل میں لکھی گئی اور ۷ محرم ۱۳۵۸ھ شب دوشنبہ میں پوری ہوئی۔

۶......فضائل ذکر:

یہ بھی چچا جان قدس سرہ ہی کی تعمیل ارشاد میں لکھی گئی اور ۲۶ شوال ۱۳۵۸ھ شب جمعہ کو پوری ہوئی۔

۷......فضائلِ حج:

حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب رحمہ اللہ کے شدید اصرار اور تقاضے پر یہ کتاب تالیف فرمائی، ۳ شوال ۱۳۶۶ھ کو اس کی ابتدا ہوئی اور ۱۴/ جمادی الاولیٰ ۶۷ھ بروز جمعہ اس سے فراغت ہوئی، اصل کتاب کی تالیف مرکز نظام الدین میں ہی رہ کر ہوئی، کیوں کہ ۴۷ھ کے قیامت خیز ہنگامہ کی وجہ سے شیخ کو چار ماہ مرکز نظام الدین میں محبوس ہونا پڑا تھا، شیخ فرماتے ہیں: ''نفس رسالہ سے فراغت تو شوال ہی میں ہوگئی تھی لیکن کچھ حکایات کا اضافہ سہارن پور واپسی پر ہوا۔'' اس رسالہ کی مقبولیت و افادیت اتنی بڑھی کہ شیخ فرماتے ہیں: ''ہزاروں خطوط اس نوع کے پہنچے کہ اس رسالہ سے حج و زیارت میں بہت لطف آیا۔''

۸......فضائل صدقات:

حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ کی جانب سے دو کتابوں کے لکھنے کی تاکید تھی، ایک فضائل

زکوٰۃ اور دوسری فضائل تجارت، چنانچہ فضائل حج کی تکمیل کے بعد مرکز نظام الدین ہی میں شیخ نے فضائل صدقات کی بسم اللہ کردی، جو ۲۲ صفر ۱۳۶۸ھ کو سہارن پور میں مکمل ہوئی۔

۹..... فضائل درود:

فضائل کے سلسلے کا یہ آخری رسالہ ہے اسے بھی شیخ نے شاہ یٰسین نگینوی کی فرمائش اور خواہش پر تکمیل میں رقم فرمایا، شاہ صاحب کا انتقال تو ۳۰ شوال ۱۳۶۰ھ میں ہی ہوگیا تھا، لیکن آپ نے وصیت کی تھی کہ میرے انتقال کے بعد بھی مولانا زکریا سے اس کتاب کے لکھنے کا تقاضا جاری رکھا جائے۔ شیخ فرماتے ہیں:

''مگر بداعمالیوں نے مہلت نہ دی لیکن ۱۳۸۴ھ میں مدینہ پاک حاضری پر شدت سے اس کا تقاضا شروع ہوا، واپسی پر بھی تسائل ہوتا رہا اور ۲۵ رمضان ۸۴ھ کو بسم اللہ کر ہی دی اور ۶ ذی الحجہ ۸۴ھ کو دفعۃً ختم کردی۔'' (آپ بیتی نمبر:۲۔ص:۱۷۸)

اللہ تعالیٰ نے ان کتب فضائل کو وہ مقبولیت عطا فرمائی کی محتاج بیان نہیں اور موافق ومخالف ہر ایک کو تسلیم ہے کہ کوئی بھی دینی کتاب اس کثرت سے نہیں پڑھی جاتی، جتنے کہ یہ رسائل پڑھے اور سنے جاتے ہیں، جس کی کچھ تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

دنیا کی ریت ہے کہ ہر پھلدار درخت پر ڈھیلے مارے جاتے ہیں، سورج جو اپنی بھرپور ضیاء پاشی سے عالم کو منور کرتا ہے، شپرہ چشم کو اس کی تابانی یکسر ناقابل برداشت ہوتی ہے، چنانچہ اس کتاب پر بھی مختلف حلقوں کی جانب سے اعتراضات کی بوچھاڑ ہوئی، طرح طرح کی نکتہ چینیاں کی گئیں، ہمیں اس حقیقت سے قطعاً انکار نہیں کہ روئے زمین پر خدا کی کتاب کے علاوہ کوئی کتاب نقص وخلل سے محفوظ نہیں، بڑے بڑے اصحاب علم سے ان کی گراں قدر تصنیفات میں کچھ نہ کچھ فروگذاشتیں ہوئی ہیں جو کتاب کی گوں ناگوں خوبیوں کے بالمقابل نہ کچھ حیثیت رکھتی ہیں اور نہ ہی علمی حلقوں نے کوئی حیثیت دی ہے۔

خلاصہ بحث

اس مقالہ میں اعتراضات کی بنیادی طور پر تین قسمیں قرار دی گئی ہیں۔

۱۔ اشکالات جو کسی طالب حق کو پیش آتے ہیں اور اہل علم سے رجوع کرنے پر تھوڑی بہت وضاحت سے ختم ہو جاتے ہیں، ظاہر ہے یہ اشکالات مستقل موضوع بحث بنانے کے لائق نہیں، اور نہ ہی ان اشکالات کا کوئی دیرپا اثر ہوتا ہے۔

۲۔ وہ اعتراضات جن کا تعلق اس عقلیت پسندانہ رجحان سے ہے، جو تمام ہی نسوص حدیث کو اپنی نام نہاد عقل سلیم کے خلاف قرار دے کر یا اپنی عقل نارسا کے بموجب قرآن سے معارض قرار دیتے ہوئے ٹھکرا دینے کا قائل ہے، خواہ ثبوت و استناد کے اعتبار سے ان کی حیثیت کتنی ہی مضبوط ہو اور خواہ علماء امت نے اس کی کتنی ہی معقول توجیہات کی ہوں، چنانچہ اس کی کئی ایک مثالیں دے کر اختصار کے ساتھ مدلل طور سے اعتراض کو دفع کیا گیا ہے۔

۳۔ وہ تنقیدات جن کی حیثیت علمی ہے اور ان میں بعض پہلوؤں سے وزن بھی محسوس کیا جاتا ہے، ان تنقیدات کا محور یہ ہے کہ مجموعہ ''فضائل اعمال'' میں شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے کثرت سے ضعیف بلکہ موضوع حدیثوں کو داخل کر دیا ہے، جس سے اصل دین کی شبیہ مسخ ہو کر رہ گئی ہے۔

اس طرح کی تنقیدات کے جواب کو اصولی طور پر تین نکتوں پر تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔ مجموعہ فضائل اعمال کی معتبریت اس کے مصادر و مآخذ کے آئینے میں کیا ہے؟

۲۔ حدیثوں سے استدلال و استشہاد کے وقت کیا اصلاحی اعتبار سے ان کا صحیح ہونا ضروری ہے یا اس سے کم تر درجہ کی حدیثیں بھی کافی ہیں؟ اگر ہیں تو کس حد تک؟ علمائے امت کا کیا معمول رہا ہے؟

۳۔ ترغیب و ترہیب کے باب میں نصوص قرآن وسنت کے علاوہ بزرگوں کے اقوال، افعال، حکایات اور منامات و مبشرات کا سہارا لینا درست ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس حد تک؟

پہلے نکتے میں ثابت کیا گیا ہے کہ شیخ رحمہ اللہ نے جن کتابوں اور مآخذ کی مدد سے یہ رسائل مرتب فرمائے ہیں وہ علاوہ چند ایک کے، سب بجائے خود قابل اعتماد اور اہل علم کے درمیان مقبول و مستند قرار دی جاتی رہی ہیں اور جو مآخذ غیر مستند ہیں، ان سے استفادہ کی نوعیت بھی واضح کر دی گئی ہے، جس سے فضائل اعمال کی معتبریت متاثر نہیں ہوتی۔

دوسرے نکتے میں ٹھوس دلائل کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے کہ حدیثوں سے استدلال کے لیے ان کا اصلاحی اعتبار سے صحیح یا حسن ہونا ضروری نہیں، بلکہ ضعیف حدیث بھی کافی ہوتی ہے، باب احکام

میں بھی اور فضائل، مناقب، سیر اور ترغیب وترہیب میں بھی۔

پھر باب احکام میں اس کا اعتبار کیے جانے پر چاروں مذاہب کے فقہاء کرام، محدثین اور ظاہر یہ سب کی تصریحات پیش کی گئی ہیں۔

باب احکام کے ۔۔۔ میں ضعیف حدیث پر عمل کرنے اور بیان کرنے کے جواز پر امت کا اجماع اہل علم کی عبارتوں اور ان کے طرز عمل سے ظاہر کیا گیا ہے، حتیٰ کہ جن بڑے اہل علم کی جانب اس سلسلہ میں اختلاف منسوب کیا جاتا ہے ان کی آراء بھی جمہور کے مطابق ہیں اور اس پر مضبوط ثبوت پیش کیے گئے ہیں، مثلاً امام بخاری، مسلم، یحیٰ بن معین، ابوبکر بن عربی، ابوشامہ مقدسی، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور علامہ شوکانی ان حضرات کا مذہب بھی جمہور کی طرح غیر احکام میں ضعیف حدیث کے قابل قبول ہونے کا ہے۔

خصوصیت سے امام بخاری و مسلم کے صحیحین میں ان کے طرز عمل سے بھی یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے اور اس کی مثالیں بھی پیش کی گئی ہیں۔

اس ضمن میں ''فضائل اعمال'' میں ضعیف حدیث سے استدلال وعمل کے شرائط پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اور محدثین وفقہائے امت کے طرز عمل سے واضح کیا گیا ہے کہ ضعیف حدیث کی استدلالی حیثیت پر گفتگو کے وقت فضائل اعمال کا اطلاق یہ حضرات ایسے موقع پر کرتے ہیں، جہاں کوئی مخصوص عمل کسی دلیل صحیح یا حدیث حسن سے ثابت نہ ہو۔ بلکہ صرف کسی ضعیف حدیث میں اس کی فضیلت یا ترغیب وارد ہوئی ہو، چنانچہ چند شرائط کے ساتھ اس عمل کو مستحب قرار دیتے ہیں اور ترغیب وترہیب کا اطلاق ایسے موقع پر کرتے ہیں جہاں کوئی عمل پہلے سے دلیل صحیح سے ثابت نہ ہو، البتہ کسی ضعیف حدیث میں اس کی مخصوص فضیلت وغیرہ وارد ہوئی ہو تو اس میں ضعیف سے ضعیف حدیث بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے، بشرطیکہ موضوع نہ ہو۔

اس کے بعد باب ترغیب وترہیب میں ضعیف (بلکہ بعض وہ حدیثیں جن پر بعض حضرات نے موضوع تک کا حکم لگایا ہے) کے بیان کرنے او ۔ تدلال کرنے کا تعامل مشہور ائمہ محدثین اور ناقدین کے حوالہ سے دکھایا گیا ہے، ان میں خصوصیت سے ابن جوزی، منذری، نووی، ذہبی، ابن حجر عسقلانی، سیوطی، ابن قیم رحمۃ اللہ قابل ذکر ہیں، جنھوں نے ترغیب وترہیب کے لیے انتہائی درجہ کی ضعیف حدیثوں کو اپنی کتابوں میں بطور استدلال پیش کیا ہے، اس کی چند ایک مثالیں بھی پیش کی گئی ہیں، لہٰذا اگر شیخ نے بھی انتہائی ضعیف حدیثیں

اس مقصد کے لیے پیش کردیں، تو طریقۂ محدثین سے جداگانہ کوئی طریقہ اختیار نہیں کیا۔

تیسرے نکتے میں واضح کیا گیا ہے کہ عبرت پذیری کے لیے قصے کہانیوں کا بیان کرنا کوئی قبیح عمل نہیں ہے، جس کے شیخ مرتکب ہوئے ہوں، بلکہ شریعت مطہرہ اور حدیث نبوی کی روشنی میں ان قصوں کا ذکر کرنا دائرہ جواز میں آتا ہے، ضمناً بعض قصوں کے استبعادی پہلو پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

(مولانا عبداللہ معروفی استاذ دارالعلوم دیوبند)

اعتراضات اور ان کی حیثیت

اس کتاب پر جو اعتراضات ہوئے ان کی جزئیات میں جانے کا موقع نہیں، اصولی طور سے کچھ معروضات پیش خدمت ہیں، ان اعتراضات کی تین قسمیں ہیں:

نمبرا:...... وہ اشکالات جو کسی طالب حق کو پیش آتے ہیں اور اس کا ذہن تھوڑی بہت وضاحت سے صاف ہوجاتا ہے، حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی وضاحتی خطوط کے مجموعہ "کتب فضائل پر اشکالات اور ان کے جوابات" میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً دیکھئے مکتوب نمبر:۱۱، جس میں حضرت امام شافعیؒ کے متعلق دن رات میں قرآن کریم کے ساٹھ ختم کرنے کی بات پر استبعاد کا جواب دیا گیا اور مکتوب نمبر:۱۲...... جس میں منبر نبویؐ کے متعلق اس استفسار کا جواب ہے کہ آنحضرت ﷺ کا منبر تین درجوں کا تھا یا اس سے کم وبیش کا۔

نمبر۲:...... وہ اعتراضات جن کا تعلق اس عقلیت پسندانہ رجحان سے ہے جو تمام ہی نصوص حدیث کو اپنی نام نہاد عقل سلیم کے خلاف قرار دے کر یا اپنی عقل نارسا کے بموجب قرآن سے معارض قرار دیتے ہوئے ٹھکرا دینے کے قائل ہیں، خواہ ثبوت واستناد کے اعتبار سے ان کی حیثیت کتنی ہی مضبوط ہو اور خواہ علمائے امت نے اس کی کتنی ہی معقول توجیہات کی ہوں، جیسے:

(1)...... فضلات نبی ﷺ کی طہارت پر اعتراض، جناب تابش مہدی نے "تبلیغی نصاب ایک مطالعہ" (ص: ۳۵ تا ۳۹) میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت مالکؓ بن سنان کے رسول اللہ ﷺ کے نکلے ہوئے خون کو پینے یا چوسنے کے واقعہ اور اس سے فضلات نبی ﷺ کی طہارت پر شیخ کے استدلال کا بڑے گھناؤنے انداز میں مذاق اڑایا ہے، حالاں کہ اولاً تو ثبوت کے اعتبار سے اس طرح کے واقعات

میں شک کی گنجائش نہیں ہے کہ حضرت ابن الزبیرؓ کا واقعہ متعدد سندوں سے مروی ہے۔ (دیکھئے: مستدرک حاکم ۳۔۵۵۴ مجمع الزوائد ۸۔۲۷۰)

امام بیہقیؒ نے سنن کبریٰ (۷۔۶۷) میں فرمایا:

"وروی ذلک من اوجسه اخسر عن اسماء بنت ابی بکر، وعن سلمان فی شرب ابن الزبیر دمه" حافظ ہیثمیؒ نے فرمایا: "رواه الطبرانی والبزار، ورجال البزار رجال الصحیح غیر هنید بن القاسم وهو ثقة، حافظ شمس الدین ذهبی نے بھی" سیر اعلام النبلاء" (۳/۳۶۶)

میں اس پر صحت کا حکم لگایا ہے۔

اسی طرح حضرت مالک بن سنان کا واقعہ ابن حجر رحمہ اللہ نے الاصابہ (۳/۳۴۶) میں ابن ابی عاصم، صحیح ابن السکن اور سنن سعید بن منصور کے حوالے سے نقل کی ہے، لیکن بے چارے ناقد نے حکایات صحابہؓ میں صرف تاریخ الخمیس اور قراۃ العیون کا حوالہ پا کر اس کو "میلاد گوہر" اور "یوسف زلیخا" جیسی کتاب کی روایت قرار دے دیا۔

نیز آیت قرآنی

(انما حرم علیکم المیتة والدم......الخ)

کے منافی قرار دیتے ہوئے عقل صریح کے بھی خلاف قرار دیا ہے حالاں کہ روایات کی قوت کو دیکھتے ہوئے مذاہب اربعہ کے محققین نے اس کا حضور ﷺ کی خصوصیت قرار دیا ہے۔ آیت کریمہ کا کوئی ٹکراؤ نہیں ہے سرے سے اس مسئلہ پر تفصیلی ومحققانہ کلام کے لیے دیکھئے مضمون مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ ماہنامہ بینات کراچی بابت ماہ شوال ۱۴۰۹ھ۔

(2)......مسئلہ توسل میں حد درجہ افراط وتفریط پایا جاتا ہے، ادلۂ شرعیہ کی روشنی میں علمائے دیوبند نے جو مؤقف اختیار کیا ہے وہ انتہائی معتدل ہے، حضور ﷺ کے وسیلے سے دعا کے جواز کے سلسلہ میں حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے فضائل اعمال میں جو کچھ لکھا ہے افراط وتفریط سے محفوظ اور مضبوط دلائل پر مبنی ہے، "فضائل ذکر" باب دوم کی فصل نمبر ۳ میں حدیث

"عن عمرؓ قال قال رسول الله ﷺ لما اذنب آدم الذنب الذی اذنبه، رفع

راسه الی السماء، فقال اسئلک بحق محمدالا غفرت لی، فاوحی الله الیه ......الخ"
متعدد کتب احادیث کے حوالے اور کئی ایک متابعات وشواہد کے ساتھ درج ہے، جس سے مسئلہ توسل بخوبی ثابت ہوتا ہے۔

مگر کوئی صاحب غیظ وغضب میں بھرا ہوا خط شیخ کو لکھتے ہیں کہ یہ حدیث سراسر موضوع ہے، قرآن کریم کی آیات

"وقال ربکم ادعونی استجب لکم ......الخ (مؤمن ۶۰)

"واذا سالک عبادی عنی فانی قریب"

وغیرہ کے منافی ہے اور عقل کے بھی خلاف ہے کہ اس دعا سے اللہ کے متعلق سوئے ظن پیدا ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ شیخ رحمہ اللہ نے نہایت ٹھنڈے انداز میں تفصیلی جواب مرحمت فرمایا کہ آپ کو تو قرآن وحدیث میں کھلا ہوا تعارض نظر آتا ہے اور مجھے اس کا واہمہ بھی نہیں ہوتا، آپ نے لکھا کہ حدیث موضوع ہے، مجھے اب تک بھی اس حدیث کا موضوع ہونا کہیں نہیں ملا۔ مسئلہ کے متعلق مزید تسلی وتشفی کے لیے دیکھئے وضاحتی خطوط کا مجموعہ (کتب فضائل پر اشکالات اوران کے جوابات ص ۱۳۹ تا ۱۵۴، نیز ص ۱۷۰ تا ۱۷۴)

(۳)......وہ تنقیدات جن کی حیثیت علمی ہے اوران میں بعض پہلوؤں سے وزن بھی محسوس کیا جاتا ہے، ان تنقیدات کا محور مجموعہ "فضائل اعمال" کی حدیثوں کی استنادی حیثیت ہے۔ یعنی ناقدین کے بقول شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے ان رسائل میں کثرت سے ضعیف بلکہ موضوع حدیثوں کو داخل کردیا ہے، جس سے اصل دین کی شبیہ مسخ ہو کر رہ گئی ہے۔

آخر الذکر دونوں قسم کی تنقیدات عموماً مخلصانہ تنقید کی بجائے ایسے لوگوں کی جانب سے کی گئی ہیں، جو مؤلف رحمہ اللہ سے مسلکی اختلاف رکھتے ہیں، چنانچہ ان کی تنقیدات حد درجہ جارحانہ ہیں، اپنے نظریہ کے خلاف احادیث پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کے بجائے ان کی طرف سے کتاب، مصنف اور کتاب سے استفادہ کرنے والوں پر کھل کر تہمتوں کی بوچھاڑ کی گئی ہے۔

(۱) ملاحظہ ہو ایک ناقد کا لب ولہجہ

— واهم كتاب عند التلغيين كتاب "تبليغی نصاب" الذی الفه رئوسائهم

المسمىّ محمد زكريا الكاندهلوى، ولهم عناية شديدة بهذالكتاب، فهم يعظمونه كما يعظم اهل السنة، "الصحيحين" وغيرهما من الكتب، وقدجعل التبليغيون هذا الكتب عمدة، ومرجعاًللهنود وغيرهم من الاعاجم التابعين لهم، وفيه من الشركيات، والبدع، والخرافات، والاحاديث الموضوعة، والضعيفة شيء كثير، فهو في الحقيقه كتاب شر و ضلال وفتنة" (محمود بن عبدالله التويجرى فى كتابه "القول اللبلغ فى التحذير من جماعة التبليغ ص: ۱۱)

یعنی تبلیغی جماعت والوں کے نزدیک اہم ترین کتاب تبلیغی نصاب (مجموعہ فضائل اعمال) جس کو محمد زکریا نامی ان کے کسی پیشوا نے تالیف کیا ہے، یہ لوگ اس کتاب کی اسی طرح تعظیم کرتے ہیں، جس طرح اہل سنت صحیحین وغیرہ کتب حدیث کی کرتے ہیں، ان لوگوں نے اس کتاب کو ہندوستانیوں اور دوسرے عجمی وابستگان تبلیغ کے حق میں اصل مدار اور مرجع کی حیثیت دے رکھی ہے، جب کہ اس کتاب میں مشرکانہ اعمال، بدعات وخرافات اور ضعیف وموضوع حدیثوں کی ایک بڑی مقدار ہے، درحقیقت یہ کتاب برائی، گمراہی اور فتنہ کا پلندہ ہے۔

(۲) ملاحظہ ہو ایک اور صاحب کی گل افشانی

''یہودیوں کی سازش یہ رہی ہے کہ وہ عالمی سطح پر مسلمانوں کے اندر سے روح جہاد ختم کردیں، اپنے اس مقصد کی تکمیل کے یہودی مشن نے ہر دور میں علماء اور مذہبی جماعتوں کو ہی استعمال کیا اور مسلمانوں کے اندر سے روح جہاد کو ختم کرنے میں اب تک کے تمام لٹریچر میں تبلیغی نصاب کو نمایاں مقام حاصل ہے، یہ اس لیے بھی کہ لوگ اسے حدیث کی کتاب کہنے لگے ہیں، جب کہ حدیث نام کی کوئی چیز اس میں مشکل ہی سے مل پاتی ہے۔'' (تبلیغی نصاب ایک مطالعہ، ص: ۵۷ از تابش مہدی)

(۳) یہی صاحب ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

''حضرت شیخ الحدیث صاحب نے اپنی کتاب میں بے سند اور دین سوز روایتیں نقل کی ہیں، یا انہوں نے چند ایسے مشاغل دین میں شامل کیے ہیں جن کا ثبوت نہ احادیث نبوی سے ملتا ہے اور نہ صحابہ کرامؓ کی مقدس زندگیوں سے۔'' (ایضاً ص: ۶۷)

(۴) ایک ناقد صاحب قدرے ٹھنڈے لب ولہجہ میں ناصحانہ تبصرہ یوں فرماتے ہیں:

''ایسی حدیثوں کو عوام کے سامنے پیش کر کے یہ تاثر دینا کہ ارشادات رسولؐ ہیں، دین کے لیے کمزور بنیادیں تلاش کرنے، اور لوگوں کی نظروں میں دین کو مشتبہ بنا دینے کا باعث ہے، اس سے بدعات کی راہیں کھلتی ہیں، ملت کے اندر تفرقہ بندی اور طرح طرح کے فتنوں کا سامان ہوتا ہے۔'' (موضوع اور ضعیف حدیثوں کا چلن۔ ص: ۱۲۰۔ ز شمس پیرزادہ)

بات چاہے کتنی ہی غلط ہو، آج کی پر آشوب دنیا پروپیگنڈے کے زور سے غلط یا صحیح باور کرانے میں کسی نہ کسی حد تک کامیاب ہو ہی جاتی ہے، ہمارے نزدیک ان تنقیدات کی حیثیت سوائے تشکیکات کے اور کچھ نہیں اور یہ تشکیکات عام قاری کے سامعہ ودماغ میں جب تسلسل کے ساتھ پہنچتی ہیں تو وہ ایک حد تک ضرور متاثر اور غلط فہمی کا شکار ہوتا ہے، اس لیے ہم اصولی طور پر کچھ غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے کی کوشش کریں گے۔

ہمارے سامنے غور وخوض کے تین نکتے ہیں

(۱) ''مجموعہ فضائل اعمال'' کی معتبریت اس کے مصادر وماخذ کے آئینے میں کیا ہے؟

(۲) حدیثوں سے استدلال واستشہاد کے وقت کیا اصلاحی اعتبار سے ان کا صحیح ہونا ضروری ہے، یا اس سے کم تر درجہ کی حدیثیں بھی کافی ہیں؟ اگر ہیں تو کس حد تک؟ علمائے امت کا کیا معمول رہا ہے؟

(۳) ترغیب وترہیب کے باب میں نصوص قرآن وسنت کے علاوہ بزرگوں کے اقوال، افعال، حکایات اور منامات ومبشرات کا سہارا لینا درست ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس حد تک؟

پہلا نکتہ:

پوری کتاب پر سرسری نظر ڈالنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ براہ راست جن مصادر وماخذ سے حضرت شیخ نے استفادہ کیا ہے، ان کی تعداد ایک سو سے متجاوز ہے، کسی بھی باب کا آغاز ان قرآنی آیات سے فرماتے ہیں، جن سے زیر بحث موضوع پر صراحتاً، دلالتاً، یا اشارتاً روشنی پڑتی ہو، پھر مختلف کتب تفسیر وغیرہ کی ورق گردانی کے بعد ان کی مناسب تشریح وتوضیح فرماتے ہیں، اس سے زیادہ تر اعتماد تفسیر ابن

کثیر اور حافظ سیوطی کی الدر المنثور پر ہوتا ہے، جو تفسیری روایات کے اہم و مستند مجموعے ہیں۔ پھر احادیث کے انتخاب میں عموماً درج ذیل کتابوں پر اعتماد فرماتے ہیں:

ا۔۔۔۔۔الترغیب والترہیب للحافظ عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری (ت ٦٥٦ ھ) شروع سے آخر تک دیکھتے جایئے سب سے زیادہ حدیثیں اسی کتاب سے شیخ نے لی ہیں، اس لیے ''فضائل اعمال'' کی کسی حدیث پر تنقید جو ترغیب منذری سے ماخوذ ہو، درحقیقت حافظ منذری رحمہ اللہ پر تنقید ہوگی۔

حافظ منذری کی حدیث میں مہارت تامہ کی تعریف حافظ ذہبیؒ نے کی ہے، منذری کے شاگرد حافظ عزالدین الحسینی (ت ٦٩٥ ھ) کی زبانی ان کے مقام و مرتبہ کو سنیے، فرماتے ہیں:

''کان عدیم النظیر فی معرفة علم الحدیث علی اختلاف فنونه، عالماً بصحیحه، وسقیمه ومعلومه، متبحراً فی معرفة احکامه ومعانیه ومشکله، قیما بمعرفة غریبه واعرابیه، واختلاف الفاظه، ماهراً فی معرفة رواته وجرحهم وتعلیهم ووفیاتهم ومواليدهم واخبارهم، اماماً حجة، ثبتاً، ورعاً، متحریاً، فیما یقوله وینقله، مشتباً فیما یرویه ویتحمله اه''(مقدمة جواب الحافظ المنذری للاستاذ الشیخ ابو غدة، ص ٢٩ نقلاً عن کتاب ''المنذری وکتابه التکلمة لوفیات النقلیه للدکتور بشار عواد)

یعنی تمام علوم حدیث کی معرفت میں اپنی نظیر آپ تھے، حدیثوں میں صحیح، ضعیف، معلل کے شناور تھے، حدیثوں کے معنی، ان کے مدلول فقہی، مشکل کلمات کے ضبط، متعارض ومختلف الفاظ حدیث میں تطبیق وترجیح کے ماہر، راویان حدیث کی جرح وتعدیل، ان کے حالات، ولادت و وفات کی معرفت تامہ رکھتے تھے، بذات خود ثقہ، حجت اور متقی تھے، جو کچھ نقل کرتے، پوری چھان پھٹک کے بعد کرتے۔

ترغیب وترہیب میں مصنف نے (30) امہات کتب حدیث سے انتخاب کیا ہے، جس میں صحیح، حسن، ضعیف، واہی، ہر طرح کی حدیثیں جمع کی ہیں، بلکہ بعض حدیثوں پر بعض حضرات نے وضع کا حکم بھی لگایا ہے، یہ کتاب آپ نے اپنے بعض زاہد صفت اور عملی ترقی کے خواہش مند طلبہ کے اصرار پر ان کے حسن نیت اور اخلاص کو دیکھتے ہوئے لکھی اور انہیں خیال تک نہ گذرا کہ کہیں روح جہاد ان سے ختم نہ ہو جائے، ان کا عقیدہ فاسد نہ ہو جائے اور یہ صرف مسجد کے لوٹے بن اپنا دین و دنیا برباد نہ کرلیں،

کتاب کے مشمولات کی استنادی حیثیت جاننے کے لیے مصنف کی درج ذیل عبارت بغور پڑھیے:

"فان کان الحدیث صحیحاً او حسناً او فاربھما، صدرته بلفظه عن و کذالک ان کان مرسلاً او منقطعاً او معضلاً او فی اسناده راوٍمنھم او ضعیف و ثق، او ثقة ضعف، وبقیة رواة الاسناد ثقات، او فیھم کلام لایضر، او روی مرفوعاً، والصحیح وقفه، او متصلاً، والصحیح ارساله، او کان اسناده ضعیفاً لکن صححه، او حسنه بعض من خرجه، ثم اشیر الی ارساله، او انقطاعه او عضله او ذلک الراوی المختلف فیه، واذا کان فی الاسناد من قیل فیه، کذاب او وضاع، اومتھم، او مجمع علی ترکه او ضعفه، او ذاھب الحدیث، او ھالک او ساقط او لیس بشیء، او ضعیف جداً، او لم ارفیه توثیقاً بحیث لاینطرق الیه احتمال التحسین، صدرته بلفظة، روی ولا اذکر ذلک الراوی، ولا ماقیل فیه"

یعنی مصنف کے نزدیک جو صحیح، حسن یا ان دونوں کے قریب ہوتی ہے، اس کو تو "عن" کے ذریعہ شروع کرتے ہیں، جو اس بات کی علامت ہے کہ حدیث قابل عمل ہے، اسی طرح یہ علامت ان حدیثوں پر بھی لگاتے ہیں جن کی سند مرسل، منقطع یا معضل ہو، یا اس کا کوئی راوی نام کے بغیر مبہم طور پر مذکور ہو، یا جمہور کے نزدیک ضعیف ہو، بعض نے اس کو ثقہ قرار دیا ہو، یا جمہور کے نزدیک ثقہ ہو، بعض نے اس کو ضعیف ٹھہرایا ہو، جب کہ سند کے بقیہ رجال ثقہ ہوں یا ان پر ایسا کلام ہو جو مضر نہ ہو، ان تمام صورتوں میں حدیث کو "عن" سے شروع کرنے کے بعد ان کی علتیں ذکر کرتے ہیں۔

"اور اگر سند میں کوئی ایسا راوی ہو جس کو ائمہ جرح و تعدیل نے کذاب، وضاع، متہم یا متفقہ طور سے ضعیف یا متروک کہا ہو، یا ذاھب الحدیث، ھالک ساقط، لیس بشی ء، ضعیف جدا" وغیرہ کے الفاظ کہے ہوں، یا مصنف کو دیکھنے میں حدیث کی تحسین کا کوئی امکان نہ ہو تو اس وقت اس حدیث کو ذکر کرتے وقت "روی عن" (صیغہ مجہول) سے تعبیر کرتے ہیں اور کوئی تبصرہ نہیں کرتے۔ گویا ضعف کی دو علامتیں ہیں، ایک "روی" (صیغہ مجہول) کی تعبیر، دوسری مصنف کی خاموشی۔

دیکھئے اول الذکر صورتوں میں کئی ایک موجب ضعف ہیں، لیکن حافظ منذری ترغیب وترہیب

میں ان کو نقصان دہ نہیں مانتے، اور مؤخر الذکر کو انتہائی ضعف کے باوجود ضعف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک حد تک باب ترغیب وترہیب میں مؤثر مان کر ذکر کر دیتے ہیں، شیخ رحمہ اللہ بھی بالکل اسی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے شدید ضعف والی حدیثوں کو ''روی عن'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ جیسا کہ مثال آرہی ہے۔

شیخ محمد عبدالحی الکتانی اپنے رسالہ

''الرحمة المرسلة فی شان حدیث البسمله''

میں حافظ سیوطی کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ:

''اذا علمتم بالحدیث انه فی تصانیف المنذری صاحب الترغیب والترهیب، فارووه مطئنین'' (کما فی تعلیق الشیخ ابو غدةؒ علی الاجوبة الفاضلة ص: ۱۲۱)

اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ حافظ منذری اگر کسی حدیث پر اعتماد کریں تو قابلِ اعتماد ہے۔

۲...... حافظ منذری نے اگر حاکم کا حوالہ دیا ہوتا ہے تو شیخ براہِ راست مستدرک سے اس پر حافظ ذہبی کا نوٹ بھی ملاحظہ فرما کر درج کرتے ہیں۔

۳...... حافظ منذری کسی حدیث کو احمد، طبرانی، ابویعلیٰ اور بزار کے حوالے سے اگر نقل کرتے ہیں تو شیخ اسی پر اکتفا کرنے کے بجائے حافظ ہیثمیؒ (ت ۸۰۷ھ) کی ''مجمع الزوائد'' کی طرف بھی مراجعت فرماتے ہیں، کیوں کہ اس کتاب میں احمد، بزار اور ابویعلیٰ کے مسانید اور طبرانی کے معاجم ثلاثہ کے زوائد کو جمع کرنے کے ساتھ ان کی اسنادی حیثیت پر بھی کلام کیا گیا ہے، چنانچہ شیخ وہاں سے اختلاف الفاظ اور ہیثمیؒ کا کلام نقل فرماتے ہیں۔

۴...... اسی طرح حافظ سیوطی کی جامع صغیر سے بکثرت نقل فرماتے ہیں، جو مختصر متون حدیث کا انتخاب صحیحین سمیت تقریباً ۳۰ امہات کتب سے کیا گیا ہے اور حدیثوں کے درجات صحیح، حسن، ضعیف کی نشاندہی رموز کے ذریعہ کی گئی ہے۔ چنانچہ شیخ اس سے نقل کرتے وقت ''ورقم له بالصحة'' وغیر کی تعبیر اختیار کرتے ہیں۔

۵/۶...... کتب صحاح وسنن کا مشہور ومتداول مجموعہ مشکوٰۃ المصابیح اور جمع الفوائد (جو چودہ کتب حدیث کا مجموعہ ہے) سے بھی گاہ بہ گاہ انتخاب کرتے ہیں۔

۷..... فضائل درود میں خاص طور سے زیادہ انحصار حافظ شمس الدین سخاوی (ت ۹۰۲ھ) کی

"القول البديع فى الصلاة على الحبيب الشفيع"

پر ہے اور حافظ سخاوی اپنے ذوق تنقید، وسعت نظر اور اعتدال پسندی میں ممتاز ہیں۔ ان کی کتاب "المقاصد الحسنة" لوگوں میں رائج اور زبان زد حدیثوں کی تحقیق میں مرجع ہی نہیں، بلکہ عمدة المراجع کی حیثیت رکھتی ہے۔

مذکورہ بالا معروضات سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ مجموعہ فضائل اعمال اپنے حدیثی مآخذ کے اعتبار سے معتبر کتاب ہے۔

ایک خلجان

البتہ ایک خلجان ہنوز باقی ہے کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ آیات واحادیث کی تشریح کے ذیل میں بکثرت ایسی کتابوں کے حوالے سے احادیث وآثار نقل کرتے ہیں جن کی استنادی حیثیت کمزور ہے اور ان میں موضوعات کی کثرت ہے، نیز وہ حدیثیں دوسری مستند کتب میں نہیں ملتیں، مثلاً فقیہ ابواللیث سمرقندی کی "تنبیہ الغافلین" (جس کے متعلق حافظ ذہبی نے فرمایا: "فیہ موضوعات کثیرۃ" سیر اعلام النبلاء ۱۶/۳۲۳)

یا جیسے "قرۃ العیون" (جس کو شیخ نے تو جگہ جگہ ابواللیث ہی کی طرف منسوب کیا ہے، لیکن مجھے کافی تلاش کے باوجود ان کی اس نام کی کوئی کتاب نہیں ملی۔ بلکہ یہ کتاب درحقیقت شیخ ابوبکر الاحسائی کی ہے، جو حافظ ابن الجوزی کی کتاب "التبصرۃ" کی تلخیص واختصار ہے۔ پورا نام "قرة العيون المبصرة بتلخيص كتاب التبصرة" ہے، بہر کیف اس میں بھی موضوعات کی تعداد خاصی ہے یا جیسے امام غزالی کی احیاء العلوم (جس میں موضوعات کی تعداد اتنی ہے کہ علامہ تاج الدین سبکی نے طبقات الشافعیہ الکبریٰ (۱۴۵/۴) میں اس کی بے اصل روایات کو بیان کرنا شروع کیا تو یہ سلسلہ ۳۸ صفحات تک پہنچ گیا، یا جیسے ابن حجر عسقلانیؒ سے منسوب "المنبہات" (جس کا حافظ کی طرف انتساب محتمل ہے) اس کتاب میں بھی موضوعات کی کثرت ہے۔ اس خلجان کا ازالہ اگلے نکتے میں خود بخود ہوگا۔

مؤیدات وشواہد کا اہتمام

واضح رہے کہ روایت میں اگر ضعف ہوتا ہے تو کئی ایک مصادر کو کھنگال کر اس کے شواہد ومؤیدات

جمع کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جن کی مجموعی حیثیت اس مضمون کو وزنی بنا دیتی ہے۔ مثلاً:

روی انه علیه الصلاة والسلام قال: من ترک الصلوٰة حتیٰ مضی وقتها، ثم قضیٰ عذب فی النار حقیباً، والحقب ثمانون سنة، والسنة مائة وستون یوماً، کل یوم کان مقداره الف سنة، کان فی مجالس الابرار،قلت: لم اجده فیما عندی من کتب الحدیث، الا ان مجالس الابرار مدحه شیخ مشائخنا الشاه عبدالعزیز الدهلوی

واخرج ابن کثیر فی تفسیر قوله تعالیٰ: "فویل للمصلین الذین هم عن صلاتهم ساهون"عن ابن عباس ان فی جهنم لواد تستعیذ جهنم من ذلک الراوی فی کل یوم اربع مائة مرة، اعد ذلک الراوی للمرائتین من امة محمد ﷺ

وذکر ابوللیث سمرقندی فی قرة العیون عن ابن عباس، وهو مسکن من یؤخر الصلاة عن وقتها،

وعن سعید بن ابی وقاص مرفوعاً: "الذین هم عن صلاتهم ساهون" قال: هم الذین یؤخرون الصلاة عن وقتها، وصحح الحاکم، والبیهقی وقفه، واخرج الحاکم عن عبدالله فی قوله تعالیٰ: "فسوف یلقون غیاً" قال: وادٍ فی جهنم بعید المقعر، خبیث الطعم، وقال: صحیح الاسناد.

ہم نے اس مثال کو اس لیے اختیار کیا ہے کہ یہ خاص طور سے ناقدین کے نشانہ پر رہی ہے، حضرت شیخ کی زندگی میں اور ان کے بعد بھی خوب اعتراضات ہوئے، اس کو نقل کرنے کے بعد شیخ نے خود لکھا کہ مجالس الابرار میں ایسے ہی ہے، مجھے اپنے پاس موجودہ کتب میں نہیں ملی۔ ہاں مسند الہند شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ نے اس کتاب کی تعریف کی ہے اس کے باوجود شیخ جانتے ہیں کہ اتنی بات کافی نہیں اور چوں کہ مذکورہ حدیث کا مضمون نماز کو اپنے وقت سے مؤخر کر کے پڑھنے سے سخت وعید ہے، اس لیے:

۱۔۔۔۔ تفسیر ابن کثیر سے "فویل للمصلین الذین هم عن صلاتهم ساهون الذین هم یرائون" کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر جو حکماً مرفوع ہے، نقل کیا کہ جہنم کی ایک وادی ہے، جس سے جہنم ہر روز چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے۔ جو امت کے ان ریا کاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

۲.....پھر قرۃ العیون سے ابن عباسؓ کا اثر نقل کیا کہ یہ وادی ان لوگوں کا ٹھکانہ ہے جو نماز قضا کر کے پڑھتے ہیں۔

۳.....اور یہی مضمون حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے بھی مرفوعاً نقل کیا ہے اور حاکم اور بیہقی نے اس کا موقوف ہونا ہی صحیح قرار دیا ہے۔

غور کیجئے مجموعی طور سے یہ معلوم ہوا کہ نماز میں غفلت کرنے اور قضا کر کے پڑھنے والے کی سزا جہنم میں سخت ترین رکھی گئی ہے۔ خواہ ایک حقب کی تعین ثابت نہ ہو، اس لیے جب بعض حضرات نے شیخ کو اس کے خارج کرنے کا مشورہ دیا تو شیخ نے جواب دیا کہ۔

''ابھی تک اس ناکارہ کی سمجھ میں اس حدیث کے نکالنے کی وجہ سمجھ میں نہ آئی۔''

(کتب فضائل پر اشکالات۔ ص:۱۳۱)

دوسرا نکتہ

اس میں شک نہیں کہ اصل کتاب ہدایت قرآن کریم ہے، حدیث نبوی اس کی تفسیر وتشریح ہے، جس کو نظر انداز کر کے صرف قرآن کے ذریعہ راہ یابی نہیں ہو سکتی، جیسا کہ قرآنی ارشاد اس پر صریح دلالت کر رہا ہے۔

"وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیهم" الآیۃ۔

اور حدیث ایک اتھاہ سمندر ہے، سرکار دو عالم ﷺ کی ۲۳ سالہ زندگی میں آپؐ کے اقوال، افعال، تقریرات، خَلقی وخُلقی، احوال کا مجموعہ، جو دربار نبوی کے حاضر باش صحابہ کرامؓ کے ذریعہ نقل در نقل ہوتا ہوا امت کو پہنچا ہے۔ روایت ودرایت کے اعتبار سے اس کی صحت وصداقت کو جانچنے کے لیے محدثین اور فقہائے امت نے اس قدر ممکنہ تدابیر وقوانین اپنائے جو صرف اور صرف اسی امت محمدیہ کی خصوصیت ہیں، ثبوت واستناد کے اعتبار سے حدیثوں کے مختلف درجات قائم کیے، جن کا صحیح، حسن اور ضعیف وغیرہ سے جانا جاتا ہے۔ چنانچہ عمل اور استدلال کے اعتبار سے بھی ان میں فرق مراتب لابدی امر ہے۔

حدیث صحیح کی پانچ شرطیں ہیں، سند کا اتصال، راویوں کی عدالت، ضبط اور شذوذ وعلت قادحہ سے

محفوظ ہوتا۔ حدیث حسن بھی انہیں صفات کی حامل ہوتی ہے، البتہ اس کے کسی راوی میں ضبط کے اعتبار سے معمولی کمی ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس کی حدیث نہ تو صحیح کہی جاسکتی ہے اور نہ ہی ضعیف میں شمار ہوتی ہے۔ حسن کی ایک قسم وہ ضعیف ہے جو تعدادِ طرق کی وجہ سے قوت پاکر حسن بن جاتی ہے اور جو حدیث اس سے بھی فروتر ہو وہ ضعیف کہلاتی ہے جس کے مراتب مختلف ہوتے ہیں، ''موضوع'' ہے۔

صحیح اور حسن کے تو قابل استدلال ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، چنانچہ جمیع ابواب دین میں ان سے استدلال کیا جاتا ہے، البتہ ضعیف کے سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہے، جمہور کا خیال ہے کہ احکام یعنی حلال وحرام کے باب میں تو ضعیف کو حجت نہیں بنایا جاسکتا ہے، البتہ فضائل اعمال، ترغیب وترہیب، قصص، مغازی وغیرہ میں اس کا دلیل بنایا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ موضوع نہ ہو۔ چنانچہ ابن مہدیؒ، امام احمدؒ وغیرہ سے منقول ہے:

''اذا روینا فی الحلال والحرام شددنا، واذا روینا فی الفضائل ونحوهما تساهلنا'' (فتح المغیث، وظفر الامانی ص: ۱۸۲ نقلاً عنهٗ)

بعض کے نزدیک باب احکام میں بھی حجت ہے، جب کہ دوسرے بعض کے نزدیک سرے سے حجت نہیں۔

قال العلامة الكبرى بعد ذكره الآراء الثلاثة فى المسئلة: ومنع ابن العربى العمل بالضعيف مطلقاً، ولكن قدحكى النووى فى عمدة من تصانيفه اجماع اهل الحديث وغيرهم على العمل به فى فضائل الاعمال ونحوهما خاصة، فهذه ثلاثة مذاهب اهم

(الاجوبة الفاضلة)

اور جیسا کہ آگے معلوم ہوگا کہ جمہور عملاً باب احکام میں بھی ضعاف کو کسی نہ کسی درجہ میں قابل عمل مانتے ہیں۔

بدقسمتی سے آج بعض حلقوں کی جانب سے پوری شدومد کے ساتھ یہ غلط فہمی پھیلائی جارہی ہے کہ ضعیف حدیث قطعاً ناقابل اعتبار ہے، اس کا محل موضوع کی طرح ردی کی ٹوکری ہے۔ حجت صرف صحیح حدیث ہے، صحیح کے مصداق میں کچھ باشعور حضرات حسن کو شامل کرلیتے ہیں ورنہ عام سطح کے لوگ اس کے بھی روادار نہیں ہیں اور بعض غلو پسند طبیعتیں تو صحیحین کو چھوڑ کر بقیہ کتب حدیث کو ''صحیح الکتاب الفلانی'' و ''ضعیف الکتاب الفلانی'' جیسے عمل جراحی کا نشانہ بنائے ہوئے ہیں۔ اور اپنے اجتہاد کے

مطابق اہم کتب حدیث کی حدیثوں کو صحیح اور ضعیف دو خانوں میں تقسیم کر کے شائع کیا جانے لگا ہے۔

"فالی اللہ المشتکی"۔

آیئے! ضعیف حدیثوں کی استدلالی حیثیت کا مختصراً جائزہ لیں۔

ضعیف حدیث بابِ احکام میں

جہاں تک احکام شرعیہ میں ضعیف حدیث کے استعمال کا تعلق ہے' تو جمہور محدثین وفقہاء کے طرز عمل سے صاف ظاہر ہے کہ ضعیف سے حکم شرعی پر استدلال کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ ضعف شدید نہ ہو، یعنی سند میں کوئی متہم یا کذاب راوی نہ ہو۔ ضعیف سے استدلال کی چند صورتیں ہیں۔

پہلی صورت

مسئلہ میں اس کے علاوہ کوئی مضبوط دلیل نہ ہو، مختلف مکاتب فکر کے تعلق سے اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

الف: حنفیہ رحمہم اللہ:

ا۔۔۔۔۔امام ابوحنیفہؒ کا ارشاد ہے:

"الخبر الضعیف عن رسول اللہ ﷺ اولیٰ من قیاس، ولا یحل القیاس مع وجودہ۔"

(المحلیٰ لابن حزم ۳/۱۶۱)

یعنی باب میں اگر ضعیف حدیث بھی موجود ہو تو قیاس نہ کر کے اس سے استدلال کیا جائے گا۔ چنانچہ:

(۱)۔۔۔۔۔نماز میں قہقہہ سے نقضِ وضو والی حدیث باتفاق محدثین ضعیف ہے، آپ نے اس کو قیاس پر مقدم کیا۔

(۲)۔۔۔۔۔"اکثر الحیض عشرۃ ایام"

حدیث باتفاق محدثین ضعیف ہے، حنفیہ نے اس کو قیاس پر مقدم کیا۔

(۳)۔۔۔۔۔"لامھر اقل من عشرۃ دراھم"

اس کے ضعف پر محدثین متفق ہیں اور حنفیہ نے قیاس نہ کر کے اس کو معمول بہ بنایا۔

(اعلام الموقعین ۱/۳۱، ۳۲)

۲...... محقق ابن الہمامؒ فرماتے ہیں:

"الاستحباب يثبت بالضعيف غير الموضوع"

ضعیف جو موضوع کی حد تک نہ پہنچی ہوئی ہو، اس سے استحباب ثابت ہوتا ہے۔

(فتح القدیر باب النوافل ۲/۱۳۹)

مثلاً: (۱) حاشیہ الطحاوی علی المراقی وغیرہ میں مغرب کے بعد چھ رکعات (جنہیں صلاۃ الاوابین کہتے ہیں) کو مستحب لکھا ہے۔ دلیل حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث

"من صلىٰ بعد المغرب ست ركعات لم يتكلم فيما بينهن بسوء عدلن له بعبادة ثنتي عشرة سنة"

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو عمر بن ابی خثعم کے طریق سے روایت کر کے فرمایا:

"حديث ابى هريره حديث غريب، لا نعرفه الا من حديث زيد بن الحباب عن عمر بن ابى خثعم"

امام بخاری نے عمر کو منکر الحدیث کہا اور بہت ضعیف قرار دیا، حافظ ذہبی نے میزان میں فرمایا:

"له حديث منكر ان من صلى بعد المغرب ست ركعات ووهاه ابوزرعه"

(۲)...... مردہ کو دفن کرتے وقت تین لپ مٹی ڈالنا، پہلی بار منها خلقناكم، دوسری بار وفيها نعيدكم اور تیسری بار ومنها نخرجكم تارة اخرىٰ پڑھنے کو طحطاوی (ص: ۶۱۰) میں مستحب لکھا ہے، دلیل حاکم اور احمد کی حدیث بروایت ابوامامہؓ کہ جب حضرت ام کلثومؓ بنت النبی ﷺ کو قبر میں رکھا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے پڑھا

"منها خلقناكم...... الخ۔ آخر میں بسم الله وفى سبيل الله وعلى ملة رسول الله کی زیادتی ہے۔ اس حدیث کی سند بہت ہی ضعیف ہے ذہبی نے تلخیص میں کہا:

"وهو خبر واه لان علی بن زيد متروک"

ب: مالکیہ رحمہم اللہ:

امام مالکؒ کے نزدیک مرسل بمعنی عام یعنی منقطع حجت ہے، جو جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف

ہے، مالکیہ کی معتمد ترین کتاب ''نشر البنود'' میں ہے:

'' علم من احتجاج مالک بالمرسل ان کلا من المنقطع، و المعضل حجة عندهم لصدق المرسل بالمعنی الاصولی علی کل منها''(٢/ ٦٣ کما فی ''التعریف باوهام من قسم السنن الیٰ صحیح و ضعیف'' للدکتور محمود سعید ممدوح)

ج: شافعیہ رحمہم اللہ:

ا...... مرسل حدیث امام شافعیؒ کے نزدیک ضعیف ہے، لیکن اگر باب میں صرف مرسل ہی ہوتو وہ اس سے احتجاج کرتے ہیں، حافظ سخاوی نے ماوردی کے حوالہ سے یہ بات فتح المغیث میں نقل کی ہے۔(١/١٧٠)

٢...... حافظ ابن قیم نے نقل کیا ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک ضعیف حدیث قیاس پر مقدم ہے، چنانچہ انہوں نے صیدِ وج کی حدیث کو ضعف کے باوجود قیاس پر مقدم کیا۔ حرم مکی کے اندر اوقات مکروہہ میں نماز پڑھنے کے جواز والی حدیث کو ضعف کے باوجود قیاس پر مقدم کیا۔

''من قاء اورعف فلیتوضا ولیس علیٰ صلاته''

کو اپنے ایک قول کے مطابق باوجود ضعف کے قیاس پر ترجیح دی۔

(اعلام الموقعین ١/٣٢)

د: حنابلہ رحمہم اللہ:

ابن النجار حنبلی نے شرح الکوکب المنیر (٢/ ٥٧٣)

میں امام احمد کا یہ قول نقل کیا ہے:

''لست اخالف ما ضعف من الحدیث اذا لم یکن فی الباب ما یدوفعه''

یعنی باب میں ضعیف حدیث ہو اور اس کے معارض کوئی دلیل نہ ہو تو میں اس کو چھوڑتا نہیں ہوں۔

٢...... حافظ ہروی نے ذم الکلام میں امام عبداللہ بن احمد سے نقل کیا ہے کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ ایک شخص کو مسئلہ درپیش ہے اور شہر میں ایک محدث ہے، جو ضعیف ہے (ایک روایت میں: جو صحیح اور سقیم میں تمیز نہیں کر پاتا) اور ایک فقیہ ہے' جو اہل رائے و قیاس میں سے ہے' وہ کس سے مسئلہ پوچھے؟ فرمایا:

''اہل رائے سے تو پوچھے نہیں' کیوں کہ ضعیف الحدیث قوی الرائی سے بہتر ہے۔(ذم الکلام ۲/۹،۱۷۹،۱۸۰)

۳۔فقہ حنبلی کی مستند ترین کتاب ''المغنی'' میں ابن قدامہ نے لکھا ہے کہ

''النوافل والفضائل لا یشترط صحة الحدیث فیها''

نیز امام کے خطبہ کے دوران حاضرین کے احتباء (اس طرح بیٹھنا کہ سرین زمین پر ہو دونوں گھٹنے کھڑے ہوں اور دونوں بازوؤں یا کسی کپڑے وغیرہ سے انہیں باندھ لیا جائے) کی بابت لکھا کہ کوئی حرج نہیں' کیوں کہ چند صحابہؓ سے مروی ہے،لیکن بہتر نہ کرنا ہے' کیوں کہ حضور ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے امام کے خطبہ کے دوران حبوة سے منع فرمایا ہے۔اس لیے اگر چہ حدیث ضعیف ہے' افضل حبوہ کا ترک ہی ہے۔(المغنی ۲/۸۸_۲۵۶)

ہ:فقہاء ومحدثین رحمہم اللہ:

ا۔حافظ ذہبی نے امام اوزاعیؒ کے متعلق لکھا کہ وہ مقطوعات اوراہل شام کے مراسیل سے استدلال کرتے تھے۔(سیر اعلام النبلاء ۷/ ۱۱۴)

۲۔امام ابوداؤد کے متعلق حافظ ابن مندہ نے کہا:

''ویخرج الاسناد الضعیف اذا لم یجد فی الباب غیره لانه اقوی عنده من رای الرجال''

کہ امام ابوداؤدؒ کا مذہب ہے کہ جب کسی باب میں انہیں ضعیف حدیث کے علاوہ نہیں ملتی' تو اسی کا اخراج کرلیتے ہیں،کیوں کہ ضعیف حدیث ان کے نزدیک قیاس سے قوی تر ہے۔(تدریب الراوی)

و:ظاہریہ:

ابو محمد ابن حزم جن کا تشدد مشہور ہے،محلی (۳/ ۶۱) میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھنے سے متعلق حدیث بروایت حسن بن علی رضی اللہ عنہما لائے اوراس کے متعلق لکھتے ہیں:

یہ حدیث اگر چہ اس لائق نہیں کہ اس سے استدلال کیا جائے' لیکن چوں کہ حضور ﷺ سے اس سلسلہ میں اور کوئی حدیث ہمیں نہیں ملی،اس لیے ہم اسے اختیار کرتے ہیں۔''

دوسری صورت:

اگر ضعیف حدیث پر عمل کرنے میں احتیاط ہو' تو اس کو تمام حضرات اختیار کرتے ہیں،چنانچہ امام

نوویؒ نے اذکار میں عمل بالضعیف کی استثنائی صورتوں کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"الا ان یکون فی احتیاط فی شیء من ذلک کما اذا ورد حدیث ضعیف یکراھة بعض البیوع، والانکحة فالمستجب ان یتنزہ عنه"

اس کی شرح میں ابن علان نے مثال دی کہ جیسے فقہائے کرام نے دھوپ سے گرم کیے ہوئے پانی کے استعمال کو مکروہ لکھا ہے، حدیث عائشہؓ کی بنا پر جو ضعیف ہے۔

(شرح الاذکار ۱/۶۸، ۸۷ کما فی التعریف باوھام الخ)

تیسری صورت

اگر کسی آیت یا صحیح حدیث میں دو یا دو سے زائد معنوں کا احتمال ہو اور کوئی ضعیف حدیث ان معانی میں سے کسی ایک معنی کو راجح قرار دیتی ہو، یا دو یا چند حدیثیں متعارض ہوں اور کوئی حدیث ضعیف ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دیتی ہو تو علمائے امت اس موقع پر ضعیف حدیث کی مدد سے ترجیح کا کام انجام دیتے ہیں۔

کچھ اور صورتیں:

اس کے علاوہ کسی ثابت شدہ حکم کی مصلحت و فائدہ معلوم کرنے کے سلسلہ میں بھی ضعیف کا سہارا لیا جاتا ہے، نیز حدیث ضعیف اگر متلقی بالقبول ہو جائے اور اس کے مطابق فقہاء یا عام امت کا عمل ہو جائے تب تو ضعیف ضعیف ہی نہیں رہتی اور اس کے ذریعہ وجوب اور سنیت تک کا ثبوت ہوتا ہے۔
تفصیل دیکھئے:

اثر الحدیث الشریف فی اختلاف الائمة الفقهاء للشیخ محمد عوامة"

اور الاجوبۃ الفاضلۃ" کے آخر میں شیخ حسین بن محسن کا مقالہ!

سید احمد بن الصدیق الغمازی المالکی رحمہ اللہ کی اس چشم کشا عبارت کے ترجمہ پر اس کڑی کو یہیں ختم کیا جارہا ہے، فرماتے ہیں۔

"احکام شرعیہ میں ضعیف سے استدلال کوئی مالکیہ ہی کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ تمام ائمہ استدلال کرتے ہیں، اس لیے یہ جو مشہور ہے کہ احکام کے باب میں ضعیف پر عمل نہیں کیا جائے گا، اپنے عموم

واطلاق پر نہیں ہے، جیسا کہ اکثر لوگ سمجھتے ہیں، کیوں کہ ہر مسلک کی ان احادیثِ احکام کا آپ جائزہ لیں جن سے سب نے یا بعض نے استدلال کیا ہے تو آپ کو مجموعی طور سے ضعیف حدیثوں کی مقدار نصف یا اس سے بھی زائد ملے گی، ان میں ایک تعداد منکر، ساقط اور قریب بموضوع کی بھی ملے گی۔ البتہ بعض کے متعلق وہ کہتے ہیں: ''اس کو تلقی بالقبول حاصل ہے، بعض کے متعلق کہتے ہیں: ''اس مضمون پر اجماع منعقد ہے''، بعض کے متعلق کہتے ہیں: ''یہ قیاس کے موافق ہے۔'' مگر ان سب کے علاوہ ایسی بہت سی حدیثیں بچیں گی، جن سے ان کی تمام تر علتوں کے باوجود استدلال کیا گیا ہے اور یہ قاعدہ کہ ''احکام میں ضعیف حدیث پر عمل نہیں کیا جائے گا'' یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے، کیوں کہ شارع علیہ السلام سے جو کچھ منقول ہے اگر چہ اس کی سند ضعیف ہو، اسے چھوڑ کر دوسری دلیل اختیار نہیں کی جا سکتی اور ضعیف کے متعلق یہ قطعی نہیں کہا جا سکتا کہ ''یہ حضور ﷺ سے ثابت نہیں ہے جب کہ وہ موضوع نہ ہو، یا اس سے قوی اصل معارض نہ ہو۔ لہٰذا قوی دلیل کی عدم موجودگی میں ضعیف سے استدلال کو ہمیں برا سمجھنے کی بجائے اولیٰ بلکہ واجب کہنا چاہیے، ہاں یہ بات ضرور بری ہے کہ اس کے لیے دو رخا طرز اپنائیں۔ پسندیدگی اور اپنے مذہب کے موافق ہونے کے وقت تو اس پر عمل کریں اور ناپسندیدگی یا اپنے مذہب کے خلاف ہونے پر ضعیف کہہ کر رد کر دیں۔ (التعریف)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب باب احکام میں ضعیف حدیث مقبول ہے، تو دیگر ابواب میں بدرجۂ اولیٰ مقبول ہوگی۔

احکام کے علاوہ میں ضعیف حدیث:

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ ضعیف غیر موضوع عقاید واحکام کے علاوہ جمہور کے نزدیک قابل عمل ہے، عقائد واحکام کے باب میں تشدد اور فضائل، ترغیب وترہیب اور مناقب وغیرہ میں تساہل کی بات حافظ سخاویؒ نے امام احمدؒ، ابن معینؒ، ابن المبارکؒ، سفیان ثوریؒ اور ابن عیینہؒ سے نقل کی ہے۔

حافظ نوویؒ نے تو اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے، اپنی کتاب ''**جزء اباحة القيام لاهل الفضل**'' میں فرماتے ہیں:

اجمع اهل الحديث وغيرهم على العمل في الفضائل ونحوهما. مما ليس فيه

حکم ولا شیء من العقائد وصفات الله تعالیٰ بالحدیث الضعیف." (نقلاً عن التعریف باوھام)

امام نوویؒ کی "الاربعین" اور اس کی شرح "فتح المبین" لابن الحجر المکی الھیثمی کے الفاظ ہیں:

قد اتفق العلماء علی جواز العمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الاعمال' لانه ان کان صحیحاً فی نفس الامر، فقد اعطی حقه والا لم یترتب علی العمل به مفسدة تحلیل ولا تحریم ولا ضیاع حق الغیر. (الاجوبة الفاضلة. ص: ۴۳)

یعنی فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کے بارے میں علماء کا اتفاق ہے، کیوں کہ اگر وہ واقعتاً صحیح تھی تو اس کا اس کا حق مل گیا اور نہ اس پر عمل کرنے والے نہ تو حرام کو حلال کرنا لازم آیا اور نہ اس کے برعکس اور نہ ہی کسی غیر کا حق پامال کرنا۔

معلوم ہوا کہ مسئلہ اجماعی ہے اور کوئی بھی حدیث ضعیف کو شجرۂ ممنوعہ قرار نہیں دیتا، لیکن چند بڑے محدثین اور اساطین علم کے نام ذکر کیے جاتے ہیں جن کے متعلق یہ نقل کیا جاتا ہے کہ وہ فضائل میں بھی ضعیف حدیث پر عمل کرنے کے قائل نہیں ہیں۔ (قواعد التحدیث للشیخ جمال الدین القاسمی ص ۱۱۶)

ان اساطین میں امام بخاریؒ، مسلم، یحییٰ بن معینؒ، ابوبکر بن العربیؒ ہیں، بعض حضرات نے ابوشامہ مقدسیؒ، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور علامہ شوکانیؒ کا نام بھی لیا ہے۔ تفصیل کا تو موقع نہیں آیئے! ان حضرات کی آرا کے متعلق کچھ تحقیق کر لیں!

امام بخاریؒ کا موقف

علامہ جلال الدین قاسمیؒ (صاحب قواعد الحدیث) کے بقول بظاہر امام بخاریؒ کا مذہب مطلقاً منع ہے اور یہ نتیجہ انہوں نے صحیح بخاری کی شرط اور اس میں کسی ضعیف حدیث کو داخل کتاب نہ کرنے سے نکالا ہے' علامہ شیخ زاہد الکوثریؒ نے بھی اپنے مقالات (ص: ۵۴) میں یہی بات کہی ہے، لیکن یہ بات درست نہیں بلکہ اس مسئلہ میں امام بخاری کا موقف بالکل جمہور کے موافق ہے۔

جہاں تک صحیح بخاری کا تعلق ہے' تو اولاً اس میں امام نے صرف صحیح حدیثوں کا التزام کیا ہے، لہٰذا

اس میں کسی ضعیف حدیث کا نہ ہونا' اس بات کو مستلزم نہیں کہ امام کے نزدیک ضعیف سرے سے ناقابل عمل ہے، جیسا کہ کسی حدیث کا اس میں نہ ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ وہ غیر صحیح ہے۔ چنانچہ خود آپ نے احادیثِ آداب واخلاق کا ایک گراں قدر مجموعہ "الادب المفرد" مرتب فرمایا جس کی شرط یقیناً ان کی جامع صحیح سے بہت فروتر ہے حتیٰ کہ عصر حاضر کے بعض علم برادارانِ حفاظتِ سنت کو

"صحیح الادب المفرد" اور "ضعیف الادب المفرد"

کے جراحی عملی کی مشقت اٹھانی پڑی۔

اس کتاب میں امام بخاری نے ضعیف احادیث وآثار کی ایک بڑی مقدار تخریج کی ہے، بلکہ بعض ابواب تو آباد ہی ضعیف سے ہیں اور آپ نے ان سے استدلال کیا ہے، چنانچہ اس کے رجال میں ضعیف، مجہول، منکر الحدیث، متروک ہر طرح کے پائے جاتے ہیں' مثال کے طور پر علامہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ نے "الادب المفرد" کی شرح "فضل اللہ الصمد" سے ۱۲۲ احادیث وآثار اور ان کے رجال کے احوال نقل کیے ان میں سے بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) اثر نمبر ۲۳ میں علی بن الحسین بن واقدالمروزی: **ضعیف الحدیث**.

(۲) حدیث نمبر ۴۳ میں محمد بن فلان بن طلحه، **مجهول**، او ضعیف متروک.

(۳) اثر نمبر ۴۵ میں عبیداللہ بن موهب، قال احمد: **لایعرف**.

(۴) اثر نمبر ۵۱ ابوسعد سعید بن المرزبان البقال الاعور، **ضعیف**.

(۵) حدیث نمبر ۶۳ میں سلیمان ابو ادام یعنی سلیمان بن زید: **ضعیف**، لیس بثقه کذاب، متروک الحدیث.

(۶) حدیث نمبر ۱۱۱ میں لیث بن ابی سلیم القرشی ابوبکر: **ضعیف**.

(۷) حدیث نمبر ۱۱۲ میں عبداللہ بن المساور: **مجهول**.

(۸) حدیث نمبر ۱۳۷ میں یحییٰ بن ابی سلیمان: قال البخاری: منکر الحدیث.

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ نے تقریب التہذیب سے الادب المفرد کے رجال کو کھنگالا تو

مستورین کی تعداد دو، ضعفاء کی تعداد ۲۲ اور مجہولین کی تعداد ۲۸ نکلی، مجموعہ ۵۲ رواۃ۔

اس جائزہ سے بخوبی واضح ہو گیا کہ فضائل کی حدیثوں کے بارے میں امام بخاری کا مسلک وہی ہے جو جمہور کا ہے۔

صحیح بخاری میں متکلم فیہ رجال کی حدیثیں:

ثانیاً خود الجامع الصحیح میں ایسی مثالیں موجود ہیں جن کی روایت میں کوئی متکلم فیہ راوی موجود ہے، جس کی حدیث محدثین کے اصول پر کسی طرح حسن سے اوپر نہیں اٹھ سکتی، بلکہ بعض حدیثوں میں ضعیف راوی منفرد ہے اور اس کو داخل صحیح کرنے کی اس کے علاوہ کوئی تاویل نہیں ہو سکتی کہ اس کا مضمون غیر احکام سے متعلق ہے اور شارحین نے یہی تاویل بھی کی ہے۔ ملاحظہ ہوں چند مثالیں!

(۱) حافظ ابن حجرؒ نے مقدمہ فتح الباری (ص: ۶۱۵) میں محمد بن عبدالرحمٰن الطفاوی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"قال ابوزرعہ منکر الحدیث، واوردلہ ابن عدی عدة احادیث، قلت: له فی البخاری ثلاثة احادیث، لیس فیها شیء مما استنکره ابن عدی" ثالثها فی الرقاق: "کن فی الدنیا کانک غریب" وهذا تفرد به الطفاوی، وهو من غرائب الصحیح، وکان البخاری لم یشدد فیه لکونه من احادیث الترغیب والترهیب"

یعنی "کن فی الدنیا کانک غریب" (بخاری کتاب الرقاق) حدیث کی روایت میں محمد بن عبدالرحمٰن الطفاوی منفرد ہے، حافظ فرماتے ہیں کہ شاید امام بخاری نے اس تساہل کا معاملہ صرف اس وجہ سے کیا ہے کہ یہ ترغیب وترہیب کی حدیثوں میں سے ہے۔

(۲) **عن ابی بن عباس بن سهل بن سعد "عن ابیه عن جده قال: کان النبی ﷺ فی حائطنا فرس یقال له اللحیف.** (کتاب الجهاد)

حافظ نے تہذیب التہذیب میں ابی بن عباس بن سہل کی بابت امام احمد، نسائی، ابن معین، امام بخاری سے تضعیف کے جملے نقل کیے، عقیلی نے کہا اس کی کئی حدیثیں ہیں اور کسی پر اس کی متابعت نہیں کی گئی ہے، پھر حافظ نے فرمایا کہ مذکورہ حدیث پر اس کے بھائی عبدالمہیمن بن عباس نے متابعت کی ہے

لیکن وہ بھی ضعیف ہے، ملاحظہ ہوں یہ الفاظ:

"وعبدالمهيمن ايضاً فيه ضعف، فاعتضد، وانضاف الى ذلك انه ليس من احاديث الاحكام، فلهذه الصورة المجموعة حكم البخارى بصحة" انتهى۔ ابی بن عباس کے ضعف کی تلافی اس کے بھائی سے اس قدر نہیں ہو سکی کہ حدیث کو صحیح کا درجہ دیا جائے تو اس خلل کو اس پہلو سے پر کیا گیا کہ حدیث احکام سے متعلق نہیں ہے، اس لیے چل جائے گی۔

(۳)..... محمد بن طلحة عن طلحة عن مصعب بن سعد قال: راى سعد ان له فضلاً على من دونه، فقال النبى ﷺ: هل تنصرون وترزقون الا بضعفائكم."

(كتاب الجهاد، باب من استعان بالضعفاء والصالحين فى الحرب)

محمد بن طلحہ بن مصرف الکوفی ان کا سماع اپنے والد سے کم سنی میں ہوا تھا امام نسائی، ابن معین، ابن سعد وغیرہ نے ان کو ضعیف کہا ہے، تقریب میں ہے:

صدوق له اوهام وانكروا سماعه من ابيه لصغره:

حافظ ابن حجرؒ مقدمہ (ص: ۶۱۳) میں فرماتے ہیں:

صحیح بخاری میں ان کی تین حدیثیں ہیں، دو تو متابعت کی وجہ سے درجۂ صحت کو پہنچ جاتی ہیں، تیسری (مذکورہ بالا حدیث) ہے، اس کی روایت میں محمد بن طلحہ منفرد ہیں، مگر یہ فضائل اعمال سے متعلق ہے، یعنی فضائل اعمال کی حدیث ہونے کی وجہ سے چشم پوشی کی گئی۔

امام مسلمؒ کا موقف

علامہ جلال الدینؒ نے امام مسلم کے متعلق دلیل یہ دی کہ انہوں نے مقدمہ میں ضعیف و منکر احادیث کے روایت کرنے والوں پر سخت مذمت کی ہے اور اپنی صحیح میں ضعیف حدیث کا اخراج نہیں کیا ہے، لیکن امام مسلم کی اس تشنیع سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ ضعفاء سے روایت کرنا مطلقاً ناجائز ہے، انہوں نے تو صحیح حدیثوں کو جمع کرنے والے پر یہ بات ضروری قرار دی ہے کہ وہ مشہور ثقہ راویوں کی حدیثوں کو تلاش کرے، ضعیف حدیث کے علی الاطلاق مردود ہونے پر ان سے کوئی صراحت منقول نہیں ہے۔

تاہم امام مسلم نے بعض ضعفاء کی حدیثیں صحیح میں متابعات و شواہد کے طور پر اخراج کی ہیں، آپ

نے مقدمہ میں حدیثوں کی تین قسمیں قرار دی ہیں:

(۱)...... وہ حدیثیں جو حفاظ متقنین کی روایت سے ہیں۔

(۲)...... وہ حدیثیں جو ایسے لوگوں کی روایت سے ہیں، جو حفظ و اتقان میں متوسط اور بظاہر جرح سے محفوظ ہیں۔

(۳)...... وہ حدیثیں جو ضعفاء و متروکین کی روایت سے ہیں۔

امام مسلم کی اس صراحت اور صحیح میں ان کے طرز عمل کے درمیان تطبیق میں شراح نے مختلف باتیں کہی ہیں، قاضی عیاض نے جو توجیہ کی، علامہ ذہبی اور نووی نے اس کو پسند کیا، اس کا خلاصہ یہ ہے:

امام مسلم نے جن تین طبقات کا ذکر کیا ہے، ان میں سے آخری طبقہ ان رواۃ کا ہے، جن کے متہم ہونے پر تمام یا اکثر علماء کا اتفاق ہے۔ اس سے پہلے ایک طبقہ ہے جس کا ذکر امام نے اپنی عبارت میں نہیں کیا ہے اور یہ لوگ وہ ہیں جن کو بعض تو متہم سمجھتے ہیں اور بعض صحیح الحدیث قرار دیتے ہیں، یہ کل چار طبقے ہوئے۔ میں نے امام مسلم کو پایا کہ وہ پہلے دونوں طبقوں کی حدیثیں لاتے ہیں اس طرح کہ باب میں اولاً طبقۂ اولیٰ کی حدیث تخریج کرتے ہیں، پھر مزید تقویت کے لیے طبقۂ ثانیہ کی حدیثیں ذکر کرتے ہیں اور جب کسی باب میں طبقۂ اولیٰ سے کوئی حدیث ان کے پاس نہیں ہوتی تو ثانیہ ہی کی حدیث پر اکتفا کرتے ہیں، پھر کچھ ایسے لوگوں کی حدیثیں بھی تخریج کرتے ہیں، جن کی بعض نے تضعیف اور بعض نے توثیق کی ہوتی ہے، رہے چوتھے طبقہ کے لوگ تو ان کو آپ نے ترک کر دیا ہے۔ (مقدمہ شرح نوویؒ)

حافظ شمس الدین ذہبیؒ فرماتے ہیں:

''میں کہتا ہوں کہ طبقۂ اولیٰ و ثانیہ کی حدیثیں مساویانہ طور پر لیتے ہیں، ثانیہ کی معدودے چند کو چھوڑ کر جس میں وہ کسی قسم کی نکارت سمجھتے ہیں پھر متابعات و شواہد کے طور پر طبقۂ ثالثہ کی حدیثیں لیتے ہیں، جن کی تعداد بہت زیادہ نہیں، اصول میں تو ان کی حدیثیں شاید ہی لیتے ہیں، یہ عطا بن السائب، لیث بن ابی سلیم، یزید بن ابی زیاد، ابان بن صمعہ، محمد بن اسحاق اور محمد بن عمرو بن علقمہ اور ان کی حیثیت لے لوگ ہیں۔'' (سیر اعلام النبلاء ۱۲/ ۵۷۵)

ایک غلط فہمی کا ازالہ

اوپر صحیحین کے تعلق سے جو کچھ عرض کیا گیا، اس سے ممکن ہے بعض اہل علم کو شبہ ہو کہ پھر تو صحیحین سے اعتماد اٹھ جائے گا، اور نتیجۃً پورا ذخیرۂ حدیث مشکوک ہو جائے گا، جب کہ صحیحین کا اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہونا مسلم اور متفق علیہ ہے، کیوں کہ جب صحیحین تک ضعیف حدیثوں سے محفوظ نہیں رہیں تو دوسری کتب حدیث تو بدرجۂ اولی محفوظ نہیں رہیں گی اور اس طرح پورا ذخیرۂ حدیث مشکوک اور نا قابل اعتماد ہو جائے گا اور منکرین حدیث کو انکار حدیث کے لیے بہانہ ملے گا۔

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ ہم نے یہ کہا ہی کب ہے کہ صحیحین میں ضعیف حدیثیں بھی ہیں؟ اصل بات یہ ہے کہ جمہور امت کے نزدیک حدیثوں میں صحت وحسن کا معیار مختلف ہوتا ہے، باب احکام (حلال وحرام) میں سخت ہوتا ہے تو فضائل وغیرہ میں نرم، چنانچہ ہم نے بخاری شریف سے جو مثالیں پیش کی ہیں وہ اپنی علتوں کے باوجود فضائل وآداب کے باب کے اعتبار سے یقیناً صحیح ہیں۔ اگر چہ باب احکام میں جس درجہ کی صحت ہوتی ہے وہ ان میں نہیں ہے، اسی لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کو داخل "صحیح" کرلیا۔

اس حقیقت کو نظر انداز کرتے ہوئے بعض حضرات ہر باب میں صحت وحسن کے اسی معیار کو استعمال کرنے لگتے ہیں، جو باب احکام کے لیے مخصوص ہے اور وہ بھی صرف اسنادی پہلو سے، اس لیے مناسب خیال کیا گیا ہے کہ ضعیف اور متکلم فیہ رجال کی حدیثوں کی بابت صحیحین کے مصنفین کا اصل موقف واضح کر دیا جائے تا کہ اس مغالطہ کی گنجائش باقی نہ رہے۔

ورنہ صحیحین کے متعلق جمہور امت کی جو رائے ہے، وہی ہمارا بھی مسلک ہے کہ یہ دونوں کتابیں صرف صحیح احادیث کا مجموعہ ہیں' علامہ شبیر احمد عثمانی علیہ الرحمہ نے مقدمہ "فتح الملہم" میں صحیحین کی حدیثوں کے مفید قطع ویقین ہونے کے نظریہ کی مدلل تردید کرنے کے بعد صحیحین کی عظمت ومقام کی بابت حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی عبارت نقل کی ہے، اس جگہ ہم بھی انہیں کی عبارات کو نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں، علامہ عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لیس غرضنا مما کتبنا فی ھذالبحث تھوین امر الصحیحین او غیر ھما کتب

الحدیث، بل المقصود نفی التعمق و الغلو، ووضع کل شیء فی موضعه، وتنویه شانه بما یستحقه ونحن بحمدالله نعتقد فی هذین الکتابین الحلیلین و نقول بما قال شیخ شیوخنا، ومقدم جماعتنا الشاه ولی الله الدهلوی فی "حجة الله البالغة" وهذا لفظه:

اما الصحیحان فقد اتفق المحدثون علی ان جمیع ما فیهما من المتصل المرفوع صحیح بالقطع (بالتفصیل الذی ذکرنا) وانهما متواتران الی مصنفیهما، وانه من کان یهون امرهما، فهو مبتدع ضال متبع غیر سبیل المؤمنین۔"

اس بحث میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس سے ہمارا مقصد معاذ اللہ صحیحین یا دوسری کتب حدیث کی کسر شان نہیں ہے، بلکہ ان کی بابت غلو کی تردید اور ہر چیز کو اس کے اصل مقام پر رکھنے اور اس کو اس کا واجبی حق دینے کی کوشش ہے، ورنہ ہم بحمد اللہ ان دونوں عظیم الشان کتابوں کے متعلق وہی نظریہ رکھتے ہیں، جو ہمارے شیخ الشیوخ اور مقتدا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں فرمایا ہے۔

رہی صحیحین تو محدثین اس پر متفق ہیں کہ ان میں جو کچھ مرفوع متصل کے قبیل سے ہے وہ بالکل صحیح ہے، اوران کتابوں کا ثبوت ان کے مصنفین سے بطور تواتر ہے، بلاشبہ جو شخص ان کی شان گھٹائے گا وہ بدعتی، گمراہ اور مسلمانوں کے راستے کے علاوہ راستہ کی پیروی کرنے والا ہوگا۔'' (مقدمہ فتح الملہم ص:۱۰۸)

یحییٰ بن معینؒ کا موقف

ابن سید الناس نے تو عیون الاثر میں یحییٰ کا مذہب مطلقاً وہی نقل کیا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ ان کا مذہب جمہور کے موافق ہے، شواہد درج ذیل ہیں:

(۱) جیسا کہ اوپر مذکور ہوا حافظ سخاویؒ نے فتح المغیث میں جن چند لوگوں سے (عقائد و احکام میں تشدد، فضائل وغیرہ میں تساہل) نقل کیا ہے ان میں ابن معین بھی ہیں۔ (فتح المغیث ۱/ ۲۹۷)

(۲) شیخ احمد محمد نور سیف نے ''مقدمہ تاریخ ابن معین'' میں لکھا ہے کہ یحییٰ بن معین کی محمد بن اسحاق کے متعلق جو رائیں منقول ہیں، ان سے قطعاً یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اس کی حدیثیں مطلقاً قابل ترک ہیں، چنانچہ فرمایا:

"ثقة ولكن ليس بحجة"

ابن اسحاق کے شاگرد زیاد بن عبداللہ البکائی کے متعلق فرمایا:

"ليس بشيء لا باس به في المغازي واما في غيرهما فلا"

معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک مغازی وغیرہ میں تو ابن اسحاق اور ان کے شاگرد مقبول ہیں، احکام وغیرہ میں نہیں۔

(۳) الکامل لابن عدی (۲۶۶/۱) میں ہے:

"عن ابن ابي مريم قال: سمعت ابن معين يقول: ادريس بن سنان يكتب من حديثه الرقاق"

ابن معین کے نزدیک ادریس بن سنان کی حدیث رقاق (آداب وفضائل) کے باب میں قابل قبول ہے، جب کہ یہ ضعیف ہیں۔

ابوبکر بن العربیؒ کا موقف:

یہ "مالکی المسلک فقیہ" ہیں، ان سے ایسی کوئی صراحت تو نہیں ملی، جس سے ثابت ہو کہ ان کے نزدیک فضائل اعمال میں ضعیف قابل عمل نہیں' البتہ اس کے برعکس ثابت ہے۔

(۱) مرسل حدیث جو جمہور محدثین وشافعیہ کے نزدیک ضعیف ہے مالکیہ کے نزدیک اس سے استدلال درست ہے، وہ خود اس بات کو نقل کرتے ہیں۔

"المرسل عندنا حجة في احكام الدين من التحليل والتحريم وفي الفضائل وثواب العبادات، وقدبينا ذلک في اصول الفقه"

.(عارضة الاحوذي ۲۳۷/۲)

(۲) ضعیف کے معمول بہ ہونے کی صراحت خود فرماتے ہیں:

"روى ابو عيسىٰ حديثاً مجهولاً: "ان شئت شمته وان شئت فلا" وهووان كان مجهولاً فانه يستحب العمل به لانه دعاء بخير، وصلة للجليس، وتودده" (عارضه ۲۰۵/۱۰)

یعنی اگر چہ یہ حدیث مجہول کی روایت سے ہے، لیکن اس پر عمل کرنا مستحب ہے، کیوں کہ اس میں خیر کی دعا، ہم نشیں کی دل بستگی اور اس سے محبت کا اظہار ہے۔

ابوشامہ مقدسی کا موقف:

محدث ابوشامہ مقدسی کی بات شیخ طاہر الجزائری نے توجیہ النظر (۲/ ۲۵۷) میں نقل کیا ہے، انہوں نے اپنی کتاب "الباعث علی انکار البدع والحوادث" میں حافظ ابن عساکر دمشقی کی ایک مجلسِ املاء کی حوالہ سے ماہ رجب کی فضیلت کے متعلق تین حدیثیں ذکر کیں، اس کے بعد لکھا کہ:

"کنت اود ان الحافظ لم یذکر ذلک فان فیه تقریراً لما فیه من الاحادیث المنکرة فقدره کان اجل من ان یحدث عن رسول الله ﷺ بحدیث یری انه کذب، ولکنه جریٰ علی عادة جماعة من اهل الحدیث یتساهلون فی احادیث الفضائل الخ".

یعنی کاش کہ ابن عساکر ان حدیثوں کو نہ بیان کرتے، کیوں کہ اس سے منکر حدیثوں کو رواج دینا ہے، آپ جیسے محدث کی شایان شان نہیں کہ ایک حدیث جس کو غلط سمجھ رہے ہیں بیان کریں۔ لیکن محدثین کی ایک جماعت جو فضائل اعمال میں تساہل برتتی ہے اس کے طریقہ کو آپ نے اختیار کیا ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی فتح الملہم میں اس پر تبصرہ یوں فرماتے ہیں:

محدث ابوشامہ نے فضائل وغیرہ میں ضعف پر عمل کے سلسلہ میں تو کوئی نقد نہیں کیا، بلکہ ابن عساکر جیسے ماہر فن کے طرز عمل پر نکتہ چینی کی کہ انہوں نے ایک منکر حدیث بغیر کسی وضاحتی بیان کے عوام میں نقل فرمادی، جس سے عوام یا جس کو اس فن سے مناسبت نہیں، ابن عساکر کی نقل سے دھوکہ کھانے اور اس کو ثابت سمجھنے کا اندیشہ ہے، جب کہ محدثین کے نزدیک یہ غیر ثابت ہے"۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا موقف:

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ بھی فضائل وغیرہ میں ضعیف پر عمل کے مسئلہ میں جمہور سے الگ نہیں ہو سکے، اس دعویٰ کا بین ثبوت ان کی کتاب "الکلم الطیب" ہے، اس میں ضعیف حدیثوں کی تعداد کتنی ہے، اس کا جواب علامہ ناصر الدین البانیؒ دیں گے، جنہوں نے "صحیح الکلم الطیب" اور ضعیف الکلم الطیب" میں خط امتیاز قائم کرنے کا کارنامہ انجام دیا ہے۔ (التعریف باوھام ۱/ ۱۰۳)

علامہ شوکانی کا موقف:

اگر چہ علامہ شوکانیؒ کی "الفوائد المجموعۃ" (ص:۲۸۳) کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے نزدیک ضعیف حدیث مطلقاً نا قابلِ عمل ہے۔لیکن ان کی اہم ترین تصنیف "نیل الاوطار" (۶۰/۳) کی یہ عبارت اس کی نفی کرتی ہے۔

"ولآیات والاحادیث المذکورہ فی الباب تدل علی مشروعیه الاستکثار من الصلاۃ بین المغرب والعشاء، ولاحادیث وان کان اکثرھا ضعیفاً فھی منتھصه بمجموعھا، لاسیما فی فضائل الاعمال."

اس کا مطلب یہ ہے کہ مغرب اور عشاء کے درمیان نوافل کی کثرت سے متعلق اکثر حدیثیں اگر چہ ضعیف ہیں، لیکن مجموعی حیثیت سے مضبوط ہیں، خاص کر فضائل اعمال میں۔

نیز آپ کی کتاب "تحفة الذاکرین" کا مطالعہ کرنے والا شخص تو ہمت ہی نہیں کر سکتا کہ ان کی طرف سے زیر بحث مسئلہ میں خلاف جمہور رائے کا انتساب کرے، کیوں کہ وہ تو ضعاف سے بھری پڑی ہے۔(ملاحظہ ہو التعریف)

ان معروضات سے یہ حقیقت آشکارا ہوگئی کہ ضعیف حدیث جب کہ موضوع نہ ہو، باب احکام وعقائد کے علاوہ میں اجماعی طور سے پوری امت کے نزدیک قابل عمل ہے، اور چوں کہ فضائل، مناقب، ترغیب وترہیب، سیر ومغازی کی احادیث کے ذریعہ غفلت سے بیداری اور دین پر عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔اس لیے پورے شدومد سے ان کے خلاف ہوا کھڑا ہوگیا ہے، تاکہ مذہبی احکام کی اہمیت کم سے کم تر ہو جائے، پھر زیاں کے بعد زیاں کا احساس باقی نہ رہے "یالیت قومی یعلمون."

ضعیف حدیث پر عمل کی شرائط:

ہاں یہ ضرور ہے کہ ضعیف حدیث کا ثبوت متحمل ہوتا ہے، اس لیے اس سے استدلال کے وقت کچھ امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، حافظ شمس الدین سخاوی نے القول البدیع (ص:۱۵۹) میں ابن حجرؒ سے نقل کیا ہے۔

حدیث ضعیف پر عمل کے لیے تین شرطیں ہیں:

۱۔ یہ کہ ضعف غیر شدید ہو، چنانچہ وہ حدیث جس کی روایت تنہا کسی ایسے شخص کے طریق سے ہو جو کذاب یا متہم بالکذب، یا فاحش الغلط ہو، خارج ہوگی۔

۲۔ اس کا مضمون قواعد شرعیہ میں سے کسی قاعدہ کے تحت آتا ہو، چنانچہ وہ مضمون خارج از عمل ہوگا، جو محض اختراعی ہو، اصول شرعیہ میں سے کسی اصل سے میل نہ کھاتا ہو، (ظاہر ہے اس کا فیصلہ دیدہ ور اور بالغ نظر فقہاء ہی کر سکتے ہیں، ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔

۳۔ اس پر عمل کرتے وقت اس کے ثبوت کا عقیدہ نہ رکھا جائے، بلکہ صرف اس کے ثواب کے حصول کی امید کے ساتھ کیا جائے، مبادا آنحضرت ﷺ کی جانب ایک بات جو واقع میں آپؐ نے نہ فرمائی ہو، اس کا آپ کی طرف منسوب کرنا لازم آجائے۔

۴۔ مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے ایک چوتھی شرط بھی ذکر کی ہے وہ یہ کہ مسئلہ کے متعلق اس سے قوی دلیل معارض موجود نہ ہو، پس اگر کوئی قوی دلیل کسی عمل کی حرمت یا کراہت پر موجود ہو اور یہ ضعیف اس کے جواز یا استحباب کی متقاضی ہو، تو قوی کے مقتضی پر عمل کیا جائے گا۔

''فضائل اعمال'' اور ''ترغیب وترہیب'' کا فرق

واضح رہے کہ اہل علم ضعیف حدیث کے قابل قبول ہونے کے مواقع بیان کرتے ہوئے اپنی عبارتوں میں ''فضائل اعمال'' اور ''ترغیب وترہیب'' دو لفظوں کا استعمال کرتے ہیں، فضائل اعمال کا اطلاق ایسے موقعوں پر کرتے ہیں جہاں کوئی مخصوص عمل پہلے سے کسی نص صحیح یا حسن سے ثابت ہونے کی بجائے کسی ضعیف حدیث کا اس عمل کا ذکر اور اس کی فضیلت آئی ہو اور علمائے امت اور فقہائے کرام اس ضعیف حدیث ہی کی بنیاد پر اس عمل کو مستحب قرار دیتے ہیں، مذکورہ بالا شرطوں کے ساتھ، مثلاً: مغرب کے بعد چھ رکعات کا پڑھنا، قبر میں مٹی ڈالتے وقت مخصوص دعا کا پڑھنا مستحب قرار دیا گیا ہے، (جیسا کہ گذرا) اور جیسے اذان میں ترتیل (ٹھہر ٹھہر کر اذان ادا کرنا) اور اقامت میں حدر (روانی سے ادا کرنا) مستحب ہے، ترمذی کی حدیث ضعیف کی وجہ سے جو عبدالمنعم بن نعیم کے طریق سے روایت کر کے کہتے ہیں: **"هذا اسناد مجهول"** اور **عبدالمنعم** کو ''دارقطنی'' وغیرہ نے ضعیف کہا ہے، ان مثالوں میں مذکورہ بالا شرطیں پائی جا رہی ہیں۔

اور'' ترغیب وترہیب'' کا اطلاق ایسے مواقع میں کرتے ہیں، جہاں کہ وہ مخصوص عمل کسی نص قرآنی، حدیث صحیح یا حسن سے ثابت ہو اور کسی حدیث ضعیف میں ان اعمال کے کرنے پر مخصوص ثواب کا وعدہ اور نہ کرنے یا کوتاہی کرنے پر مخصوص وعید وارد ہوئی ہو، چنانچہ اس مخصوص وعدہ اور وعید کو بیان کرنے کے لیے ضعیف سے ضعیف حدیث کو مذکورہ بالا شرطوں کے بغیر بھی بیان کرنا جائز قرار دیتے ہیں، اس لیے کہ اس میں اس حدیث سے کسی طرح کا کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا اور فضائل میں جو استحباب ثابت ہوتا ہے وہ بر بنائے احتیاط ہے اور بعض شوافع کے نزدیک تو استحباب حقیقۃً حکم اصطلاحی ہی نہیں ہے، اس لیے کوئی اشکال نہیں امام بیہقی رحمہ اللہ دلائل النبوۃ (۱/۳۳۔۳۴) میں فرماتے ہیں:

واما النوع الثانی من الاخبار فهی احادیث اتفق اهل العلم بالحدیث علی ضعف مخرجها وهذا النوع علی ضربین: ضرب رواه من كان معروفاً بوضع الحديث والكذب فيه، فهذا الضرب لايكون مستعملاً فی شیء من امور الدین الا علی وجه التلین......

وضرب لايكون راويه متهماً بالوضع غير انه عرف بسوء الحفظ و كثرة الغلط فی رواياته، او يكون مجهولاً لم يثبت من عدالته وشرائطه قبول خبره ما يوجب القبول، فهذا الضرب من الاحاديث لايكون مستعملاً فی الاحكام، وقد يستعمل فی الدعوات، والترغيب والترهيب، والتفسير، والمغازی فيما لايتعلق به حكم" انتهی.

اور ترغیب وترہیب کے لیے مذکورہ نرمی محدثین کے طرز عمل سے ظاہر ہے، جیسا کہ اگلے عنوان میں واضح ہوگا۔

یہ فرق مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ کی اس عبارت سے بھی مترشح ہوتا ہے:

"فان عبارة النووی وابن الهمام وغيرهما منادية باعلیٰ النداء يكون المراد بقبول الحديث الضعيف فی فضائل الاعمال هو ثبوت الاستحباب ونحوه به، لا مجرد ثبوت فضيلة لعمل ثابت بدليل آخر، ويوافقه صنيع جمع من الفقهاء و المحدثين حيث يثبتون استحباب الاعمال التی لم يثبت. بالاحاديث الضعيفة وايضاً لو كان المراد ما ذكره، (يعنی الخفاجی من ان المراد بقبول الضعيف فی الفضائل

هو مجرد ثبوت فضيلة لعمل ثابت) لما كان لقولهم "يقتل الضعيف في فضائل الاعمال وفي المناقب" وفي الترغيب والترهيب فائدة يعتد بها."

ضعیف یا موضوع حدیثوں کی پذیرائی کس کس نے کی؟

جیسا کہ گذر چکا ہے کہ بطور متن لائی گئی حدیثوں میں شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے کوئی ایسی حدیث اپنی دانست کے مطابق ذکر نہیں کی جو موضوع ہو، چنانچہ جس کسی حدیث کے متعلق کسی نے وضع کی بات کی ہوتی ہے اور شیخ اس کے طرق اور مؤیدات وشواہد کی بنا پر مطمئن ہوتے ہیں تو ان طرق وشواہد کے ساتھ حدیث ذکر کرتے ہیں۔

البتہ شرح میں تائید وتوضیح کے طور پر امام غزالی کی احیاء العلوم، فقیہ ابولیث کی تنبیہ الغافلین اور قراۃ العیون جیسی کتابوں سے بکثرت لیتے ہیں۔ اس حقیقت کے اعتراف میں ہمیں ذرا بھی تأمل نہیں کہ ان کتابوں میں انتہائی ضعیف، موضوع و بے اصل روایات کی تعداد خاصی ہے۔ چنانچہ "مجموعہ فضائل اعمال" میں بھی اس طرح کی روایات کا در آنا بعید نہیں، اس کے باوجود ہمارا دعویٰ ہے کہ اس کتاب کی معتبریت اور حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا...... آخر کیوں؟

اس لیے کہ ہم نے بڑے بڑے ائمہ جرح وتعدیل اور نقادِ حدیث کو دیکھا کہ جب وہ رجال کی جرح وتعدیل اور حدیثوں میں ثابت وغیر ثابت، صحیح وغیر صحیح کی تحقیق کرنے کے موڈ میں ہوتے ہیں، تو ان کا انداز تحقیق اور لب ولہجہ اور ہوتا ہے اور جب اخلاق، آداب، فضائل یا ترغیب وترہیب کے موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں۔ تو اتنا نرم، پہلو اختیار کرتے ہیں کہ موضوع تک کو بطور استدلال پیش کر ڈالتے ہیں اور معلوم نہیں ہوتا کہ یہ وہی ابن جوزی، منذری، نووی، ذہبی، ابن حجر، ابن تیمیہ اور ابن قیم رحمہم اللہ ہیں، جن پر فن نقد ودرایت کو بجا طور پر ناز ہے اور مجموعی طور پر ان اساطین علم حدیث کا طرز عمل صاف غمازی کرتا ہے کہ ترغیب وترہیب وغیرہ کے باب میں چشم پوشی زیادہ ہے۔ جس کا آج کے مدعیان علم وتحقیق نہ جانے کس مصلحت سے نظر انداز کر رہے ہیں؟

امام بخاریؒ سمیت جمہور محدثین وفقہاء کا ضعیف حدیث کے ساتھ نرم پہلو اختیار کرنے کا معاملہ معلوم ہو چکا، اس کے علاوہ کچھ نامور ناقدین حدیث اور مشہور مصنفین کا ان کی کتابوں میں طرز عمل

ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔حافظ ابن جوزیؒ

حافظ ابو الفرج عبدالرحمن بن الجوزیؒ نے ایک طرف موضوعات کی تحقیق میں بے مثال کتاب تصنیف فرمائی تاکہ واعظین اور عام المسلمین ان موضوع حدیثوں کی آفت سے محفوظ رہیں، نیز وہ حدیث پر وضع کا حکم لگانے میں متشدد مانے جاتے ہیں۔ دوسری طرف اپنی پندو موعظت اور اخلاق و آداب کے موضوع پر تصنیف کردہ کتابوں میں آپ نے بہت سی ایسی حدیثیں نقل کر ڈالی ہیں، جوضعیف کے علاوہ موضوع بھی ہیں۔ مثلاً دیکھئے ان کی کتاب "ذم الهوی"، "تلبیس ابلیس"، "رئووس القواریر" اور "التبصره"، جس کی تلخیص شیخ ابوبکر احسائی نے "قرة العیون المبصرة بتلخیص کتاب التبصره" میں کی ہے۔

یہ بات حافظ ابن تیمیہؒ نے "الرد علی البکری" (ص:۱۹) میں ابونعیمؒ، خطیبؒ، ابن جوزیؒ، ابن عساکرؒ، اور ابن ناصرؒ کے متعلق مشترکہ طور پر کہی ہے، حافظ سخاویؒ نے شرح الالفیہ میں لکھا:

"وقد اکثر ابن الجوزی فی تصانیفه الوعظیه فما اشبهها من ایراد الموضوع وشبهه"

۲۔حافظ منذریؒ

حافظ منذری کی الترغیب والترہیب کے نہج اور اس کے متعلق حافظ سیوطیؒ کی رائے گزر چکی اور ضمناً یہ بات بھی آئی کہ وہ ایسی حدیثیں بھی لاتے ہیں جس کی سند میں کوئی کذاب یا مہتم راوی ہوتا ہے اور اس کو صیغۂ تمریض "روی" سے شروع کرتے ہیں (شیخ رحمہ اللہ بھی ترغیب وترہیب منذری کی ایسی کوئی روایت نقل کرتے ہیں تو صیغۂ تمریض ہی سے کرتے ہیں) حافظ منذری اپنے مقدمہ میں کتاب کی شرطوں اور مصادر و مآخذ سے فارغ ہو کر لکھتے ہیں:

"واستوعبت جمیع ما فی کتاب ابی القاسم الاصفهانی مما لم یکن فی الکتب المذکورة، وهو قلیل واضربت عن ذکر ما قلیل فیه من الاحادیث المنحققة الوضع"

یعنی مذکورہ اہم مصادر حدیث کے علاوہ میں نے ابوالقاسم اصفہانی کی ترغیب وترہیب (جس میں انہوں نے اپنی سند سے حدیثیں تخریج کی ہیں) کی وہ ساری حدیثیں لی ہیں، جو مذکورہ کتب میں نہیں

آسکیں اور ان کی تعداد بہت تھوڑی ہے اور حدیثوں کو نظر انداز کر دیا ہے جس کا موضوع ہونا قطعی ہے۔

معلوم ہوا کہ کسی حدیث کی سند میں کذاب یا متہم راوی کا ہونا اس کے واقعی موضوع ہونے کو مستلزم نہیں ہے، تبھی تو منذریؒ نے ایسی روایات کو منتخب کر لیا جو ان کے نزدیک قطعی طور پر موضوع نہیں ہیں اور ان کی سند میں ایسے رجال ہیں جو کذاب یا متہم کہے گئے ہیں۔

۳۔ علامہ نوویؒ

علامہ نوویؒ شارح صحیح مسلم کے متعلق بھی علامہ کتانی نے (الرحمۃ المرسلۃ ص: ۱۵) میں حافظ سیوطی کا یہ جملہ نقل کیا ہے: ''اذا علتم بالحدیث انہ فی تصانیف الشیخ محیی الدین النووی فاردوہ مطمئنین'' اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ موضوع حدیث اپنی کتابوں میں ذکر نہیں کرتے اور ضعیف حدیثیں تو اس میں شک نہیں کہ ان کی کتاب ''الاذکار'' میں ان کی خاصی تعداد ہے جس سے معذرت کے طور پر مقدمہ میں انہیں یہ حقیقت واشگاف کرنی پڑی کہ ضعیف حدیث اگر موضوع نہ ہو تو فضائل اور ترغیب و ترہیب میں معتبر ہوتی ہے جیسے کہ گزرا۔

بلکہ ''ریاض الصالحین'' جو باب فضائل میں صحیح حدیثوں کا مجموعہ ہے اور جس کے متعلق انہوں نے صراحت کی ہے کہ وہ صحیح حدیث ہی ذکر کریں گے، اس میں چند ایک ضعیف حدیثیں موجود ہیں، شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے بطور مثال تین حدیثیں پیش کی ہیں۔ مثلاً:

(۱) ''الکیس من دان نفسہ الخ'' اس کی سند میں ابوبکر بن عبداللہ بن مریم ہے، جو بہت ہی ضعیف ہے۔ (فیض القدیر ۵/۶۸)

(۲) ''ما اکرم شباب شیخاً الا فیض اللہ لہ من یکرمہ عند کبر سنہ''

اس کے ضعیف ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں، کیوں کہ اس کی سند میں یزید بن بیان عقیلی اور اس کا شیخ ابوالرحال خالد بن محمد الانصاری دونوں ضعیف ہیں۔ (فیض القدیر ۵/۴۲۵، تہذیب التہذیب وغیرہ)

(۳) ''لاتشربو واحداً کشرب البعیر'' اس کی سند میں یزید بن سنان ابوفروہ الرہاوی ضعیف ہیں ترمذی کے نسخوں میں اس حدیث پر حکم مختلف ہے، بعض نسخوں میں ''حسن'' اور بعض میں ''غریب'' واضح رہے کہ امام ترمذی تنہا لفظ ''غریب'' اس جگہ لاتے ہیں جہاں سند میں کوئی ضعیف راوی منفرد ہوتا ہے،

حافظ نے فتح (۸۱/۱۰) میں فرمایا: سنده ضعيف۔

(۴) حافظ ذہبیؒ

حافظ ذہبی جن کی جرح وتعدیل میں شان امامت مسلم ہے، ہزاروں راویان حدیث میں سے ہر ایک کی ذمہ دارانہ شناخت کے سلسلہ میں اپنی نظیر نہیں رکھتے، چنانچہ تلخیص المستدرک، میزان الاعتدال وغیرہ میں حدیثوں پر ان کی جانب سے صادر شدہ احکام مستند قرار دیے گئے ہیں بلکہ بعض مواقع میں تو ان پر تشدد کا بھی الزام ہے، انہوں نے بھی اپنی "کتاب الکبائر" میں ضعیف، واہی، بلکہ موضوع تک کو بطور استشہاد پیش کیا ہے، شاید ان کا مذہب بھی اس سلسلہ میں ان کے پیش رو حافظ ابن الجوزیؒ جیسا ہے مثلاً:

(۱) کبیرہ گناہ "ترک صلاۃ" کے تحت کئی ضعیف حدیثیں ذکر کی ہیں، ان میں وہ طویل حدیث بھی ہے جو شیخ کی کتاب "فضائل اعمال" ص: ۲۸ تا ۳۱ میں درج ہے جس کے بموجب نماز کا اہتمام کرنے والے کا اللہ تعالیٰ پانچ طرح سے اکرام کرتے ہیں، اور اس میں سستی کرنے والے کو پندرہ طریقہ سے عذاب دیتے ہیں پانچ طرح دنیا میں، تین طرح موت کے وقت، تین طرح قبر میں اور تین طرح قبر سے نکلنے کے بعد شیخ نے تو یہ حدیث ابن حجر مکی ہیثمی کی "الزواجر" کے حوالہ سے نقل کی ہے، جس کی ابتدا: "قال بعضهم: ورد في الحديث" سے کی ہے، مزید اس کے چند حوالے اور مئویدات ذکر کرتے ہوئے حافظ سیوطی کی ذیل اللآلی سے نقل کیا کہ ابن النجار نے ذیل تاریخ بغداد میں اپنی سند سے ابو ہریرہؓ کے طریق سے اس کو روایت نقل کیا ہے۔ میزان الاعتدال میں ہے:

"هذا حديث باطل، ركبه على بن عباس على ابى بكر بن زياد النيسابورى"

پھر امام غزالیؒ اور صاحب منبہات کے حوالہ سے بھی اس مضمون کو مئوید کیا، الغرض شیخ نے تو مذکورہ بالا تمام حضرات کے طرز عمل سے یہ نتیجہ نکالا کہ حدیث بے اصل نہیں ہے اور ترغیب وترہیب کے لیے پیش کی جاسکتی ہے۔

لیکن تعجب حافظ ذہبیؒ پر ہے کہ خود میزان میں اس کے باطل ہونے کی تصریح فرماتے ہیں اور "کتاب الکبائر" میں "قد ورد في الحديث" کے صیغۂ جزم سے اس طرح ذکر کرتے ہیں جیسے کتنی ہی مضبوط درجہ کی حدیث ہو۔

(۲) اسی کتاب کے ص:۴۴ پر کبیرہ گناہ ''حقوق الوالدین'' کے تحت یہ حدیث نقل کرتے ہیں:

''لو علم الله شيئا ادنى من الاف لنهى عنه فليعمل العاق ما شاء ان يعمل فلن يدخل الجنة، وليعمل البار ما شاء ان يعمل، فلن يدخل النار''

اس حدیث کو دیلمی نے اصرام بن حوشب کے طریق سے حضرت حسین بن علیؓ کی حدیث سے مرفوعاً روایت کیا ہے، اس اصرام کے متعلق خود حافظ ذہبی میزان (۲۶/۱) میں فرماتے ہیں:

'' قال يحيىٰ فيه: كذاب خبيث، وقال ابن حبان: كما كان يضع الحديث على الثقات''

اس میں شبہ نہیں کہ حدیث میں معنوی نکارت کے علاوہ ایک کذاب اس کی روایت میں منفرد ہے، جو کسی طرح ترغیب وترہیب میں قابل ذکر نہیں ہے اور ذہبی نے اس سے استشہاد کیا۔

(۳) کبیرہ گناہ شربِ خمر کے تحت دو حدیثیں نقل کی ہیں، جن پر محدثین نے وضع کا حکم لگایا ہے، ایک صفحہ ۸۹ پر حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے، جس کے بموجب شرابی کی توبہ قبول نہیں ہوتی، دوسری صفحہ ۹۱ پر حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے جس کے بموجب شرابی کو سلام کرنا، اس کے جنازہ میں شرکت وغیرہ کو رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

حافظ ذہبیؒ کی ہی دوسری کتاب ''العلو لعلی الغفار'' ہے، اس میں بھی کافی حد تک تساہل پایا جاتا ہے، لیکن اس کا معاملہ ہلکا یوں ہے کہ اس میں ذہبیؒ نے حدیثیں اپنی سند سے ذکر کی ہیں، اب یہ لینے والے کی ذمہ داری ہے کہ تحقیق کر کے لے۔

(۵) حافظ ابن حجرؒ

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ جو حدیثوں کے طرق والفاظ پر وسیع نظر رکھنے کے سلسلہ میں اپنا ثانی نہیں رکھتے، اور احادیث ورواۃ کے مراتب کی شناخت وتعیین میں سند ہیں، یہ اپنی کتابوں میں موضوع اور بے اصل روایات ہرگز پیش نہیں کرتے، البتہ کسی حدیث پر موضوع کا حکم لگانے میں بہت احتیاط کرتے ہیں محدث مغرب علامہ احمد بن الصدیق الغمازی رحمہ اللہ اپنی کتاب ''المغير على الاحاديث الموضوعة فى الجامع الصغير'' کے صفحہ ۷ میں حدیث:

آفة الذين ثلاثة: فقيه فاجر، وامام جائر، مجتهد جاهل''

(جو مسند فردوس کے حوالہ سے ابن عباسؓ کے مسند کے طور پر جامع صغیر میں ہے) کونقل کر کے فرماتے ہیں:

"قال الحافظ فی زهر الفردوس: فیه ضعف و انقطاع : قلت (المغازی) بل فیه کذاب وضاع، وهو نهشل بن سعید، فالحدیث موضوع، والحافظ وشیخة العراقی، متساهلان فی الحکم للحدیث، ولا یکادان یصرحان بوضع حدیث الا اذا کان کالشمس فی رابعة النهار(کما فی التعلیقات علی الوجوبة الفاضلة)

یعنی محدث احمد بن الصدیق الغماری کے بقول حافظ ابن حجر اوران کے شیخ حافظ عراقی دونوں حدیث پر وضع کا حکم اس وقت تک نہیں لگاتے جب تک کہ علامات وضع روز روشن کی طرح نہیں دیکھ لیتے، اگر یہی مسلک شیخ زکریا رحمہ اللہ نے مجموعہ فضائل اعمال میں اختیار کرلیا ہے تو اس قدر واویلا مچانے کی کیا ضرورت ہے؟

(۲) حافظ سیوطیؒ

حافظ ابوبکر سیوطیؒ تو اس میدان کے مرد اور ضعاف و موضوعات کی پذیرائی میں ضرب المثل ہیں، انہوں نے اپنی کتاب جامع الصغیر کے مقدمہ میں اپنی شرط کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

" وصنته عما تفرد وضاع او کذاب"

اس کی شرح میں حافظ عبدالرؤف المناوی لکھتے ہیں:

"ان کا ماذکره من صونه عن ذلک اغلبی، او ادعائی، والا فکثیر اما وقع له انه لم یصرف الی النقد الاهتمام، فسقط فیما التزام الصون عنه فی هذا لمقام کما ستراه موضحاً فی مواضعه، لکن العصمة لغیر الانبیاء متعذرة، والغفلة علی البشر شاملة منتشرة، والکتاب مع ذلک من اشرف الکتب مرتبة واسماها منقبة" (فیض القدیر ۱ /۲۱)

یعنی حافظ سیوطیؒ کا یہ کہنا کہ میں نے ایسی حدیث سے اس کتاب کو محفوظ رکھا ہے، جس کی روایت میں کوئی کذاب یا وضاع منفرد ہو، یہ دعویٰ یا تو اکثری یا دعویٰ محض ہے، کیوں کہ بہت سے ایسے مواقع ہیں جہاں آپ نے صحیح طور پر پرکھا نہیں، چنانچہ جس سے محفوظ رکھنے کا التزام کیا تھا، وہ نادانستہ طور سے کتاب میں درآیا، جیسا کہ موقع پر وضاحت سے آپ کو معلوم ہوگا، بہرحال معصوم نبی کے علاوہ کوئی

نہیں، بھول چوک انسانی خاصہ ہے، اس کے باوجود کتاب مرتبہ وحیثیت کے اعتبار سے عظیم ترین ہے اور بلند پایہ خصوصیت کی حامل ہے۔

محدث ابن الصدیق الغمازی اپنی کتاب

"المغیر علی الاحادیث الموضوعة فی الجامع الصغیر" میں لکھتے ہیں:

"بلکہ اس میں جو حدیثیں سیوطیؒ نے ذکر کی ہیں، ان میں وہ حدیثیں بھی ہیں جن کے موضوع ہونے کا حکم خود انہوں نے لگایا ہے یا تو اپنی لآلی میں ابن جوزی کی موافقت کر کے یا خود ذیل اللآلی میں بطور استدراک ذکر کر کے"۔

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ نے الجامع الصغیر کی سات ایسی حدیثوں کی تعیین کی ہے جن کے وضع پر مؤلف نے ابن جوزی کی موافقت کی ہے اور پندرہ ایسی حدیثوں کی جن پر مؤلف نے اپنی طرف سے ذیل اللآلی میں وضع کا حکم لگایا ہے۔ حافظ سیوطی کے تساہل پر بصیرت افروز کلام کے لیے دیکھئے:

(تعلیقات علی الاجوبة الفاضلة للشیخ ابو غدة ص: ۱۲۶ تا ۱۳۰)

جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے کہ جن حدیثوں کے متعلق موضوع ہونے کا شیخ کو شبہ بھی ہوتا ہے، تو مؤیدات وشواہد جمع کرنے کا پورا اہتمام فرماتے ہیں، تو کیا اس بنا پر "مجموعۂ فضائل اعمال" حافظ سیوطیؒ کی کتاب سے اگر فائق نہیں تو اس کے برابر بھی نہیں قرار دیا جا سکتا ہے؟ ہمارے نزدیک اس پر بھی وہ تبصرہ منطبق ہوتا ہے جو مناوی نے جامع صغیر پر کیا۔

۷۔ حافظ ابن قیم الجوزیہؒ

حدیثوں پر وضع کا حکم لگانے میں جو محدثین متشدد مانے جاتے ہیں ان میں ایک نام حافظ ابن قیم کا ہے، اس دعویٰ کا ثبوت ان کی کتاب "المنار المنیف فی الصحیح والضعیف" جس میں انہوں نے چند ایک ابواب پر یہ کلی حکم لگایا ہے کہ اس باب میں جو کچھ مروی ہے باطل ہے، تاہم اس میں شک نہیں کہ نقد حدیث میں ان کی حیثیت مرجع ومسند ہے۔

لیکن ان کا حال یہ ہے کہ اپنی بعض تصنیفات مثلاً مدارج السالکین، زادالمعاد وغیرہ میں کتنی ہی ضعیف اور منکر حدیثیں کوئی تبصرہ کے بغیر بطور استدلال پیش کر ڈالتے ہیں، خاص طور سے اگر حدیث ان کے نظریہ کی تائید میں ہوتی ہے تو اس کی تقویت میں بات مبالغہ کی حد تک پہنچ جاتی ہے، مثلاً زادالمعاد

(۳/ ۵۴۔۵۷) میں وفد بنی المنتفق پر کلام کے ذیل میں ایک بہت لمبی حدیث ذکر کی ہے، جس میں یہ الفاظ بھی ہیں:

''ثم...... تلبثون کا لبثم ثم تبعث الصائحة، فلعمرو الھک ما تدع علی ظھرھا شئا الا مات، تلبثون ما لبثم، ثم یتوفی نبیکم، والملئکة الذین مع ربک، فاصبح ربک عزوجل یطوف فی الارض، وخلت علیه البلاد''

اس حدیث کو ثابت و صحیح قرار دینے میں ابن قیمؒ نے پورا زور صرف کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

''ھذا حدیث جلیل کبیر تنادی جلالته وفحامته وعظمته علی انه قد خرج من مشکاة النبوة، لایعرف الا من حدیث عبدالرحمن بن المغیرة المدنی.''

پھر عبدالرحمٰن بن مغیرہ کی توثیق اور ان کتابوں کے حوالوں کے ذریعہ جن میں یہ حدیث تخریج کی گئی ہے لمبا کلام کیا، حالاں کہ خود ان کے شاگرد حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ: ''ھذا حدیث غریب جداً، الفاظه فی بعضھا نکارة'' یعنی یہ حدیث انتہائی اوپری ہے، اس کے بعض الفاظ میں نکارت ہے، حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں عاصم بن لقیط بن عامر بن المنتفق العقیلی کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ: ''وھو حدیث غریب جداً'' جب کہ علامہ ابن قیم نے اس کی تائید میں کسی کہنے والے کے اس قول تک کو نقل کر ڈالا ہے:

''ولاینکر ھذاالقول الاجاحد او جاھل او مخالف للکتاب والسنة.''

یہ چند نمونے ہی جو مشتے نمونہ از خروارے پیش کئے گئے ان سے ضعیف حدیث کے متعلق امت کا مجموعی طرز عمل معلوم ہوگیا، اور یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی کہ بطور عمل متوارث حدیث ضعیف کا احترام چلا آیا ہے، اس کے خلاف کوئی موقف ''اتباع غیر سبیل المومنین'' (جماعت مسلمین کے راستہ کو چھوڑنے کے مترادف) ہے، خاص کر فضائل وغیرہ کے باب میں ضعیف حدیث کو بیان کرنا یا کسی کتاب میں شامل کرنا جرم نہیں ہے، ایسا کرنے والوں کی یہ ایک لمبی قطار ہے، ہم تو ان حضرات پر مکمل اعتماد کرتے ہیں، جو کچھ دینی و علمی ورثہ ہم تک پہنچا وہ اس قدسی صفت جماعت کا احسان ہے۔ البتہ جن لوگوں کو ان کے طرز عمل پر اعتراض ہے وہ جانیں کہ یہ لوگ مجرم ہیں یا نہیں؟ شیخؒ نے بجا طور پر کہا اور خوب کہا:

اگر ان سب اکابرین کی یہ ساری کتابیں غلط ہیں تو پھر فضائل حج کے غلط ہونے کا اس ناکارہ کو بھی

قلق نہیں۔" (کتب فضائل پر اشکالات اور ان کے جوابات ص:۱۸۲)

تیسرا نکتہ

بعض ناقدین نے مجموعہ فضائل اعمال میں کثرت سے قصص و حکایات کرنے پر تنقید کی ہے، اور بعض قصص کے وقوع کا انکار کرتے ہوئے انہیں خرافات کا پلندہ اور دین سوز حکایات قرار دیا ہے، ہم یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ جتنے واقعات شیخ نے نقل کئے ہیں سب صحیح ہی ہیں اور نہ شیخ کو ان حکایات کی صداقت منوانی منظور ہے، بلکہ ان قصوں کے داخل کتاب کرنے کا مقصد عبرت پذیری اور سبق آموزی میں اضافہ کرنا ہے اور یہ کوئی عجیب نہیں، بلکہ مزاج شریعت کے عین موافق ہے، بشرطیکہ دین وعقیدہ کا اس سے کوئی نقصان نہ ہو۔

اس میں شک نہیں کہ سچے واقعات کا عبرت پذیری اور تہذیب نفس میں خاصا دخل ہوتا ہے، انسانی طبیعت کسی واقعہ کے تناظر میں پیدا شدہ نتائج سے جس قدر متاثر ہوتی ہے معروضی انداز کی پند وموعظت سے اتنی متاثر نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں عبرت پذیری کے لیے جا بجا قصص بیان کئے گئے ہیں۔

"لقد كان فی قصصهم عبرة لاولی الالباب" (یوسف ۱۱۱)

اور آنحضرتؐ کو اس مقصد کی خاطر قصہ بیان کرنے کی تعلیم بھی دی گئی ہے۔

"فاقصص القصص لعلهم يتفكرون"

چنانچہ حضور ﷺ نے بعض تعلیمات کو ذہن نشین کرانے اور عبرت پذیری کی خاطر پچھلوں کے واقعات وقصص بیان بھی فرمائے۔ جو دواوین حدیث اور کتب تاریخ میں محفوظ ہیں۔ بعض مصنفین کتب حدیث نے اپنی مصنفات و جوامع میں کتاب الامثال، کتاب القصص وغیرہ کے مستقل عنوان بھی رکھے۔ چوں کہ ان قصوں کے بیان سے تحریم وتحلیل کا مفسدہ لازم نہیں آتا، اس لیے آپ ﷺ نے شریعت مصطفویہ پر کسی طرح آنچ نہ آنے دینے کی شرط کے ساتھ بنی اسرائیل کے قصے بیان کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔

"حدثو عن بنی اسرائیل ولاحرج ومن كذب علی متعمداً فليتبوا مقعده من النار." (مسند احمد ۵۶/۳، صحیح ابن حبان ۱۴/۱۴۷)

ظاہر ہے جن قصوں کے بیان کرنے کی اجازت دی گئی ہے ضروری نہیں کہ وہ پایۂ ثبوت کو پہنچے ہوں، اور اگر ثابت بھی ہوں تو ضروری نہیں کہ اسی تفصیل کے ساتھ ہوں جس تفصیل سے بیان کئے جارہے ہیں۔ بلکہ جو قصے خود حضور ﷺ نے بیان فرمائے ہیں، ان میں بھی مرکز توجہ ان کے وہ حصے ہیں جو مبنی بر موعظت وعبرت ہیں۔

ایک مثال

مثال کے طور پر حدیث ام زرع جو صحیحین کے علاوہ حدیث کی امہات کتب میں صحیح سندوں سے منقول ہے، یہ قصہ کہاں رونما ہوا؟ جن گیارہ عورتوں کی بات نقل کی گئی ہے ان کے نام ونسب کیا ہیں؟ پھر کون سی بات کس عورت نے کہی؟ یہ سب غیر معلوم ہے، پھر قصہ کو خود رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا۔ حضرت عائشہ ام المومنین یا صحابہ میں سے کسی اور نے؟ اس سلسلہ میں شراح حدیث کا اختلاف ہے نیز پورے قصے کو پڑھئے تو معلوم ہوگا کہ ان عورتوں نے اپنے اپنے شوہروں پر جو کچھ تبصرے کیے ہیں ان میں بعض تو ایسے ہیں کہ بخاری شریف پڑھنے والا طالب علم بڑی مشکل سے اپنی ہنسی ضبط کر پاتا ہے، لیکن چوں کہ قصہ کا مقصد اصلاً درس عبرت ہے اس لیے کوئی بھی عاقل یہ کہنے کی جسارت نہیں کرے گا کہ امام بخاری نے حیاسوز قصے صحیح بخاری میں بھر دیے یا نعوذ باللہ حدیث میں حیاسوز قصے بیان کیے گئے۔ اگر کوئی کہتا ہے تو یہ اس کے خبث باطن کی عکاسی کرتا ہے۔

اور جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے کہ مواعظ وقصص میں کافی حد تک تساہل ہے اور حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے جو قصے نقل کیے ہیں وہ پچھلی کتابوں سے ماخوذ ہیں، اس لیے اولاً تو ان کے متعلق یہ مطالبہ کہ وہ صحت کے اعتبار سے بالکل کھرے ہونے چاہئیں، بے جا مطالبہ ہے، ثانیاً حوالہ دینے کے بعد ناقل اپنی ذمہ داری سے بری ہو جاتا ہے۔

محیر العقول قصے

رہی بات بعض ان قصوں کی جن کا تعلق خرق عادت امور کے ظہور ووقوع سے ہے، مثلاً سید احمد رفاعی کبیر کے قصہ میں روضۂ اقدس سے دست مبارک برآمد ہونے کا معاملہ۔ تو اس طرح کے واقعات میں واقعی طالب حق کے لیے استبعاد کی کوئی چیز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ خرق عادت امور کو وقتاً فوقتاً ظاہر فرماتے ہیں۔ پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ نمودار ہونے والا دست مبارک حقیقی ہو، بلکہ وہ مثالی بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ بیک وقت ہزاروں کی تعداد میں زمین کے مختلف خطوں میں مردے دفن ہوتے ہیں اور وہاں حضور ﷺ کی شبیہ مبارک دکھائی جاتی ہے، وہ حقیقی بھی ہو سکتی ہے اور مثالی بھی۔

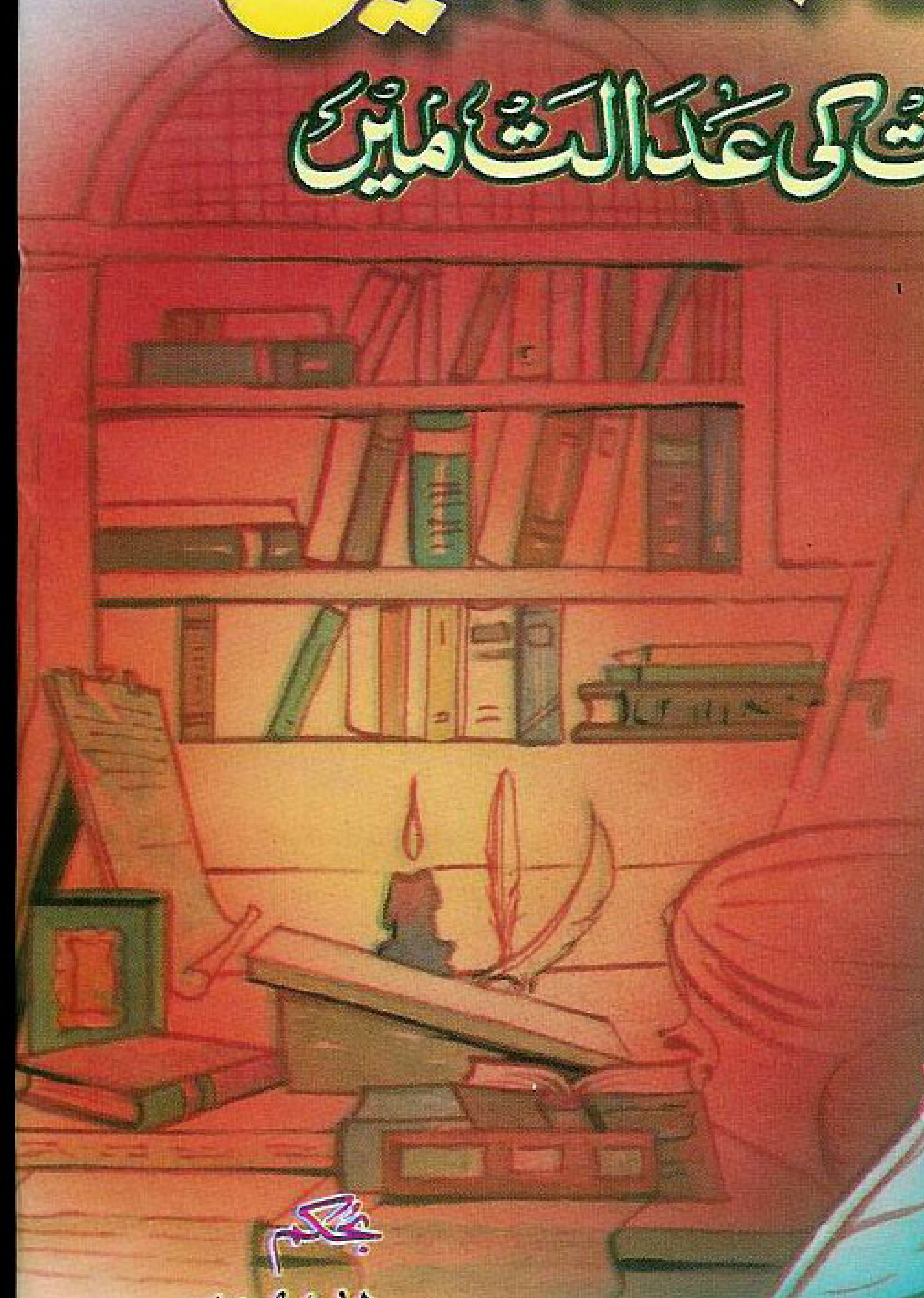
کتاب سے متعلق اس طرح کے اشکالات متعدد حضرات کو پیش آئے، انہوں نے شیخ سے رجوع کیا تو شیخ نے خطوط کے ذریعہ ان کے محققانہ وتشفی بخش جواب دیے، ان خطوط میں بعض بہت مدلل، پر مغز اور متعلقہ مسئلہ میں نادر وٹھوس معلومات کا ذخیرہ ہیں۔ یہ خطوط حضرت شیخ کے نواسے اوران کے علمی نوادرات کے امین مولانا محمد شاہد صاحب سہارنپور نے مستقل طور سے (کتب فضائل پر اشکالات اوران کے جوابات) کے نام سے طبع کرادیے ہیں۔ مجموعۂ فضائل کے ہر ایسے قاری کو ہم مذکورہ کتاب کو مطالعہ میں رکھنے کا مخلصانہ مشورہ دیتے ہیں جس کو دوران مطالعہ کچھ الجھنیں پیش آتی ہیں۔ ان شاء اللہ کہیں نہ کہیں اسکے اشکال کا حل مل جائے گا۔

واللہ یهدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ

جماعت المسلمین

قرآن و سنت کی عدالت میں



تالیف

مفتی سید اکرام الرحمٰن

پسند فرمودہ

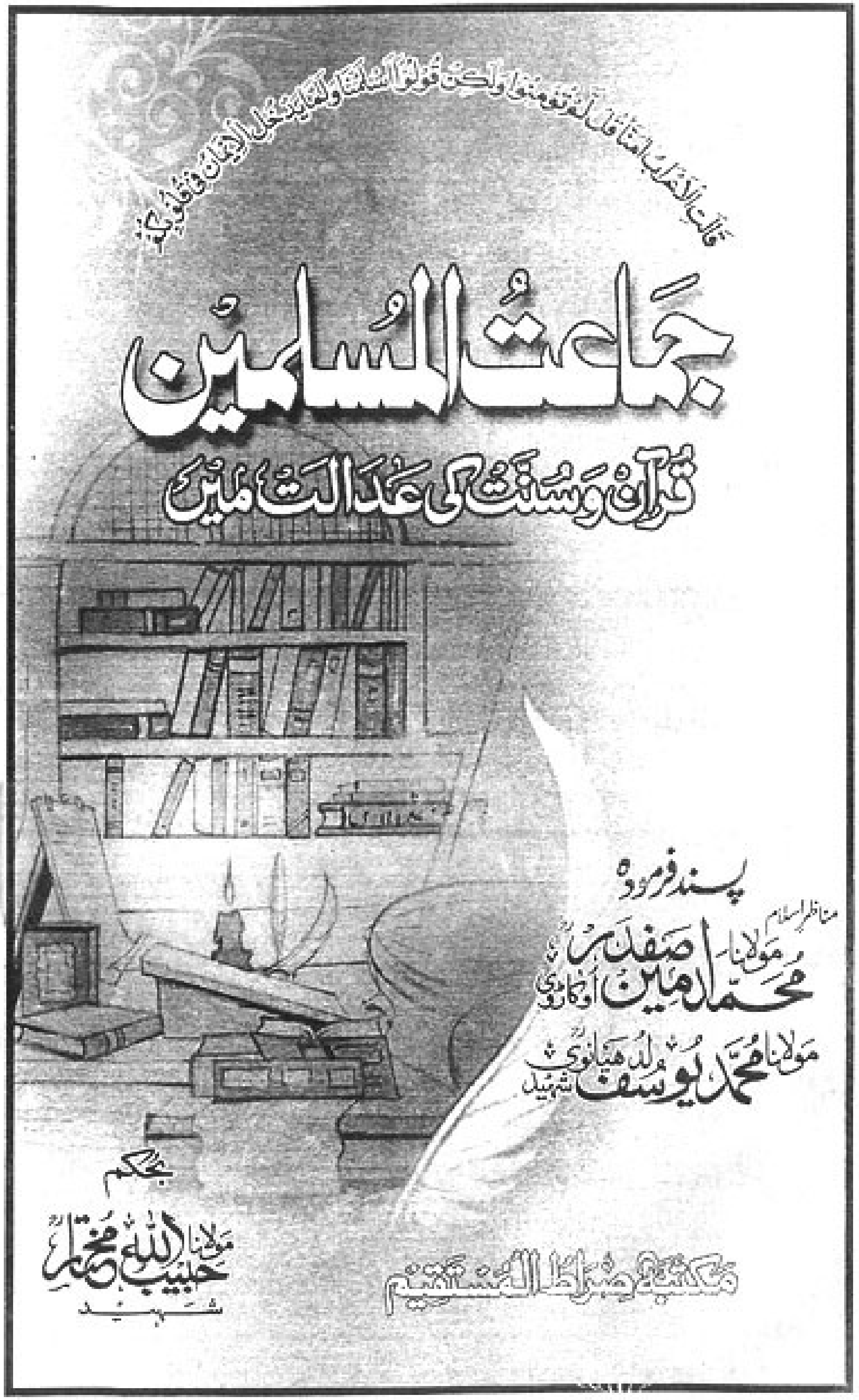
مناظر اسلام مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی

مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید

بحکم

مولانا حبیب اللہ مختار شہید

مکتبہ صراط مستقیم


قالت الاعراب آمنا قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم
جماعت المسلمین
قرآن و سنت کی عدالت میں
پسند فرمودہ
مناظر اسلام مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی
مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید
بحکم
مولانا حبیب اللہ مختار شہید
مکتبہ صراط المستقیم

ملنے کے پتے

مکتبہ منیریہ، نزد جامع مسجد فلاح، فیڈرل
بی ایریا نصیر آباد، 14/1717 کراچی 38
مکتبہ بنوریہ، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
مکتبہ حلیمیہ، جامعہ بنوریہ سائٹ، کراچی
یت القرآن، اردو بازار، کراچی
کان نمبر 14/A-21 قصبہ کالونی، کراچی
تبہ سید احمد شہید، اردو بازار، لاہور
○ سٹی بک کارنر کریم آباد کراچی
○ بیت الکتب گلشن اقبال کراچی

○ مکتبہ لدھیانوی، جامع مسجد فلاح، فیڈرل بی
ایریا نصیر آباد بلاک نمبر 14 کراچی 38
○ اسلامی کتب خانہ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی
○ ادارۃ المعارف، دار العلوم کورنگی، کراچی
○ مکتبہ رشیدیہ، نزد مقدس مسجد، اردو بازار، کراچی
○ بلال مسجد اسکاؤٹ کالونی، گلشن اقبال، کراچی
○ ادارہ اشاعت المعارف، ریلوے روڈ، فیصل آباد
○ جامعہ اسلامیہ محمد پورہ، ٹوبہ
○ مرکز اہل سنت والجماعت، سرگودھا

فہرست مضامین

باسمہٖ تعالیٰ

نام کتاب .... "جماعت المسلمین قرآن وسنت کی عدالت میں"

تصنیف .... مفتی سید اکرام الرحمٰن

طباعت اول ۱۹۹۷ء

تعداد .... ایک ہزار

قیمت .... 125 روپے

طباعت ثانی ------ ۲۰۰۶ء

"انتباہ"

جس وقت یہ کتاب تصنیف کی جا رہی تھی اس وقت سابق امیر فرقہ جماعت المسلمین زندہ تھے اسی لئے کتاب میں ان کو ہی مخاطب کیا گیا ہے اب چونکہ ان کا انتقال ہو چکا ہے لہٰذا موجودہ امیر فرقہ اپنے آپ کو مخاطب سمجھیں۔

از مصنف

اہم نوٹ

اس کتاب کے آخر میں ضمیمہ کے طور پر اسی موضوع سے متعلق

مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی صاحب کے دو اہم مفید رسالے بھی

شائع کیئے گئے ہیں

انتساب

باسمہٖ تعالیٰ

خاکسار اپنی اس محنت کو

سید الکونین، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے

نام سے منسوب کرنا اپنی سعادت سمجھتا ہے

کیونکہ اس محنت میں پائی جانے والی تمام چیزیں اس ذات کا

امتی ہونے کا ہی ثمرہ ہے۔

سید اکرام الرحمٰن

محمد یوسف لدھیانوی
جامع مسجد باب الرحمت
پرانی نمائش ایم اے جناح روڈ کراچی ۷۴۴۰۰
فون ۷۷۸۰۳۳۷

نائب امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت
استاذ حدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن
مدیر ماہنامہ "بینات" کراچی
اسلامی صفحہ اقرأ "آپ کے مسائل اور ان کا حل" روزنامہ جنگ کراچی

تقریظ

الحمدللّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

اما بعد:

اس پُر فتن دور میں دینی و دنیاوی ظاہری و باطنی فتنے مختلف رنگ روپ میں پے در پے ظاہر ہو رہے ہیں اور سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہی و کجی کی راہوں کی طرف دھکیلنے میں سرگرداں ہیں لیکن اس سب کے باوجود دوسری طرف اہل حق کی ایک جماعت شب و روز کی انتھک محنت و مشقت کے نتیجہ میں ان فتنوں کی بیخ کنی کرنے میں مصروف عمل ہے اور تاقیامت قائم و دائم رہے گی انہی فتنوں کی ایک کڑی بنام نہاد "جماعت المسلمین" ہے جو قرآن و حدیث کی غلط تاویلات و تعبیرات کے ذریعہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم میں اختلاف و افتراق پیدا کر کے گمراہی کی راہ کھول رہی ہے اور ہر قسم کے وساوس و شبہات کے ذریعہ قرآن و سنت کے حاملین فقہاء و محدثین اور سلف صالحین سے امت کا رشتہ توڑنے میں مصروف کار ہے "اللہ سب کو پناہ میں رکھے" آمین"

ناکارہ نے "اختلاف امت اور صراط مستقیم" میں نہایت منصفانہ تجزیہ کرتے ہوئے ان فرقوں کو خیر القرون کی کسوٹی پر پرکھا ہے۔

لیکن بنام نہاد اہل حدیث ہی میں سے نکلا ہوا بنام نہاد "جماعت المسلمین" یہی گروہ بوجہ عوارض و ضعف کے لکھنے کا موقع نہ ملا البتہ خدمت ناکارہ کے ایک شاگرد جناب مولانا مفتی اکرام الرحمن سلمہ اللہ نے سرانجام دیکر امت پر احسان کیا ہے حق تعالیٰ شانہ موصوف کو برکات سے نوازے اور ان کی اس تالیف کو شرف قبول عطا فرمائے اور ہر مسلمان کو اس تالیف سے استفادہ کی توفیق دے نیز اس تالیف کے آخر میں مناظر اسلام جناب مولانا محمد امین اوکاڑوی مدظلہ کا موضوع سے متعلق ضمیمہ بھی خوب ہے۔ فقط

والسلام

تقریظ

مناظر اسلام

حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی صاحب

باسمہٖ تعالیٰ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد!

اسلام ایک کامل، مکمل اور برحق دین ہے۔ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور ہمارے درمیان دین اسلام کے پہنچنے کا ذریعہ صرف اور صرف امت ہی ہے جو دین ہمیں باجماع امت پہنچا وہ معصوم نبیؐ کا دین معصوم ہی واسطے سے ہم تک پہنچ گیا اس لئے وہ ہمارے لئے حجت قاطعہ ہے اور جن فروعی مسائل میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہوا وہ ہمارے لئے رحمت واسعہ ہے لیکن ہم پر لازم یہی ہے کہ جس طرح سات اختلافی قراءتوں میں ہم اسی قراءت پر تلاوت کرتے ہیں جو یہاں "تلاوتاً" متواتر ہے تو مذاہب اربعہ میں سے بھی اسی مذہب کے مطابق سنت نبویؐ پر عمل کیا جائے گا جو یہاں "عملاً" متواتر ہے جب سے دورہ برطانیہ میں مسلمانوں میں سلف بیزاری کی رو چلی ہے اور اپنی خود رائی اور نفس پرستی کو عمل بالقرآن اور عمل

بالحدیث کہا جانے لگا اور اسلاف کی تقلید ترک کرنے سے کئی فتنے پیدا ہوئے جن میں سب سے زیادہ شدید فتنہ مسعودی فتنہ ہے ان کے نزدیک خدا اور رسول کو ماننے سے انسان مسلمان نہیں ہو سکتا مسلمان ہونے کے لئے ایک ان پڑھ مسعود احمد کو امیر ماننا ضروری ہے اس لئے یہ فرقہ **اتخذ الناس رء وسا جھالا فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا** (صحیح مسلم ص ۳۴۰ ـ ج ۲) کی مجسم تصویر ہے یہ اپنے سوا سب مسلمانوں کی تکفیر کرتا ہے اسلاف سے بغاوت اور اپنی خود رائی جس کی بنیاد ناقص مطالعہ اور خدا سے بے خوفی پر ہے، پر اعتماد کر کے مسلمانوں کو گمراہ کر رہا ہے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس فتنہ سے خود بچیں اور دوسرے مسلمانوں کو بچائیں اس سلسلہ میں مفتی اکرام الرحمٰن صاحب نے ایک کتاب بنام "جماعت المسلمین قرآن و سنت کی عدالت میں" تحریر فرمائی ہے جو کافی معلوم افزا ہے اللہ تعالیٰ مؤلف کو اجر جزیل، مسلمانوں کے لئے اس کو حفاظت دین اور مسعودی فتنہ والوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنائے۔

فقط محمد امین صفدر عفا اللہ

۱۵ جنوری ۱۹۹۷ء

KHANQAH YUSUFIA CHISHTIA (TRUST)

خانقاہ یوسفیہ چشتیہ (ٹرسٹ)

Date :

Ref :

تقریظ

مولانا مفتی منیر احمد اخون۔

خلیفۂ مجاز حضرت حکیم العصر مولانا محمد یوسف لدھیانوی دامت برکاتہم۔

مفتی دارالافتاء ختم نبوت۔ پرانی نمائش کراچی۔

کالم نگار "آپ کے خواب اور ان کی تعبیر" "اخبار جہاں" کراچی

حق تعالیٰ شانہٗ نے امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کے لئے دین اسلام کو پسند فرمایا اور قیامت تک اس کی حفاظت و نگہبانی کی ذمہ داری لے لی اور دنیا و آخرت کی صلاح و فلاح کو اسی میں منحصر کر دیا جس نے دین اسلام کے مسلمہ اصول و فروع میں تحریف و ترمیم کی جسارت کی اس نے دنیا میں گمراہی و ضلالت کی ترویج اور آخرت میں بد انجام کا سامان کیا اور سبیل المؤمنین سے انحراف اس کی دنیا و آخرت کی تباہی کا ذریعہ بنا لیکن یہ بات بھی مسلّم ہے کہ جہاں خیر کی ہوائیں چلی ہیں وہاں شرور و فتن کی سیاہ گھٹائیں بھی سایہ فگن رہی ہیں جن کو ہوا دینے میں بعض بدبخت بنیادی کردار ادا کرتے رہے ہیں خواہ وہ ختم نبوت کے اجماعی عقیدے پر ڈاکہ ڈالنے والا مرزا غلام احمد قادیانی ہو یا "حسبنا کتاب اللّٰہ" کا خوبصورت نعرہ لگا کر گمراہی کی راہوں کو ہموار کرنے والا غلام احمد پرویز ہو بہر حال جس فتنے نے بھی امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم میں گمراہی کا راستہ کھولنے کی جسارت کی اس نے نہایت خوبصورت نعروں اور حسین و جمیل ناموں سے فریب کاری کرنے کی کوشش کی اسی طرح کی ایک مثال نام نہاد "جماعت المسلمین" کے بانی مسعود احمد ہے جو احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکہ دیتا ہے اور جماعت المسلمین جیسا خوبصورت نام رکھ کر ہدایت و رشد کا دعویدار بنتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آڑ میں موصوف نے کس طرح دین اسلام کے حسین چہرے کو مسخ کرنے کی جسارت کی ہے اور جماعت المسلمین کے خوبصورت نام سے کس طرح فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے مگر "لکل فرعون موسیٰ" ہر فرعون کے لئے اللہ موسیٰ مسلط کرتا ہے چنانچہ جوں ہی اس فریب کار فرقہ نے سر اٹھایا تو علماء حق و صداقت نے بھی بڑھ کے اس کی سرکوبی کی اور انشاء اللہ قیامت تک یوں ہی ابطال باطل اور احقاق حق کا فریضہ علماء ادا کرتے رہیں گے مجاہدین میں سے جناب مولانا مفتی اکرام الرحمٰن صاحب بھی ہیں جنہوں نے اس گمراہ فرقہ کی سرکوبی میں علم و قلم کا جہاد کر کے اپنے لئے عظیم سامان نجات کر لیا ہے۔ احقر نے موصوف کے علمی و قلمی سعی کا جستہ جستہ جائزہ لیا جو "جماعت المسلمین قرآن و سنت کی عدالت میں" کے نام سے آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ ماشاء اللہ موصوف نے بڑی عرق ریزی سے اس فرقہ کے دام و پیچ کی حقیقت کھولی ہے اور قرآن و حدیث کے صحیح مفہوم و مصداق کی

KHANQAH YUSUFIA
CHISHTIA (TRUST)

خانقاہ یوسفیہ چشتیہ (ٹرسٹ)

Date : ____________

Ref : ____________

اسلاف کی تشریحات کی روشنی میں وضاحت کی ہے جس سے اس فرقے کی قرآن وسنت سے عداوت اور دشمنی کھل کر سامنے آجاتی ہے۔
اللہ موصوف کی اس کوشش کو قبول فرمائے اور امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کے حق میں ایک راہنما کتاب ثابت ہو۔ احقر کو بھی
حق تعالیٰ شانہ احقاق حق اور ابطال باطل کے فریضہ کو انجام دینے کی توفیق دے۔ آمین

چیئرمین ٹرسٹ ہذا

محرم ۱۴۱۳ھ

Pakistan

تمہید

برادران اسلام۔ اسلام میں فرقہ بندی کی ابتداء اس ملک میں دور برطانیہ میں شروع ہوئی۔ عوام میں دین کے بارے میں ذہنی آوارگی اور عملی بے راہ روی پیدا کی گئی۔ اس ذہنی آوارگی کے نتیجہ میں نت نئے فرقے پیدا ہوکر فتنے پھیلا رہے ہیں۔ ان فرقوں میں سے ۱۳۹۵ھ میں ایک فرقہ غیر مقلدین میں سے پیدا ہوا۔ جو مسعود احمد صاحب کو امام مفترض الطاعۃ مانتا ہے۔ کچھ لوگ اس کے دام میں پھنس گئے کیونکہ وہ قرآن وحدیث کے نام سے دھوکہ دیتا ہے۔ جب بندہ نے دیکھا کہ یہ فرقہ "عوام" میں گمراہی پھیلارہا ہے۔ تو سوچا کہ اس فرقہ کی حقیقت سے عوام کو آگاہ کیا جائے تاکہ وہ صحیح راستہ کو کھو نہ بیٹھیں۔ لٰہذا اس پر قلم اٹھایا ہے اور اللہ کی مدد کے ساتھ اسکی ابتداء کرتا ہوں دعا ہے کہ اللہ میرا حامی و ناصر ہو اور میری اس تحریر کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور اس کو میرے اور تمام امت مسلمہ کیلئے ذریعہ ہدایت بنائے۔ (آمین)

سید اکرام الرحمٰن

مقدمہ

تمام تعریفیں اللہ عزوجل کیلئے ہیں جس نے آسمان وزمین کو پیدا فرمایا اور رسولوں کو زمین پر اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا تا کہ وہ امت کی راہنمائی کرسکیں اور صلوۃ و سلام ہو سید الرسل خاتم النبین محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر۔

اما بعد

اللہ تبارک و تعالٰی کا ارشاد ہے۔

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ' لحفظون

(سورہ حجر آیت ۹)

یعنی ہم نے یہ قرآن نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔

تو اس دین کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالٰی نے اپنے اوپر لیا کوئی بھی اس دین میں تحریف و رد و بدل نہیں کرسکتا ہے اور جو کوئی کوشش کرتا ہے تو اللہ تبارک وتعالٰی اپنے نیک بندوں کو اس بات کی توفیق دیتے ہیں کہ وہ تمام غلط باتوں اور عقائد کو ادلۂ اربعہ سے غلط ثابت کردیتے ہیں اور ادلۂ اربعہ یہ ہیں (۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۳) اجماع (۴) قیاس و اجتہاد۔

اور الحمد للہ ہمارا عقیدہ ہے کہ جو چیز ان چار ادلۂ پر اترے گی وہ کامل ہوگی جیسا کہ "رکوع" کی مثال لے لیجئے اللہ پاک نے فرمایا "**وارکعوا**" کہ رکوع کرو لیکن رکوع کا طریقہ نہیں بتایا تو وہ طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادیا اور اب یہ کہ رکوع میں تسبیح آہستہ پڑھنی ہے یا بالجہر تو

اخفاء (آہستہ پڑھنے) پر امت کے علماء حق کا اجماع ہوگیا پھر اس کے بعد یہ کہ اگر کسی نے تسبیح نہیں پڑھی تو نماز ہوگی یا نہیں تو قیاس نے ثابت کردیا کہ نماز ہو جائے گی کیونکہ تسبیح سنت ہے اور سنت کو ترک کرنے سے نماز میں خرابی لازم نہیں آتی البتہ اس کو ایک سنت کے ثواب سے محروم ہونا پڑا۔ صرف قرآن و حدیث کا ماننا کافی نہیں۔ بلکہ صحیح سنت کے مطابق اس پر عمل بھی ضروری ہے۔ چنانچہ بعض لوگوں نے نئے گمراہ فرقوں کے نام اس طریقے سے رکھنے کا اہتمام کیا جیسا کہ کافر بت بناتے تھے اور کسی کا نام ابراہیم رکھتے تھے کسی کا نام اسماعیل تو اس نام رکھنے سے بتوں کا حق ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اسی طریقے سے نئے گمراہ فرقے اپنے نام قرآن و حدیث پر رکھتے ہیں جیسا کہ اہل قرآن' اہل حدیث اور ایک نیا گمراہ فرقہ نکلا جو کہ قرآن کی آیت سے اپنی جماعت مراد لیتا ہے اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اپنی جماعت مراد لیتا ہے۔ اور یہ ثابت کرتا ہے کہ ہمارا نام قرآن و سنت سے ثابت ہے لہٰذا ہم صحیح ہیں - یہ صرف لوگوں کو گمراہ کرنے کیلئے ہے اس کی مثال بالکل ایسی ہی ہے کہ خنزیر (سور) کا نام بکری رکھنے سے نہ تو خنزیر بکری بن سکتا ہے اور نہ ہی وہ حلال ہو سکتا ہے بلکہ وہ حرام محض اور نجس عین ہی رہے گا۔

اقول و باللہ التوفیق

”جماعت المسلمین کی اصل حقیقت“

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد.....!

برادران اسلام یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں اسلام لانے اور اسلام پھیلانے کا سہرا صرف اور صرف اہلسنت والجماعت کے سر ہے۔ لاکھوں کافروں نے ان کی دعوت پر اسلام قبول کیا۔ وہ بھی اہل سنت مسلمان ہی کہلائے اور تقریباً ایک ہزار سال اس ملک میں اسلامی حکومت قائم رہی اور کتاب و سنت پر مبنی فقہ حنفی اس ملک کا قانون رہا۔ اس کے بعد یہاں انگریز حکومت قائم ہوئی یہاں کے سب سنی مسلمان ایک مذہب حنفی کے پابند تھے نہ یہاں اختلاف تھا نہ فرقہ پرستی کا نام و نشان تھا۔ ملکہ وکٹوریہ نے مسلمانوں کے اس اتفاق و اتحاد کی فضا کو ختم کرنے کیلئے آزادیٔ مذہب (تقلید سے آزادی) کا اشتہار دیا جو وکٹوریہ کی سلور جوبلی کے موقع پر تقسیم کیا گیا۔

حکومت برطانیہ کی خوشنودی کیلئے کچھ لوگ پابندی مذہب حنفی سے آزاد ہو کر غیر مقلد بن گئے چنانچہ نواب صدیق حسن خان غیر مقلد لکھتے ہیں۔

”فرمانروایان بھوپال کو ہمیشہ آزادیٔ مذہب (غیر مقلدیت) میں کوشش رہی ہے جو خاص منشاء انڈیا گورنمنٹ کا ہے......... دولت عالیہ برٹش

نے اس معاملہ میں قدیماً“ حدیثاً“ ہر جگہ انصاف پر نظر رکھی ہے۔ کسی جگہ مجرد تہمت و افتراء پر کاروائی خلاف واقعہ نہیں فرمائی بلکہ اشتہار آزادیٔ مذہب جاری کئے۔ “ (ترجمان وہابیہ ص ۳)

مزید لکھتے ہیں

”اگر کوئی بدخواہ و بد اندیش سلطنت برٹش کا ہوگا تو وہی شخص ہوگا جو آزادیٔ مذہب (غیر مقلدیت) کو ناپسند کرتا ہے اور ایک خاص مذہب (حنفی) پر جو باپ دادوں سے چلا آرہا ہے جما ہوا ہے۔ “

(ترجمان وہابیہ ص ۵)

ایک اور مقام پر آپ لکھتے ہیں۔

”یہ آزادگی مذہب ہمارے مذاہبِ جدیدہ (حنفی ' شافعی وغیرہ) سے عین مراد قانون انگلشیہ سے ہے۔ “

(ترجمان وہابیہ ص ۲۰)

پھر لکھتے ہیں۔

”یہ لوگ (غیر مقلد) اپنے دین میں وہی آزادگی برتتے ہیں جس کا اشتہار بار بار انگریزی سرکار سے جاری ہوا ہے خصوصاً“ دربار دہلی سے جو سب درباروں کا سردار ہے۔ جو رسائل و مسائل رد تقلید و تقلید مذہب میں اب تک تالیف ہوئے ہیں وہ شاہد عدل ہیں اس بات پر کہ مدعی اس طریقے کی قید مذہب خاص سے آزاد ہیں اور جس قدر رسائل بجواب ان مسائل کی طرف سے مقلدان مذہب کے لکھے گئے ہیں وہ سب بہ آواز بلند پکارتے ہیں کہ ہم مذہب خاص کے مقید و مقلد ہیں۔ ہم پر پیروی فلاں و ہماں فرض و واجب ہے۔ آزادگیٔ مذہب سے کچھ واسطہ نہیں یہ آزادگی سرکار برٹش کو یا ان کو جو اس حکومت میں اظہار اپنی آزادگیٔ مذہب خاص کا کرتے ہیں مبارک رہے اب تامل کرنا چاہئے کہ دشمن سرکار (انگریزی) کا وہ ہوگا جو کسی قید (مذہب حنفی) میں اس پر

ہے یا آزاد و فقیر (غیر مقلد) ہے۔" (ترجمان وہابیہ ص ۳۲)

اور حنفیوں کے بارے میں لکھا ہے۔

"یہ چاہتے ہیں کہ وہی تعصب مذہبی و تقلید شخصی اور ضد اور جہالت آبائی جو ان میں چلی آئی ہے قائم رہے اور جو آسائش رعایا ہند کو بوجہ آزادگیٔ مذہب گورنمنٹ عطا کی ہے وہ اُٹھ جائے اور امن عالم باقی نہ رہے۔ سارے مسلمان ایک مذہب خاص کے پابند ہوکر خوب اپنا تعصب گورنمنٹ سے ظاہر کریں اور جب موقع پاویں مثل زمانہ غدر کے فساد برپا کریں۔"

(ترجمان وہابیہ ص ۵۶)

"بمقابلہ گورنمنٹ ہند فرقہ موحدین کو ہتھیار اٹھانا خلاف ایمان و اسلام کے ہیں۔" (ترجمان وہابیہ ص ۶)

خلاصہ

یہ نکلا کہ انگریز سے پہلے پاک و ہند کے سنی مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق تھا۔ سب مذہب حنفی کے پابند تھے۔ نہ کوئی تفرقہ تھا نہ کوئی اختلاف۔ اس لئے انگریز کو یہ خطرہ ہوا کہ اگر یہ لوگ اسی طرح متحد رہے تو یہ انگریز گورنمنٹ کے خلاف جہاد پر نکلتے رہیں گے اور حکومت برطانیہ خاک میں مل جائے گی چنانچہ مسلمانوں کے اتحاد کو ختم کرنے کے لئے گورنمنٹ برطانیہ نے آزادگیٔ مذہب کا اشتہار دیا جو لوگ اس اشتہار کی وجہ سے حنفی مذہب چھوڑ کر غیر مقلد بن گئے وہ سرکار کے فرمانبردار سمجھے گئے۔ انہوں نے بھی انگریز کے خلاف جہاد کو خلاف ایمان و اسلام مان لیا۔ لیکن جن لوگوں نے اشتہار پر عمل نہیں کیا اور مثل سابق سنی مسلمان ہی رہے ان کو متعصب' ضدی سرکار برطانیہ کا دشمن کہا گیا ان کے جہاد کو غدر اور فساد کا نام دیا گیا۔ اس تقلید امام اعظمؒ کے چھوڑنے کا سبب کوئی آیت قرآنی یا حدیث نبویؐ نہیں تھی صرف ملکہ وکٹوریہ کا اشتہار اسکی دلیل تھا۔ جب مذہب

سے آزادی اختیار کر کے لوگ شتر بے مہار بن گئے پھر کیا تھا اتحاد پارہ پارہ ہوگیا اور ہر روز نئے نئے اختلافات اور نئے نئے فرقے بننے لگے۔

مولانا عبدالاحد خانپوری فرماتے ہیں کہ

"نیچری فرقہ (جو معجزات و کرامات کے منکر ہیں) قادیانی فرقہ (جو ختم نبوت و حیات مسیح علیہ السلام کا منکر اور مرزا قادیانی کو نبی مانتا ہے) چکڑالوی فرقہ (جو منکرین سنت ہیں) ان الحدیثوں (غیر مقلدین) سے ہی نکلے۔"

(ملخصاً "کتاب التوحید و السنۃ ص ۱ و ص ۲)

خود اہلحدیث کہلانے والوں میں جو الگ الگ فرقیاں بنیں امام جماعت غرباء اہلحدیث نے انکی تفصیل یوں بیان فرمائی ہے۔

(۱) جماعت غرباء اہلحدیث ۱۳۱۳ھ

(۲) کانفرنس اہلحدیث ۱۳۲۸ھ

(۳) امیر شریعت صوبہ بہار ۱۳۳۹ھ

(۴) فرقہ ثنائیہ ۱۹۳۸ء

(۵) فرقہ حنفیہ عطائیہ ۳۰-۱۹۲۹ء

(۶) فرقہ شریفیہ ۱۳۴۹ھ

(۷) فرقہ غزنویہ ۱۳۵۳ھ

(۸) جمیعت اہلحدیث ۱۳۷۰ھ

(۹) انتخاب مولانا محی الدین ۱۳۷۸ھ

(خطبہ امارات ص ۳۶)

یعنی صرف ۶۵ سال میں یہ فرقہ نو (۹) فرقیوں میں بٹ گیا۔ ان کا عجیب

انداز ہے وعظ فرقہ بندی کے خلاف کرتے ہیں لیکن نت نئے فرقے بناتے رہتے ہیں۔ مسلمانوں کو کہتے ہیں کہ ائمہ نے اختلاف ڈالا۔ حالانکہ اس ملک میں سب حنفی تھے یہاں شافعی، مالکی، حنبلی اختلاف کا وجود ہی نہ تھا۔ اس ملک میں غیر موجود اختلاف کی برائیاں بیان کرتے اور خود اس ملک میں نئے نئے اختلاف پیدا کرتے۔

پروفیسر محمد مبارک غیر مقلد شاگرد مولوی عطاء اللہ حنیف بھوجیانوی غیر مقلد لکھتے ہیں۔

("جماعت غرباء اہلحدیث کی بنیاد صرف محدثین کی مخالفت کے مقصد کیلئے رکھی گئی صرف یہی مقصد نہیں بلکہ تحریک مجاہدین یعنی سید احمد شہیدؒ کی تحریک کی مخالفت کرکے انگریز کو خوش کرنے کا مقصد پنہاں تھا۔")

(علماء احناف اور تحریک مجاہدین ص ۴۸)

ان معروضات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ پاک و ہند میں مسلمانوں میں افتراق و انتشار کا باعث غیر مقلدیت ہی بنی۔ فرقہ بندی اور نت نئے اختلافات ترک تقلید کے درخت کے ہی کانٹے ہیں۔ البتہ ان ساری خامیوں کو عمل بالحدیث کے پردہ کے نیچے چھپا کر "ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور" کی مثال کو پورا کیا جاتا ہے۔

فرقہ در فرقہ در فرقہ مسعودیہ

یہ آپ جان چکے ہیں کہ ملکہ وکٹوریہ کے اشتہار مذہب آزادی کی بناء پر فرقہ غیر مقلدین پیدا ہوا جس کا مشن یہ تھا کہ "انگریز سے جہاد حرام اور

مسلمانوں میں تفرقہ بازی، اختلاف و انتشار پھیلانا فرض۔" اس فرقہ سے ایک اور فرقہ پیدا ہوا جس کا نام "غرباء اہلحدیث" تھا اس کا مقصد بھی آپ پڑھ چکے ہیں۔ اس فرقہ میں ایک شخص "مسعود احمدؒ" نامی تھا جس نے اہلحدیث ہوتے ہوئے کتاب "تلاش حق" لکھی جسے جماعت اہلحدیث کراچی نے شائع کیا۔ ایک رسالہ "التحقیق فی جواب التقلید" لکھا اسے بھی جماعت غرباء اہلحدیث نے شائع کیا۔ مسعود احمد اگرچہ عالم نہیں ہے مگر جماعت غرباء اہلحدیث نے اس کی بہت عزت افزائی کی۔ مثل مشہور ہے کہ "خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے" جماعت غرباء اہلحدیث میں سلسلہ امارت تھا مسعود احمد صاحب کا دل بھی امیر بننے کیلئے انگڑائیاں لینے لگا لیکن فرقہ جماعت غرباء اہلحدیث میں رہتے ہوئے یہ شوق پورا ہونا محال تھا اسلئے انہوں نے فرقہ غرباء اہلحدیث میں ایک ضمنی شاخ بنائی اس فرقی کا نام "جماعت المسلمین (اہلحدیث)" رکھا تقریباً" دس سال فرقہ ضمنی شاخ کی حیثیت سے رکھا اس کے دودھ سے پل کر ۱۳۹۵ھ میں جماعت غرباء اہلحدیث سے بغاوت کرکے اس فرقہ در فرقہ کو "جماعت المسلمین" کہنے لگے۔ موصوف مسعود احمد نے ۱۳۸۵ھ میں اپنی جماعت کی بنیاد رکھی تھی جس کا نام "جماعت المسلمین (اہلحدیث)" رکھا تھا دوسری دفعہ اہلحدیث سے بالکل کٹ کر ۱۳۹۵ھ میں اپنی جماعت کی دوبارہ بنیاد رکھی۔

چنانچہ موصوف فرماتے ہیں۔

(''ہم نے جماعت کی بنیاد ۱۳۸۵ ھ میں ڈالی تھی اور یہ کہ ہمارا اس جماعت سے تعلق ہے حالانکہ یہ الزام ہے وہ جماعت ختم ہوچکی ہے ہمارا اس جماعت سے کوئی تعلق نہیں وہ ایک فرقہ کی ذیلی جماعت تھی اور اب ہم فرقہ واریت سے تائب ہو کر مسلم ہوچکے ہیں۔'')

(جماعت المسلمین کے متعلق غلط فہمیاں مصنفہ مسعود احمد بحوالہ جماعت المسلمین کی کہانی)

ایک دوسرے مقام پر مسعود احمد لکھتا ہے۔

(''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم ۱۳۹۵ھ میں اللہ تعالیٰ کی بنیاد ڈالی ہوئی جماعت میں شامل ہوگئے۔'')

(بحوالہ سابقہ)

اس جماعت کی بنیاد موصوف نے ۱۳۹۵ھ میں رکھی لیکن موصوف کا یہ دعویٰ ہے کہ ان کی جماعت کی بنیاد اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے اب یہ بات موصوف کو کیسے معلوم ہوئی؟ تو موصوف ہی کے ذمہ اسکی وضاحت کرنا ہے۔ وہی بتائیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی جماعت کی بنیاد کس طرح رکھی؟ البتہ اس بات سے ان کی جماعت کا ''الفرقۃ الجدیدہ'' ہونا ثابت ہوگیا ہے کیونکہ اگر یہ جماعت پہلے سے چلی آرہی ہے تو پھر موصوف کو اسکی بنیاد رکھنے کی قطعاً ضرورت نہ تھی۔ موصوف یہ بھی وضاحت فرمائیں کہ جس طرح کی ''جماعت المسلمین'' نام کی جماعت انہوں نے بنائی ہے اس طرح کی جماعتیں کن کن ادوار میں بنائی گئی ہیں اور انکے بنانے والے کون تھے؟ اور اگر موصوف کی یہ جماعت پہلے سے چلی آرہی ہے تو موصوف سے پہلے اس

جماعت کے امیر کون تھے؟ یہ بات معلوم ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین کی خلافت کو لوگوں نے خلافت راشدہ کے نام سے جانا پھر بنو امیہ آئے اور بنو امیہ کے بعد بنو عباس میں خلافت قائم رہی اور خلافت کا یہ سلسلہ ترکوں کی حکومت تک قائم رہا یہاں تک کہ اس خلافت کا خاتمہ ایک ترک لیڈر ''اتا ترک کمال پاشا'' نے کردیا ان خلفاء کو لوگ امیر المؤمنین کے نام سے ضرور یاد کیا کرتے تھے لیکن ان میں سے کسی بھی خلیفہ کو ''امیر جماعت المسلمین'' کے نام سے آج تک کسی نے یاد نہیں کیا۔ اور نہ ''جماعت المسلمین'' نام کی جماعت سے کوئی واقف ہوا البتہ ہر دور کے مسلمین کی امارت کو مسلمین کی امارت ہی کہا گیا جسے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ''جماعت المسلمین'' کے نام سے یا ''الجماعۃ'' کے نام سے موسوم کیا۔ ''جماعت المسلمین'' اس لحاظ سے کہا گیا کہ وہ مسلمین کی امارت یا حکومت ہے نہ اس لئے کہ یہ الفاظ نام رکھنے کیلئے استعمال ہوئے لیکن صرف ''جماعت المسلمین'' کے نام سے مسلمین کی کوئی امارت' یا اسلامی حکومت میں ''جماعت المسلمین'' نام کی کوئی جماعت آج تک متعارف نہ ہو سکی اور جب موصوف دنیا میں ظہور پذیر ہوئے تو انہوں نے پہلی بار اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے ''جماعت المسلمین'' کو بطور نام کے اختیار کیا اور نام ہی انہوں نے کچھ اس طرح رکھا کہ دوسرے نام ان کے نزدیک ناقابل برداشت ٹھہرے اور انہوں نے بقیہ ناموں کو غلط اور غیر اسلامی قرار دیا۔

سبحٰنک ھٰذا بھتان عظیمٌ

ہمارا نام صرف مسلم ہی کیوں ہے دوسرے نام کیوں نہیں؟
کیا اللہ تعالیٰ نے ہمارا نام صرف مسلم رکھا ہے؟

"فرقہ جماعت المسلمین" کے بانی مسعود احمد بی۔ ایس۔ سی نے اس سلسلے میں قرآن کی اس آیت کو بنیاد بنایا ہے۔

هو سمّٰكم المسلمين من قبل وفي هٰذا

(سورہ حج آیت ۷۸)

ترجمہ : "اس نے تمہارا نام مسلمین رکھا ہے اس (قرآن) سے پہلے اور اس میں بھی۔" اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ عزوجل نے ہمارا نام مسلم رکھا ہے لیکن اس آیت میں اس بات کا کہیں ذکر نہیں ہے کہ اللہ نے ہمارا نام "صرف مسلم" رکھا ہے یا بالفاظ دیگر مسلم نام کے علاوہ دوسرے نام ممنوع ہیں۔ اس بات سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ ہمارا نام مسلم ہی ہے اور دنیا میں آج ہم اسی نام سے متعارف ہیں۔ چودہ سو سال سے دنیا ہمارے اسی نام سے واقف ہے اور قیامت تک ہم اسی نام سے پہچانے جائیں گے گویا یہ نام ہماری پہچان کا ذریعہ بن چکا ہے۔ یہ کوئی دور کی کوڑھی نہیں ہے کہ جسے موصوف لے کر آئے ہوں بلکہ جو دور کی کوڑھی وہ لائے ہیں وہ یہ ہے کہ "ہمارا صرف ایک ہی نام "مسلم" ہے" حالانکہ اس آیت سے یہ معنی اخذ

کرنا بالکل غلط ہے اس لئے کہ مسلم نام کے علاوہ ہمارے اور بھی بہت سے نام ہیں جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا اور وہ نام بھی اللہ تعالیٰ کے رکھے ہوئے ہیں۔

مسلم کے علاوہ دیگر ناموں کا ثبوت

جناب الحارث بن الحارث ابو مالک اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

"فادعوا بدعوى الله الذي سمّاكم المسلمين المؤمنين عباد الله"

(جامع الترمذی ابواب الامثال اور کہا هذا حديث حسن صحيح غريب
مسند ابو یعلیٰ ص نمبر۱۴۲ ج۔۳ اور اس کے محقق نے کہا "اسنادہ صحیح")

امام ناصرالدین الالبانی نے کہا "هذا الحديث صحيح الاسناد بلا شک"
(ملاحظہ فرمائیں صحیح الجامع الصغیر ص نمبر۳۵۶ ج۔۱)

ابن خزیمہؒ نے صحیح کہا ہے۔

امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں
(مستدرک ص نمبر۱۱۷، ۲۳۶، ۴۲۱، ج۔۱)

ترجمہ : "پس پکارو اس اللہ کی پکار کے ساتھ جس نے تمہارا نام مسلمین، مؤمنین، عباداللہ رکھا ہے" اس صحیح حدیث سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارا نام مسلم کے علاوہ مؤمن اور عبداللہ بھی رکھا ہے اور اس طرح یہ حدیث مسعود احمد کے "صرف" کے تخصیصی دعوے کو باطل قرار

دیتی ہے یہ حدیث چونکہ موصوف کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے لہٰذا انہوں نے اس حدیث کا جو حشر کیا ہے وہ انہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔

"حکم رسول۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جاہلیت کی پکار پکاری وہ اہل دوزخ میں سے ہے ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ وہ نماز پڑھے اور روزے رکھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگرچہ وہ نماز پڑھے اور روزے رکھے۔ پھر فرمایا

"فادعوا بدعوی اللہ الذی سما کم المسلمین المؤمنین عباد اللہ"

لہٰذا (مسلمین کو) ان ہی القاب کے ساتھ پکارو جن القاب سے اللہ تعالیٰ نے جس نے تمہارا نام مسلمین رکھا ہے۔ پکارا ہے یعنی مؤمنین، اللہ کے بندے۔

(رواہ الترمذی فی ابواب الامثال و صححہ)

اللہ اللہ جب القاب تک بدلنے کی اجازت نہیں تو نام بدلنا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ لیکن افسوس کہ لوگوں نے نام بدل ڈالا اور پھر اس پر فخر بھی کر رہے ہیں۔ بتایئے کیا اپنے آپ کو صرف مسلم کہنے کیلئے تیار نہیں۔")

(ہمارا نام صرف ایک یعنی مسلم ص ۸)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ مسعود صاحب پر فارسی کی کہاوت صادق آتی ہے "چہ دلاور است وزدے کہ دروست چراغ دارد" انہوں نے یہ ترجمہ اللہ کا خوف دل سے نکال کر کیا ہے ایک معمولی عربی جاننے والا شخص بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ المسلمین، المؤمنین، عباداللہ تینوں اسم "سما کم" کے بعد آئے ہیں۔ اگر نام ہیں تو تینوں نام ہیں اگر القاب ہیں تو تینوں کا ایک ہی حکم ہے مگر مسعود صاحب نے بڑی ڈھٹائی اور دھڑلے سے مسلمین کو نام اور مؤمنین

اور عباداللہ کو القاب بنایا ہے تاکہ انہیں کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ **مسلمین** نام سے "جماعت المسلمین" بنائی ہے تو **مؤمنین** نام سے "جماعت المؤمنین" کیوں نہیں بناتے **عباداللہ** نام سے "جماعت عباداللہ" قائم کیوں نہیں کرتے؟ چنانچہ نام صرف مسلمین ہی نہیں بلکہ مؤمنین اور عباداللہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے رکھے ہوئے نام ہیں۔

مسند احمد میں یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے۔

فادعو المسلمین باسمائھم بما سماھم اللہ عزوجل المسلمین المؤمنین عباداللہ عزوجل

(مسند احمد ص نمبر ۱۳۰، ۲۰۲ ج۔ ۴ واسنادہٗ صحیح)

ترجمہ : "پس تم مسلمین کو ان کے ان ناموں کے ساتھ پکارو کہ جو نام اللہ عزوجل نے ان کے رکھے ہیں یعنی "مسلمین، مؤمنین، عباداللہ" اس حدیث میں موصوف کی وہ تاویل نہیں چل سکتی جو انہوں نے اوپر والی روایت میں کی تھی بلکہ یہ روایت موصوف کی تاویل کا بھانڈا چوراہے پر پھوڑتی ہے اس حدیث نے اوپر والی حدیث کی پوری طرح وضاحت کردی ہے اور اس سے ثابت ہوگیا کہ موصوف نے ترجمہ میں خیانت کی ہے اس حدیث میں مسلمین کیلئے جمع کا صیغہ اسماء (بہت سے نام) استعمال ہوا ہے جس سے معلوم ہوا کہ مسلمین کے بہت سے نام ہیں۔

اس سلسلہ کی ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

"ولکن تسموا باسم اللہ الذی سما کم عباداللہ المسلمین المؤمنین"

(مسند احمد ص ۳۴۴ ج۔۵ وقال الالبانی و اسنادہ صحیح، مشکوٰۃ ص ۶۵ ج۔۱

مصنف عبدالرزاق ص ۳۴۱ ج۔۱' وقال الہیثمی رواہ احمد ورجالہٗ ثقات رجال الصحیح خلا علی بن اسحٰق السلمی وھوثقتہ' ورواہ الطبرانی باختصار' مجمع الزوائد ص نمبر ۲۱۷ ج۔۵)

ترجمہ : "اور لیکن نام رکھو تم اللہ کے (رکھے ہوئے) نام کے موافق اس نے نام رکھے تمہارے عباداللہ ' مسلمین ' مؤمنین۔"

اگر موصوف کی طرح اس حدیث کا ترجمہ کیا جائے تو پھر عباداللہ نام ٹھہرے گا اور اور مسلمین' مؤمنین القابات۔ پس ثابت ہوا کہ مسلمین کی طرح مؤمنین ' عباداللہ بھی مسلمین کے نام ہیں۔

ایک اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارکان اسلام پر عمل پیرا ہونے والے کو "مسلم" اور ایمانیات کے ماننے والے کو "مؤمن" اور احسان کو اختیار کرنے والے کو "محسن" قرار دیا۔

(رواہ الطبرانی فی الکبیر ورجالہٗ موثقون مجمع الزوائد ص نمبر ۴۱ ج۔۱

گویا اس حدیث سے "محسن" نام بھی ثابت ہوگیا۔

جناب غیلان بن جریرؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے انس بن مالکؓ سے پوچھا۔

ارأیت اسم الانصار کنتم تسمون بہ ام سما کم اللّٰہ؟ قال بل سمانا اللّٰہ۔

(صحیح البخاری کتاب المناقب' مناقب الانصار)

ترجمہ : "انصار نام آپ حضرات نے خود ہی اپنے لئے رکھا ہے یا یہ نام اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے؟ جناب انس بن مالکؓ نے فرمایا بلکہ اللہ نے رکھا ہے۔" قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ

کرامؓ کو انصار اور مہاجرین جیسے ناموں سے یاد کیا ہے گویا یہ نام اللہ عزوجل نے ہی رکھے ہیں مثلاً" ملاحظہ فرمائیں۔

والسّٰبقون الاولون من المھٰجرین والانصار الخ

(سورۃ التوبہ آیت نمبر ۱۰۰)

ایک حدیث میں "حنیف" نام بھی آیا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص نمبر ۳ ج۔۲ و کتاب الایمان لابن ابی شیبہ وقال الالبانی صحیح الاسناد موقوفا ص نمبر ۱۰)

مسلم کون؟

مسعود صاحب اور ان کی جماعت اپنے آپ کو تو بڑے زور و شور سے مسلم کہتے ہیں اور اپنے علاوہ کسی اور کو مسلم ماننے کیلئے تیار نہیں چنانچہ اس سلسلہ میں انہوں نے اپنے کتابچوں اور اسٹیکروں' بورڈوں وغیرہ میں جگہ جگہ اپنے آپ کو مسلمین شو کیا بلکہ حکومت پاکستان سے اپنی جماعت کو دو مرتبہ رجسٹرڈ بھی کروایا ہے (واضح رہے کہ ذکریوں نے بھی جو کہ ختم نبوت کے منکر اور "محمد اٹکوی" کو نبی مانتے ہیں اپنی جماعت کو مسلم کے نام سے رجسٹرڈ کروایا جس سے کسی جماعت کے رجسٹرڈ ہونے کی حیثیت بھی واضح ہوجاتی ہے) اس لئے اب وہ اپنے علاوہ کسی اور کو مسلم ماننے کیلئے بالکل تیار نہیں ہیں ان کے نزدیک مسلم صرف وہی ہے جو کہ ان کی جماعت میں شامل ہو کرامام جماعت المسلمین (مسعود احمد) کے ہاتھ پر بیعت کرے اس کے علاوہ

چاہے کوئی لاکھ اپنے آپ کو مسلم کہتا رہے لیکن "جماعت المسلمین" کے نزدیک وہ مسلم نہیں ہے جبکہ احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلم وہی ہے کہ جس میں مسلم والی صفات موجود ہوں چنانچہ انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"من صلی صلاتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذلک المسلم الذی لہ ذمۃ اللہ وذمۃ رسولہ فلا تخفروا اللہ فی ذمتہ"

(بخاری، مشکوٰۃ صحفہ نمبر۱۱ ج۔۱)

ترجمہ : "جو شخص ہماری طرح نماز پڑھے اور (نماز میں) ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرے اور ہمارے ذبح کئے ہوئے جانور کو کھائے تو وہ مسلم ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے عہد وامان میں ہے تو تم اللہ کے عہد وامان میں خیانت نہ کرو۔" معلوم ہوا کہ جو شخص مسلم کے مسلم ہونے کا انکار کرے وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں خیانت کرنے والا ہے۔

جناب حمید طویلؒ بیان کرتے ہیں کہ جناب میمون بن سیاہؒ نے جناب انس بن مالکؓ سے سوال کیا کہ اے ابو حمزہؓ کونسی چیز بندہ کے خون اور مال کو حرام کردیتی ہے؟ انہوں نے ارشاد فرمایا

"من شھد ان لا الہ الا اللہ واستقبل قبلتنا وصلی صلاتنا واکل ذبیحتنا فھو المسلم لہ ما للمسلم وعلیہ ما علی المسلم۔"

(بخاری کتاب الصلوٰۃ باب فضل استقبال القبلۃ)

ترجمہ : "جو شخص اس بات کی شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود

نہیں اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے اور ہماری طرح نماز پڑھے اور ہمارا ذبیحہ کھائے تو وہ مسلم ہے اور اس کا (مسلمین کے درمیان) وہی حق ہے جو ایک مسلم کا ہے اور اس پر بھی وہ چیز لازم ہے جو ایک مسلم پر لازمی ہے۔"

مشہور حدیث' حدیث جبرائیل میں ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیلؑ سے ارکان اسلام کا ذکر فرمایا تو یہ سن کر جبرائیل علیہ السلام نے کہا

"فاذا فعلتُ ذلک فانا مسلم قال نعم قال صدقتَ"

(طبرانی کبیر)

ترجمہ : "پس جب میں یہ کام کروں (یعنی اسلام کے ارکان پر عمل پیرا ہوجاؤں) تو کیا میں مسلم ہوجاؤں گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جی ہاں جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا" یہ اور اس طرح کی احادیث ایک "مسلم" کے خدوخال کو پوری طرح واضح کرتی ہیں۔

مؤمن نام

جیسا پیچھے گزرا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارا نام مسلم کے علاوہ مؤمن بھی رکھا ہے بلکہ قرآن کریم میں ہمیں بار بار مؤمن نام سے ہی یاد کیا ہے اور جگہ جگہ کہا ہے

"**یا ایھا الذین آمنوا**" (اے ایمان والو) کہیں فرمایا "**ایھا المؤمنون**" (اے مؤمنو) لیکن کسی ایک جگہ پر بھی ہمیں مسلم نام سے نہیں پکارا یعنی

"یاایھا الذین اسلموا" (اے وہ لوگوں جو اسلام لائے ہو) یا **"ایھا المسلمون"** (اے مسلمانوں) کہہ کر خطاب نہیں کیا اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک مؤمن نام مسلم نام سے بھی زیادہ پیارا اور پسندیدہ ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر مؤمن مسلم تو ہو سکتا ہے لیکن ہر مسلم کا مؤمن ہونا ضروری نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ کسی منافق کو جس نے اسلام کا اظہار کیا ہو مسلم کہہ سکتے ہیں لیکن اسے مؤمن نہیں کہا جاسکتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا اعرابیوں کے بارے میں ارشاد ہے کہ وہ دل سے اسلام نہیں لائے تھے تو اللہ عزوجل نے فرمایا

"قالت الاعراب اٰمنا قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم"

(سورہ الحجرات آیت نمبر ۱۴ پ ۲۶)

قرآن شریف میں مؤمن کا لفظ مختلف صیغوں (یعنی واحد' تثنیہ' جمع' مذکر' مؤنث) میں ۲۳۰ بار استعمال ہوا ہے جبکہ مسلم کا لفظ مختلف صیغوں میں صرف بیالیس (۴۲) بار آیا ہے لیکن طوالت کے وجہ سے ہم یہاں مؤمن کے ذکر والی ایسی دو اصطلاح کا ذکر آپ کے سامنے تحریر کرتے ہیں کہ جس سے ہر مسلم (مسلمان) واقف ہے۔

(۱) ام المؤمنین یا امہات المؤمنین:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہراتؓ کو اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہونے کے ناطے تمام عورتوں میں ایک خاص مقام عنایت فرمایا ہے اور انہیں مؤمنوں کی مائیں قرار دیا ہے۔ ارشاد باری ہے۔

"النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم وازواجہٗ امھٰتھم"

(سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۶ پ ۲۱)

اس لئے صحابہ کرامؓ اور تمام امت انہیں ام المؤمنین یا امہات المؤمنین کے ناموں سے یاد کرتی ہے لیکن کسی نے آج تک انہیں ام المسلمین یا امہات المسلمین نہیں کہا۔

(۲) امیر المؤمنین:

خلفائے راشدینؓ اور بعد کے خلفاء کے لئے امیر المؤمنین کا نام استعمال ہوتا رہا ہے اور یہ نام امہات المؤمنین کی طرح امت میں مشہور و معروف ہے لیکن آج تک ان خلفاء کے لئے کسی نے بھی امیر المسلمین کا نام استعمال نہیں کیا۔ موصوف اپنے نام کے ساتھ "امیر جماعت المسلمین" تو لکھتے ہیں لیکن وہ اپنے آپ کو امیر المؤمنین نہیں لکھ سکتے کیونکہ وہ بھی جانتے ہیں کہ یہ نام صرف مسلمین کے خلیفہ ہی کے لئے استعمال ہو سکتا ہے چنانچہ موصوف کے اس عمل سے بھی ثابت ہوا کہ وہ خود بھی اپنی حقیقت سے واقف ہیں لیکن کیا کیا جائے کہ کسی نے کہا ہے "ضد میری مجبوری" اللہ تعالیٰ نے اس امت کو مسلم' مؤمن اور عبداللہ کے علاوہ دیگر ناموں سے بھی یاد کیا ہے مثلاً **"کنتم خیر امۃ"** (تم خیر امت یعنی بہترین امت ہو) **"وکذٰلک جعلنٰکم امۃ وسطا"** (اور اسی طرح ہم نے تم کو امت وسط بنایا) **"شھداء علی الناس"** (لوگوں پر گواہی دینے والے) **"کونوا انصار اللہ"** (انصار بن جاو)

"فان حزب اللہ ھم الغٰلبون" (پس بے شک حزب اللہ ہی غالب رہے

گی) **"یا عبادی"** (اے میرے بندو) صحابہ کرامؓ کا ذکر ہوتا ہے تو انہیں انصار اور مہاجرین وغیرہ ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اس بحث سے معلوم ہوا کہ ہمارا نام "صرف مسلم" نہیں بلکہ اور نام بھی ہیں لہٰذا موصوف کا دعویٰ کہ ہمارا نام "صرف مسلم" ہے صحیح نہیں بلکہ سرے سے یہ دعویٰ ہی باطل ہے

بانی فرقہ مسعود احمد بی۔ ایس۔ سی کا علمی محاسبہ

خیانات اور جھوٹ

جیسا کہ پہلے آپ کو معلوم ہوچکا ہے کہ غیر مقلد فرقہ سے ایک اور فرقہ پیدا ہوا جس کا نام "غرباء اہلحدیث" تھا اس کا مقصد بھی آپ پڑھ چکے ہیں اس فرقہ میں ایک شخص مسعود احمد نامی تھا جس نے اہلحدیث ہوتے ہوئے کتاب "تلاش حق" لکھی جسے جماعت اہلحدیث کراچی نے شائع کیا۔ ایک رسالہ "التحقیق فی جواب التقلید" لکھا اسے بھی جماعت غرباء اہلحدیث نے شائع کیا۔ مسعود احمد اگرچہ عالم نہیں ہے مگر جماعت غرباء اہلحدیث نے اسکی بہت عزت افزائی کی۔ مثل مشہور ہے کہ "خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے" چنانچہ یہی کچھ موصوف کے ساتھ پیش آیا اور سنیں جماعت غرباء اہلحدیث میں سلسلہ امارت تھا۔ مسعود صاحب کا دل بھی امیر بننے کو چاہا لیکن

فرقہ جماعت غرباء اہلحدیث میں رہتے ہوئے یہ شوق پورا ہونا ناممکن تھا اس لئے انہوں نے ۱۳۸۵ھ میں ضمنی شاخ بنالی اس کے دودھ سے پل کر ۱۳۹۵ھ میں فرقہ جماعت غرباء اہلحدیث سے بغاوت کرکے اس فرقہ در فرقہ کو "جماعت المسلمین" کہنے لگا خود امیر بن گیا اور امیر کی اطاعت کے نام سے رسالہ لکھ کر ثابت کردیا کہ "مسعود احمد" کی اطاعت فرض ہے۔ البتہ اتنی ترقی کی کہ جماعت غرباء اہلحدیث کے امیر یہ کہتے تھے کہ میری اطاعت جو نہ کرے وہ اہلحدیث نہیں انہوں نے یہ تاثر دیا کہ جو مسعود احمد کو امام نہ مانے (جس کی اطاعت فرض ہے) وہ سرے سے مسلم ہی نہیں۔ اسلامی اصطلاحات کے مفہوم بدلنے کی مشق تو انہوں نے اہل حدیث ہوتے ہوئے ہی کرلی تھی۔ ہاں بعض الفاظ کے معانی تبدیلی سے رہ گئے تھے وہ خواہش اب پوری کرلی اس نے سب سے پہلے "اسلام" اور "مسلم" کا معنی بدلا

مسلم کا معنی:۔

مسعود احمد صاحب نے "تلاش حق" نامی کتاب میں جو اہل حدیث ہوتے ہوئے لکھی۔ اگرچہ اہل حدیث کو اب وہ غیر مسلم کہتے ہیں مگر اس کتاب کو موصوف نے کانٹ چھانٹ کرکے مشرف باسلام فرمالیا۔ ختنہ وغیرہ کرنے کے بعد اس کا نام "خلاصہ تلاش حق" رکھا اس میں فرماتے ہیں۔

> "غرض یہ کہ مسلمین یعنی کسی امام کی تقلید نہ کرنے والے ہمیشہ رہے ہیں"۔

(خلاصہ تلاش حق ۴۱)

اس کتاب میں ہے کہ ایک شخص نے مسعود احمد صاحب کو لکھا۔

"ہم کلمہ پڑھتے ہیں قبلہ کی طرف منہ کرتے ہیں حج کرتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں نماز پڑھتے ہیں خدا کی توحید پر ایمان ہے رسالت پر بھی ایمان ہے پھر کس جرم میں آپ ہم کو اسلام سے خارج کرتے ہیں حالانکہ تقلید کرتے ہوئے بھی ہم ان ساری باتوں کے قائل ہیں اور ایمان کامل رکھتے ہیں اور ہم تقلید اس لئے کرتے ہیں کہ ایمان سلامت رہے کوئی شخص ہمارے ایمان پر ڈاکہ نہ ڈال سکے۔"

(خلاصہ تلاش حق ص نمبر۱۱۷، ۱۱۸)

مسعود صاحب جواب میں لکھتے ہیں۔

"خدا کی وحدانیت پر ایمان رکھنے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانے کے باوجود بھی آپ مسلم نہیں اس لئے کہ آپ شرک کے مرتکب ہیں کیونکہ آپ نے تقلید کو داخل فی الدین کیا ہے اس کو واجب قرار دیا ہے اس لئے آپ شرک کے مرتکب ہوئے۔"

(خلاصہ تلاش حق ص نمبر۱۴۱، ۱۴۲)

گویا مسعود احمد صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کو

"من شهد ان لا اله الا الله واستقبل قبلتنا وصلى صلاتنا واكل ذبيحتنا فهو المسلم له ما للمسلم وعليه ما على المسلم"

(صحیح بخاری)

اور اس حدیث کو

"من صلى صلاتنا و استقبل قبلتنا واكل ذبيحتنا فذلك المسلم الذى له ذمة الله وذمة رسوله فلا تخفروا الله فى ذمته"

(مشکوٰۃ۔ صحیح بخاری)

ردی کی ٹوکری میں پھینک کر اسلام کا معنی اپنی ناقص عقل سے کیا جو موصوف کو امام مفترض الطاعۃ مانے بس وہ مسلم ہے اور سب مشرک ہیں۔

اور موصوف سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ مجھے کوئی ایسی حدیث دکھا دیں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تقلید ائمہ کو شرک کہا ہو اور آپ کی اطاعت کو فرض یا واجب کہا ہو۔

وہ مزید لکھتے ہیں۔

("سوال مرقومہ بالا میں جو باتیں وارد ہوئی ہیں ان سب باتوں پر بریلویوں، مرزائیوں، رافضیوں، منکرین حدیث اور جملہ فرق باطلہ کا اتفاق ہے تو کیا وہ سب مسلم ہیں؟") ۔

(خلاصہ تلاش حق ص نمبر۱۴۳)

مسعود احمد نے ان تمام مفسرین، محدثین، سلاطین اسلام کو مرزائیوں جیسا غیر مسلم بنادیا جن کا ذکر طبقات حنفیہ، طبقات مالکیہ، طبقات شافعیہ اور طبقات حنابلہ میں آتا ہے ان میں امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ترمذی، امام ابن ماجہ، امام دار قطنی، امام بیہقی، صاحب مشکوٰۃ حافظ ابن حجر رحمھم اللہ تعالیٰ وغیرہ شامل ہیں۔ اس کا نتیجہ ہوا کہ مسعود صاحب تک قرآن پہنچانے والے مشرک، حدیث جمع کرنے والے مشرک، اسماء الرجال لکھنے والے غیر مسلم۔

مسعود صاحب قرآن کریم کی صرف ایک آیت اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف ایک حدیث ایسی سند سے پیش کریں جس کے راویوں نے ائمہ کی تقلید کرنے والے کو مشرک وغیر مسلم کہا ہو۔ مسعود احمد نے اپنی

کتابیں ان غیر مسلموں کے حوالے سے لکھی ہیں۔ مسعود صاحب بڑے افسوس کی بات ہے ہمیں کوئی یہودی بھی ایسا نہیں ملا جس نے اپنی عبادت کا طریقہ غیر یہودیوں یعنی ہندوؤں وغیرہ کے حوالے سے لکھا ہو لیکن آپ کا سارا دین ہی غیر مسلموں کے حوالوں پر مبنی ہے۔ الغرض مسعود احمد صاحب نے مسلمین کا مطلب غیر مقلدین کیا ہے اس لئے مسعود احمد کی "جماعت المسلمین" کا مطلب "جماعت غیر مقلدین" ہے اور یہ فرقہ چونکہ مسعود احمد کی اطاعت کو فرض مانتا ہے اس لئے اس کا نام مسعودی فرقہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن و حدیث میں جہاں مسلمین کا لفظ آیا ہے اس سے یہ فرقہ ہرگز ہرگز مراد نہیں جیسے قرآن میں لفظ "ربوہ" سے جو کہ سورۃ البقرہ آیت ۲۶۵ میں ہے مرزائیوں کا شہر ہرگز مراد نہیں قرآن پاک کے لفظ "حزب اللہ" سے جو کہ سورۃ المجادلہ کی آخری آیت میں ہے مسعود صاحب اپنے حریف کیپٹن مسعودالدین کی جماعت مراد نہیں لیتے تو "مسلمین" سے اپنا فرقہ کیسے مراد لے کر قرآن پر جھوٹ بولتے ہیں جبکہ اس فرقہ نے ابھی تازہ تازہ عمر بلوغ کو عبور کیا ہے جب مسعود صاحب قرآن میں لفظ "سنت" سے مراد "اہل سنت" نہیں لیتے۔ قرآن میں لفظ "حدیث" سے مراد "اہل حدیث" نہیں لیتے بلکہ کہتے ہیں کہ اہل حدیث مرکب اضافی ہے اور حدیث کا لفظ مفرد ہے اس سے "اہلحدیث مرکب" کا ثبوت کیسے ہوا۔ مسعود صاحب کا حافظہ بہت کمزور ہے اس لئے وہ یہاں بھول گئے کہ "جماعت المسلمین" مرکب ہے قرآن نے "مسلمین" بتایا تھا مسعود نے قرآن کے خلاف چلتے ہوئے اپنے فرقہ کا نام "جماعت المسلمین" رکھ لیا۔ "جماعت المسلمین" بمعنی جماعت

غیر مقلدین اور مسعودی فرقہ قرآن و حدیث میں کہیں بھی نہیں آیا۔ یہ لوگ دن و رات قرآن و حدیث پر جھوٹ بولتے ہیں۔

جھوٹ کی انتہاء......!

کسی بھوکے سے کسی نے پوچھا دو اور دو کتنے ہوتے ہیں تو اس نے کہا چار (۴) روٹیاں اس نے روٹیاں مراد لے لی تھیں اسی طرح اس فرقے کو جہاں "مسلم" کا لفظ نظر آئے اس سے مسعودی فرقہ مراد لیتا ہے یہ تو قرآن و حدیث پر جھوٹ ہے اور سب اہل اسلام پر جھوٹ بولا کہ انہوں نے اللہ کے دیئے ہوئے نام کو چھوڑ کر فرقہ وارانہ ناموں سے اپنے آپ کو موسوم کیا۔

(خلاصہ تلاش حق ص نمبر ۳)

کتنا بڑا جھوٹ ہے۔ مسعود صاحب پہلے اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے تھے اب یہ نام چھوڑ دیا ہے۔ کیا کسی سنی حنفی نے بھی کبھی کہا ہے کہ ہم مسلمان نہیں ہیں۔ ان کے بارے میں یہ جھوٹ کیوں لکھا کہ انہوں نے نام چھوڑ دیا۔ وہ ان تمام آیات اور احادیث پر ایمان رکھتے ہیں جن میں مسلمانوں کا ذکر ہے اور مسلمان کہلاتے ہیں۔

مزید ایک اور دھوکہ دہی اور جھوٹ

بانی فرقہ بخاری ص نمبر ۱۳۴ کی حدیث سے بھی دھوکہ دیتا ہے جس میں حائضہ عورتوں کو مسلمانوں کی دعا میں شامل ہونے کا حکم ہے لیکن یہ نہیں بتاتا

کہ بخاری میں اسی صفحہ پر اس سے صرف پانچ سطر اوپر "دعوۃ المؤمنین" کا لفظ ہے اور صحیح بخاری صفحہ ۴۶ ج۔۱ پر بھی مؤمنین کا لفظ ہے اس حدیث سے جماعت غیر مقلدین، مسعودی فرقہ مراد لینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ اور افتراء ہے اور جس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولا تو گویا اس نے اللہ عز و جل پر افتراء کیا اور مسعود اس آیت کا مصداق ہوگیا **ومن اظلم ممن افترٰی علی اللہ کذبًا.....** (الآیہ)

"تلزم جماعت المسلمین وامامهم"
والی حدیث سے مسعود کا غلط استدلال

بانی فرقہ نے اپنی جماعت کے نام کے بارے میں ثبوت پیش کیا ہے تو سب سے پہلے سورۃ الحج کی آیت پیش کی "**ھو سمّٰکم المسلمین**" قرآن کریم میں اللہ نے ہمارا نام مسلمین رکھا ہے۔ اور حدیث میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا۔

"**تلزم جماعت المسلمین وامامهم**"

(بخاری و مسلم)

ترجمہ : "جماعت المسلمین اور اس کے امام کو لازم پکڑو" اس حدیث سے بانی فرقہ اپنا امام ہونا مراد لیتا ہے جیسے مرزا غلام احمد قادیانی قرآن میں لفظ "عیسیٰ" سے اپنے آپ کو مراد لیتا ہے حالانکہ اس حدیث میں امام سے مراد خلیفہ ہے جیسا کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں خود صراحتاً" آگیا ہے۔

(دیکھئے سنن ابو داؤد صفحہ ۵۸۲ ج۔۲)

اور بے چارے مسعود کو خلافت تو کیا ملتی وہ ایک غیر مسلم حکومت کے ماتحت غلامی کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ لیکن آیئے پہلے ہم اس حدیث کی تفصیل معلوم کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ موصوف نے کس طرح اس حدیث سے استدلال کیا ہے اس کا بھی بغور مطالعہ کرتے ہیں تاکہ اس حدیث کا صحیح

مفہوم واضح ہوجائے اور عام لوگوں، عوام کو موصوف کی چالاکی اور عیاری و مکاری کا پتہ بھی چل جائے۔

حدیث کے الفاظ یہ ہیں :

"جناب حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کے بارے میں سوال کیا کرتے تھے اور میں شر کے متعلق سوال کرتا تھا اس ڈر سے کہ کہیں میں اس شر میں مبتلا نہ ہوجاؤں پس میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم جاہلیت میں مبتلا تھے اور برائیوں میں گھرے ہوئے تھے پس اللہ ہمارے پاس یہ خیر (دین اسلام) لے آیا تو کیا اس خیر کے بعد بھی کوئی شر ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں میں نے پوچھا کیا اس شر کے بعد پھر خیر آئے گی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں لیکن اس میں کدورت ہوگی میں نے عرض کیا کدورت سے کیا مراد ہے؟ فرمایا ایسے لوگ بھی ہوں گے جو میرے طریقے کی بجائے دوسرے طریقوں کی طرف راہنمائی کریں گے تم ان کی بعض باتوں کو اچھا سمجھو گے اور بعض باتوں کو برا سمجھو گے میں نے پوچھا کیا اس خیر کے بعد پھر شر ہوگا؟ فرمایا ہاں لوگ اس طرح گمراہی پھیلائیں گے گویا وہ جہنم کے دروازوں پر کھڑے ہوکر لوگوں کو بلا رہے ہیں جو ان کی دعوت کو قبول کرے گا وہ اسے جہنم میں ڈال دیں گے میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کی کچھ صفات ہم سے بیان فرمادیجئے فرمایا وہ ہماری قوم کے لوگ ہوں گے اور ہماری زبان میں باتیں کریں گے میں نے پوچھا اگر میں ان لوگوں کو پاؤں تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے کس بات کا حکم دیتے ہیں رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

"تلزم جماعت المسلمين واما مهم قلت فان لم تكن لهم جماعة ولا امام قال فاعتزل تلك الفرق كلها ولو ان تعض باصل شجرة حتى يدركك الموت وانت على ذلك"

ترجمہ : "مسلمین کی جماعت اور ان کے امام کو لازم پکڑو میں نے کہا اگر مسلمین کی جماعت (حکومت) اور ان کا امام (خلیفہ) موجود نہ ہو تو (پھر کیا کروں) فرمایا تمام فرقوں (گروہوں) سے علیحدہ ہوجانا یہاں تک کہ تمہیں درختوں کی جڑیں ہی کیوں نہ چبانی پڑیں حتی کہ تمہیں جب موت آئے تو اسی حالت میں کہ تم سب سے علیحدہ ہو۔"

(بخاری و مسلم)

امام بخاریؒ اور ابن ماجہؒ نے اس حدیث کو "کتاب الفتن" میں نقل کیا ہے اور امام مسلمؒ نے صحیح مسلم کی "کتاب الامارة' باب الامر بلزوم الجماعة عند ظهور الفتن" میں ذکر کیا ہے اسی حدیث کو دوسرے طریق سے امام ابو داودؒ نے کتاب "الفتن والملاحم" میں اور امام حاکمؒ نے کتاب الفتن" میں روایت کیا ہے۔

"فتن" فتنہ کی جمع ہے جس کے معنی فساد' لڑائی' امتحان وغیرہ کے ہیں۔

"ملاحم" کے معنی بھی لڑائیوں اور عظیم واقعہ کے ہیں اس حدیث کا تعلق فتنہ و فساد کے دور سے ہے اور اس میں بتایا گیا ہے کہ اگر مسلمین کی امامت و حکومت قائم ہو تو ایک مسلم کیلئے لازم ہے کہ وہ اس سے چمٹا رہے جیسا کہ صحیح مسلم کی کتاب اور باب سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے اور اگر مسلمین کی

کوئی امارت یا حکومت قائم نہ ہو تو پھر دوسرے حکم پر عمل کیا جائے یعنی پھر تمام سیاسی جماعتوں اور پُرفتن لوگوں سے علیحدہ ہو کر اور فتنوں سے دور رہ کر ایک مسلم اپنی بقیہ زندگی گزارے اور یہ بات امام بخاریؒ کے قائم کردہ باب سے بھی ثابت ہے۔ امام بخاریؒ نے اس حدیث پر باب باندھا ہے۔

"کیف الامر اذا لم تکن جماعۃ"

ترجمہ : "جب جماعت (حکومت) قائم نہ ہو تو ایسے وقت میں کیا صورت حال ہوگی"؟ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ان الفاظ کی وضاحت دو ٹوک الفاظ میں یوں فرماتے ہیں۔

"والمعنی ماالذی یفعل المسلم فی حال الاختلاف من قبل ان یقع الاجتماع علی خلیفۃ"

ترجمہ : "اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی ایک خلیفہ پر اجتماع سے پہلے اختلاف کی حالت میں ایک مسلم کیا طرز عمل اختیار کرے گا"؟ اور حافظ صاحبؒ کا یہ فیصلہ ان تمام احادیث و آثار کے پیش نظر ہے کہ جو اس دور کے فتن سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور مسعود **"تلزم جماعۃ المسلمین و امامھم"** والی حدیث سے یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ "امام" سے مراد جو کہ حدیث میں ہے وہ میں ہوں جیسے مرزا قادیانی قرآن میں لفظ "عیسیٰ" سے اپنے آپ کو مراد لیتا ہے اسی طرح مسعود اس حدیث میں امام سے اپنے کو مراد لیتا ہے حالانکہ اس حدیث میں امام سے مراد خلیفہ ہے جیسا کہ خود حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں صراحتاً" آگیا ہے۔ (ابوداؤد ص ۵۸۲ ج ۔ ۲)

پھر وہی بات کہ بے چارے اس مسعود کو خلافت تو کیا ملتی وہ ایک غیر مسلم حکومت کے ماتحت غلامی کی زندگی بسر کر رہا ہے یہ بھی یاد رہے کہ اس حدیث میں جس فتنہ کا ذکر ہے وہ بالکل قرب قیامت کا زمانہ ہے۔ ابو داؤد صفحہ ۵۸۳ پر صراحتاً" موجود ہے کہ گھوڑی حاملہ ہوگی مگر اس کے بچہ جننے سے پہلے قیامت آجائے گی کیا واقعی یہ وہ زمانہ ہے؟ مسعود جی قرآن نے تو یہود کی یہ عادت بتائی ہے **"یحرفون الکلم عن مواضعہ"**

ترجمہ : "وہ باتوں کو اپنے موقع سے ہٹا کر بے موقع استعمال کرتے ہیں۔" اور یہ ہی ظلم ہے کیونکہ ظلم کی تعریف ہے **"وضع الشئی فی غیر محلہ"**

ترجمہ : "کسی چیز کو اس کے غیر محل میں رکھنا۔" اور یہود بھی ایسا ہی کرتے تھے آپ (مسعود) نے قرآنی آیات اور احادیث کو بے موقع استعمال کر کے یہود کی یاد تازہ کردی اور ظالموں کی فہرست میں اپنا نام لکھوادیا۔ اس حدیث میں دو (۲) چیزوں کا حکم ہے (۱) جماعت المسلمین اور اس کا امام موجود ہے تو اس کے ساتھ وابستہ رہے (۲) جماعت المسلمین اور اس کا امام موجود نہیں ہے تو پھر تمام فرقوں سے الگ ہوجائے۔ اول تو موصوف کا اس حدیث سے استدلال کرنا ہی غلط ہے لیکن چونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ اور ان کی جماعت شدت سے اس حدیث پر عمل پیرا ہے بلکہ ان کی جماعت کی بنیاد ہی اس حدیث پر قائم ہے۔ لٰہذا ہم اس حدیث کے الفاظ پر غور کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ موصوف کا دعویٰ کہاں تک درست ہے۔ اس حدیث میں پہلا حکم یہ دیا گیا ہے کہ جماعت المسلمین اور اس کا امام موجود ہو تو اس کے

ساتھ وابستہ رہا جائے موصوف ہی بتائیں کہ جب وہ جماعت اہلحدیث سے نکلے تھے تو کیا جماعت المسلمین اور اس کا امام کہیں موجود تھے؟ اگر ان کا جواب نفی میں ہو اور یقیناً نفی میں ہوگا تو پھر انہیں اس حدیث کے دوسرے حکم پر عمل کرنا چاہئے تھا یعنی وہ تمام فرقوں سے علیحدہ ہوجاتے اور تنہائی اختیار کرلیتے لیکن موصوف نے خود اس حدیث کے ایک حکم پر عمل نہیں کیا۔ یہ ہی نہیں بلکہ موصوف نے اس حدیث کے حکم میں اپنی طرف سے اضافہ بھی کردیا چنانچہ موصوف کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔

"وصائے نبوی اس حدیث میں دو باتوں کی وصیت ہے (۱) جماعت المسلمین سے چمٹے رہنا (۲) جماعت المسلمین نہ ہو تو تمام فرقوں سے علیحدہ ہوکر اگر درخت کی جڑیں چبانی پڑیں تو درخت کی جڑیں چبانا اور اسی حالت میں مرجانا۔ بتایئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان وصیتوں پر کس طرح عمل کیا جائے اگر جماعت المسلمین ہے تو اس میں شامل ہوجایئے نہیں ہے تو بنائیں نہیں بناسکتے تو پھر تمام فرقوں سے کنارہ کش ہو جایئے اور اسی حالت میں مرجایئے الغرض حدیث بالا کا تقاضا یہ ہے کہ ہم تمام فرقوں سے علیحدہ رہیں۔ صرف مسلم بنیں اپنے کو صرف مسلم کہیں اور صرف جماعت المسلمین سے وابستہ رہیں۔

حکم رسول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے جاہلیت کی پکار پکاری وہ اہل دوزخ میں سے ہے۔"

(عکس ہمارا نام صرف ایک یعنی مسلم صفحہ ۸)

موصوف نے اس حدیث میں دو حکموں کے علاوہ ایک تیسرے حکم کا بھی اضافہ کردیا اور وہ یہ کہ "نہیں ہے تو بنایئے نہیں بناسکتے" جب علمائے کرام نے موصوف کی گرفت کی اور ان کی خیانت اور چالاکی کا ذکر عام ہوا تو موصوف نے اپنے اس کتابچہ سے یہ

الفاظ غائب کردیئے لیکن جلدی میں انہوں نے وہ جگہ جہاں یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے ایک لائن---------- چھوڑدی۔ ملاحظہ فرمائیں۔ "اگر جماعت المسلمین ہے تو اس میں شامل ہوجایئے نہیں ہے تو --------

پھر تمام فرقوں سے کنارہ کش ہوجایئے اور اسی حالت میں مرجایئے۔"

(عکس ہمارا نام صرف ایک یعنی مسلم صفحہ ۸)

اور پھر موصوف نے اس کے بعد وہ لائن بھی غائب کردی۔ ملاحظہ فرمائیں "اگر جماعت المسلمین ہے تو اس میں شامل ہوجایئے نہیں ہے تو پھر تمام فرقوں سے کنارہ کش ہوجایئے اور اسی حالت میں مرجایئے۔" (عکس ہمارا نام صرف ایک یعنی مسلم صفحہ ۸) اس ایک صفحہ پر موصوف نے کیا کیا گل کھلائے ہیں اور کن کن خیانتوں کا ارتکاب کیا ہے ایک خیانت کا ذکر "مسلم" نام کے سلسلہ میں ہوچکا اور دوسری سب سے بڑی خیانت یہ ہے اور پھر طرفہ تماشہ یہ ہے کہ موصوف نے اپنی اس غلطی کا اعتراف کہیں حاشیہ پر بھی نہیں کیا کیونکہ غلطی ماننے سے ان کا غلط ہونا لازم آئے گا اور پھر نئے لوگ ان کی جماعت میں داخل نہیں ہوں گے موصوف نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان باندھ کر بھی نہ ڈرے جبکہ انہیں معلوم ہے کہ اس سلسلہ میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد موجود ہے۔

"من کذب علی متعمد افلیتبوا مقعده من النار"

(صحیح بخاری کتاب العلم، باب اثم من کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

ترجمہ : "جس شخص نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ کہا وہ اپنا ٹھکانہ جنہم میں تلاش کرے۔" ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ اس حدیث کا تعلق موصوف کی نام و نہاد جماعت سے بالکل نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق مسلمین کی امارت

اور ان کے خلیفہ سے ہے چنانچہ حذیفہ بن یمانؓ کی اس حدیث کے دوسرے طریق سے یہ مسئلہ بے غبار ہو کر بالکل واضح ہوجاتا ہے۔ یہ حدیث تین طریق سے مروی ہے (۱) پہلا طریق بخاری و مسلم میں (۲) دوسرا طریق صحیح مسلم میں (۳) تیسرا طریق ابوداؤد' مسند احمد' اور مستدرک وغیرہ میں ہے چنانچہ ملاحظہ فرمائیں۔

" ان کان للہ خلیفۃ فی الارض فضرب ظھرک واخذ مالک فاطعہ والاتمت وانت عاض بجذل شجرۃ --- وفی روایۃ فان لم تجد یومئذ خلیفۃ فاھرب حتی تموت فان تمت وانت عاض"

(سنن ابوداؤد مع عون المعبود صفحہ ۱۵۴' ۱۵۵ ج۔۴) وقال الالبانی اخرجہ ابو داؤد (۴۲۴۴' ۴۲۴۵) واحمد قلت : وھذا اسناد حسن (السلسلۃ الصحیحہ صفحہ ۴۰۰ رقم ۱۷۹۱) وقال الحاکم ھذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ واقرہ الذھبی (مستدرک صفحہ ۴۳۳ ج۔۴) وسکت علیہ ابو داؤد ومنذری)

ترجمہ : "اگر (اس وقت) زمین میں اللہ کا خلیفہ موجود ہو تو اس کی (ہر صورت) اطاعت کرنا اگرچہ وہ تیری پیٹھ پر مارے اور تیرا مال بھی چھین لے اور اگر ایسا نہ ہو (اور کوئی خلیفہ موجود نہ ہو) تو پھر مرجانا اس حال میں کہ تجھے کسی درخت کی جڑیں چبانی پڑیں ------ اور ایک روایت یہ ہے کہ اگر تو اس زمانہ میں کسی خلیفہ کو نہ پائے تو بھاگ جانا یہاں تک کہ تجھے موت آجائے اگرچہ موت تجھے (درخت کی جڑیں) چباتے چباتے آئے۔" اسی مضمون کی ایک حدیث (مسند احمد صفحہ ۴۰۳ ج۔۵) صحیح جامع الصغیر للالبانی (ص نمبر ۵۷۵ ج۔۱) فتح الباری (ص نمبر ۳۶ ج۔۱۳) وغیرہ میں بھی موجود

ہے۔ اس حدیث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ بخاری و مسلم کی حدیث میں جس امام کا ذکر ہے اس سے مراد مسلمین کا خلیفہ ہے اس حدیث کو محدثین نے صحیح قرار دیا ہے اور موصوف کا اس حدیث پر خوا مخواہ کا اعتراض کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ صحیح مسلم کی اسی حدیث کے دوسرے طریق میں امام کی وضاحت امیر کے الفاظ کے ساتھ کی گئی ہے چنانچہ اس حدیث کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں "میرے بعد ایسے ائمہ (حکمران) ہوں گے جو میری راہ پر نہیں چلیں گے اور میری سنت پر عمل نہ کریں گے اور ان میں ایسے لوگ ہوں گے جن کے دل شیطان کے سے اور بدن انسان جیسے ہوں گے (جناب حذیفہؓ کہتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر میں ایسے لوگوں کو پالوں تو کیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"تسمع وتطیع للامیر و ان ضرب ظھرک واخذ مالک فاسمع واطع"

ترجمہ : "امیر کی بات سن اور اس کی اطاعت کر اگرچہ وہ تیری پیٹھ پر مارے اور تیرا مال چھین لے (اس کے باوجود بھی تو اس کی) بات سن اور اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کر۔"

پیٹھ پر ضرب وہی امیر لگا سکتا ہے جس کے پاس اختیارات ہوں کیا موصوف صرف اپنے محلّہ کی ہی گانوں کی دکانیں اور وڈیو کیسٹ کی دکانیں کھولنے والے کو اس فعل قبیح سے روک بھی سکتے ہیں مارنا تو دور کی بات ہے۔ اس حدیث کے بعض الفاظ بھی اوپر والی روایت سے ملتے ہیں البتہ اس میں حکمرانوں کیلئے "امیر" اور "امام" کے الفاظ آئے ہیں جبکہ اوپر والی روایت میں "خلیفہ" کے الفاظ ہیں۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں جناب عبداللہ

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں "الجماعۃ" کی وضاحت ان ہی کی دوسری روایت میں "سلطان" کے الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔ قیامت کی علامات کے سلسلہ میں ایک امام کا تذکرہ احادیث میں کثرت کے ساتھ موجود ہے جن کو "امام مہدی" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں اس امام کو خلیفہ کہا گیا ہے۔

(صحیح مسلم بحوالہ مشکوٰۃ باب اشراط الساعۃ عن جابرؓ)

پس ثابت ہوا کہ احادیث میں امام اور خلیفہ کے الفاظ ایک دوسرے کی جگہ استعمال کئے گئے ہیں اس حدیث میں ترغیب دی گئی ہے کہ فاسق حکمرانوں کی بھی اطاعت کی جائے اور ان کے ساتھ رہا جائے تاکہ امت میں تفرقہ پیدا نہ ہو جبکہ موصوف فرقہ اہلحدیث سے جدا ہو چکے ہیں اور فرقہ در فرقہ "جماعت المسلمین" کے نام سے بنالیا

موصوف کی ایک اور خیانت "فاعتزل تلک الفرق کلها" اور "الجماعۃ" کے مطلب میں

موصوف کا خیال ہے کہ اس حدیث میں

"فاعتزل تلک الفرق کلها"

ترجمہ : "تو پھر تمام فرقوں سے علیحدہ ہوجانا۔" سے مراد دینی فرقے اور جماعتیں ہیں جبکہ حدیث کے سیاق و سباق اور دوسری احادیث کے پیش نظر اس سے سیاسی جماعتیں، حکومت کے باغی اور گمراہ لوگ مراد ہیں۔ چنانچہ جناب یسیرؒ کہتے ہیں کہ جب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قتل کردیئے گئے تھے تو میں جناب ابو مسعودؓ سے ملا اور میں نے ان سے کہا کہ آپ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ آپ نے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے فِتَن کے متعلق جو کچھ سنا ہے اسے بیان کیجئے جناب ابو مسعودؓ نے فرمایا کہ بے شک ہم کوئی چیز نہیں چھپائیں گے

" علیک بتقوی اللّٰہ والجماعۃ وایاک والفرقۃ فانها هی الضلالۃ وان اللّٰہ لم یکن لیجمع امۃ محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم علی الضلالۃ"

(رواه الطبرانی ورجالہ ثقات مجمع الزوائد ص ۲۱۸ ج۔۵ مستدرک ص ۵۰۶ ج۔۴ وصححہ الحاکم والذہبی)

ترجمہ : "آپ پر اللہ کا تقویٰ اختیار کرنا اور جماعت (یعنی اجتماعیت) کے ساتھ رہنا لازم ہے اور تفرقہ (فرقہ بازی) سے بچتے رہنا کیونکہ بے شک

یہ گمراہی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی گمراہی پر جمع نہیں کرے گا۔" اس حدیث سے فرقہ کا مفہوم پوری طرح واضح ہوجاتا ہے۔ اسی طرح جب لوگ حضرت عثمانؓ کے قتل کرنے کے درپے تھے تو حضرت حذیفہؓ نے اس پر تشویش کا اظہار فرمایا اور پھر حضرت ربعی بن خراشؒ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنایا

"من فارق الجماعة واستذل الامارة لقی اللہ ولا وجہ لہ عندہ"

(رواہ احمد ص ۳۸۷ ج۔۵ ورجالہ ثقات مجمع الزوائد ص ۲۲۲ ج۔۵)

ترجمہ : "جو شخص جماعت (مسلمین کی امارت) سے الگ ہوا اور حکومت کی توہین کی تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح ملے گا کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔"

اس حدیث میں حضرت حذیفہؓ نے "الجماعة" کی وضاحت (نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے ذریعہ) امارت کے الفاظ کے ساتھ فرمادی اس سے زیادہ فرقہ یا تفرقہ یا الجماعة کی وضاحت ممکن نہیں ہے اور اس طرح کی احادیث اپنے مفہوم پر بالکل واضح ہیں بلکہ جناب عبداللہ بن مسعودؓ نے ان سے فرمایا **"فالزم جماعة الناس"** "یعنی پس تو جماعہ الناس (لوگوں کی جماعت) کو لازم پکڑ۔"

(رواہ الطبرانی ورجالہ ثقات مجمع الزوائد ص ۲۲۲ ج۔۵)

یعنی اجتماعیت کے ساتھ رہنا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے "جماعت المسلمین" کی وضاحت "جماعة الناس" سے فرمادی ہے۔

خود جناب حذیفہ بن یمانؓ کی اسی روایت کے دوسرے طریق میں بھی "جماعة" کی وضاحت امارت (حکومت) کے الفاظ کے ساتھ موجود ہے چنانچہ ابو داؤد کی روایت کے یہ الفاظ ملاحظہ فرمائیں

"هدنة على دخن وجماعة على اقذاء"

ترجمہ : "اس وقت صلح کی بنیاد کدورت پر ہوگی (یعنی ظاہر میں تو صلح اور باطن میں کدورت ہوگی۔) اور جماعت (امارت) کی بنیاد فساد پر ہوگی۔"

اور دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں

"قال نعم تكون امارة على اقذاء وهدنة على دخن"

(ابو داؤد، مشکاۃ المصابیح صفحہ ۴۸۴ ج۔۳)

ترجمہ : "جی ہاں امارت ہوگی جس کی بنیاد فساد پر ہوگی اور صلح کی بنیاد کدورت پر ہوگی۔" پس اس حدیث کے دوسرے طریق سے دونوں ہی باتیں ثابت ہوگئیں (۱) امام کی وضاحت خلیفہ کے الفاظ کے ساتھ (۲) جماعت المسلمین کی وضاحت مسلمین کی امارت کے ساتھ۔

"فالحمدللہ علی ذلک"

اور حضرت حذیفہؓ ہی سے دوسری روایت میں "الجماعة" کی وضاحت امارة (حکومت و خلافت) کے الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔

ایک اور خیانت۔ لفظ "فرقہ" میں جو مسعود کی مراد ہے وہ غلط ہے

موصوف اپنے نوزائیدہ فرقہ کے علاوہ باقی تمام جماعتوں کو فرقہ قرار دیتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ فرقہ کا اطلاق باطل پرستوں پر ہی ہوتا ہے حالانکہ لفظ فرقہ کا مطلب جماعت ہے اور اس لفظ میں بذات خود کوئی اچھائی یا برائی نہیں ہے بلکہ اس میں اچھائی یا برائی منہج کے لحاظ سے پیدا ہوتی ہے چنانچہ قرآن و حدیث میں لفظ فرقہ کو اچھے معنوں میں بھی استعمال کیا گیا ہے۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے

"فلو لانفرمن کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھو ا فی الدین"

(سورۃ التوبہ آیت ۱۲۲)

ترجمہ : "سو ایسا کیوں نہ ہو کہ ہر ایک فرقہ میں سے چند لوگ نکل کھڑے ہوں کہ وہ دین میں سمجھ پیدا کریں" یعنی علم دین حاصل کریں قرآن کریم کی اس آیت میں پوری امت ہی کو فرقہ قرار دیا گیا ہے اور اس آیت میں فقہاء کی تعریف بیان کی گئی ہے اور یہاں فرقہ اچھے معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ حضرت ابو سعید الخدریؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نقل کرتے ہیں

"یکون فی امتی فرقتان" یعنی "میری امت میں دو فرقے ہوجائیں گے"
(صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ صفحہ ۳۴۲ ج۔۱' مسند احمد صفحہ ۴۵' ۴۶ ج۔۳ صحیح ابن حبان رقم ۶۷۰۰)

اس حدیث میں حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی جماعتوں کو دو فرقے کہا گیا ہے۔ جناب زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم (صحابہ کرامؓ کے ساتھ غزوہ احد کیلئے) احد کی طرف روانہ ہوئے تو کچھ لوگ (منافقین) جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے تھے واپس لوٹ گئے۔

"وکان اصحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فرقتین فرقۃ تقول نقاتلھم وفرقۃ تقول لا نقاتلھم فنزلت۔ فما لکم فی المنٰفقین فئتین...... الخ
(صحیح البخاری کتاب المغازی باب غزوۃ احد)

ترجمہ : "پس صحابہؓ میں ان کے متعلق دو فرقے ہوگئے ایک فرقہ (گروہ) نے کہا کہ ہم ان سے قتال کریں گے اور دوسرے فرقہ نے کہاں کہ ہم ان سے قتال نہیں کریں گے چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی "تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم منافقین کے بارے میں دو گروہ بن گئے ہو۔" اس حدیث میں زید بن ثابتؓ نے صحابہؓ کو دو فرقے قرار دیا اور قرآن میں فرقہ کی وضاحت "فئۃ" سے کی گئی ہے اور فتہ کے معنی بھی جماعت کے ہیں۔ جس سے ثابت ہوا کہ لفظ فرقہ کا مطلب بھی جماعت ہے ایک حدیث میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ترکوں (تاتاریوں) کے بغداد پر حملہ کا ذکر فرمایا ہے جس کے بعض الفاظ یہ ہیں

"فیتفرق اھلھا ثلاث فرق فرقۃ یاخذون اذناب البقر والبریۃ وھلکوا ' وفرقۃ یاخذون لانفسھم و کفرو ' وفرقۃ یجعلون ذراریھم خلف ظھورھم ویقاتلونھم وھم الشھداء"
(سنن ابی داوٗد کتاب الملاحم باب فی ذکر البصرۃ واسناد حسن)

ترجمہ : "اس (شہر) کے لوگ تین فرقوں (جماعتوں) میں تقسیم ہوجائیں گے ایک فرقہ (جماعت) تو بیلوں کی دُموں اور میدان کو اختیار کرکے ہلاک ہوجائے گا اور دوسرا فرقہ اپنی جانوں کو بچانے کی خاطر کفر اختیار کرے گا اور تیسرا فرقہ اپنے پیچھے اولاد کو چھوڑ دے گا اور ان (ترکوں) سے قتال کرے گا اور وہی شہید ہوں گے۔" افتراق امت والی حدیث جس میں ہے کہ میری امت بہتر (۷۲) فرقوں میں بٹ جائیگی اس میں اہل حق کو بھی فرقہ کہا گیا ہے اور پھر اسے "الجماعۃ" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے چنانچہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"ان بنی اسرائیل افترقت علی احدی وسبعین فرقۃ وان امتی ستفترق علی اثنین و سبعین فرقۃ کلھا فی النار الا واحدۃ وھی الجماعۃ"

(ابن ماجہ کتاب الفتن وقال الالبانی وسندہٗ جید)

ترجمہ : "بے شک بنی اسرائیل اکہتر (۷۱) فرقوں میں بٹ گئے تھے اور بے شک میری امت بھی عنقریب بہتر (۷۲) فرقوں میں بٹ جائیگی اور سب فرقے جہنم میں جائیں گے سوائے ایک (فرقہ) کے اور یہ جماعت ہوگی۔" فرقہ برے معنی میں بھی تب ہی استعمال ہوگا کہ جب وہ اپنے منہج سے ہٹ جائے گا اور دین کی شاہراہ کو چھوڑ دے گا جیسے کہ اللہ پاک کا ارشاد ہے۔

"ان الذین فرقوا دینھم و کانوا شیعا لست منھم فی شئی"

(سورہ الانعام آیت ۱۵۹)

ترجمہ : "بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا اور گروہ گروہ بن گئے ان سے تمہارا کچھ واسطہ نہیں۔" اور اسکی واضح مثال خوارج ہیں کہ جو حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی جماعتوں سے الگ ہوگئے تھے حضرت علیؓ اور معاویہؓ کی جماعتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو فرقے قرار دیا لیکن خوارج کو مارقہ (نکلنے والے) کا نام دیا اور موجودہ دور میں اس کی مثال موصوف ہیں کہ فرقہ در فرقہ بنالیا۔

"تلک الفرق کلھا" میں ایک اہم جائزہ

اس حدیث سے ایک اہم بات یہ معلوم ہوئی کہ جن فرقوں سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے الگ اور جدا ہوجانے کا حکم دیا تھا ان کی نشانیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی بیان فرمادی تھیں یعنی وہ گویا جہنم کے دروازوں پر کھڑے ہوکر اس کی طرف دعوت دینے والے ہوں گے اور جو ان کی دعوت کو قبول کرے گا وہ اسے جہنم میں گرا دیں گے اور وہ ہماری قوم کے لوگ ہوں گے اور ہماری زبان میں باتیں کریں گے **"تلک الفرق کلھا"** میں **"تلک"** اسم اشارہ بعید انہی گمراہ فرقوں کی طرف ہے جبکہ موصوف نے اسکا رخ اہل سنت والجماعت کی طرف بھی پھیر دیا مختصر یہ کہ یہ گمراہ لوگ ہوں گے اور ایسے لوگوں سے اہل حق کو بالکل الگ تھلگ ہونا چاہئے۔

موصوف کا غیر اسلامی انداز دعوت

موصوف نے کچھ اس انداز سے لوگوں کو مسلم بن جانے کی دعوت دینا شروع کردی ہے کہ گویا مسلم دنیا سے ناپید ہوچکے ہیں اور اب موصوف نئے سرے سے لوگوں کو مسلم بنارہے ہیں اور اس طرح کا دعویٰ نبوت کے دعویٰ سے کچھ کم نہیں ہے حالانکہ اہل علم جانتے ہیں کہ مسلمین قیامت تک دنیا میں رہیں گے اور جس دم بھی مسلمین کا وجود دنیا سے ناپید ہوجائے گا قیامت قائم ہوجائے گی ایک حدیث میں ہے "قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ اللہ اللہ کہنے والے موجود ہوں گے۔"

(مسند احمد وقال الالبانی ... بسند صحیح، مشکوٰۃ صفحہ ۱۵۲۷ ج۔۳)

معلوم ہوا کہ مسلمین کے ختم ہوجانے پر قیامت قائم ہوگی کوئی شخص صرف اپنے کو "مسلم" کہے اور دوسرے کو غیر مسلم سمجھے اور خود اسلام کا ٹھیکیدار بن جائے اور دوسروں کے اسلام و ایمان کی نفی کو اپنی زندگی کا مشن بنالے یہ بات کسی کے لئے مناسب نہیں ہے اس سلسلہ کی ایک اہم حدیث بھی ملاحظہ فرمائیں

"عن ثوبانؓ قال قال رسول اللہ علیہ وسلم یوشک الامم..... الخ"

ترجمہ : "حضرت ثوبانؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریب ہے کہ دوسری (غیر مسلم) قومیں تم سے لڑنے اور تمہیں مٹانے کے لئے اس طرح ایک دوسرے کو بلائیں گی کہ جیسے کھانا کھانے والے دوسرے (بھوکے) لوگوں کو دستر خوان پر بلاتے ہیں یہ سن کر صحابہؓ میں سے

کسی نے پوچھا (وہ لوگ ہم پر اس لئے غلبہ حاصل کرلیں گے کہ) اس وقت تعداد میں ہم کم ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نہیں بلکہ تم ان دنوں میں تعداد میں زیادہ ہوگے لیکن ایسے جیسا کہ دریا یا نالوں کے کنارے پانی کے جھاگ ہوتے ہیں" (یعنی تم نہایت کمزور اور ضعیف ہوگے) تمہارا رعب اور ہیبت دشمنوں کے دل سے نکل جائے گا اور تمہارے دلوں میں "وھن" کی بیماری پیدا ہوجائے گی کسی نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) "وھن" (ضعف و سستی) سے کیا مراد ہے؟ فرمایا دنیا کی محبت اور موت سے نفرت۔

(رواہ ابو داؤد والبیہقی فی دلائل النبوۃ، مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۴۷۵، ج۔۳

وقال الالبانی وھو حدیث صحیح وقال الاستاد زبیر بن مجدد علی زئی واسنادہ حسن لشاہدہ الذی عند احمد (۲۷۸/۵) وغیرہٗ راجع الصحیحۃ للالبانی رقم ۹۵۸ وحاشیہ شرح السنۃ (۱۵/۱۶)

اس حدیث کے مطالعے سے معلوم ہوا کہ آخری زمانے میں مسلمین کثرت سے ہوں گے البتہ ان میں کچھ کمزوریاں ایسی پیدا ہوجائیں گی کہ جس کی بناء پر دوسری قوموں کو ان پر چھا جانے کا موقع مل جائے گا کیونکہ دنیا کی محبت اور موت سے نفرت انہیں جہاد جیسے عظیم مشن سے دور لے جائیگی اور دوسری احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ایک جماعت (عصابۃ من المسلمین) ایسی ہوگی جو ہمیشہ حق پر ڈٹی رہیگی اور اپنے مخالفین پر دلائل کی بنیاد پر غالب رہے گی اور وہ حق کی خاطر کسی کی مخالفت کو خاطر میں لائے گی اور نہ مخالفین انہیں کوئی نقصان پہنچاسکیں گے اور جہاں ان کو موقع

ملا تو یہ جماعت جہاد کا فریضہ بھی ادا کرتی رہے گی' حضرت جابر بن سمرہؓ اور معاویہ بن ابی سفیانؓ سے اس سلسلہ کی جو روایات صحیح مسلم میں مروی ہیں ان میں **"عصابۃ من المسلمین"** (مسلمین کی ایک جماعت) کے الفاظ بھی موجود ہیں اگر موصوف کو نام رکھنے کا اتنا ہی شوق تھا تو وہ یہ نام بھی رکھ سکتے تھے حقیقت یہ ہے کہ احادیث میں **"جماعۃ المسلمین"** یا **"عصابۃ من المسلمین"** کے الفاظ نام کے طور پر استعمال ہی نہیں ہوئے ہیں ورنہ پھر اس حدیث کے مطابق پورا نام "جماعۃ المسلمین وامامھم" ہونا چاہئے تھا بلکہ اس حدیث میں یہ بتانا مقصود ہے کہ مسلمین پر ایک ایسا دور بھی آنے والا ہے کہ جب وہ ایسی صورت حال سے دو چار ہوں گے۔

"تلزم جماعت المسلمین" سے کیا مراد ہے؟

حدیث میں جو "تلزم جماعت المسلمین" ہے تو جماعت المسلمین سے سنّی مسلمان مراد ہیں کیونکہ صحیح مسلم کے صفحہ ۱۲۷ ج۔۲ پر اس جماعت کے مخالفین کے بارے میں صراحتاً" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "لا یستنون بسنتی" فرمایا ہے جب وہ غیر سنّی ہیں تو یقیناً جماعت المسلمین سے مراد سنی مسلمان ہیں مگر بانی فرقہ یہ الفاظ جن میں سنت کا ذکر ملتا ہے ہرگز نقل نہیں کرتا اس حدیث سے اپنا فرقہ مراد لینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صریح جھوٹ ہے کیونکہ یہ فرقہ بیس (۲۰) بائیس (۲۲) سال قبل کی پیداوار ہے اگر بانی فرقہ کو یہ ہی شوق ہے کہ ان کے اس نوزائیدہ فرقہ کا نام یا ذکر کسی حدیث میں مل جائے تو اس کیلئے مناسب ترین حدیث یہ ہے

"یوشک ان یاتی علی الناس زمان لا یبقی من الاسلام الا اسمہ..... الخ"

ترجمہ : "ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگوں میں صرف اسلام کا نام باقی رہ جائے گا (جیسا کہ مسعودی فرقہ کا عنوان جماعت المسلمین ہے مگر اسلام انقیاد کا نشان تک مفقود ہے) ان کے قرآن کے صرف الفاظ ہوں گے (اس سے استنباط احکام کی اہلیت سے بالکل کورے ہوں گے) ان کی مساجد اگرچہ آباد ہوں گی مگر وہ ہدایت کا سرچشمہ نہیں ہوں گی انکے علماء زمین کے رہنے والوں میں سب سے شریر ہوں گے (کیونکہ باقی شریر مسجد سے باہر شرارتیں کرتے ہیں مگر ان کی شرارتوں کے اڈے ان کی مساجد ہوں گی۔ اور وہ دین میں شرارتیں اور فتنے پھیلائیں گے وہ ان فتنوں کے بانی بھی ہوں گے اور ان فتنوں کے سرپرست بھی ہوں گے)

(شعب الایمان بیہقی بحوالہ مرعاۃ صفحہ ۳۲۱ ج۔۱)

دیکھئے یہ بات مشاہدہ میں آچکی ہے کہ بانی فرقہ کی مسجد سے اَن پڑھ نوجوان نکل کر دفتر' ہر بازار' ہر دکان پر اور بس میں فتنہ پھیلاتے ہیں مسلمانوں کو کافر' مشرک کہتے ہیں ساتھ ساتھ اپنی جہالت کا بھی پورا پورا اعتراف کرتے ہیں کہ ہم عالم نہیں ہیں۔ پھر ساتھ یہ بھی جھوٹ بولتے ہیں کہ ہم قرآن و حدیث پر بھی عمل کرتے ہیں جب ہم ان کے سامنے قرآن و حدیث پیش کر کے کہتے ہیں کہ اس سے صرف ایک رکعت مکمل ترتیب سے اور مسائل کے ساتھ دکھا دو تو **"صم بکم عمی فھم لا یرجعون"** (یعنی بہرے' گونگے' اندھے) کا مجسم مصداق آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔

لطیفہ

"مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی صاحب نے اپنے رسالہ "فرقہ جماعت المسلمین تحقیق کے آئینے میں" میں "لطیفہ" کے عنوان سے لکھا ہے کہ

"اس فرقہ کا ایک آدمی میرے پاس آیا اس کے ہاتھ میں بانی فرقہ کی تصنیف "تلاش حق" تھی اس کا دعویٰ تھا کہ ہم صرف قرآن و حدیث کو مانتے ہیں میں نے پوچھا مسعود احمد کی اطاعت و تقلید کو فرض مانتے ہو اور داخل فی الدین سمجھتے ہو یا نہیں اس نے کہا ہم مسعود احمد کی پیروی معروف میں بحکم قرآن و حدیث فرض سمجھتے ہیں میں نے کہا کہ ائمہ اربعہ کے مقلدین بھی ائمہ کی تقلید معروف میں کرتے ہیں تم اس کو شرک و کفر کہتے ہو۔ مسعود احمد کی تقلید کو فرض مانتے ہو جسکے پاس معروف ہے ہی نہیں منکرات ہیں اس پر وہ تلملایا۔ میں نے کہا یہ کتاب "خلاصہ تلاش حق" ۱۹۸' صفحات کی کتاب ہے تم یہ بتاتے ہو کہ ہم صرف قرآن و حدیث مانتے ہیں ان ۱۹۸ صفحات میں قرآن پاک کی کتنی آیات ہیں؟ احادیث صحیحہ کتنی ہیں؟ اور جھوٹ اور خیانتیں کتنی ہیں؟ میں نے کہا اس میں قرآن پاک کی ایک آیت بھی نہیں جو موافق موقع لکھی گئی ہو کہ مجتہد کی تقلید مسائل اجتہادیہ میں شرک و کفر ہے۔ ایک بھی حدیث اس مضمون کی نہیں ہے ہاں جھوٹ اور خیانتیں بہت ہیں۔"

مسعود احمد کی خیانتیں

خیانت نمبر۱

بانی فرقہ لکھتا ہے کہ "صاحب در مختار نے امام ابو حنیفہؒ کی طرف نسبت کر کے شرائط امامت میں یہ مسئلہ لکھا ہے "اسے امام بنایا جائے جس کا سر سب سے بڑا ہو اور ذکر (آلہ تناسل) سب سے چھوٹا ہو۔"
(خلاصہ تلاش حق صفحہ ۲۴)

مسعود احمد نے صاحب در مختار پر ایک ہی سانس میں تین جھوٹ بول دیئے (۱) انہوں نے قال ابو حنیفہؒ سے قول بیان کیا ہے (۲) اس کو شرط امامت کہا ہے (۳) وہاں ذکر (آلہ تناسل) کا لفظ ہے۔

خیانت نمبر۲

بانی فرقہ لکھتا ہے کہ "حضرت وائلؓ دوسری مرتبہ شوال ۱۰ھ میں مدینہ منورہ تشریف لائے تھے (البدایۃ والنھایہ) دوسری مرتبہ آمد پر بھی ان کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ رفع یدین کرتے تھے"
(صحیح مسلم صفحہ ۴۷)

بانی فرقہ نے جو بات البدایۃ والنھایہ کی طرف منسوب کی ہے وہ بھی جھوٹ ہے اور جو صحیح مسلم کی طرف منسوب کی ہے وہ بھی جھوٹ ہے صحیح مسلم میں نہ دوبارہ آنے کا ذکر ہے نہ صحابہؓ کے رفع یدین کا کوئی تذکرہ۔

خیانت نمبر۳

بانی فرقہ لکھتا ہے کہ "حضرت عمرؓ کے تو بیٹے' پوتے سب رفع یدین کرتے تھے بلکہ بیٹے تو رفع یدین نہ کرنے والے کو کنکریاں مارا کرتے تھے"۔
(مسند احمد تلاش حق صفحہ ۱۸۵)

یہ دونوں باتیں کہ حضرت عمرؓ کے بیٹے' پوتے سب رفع یدین کیا کرتے تھے بلکہ بیٹے تو نہ کرنے والوں کو کنکریاں مارتے تھے ہرگز امام احمد کی مسند میں نہیں ہیں آپ (مسعود احمد) پہلے حضرت عمرؓ کے بیٹوں اور پوتوں کی فہرست

بحوالہ کتب بتائیں پھر سب کا رفع یدین کرنا مسند احمد سے سندوں سے دکھائیں اور بیٹوں کا رکوع کے وقت رفع یدین نہ کرنے والوں کو کنکریاں مارنا ثابت کریں۔

خیانت نمبر ۴

"حضرت عمرؓ نے رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرکے نماز پڑھنے کا طریقہ مسجد نبوی میں برسرعام سکھایا"

(خلاصہ تلاش حق صفحہ ۸۰، ۱۸۶)

پھر صلوٰۃ المسلمین، منہاج المسلمین، تفسیر قرآن عزیز میں بانی فرقہ نے اس کی سند کو متصل اور صحیح قرار دیا ہے جو بالکل جھوٹ ہے بانی فرقہ میں ایک ذرہ صداقت بھی موجود ہے تو اس کی سند کا اتصال اور اسکی سند کی صحت دلائل سے ثابت کرے بانی فرقہ نے نصب الرایہ صفحہ ۴۱۶ ج۔۱ کی عبارت نقل کرنے میں بھی شرمناک خیانت سے کام لیا ہے۔ میں نے کہا آپ ان جھوٹوں کی اشاعت اس نام سے کر رہے ہیں کہ یہ قرآن و حدیث کی دعوت ہے بڑے افسوس کی بات ہے۔"

مسعودی فرقہ کا قرآن کریم کے ساتھ افسوس ناک سلوک

بانی فرقہ اور اس کے مقلدین قرآن کا نام لیکر عوام کو دھوکہ دیتے ہیں

حالانکہ یہ قرآن رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت کے ذریعہ ہم تک پہنچا یہ امت جن کے ذریعہ قرآن پاک وہند میں آیا اہل سنت والجماعت حنفی تھے ہم ان کو مسلمان کہتے ہیں تو گویا ہمیں یہ قرآن مسلمانوں کے ذریعہ سے ملا۔ بانی فرقہ ان کو کافر اور مشرک قرار دیتا ہے تو ان کو یہ قرآن مشرکوں اور کافروں کے ذریعہ ملا وہ ان کفار اور مشرکین پر اعتماد کیسے کرسکتے ہیں وہ کوئی ایسا قرآن لائیں جو غیر مقلدین کی سند متواتر سے ان کو ملا ہو یہ بھی مشاہدہ ہے کہ اس فرقہ کے اکثر لوگ قرآن پاک کی ناظرہ تلاوت بھی صحیح نہیں کرسکتے بانی فرقہ کا موجودہ قرآن کے بارے میں اعتقاد یہ ہے۔

"قرآن ہر لحاظ سے ایک مکمل کتاب ہے یہ ایک خوشنما جملہ تو ضرور ہے مگر حقیقت کچھ بھی نہیں نہ نماز کا طریقہ اس میں ہے نہ کسی اور عمل کا اور پھر وہ ہر لحاظ سے مکمل ہے یہ عجیب بات ہے۔"

(تفہیم الاسلام صفحہ ۲۳۶)

"قرآن کا اسلام تو بڑا آسان ہے دعا مانگ لو صلوٰۃ ادا ہوگئی، پاکیزگی اختیار کرلو زکوٰۃ ادا ہوگئی، صلوٰۃ میں ریاح خارج ہوجائے وضو سلامت رہے، ناچ و رنگ کی محفلیں قائم کرو کوئی ممانعت نہیں، فنون لطیفہ سے دلچسپی لو کوئی حرج نہیں، تاش و شطرنج سے لطف اٹھاؤ کوئی مضائقہ نہیں۔"

(تفہیم الاسلام صفحہ ۲۳۲)

"قرآن پاک میں عریانیت کا درس ہے"

(تفہیم الاسلام صفحہ ۲۴۶، ۲۴۷)

"قرآن میں بھی ایسی آیات پائی جاتی ہیں جس سے بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منزلت کو بڑا دھکا لگتا ہے۔"

(تفہیم الاسلام صفحہ ۱۴۷ و ۲۴۸)

"کیا ان آیات سے دشمنان اسلام کو اسلام پر ہنسنے کا موقع نہیں ملتا؟"

(تفہیم الاسلام صفحہ ۲۴۸)

"قرآن کی قطعیت پر تو قرآن کی آیات سے بھی چوٹ پڑتی ہے........ ستیا رتھ پر کاش وغیرہ کتابیں ملاحظہ ہوں۔"

(صفحہ ۲۵۵)

"وہ مسلم رہ کر بھی قرآن کا انکار کرسکتے ہیں...... مسلمانوں کا ایک جم غفیر تحریف پر ایمان رکھتا ہے۔"

(تفہیم الاسلام صفحہ ۲۶۹)

معلوم ہوا کہ مسعودی فرقہ کے امام مفترض الطاعۃ کے نزدیک قرآن نہ مکمل ہے نہ قطعی ہے قرآن دشمنان اسلام کو اسلام پر ہنسنے کا موقع دیتا ہے۔ قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منزلت و مرتبہ کو بڑا دھکا لگاتا ہے۔ قرآن عریانیت کا درس دیتا ہے۔ ناچ ورنگ، تاش، شطرنج اور چھلے کھولنے سے منع نہیں کرتا۔ قرآن کی تحریف کا قائل بھی مسلم ہے قرآن کا انکار کرکے بھی انسان مسلم ہی رہتا ہے غیر مسلم تو صرف ائمہ کی تقلید سے ہوتا ہے۔

مسعودی فرقہ کا احادیث مبارکہ کے ساتھ ناروا سلوک

حدیث کی جس قدر مستند کتابیں آج دنیا میں ملتی ہیں ان کے مؤلفین یا تو مجتہدین ہیں جن کو بانی فرقہ شریعت ساز قرار دیتا ہے اور شریعت سازی کفرو شرک ہے ان پر احبار و رھبان والی قرآنی آیات فٹ کرتا ہے یا کتب حدیث کے مؤلفین مقلدین ہیں جن کا ذکر طبقات حنفیہ، طبقات مالکیہ، طبقات شافعیہ، اور طبقات حنابلہ میں ہے جن کو بانی فرقہ مشرک اور غیر مسلم کہتا ہے

اس لئے ان کتابوں سے تو ان کا کوئی تعلق ہی نہیں وہ کوئی ایسی حدیث کی کتاب پیش کریں جس میں حدیث نے مجتہدین کو شریعت ساز اور ان کے مقلدین کو مشرک اور غیر مسلم کہا ہو اور ہماری کتب حدیث کا مطالعہ بھی اس نے بہت سطحی نظر سے کیا ہے وہ خود لکھتا ہے۔

"سطحی نظر سے حدیث کا مطالعہ غلط فہمی اور گمراہی میں مبتلا کردیتا ہے ورنہ حقیقت ہین اس کے رموز پالیتی ہیں سطحی نظر سے تو قرآن کا مطالعہ بھی گمراہ کن ہوسکتا ہے"

(تفہیم الاسلام صفحہ ۱۳۵)

خود بانی فرقہ کی گمراہی کی بنیاد قرآن و حدیث کا یہی سطحی مطالعہ ہے۔ کتب احادیث کا مطالعہ کرنے والا اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا کہ کتب حدیث میں دو قسم کی حدیث ہیں

(۱) جو ایک ہی بات سے متعلق ہو ان کے معارض کوئی دلیل شرعی نہ ہو ان پر امت کے عمل میں بھی اختلاف نہ ہو ایسی احادیث پر سب ائمہ نے عمل کیا ان کی مثال سورج کی روشنی سی ہے جو ساری دنیا میں گھر گھر پھیلی ہوئی ہیں (۲) دوسری قسم، وہ احادیث ہیں جن میں آپس میں اختلاف و تعارض پایا جاتا ہے ان میں صحابہؓ کا عمل بھی مختلف ہے ایسی احادیث کو بعض علاقوں میں عملی تواتر نصیب ہوا بعض دوسرے علاقوں میں انکے بظاہر مخالف دوسری احادیث کو عملی تواتر نصیب ہوا ان احادیث کی مثال چاند کے ثبوت کی طرح ہے ایک علاقہ میں عید کا چاند نظر آگیا سارا ملک عید پڑھ رہا ہے دوسرے ملک میں چاند نظر نہیں آیا سب نے روزہ رکھا ہوا ہے دونوں ملک مسلمان ہیں مؤطا امام مالکؒ میں کتنی احادیث ہیں جو سنداً صحیح ہیں لیکن اہل مدینہ کا تعامل اس پر نہ ہونے کی وجہ سے امام مالکؒ نے بھی ان پر عمل نہیں کیا۔ اسی طرح امام ابو حنیفہؒ بھی ایسی روایات میں ان روایات پر ہی عمل کرتے ہیں جن پر اہل کوفہ کا تعامل ہو اس کے مخالف احادیث اس علاقہ میں تواتر عملی کے خلاف ہونے کی وجہ سے شاذ کہلاتی ہیں۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ آخری زمانے میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو کذاب اور دجال ہوں گے وہ ایسی احادیث تمہارے پاس لائیں گے جو تمہارے باپ دادا نے بھی نہ سنی ہونگی (یعنی ان پر اس علاقہ میں عمل نہ ہوگا۔ عملی تواتر انکے خلاف ہوگا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان سے بچنا ایسا نہ ہو کہ تم کو فتنہ اور گمراہی میں مبتلا کردیں۔"

(صحیح مسلم صفحہ ۱۰ ج ۱)

بانی فرقہ مسعود احمد نے بالکل یہی کام کیا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنہ اور گمراہی قرار دیا تھا کہ جن احادیث کے موافق اس ملک میں صدیوں سے عملی تواتر موجود تھا ان کو جھوٹا اور ضعیف کہہ کر ناقابل عمل قرار دیا اور جو احادیث اس ملک میں صدیوں سے عملی تواتر کے خلاف تھیں اور عملاً شاذ تھیں ان کو پیش کرکے فتنہ اور گمراہی کو ہوا دی۔

مسعودی فرقہ اور اجماع امت

آپ نے بانی فرقہ کے عقیدہ اسلام کے بارے میں بھی معلوم کرلیا کہ اس کے نزدیک مسلم کا مطلب غیر مقلد ہے قرآن پاک کے بارے میں بھی اس کے عقائد آپ کے سامنے آگئے احادیث کے بارے میں بھی اس کا سارا زور متعارضات پر ہے اور متعارضات میں سے ان احادیث پر عمل اور ان کی دعوت ہے جو اس ملک میں تواتر عملی کے خلاف ہونے کی وجہ سے شاذ ہیں کاش وہ **"من شذ شذ فی النار"** کی وعید سے ڈر جاتا اور اللہ کا خوف دل میں لے آتا تمام اہلسنت اجماع امت کو دلیل شرعی مانتے آئے ہیں اجماع امت کا مخالف بنص قرآن و سنت دوزخی ہے بانی فرقہ اجماع امت کو دلیل شرعی

نہیں سمجھتا اس لئے اس نے اجماع کی تعریف ایسی بیان کی کہ اس کا تحقق ہی نہ ہو سکے چنانچہ لکھتا ہے۔

"اجماع امت سے مراد یہ ہے کہ صحابہؓ سے لیکر قیامت تک سب مسلم اس پر اتفاق کرلیں"

(خلاصہ تلاش حق صفحہ ۱۷)

اجماع کی یہ تعریف نہ قرآن میں ہے نہ سنت میں نہ اصول میں اسی لئے مسعود صاحب نے اس پر کوئی حوالہ نہیں دیا گویا یہ تعریف "اگرچہ گندہ مگر ایجاد بندہ" کی مصداق ہے لیکن بعض جگہ بانی فرقہ کو خود اجماع کی ضرورت پڑجاتی ہے چنانچہ اسی کتاب کے صفحہ ۳۲ سے صفحہ ۳۶ تک اس بات پر زور دیا ہے کہ بخاری و مسلم کے صحیح ہونے پر اتفاق و اجماع ہے کیا مسعود صاحب بتاسکتے ہیں کہ یہ اجماع کس مقام پر کس سن میں ہوا تھا جہاں تمام صحابہؓ سے لیکر قیامت تک کے مسلم جمع تھے مسعود جی یہ تو ابن صلاح کا قول ہے جو کہ نہ خدا ہے نہ نبی نہ صحابی نہ تابعی نہ تبع تابعی نہ مجتہد بلکہ امام شافعیؒ کا مقلد ہے جو سرے سے آپکے نزدیک مسلم ہی نہیں ہے تو یہ بانی فرقہ کی اتباع ہوئی (خواہشات کی اتباع) ہے نہ کہ اتباع شریعت۔

مسعود احمد صاحب کی اجتہاد کے بارے میں غلیظ رائے

تمام اہلسنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ **"القیاس مظھر لا مثبت"** کہ قیاس

کتاب و سنت کے پوشیدہ مسائل کو تلاش کرنے کا نام ہے نہ کہ از خود مسائل گھڑنے اور شریعت سازی کا۔ اہل سنت کا اتفاق ہے کہ مجتہد شارع یعنی شریعت ساز نہیں ہوتا بلکہ شارح یعنی کتاب و سنت کی تشریحات کا ماہر ہوتا ہے وہ اجتہادی مسائل میں واسطہ فی البیان اور واسطہ فی التفہیم ہوتا ہے۔ اہلسنت والجماعت کے نزدیک ایسے مسائل اجتہادیہ میں جو کتاب و سنت میں ہی پوشیدہ ہیں مجتہد پر اجتہاد واجب ہے اور عامی پر تقلید واجب ہے بانی فرقہ نے جس طرح اسلام اور اجماع کا معنی بگاڑا اسی طرح اجتہاد اور تقلید کا معنی بھی بگاڑا۔ اہلسنت کے ہاں اجتہاد کا مطلب ہے کتاب و سنت کے پوشیدہ مسائل کی تلاش۔ اور اس نے اجتہاد کا معنی یوں بگاڑا کہ "قرآن و سنت کے خلاف مسائل گھڑنا اور کتاب و سنت کے خلاف شریعت سازی کرنا" یہ مطلب محض جھوٹ اور افتراء ہے کسی بھی مجتہد سے بانی فرقہ اجتہاد کا یہ مطلب ثابت نہیں کرسکتا اور تقلید کا مطلب سب اہلسنت و الجماعت کے ہاں یہی ہے کہ "ائمہ مجتہدین نے جو مسائل کتاب و سنت ہی سے تلاش کئے ہیں اس مجتہد کی راہنمائی میں کتاب و سنت سے ہی ظاہر شدہ احکام پر عمل کرنا" مگر بانی فرقہ مسعود احمد نے تقلید مجتہد کا یہ غلط مطلب گھڑا کہ "کتاب و سنت کے خلاف مجتہدین کے ازخود گھڑے ہوئے مسائل پر عمل کرنا" اسی جھوٹ کی بناء پر اس نے فتنہ کھڑا کردیا ہے حالانکہ مجتہد کی تقلید کا یہ مطلب بانی فرقہ کا خانہ ساز ہے، مقلدین پر بہتان وافتراء ہے مقلدین کی کسی بھی مستند کتاب سے بانی فرقہ تقلید مجتہد کی یہ تعریف ہرگز نہیں دکھا سکتا۔ "فان لم تفعلوا ولن تفعلوا"۔

ائمہ مجتہدین کی کرامت کا ظہور

بانی فرقہ اگرچہ مجتہدین کو شریعت ساز کہتا ہے مگر ایک جگہ اس کے قلم سے حق بات نکل ہی گئی چنانچہ لکھتا ہے۔

> "اس میں شک نہیں کہ چاروں اماموں نے جس اصول پر مسائل کی بنیاد رکھی ہے وہ اصول سنت ہے کیونکہ ان لوگوں نے مسائل کو قرآن و حدیث کی روشنی میں حل کیا اور قرآن و حدیث کو چھوڑ کر کسی اور شخص کے قول کو دلیل نہیں بنایا نہ اسکو حجت سمجھا لہٰذا ان لوگوں کا یہ طریقہ بے شک سنت تھا اور وہ چاروں برحق تھے" (رحمہم اللہ)
>
> (خلاصہ تلاش حق ۸۸)

ایسے ہی موقع پر کسی نے کہا ہے۔

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا میرے حق میں
زلیخا نے کیا خود چاک دامن ماہ کنعان کا

اب سوال یہ ہے کہ جو امام برحق ہیں انہوں نے مسائل قرآن و حدیث کی روشنی میں حل کئے ان کا طریقہ سنت ہے تو ان مسائل کی پیروی عین کتاب و سنت کی پیروی ہے اس تقلید کو کفر اور شرک کیسے کہا جاسکتا ہے۔

امام اعظم امام ابو حنیفہؒ

بانی فرقہ نے ائمہ اربعہ کو برحق مان لیا اب امام صاحبؒ کے بارے میں

پڑھیئے ایک شخص نے اسے خط لکھا

"میں بفضل خدا حنفی ہوں قرآن مجید ' سنت رسول اللہ صلی علیہ وسلم اور مسلک صحابہ کرامؓ کے بعد امام ابو حنیفہؒ کی اتباع کرتا ہوں اور حنفی کہلاتا ہوں اور بفضلہٖ تعالیٰ مطمئن ہوں لیکن حنفی ہونا جز و ایمان نہیں سمجھتا اوران کی اتباع اس لئے کرتا ہوں کہ انہوں نے قرآن و حدیث کو خوب سمجھا - حدیثوں کو سمجھنا اور جانچنا بڑی قابلیت کا کام ہے انہوں نے قرآن و حدیث کو خوب سمجھا اورہم کو نہایت آسان طریقہ سے سمجھایا جب ہی تو آج ایک ہزار سال سے زائد زمانہ سےلوگ ان کی اتباع کرتے چلے آئے ہیں نہ صرف کراچی اور سجاول بلکہ ساری دنیا میں انکی اتباع کی جاتی ہے اور انشاء اللہ قیامت تک کرتے رہیں گے آپ اندازہ لگایئے کہان ایک ہزار سے زائد برسوں میں کیسے کیسے زبردست محدث قابل ترین علماء کرام 'عابد ' زاہد ' مجتہد ' امام 'فقیہ گزرے ہیں جو ان کے معتقد ہوئے اور ان کیاتباع کرتے تھے امام ابو حنیفہؒ کا شمار تابعین میں تھا امام صاحب کی مبارک آنکھوں نے صحابہ کرامؓ کو دیکھا غور کیجئے امام صاحب کا رتبہ کتنا بڑا ہے بڑے بڑےامام وقت آپکے شاگرد گزرے ہیں آج ان کے مقابلے میں اگر کوئی اپنی عقل کو ترجیح دے اور انکو برا بھلا کہہ کر جہلاء میں اپنا مقام حاصل کرنا چاہے تو یہ اسکی خود غرضی اور نادانی بلکہ جہالت ہے"۔

(خلاصہ تلاش حق صفحہ ۱۵)

بانی فرقہ مسعود احمد اسکے جواب میں لکھتا ہے۔

"میں ان تمام فضائل کو تسلیم کرتا ہوں جو آپ نے امام ابو حنیفہؒ کے متعلق بیان کئے ہیں میں کسی چیز میں اپنے آپ کو انکا ہم پلہ توکجا انکی خاک پاکے برابر بھی نہیں سمجھتا"

(خلاصہ تلاش حق صفحہ ۲۲)

مسعودی فرقہ غور کرے کہ جو لوگ امام اعظمؒ کی تقلید و رہنمائی میں کتاب و سنت پر عمل کریں ان کو آپ لوگ مشرک اور غیر مسلم قرار دیتے ہیں اور آپ کا امام جو باقرار خود ہمارے امام کی خاک پاکے برابر نہیں اسکی تقلید کو فرض مانا جاتا ہے۔ تلک اذاً قسمۃ ضیزیٰ۔ (یہ کیسی بد ترین تقسیم ہے)

مسعود احمد بی۔ ایس۔ سی کی عادت

موصوف لوگوں کے سامنے یہ دعوت لیکر کھڑے ہوئے ہیں کہ میں ہر مسئلہ قرآن و حدیث سے دکھا سکتا ہوں مگر اس میں وہ بری طرح ناکام ہوئے تو اپنی اس ناکامی پر پردہ ڈالنے کے لئے وہ فقہ کو گالیاں دینا شروع کردیتے ہیں کبھی تو وہ فقہ کی کتابوں سے ایسے مسائل پیش کرتے ہیں جو نہ مفتیٰ بہ ہیں نہ معمول بہ۔ مسعود صاحب! مذہب حنفی ان مسائل کا نام ہے جن پر احناف کا فتویٰ اور متواتر عمل ہے شاذ اور متروک اقوال مذہب حنفی ہرگز نہیں جس طرح قرآن وہی ہے جو امت میں تواتر کے ساتھ ہر جگہ پڑھا جارہا ہے نہ کہ کسی کتاب میں مذکور شاذ و متروک قراءتوں کو قرآن کہاجائے ایسا شیعہ ' عیسائی اور ہندو تو کرتے تھے آپ نے بھی مفتیٰ بہ اور معمول بہ مسائل کو چھوڑ کر غیر مفتیٰ بہ اور شاذ مسائل پر اعتراض شروع کردیا اس کا جواب ہماری طرف سے وہی ہے جو آپ نے منکرین حدیث برق صاحب کو دیا ہے۔

"ضعیف حدیث کے ہم جواب دہ نہیں ضعیف حدیث پر اعتراض کرنا بھی فضول ہے"

(تفہیم الاسلام صفحہ ۲۵۰)

ہم بھی کہتے ہیں کہ شاذ ' غیر مفتیٰ بہ اور متروک العمل اقوال مذہب حنفی نہیں ان اقوال پر اعتراض بھی فضول ہے اور ہم انکے جواب دہ بھی نہیں ہیں اور بعض اوقات مسعود صاحب منکرین حدیث کی تقلید پر اتر آئے ہیں جیسے وہ کہا کرتے ہیں کہ احادیث میں بہت سے گندے مسائل ہیں بہت سی حدیثیں

قرآن کے خلاف ہیں یہی کچھ مسعود احمد نے فقہ کے بارے میں کہا ہے میرے خیال میں اس کا جواب بھی وہی بہتر ہے جو مسعود صاحب نے منکرین حدیث کو دیا ہے لکھتے ہیں۔

"اگر سب (محدثین) نے مل کر کسی حدیث کو قرآن مجید کے خلاف نہیں سمجھا اور ہم اسکو قرآن کریم کے خلاف سمجھیں توکیا یہ ہماری سمجھ کا قصور ہے یا ان سب اگلے پچھلے محدثین کی سمجھ کا قصور ہے"

(تفہیم الاسلام ص ۲۶۰)

مسعود صاحب ہزاروں محدثین اور فقہاء امام صاحب کے مقلد گزرے ہیں جیسا کہ آپکو بھی اعتراف ہے اگر ان سب نے ان مسائل کو حدیث کے خلاف نہیں کہا تو اصل بات یہی ہے کہ نہ آپکو حدیث کی سمجھ آئی نہ فقہ کے مسئلہ کی سمجھ آئی کیونکہ اصل کتابیں تو آپکو پڑھنی نہیں آتیں یہ سارا آپکی سمجھ کا قصور ہے۔

مسعود کا غلط دعویٰ اور امت مسلمہ کو دھوکہ

بانی فرقہ نے اپنے متعلق اپنے فرقہ کے لوگوں کو یہ باور کرا رکھا ہے کہ وہ بہت بڑا محقق ہے اور وہ اپنی کتاب میں تمام صحیح احادیث نقل کرتا ہے اس لئے بے چارے سادہ طبیعت والے لوگ اسکی مکاری میں پھنس جاتے ہیں اس میں سے چند مثالیں ملاحظہ ہوں جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا ہے کہ بانی فرقہ نے ۱۳۹۵ھ میں اپنا فرقہ بنایا اور ۱۳۹۸ھ میں نماز کی کتاب بنام "صلوٰۃ المسلمین" شائع کی اس میں لکھا ہے۔

"اس کتاب میں کوئی ضعیف حدیث نہیں لی گئی ہے اگر کوئی صاحب اس کتاب کی کسی حدیث کے ضعیف ہونے کی نشاندہی فرمائیں گے تو انشاء اللہ آئندہ اشاعت میں اسے اس کتاب میں درج نہیں کیا جائے گا"۔

(صفحہ ۲۴)

(۱) اس کتاب میں سب سے زیادہ زور مسئلہ رفع یدین پر لگایا ہے چنانچہ ضمیمہ صفحہ ۳۱۰ پر اس پر پہلی حدیث ابو بکرؓ سے لایا ہے اسکی سند کا پہلا راوی امام بیہقی مقلد امام شافعیؒ ہے (تذکرۃ الحفاظ، طبقات الشافعیہ) انکا مستقل رسالہ حیات الانبیاء پر ہے یہ دونوں باتیں مسعود کے ہاں شرک ہیں

(۲) دوسرا راوی ابو عبداللہ الحافظ یہ شیعہ ہے اور فرقہ میں ہونا مسعود کے ہاں شرک ہے

(۳) الصفار کا سماع السلمی سے ثابت نہیں اور منقطع روایت بانی فرقہ کے نزدیک باطل اور ناقابل اعتبار ہے۔

(تفہیم الاسلام صفحہ ۹۳ و ۱۰۹ و ۱۱۳)

(۴) ابو النعمان محمد بن الفضل عارم ضعیف ہے۔

(تہذیب التہذیب صفحہ ۴۰۲ ج ۔ ۹)

ایسی روایت کو بانی فرقہ کذب و بہتان کہتا ہے۔

(تفہیم الاسلام صفحہ ۱۳۸)

دوسری روایت حضرت عمرؓ سے نقل کی ہے۔

(۵) اس کو متصل السند کہا ہے یہ غلط ہے مسعود متصل سند پیش کرے ورنہ یہ باطل اور ناقابل اعتبار ہے۔

(۶) اسکے دو راوی حیات اور سلیمان غیر معروف ہیں خود بانی فرقہ ایسی

روایت کو کذب اور افتراء کہتا ہے۔

(تفہیم الاسلام صفحہ ۱۳۶)۔

(۷) صفحہ ۳۱۲ پر حضرت علیؓ کی روایت لکھی ہے جس میں عبدالرحمٰن بن ابی الزناد ضعیف اور منفرد ہے اور "**افاقام من السجدتین**" کا ترجمہ "جب دو رکعتیں پڑھ کر کھڑے ہوئے" کیا ہے جو کہ غلط ہے۔

(۸) ابن عمرؓ کی حدیث کے مرفوع و موقوف ہونے میں اختلاف ہے۔

(۹) مالک بن الحویرث کی حدیث کا مدار ابو قلابہ ناصبی پر ہے جو بانی فرقہ کے نزدیک فرقہ پرست اور مشرک ہے۔

(۱۰) حضرت وائلؓ کی سند کا راوی محمد بن حجادہ شیعہ یعنی فرقہ پرست اور مشرک ہے۔

(۱۱) حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کا مدار ابن جریج پر ہے جس نے مکہ مکرمہ میں رہ کر نوے (۹۰) عورتوں کے ساتھ متعہ کیا اور دوسرا راوی یحییٰ ابن ایوب غافقی ضعیف ہے۔

(۱۲) حضرت جابرؓ کی روایت میں ابو حذیفہ ضعیف ہے۔

(۱۳) حضرت انسؓ کی روایت میں اس روایت کی سند میں حمید مدلس ہے اور مدلس کی روایت کو بانی فرقہ مشکوک کہتا ہے۔

(تفہیم الاسلام صفحہ ۱۱۳)۔

(۱۴) تمام صحابہؓ رفع یدین کرتے تھے نہ حسن بصریؒ تمام صحابہؓ کو ملے نہ اسکی سند صحیح ہے کہ قتادہ مدلس ہے اور جزء رفع یدین کا راوی محمود بن اسحٰق الخزاعی کا ترجمہ و توثیق ثابت نہیں ہے۔

(۱۵) صفحہ ۴۵۳ پر حضرت عثمانؓ ، طلحہؓ ، زبیرؓ سعدؓ سعیدؓ ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ ابو عبیدہؓ زید بن ثابتؓ ابی بن کعبؓ ، ابن مسعودؓ زیاد بن حارثؓ گیارہ صحابہؓ کا نام لکھا ہے کہ یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رکوع جاتے ، رکوع سے سر اٹھاتے ، اور تیسری رکعت کے شروع میں رفع یدین کرتے تھے اگر مسعود صاحب ان گیارہ (۱۱) صحابہؓ سے صحیح سند دکھادیں تو ہم فی سند ایک ہزار روپیہ انعام دیں گے اور اسکے فرقہ والوں سے بھی عرض ہے کہ جو شخص ایک سانس میں گیارہ صحابہؓ پر جھوٹ بولتا ہے آپ اس امام کی اطاعت کو فرض جانتے ہیں۔

(۱۶) صفحہ ۴۵۲ و ۴۵۳ پر صحابہؓ کی ایک مجلس کا ذکر کیا ہے کہ سترہ (۱۷) صحابہؓ اس مجلس میں تھے بانی فرقہ کسی صحیح سند سے حدیث میں سترہ (۱۷) کا لفظ نہیں دکھاسکتا جس روایت کا حوالہ دیا ہے اس میں سترہ کی بجائے عشرہ کا لفظ ہے اور روایت بھی ضعیف ہے اسکی سند میں عبدالحمید بن جعفر ہے۔

(۱۷) اسکا راوی محمد بن عمرو بن عطاء ۴۰ ھ میں پیدا ہوا وہ دس (۱۰) پندرہ (۱۵) سال کی عمر میں ہی یہ روایت کرسکتا ہے جبکہ ان سترہ (۱۷) میں سے زیدؓ ۴۸ ھ ابن مسعودؓ ۳۸ ھ سلمانؓ ۳۴ ھ عمارؓ ۳۸ ھ ابو قتادہؓ صحیح قول کے مطابق ۳۸ ھ محمد بن مسلمہؓ ۴۱ ھ ابو اسیدؓ ۳۰ ھ حسنؓ ۴۹ ھ میں انتقال فرما چکے تھے تو رفع یدین کے ثبوت کے لئے یہ پرانی قبریں اکھاڑ کر ایک مردہ کانفرنس کیسے قائم کی گئی ؟ بانی فرقہ حدیث اور تاریخ دونوں سے لاعلم ہے۔

(۱۸) صفحہ ۴۵۵ پر حضرت وائلؓ کی حدیث جو ابو داؤد سے نقل کی ہے اسکے ساتھ صراحت تھی کہ تمام صحابہؓ پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کرتے تھے بانی

فرقہ نے یہاں بہت بڑی خیانت کی ہے۔

(۱۹) حمید بن ہلال کی روایت کی سند میں ابی بلال راسبی ضعیف ہے اور اس میں نہ رکوع کے رفع یدین کا ذکر ہے نہ تیسری رکعت کے شروع کا۔

(۲۰) سعید بن جبیرؒ کے اثر میں الحسین بن عیسٰی ضعیف اور عبدالمالک بن سلیمان بھی ضعیف ہے ایک ہی مسئلہ میں بیس (۲۰) جھوٹ ہیں۔ پھر کسی ایک حدیث میں بھی نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا اکابر صحابہؓ میں سے ایک صحابی بھی ہمیشہ یہ اختلافی رفع یدین کرتے رہے۔

(۲۱) مسئلہ قراءۃ خلف الامام میں سکتات میں قراءۃ کی حدیث صفحہ ۳۳۸ پر حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے نقل کی ہے اور اسکی سند کو صحیح کہا ہے سند میں امام بیہقیؒ مقلد امام شافعیؒ ابو عبداللہ رافضی ، محمد بن عبداللہ البشری ، عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز کی توثیق ثابت نہیں۔ ابوالصلت الھروی ، رافضی خبیث۔ ابو معاویہ ، مرجئی (مرجیہ فرقہ سے تعلق رکھنے والا) خبیث۔ عمرو بن محمد اور شعیب بن محمد مدلس۔ بانی فرقہ کے علم و انصاف کا یہ حال ہے کہ ایک ہی سند میں دو رافضی ، دو مزید فرقہ پرست ، دو مجہول اور مدلس ہیں مگر سند صحیح ہے۔

ناطقہ سر بگریباں ہے کہ اسے کیا کہئے

(۲۲) صفحہ ۳۴۴ پر پھر عبداللہ بن عمروؓ کی حدیث نقل کی ہے اور سند کو حسن کہا ہے جبکہ سند میں بیہقی مقلد امام شافعیؒ ، عبدالحمید بن جعفر منکر حدیث دونوں فرقہ پرست ، مشرک۔ ابوبکر الحنفی غیر معروف ہے۔

(۲۳) آمین بالجہر کے ثبوت میں صفحہ ۳۷۴ پر ام الحسن سے جو حدیث نقل

کی ہے اسکی سند میں ہارون الدعور رافضی ، اسماعیل بن مسلم ضعیف ، ابی اسحٰق مدلس ، اور ابن ام الحسن مجہول ، بانی فرقہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور اس فرقہ کے لوگ رات دن یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ مسعود صاحب جیسا محقق کوئی نہیں اسکی اطاعت فرض ہے حالانکہ وہ بے چارہ علوم دینیہ سے بالکل کورا ہے ۔ اللہ تعالیٰ اسکے فتنے سے اپنے محبوب کی امت کو بچائے ۔ (آمین)

موصوف کا اپنی ذات کیلئے بیعت کو فرض قرار دینا

موصوف نے اپنے فرقہ کے امیر یعنی اپنی ذات کے لئے بیعت کو بھی فرض قرار دیا ہے اور ان کے نزدیک کوئی شخص اس وقت تک مسلم (یعنی مسعود صاحب کا مسلم) نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ امیر فرقہ جماعت المسلمین کی بیعت نہ کرلے اور اس بیعت کے سلسلہ میں وہ ان تمام دلائل کا ذکر کرتے ہیں کہ جن کا تعلق اسلامی حکومت اور خلیفۃ المسلمین کے ساتھ ہے موصوف نے جس طرح اپنی ایک الگ جماعت قائم کرلی ہے تو اسی طرح کچھ اور لوگوں نے بھی اپنی فرقیاں بنالی ہیں اور اس طرح بہت سے اسلامی ممالک میں بے شمار فرقے معرض وجود میں آچکے ہیں اور اس جماعت کے امیر اپنے عقیدت مندوں سے بیعت لیتے ہیں حالانکہ ان فرقوں کا وجود ہی شرعاً درست نہیں کیونکہ یہ فرقے امت میں افتراق و انتشار کا باعث بنتے ہیں اور پھر ان فرقوں کے امراء کا اپنے عقیدت مندوں سے بیعت لینا کب درست

ہوسکتا ہے؟ احادیث میں خلیفۃ المسلمین کیلئے امام، امیر، سلطان، خلیفہ کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں اور ان کی بیعت کو ضروری قرار دیا گیا ہے اور خلیفۃ المسلمین کی بیعت کے علاوہ اور کسی شخص کی بیعت کا ذکر احادیث میں نہیں ملتا لہٰذا اس طرح کی بیعت بلاشبہ بدعت اور شریعت سازی کے مترادف ہے ایسی احادیث کہ جن میں مسلمین کے خلیفہ کیلئے امام، امیر، سلطان اور خلیفہ کے الفاظ ملتے ہیں ان کا ذکر احادیث کی کتابوں میں کتاب الامارۃ اور کتاب الفتن وغیرہ میں ملتا ہے۔ البتہ چند ایک احادیث اور بعض باتوں کا ذکر ہم یہاں کرتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے۔

"من بایع اماماً فاعطاہُ صفقۃ یدہ و ثمرۃ قلبہ فلیطعہ ان استطاع فان جاء اٰخر ینازعہ فاضربوا عنق الاخر"

(صحیح مسلم کتاب الامارۃ)

ترجمہ : "جس نے امام سے خلوص نیت کے ساتھ بیعت کرلی تو حتی المقدور اس کی اطاعت کرے اور اگر کوئی دوسرا امام اس کے مقابل آجائے تو اس کی گردن اڑا دو۔"

ظاہر ہے کہ اس امام سے خلیفۃ المسلمین ہی مراد ہے امام نوویؒ فرماتے ہیں۔

"دارالاسلام کا رقبہ خواہ کتنا ہی وسیع ہوجائے لیکن ایک ہی دور میں دو خلیفہ کی بیعت کے عدم جواز پر علماء کا اتفاق ہے۔"

(شرح مسلم کتاب الامارۃ)

امام احمد بن حنبلؒ سے مذکورہ حدیث میں وارد "امام" کی بابت دریافت کیا

گیا تو آپؐ نے فرمایا۔ "جانتے ہو کہ امام کون ہوتا ہے؟ امام وہ ہے جس کی امامت پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہو ہر شخص اس کی امامت کا قائل ہو اس حدیث میں امام کا یہی مفہوم ہے۔"

(مسائل للامام احمد صفحہ ۱۸۵ ج ۔ ۲ روایت ابن ھانی)

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا۔

"من خرج من الطاعۃ و فارق الجماعۃ فمات میتۃ جاھلیۃ"

ترجمہ : "جو شخص اطاعت سے نکل جائے اور جماعت کا ساتھ چھوڑ دے تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔"

(صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب بلزوم الجماعۃ)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا۔

"من خلع یدا من طاعۃ لقی اللہ یوم القیمۃ لاحجۃ لہ ومن مات و لیس فی عنقہ بیعۃ مات میتۃ جاھلیۃ"

(صحیح مسلم کتاب الامارۃ)

ترجمہ : "جو شخص اپنا ہاتھ (امیر کی) اطاعت سے کھینچ لے وہ قیامت کے دن اللہ تبارک و تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوگی اور جو اس حال میں مرے کہ اس نے (خلیفہ کی) بیعت نہ کی ہوگی تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔" ابوسعید الخدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"اذابویع لخلیفتین فاقتلو الأخر منھما" (صحیح مسلم کتاب الامارۃ اذابویع لخلیفتین)

ترجمہ : "جب دو خلیفوں کی بیعت ہوجائے تو جس کی آخر میں بیعت ہوئی ہے اسے قتل کردو۔"

ان احادیث میں صاف طور پر واضح ہے کہ ان میں جس بیعت کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد خلیفۃ المسلمین کی بیعت ہے نہ کہ فرقہ پرستوں کے اماموں کی اور مسعود احمد کا بیعت کے رخ کو اپنی طرف موڑنا سراسر ظلم اور احادیث رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بغاوت ہے۔ مسعود صاحب اس فانی دنیا کے چند لوگوں پر اپنی امارت کی وجہ سے آپ آخرت کو بھول بیٹھے یہ تحریف کا کام تو یہودیوں کا ہے آپ نے اللہ کے باغیوں (یہودیوں) کی یاد تازہ کردی۔

اللھم ارنا الحق حقا و ارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ

موصوف کی تصنیف "تفہیم الاسلام" کا جائزہ

(ا) موصوف نے صفحہ ۸۳ میں صحیح مسلم کی روایت ذکر کی ہے۔ یعلیٰ بن امیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم نماز میں کمی کرو جب تمہیں یہ خوف ہو کہ کافر تم کو فتنہ میں مبتلا کردیں گے۔" لیکن اب تو بالکل امن ہے اب نماز میں قصر کیوں کی جائے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جس چیز سے تمہیں تعجب ہوا ہے مجھے بھی تعجب ہوا تھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اللہ عزوجل کا احسان ہے جو اللہ نے تم پر کیا

ہے پس اس کے احسان کو قبول کرو (یعنی امن و امان کے سفر میں بھی قصر کرتے رہا کرو)" پھر موصوف لکھتے ہیں۔

"امن کی حالت میں قصر کرنا بظاہر قرآن مجید کے خلاف ہے لیکن حضرت عمرؓ بغیر چوں و چرا اسے تسلیم کرتے ہیں اور اسے تسلیم ہی نہیں کرتے بلکہ ایسی حدیث کی تبلیغ بھی کرتے ہیں۔"

موصوف کا یہ کہنا بالکل غلط ہے کیونکہ خود انہی کا قول ہے کہ حدیث بھی وحی ہوتی ہے تو پھر یہ خلاف قرآن کیوں اور اللہ عزوجل کا ارشاد ہے۔

"وما اٰتکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا"

(سورہ حشر پ ۲۸)

ترجمہ : "یعنی جو چیز تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیں اس کو لے لو اور جن چیزوں سے وہ تمہیں روکیں اس سے باز آجاؤ۔" تو یہ قرآن مجید کے خلاف کیسے ہے۔

(۲) موصوف اپنی تصنیف کے صفحہ ۱۰۰ پر فرماتے ہیں۔

"حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت علیؓ میں کوئی جنگ نہیں ہوئی یہ چند سبائی منافقین کا بلوہ تھا صحابہؓ ہرگز بلوہ میں شریک نہیں ہوئے بلکہ بلوہ کو فوراً روک دیا گیا صحابہؓ کا جنگ کرنا از سرتاپا لغو ہے سنداً" بالکل غیر معتبر ہے مؤرخین نے بغیر جرح و تعدیل کے اس کو نقل کیا ہے اور ان کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔"

موصوف چونکہ عالم نہیں ہیں اور ان کو علم نہیں ہے اس لئے بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں حالانکہ بے شمار کتابوں میں بے شمار اسناد کے ساتھ "جنگ جمل" کا ذکر کیا گیا ہے لیکن ان کا اختلاف غیر اسلامی اور تفرقہ والا نہیں تھا بلکہ

اجتہادی اختلاف تھا دونوں حق پر تھے اور دونوں جماعتوں کا ایک دوسرے کے خلاف بغض نہیں تھا جیسا کہ بہت سے واقعات جنگ جمل کے موقع پر مذکور ہیں۔ حضرت علیؓ نے جب (صف سے آگے بڑھ کر) مدمقابل جماعت میں سے زبیرؓ کو آواز دی تو دونوں نے معانقہ کیا اور دونوں روئے علیؓ نے فرمایا تمہیں کس چیز نے مجبور کیا کہ تم یہاں پر میرے مقابلہ میں آگئے زبیرؓ نے فرمایا عثمانؓ کے خون کے بدلہ نے دونوں میں گفتگو ہوتی رہی یہ ایسے دو مخالفوں کا برتاؤ ہے جو ایک دوسرے کے مقابلے میں تلوار نکالے بالکل تیار بیٹھے تھے۔

(کتاب الامامۃ والسیاسۃ)

اس جنگ میں حضرت علیؓ کو فتح ہوئی تھی حضرت عائشہؓ کو شکست اب جب دوسری جماعت کے افراد کو قید کیا تو حضرت علیؓ کی جماعت کے بعض لوگوں نے اصرار کیا کہ ان قیدیوں کو قتل کیا جائے حضرت علیؓ نے قبول نہیں فرمایا بلکہ ان سے دوبارہ بیعت لیتے رہے۔ جب لوگوں نے بہت اصرار کیا کہ جب مال کو غنیمت بنایا گیا ہے تو جانوں کو بھی قیدی بنایا جائے تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اچھا بتاؤ کہ اپنی ماں (عائشہؓ) کو باندی بنا کر اپنے حصہ میں لینے کو کون تیار ہے؟ انہوں نے عرض کیا ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں تو حضرت علیؓ نے فرمایا میں بھی اللہ سے مغفرت چاہتا ہوں۔ کسی نے جنگ جمل میں آپؓ کے مخالفین کے بارے میں پوچھا کہ کیا وہ مشرک ہیں؟ آپؓ نے فرمایا نہیں، پھر سوال کیا کہ کیا وہ منافق ہیں؟ آپؓ نے فرمایا۔ نہیں، سوال کیا پھر وہ کیا ہیں؟ آپؓ نے فرمایا کہ ہمارے بھائی ہیں جنہوں نے ہم سے بغاوت کی (جس کی وجہ سے مجبوراً" جنگ کرنا پڑی)

(سنن بیہقی ص ۱۷۳ ج ۸، فضائل صحابہؓ ص ۱۷)

غرض یہ کہ جنگ جمل ہوئی ہے یہ صحیح واقعہ ہے اور ان کا اختلاف صرف ایک وجہ سے ہوا تھا وہ یہ تھا کہ حضرت عائشہؓ اپنے اجتہاد کی وجہ سے اپنے آپ کو حق پر سمجھ رہی تھیں اور حضرت علیؓ اپنے اجتہاد کی وجہ سے اپنے آپ کو اور پھر تلواریں چل پڑیں اس جنگ میں تقریباً ۲۰ ہزار آدمی شہید ہوئے اور دونوں جماعتوں کے مقتولین مغفور ہیں یعنی شہید ہیں اس پر امت کا اجماع ہے اس لئے کہ ان کی جنگ محض اسلامی نظریہ سے تھی فرقہ وارانہ حیثیت سے نہیں تھی۔

(۳) موصوف اپنی اس تصنیف کے صفحہ ۱۵۴ میں لکھتے ہیں کہ۔

"صحاح ستہ میں ایسی کوئی صحیح حدیث نہیں، اگر غلط فہمی سے کسی حدیث کا ایسا مطلب لے لیا جائے تو پھر یہ تو قرآن مجید کی آیات کے ساتھ بھی ہوسکتا ہے۔"

یعنی موصوف کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم میں ایسی آیات بھی ہیں کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند علم، عظیم المرتبت شخصیت، بے مثال کردار کے سخت منافی ہیں۔

(۴) موصوف ایک جگہ اپنی بات کو صحیح کہتے ہیں اور اگر دوسرا کوئی اس بات کو بولے گا تو وہی بات جو موصوف بول رہے ہیں غلط ہوجاتی ہے جیسا کہ صفحہ ۳۶ میں حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ

"ہماری موجودہ اصطلاح میں اس کا نام وحی خفی ہے۔"

اور صفحہ ۴۸ میں حدیث کے وحی خفی ہونے کا ثبوت قرآن سے پیش کیا ہے اور جب کہ صفحہ ۱۸۰ میں یہ بولتے ہیں

"غلط فہمی: فلاں عالم، فلاں مجتہد اور فلاں امام نے حدیث کو وحی خفی کہا ہے آپ کون ہیں جو انکار کرتے ہیں؟

(دو اسلام صفحہ ۱۰۵)

تو اس کے جواب میں لکھتے ہیں۔ ازالہ: مولوی صاحب کا یہ جواب مقلدانہ ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مولوی صاحب جن سے برق صاحب کا مباحثہ ہوا وہ عالم نہیں تھے بلکہ مقلد تھے۔"

تو جب خود حدیث کو وحی خفی کہا تو کچھ نہیں اور جب فلاں عالم کی طرف یہ بات منسوب ہوئی تو کہنے لگے کہ یہ مقلدانہ جواب ہے اور وہ مقلد ہوگا ادھر سے ان کے حافظہ کی کیفیت بھی بخوبی معلوم ہوجاتی ہے کہ اپنی ہی کہی ہوئی بات ان کو یاد نہیں رہتی کہ یہ بات انہوں نے کہی ہے تو اب موصوف کے پیروکار خود غور کریں کہ ان کا امیر اس قابل ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے؟

(۵) موصوف صفحہ ۳۵ میں فرماتے ہیں کہ

"جو شخص قرآن کو بغیر سمجھے پڑھتا ہے وہ کچھ دیر ضرور اپنے آپ کو لغو کاموں سے بچالیتا ہے اور اگر اس کی یہ نیت بھی ہو تو پھر لامحالہ ایسا پڑھنا بھی کچھ نہ کچھ مفید ضرور ہوگا۔"

موصوف کو یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرور فرمایا کہ قرآن کو ایسے پڑھنا چاہئے کہ ساتھ میں ترجمہ اور مقصد بھی سمجھے مگر اگر کوئی بغیر سمجھے پڑھے جیسا کہ عوام پڑھتے ہیں کہ ترجمہ وغیرہ نہیں معلوم ہوتا صرف تلاوت کرتے ہیں اس پر اجر نہیں ملتا صرف لغو کاموں سے بچتا ہے یہ موصوف کی حدیث سے روگردانی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کا پاک ارشاد ہے ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ۔

"قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من قرأ حرفا من کتاب اللّٰہ فلہ بہ حسنۃ والحسنۃ بعشر امثالھا لااقول الم حرف الف حرف و لام حرف و میم حرف"

(رواہ الترمذی)

ترجمہ : "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ایک حرف کتاب اللہ کا پڑھے اس کے لئے اس حرف کے عوض ایک نیکی ہے اور ایک نیکی کا اجر دس (۱۰) نیکی کے برابر ملتا ہے میں یہ نہیں کہتا کہ سارا الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف میم ایک حرف ہے۔" تو موصوف کو سوچنا چاہئے کہ وہ نام تو حدیث کا لیتے ہیں اور حدیث پر عمل نہیں کرتے تو ان کا مقصد کیا ہے؟ صرف امیر بنا مقصد تھا تو کسی غیر مسلم جماعت کے امیر بن جاتے قرآن و حدیث کا نام لے کر لوگوں کو کیوں گمراہ کر رہے ہیں۔ اس حدیث میں صرف تلاوت پر اجر ملنے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا ہے اب مسلمان کو اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پر یقین کرنا چاہئے یا آپ کی بات پر؟

(۶) موصوف اپنی تصنیف میں صفحہ ۴۴ پر فرماتے ہیں کہ

"جیسا کہ تقلیدی مذاہب میں ہوا اور ہو رہا ہے' ایک ہی چیز ایک مذہب میں حلال اور دوسرے میں حرام اور دونوں اپنے اپنے دائرہ میں حق پر اب اگر کوئی حرام کھا رہا ہے تو کھاتا رہے ہمیں بولنے کی کیا ضرورت وہ ہمارے لئے حرام ہے لیکن اس کے لئے حلال ہے اس کو نادانی کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے۔"

موصوف کا مقصد یہ ہے کہ چار مذاہب مشہورہ میں ایک چیز ایک کے نزدیک حلال اور دوسرے کے نزدیک حرام ہے یہ شریعت سازی ہے مگر ہمارا جواب یہ ہے جو ہم پہلے بھی دیتے آئے ہیں کہ موصوف چونکہ عالم نہیں ہیں بی۔ایس۔ سی کر کے تھوڑی عربی پڑھ کر امیر بن بیٹھے اور ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک ہے۔ "آخری زمانے میں لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنالیں گے اور ان سے سوال کریں گے وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے خود بھی گمراہ ہوں گے دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔"

(صحیح مسلم صفحہ ۳۴۰ ج-۲)

تو اگر موصوف عالم دین ہوتے تو ایسی بات نہ کرتے کیونکہ ہم آگے اس چیز کی وضاحت کریں گے کہ ائمہ اربعہ کا جو اختلاف ہے وہ فروعی مسائل میں ہے اور ان مسائل میں ہے جو قرآن و حدیث میں صراحتاً" بیان نہیں یا بالکل بیان ہی نہیں ہوئے اور ایسے مسائل میں مجتہد پر اجتہاد ضروری ہوتا ہے اور عامی پر تقلید مجتہد واجب ہوتی ہے تو اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجتہد جب اپنے اجتہاد پر ٹھیک اترتا ہے تو اس کو دو اجر ملتے ہیں اور جب اپنے اجتہاد پر ٹھیک نہ اترے تو پھر بھی اجتہاد کرنے کا ایک اجر ضرور ملتا ہے۔" اور یہ اختلاف عناد کے طور پر نہیں ہوتا بلکہ حدیث کی بنیاد پر ہوتا ہے وہ امام اس مسئلہ کو حدیث پر پرکھتا ہے پھر وہ حدیث کے اصول کی رو سے مسئلہ کا حکم صادر کرتا ہے لہٰذا یہ شریعت سازی نہیں ہے۔

(۷) موصوف نے صفحہ ۴۶ میں ان آیتوں کی سات مثالیں دی ہیں کہ وہ

ہے کہ۔

''(وقد) رایت فی فتاوی العلامۃ ابن حجر سئل فی شخص یقرأ ویطالع فی الکتب الفقھیۃ بنفسہ ولم یکن لہ شیخ ویفتی و یعتمد علی مطالعتہ فی الکتب فھل یجوزلہ ذلک ام لا؟ فاجاب بقولہ لایجوزلہ الافتاء بوجہ من الوجہ لانہ عامی جاہل لایدری مایقول الخ)''

(عقود رسم المفتی ص ۸ و ص ۹)

(۱۱) موصوف صفحہ ۵۵ میں فرماتے ہیں۔

"دوم عبید اللہ سندھیؒ کا شمار ذی علم ہستیوں میں نہیں لہذا اگر وہ صحیح بخاری کو نہ سمجھ سکے ہوں تو کوئی تعجب کی بات نہیں ایسی صورت میں ان کا قول کوئی وقعت نہیں رکھتا۔"

موصوف کو صرف اتنا بتانا ہے کہ وہ شخص جس کے بارے میں علماء دین کا ارشاد ہو کہ وہ بہت بڑے عالم ہیں اور جس شخص نے صحیح بخاری پر تعلیق لکھی ہو تو اس کا شمار ذی علم ہستیوں میں نہیں ہوگا تو پھر کیا آپ جیسے انگریز کے غلام کا شمار ذی علم ہستیوں میں ہوگا؟ بڑے افسوس کی بات ہے۔ اللہ پاک آپ کو ہدایت دے آپ نے علماء کی توہین کی آپ نے ائمہ اربعہ کو شریعت ساز اور مشرک کہا اور جہنم کا مستحق قرار دیا کیا آپ دوزخ کے ٹھیکیدار ہیں؟ ہدایت اور ضلالت کے ٹھیکیدار ہیں؟ کہ جس کو چاہا ہدایت یافتہ کہہ دیا جس کو چاہا گمراہ کہہ دیا جس کو چاہا دوزخی قرار دیدیا کیا قرآن و حدیث یہ ہی سبق دیتا ہے؟

(۱۲) موصوف نے علماء' ائمہ اربعہ اور بزرگان دین کی تو توہین کی ہی تھی مگر صفحہ ۱۶۴ و ۱۶۵ میں ام المؤمنین زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی شان

عالی میں بھی گستاخی کی چنانچہ لکھتے ہیں۔

"ہاں حضرت عائشہؓ نے جو مطلب سمجھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی منشاء کے مطابق نہ تھا وہ یہ سمجھتی رہیں کہ مؤمن ایسا نہیں کرسکتا اس کو عذاب کیوں ہوگا انہوں نے اس غلطی کو حضرت عمرؓ کی طرف منسوب کیا۔"

لہذا حضرت عائشہؓ نے اپنی سنی ہوئی حدیث اور پھر قرآنی آیت سے استشہاد کرتے ہوئے ابن عمرؓ کی حدیث کو صحیح نہیں سمجھا لیکن یہ ضروری نہیں کہ جو کچھ انہوں نے سمجھا وہ صحیح بھی ہو حضرت عائشہؓ میں تحقیق کی زیادہ عادت تھی اگر وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے بھی یہ الفاظ سنتیں تو خاموش نہ رہتیں بلکہ اس کی تشریح کی طالب ہوتیں۔ یعنی موصوف نے کہا کہ حضرت عائشہؓ نے غلط مطلب سمجھا تو مسعود صاحب اگر زوجہ مطہرہؓ کے بارے میں آپ کا یہ گمان ہے (کہ جب وہ اور نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک بستر میں ہوتے تھے تو وحی آتی تھی) کہ وہ صحیح مطلب نہیں سمجھ سکیں تو پھر کیا آپ صحیح سمجھے ہیں؟ خدارا ام المؤمنینؓ کو تو بخش دیں کہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک ہو اور آپ کا گریبان۔

(۱۳) صفحہ ۱۸۷ پر موصوف نے

"ویحل لھم الطیبت ویحرم علیھم الخبئث

(الاعراف آیت نمبر ۱۵۷)

والی لکھ کر اس کے ذیل میں لکھا ہے۔

"کیا قرآن مجید سے ثابت کیا جاسکتا ہے کہ پیشاب حرام ہے؟ ہرگز

"نہیں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں جنہوں نے حکم دیا پیشاب سے بچو اور اس طرح پیشاب کو حرام کردیا۔ گدھے، کتے، بلی وغیرہ مختلف جانوروں کو حرام قرار دیا ورنہ قرآن مجید کی رو سے تو یہ سب چیزیں حلال کی جاسکتی ہیں۔"

یعنی موصوف کا مطلب ہے کہ قرآن جامع نہیں ہے اس میں (العیاذ باللہ) نقص ہے حالانکہ یہ سب چیزیں قرآن میں حرام قرار دی گئی ہیں مگر آپ کو جب علم ہو کہ جب آپ عالم ہوں آپ تو دنیاوی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مفسر اور محدث بن گئے، قرآن کریم کی سورہ حشر کی آیت ہے۔

"مااتکم الرسول فخذوہ ومانھکم عنہ فانتھوا"

یعنی "جو چیز تمہیں رسولؐ دے وہ لے لو اور جس سے روکے باز آجاؤ۔" تو اگر یہ بات ذہن میں ہوتی اور علم ہوتا تو موصوف کبھی ایسی بہکی ہوئی بات نہ کہتے۔

(۱۴) صفحہ ۱۹۹ میں فرماتے ہیں کہ

"یعنی ہم مختار نہیں بلکہ مجبور ہیں کہ چار سے زیادہ نکاح نہ کریں حالانکہ قرآن مجید سے اس کی صریح ممانعت ثابت نہیں ہوتی پھر فعلی سنت بھی اس کی تائید کرتی ہے کہ چار سے زیادہ نکاح کئے جاسکتے ہیں۔"

موصوف نے اللہ تبارک و تعالیٰ پر یہ الزام عائد کیا کہ اللہ نے چار سے زیادہ نکاح کرنے کو منع نہیں فرمایا حالانکہ اگر موصوف کو تھوڑا سا بھی دینی علم سے لگاؤ ہوتا تو پتہ چل جاتا کہ سورہ نساء میں صراحتاً" ممانعت ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے

"فانکحو اماطاب لکم من النساء مثنیٰ وثلث وربٰع"

یعنی "نکاح کرو عورتوں میں سے جو تمہیں پسند ہوں دو اور تین اور چار۔" اگر چار سے زیادہ نکاح کی اجازت ہوتی تو اللہ تبارک و تعالیٰ آگے بھی کچھ ارشاد فرماتے مگر ارشاد باری صرف چار تک ہے تو موصوف کیا عقل کے اندھے ہیں کہ ان کو قرآن جامع نہیں دکھتا حدیث تو قرآن کی تشریح ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شارح۔ قرآن میں تمام باتیں ہیں مگر اجمالی اور حدیث اس کی تفصیل ہے اور حدیث میں اجمال ہے فقہ اس کی تفصیل ہے۔

(۱۵) موصوف نے صفحہ ۲۲۴ و ۲۲۶ پر تواتر کا مذاق اڑایا ہے اور لکھا ہے کہ

"کونسا عملی تواتر صحیح ہے---------- کبھی دوسرے تواتر پر بھی آپ نے عمل کیا---------- کیا دونوں تواتر صحیح ہیں حلال بھی عملی تواتر سے ثابت ہے اور حرام بھی عملی تواتر سے ثابت ہے اور دونوں صحیح یہ کس قدر مضحکہ خیز ہے---------- عملی تواتر کو کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں مثلاً" تعزیہ پرست تعزیہ کو عملی تواتر کا درجہ دیتے ہیں صفحہ نمبر ۲۲۶ نماز کا طریقہ تواتر عملی یعنی یقینی احادیث ہی سے معلوم ہوتا ہے۔"

یعنی موصوف نے صفحہ ۲۲۴ میں تواتر کو ماننے سے انکار کردیا کہ تواتر کوئی چیز نہیں اور تواتر کو خاص اہمیت حاصل نہیں اور صفحہ ۲۲۶ میں تواتر کو یقینی احادیث قرار دیا تو موصوف حدیث کی اتباع کرتے ہیں یا نفسانی خواہشات کی مریدین خود غور کرلیں کہ کیا امارت کے قابل وہ شخص ہوسکتا ہے جو کہ ایک صفحہ پر ایک بات کو برا بولے دوسرے صفحہ پر صحیح۔

(۱۶) صفحہ ۲۳۲ پر موصوف نے قرآن کا جو مذاق اڑایا ہے وہ ایک ادنیٰ

مسلمان کو بھی برداشت نہیں ہوسکتا چنانچہ لکھتے ہیں۔

"قرآن کا اسلام تو بڑا آسان ہے مشکل تو اسکو ان قیود نے بنادیا ہے جو احادیث میں مذکور ہیں ورنہ (۱) دعا مانگ لو صلوٰۃ ادا ہوگئی' (۲) پاکیزگی اختیار کر لو زکوٰۃ ادا ہوگئی' (۳) صلوٰۃ میں ریاح خارج ہوجائے وضو سلامت رہے' (۴) ناچ و رنگ کی محفلیں قائم کرو کوئی ممانعت نہیں' (۵) فنون لطیفہ سے دلچسپی لو کوئی حرج نہیں' (۶) تاش و شطرنج سے لطف اٹھاؤ کوئی مضائقہ نہیں' (۷) قحبہ خانہ کھولو کوئی ممانعت نہیں"

تو ہم موصوف کے مریدین سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا آپ کو قرآن کے خلاف ایسے الفاظ برداشت ہیں اگر ہیں تو موت کا انتظار کریں پھر سیدھے جنہم میں جائیں اگر برداشت نہیں تو صرف صحیح اسلام کی طرف لوٹ آئیں یہ دھوکہ دہی والا فرقہ چھوڑ دیں گمراہ امیر کی اطاعت کو چھوڑ دیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں۔

(۱۷) قرآن کا مذاق صفحہ ۲۲۶ پر بھی اڑایا ہے لکھا ہے۔

"قرآن ہر لحاظ سے ایک مکمل کتاب ہے یہ ایک خوشنما جملہ تو ضرور ہے لیکن حقیقت کچھ بھی نہیں نہ نماز کا طریقہ اس میں ہے نہ کسی اور عمل کا اور پھر بھی وہ ہر لحاظ سے مکمل ہے عجیب بات ہے۔"

یہاں پر تو موصوف نے حد کردی یعنی جس کے بارے میں اللہ کا ارشاد ہے **"ھدًی للمتقین"** یعنی **"متقیوں کے لئے ہدایت ہے۔"** اس کتاب کو موصوف خوشنما جملہ بول رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ حقیقت کچھ بھی نہیں یعنی یہ بالکل بے کار ہے۔ (العیاذ باللہ) کہ نہ نماز کا طریقہ ہے نہ زکوٰۃ کا تو اب سوچنا چاہئے کہ ایسا عقیدہ رکھنے والا شخص مسلمان بھی ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(۱۸) موصوف نے صفحہ ۱۸۰ میں لکھا ہے

"مولوی صاحب کا یہ جواب مقلدانہ جواب ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مولوی صاحب جن سے برق صاحب کا مباحثہ ہوا وہ عالم نہیں تھے بلکہ مقلد تھے۔"

تو گویا موصوف کے نزدیک مقلد عالم نہیں ہوسکتا مطلب یہ کہ چاہے مقلد کو بہت سارا علم کیوں نہ ہو لیکن وہ تقلید کی وجہ سے عالم نہیں ہوتا بلکہ جاہل ہوتا ہے اور جو غیر مقلد ہو چاہے اسے کچھ بھی نہ آتا ہو لیکن وہ عالم ہوگا جیسا کہ موصوف خود ہیں کہ وہ اگرچہ عالم نہیں لیکن وہ غیر مقلدیت کی وجہ سے اپنے آپ کو بہت بڑا عالم کہتے ہیں اور موصوف کی اس بات سے خود انہی کی خیانت کا اندازہ ہوجاتا ہے کہ مقلد کو عالم بھی نہیں کہتے اور پھر انہی مقلدین کی کتابوں سے استدلال کرتے ہیں کیونکہ صحاح ستہ کے مصنفین تمام کے تمام مقلد تھے' چاہے وہ فقہ مالکیؒ کے ہوں حنبلیؒ کے ہوں شافعیؒ کے ہوں یا کہ حنفیؒ کے لیکن یہ تمام کے تمام مقلد تھے تو موصوف کا اصل مقصد یہ ہے کہ تمام لوگ جاہل ہیں صرف موصوف عالم ہیں ان کی ہر بات مانی جائے اور صرف ان کی ہی تقلید کی جائے۔

فرقہ "جماعت المسلمین" کے عقائد و افکار

عقیدہ (۱)

تقلید کا انکار

بانی فرقہ تقلید کا انکار کرتا ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی کی تقلید نہ کی جائے اور تقلید کو شرک کہتا ہے کہ کسی بھی امام کی تقلید کرنا شرک ہے مسعود احمد اپنی تصنیف "التحقیق فی جواب التقلید" میں لکھتے ہیں

"کیونکہ فقہ کے گھڑے ہوئے مسائل کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی اجازت نہیں لہٰذا ان کا ماننا شرک ہے اور یہ سب کچھ تقلید کا کرشمہ ہے لہٰذا تقلید ہی اس شرک کی اصل ہے۔"

(صفحہ ۱۱۲)

اور مقلدین کو مشرک اور جاہل کے القاب دیئے گئے چنانچہ لکھتے ہیں

"مقلد میں اتنا علم کہاں سے آئے گا کہ وہ سلف میں سے کسی عالم کے مطلب کو درست قرار دے اس کا فیصلہ تو عالم ہی کرسکتا ہے نہ کہ جاہل"

(صفحہ ۳۲)

یعنی مسعود احمد کے نزدیک تمام دنیا جاہل ہے صرف ابھی ۵۵ یا ۶۵

سال قبل والے فرقے یعنی غیر مقلدین کے فرقے ہی عالم ہیں باقی تمام لوگ جاہل ہیں (العیاذ باللہ) اسی کتاب کے صفحہ ۵۷ میں مسعود صاحب لکھتے ہیں۔

"تقلید سے خواہش پرستی پھیلتی ہے"۔

"تقلید گمراہی پھیلاتی ہے۔"

یعنی موصوف کے نزدیک تمام لوگ گمراہ ہیں صرف ۱۳۱۳ھ کے بعد کے جو فرقیوں میں بٹے ہوئے غیر مقلدین ہیں وہی ہدایت پر ہیں اور باقی نعوذ باللہ تمام محدثین، مفسرین، فقہائے کرام، سلاطین اسلام جو کہ مقلد تھے سب گمراہ ہیں۔

جواب

اس پر طویل کتاب لکھی جاسکتی ہے مگر طوالت کے خوف سے مختصر جواب دیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ سب سے پہلے تقلید کی تعریف سامنے آنی چاہئے کہ تقلید کس چیز کا نام ہے؟

تقلید کی تعریف

کسی شخص کا کسی ذی علم بزرگ اور مقتدائے دین کے قول و فعل کو محض حسنِ ظن اور اعتماد کی بناء پر شریعت کا حکم سمجھ کر اس پر عمل کرنا اور اس پر عمل کرنے کے لئے اس مجتہد پر اعتماد کی بناء پر دلیل کا انتظار نہ کرنا اور دلیل

معلوم ہونے تک عمل کو ملتوی نہ کرنا اصطلاح میں تقلید کہلاتا ہے۔

(نوٹ) یہ بات ذہن نشین کرلینی چاہئے کہ کسی بھی امام کی تقلید صرف اس مسئلہ میں جائز ہے کہ جس مسئلہ میں قرآن وحدیث میں کوئی صراحت نہ ہو اور وہ مسئلہ اجماعِ امت کے خلاف نہ ہو اگر ان تین چیزوں میں سے کسی ایک میں اس مسئلہ کی صراحت ہو تو اس امام کے قول کو رد کردیا جائے گا اور اس کی تقلید نہیں کی جائے گی۔

(۱) مولانا قاضی محمد اعلیٰ تھانوی اپنی مشہور کتاب "کشف اصطلاحات الفنون" مطبوعہ کلکتہ صفحہ ۱۱۷۸ میں بعض شروح حسامی سے نقل کرتے ہیں۔

"التقلید اتباع الانسان غیرہ فیما یقول اویفعل معتقد اللحقیۃ من غیرنظرالی الدلیل کان ھذا المتبع جعل قول الغیر اوفعلہ قلادۃ فی عنقہ من غیرمطالبۃ دلیل"

ترجمہ "تقلید کے اصطلاحی معنی ہوئے کسی آدمی کا دوسرے کے قول یا فعل کو بلادلیل طلب کئے ہوئے اپنے گلے کا ہار بنالینا ایسی تابعداری جس کی ابتداء دلیل کے غور کرنے پر مبنی نہ ہو گویا کہ اس تابعداری کرنے والے (مقلد) نے دوسرے کے قول یا فعل کو اپنے گلے کا ہار بنالیا ہے بلادلیل طلب کئے۔"

(۲) علامہ ابن ملک اور علامہ ابن العینی شرح مناد مطبوعہ مصر کے صفحہ ۲۵۲ میں فرماتے ہیں۔

"وھوعبارۃ عن اتباعہ فی قولہ اوفعلہ للحقیۃ من غیرتأمل فی الدلیل"

ترجمہ "یعنی تقلید حسن عقیدت کے ساتھ کسی کے قول یا فعل کے اتباع کرنے کو کہتے ہیں بغیر دلیل کی فکر میں پڑے ہوئے۔"

(۳) "نامی شرح حسامی" مطبوعہ مجتبائی صفحہ ۱۹۰ میں ہے۔

"التقلید اتباع الغیرعلی ظن انہ' محق بلانظرالدلیل"

ترجمہ: "یعنی دوسرے کو اہل حق خیال کرتے ہوئے اس کی دلیل کی فکر میں پڑے بغیر اس کی تابعداری کرلینا تقلید ہے۔"

مذکورہ تعریفات کا حاصل صرف یہ ہے کہ مقلد' مجتہد کے قول و فعل کو دریافت کر کے محض حسنِ عقیدت اور حسنِ ظن کی بنا پر عمل کرے اور اپنے اس تسلیم و عمل کیلئے مجتہد کے اجتہاد میں دلیل کی فکر نہ کرے اور نہ اس سے دلیل کا مطالبہ کرے اگر بعد میں مقلد کو مجتہد کی دلیل کا علم ہوگیا یا اپنے ذاتی علم' مطالعہ اور تجسس و تفحص سے اس مسئلہ کے متعلق بہت سے دلائل دریافت ہوگئے تو یہ بات ہرگز تقلید کے منافی نہیں ہے۔ اور یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ تقلید اور اتباع ہم معنی ہیں کوئی فرق نہیں چنانچہ سبیل الرشاد میں علامہ رشید احمد گنگوہیؒ تحریر فرماتے ہیں۔

"اتباع اور تقلید کے معنی واحد ہیں"

لہٰذا جن لوگوں نے اتباع اور تقلید میں فرق کیا ہے وہ ہم پر حجت نہیں۔

"لامناقشۃ فی الاصطلاح"

"اشکال" : غیرمقلدوں کا یہ کہنا کہ تقلید جہالت کو مستلزم ہے کیونکہ تقلید میں عدم معرفت دلیل داخل ہے۔ تو ہماری طرف سے "جواب" یہ ہے کہ تقلید کی تعریف میں لفظ **"الدلیل"** سے مراد خاص وہ دلیل ہے جس کو مجتہد نے پیش نظر رکھ کر اجتہاد کیا ہے۔ علمی زبان میں اسے یوں کہہ سکتے ہیں کہ **"الدلیل"** میں الف لام عہد کا ہے اور لفظ **"من غیرنظرالدلیل"** اور **"من غیرتأمل فی الدلیل" من غیر مطالبۃ الدلیل"** ہے جس کا حاصل یہ

ہوا کہ مقلد کا بوقت اتباع مجتہد سے دلیل خاص کی طلب اور تحقیق نہ کرنا بلکہ اس کے قول کو محض حسن ظن اور اعتماد کی بناء پر ماننا اور اس کی تابعداری کرلینا تقلید ہے بعد میں جاکر مجتہد کی دلیل خاص یا دوسری دلیل کا بغیر مطالبہ مقلد کو معلوم ہوجانا یا کسی دوسرے عالم سے معلوم کرلینا یا اپنے ذاتی مطالعہ کتب کے ذریعہ یا اپنی خداداد فہم و ذکاوت سے دلائل کا علم حاصل کرلینا یا عوام کو سمجھانے کے لئے مناظروں میں منازعین کی زبان بندی کیلئے دلائل کو بیان کرنا مفہوم تقلید کے قطعاً" منافی نہیں ہے اور تقلید ہرگز ہرگز مرتبہ جہل اور بے علمی کا نام نہیں۔ اگر تقلید کے لغوی معنی پر نظر کی جائے تو بلاشبہ کسی مجتہد و فقیہ کی تقلید ایک غلط سا نقشہ پیش کرتی ہے تقلید کا لغوی معنی "کسی کی غلامی کا قلادہ (ہار) پہن لینے کے ہیں۔" مگر ضروری نہیں کہ لغت میں جو معنی کسی لفظ کے لکھے ہوئے ہوں عرف واصطلاح میں بھی وہی مراد لئے جائیں شاید اسی نکتہ کے پیش نظر نہ ہونے کی وجہ سے تقلید کے معاملہ میں غلط فہمیوں نے راہ پائی بعض نے اس کو شرک تک کہہ دیا جیسا کہ غیرمقلدین نے تقلید کو شرک کہا ہے۔

تقلید کی اقسام

تقلید کی دو قسمیں ہیں (۱) مطلق (۲) شخصی۔ عہد رسالت میں اور صحابہؓ کے دور میں ان دونوں پر عمل ہوتا رہا جس کی بہت سی نظیریں حدیث کے اور تاریخ کے ذخیرہ میں ملتی ہیں۔

تقلید غیر شخصی کا رواج

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہؓ کے لئے مسائل جزئیہ اور واقعات حادثہ میں عمل کرنے کے لئے تین راستے تھے (۱) ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم (۲) اجتہاد (۳) تقلید۔ اگر کسی صاحب کو کسی بھی جزئی مسئلہ میں تردد ہوتا تو بشرط قرب و ملاقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تشفی حاصل کرکے اس پر عمل کرلیتے اور اگر دور ہونے کی وجہ سے یا کسی اور بناء پر ملاقات نہ ہوسکتی تو قاصد کے ذریعہ یا خط و کتابت سے دریافت کرنے کی کوشش کرتے اور اگر یہ بھی نہ ہوسکتا اور ان میں خود اجتہاد کی قوت ہوتی تو اپنے اپنے اجتہاد اور استنباط سے کام لیتے اور عمل کرتے اور اگر قوت اجتہادیہ میسر نہ ہوتی یا اس سے کام لینا نہ چاہتے تو جو بھی عالم مل جاتا اس سے دریافت کرتے اور وہ اپنی روایت یا درایت سے جو کچھ جواب دیتا پورے وثوق و اعتماد سے اسپر یقین کرلیتے چونکہ ان حضرات کا مقصد خالص عمل کرنا ہوتا تھا اس لئے اس کا راستہ تلاش کرکے عمل میں مصروف ہوجاتے اور "قیل و قال" میں وقت ضائع نہ کرتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد چونکہ براہ راست آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کرنے کا سلسلہ ختم ہوگیا اور مسائل غیرمنصوصہ اور اجتہادیہ میں صرف دو ہی چیزوں یعنی اجتہاد اور تقلید پر عمل کا دارومدار رہ گیا اس لئے اللہ پاک نے اپنے فضل و کرم سے مجتہدین کی ایک بڑی جماعت پیدا کردی لیکن اس وقت تک کسی

مجتہد کے اصول و قواعد منضبط نہیں ہوئے تھے اور اسی طرح مسائل و فروع بھی مدون نہیں تھے اس لئے کسی خاص معین مجتہد کے مسائل اجتہادیہ پر مطلع ہو کر اس کے مذہب معین کی پابندی اور اس پر عمل کرنا نہایت دشوار بلکہ غیر ممکن تھا ادھر غیر مجتہدین میں تدین و تقویٰ اور اخلاص عمل کا جذبہ موجزن تھا لہٰذا جس کو جو بھی مجتہد مل جاتا اس سے اپنی ضروریات کا مسئلہ دریافت کر کے عمل کرلیتا اور اس مسئلہ میں اسی کی تقلید اور تابعداری کرلیتا کسی خاص مجتہد کی پابندی نہیں تھی اور نہ یہ اس وقت ہوسکتی تھی تقریباً" دوسری صدی ہجری کے آخر تک اسی طرح تقلید غیر شخصی جاری رہی اور اس کا ایسا عام رواج رہا کہ کسی بھی قابل لحاظ عالم نے اس پر کوئی انکار نہیں کیا۔

تقلید شخصی کا رواج

دوسری صدی ہجری میں جب علمائے ربانیین نے بالہام خداوندی اصول و فروع کی تدوین اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ بتدریج شروع فرمایا تب بعض مسائل کے ایسے مجموعے پائے جانے لگے جن کے ذریعہ ائمہ مجتہدین کے قابل ترین اور لائق تلامذہ (شاگردوں) نے اپنے اپنے اساتذہ اور اکابر کے مذاہب و مسالک کی بقا اور ترویج میں سعی بلیغ شروع کردی اس طرح دوسری صدی ہجری کے بعد اکثر لوگوں میں تقلید شخصی کے رواج کی ابتدا ہوئی لیکن اس وقت چونکہ مذاہب مدونہ کا اس قدر عام رواج نہ ہوسکا تھا کہ ہر جگہ اور ہر شخص کو بآسانی دستیاب ہوسکیں اور نیز مجتہدین کی تعداد بھی غیر محصور تھی

اس لئے جن لوگوں کو مذاہب مدونہ پورے طور پر میسر نہ ہوسکے وہ اس وقت بھی حسب دستور سابق تقلید غیر شخصی پر عامل رہے اور بہت سے لوگوں نے ایک ایک مذہب کی پابندی کر کے تقلید شخصی کا التزام کرلیا اور پھر یہ تقلید شخصی بھی ان چار مشہور مذاہب میں منحصر نہ تھی کیونکہ ان مذاہب کے علاوہ اس وقت اور بھی بعض مجتہدین کے مذاہب پائے جاتے تھے چوتھی صدی ہجری تک یہی رواج رہا۔

تقلید شخصی کی مثالیں عہد صحابہؓ میں

(۱) صحیح بخاری میں عکرمہؒ سے روایت ہے کہ اہل مدینہ نے ابن عباسؓ سے اس عورت کے بارے میں سوال کیا جو طواف فرض کے بعد حائضہ ہوگئی ہو (کہ وہ طواف وداع کیلئے پاک ہونے تک انتظار کرے یا اس سے طواف ساقط ہوجائے گا اور بغیر طواف کئے واپس آنا جائز ہوگا) ابن عباسؓ نے فرمایا کہ وہ جاسکتی ہے اہل مدینہ نے کہا کہ ہم آپ کے قول پر زید بن ثابتؓ کے قول کے خلاف عمل نہیں کریں گے۔

(صحیح بخاری)

اور فتح الباری میں اسی واقعہ میں اہل مدینہ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔

"آپ فتویٰ دیں یا نہ دیں زید بن ثابتؓ تو یہ کہتے ہیں کہ یہ عورت (بغیر طواف کے) واپس نہیں ہوسکتی۔"

نیز فتح الباری میں ہی بحوالہ مسند ابوداؤد طیالسی بروایت قتادہؓ اس واقعہ میں

یہ الفاظ ملتے ہیں۔

> "انصارؓ نے کہا کہ ہم زید بن ثابتؓ کے خلاف قول میں آپ کی اتباع نہ کریں گے ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آپ لوگ ام سلیمؓ سے دریافت کریں کہ جو جواب میں نے دیا ہے وہ درست ہے۔"

اس واقعہ میں اہل مدینہ اور ابن عباسؓ کی گفتگو سے دو چیزیں وضاحت کے ساتھ سامنے آتی ہیں۔

(۱) اہل مدینہ زید بن ثابتؓ کی تقلید شخصی کرتے تھے اور ان کے قول کے مخالف کسی قول پر عمل نہیں کرتے تھے مذکورہ واقعہ میں ان حضرات نے ابن عباسؓ کے فتوے پر عمل نہ کرنے کی اس کے سوا کوئی اور وجہ بیان نہیں کی کہ وہ زیدؓ کے فتوے کے خلاف ہے۔ (۲) ابن عباسؓ نے بھی ان حضرات پر یہ اعتراض نہیں فرمایا کہ تم تقلید کیلئے ایک شخص کو معین کر کے گناہ یا شرک کے مرتکب ہو رہے ہو بلکہ انہیں حضرت ام سلیمؓ سے مسئلہ کی تحقیق کر کے زیدؓ کی طرف دوبارہ مراجعت کرنے کی ہدایت فرمائی۔ چنانچہ فتح الباری میں ہے کہ یہ حضرات مدینہ پہنچے تو انہوں نے ابن عباسؓ کے قول کے مطابق ام سلیمؓ سے واقعہ کی تحقیق کر کے دوبارہ زیدؓ کی طرف مراجعت کی جس کے نتیجے میں زیدؓ نے مکرر حدیث کی تحقیق فرما کر اپنے سابقہ فتوے سے رجوع فرمالیا۔

(۲) ابوموسیٰ اشعریؓ سے کچھ لوگوں نے ایک مسئلہ پوچھا پھر وہی مسئلہ ابن مسعودؓ سے پوچھا گیا اور ان سے اس مسئلہ میں ابوموسیٰؓ کی رائے بھی ذکر کردی گئی ابن مسعودؓ نے جو فتویٰ دیا وہ فتویٰ ابوموسیٰ اشعریؓ کے فتوے کے خلاف تھا لوگوں نے ابوموسیٰؓ سے ابن مسعودؓ کے فتوے کا ذکر کیا تو انہوں نے

فرمایا "جب تک یہ متبحر عالم (ابن مسعودؓ) تم میں موجود ہیں تم مجھ سے مت پوچھا کرو۔" ابو موسیٰؓ کے اس ارشاد سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ انہوں نے ہر مسئلہ میں ابن مسعودؓ کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیا اور یہی تقلید شخصی ہے کہ ہر مسئلہ میں کسی ایک ہی عالم سے رجوع کیا جائے۔

تقلید شخصی ہی ضروری کیوں ہے؟

صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے دور میں دیانت' ایمانداری عام تھی جس پر اعتماد کیا جاسکتا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے ان کی نفسانیت اس قدر مغلوب تھی کہ خصوصاً" شریعت کے احکام میں انہیں اتباع ہوٰی کا خطرہ نہیں تھا اس لئے تقلید مطلق اور شخصی دونوں پر ان حضرات کے دور میں عمل ہوتا تھا پھر جب دیانت لوگوں میں باقی نہ رہی تو تقلید شخصی پر انحصار ضروری ہوگیا۔

تقلید شخصی کا وجوب

اس بے دینی اور کم عقلی اور نفس پرستی کے دور میں تقلید شخصی ضروری اور واجب ہے اس سے کسی بھی صاحب فہم اور سلیم الطبع آدمی کو قطعاً" انکار نہیں ہوسکتا تقلید کے وجوب اور اس کی ضرورت کو سمجھنے کے لئے پہلے وجوب کے معنی سمجھ لینا چاہئیں کسی چیز کے واجب اور ضروری ہونے کی دو

صورتیں ہوسکتی ہیں ایک یہ کہ قرآن و حدیث میں خصوصیت کے ساتھ اس کی تاکید فرمائی گئی ہو جیسے نماز' روزہ وغیرہ اس طرح کے وجوب کو وجوب بالذات کہتے ہیں دوسری صورت یہ ہے کہ اس امر کی خود تو کہیں صراحتاً تاکید نہ کی گئی ہو مگر جن امور کی قرآن وحدیث میں تاکید کی گئی ہے ان پر عمل کرنا اس امر کے بغیر ممکن نہ ہو اس لئے اس کو بھی ضروری اور واجب کہا جائے گا کیونکہ یہ ایک مشہور اصول ہے کہ واجب کا مقدمہ بھی واجب ہوتا ہے۔ یعنی جس چیز پر کسی واجب کا دارومدار ہو وہ خود بھی واجب ہوتی ہے اس کی مثال میں بہت سی چیزوں کا نام لیا جاسکتا ہے جن میں قرآن و حدیث کی تدوین اور کتابت بھی شامل ہے دیکھئے شریعت میں کہیں بھی قرآن و حدیث کو اس طرح یکجا کرنے اور ان کو حیطہ تحریر میں لانے کا صراحتاً حکم نہیں آیا ہے لیکن چونکہ قرآن و حدیث کو محفوظ رکھنا اور اس کو ضائع ہونے سے بچانا ایک شرعی فریضہ ہے جس کی بار بار تاکید کی گئی ہے اور تجربہ شاہد ہے کہ بغیر کتابت کے عادتاً ان کی حفاظت ناممکن تھی اس لئے قرآن وحدیث کے لکھنے کو ضروری اور واجب سمجھا گیا یہی وجہ ہے کہ دلالتاً اس پر امت کا اتفاق چلا آرہا ہے اس طرح کے وجوب کو وجوب بالغیر کہتے ہیں۔

وجوب کے سلسلہ میں مذکورہ بالا تفصیل کے بعد اب یہ بات ذہن نشین کرلینی چاہئے کہ تقلید شخصی بھی واجب بالغیر ہے کیونکہ تقلید شخصی سے ان مفاسد کا دروازہ بند کرنا مقصود ہے جن سے شریعت اسلامیہ نے شدومد کے ساتھ روکا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے

"ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحها" (الاعراف)

ترجمہ : "اصلاح کے بعد زمین پر فساد برپا مت کرو۔" آیت کریمہ میں فساد کرنے سے روکا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ جو چیز فتنہ و فساد کا باعث ہوگی وہ خود بھی ممنوع ہوگی اور اس کا ترک واجب ہوگا چونکہ غیرمقلدیت موجب فتنہ و فساد ہے اس لئے ترک تقلید ممنوع ہوگی اور ائمہ اربعہ میں سے کسی بھی امام کی تقلید واجب ہوگی کیونکہ اس سے فتنہ و فساد کا دروازہ بند ہوجاتا ہے۔

تقلید شخصی کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کا قول

یاد رکھئے پہلی اور دوسری صدی میں تقلید کا رواج نہ تھا پھر دوسری صدی کے بعد تقلید شخصی پر عمل شروع ہوا اور اس زمانے میں یہی چیز واجب تھی۔

تقلید شخصی کا انحصار مذاہب اربعہ میں

چوتھی صدی ہجری میں جبکہ مذاہب اربعہ ' حنفی' مالکی' شافعی' حنبلی کی کتب فقہ مدون ہو کر اقطار عالم میں پھیل گئیں اور ان مذاہب اربعہ میں سے کسی نہ کسی مذہب پر ہر جگہ اور ہر شخص کے لئے عمل کرنا سہل اور آسان ہوگیا اور بتقدیر الٰہی ان چار ائمہ مجتہدین امام ابوحنیفہؒ' مالکؒ' شافعیؒ' احمد بن

حنبلؒ کے مذاہب کے سوا باقی تمام مذاہب جو چوتھی صدی ہجری سے قبل کچھ نہ کچھ پائے جاتے تھے اسباب حفاظت کی کمی یا کسی اور وجہ سے ختم ہوگئے بلکہ کہنا چاہئے کہ مشیت ایزدی اسی طرح تھی کہ جس کا باقی رہنا مقصود تھا باقی رہا ورنہ فنا ہوگیا اور اہل سنت و الجماعت میں ان چار مذاہب کے سوا اور کوئی مذہب مروج اور معمول بہ نہ رہا اور بوجہ عدم ضرورت اجتہاد میں بھی کمی آگئی تب چوتھی صدی ہجری میں ان چاروں ائمہ کے مذاہب میں تقلید شخصی کا انحصار ہوگیا حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ۔

> "بجز مذاہب اربعہ کے دوسرے تمام مذاہب تقریباً معدوم ہوگئے تب ان ہی چاروں اماموں کا اتباع سواداعظم کا اتباع قرار پایا اور ان سے باہر ہونا سواداعظم سے نکلنا ہوا۔"

(عقد الجید)

علامہ ابن خلدون مقدمہ تاریخ میں لکھتے ہیں۔

> "دیاروامصار میں ان ہی ائمہ اربعہ میں تقلید منحصر ہوگئی اور ان کے سوا جو امام تھے ان کے مقلد ناپید ہوگئے اور لوگوں نے اختلافات کے دروازے اور راستے بند کردیئے اور چونکہ اصطلاحات علمیہ مختلف ہوگئیں اور لوگ مرتبہ اجتہاد تک پہنچنے سے رہ گئے اور اس امر کا اندیشہ پیدا ہوا کہ اجتہاد کے میدان میں کہیں ایسے لوگ نہ کود پڑیں جو نہ تو اس کے اہل ہیں نہ ان کا دین اور ان کی رائے قابل وثوق ہے لہٰذا علمائے زمانہ میں جو محتاط تھے انہوں نے اجتہاد سے اپنا عجز ظاہر کردیا اور اس کے دشوار ہونے کی تصریح فرمادی اور ان ہی ائمہ مجتہدین کی تقلید کیلئے جن کے لوگ مقلد ہو رہے تھے ہدایت اور رہنمائی کرنے لگے اور چونکہ تداول تقلید میں تلاعب ہے یعنی اس طرح تقلید کرنے میں کہ کبھی ایک

> امام اور کبھی دوسرے امام کی طرف رجوع کرنے میں دین کھلونا بن جاتا ہے۔ اس لئے اس طرح کی تقلید کرنے سے لوگوں کو منع کرنے لگے اور ایک ہی امام کی تقلید کرنے پر زور دینے لگے اور صرف نقل مذہب باقی رہ گیا اور بعد تصحیح اصول و اتصال سند بالروایۃ ہر مقلد اپنے اپنے امام مجتہد کی تقلید کرنے لگا اور فقہ سے آج بجز اس امر کے اور کچھ مطلب نہیں ہے اور ہمارے زمانہ میں مدعی اجتہاد یعنی اجتہاد کا دعویٰ کرنے والا مردود اور اس کی تقلید مہجور اور متروک ہے اور اہل اسلام ان ہی ائمہ اربعہ کی تقلید پر مستقیم ہوگئے ہیں۔"

(منقول از او شحۃ الجید صفحہ ۸۰۹)

امام کی تقلید کن چیزوں میں ہے؟ یعنی امام کی تقلید کس حیثیت سے ہوگی؟

ادھر ایک امر بخوبی سمجھ لینا چاہئے کہ کسی امام کی تقلید کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ امام کا قول ماننا فرض اور واجب ہے اور قرآن و سنت کی (نعوذباللہ) اس امام کے قول کے سامنے کوئی حیثیت نہیں بلکہ اس کے قول کو قرآن و سنت پر پرکھا جائے گا اگر صحیح ہے تو قبول کیا جائے گا اور اگر اس کا قول قرآن و سنت کے مخالف ہے تو اس کے قول کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا جائے گا اور امام کی تقلید صرف ان ہی احکامات میں ہوگی کہ جس کے بارے میں قرآن و سنت خاموش ہو یا قرآن و سنت میں اس کا اجمال ہو اور وہ چیز مبہم ہو تو مجتہد کا قول ایسی جگہ معتبر ہوگا اور مجتہد کے حکم کو شارع کی حیثیت

سے بھی نہ سمجھا جائے گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اتباع تو قرآن و سنت کا ہی مقصود ہے صرف قرآن و سنت کی مراد سمجھنے کے لئے بحیثیت شارح قانون ان کی تشریح و تعبیر پر اعتماد کیا گیا ہے اور ان کی اتباع اس لئے ضروری ہے کہ وہ حضرات خیرالقرون کے تھے بددیانتی کا دور نہیں تھا بلکہ شرافت کا دور تھا اور وہ لوگ اصحاب رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) و تابعینؒ سے صحبت یافتہ تھے اور وہ قرآن و سنت کے معنی کو ہم لوگوں سے زیادہ سمجھتے تھے اور اچھا سمجھتے تھے چونکہ چوتھی صدی ہجری کے بعد خیرالقرون باقی نہ رہا اس لئے کسی ایک امام کی تقلید ضروری ہوگئی اور امام کی تقلید مسائل منصوصہ میں نہیں بلکہ مسائل غیر منصوصہ میں ہے۔

تقلید کا مقصد اور اس کی حقیقت

دین اسلام کی اصل دعوت یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و فعل سے احکام الٰہی کی ترجمانی فرمائی ہے کہ کون سی چیز حلال ہے اور کون سی حرام؟ کیا جائز اور کیا ناجائز؟ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری بھی ضروری ہے لہٰذا شریعت کے تمام معاملات میں صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت ضروری ہے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ صرف قرآن و سنت کی تابعداری کرے جو شخص رسول کی بجائے کسی اور کی اطاعت کرنے کا قائل ہو اس کو مستقل بالذات مطاع سمجھتا ہو وہ یقیناً دائرہ اسلام سے خارج ہے لہٰذا ہر

مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن و سنت کے احکامات کی اطاعت کرے لیکن قرآن و سنت میں بعض احکامات تو وہ ہیں جنہیں ہر معمولی پڑھا لکھا آدمی سمجھ سکتا ہے ان میں کوئی ابہام یا تعارض نہیں جو شخص بھی انہیں دیکھے گا وہ سمجھ لے گا اور اسے کوئی الجھن پیش نہیں آئے گی اس کے برعکس قرآن و سنت کے بعض احکامات وہ ہیں جس میں کسی قدر ابہام یا اجمال ہے اور کچھ ایسے بھی ہیں کہ قرآن کی کسی دوسری آیت یا کسی دوسری حدیث سے متعارض ہیں ایسے موقع پر قرآن و سنت سے احکامات کا استنباط کرنا نہایت وقت طلب اور دشوار ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔

"والمطلقت یتربصن بانفسهن ثلثة قروء"

(بقرہ)

ترجمہ : "اور جن عورتوں کو طلاق دیدی گئی ہو وہ تین قرء گزرنے تک انتظار کریں۔" اس میں مطلقہ عورت کی عدت بیان کی گئی ہے اور اس کے لئے تین "قرء" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ "قرء" کا لفظ عربی زبان میں حیض اور طہر دونوں کیلئے استعمال ہوتا ہے اگر حیض مراد لیا جائے تو آیت کا مطلب ہوگا کہ مطلقہ کی عدت تین ماہواری گزرنا ہے اور اگر طہر مراد لیا جائے تو تین طہر عدت قرار پاتے ہیں اس موقع پر ہمارے لئے یہ الجھن پیدا ہوتی ہے کہ ہم ان دونوں معنوں میں سے کس معنی پر عمل کریں؟ اور حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"من لم یترک المخابرة فلیؤذن بحرب من الله ورسوله"

(ابوداؤد)

ترجمہ : "جو شخص بٹائی کا کاروبار نہ چھوڑے وہ اللہ اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے اعلان جنگ سن لے" اس میں بٹائی کی ممانعت کی گئی ہے لیکن بٹائی کی بہت سی صورتیں ہوتی ہیں حدیث اس باب میں خاموش ہے کہ یہاں بٹائی کی کونسی صورت مراد ہے؟ اب دو صورتیں ہوسکتی ہیں ایک یہ کہ ہم اپنے ناقص علم' کوتاہ فہم اور نام و نہاد بصیرت پر اعتماد کر کے اس قسم کے معاملات میں خود کوئی فیصلہ کرلیں اور اس پر عمل کریں اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس قسم کے معاملات میں ازخود کوئی فیصلہ کرنے کے بجائے ہم یہ دیکھیں کہ قرآن و سنت کے ان ارشادات سے ہمارے جلیل القدر اسلاف نے کیا سمجھا ہے؟ قرون اولیٰ کے جن بزرگوں نے اپنی پوری پوری عمریں صرف کر کے مسائل کا استنباط کیا ان میں سے جنہیں ہم علوم قرآن وحدیث کا زیادہ ماہر دیکھیں ان کی فہم و بصیرت پر اعتماد کریں اور انہوں نے جو کچھ سمجھا ہے اس کے مطابق عمل کریں غائر نظر سے دیکھنے کے بعد اس بارے میں دو رائے نہیں ہوسکتیں کہ ان دونوں صورتوں میں سے پہلی صورت ہر ذی ہوش کے نزدیک نہایت خطرناک ہے اور دوسری صورت محتاط۔ اس سے کسی کو بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ علم و فہم' ذکاوت و حافظہ' دین و دیانت' تقویٰ اور پرہیز گاری ہر اعتبار سے ہم اس قدر تہی دست ہیں کہ قرون اولیٰ کے علماء سے ہماری کوئی نسبت نہیں پھر جس مبارک دور اور مقدس ماحول میں قرآن نازل ہوا تھا قرون اولیٰ کے علماء اس سے بھی قریب تر تھے اور اس قرب زمانی اور صحابہؓ و تابعینؒ سے استفادہ کی بنیاد پر ان کے لئے قرآن و سنت کی مراد کو سمجھنا زیادہ سہل و آسان تھا اس کے

برعکس ہم رسالت کے زمانہ سے اتنی دور جاپڑے کہ ہمارے لئے اس زمانہ کے طرز معاشرت اور طرز گفتگو کا جیسا کہ چاہئے تصور بھی نہایت مشکل اور دشوار ہے کیونکہ کسی شخص یا کسی دور کی بات سمجھنے کے لئے اس کے پورے پس منظر کا سامنے ہونا ضروری ہوتا ہے ان تمام باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے اگر ہم اپنے فہم پر اعتماد کرنے کی بجائے مختلف التعبیر اور پیچیدہ معاملات میں اسی مطلب کو درست قرار دیں جو ہمارے اسلاف میں سے کسی ممتاز عالم نے سمجھا ہے تو کہا جائے گا کہ ہم نے فلاں آدمی کی تقلید کی اس تقریر سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ کسی امام یا مجتہد کی تقلید صرف اس موقع پر کی جاتی ہے جہاں قرآن و سنت سے کسی حکم کے سمجھنے میں اجمال و ابہام یا کسی تعارض کی وجہ سے کوئی الجھن یا دشواری ہو اور جہاں اس قسم کی کوئی الجھن یا دشواری نہ ہو وہاں کسی امام اور مجتہد کی تقلید ضروری نہیں اور یہ بات بھی صاف ہوجاتی ہے کہ کسی امام و مجتہد کی تقلید کا مطلب یہ ہے کہ پیروی تو قرآن و سنت کی ہے محض مراد سمجھنے کیلئے بحیثیت شارح قانون ان کی تشریح اور تعبیر پر اعتماد کیا گیا ہے اب ہم کو کوئی بتادے کہ اس عمل میں کون سی بات ایسی ہے جسے گناہ یا شرک کہا جائے ہاں اگر کوئی شخص کسی امام کو شارع کا درجہ دے کر اسے واجب الاتباع قرار دیتا ہو تو بلاشبہ اسے شرک کہا جاسکتا ہے لیکن کسی کو شارح قانون قرار دے کر اپنے مقابلہ میں اس کی فہم و بصیرت پر اعتماد کرنا تو افلاس عالم کے اس دور میں اس قدر ناگزیر ہے کہ اس سے کوئی مفر نہیں پس تقلید ائمہ مجتہدین کا اصل مقصد دین کی حفاظت اور قرآن و حدیث پر بسہولت عمل کرنا ہے اور تقلید ائمہ اربعہ سراسر عمل

بالقرآن والحدیث ہے۔

اجتہاد اور تقلید کی ضرورت

اب یہ سوال پیدا ہوا کہ اجتہاد اور تقلید کی ضرورت کیوں پڑی؟ کیا قرآن و حدیث کا تمسک کافی نہیں ہے؟ تو اس کا "جواب" یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ میں فروعی و جزئی مسائل دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ مسائل ہیں جن کا ثبوت ایسی آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ سے صراحتاً" ہے جن میں بظاہر کوئی تعارض نہیں ہے اور ان مسائل پر ان کی دلالت قطعی ہے اس قسم کے مسائل کو منصوصہ غیرمتعارضہ کہتے ہیں اور ایسے مسائل میں اجتہاد کی قطعاً" ضرورت نہیں ہوتی اور نہ مجتہد اس قسم کے مسائل میں اجتہاد کرتا ہے کیونکہ مجتہد کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ حکم صراحتاً" منصوص نہ ہو جب ان مسائل میں اجتہاد کی گنجائش نہیں تو ان میں کسی مجتہد کی تقلید کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ایسے مسائل میں ان احکام پر عمل کیا جائے گا جو آیات و احادیث سے صراحتاً" ثابت ہیں۔ دوسرے وہ مسائل ہیں جن کا ثبوت صراحتاً" کسی آیت یا حدیث صحیح سے نہیں یا ثبوت تو ہے مگر اس آیت یا حدیث میں متعدد معانی کا احتمال ہونے کی وجہ سے قطعی طور پر کسی ایک معنی پر محمول نہیں کیا جاسکتا یا وہ کسی دوسری آیت یا حدیث سے بظاہر متعارض ہے اس قسم کے مسائل کو اجتہادیہ غیرمنصوصہ کہا جاتا ہے اس قسم کے مسائل میں اجتہاد کی ضرورت ہوگی اور ان کا صحیح حکم مجتہد کے اجتہاد سے

معلوم ہوسکے گا اور یہی وہ مسائل ہیں جن میں غیرمجتہد کو تقلید کی ضرورت واقع ہوتی ہے اب چونکہ شریعت اسلامیہ کے تمام جزئی مسائل منصوص نہیں ہیں کہ ہر کس و ناکس ان کا صحیح حکم سمجھ سکے بلکہ بہت سے مسائل اجتہادی ہیں جن میں اجتہاد کی ضرورت ہے پس اللہ جل شانہٗ نے اپنے فضل و کرم سے امت مرحومہ کے مخصوص افراد کو وہ ملکۂ استنباط اور قوت اجتہاد عطا فرمائی ہے کہ وہ حضرات نصوص و احادیث میں غور و فکر کرکے ان جزئی مسائل کے احکام مستنبط کریں جن کا نصوص میں صراحتاً" ذکر نہیں ہے اور عام لوگوں کے لئے عمل کی راہ سہل اور آسان کردیں حضرات صحابہؓ جن کو ہمہ وقت دربار نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے تمام مسائل معلوم ہوجاتے تھے لیکن صحابہؓ کی وہ جماعت جو مدینۃ الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے باہر کسی مقام پر قیام پذیر تھی یا وہ لوگ جو بعد میں حلقہ بگوش اسلام ہونے والے تھے ان کو اس قوتِ اجتہاد کی شدید ضرورت تھی کیونکہ ایسے مسائل اجتہادیہ میں شریعت اسلامیہ پر پورے طور پر عمل کرنا بغیر اجتہاد کے غیرممکن تھا پس حق تبارک و تعالیٰ نے خیرالقرون میں بے شمار صحابہ کرامؓ "تابعین" تبع تابعین" اور بعد والوں کو اس دولت اجتہادیہ سے نوازا اور خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن روانہ کرتے ہوئے صاف اور واضح لفظوں میں اجتہاد کی تحسین اور تصویب فرمائی۔

"عن معاذ بن جبلؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لمابعثہٗ الی الیمن قال کیف تقضی اذا عرض لک قضاء قال اقضی بکتاب اللہ قال فان لم تجد فی کتاب اللہ قال بسنۃ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) قال فان لم تجد

فی سنة رسول اللّٰہ (صلی اللّٰہ علیہ وسلم) قال اجتھد برائی ولاآلو قال فضرب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم علی صدرہ وقال الحمد للّٰہ الذی وفق رسول رسول اللّٰہ لمایرضی بہ رسول اللّٰہ"

(مشکوٰۃ شریف بحوالہ ابوداؤد، ترمذی، دارمی)

ترجمہ : "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معاذ بن جبلؓ کو یمن کا قاضی بنا کر روانہ کیا تو پوچھا کہ اگر کوئی قضیہ (مسئلہ) پیش آجائے تو کس طرح فیصلہ کرو گے؟ عرض کیا کہ کتاب اللہ کے موافق فیصلہ کروں گا فرمایا کہ اگر وہ مسئلہ کتاب اللہ میں نہ ہو تو؟ عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے فیصلہ کروں گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اس میں بھی نہ ملے؟ عرض کیا کہ اس وقت اجتہاد و استنباط کر کے اپنی رائے سے فیصلہ کروں گا اور تلاش میں کوئی کسر نہ چھوڑوں گا۔ حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر (اظہار مسرت سے) اپنا دست مبارک میرے سینہ پر مارا کہ اللہ کا شکر ہے اس نے اپنے رسول کے قاصد کو اس بات کی توفیق دی کہ جس پر اللہ کا رسول راضی و خوش ہے۔" یہ واقعہ تقلید اور اجتہاد کیلئے شمع ہدایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کیلئے اپنے فقہائے صحابہؓ میں سے صرف ایک جلیل القدر صحابی کو بھیجا اور انہیں حاکم و قاضی، معلم و مجتہد بنا کر اہل یمن پر لازم کردیا کہ وہ ان کی تابعداری کریں انہیں صرف قرآن و سنت ہی نہیں بلکہ قیاس و اجتہاد کے مطابق بھی فتوے صادر کرنے کی اجازت عطا فرمائی اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کو ان کی تقلید شخصی کی اجازت دی بلکہ اس کو ان

کے لئے لازم فرمایا الغرض رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی و منشاء کے مطابق حضرات صحابہ کرامؓ اور پھر ائمہ مجتہدینؒ نے مسائل غیر منصوصہ میں اجتہاد کے ذریعہ احکامِ شریعت ظاہر فرمانے کا سلسلہ جاری فرمایا اور جن لوگوں میں اجتہاد کی قوت نہیں تھی انہوں نے یہ سمجھ کر کہ حضرات مجتہدین علم وفہم اور تقویٰ و دیانت میں ہم سے کہیں زیادہ فائق اور مقبول دربارگاہ الٰہی ہیں نیز ان حضرات صحابہؓ و تابعینؒ اور مجتہدینؒ نے اپنے اجتہاد کے ذریعہ جو کچھ دریافت کیا ہے وہ درحقیقت یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہیں جو بطریق موقوف یعنی بلاسند کے ذکر کی گئی ہیں یا ان کے صحیح استنباطات ہیں جو درحقیقت نصوص سے لئے گئے ہیں بہرصورت وہ قابل اتباع اور لائق تسلیم ہیں ان کے مجتہدات پر عمل کرنا شروع کردیا۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ

"ویستدل باقوال الصحابة و التابعین علمًا منهم انها احادیث منقول من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم موقوفة (الی ان قال) اویکون استنباطًا منهم من النصوص او اجتهاد امنهم بارائهم فهم احسن صنیعا فی کل ذلک ممن یجیٔ بعد هم و اکثر اصابة و اقدر زمانا و اوعی علما فتعین العمل بها"

(انصاف صفحہ ۲۰ و ۲۱)

ترجمہ : "اور اہل طبقہ یعنی تبع تابعینؒ، صحابہؓ اور تابعینؒ کے اقوال سے استدلال کیا کرتے تھے کہ یہ اقوال یا تو احادیث نبویہ ہیں کہ ان کو مختصر کر کے "موقوفاً" بیان کردیا گیا ہے اور یا یہ اقوال صحابہؓ و تابعینؒ منصوص حکم سے خود ان کے استنباطات ہیں یا ان کی آراء سے بطور اجتہاد لئے گئے ہیں اور حضرات صحابہؓ و تابعین ان جملہ امور میں ان

لوگوں سے بہتر ہیں جو ان کے بعد ہوئے وہ بیان صواب میں زیادہ اور زمانہ کے اعتبار سے اقدم اور باعتبار علم سب سے بڑھ کر ہیں اسی لئے ان کے اقوال پر عمل کرنا متعین ہوا۔"

عہد صحابہؓ و تابعینؒ میں تقلید

صحابہؓ اور تابعینؒ کے زمانہ میں بھی تقلید کا رواج تھا حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں۔

"حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کے عہد زرین میں رواج یہ تھا کہ جب کسی کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا اور اس مسئلہ میں وہ خود کوئی فیصلہ نہ کرسکتا تو وہ کسی بھی صاحب بصیرت عالم کی طرف رجوع کرتا اور اس سے دریافت کر کے عمل کرلیتا تھا۔"

"لان الناس لم یزالوامن زمن الصحابۃ الی ان ظھرت المذاھب الاربعۃ یقلدون من اتفق من العلماء من غیرنکیر من احدیعتبر انکارہ ولو کان ذٰلک باطلا لا نکروہ"

(عقدالجید صفحہ ۳۳)

ترجمہ : "کیونکہ صحابہؓ سے لے کر چار مذاہب کے ظہور تک یہی دستور اور رواج رہا ہے کہ کوئی عالم مجتہد مل جاتا تو اسی کی تقلید کرلیتے تھے کسی بھی معتبر آدمی نے اس پر نکیر نہیں کی اگر یہ (تقلید) باطل ہوتی تو وہ حضرات اس پر ضرور نکیر فرماتے۔"

صحابہ کرامؓ کا زمانہ اور تابعینؒ کا زمانہ چونکہ زمانہ نبوت سے قریب تر تھا اس وجہ سے وہ بہرحال خیروبرکت کا اور خلوص و للّٰہیت کا زمانہ تھا اس میں

تقلید غیر شخصی کے اندر کسی قسم کی بڑی مضرت کا گمان نہیں ہوسکتا تھا اس لئے اس زمانے میں تقلید کا دائرہ وسیع ہونا کوئی تعجب خیز امر نہ تھا دوسرے یہ کہ اس زمانہ میں علم فقہ کی تدوین بھی عمل میں نہیں آئی تھی پھر بعد کے دور میں چونکہ وہ دور زمانہ نبوت سے بعید ہوچکا تھا عام طور پر طبیعتیں پہلے سے مختلف ہوگئی تھیں فساق و فجار جن پر ہوئی و ہوس کا غلبہ تھا بکثرت ہوگئے تھے اس لئے تقلید کی موجودہ وسعتوں کو تقلید شخصی میں محدود کرنا ناگزیر تھا ورنہ مفاسد کا دروازہ کھل جاتا اور اللہ تبارک و تعالیٰ کا حکم ہے۔

"ولاتفسدو فی الارض بعد اصلاحھا"

ترجمہ : "اصلاح کے بعد زمین پر فساد برپا مت کرو۔" لہٰذا اس فساد سے بچنے کیلئے تقلید شخصی میں انحصار ضروری ہوگیا ورنہ احکام شرع بازیچۂ اطفال بن کر رہ جاتے۔

(نوٹ) چونکہ حضرات غیرمقلدین تقلید کی مخالفت کرنے میں اکثروبیشتر (غلط طور پر) حضرت شاہ ولی اللہؒ کے کلام کو پیش کر کے عوام کو غلط فہمی میں مبتلا کرتے ہیں اس لئے اس موقع پر شاہ صاحبؒ نے جو وضاحت کی ہے اس کو بیان کیا گیا ہے۔

ائمہ حدیث مقلد تھے

تقلید سے کوئی زمانہ خالی نہیں رہا ابتدائی دور میں لوگ جس کو عالم متدین پاتے اس کی تقلید کرلیتے تھے پھر مذکورہ بالا مصلحتوں کی بنا پر حامیان اسلام

نے امام معین کی تقلید مقرر کردی اور لوگوں کو مطلق العنانی سے باز رکھا اس کے بعد رفتہ رفتہ تمام مذاہب اہل سنت ختم ہوگئے اور صرف مذاہب اربعہ باقی رہ گئے تب جمہور مسلمان انہی کی تقلید پر متفق اور مجتمع ہوگئے حتیٰ کہ اکابر محدثین بھی دائرہ تقلید سے باہر نہیں رہے ائمہ حدیث میں سے ہر امام نے ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی کی تقلید ضرور کی ہے چنانچہ ممتاز محدثین کے بارے میں ہم یہاں ذکر کرنا چاہیں گے۔

امام بخاریؒ

محمد بن اسماعیل بخاریؒ صاحب صحیح بخاری متوفی ۲۵۶ھ شافعی المذہب ہیں فقہ شافعی انہوں نے اپنے استاذ حمیدی سے حاصل کی ہے جو شافعی المذہب ہیں امام بخاریؒ کے شافعی المذہب ہونے کو علماء محققین نے بکثرت بیان کیا ہے نیز شاہ ولی اللہؒ نے اپنی کتاب "انصاف" میں اس کو نہایت بسط و تفصیل سے ذکر کیا ہے فرماتے ہیں۔

"امام بخاریؒ بہت سے مسائل میں شافعی المذہب ہیں اور کچھ وہ مسائل ہیں جن میں ان کو مرتبہ اجتہاد حاصل تھا ان میں انہوں نے امام شافعیؒ کی مخالفت کی ہے۔"

امام مسلمؒ

حافظ الحدیث امام ابوحسین مسلم قشیریؒ صاحب صحیح مسلم متوفی ۲۶۱ھ بھی

شافعی المذہب ہیں جیسا کہ صاحب کشف الظنون اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے "انصاف" میں اور بہت سے محققین نے ذکر کیا ہے۔

امام ابوداؤدؒ

سلیمان بن اشعث سجستانیؒ صاحب سنن ابی داؤد متوفی ۲۷۵ھ حنبلی المذہب ہیں اس کو تاریخ ابن خلکان اور شاہ ولی اللہؒ نے "انصاف" میں ذکر کیا ہے اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب "بستان المحدثین" میں تحریر فرمایا ہے۔

"امام ابوداؤدؒ کے مذہب کے بارے میں اختلاف ہے بعض ان کو شافعیؒ کہتے ہیں بعض حنبلیؒ واللہ اعلم"

امام ترمذیؒ

ابوعیسیٰ بن سورۃ الترمذیؒ صاحب جامع ترمذی متوفی ۲۷۹ھ کے متعلق شاہ ولی اللہؒ "انصاف" میں تحریر فرماتے ہیں۔

"یہ حنفی المذہب ہیں اور امام اسحاق بن راہویہؒ کی طرف بھی منتسب ہیں اور بعض اہل تحقیق نے ان کو شافعی المذہب کہا ہے۔"

امام نسائیؒ

امام عبدالرحمٰن نسائیؒ متوفی ۳۰۳ھ صاحب سنن نسائی شافعی المذہب ہیں جیسا کہ ان کی کتاب "منسک" اس پر دلالت کرتی ہے اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے "بستان المحدثین" میں ذکر فرمایا ہے اور جامع الاصول میں ہے

"النسائی کان شافعی المسلک لہٗ مناسک الفہاعلی منھب الشافعی"

اور مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ نے شرح "سفرالسعادت" میں بھی اس کو بیان کیا ہے۔

امام ابن ماجہؒ

امام ابن ماجہؒ متوفی ۲۷۳ھ دارمیؒ متوفی ۲۵۵ھ ہر دو حضرات حنبلی المذہب ہیں اور اسحاق بن راہویہؒ کی طرف بھی منتسب ہیں جیسا کہ "انصاف" میں مذکور ہے۔

لیث بن سعدؒ

متوفی ۱۷۴ھ امام بخاریؒ کے استاذ اور تبع تابعین میں سے ہیں اور حنفی المذہب ہیں علامہ قسطلانیؒ نے ابن خلکان سے نقل کیا ہے اور صاحب

جواہرالمضیہ نے اپنی کتاب میں اور عینیؒ نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے

"کان اللیث اماما کبیرا مجمعا علی جلالۃ و ثقۃ و کرمۃ و کان علی منھب الامام ابی حنیفۃؒ قالہ القاضی ابن خلکان فلیس فی کتب السنۃ من اسمہ لیث بن سعد سواہ انتھی"

امام ابویوسفؒ

یعقوب بن ابراہیم انصاریؒ متوفی ۱۸۳ھ شاگرد امام اعظم ابوحنیفہؒ حنفی المذہب ہیں تاریخ ابن خلکان میں ہے کہ ان پر مذہب حنفی غالب تھا ہاں بہت سے مقامات پر ان کی مخالفت بھی کی ہے یعنی صرف ان مسائل میں مخالفت کی جن میں ان کو مرتبہ اجتہاد حاصل تھا۔

امام محمدؒ

محمد بن حسن الشیبانیؒ متوفی ۱۸۷ھ شاگرد امام اعظمؒ و امام ابویوسفؒ حنفی المذہب ہیں انہوں نے امام اعظم کی مخالفت فقط ان مسائل میں کی ہے جن میں ان کو مرتبہ اجتہاد حاصل تھا ان کے حنفی المذہب ہونے کی تصریح صاحب کشف الظنون اور ابن خلکان وغیرہ نے پورے طور پر کی ہے۔ اسی طرح چوتھی صدی ہجری کے بعد جو کبار محدثین ہوئے ہیں ان کے حالات کی تفتیش کی جائے تو وہ بھی ان مذاہب اربعہ سے خالی نہ ملیں گے ملاحظہ فرمایئے

حافظ زیلعیؒ، علامہ عینیؒ، محقق ابن ہمامؒ، ملاعلی قاریؒ وغیرہم جو علاوہ فقہ کے علم حدیث میں بھی تبحر رکھتے تھے یہ سب حنفی المذہب تھے۔ ابن عبدالبرؒ جیسے محدث مالکی المذہب ہیں۔ نوویؒ، بغویؒ، خطابیؒ، ذہبیؒ، عسقلانیؒ، قسطلانیؒ اور سیوطیؒ وغیرہم جن کا فن حدیث میں ڈنکا بجتا تھا شافعی المذہب تھے اور اسی طرح بہت سے علماء و محدثین حنبلی المذہب ہوئے ہیں علامہ ابن تیمیہؒ، حافظ ابن قیمؒ یہ دونوں حضرات حنبلی تھے۔ اب بنظر انصاف غور کرنا چاہئے کہ اتنے بڑے حضرات کہ حدیث جن کا اوڑھنا بچھونا تھا دن و رات حدیث میں مشغول رہتے تھے جب وہ تقلید سے آزاد نہیں ہوئے تو چند سال قبل سے غیرمقلدین کیوں تقلید سے نفرت کرتے ہیں کیا وہ حضرات اَعلم بالحدیث تھے یا یہ غیرمقلدین؟ وہ حضرات موافق للسنۃ تھے یا یہ آج کے غیرمقلدین؟

عدم تقلید کا آغاز

تیسری صدی ہجری ۲۰۲ھ میں امام ابوداؤد ظاہری پیدا ہوئے یہ اپنے زمانہ کے بہت بڑے محدث اور نہایت متبحر عالم تھے انہوں نے تمام قیاسات کو خواہ خفیہ ہوں یا جلیہ سب کو ترک کر کے ظاہر نصوص پر چلنا اختیار کیا اسی وجہ سے ان کو داؤد ظاہری کہا جاتا ہے مسلمانوں کی خاصی جماعت ان کی پیرو ہوگئی جن کو ظاہریہ کہا جاتا ہے چوتھی صدی ہجری ۳۸۴ھ میں علامہ ابن حزمؒ کی ولادت ہوئی علم حدیث میں تبحر حاصل کیا اور حفاظ حدیث میں شمار کئے جانے لگے ابتداء" یہ شافعی المذہب تھے پھر داؤد ظاہری کا مذہب اختیار

کیا اور آخر میں سب کو چھوڑ چھاڑ کر خود امام الائمہ بن گئے اور تقلید کو حرام بتلانے لگے قیاس کے انکار اور نصوص ظاہرہ کو اختیار کرنے کے متعلق کتابیں لکھیں ائمہ مجتہدین کو گالیاں دیں اور خوب دل کھول کر برا کہا اور ان کے حق میں نہایت زبان درازیاں کیں یہی وجہ ہے کہ ابن حزم کا خوب مذاق اڑایا گیا اور ان کی تالیف کردہ کتابیں جلائی گئیں پھاڑی گئیں اور دریا میں پھینکی گئیں آٹھویں صدی ہجری میں ابن تیمیہؒ متوفی ۷۲۸ھ اور حافظ ابن قیمؒ متوفی ۷۵۱ھ پیدا ہوئے یہ دونوں حضرات اکابر فقہاء حنابلہ میں سے ہیں علوم و فنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے بحرالعلوم اور اپنے وقت کے زبردست متکلم تھے کبار محدثین ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں مگر یہی حضرات ان کو "معجب الرائے" اور "سیئ العقل" ٹھہراتے ہیں جیسا کہ علامہ ذہبیؒ نے ان کے متعلق بالتفصیل لکھا ہے علامہ ابن بطوطہؒ نے تحفۃ النظار میں لکھا ہے۔

"کان بدمشق من کبار الفقهاء الحنابلة تقی الدین ابن تیمیة کبیر الشام یتکلم فی الفنون الا ان فی عقله شیئاً"

ترجمہ: "ابن قیم میں یہ تمام صفات تھیں مگر اس کے ساتھ ہی وہ اپنی رائے کے مقابلہ میں کوئی رائے پسند نہیں کرتے اور ان کی عقل میں بھی کچھ خرابی تھی۔"

عقل میں فتور کا مطلب یہ ہے کہ جہاں پر انہوں نے اجتہاد کیا ہے اور محض اپنی عقل سے کام لیا ہے وہاں لغزش ہوئی ہے بارہویں صدی ہجری کا زمانہ آیا تو محمد بن عبدالوہاب نجدی نمودار ہوئے یہ تھے تو حنبلی المذہب مگر اس قدر حد سے تجاوز کرگئے کہ بات بات میں علمائے کرام کو مشرک اور کافر

بنانے لگے بہت سے لوگ ان کے متبع ہو گئے خصوصاً شیخ قبیلہ محمد بن سعود نجدی نے ان کے خیالات کو بہت زیادہ اپنایا آخر جنگ و جدال کی نوبت آئی اور کچھ ممالک ان کے قبضہ میں آگئے محمد بن سعود کے بعد ان کے بیٹے عبدالعزیز اور عبدالعزیز کے بعد ان کے بیٹے سعود تخت نشین، والی ریاست اور صاحب مملکت حجاز ہوئے محمد بن عبدالوہاب کی عمر سو برس ہوئی ان تینوں والیان ریاست نے محمد بن عبدالوہاب کے خیالات اور ان کے مسائل کی تبلیغ اور نشرواشاعت میں انتہائی جدوجہد اور سعی بلیغ کی اس کی وجہ سے روز بروز ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا حتیٰ کہ سعود بن عبدالعزیز کو حرمین شریفین پر بھی کچھ دنوں کے لئے غلبہ اور تسلط حاصل ہوگیا غلبہ کے زمانہ میں انہوں نے وہاں پر خونریزی اور فتنہ و فساد کا بازار خوب گرم رکھا مکۂ متبرکہ اور مقامات مقدسہ کا ذرا بھی لحاظ نہیں کیا قبہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ڈھانے کا بھی ارادہ کیا مگر یہ نہ ہوسکا جب اس فرقہ کا فتنہ و فساد بڑھ گیا تو پھر ابراہیم محمد بن علی پاشا والی مصر نے عساکر سلطانی اپنے ہمراہ لے کر ان لوگوں پر چڑھائی کی اور ۱۲۳۳ھ میں اس جماعت کو درہم برہم کردیا۔

ہندوستان میں جب سے اسلام نے قدم رکھا مسلمانوں کی بھاری اکثریت برابر حنفی المذہب اور امام ابوحنیفہؒ کی مقلد رہی جب اسلامی حکومت کا چراغ گل ہوا اور انگریزی حکومت آئی اور حکومت انگریزیہ کی طرف سے مذہبی معاملات سے کوئی تعرض نہ رہا تب تیرہویں صدی ہجری میں جا بجا کچھ ایسے لوگوں نے نشوونما پائی جو ائمہ اربعہ کی تقلید کو محض بے اصل سمجھنے لگے انہوں نے ابن حزم اور ابن قیم اور قاضی شوکانی کے خیالات اور تشددات

سے واقفیت حاصل کی اور اہل ظواہر سے بھی متاثر ہوئے بات بات میں حنفیوں سے اختلاف کرنے لگے اور مقلدین کو بدعتی، مشرک بلکہ کافر تک کہنے لگے۔ تو اس تقریر سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عدم تقلید کا آغاز ہندوستان میں ابھی چند سال قبل سے شروع ہوا ورنہ اس سے قبل تقریباً تمام لوگ حنفی المذہب تھے۔

تقلید کا ثبوت

تقلید مطلق کی دو قسمیں ہیں (۱) شخصی۔ یعنی ایک خاص مجتہد کی طرف جو مذہب اور مسلک منسوب ہو اس کے جملہ مفتیٰ بہٖ مسائل کو دلیل طلب کئے بغیر قبول کرلینا اور اس کو اپنے عمل کیلئے کافی سمجھنا (۲) تقلید غیر شخصی۔ یعنی مختلف مذاہب کے متعدد مجتہدین کے مسائل کو ان کی دلیل طلب کئے بغیر اپنا معمول بھی ٹھہرانا۔ تقلید کی ان دونوں قسموں کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ ایک شخص براہ راست قرآن و سنت سے احکام مستنبط کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہو اور وہ جسے قرآن و سنت کے علوم کا ماہر سمجھتا ہو اس کے فہم و بصیرت اور تفقہ پر اعتماد اور اس کی تشریحات کے مطابق عمل کرتا ہے اور یہ وہ چیز ہے جس کا وجوب قرآن و سنت کے بہت سے دلائل سے ثابت ہے ہم اختصار کی وجہ سے چند دلیلیں پیش کرتے ہیں۔

تقلید کے ثبوت میں قرآنی آیات

"یاایھاالذین امنوا اطیعو اللہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم"

(سورہ نساء پارہ ۵)

ترجمہ : "اے ایمان والوں تم کہنا مانو اللہ کا اور اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ و سلم) کا اور اولوالامر (دین کے مجتہدین) کا جو تم میں سے ہیں۔"

اس آیت میں اللہ نے اولوالامر کی اطاعت کا حکم فرمایا ہے اس اولوالامر سے مراد کون ہے؟ اس کی تفسیر بعض حضرات نے سلطان اور بادشاہ سے کی ہے بعض نے شیخ طریقت سے اور بعض نے امام مجتہد سے فرمائی ہے لیکن غور کیا جائے تو اس میں کوئی تضاد نہیں یہ سب اولوالامر میں داخل ہیں امر دو طرح کے ہیں (۱) دنیاوی (۲) دینی۔ پھر دنیاوی اولوالامر کی چند صورتیں ہیں ملک کی سیاست کے اعتبار سے سلاطین اور بادشاہ اولوالامر ہیں یعنی ملی و حکومتی انتظامات میں سلطان کا حکم بجالانا ضروری ہے ورنہ دنیاوی معاملات میں سخت قسم کا انتشار پیدا ہوگا۔ اسی طرح تدبیر منزل یعنی گھریلو نظم و نسق کے اعتبار سے وہ لوگ جو گھر میں بڑے ہیں وہی اولوالامر ہیں امور خانہ داری کیلئے ان کی اطاعت ضروری ہے۔ ورنہ گھر کا نظام صحیح نہیں رہ سکتا۔ امر دینی کی بھی دو قسمیں ہیں (۱) باطنی (۲) ظاہری۔ ظاہری کو شرع بھی کہتے ہیں باطنی کے اولوالامر شیوخ طریقت ہیں کہ سالکان طریقت کو ان کا اتباع ضروری ہے۔ اور علم ظاہری یعنی علم شریعت کے اولوالامر مجتہدین ہیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے واقف اور استنباط مسائل پر قادر ہوتے ہیں لہٰذا شرع کے اولوالامر ائمہ مجتہدین ہوئے اور شرعی امور میں ان کی تابعداری لازم ہوئی

اور یہ امر ظاہر ہے کہ تابعداری اس وقت تک ضروری ہوتی ہے جب تک کہ تابعداری کرنے والا متبوع کے درجہ تک نہ پہنچا ہو۔ اولوالامر کی اس وضاحت سے یہ بات بھی صاف ہوگئی کہ آیت کریمہ سے یہ امر ثابت ہے کہ وہ مسلمان جو خود مجتہد نہیں ہیں ان کو کسی مجتہد کا حکم بجا لانا واجب اور ضروری ہے۔ چونکہ ائمہ اربعہ بہت بڑے مجتہد ہیں اگر ان کا اتباع کیا جائے تو یہ بات اس آیت کریمہ سے بخوبی ثابت ہے۔ اب غور کیجئے کہ مجتہدین کی جو روایت قرآن وحدیث سے ہوگی وہ تو پہلے دو حکموں میں داخل ہے اس کو علیحدہ کرنے کی کیا ضرورت تھی نیز روایت تو غیرمجتہدین کی بھی واجب الاتباع ہے بشرطیکہ وہ ثقہ ہوں پھر اس میں مجتہدین کی تخصیص سے کیا فائدہ پس تیسرے درجہ میں مجتہدین کی درایت یعنی مسائل اجتہادیہ کا واجب الاتباع ہونا متعین ہوا اور اولوالامر کو بلااعادہ فعل **"اطیعو الرسول"** پر عطف کر کے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جس طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی اطاعت بغیر مطالبہ دلیل محض حسن ظن کی بناپر واجب ہے اسی طرح حضرات ائمہ مجتہدین کے مسائل اجتہادیہ کی تابعداری بھی بلامطالبہ دلیل محض حسن ظن کی بنا پر واجب ہے البتہ دونوں مقام پر حسن ظن کی وجہ مختلف ہے۔ پہلی جگہ اس کی وجہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ و سلم کی رسالت ہے جس کی اطاعت واجب قطعی ہے اور دوسری جگہ حسن ظن کی وجہ ائمہ مجتہدین کا تقویٰ اور اجتہاد صحیح ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ اس آیت کریمہ میں غیرمجتہدین کو اجتہاد کے مسائل میں حضرات مجتہدین کی تقلید کا حکم فرمایا گیا۔

(۲) "ولو ردوہ الی الرسول و الی اولی الامر منھم لعلمہ الذین

یستنبطونہ منھم۔

(نساء آیت ۸۳)

ترجمہ : "اور اگر یہ لوگ اس امر کو رسول اور اولی الامر کے حوالہ کرتے تو جو لوگ استنباط کے اہل ہیں وہ اسے جانتے (اور انہیں بتلادیتے)" اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ جو لوگ خود استنباط کی اہلیت نہیں رکھتے انہیں چاہئے کہ وہ ان لوگوں کی تقلید کریں جو اجتہاد و استنباط کے اہل ہیں۔

(۳) **"فلولانفرمن کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذارجعوا الیھم لعلھم یحذرون"**

(سورہ التوبہ آیت ۱۲۲)

ترجمہ : "ان کے ہر فرقے میں سے ایک چھوٹی جماعت اس مقصد کے لئے کیوں نہ نکلے کہ وہ دین میں تفقہ حاصل کرے اور واپس آکر اپنی قوم کو بیدار کرے تاکہ وہ لوگ (اللہ کی نافرمانی سے) بچیں" اس آیت سے واضح ہوا کہ علم دین حاصل کرنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی قوم میں واپس آکر انہیں دین و شریعت کے احکام بتلائیں اور ان کی قوم کیلئے ضروری ہے کہ وہ ان بتائے ہوئے مسائل پر اعتماد کر کے ان پر عمل کریں اسی کا نام تقلید ہے۔

(۴) **"واتبع سبیل من اناب الیّ"**

(سورہ لقمان آیت ۱۵)

ترجمہ : "اس شخص کے راستہ کی پیروی کرو جو میری طرف رجوع کئے ہوئے ہو۔" اس میں یہ نہیں کہا گیا کہ "میرے راستے کی پیروی کرو" کیونکہ

اللہ کی اطاعت کے راستے کو ٹھیک اسی طرح سمجھنا جس طرح وہ راستہ واقع ہوا ہے ہر شخص کے بس کا کام نہیں اس لئے یہ طریقہ بتلایا گیا کہ جو شخص اللہ کی طرف بہ دل و جان راغب ہے اور اللہ کی پسند و ناپسند کو سمجھنے کیلئے اپنی زندگی وقف کر رکھی ہے اس کی اتباع کرنے سے اللہ کی اطاعت ہوجائے گی۔

(۵) **"وماارسلنا من قبلک الارجالا نوحی الیھم فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون"**

(سورہ نحل آیت ۴۳)

ترجمہ : "اور تجھ سے پہلے بھی ہم نے یہی مرد بھیجے تھے کہ حکم بھیجتے تھے ہم ان کی طرف سو پوچھو یاد رکھنے والوں سے اگر تم کو معلوم نہیں۔" ہم نے اہل ذکر سے خاص اہل کتاب مراد نہیں لئے بلکہ عموم لفظ کی رعایت کی...... بہرحال عموم آیت سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ غیراہل علم کو اہل علم سے دریافت کر کے عمل کرنا چاہئے بہت سے علماء نے اس کو تقلید ائمہ کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔

(تفسیر عثمانی)

اہل ذکر میں اہل کی اضافت اختصاص کیلئے ہے یعنی جن کو کتاب و سنت اتنی یاد ہے کہ تمام مسائل جزئیہ شرعیہ کو کتاب و سنت سے اخذ کرسکتے ہیں ان سے مسائل ماخوذہ کو پوچھ کر عمل کرو اس آیت کے اولین مخاطب اہل عرب ہیں فقہائے صحابہؓ و تابعینؒ نے جتنے فتوے صادر فرمائیں ہیں وہ سب بلاذکر دلیل ہیں ان ہزارہا فتاوی پر ہزارہا لوگوں نے بلامطالبہ دلیل عمل کیا جس

سے ثابت ہوا کہ تقلید اس دور میں متواتر تھی اور سب لوگ اپنے علاقہ کے اسی مجتہد کی تقلید کرتے تھے جس کا مذہب وہاں عملاً متواتر تھا کیونکہ اسی کے بارے میں پوچھنا اور عمل کرنا آسان تھا جیسے جس علاقہ میں قرآن پاک کی سات قرأتوں میں سے جو قرأت تلاوتاً" متواتر تھی اسی پر سب تلاوت کرتے تھے ہمارے ملک میں جس طرح صرف قاری عاصمؒ کوفی کی ہی قرأت تلاوتاً" متواتر ہے اسی طرح ائمہ اربعہ میں صرف امام اعظمؒ کا ہی مذہب عملاً متواتر ہے اس سے معلوم ہوا کہ ہدایت اور نجات عقلاً" اور شرعاً" صرف دو ہی طریقوں پر منحصر ہے۔ (۱) یا خود اہل ذکر ہو کر اجتہاد کر سکے اس پر اجتہاد واجب ہے۔ (۲) اگر عامی ہے خود اجتہاد نہ کر سکے تو اس پر تقلید واجب ہے۔ اور جو شخص نہ خود اجتہاد کی اہلیت رکھتا ہو نہ تقلید کرے اس کو غیر مقلد کہتے ہیں اس پر تعزیر واجب ہے۔ صحابہؓ" تابعینؒ" تبع تابعینؒ" اور ائمہ دین میں سے ایک نام بھی پیش نہیں کیا جاسکتا جس کے بارے میں یہ ثبوت ہو کہ **"کان لایجتہد ولایقلد"** غیرمقلد کیلئے دنیا میں بھی تعزیر ہے جیسا کہ حضرت عمرؓ نے جاری فرمائی (تفسیر ابن جریر میں ساتویں پارے کی آیت **"ذوا عدل منکم"** کے تحت اور قبر میں بھی فرشتہ قیامت تک یہ کہہ کر پٹائی کرتا رہے گا **"لادریتَ ولاتلیتَ"**

(بخاری صفحہ ۱۷۸ ج ۱)

کہ تو نہ صاحب درایت یعنی مجتہد تھا نہ ہی تو نے تقلید کی تھی (اب قیامت تک اپنی خود رائی اور نفس پرستی کا مزہ چکھ) اور قبروں سے اٹھ کر بھی یہ کہتے ہوئے اپنے ٹھکانے لگیں گے۔ **"لو کنا نسمع اونعقل ماکنا فی**

اصحٰب السعیر" (سورہ ملک آیت نمبر ۱۰) لیکن اس وقت پچھتانا کام نہیں آئے گا۔

تقلید کے ثبوت میں حدیث

"عن حذیفہؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لاادری ماقدر بقائی فیکم فاقتدوا بالذین بعدی واشاراِلی ابی بکرؓ و عمرؓ"

(مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

ترجمہ : "حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں میں کب تک تم لوگوں میں زندہ رہوں گا لہٰذا میرے بعد ان دونوں کی اقتداء کرنا اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی طرف اشارہ فرمایا۔" اس حدیث میں اقتداء کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو انتظامی امور میں اطاعت کرنے کے معنی میں ہرگز استعمال نہیں ہوتا ظاہر ہے کہ "بعدی" سے ان دونوں حضرات کا زمانہ خلافت مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان کے خلیفہ ہونے کی حالت میں ان کا اتباع کرنا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ایک وقت میں خلیفہ ایک ہی صاحب ہوں گے لہٰذا ابوبکرؓ کی خلافت میں ان کی پیروی کرنا اور حضرت عمرؓ کی خلافت میں عمرؓ کی تابعداری کرنا پس ایک خاص زمانہ تک ایک معین شخص کی اتباع کا حکم فرمایا اور یہ نہیں فرمایا کہ ان سے احکام اور مسائل کی دلیل بھی دریافت کر لیا کرنا اور اسی کو تقلید شخصی کہتے ہیں جس کا ثبوت اس قولی حدیث سے بخوبی ہوگیا۔

مذموم تقلید

جس تقلید کی اللہ پاک نے مذمت فرمائی ہے وہ تقلید وہ نہیں جس کا ہم نے بیان کیابلکہ وہ غلط تقلید تھی جس کے بارے میں اللہ نے ارشاد فرمایا۔

"واذاقیل لھم اتبعوا ما انزل اللّٰہ قالوا بل نتبع ماالفینا علیہ اٰباء نا اولو کان اٰباء ھم لایعقلون شیئًا ولا یھتدون"

(سورۃ البقرہ پارہ نمبر۲ سیقول)

ترجمہ: "اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو احکام نازل فرمائے ہیں ان کی پیروی کرو تو وہ کہتے ہیں کہ نہیں ہم تو ان باتوں کی پیروی کریں گے جن پر ہم نے اپنے باپ داداؤں کو پایا ہے (اللہ فرماتا ہے) بھلا اگر انکے آباؤاجداد عقل وہدایت نہ رکھتے ہوں تب بھی ؟" ۔ اللہ عزو جل نے باپ داداؤں کی تقلید پر مذمت کے دو سبب بھی بیان فرما دیئے ہیں

(ا) وہ اللہ کے نازل کئے ہوئے احکام کو بر ملا رد کر کے انھیں نہ ماننے کا اعلان کرتے ہیں اور صاف کہتے کہ ہم اسکے بجائے اپنے باپ داداؤں کی بات مانیں گے (۲) انکے بزرگ عقل و ہدایت سے کورے تھے

عقیدہ نمبر(۲) فرقہ بندی کے متعلق

"بانی فرقہ نے خود تو فرقہ در فرقہ بنایا اور خود چلاتا ہے کہ فرقہ

بندی شرک ہے ،فرقہ بندی عذاب ہے،اور قرآن میں جتنی بھی آیات میں تفرق کا ذکر ہے ان سب کا رخ ائمہ اربعہ کے اختلاف کی طرف موڑ دیا لھذا وہ اپنے رسالہ "اسلام میں فرقے نہیں" میں لکھتا ہے۔سب سے پہلے آیت پیش کی۔

("واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعًا ولاتفرقوا الخ")

(آل عمران آیت ۱۰۳)

پھر ترجمہ ذکر کیا پھر لکھتا ہے کہ اللہ کی رسی سے مراد اللہ کا دین ہے اللہ کے نازل کردہ دین کو مضبوطی سے پکڑے رہنا ضروری ہے اس میں اختلاف و افتراق حرام ہے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا ممنوع ہے دین کو فرقہ وارانہ مذاہب میں تقسیم کرکے فرقے فرقے بن جانا یہ اللہ کو سخت ناپسند ہے۔

(صفحہ ۱'۲'۳) پھر آیت پیش کی۔

"ان الذین فرقوا دینھم و کانوا شیعًا لست منھم فی شئی"..... الخ

(سورہ انعام آیت ۱۶۰)

پھر ترجمہ ذکر کرکے تفسیر میں ذکر کیا کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو لوگ دین کو تقسیم کرکے فرقوں میں بٹ جائیں انکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا ایک ہی چیز کو ایک فرقہ حلال کہے دوسرا حرام (صفحہ ۳'۴) پر لکھتا ہے کہ **"اکفرتم بعد ایمانکم"** میں انہی لوگوں کی طرف اشارہ ہے جن لوگوں نے فرقے بنائے اور کھلے دلائل آنے کے بعد بھی اختلاف پر جمے رہے گویا وہ ایمان لانے کے بعد کفر کے مرتکب ہوئے"

یعنی مسعوداحمد نے ائمہ اربعہ اور انکے مقلدین کو کافر قرار دیدیا اسی طرح

پورے رسالہ میں جو آیت بھی پیش کی اور اس میں تفرقہ کا لفظ ہوا تو اسکو
ائمہ اربعہ اور انکے مقلدین پر فٹ کرکے انکو کافر قرار دیدیا۔

تو اس بارے میں عرض ہے کہ جیسا کہ پہلے بھی معلوم ہوچکا کہ دور برطانیہ
میں ملکہ وکٹوریہ کے اشتہار آزادگئ مذہب پر لبیک کہتے ہوئے جو لوگ قید
مذہب یعنی تقلید امام سے آزاد ہوگئے ان میں فرقے ہی فرقے بنتے گئے کہ
لوگ ان فرقوں سے تنگ آگئے اس فرقہ بندی کا ایک ہی علاج تھا کہ یہ لوگ
ذہنی آوارگی چھوڑ کر پھر تقلید امام کی طرف آجاتے تو اس فرقہ در فرقہ اور
اختلاف در اختلاف سے بچ جاتے اہل اسلام کی صفوں میں پھر اتحاد و اتفاق
پیدا ہوجاتا مگر یہ علاج حکومت برطانیہ کے لئے سخت خطرہ تھا ان فرقہ پرستوں
کا طریقہ یہ رہا کہ فرقہ پرستی کی برائی بیان کرتے فرقہ بندی کے اپنے گناہ کو
ائمہ اربعہ کے سر تھوپتے انکو دل کھول کر برا بھلا کہتے کہ لوگ انکی تقلید کی
طرف واپس نہ چلے جائیں اور ہمارے فرقے مٹ نہ جائیں ائمہ اربعہ پر فرقہ
پرستی کا بہتان باندھ کر خود ایک اور فرقہ بنالیتے یہی کچھ اس فرقہ کے بانی
مسعود احمد نے کیا فرقہ پرستی کی برائی بیان کرتے کرتے خود ایک نیا فرقہ بنالیا
اور گالیاں بدستور مذاہب اربعہ کو دے رہے ہیں ہم پہلے اپنے بارے میں
عرض کرتے ہیں اسلام ہمارا دین ہے ہم مسلمان ہیں جس نام کی وجہ سے ہم
دوسرے دینوں میں ممتاز ہیں نہ ہم ہندو ہیں نہ عیسائی نہ یہودی پھر رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے موافق آپکی امت مختلف فرقوں میں بٹ گئی
ان میں نجات پانے والی جماعت کا نام اہلسنّت والجماعت ہے جیسا کہ ارشاد
ہے "**ماانا علیہ واصحابی**" یعنی جو میرے اور میرے اصحاب کے طریقے پر

چلے وہ ناجی فرقہ ہے تو وہ اہلسنّت والجماعت کا فرقہ ہے۔ اس نام سے باقی
اسلامی فرقوں شیعہ، معتزلہ، جہمیہ، قدریہ وغیرہ سے ممتاز پھر اہل سنت
والجماعت میں رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرام کی
جماعت کے طریقوں کو چار ائمہ کرام نے مرتب اور مدون فرمایا جس طرح
قرآن پاک کو سات قاریوں نے مرتب فرمایا اب کسی علاقہ میں کسی قاری کی
متواتر قراءۃ کے مطابق سب لوگ تلاوت کرتے ہیں کسی علاقہ میں دوسرے
قاری کی قراءۃ پر تلاوت کر رہے ہیں جس طرح ان سات قراءتوں کو کوئی
بے وقوف سات قرآن نہیں کہتا سات ٹکڑے نہیں کہتا جس نے ایک قراءۃ
پر قرآن کریم کی تلاوت کی اسے مکمل قرآن پاک کی تلاوت کا ثواب ملا اسی
طرح جس نے ایک قراءۃ پر قرآن کریم کی تلاوت کی اسے مکمل قرآن پاک
کی تلاوت کا ثواب ملا اسی طرح جس نے ایک امام کی تقلید میں آپ صلی اللہ
علیہ وسلم کی سنت پر عمل کیا اسے پوری سنت پر عمل کرنے کا ثواب ملا جس
طرح قرآن پاک کی مختلف سات یا دس قراءتوں کو فرقہ وارانہ قراءتیں کہنا
پرلے درجہ کی جہالت ہے اسی طرح مذاہب اربعہ کو فرقے قرار دینا ان کے
اختلاف کو فرقہ وارانہ قرار دینا جہالت کی انتہا ہے مذہب کا معنی راستہ ہوتا ہے
جو منزل سے ملانے کے لئے بنایا جاتا ہے اور فرقہ کا معنی خود بانی فرقہ نے کٹنے
والا کیا ہے مذہب ملانے والا، فرقہ کاٹنے والا دو متضاد باتیں ہیں مذہب کو فرقہ
کہنا دن کو رات، آسمان کو زمین، گرم کو سرد کہنے سے بڑھ کر حماقت ہے
جس طرح قاریوں کا اختلاف قراءۃ صحابہؓ سے آیا کتب احادیث میں بعض
اختلافی احادیث صحابہؓ سے مروی ہیں کتب احادیث میں صحابہ کرامؓ کے مختلف

اجتہادی فتاویٰ درج ہیں تو کیا یہ عقلمند یہاں بھی فرقہ وارانہ صحابہؓ فرقہ وارانہ احادیث ' فرقہ وارانہ قرآن کہہ کر یہ اعلان کرے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرقہ واریت کو چھوڑنے کا حکم دیا سب فرقہ وارانہ صحابہؓ کو چھوڑدو' سب فرقہ وارانہ احادیث کو چھوڑ دو' سب فرقہ وارانہ قرآنوں کو اور فرقہ وارانہ رسولوں کو چھوڑ دو چونکہ مسعود احمد نے خود اکابر سے کٹ کر فرقہ بنایا اپنے آپ کو امام مفترض الطاعۃ بنایا اس کا رات،دن،نیند اور بیداری سب فرقہ واریت میں ڈوبی ہوئی ہے اس لئے وہ جس کو گالیاں دینا چاہتا ہے اس کے ساتھ لفظ فرقہ وارانہ اپنی طرف سے لگا کر اس کو کوسنا شروع کر دیتا ہے جب گالیاں دیکر تھک جاتا ہے تو ان ہی فرقہ وارانہ کتب حدیث سے متروک العمل احادیث چن کر اپنے فرقہ کو اس پر لگاتا ہے ان ہی فرقہ وارانہ مذاہب کے علماء کو احبار اور رھبان مان کر ان کے فیصلے نقل کرتا ہے کہ فلاں حدیث صحیح ہے فلاں ضعیف ہے انہی فرقہ وارانہ مذاہب کے اسماءالرجال اور علم اصول سے سرقہ (چوری) کرتا ہے زبان سے انکو مشرک بھی کہتا ہے پھر انکی جوتیاں بھی چاٹتا ہے انکی قے (الٹی) تک چاٹتا ہے مذہب کو فرقہ وارانہ کہنا اس بدعتی فرقہ کی جہالت ہے۔

عقیدہ نمبر(۳) اختلاف امت کے متعلق

رہی یہ بات کہ امت کا آپس میں اختلاف کیسا ہے تو اسمیں عرض ہے کہ بانی فرقہ چونکہ خود سراپا اختلاف ہے اس لئے اختلاف ' اختلاف کے نعرے

لگاتا ہے لیکن جیسا کہ گزر چکا ہے کہ اختلاف احادیث میں بھی ہے ' اختلاف قراءت میں بھی ہے ' اختلاف صحابہؓ میں بھی ہے ' اختلاف اصول حدیث میں بھی ہیں ' اختلاف اسماء الرجال میں بھی ہے ' اختلاف محدثین میں بھی ہے ' اختلاف مجتہدین میں بھی ہے۔ان سب اختلاف کو وہ برداشت کرتا ہے مگر مجتہدین کے اختلاف کو خوب اچھالتا ہے اختلاف کی برائی میں جو آیت یا حدیث مل جائے اسے صرف ائمہ کے اختلاف پر چسپاں کرتا ہے حالانکہ وہ خود بھی مانتا ہے کہ اختلاف دو قسم کا ہوتا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے۔

"اختلاف ایک فطری عمل ہے ہوجایا کرتا ہے"

(تفسیر قرآن عزیز صفحہ ۷۵۱ ج۔۱)

یقیناً ائمہ مجتہدین کا اختلاف بھی فطری ہے خود بانی فرقہ جدید لکھتے ہیں۔

"اجتہادی اختلاف اعمال میں تو ہوسکتا ہے اور اس کو گوارا کیاجاسکتا ہے
۔۔۔ ائمہ کا اجتہادی اختلاف تھا اور صرف اعمال میں تھا"

(خلاصہ تلاش حق صفحہ ٦٦)

اور آپکو معلوم ہے کہ جیسا کہ پہلے بھی گزرا کہ مسعود احمد چاروں ائمہ کو برحق مانتا ہے۔

(خلاصہ تلاش حق صفحہ ۸۸)

پھر ان کے اختلاف کا شور کس لئے کرتا ہے ۔ ہاں اختلاف کی دوسری قسم کو بانی فرقہ نے لعنت لکھا ہے۔

(تفسیر قرآن عزیز صفحہ ۷۵۲ ج۔۱)

اب دونوں کو مثال سے سمجھیں ایک شخص کراچی شہر میں ہے جو سینکڑوں مساجد کے محراب کو دیکھ رہا ہے اور ہزاروں نمازیوں کو قبلہ کی طرف منہ

کر کے نماز پڑھتے دیکھ رہا ہے کہ سب مغرب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہے ہیں یہ شخص سب کے بر خلاف شمال کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہا ہے اور سب نمازیوں کی نماز کو باطل کہتا ہے جب پوچھو تو بخاری شریف کھول کر بیٹھ جاتا ہے کہ اس میں صحیح حدیث موجود ہے۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرمایا کہ رفع حاجت کے وقت نہ قبلہ کی طرف منہ کرو نہ پشت کرو بلکہ رفع حاجت کے وقت مشرق کی طرف منہ کرو یا مغرب کی طرف"

بخاری شریف کی اس صحیح حدیث سے ثابت ہوگیا کہ قبلہ نہ مشرق کی طرف ہوسکتا ہے نہ مغرب کی طرف جس طرح میں نے بخاری شریف سے ثابت کردیا کہ قبلہ ہرگز ہرگز مغرب کی طرف نہیں ہوسکتا تمہاری ساری نمازیں باطل ہیں اگر کوئی شخص بخاری کی صریح حدیث سے مجھے دکھادے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ قبلہ شمال کی طرف نہیں ہوسکتا تو میں شمال کا صریح لفظ دیکھ کر مبلغ پچاس لاکھ روپے کا انعام دوں گا تو کیا مسعود صاحب اس آدمی سے یہ انعام لے سکیں گے اگرچہ وہ شخص یہ اختلاف حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور بخاری شریف کے نام کررہا ہے مگر اسکے اس بیّن (ظاہری) اختلاف کو امت میں تفرقہ قرار دیا جائے گا قرآن و حدیث میں جہاں بھی تفرقہ کی مذمت ہے وہ وہی تفرقہ و اختلاف ہے جو بیّنہ (پوری وضاحت) کے بعد کیا جائے۔ہاں فطری اختلاف کی مثال یہ ہے کہ سندھ کے جنگل میں رات ہوگئی آسمان پر بادل ہیں کوئی ستارہ نظر نہیں آتا قبلہ کا علم نہیں نہ کوئی بتلانے والا ہے اب چار لوگوں نے تحری، سوچ بچار کی ایک کا دل اس طرف مائل ہوا کہ قبلہ اس طرف ہے حالانکہ وہ مشرق ہے دوسرے کا

دل اس طرف مائل ہوا کہ قبلہ اس طرف ہے حالانکہ وہ شمال ہے تیسرے کا دل جنوب کی طرف اور چوتھے کا دل مغرب کی طرف مائل ہوا سب نے عشاء کی نماز پڑھ لی اب غور کیجئے کہ ان چاروں میں یقیناً صرف ایک کا منہ قبلہ کی طرف تین آدمیوں کے چہرے یقیناً یقیناً قبلہ سے مڑے ہوئے تھے لیکن اللہ نے سب کی نماز قبول فرمائی ہاں اتنا فرق ہوا کہ جس نے مغرب کی طرف منہ کرکے نماز پڑھی اسکی نماز قبول اور اجر دو ملے باقی تینوں کی نماز قبول مگر اجر ایک ایک۔ملا ایسے اختلاف کو اجتہادی اختلاف کہتے ہیں یہ ایک فطری اختلاف ہے کیا بانی فرقہ ان چاروں نمازیوں پر تفرق و اختلاف کی مذمت والی آیات واحادیث فٹ کرکے انکو کافر اور مشرک قرار دیں گے ۔ مسعود احمد صاحب کا اجتہادی اختلاف پر ان آیات کو چسپاں کرنا یہودیوں کی طرح **"یحرفون الکلم عن مواضعہ"** پر عمل ہے۔الغرض مسعود احمد نے مفترض الطاعۃ امام بننے کے بعد اسلام کے معنی بدلے ، اجتہاد کے معنی بدلے ، تقلید کے معنی بدلے ، مذہب کے معنی بدلے ، فرقہ وارانہ کا لفظ بے موقع استعمال کیا 'اختلاف فطری کو اختلاف لعنت قرار دیا۔اب رہی وہ آیات جو مسعود احمد نے پیش کی ہیں کہ اس سے اس نے اختلاف ائمہ کو تفرق فی الدین کہا ہے تو ان آیات کی تفصیل ملاحظہ ہوں۔

(۱) کان الناس امۃً واحدۃ فبعث اللہ النبیین مبشرین و منذرین و انزل معھم الکتب بالحق لیحکم بین الناس فیما اختلفوا فیہ وما اختلف فیہ الا الذین اوتوہ من بعد ما جاءتھم البینت بغیا بینھم فھدی اللہ الذین امنوا لما اختلفوا فیہ من الحق باذنہ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم

(سورہ بقرہ آیت ۲۱۳)

ترجمہ : "تھے سب لوگ ایک دین پر پھر بھیجے اللہ نے پیغمبر خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے اور اتاری انکے ساتھ کتاب سچی کہ فیصلہ کرے لوگوں میں جس بات میں وہ جھگڑا کریں اور نہیں جھگڑا ڈالا کتاب میں مگر انہی لوگوں نے جن کو کتاب ملی تھی اس کے بعد کہ انکو پہنچ چکے صاف حکم آپس کی ضد سے پھر اب ہدایت کی اللہ نے ایمان والوں کو اس سچی بات کی جس میں وہ جھگڑ رہے تھے اپنے حکم سے اور اللہ بتلاتا ہے۔ جس کو چاہے سیدھا راستہ"۔

آدمؑ کے وقت سے ایک مدت تک ایک ہی سچا دین رہا اس کے بعد دین میں لوگوں نے اختلاف ڈالا تو خدا تعالیٰ نے انبیاء کرام کو بھیجا جو اہل ایمان و طاعت کو ثواب کی بشارت دیتے تھے اور اہل کفر و معصیت کو عذاب سے ڈراتے تھے اور انکے ساتھ سچی کتاب بھی بھیجی تاکہ لوگوں کا اختلاف اور نزاع دور ہو اور دین حق ان کے اختلاف سے محفوظ اور قائم رہے اور احکام الٰہی میں انہی لوگوں نے اختلاف ڈالا جن کو وہ کتاب ملی تھی جیسے یہود و نصاریٰ توریت و انجیل میں اختلاف و تحریف کرتے تھے اور یہ نزاع بے سمجھی سے نہیں کرتے تھے بلکہ خوب سمجھ کر محض حب دنیا' ضد اور حسد سے ایسا کرتے تھے۔

(تفسیر عثمانی صفحہ ۴۱)

اس سے ثابت ہوا کہ آیت میں اختلاف کا جوذکر ہے وہ اختلاف ائمہ نہیں۔

(۲) "ان الدین عند اللہ الاسلام وما اختلف الذین اوتوا الکتب الا من بعد ماجاء ھم العلم بغیًا بینھم ومن یکفر بایت اللہ فان اللہ سریع الحساب"

(سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۹)

ترجمہ : "بے شک دین جو ہے اللہ کہ ہاں سو یہی مسلمان حکم برداری اور مخالف نہیں ہوئے کتاب والے مگر جب انکو معلوم ہوچکا آپس کی ضد اور حسد سے اور جو کوئی انکار کرے اللہ کے حکموں کا تو اللہ جلدی حساب لینے والا ہے"۔

یہود و نصاریٰ کے باہم جو اختلاف ہوئے یا ہر ایک مذہب میں جو بہت سے فرقے بنے پھر مخالفت باہمی خوفناک محاربات اور خونریزیوں پر منتہا ہوئی تاریخ بتلاتی ہے کہ اسکا منشاء عموماً" غلط فہمی یا جہل نہ تھا بلکہ اکثر حالات میں محض سیم و زر کی محبت اور جاہ پرستی سے یہ فرقہ وارانہ اختلاف پیدا ہوئے۔

(تفسیر عثمانی صفحہ ۶۷)

لہٰذا آیت میں جو اختلاف کا لفظ ہے اس اختلاف سے مراد ائمہ اربعہ کا اختلاف نہیں ہے۔

(۳) "واعتصمو ابحبل اللہ جمیعًا ولا تفرقوا"

(آل عمران آیت ۱۰۳)

ترجمہ : "اور مضبوط پکڑو اللہ کی رسی کو سب ملکر اور پھوٹ نہ ڈالو"

یعنی سب مل کر قرآن کو مضبوط تھامے رہو جو خدا کی مضبوط رسی ہے یہ رسی ٹوٹ نہیں سکتی ہاں چھوٹ سکتی ہے۔۔۔۔۔۔ لیکن تمسک بالقرآن کا یہ

مطلب نہیں کہ قرآن کو اپنی آراء واہواء کا تختہ مشق بنالیا جائے بلکہ قرآن کا مطلب وہی معتبر ہوگا جو احادیث صحیحہ اور سلف صالحین کی متفقہ تصریحات کے خلاف نہ ہو۔ (عثمانی صفحہ ۸۱)

(۴) "ولا تکونو اکالذین تفرقو او اختلفو امن بعد ما جاء تھم البینٰت"

(آل عمران آیت ۱۰۵)

ترجمہ: "اور مت ہو انکی طرح جو متفرق ہوگئے اور اختلاف کرنے لگے بعد اسکے کہ پہنچ چکے انکو حکم صاف" یعنی یہود و نصاریٰ کی طرح مت بنو جو خدا تعالیٰ کے صاف احکام پہنچنے کے بعد محض اوہام واہواء کی پیروی کرکے اصول شرع میں متفرق اور فروع میں مختلف ہوگئے آخر فرقہ بندیوں نے ان کے مذہب و قومیت کو تباہ کر ڈالا اور سب کے سب عذاب الٰہی کے نیچے آگئے۔

(تنبیہہ) اس آیت سے ان اختلاف اور فرقہ بندیوں کا مذموم و مہلک ہونا معلوم ہوا جو شریعت کے صاف احکام پر مطلع ہونے کے بعد پیدا کئے جائیں --- باقی فروعی اختلافات جو صحابہؓ اور ائمہ مجتہدینؒ میں ہوئے ہیں ان کو آیت حاضرہ سے کوئی تعلق نہیں۔

(عثمانی صفحہ ۸۱)

(۵) "وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ"

(سورہ انعام آیت ۱۵۴)

ترجمہ: "اور حکم کیا کہ یہ راہ ہے میری سیدھی سو اس پر چلو اور مت چلو اور رستوں پر کہ وہ تم کو جدا کردیں گے اللہ کے راستے سے" یعنی احکام مذکورہ بالا کی پابندی اور خدا کے عہد کو اعتقاداً اور عملاً پورا کرنا یہ ہی صراط مستقیم (سیدھی راہ) ہے۔ (عثمانی صفحہ ۱۹۲)

لہٰذا ائمہ اربعہ کا اختلاف سیدھی راہ سے بھٹکنا نہیں ہے بلکہ عین قرآن و سنت پر عمل ہے

(۶) "ان الذین فرقوا دینھم و کانو اشیعالست منھم فی شئی"

(سورہ انعام آیت ۱۶۰)

ترجمہ: "جنہوں نے راہیں نکالیں اپنے دین میں اور ہوگئے بہت سے فرقے تجھ کو ان سے کوئی سروکار نہیں" حضرت شاہ صاحبؒ "**فرقوا دینھم**" کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں "جو باتیں یقین لانے کی ہیں (اصول دین) ان میں فرق نہ ہونا چاہئے اور جو کرنے کی ہیں (فروع دین) ان کے طریقے کئی ہوں تو برا نہیں۔"

(تفسیر عثمانی صفحہ ۱۹۳)

اس سے ثابت ہوا کہ مذموم اختلاف وہ ہے جو اصول دین میں ہو اور اختلاف جو فروع دین میں ہو وہ مذموم نہیں ہے۔

(۷) "وما تفرق الذین اوتو الکتب الامن بعد ما جاء تھم البینہ"

(سورہ البینہ آیت ۴)

ترجمہ: "اور وہ جو پھوٹ پڑی اہل کتاب میں سو جب کہ آچکی ان کے پاس کھلی بات" یعنی اس رسول اور اس کتاب کے آنے کے بعد شبہ نہیں رہا

پھر اب اہل کتاب ضد سے مخالف ہیں شبہ سے نہیں اس لئے ان میں دو فریق ہوگئے جس نے ضد کی منکر رہا جس نے انصاف کیا ایمان لے آیا۔۔۔۔

(تنبیہہ) حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے یہاں "البینہ" کا مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ٹھہرایا ہے یعنی جب عیسیٰ علیہ السلام کھلے نشان لیکر آئے تو یہود دشمن ہوگئے اور نصاریٰ نے بھی دنیوی اغراض میں پھنس کر اپنی جماعتیں اور پارٹیاں بنالیں۔

(عثمانی صفحہ ۷۸۲)

اس سے بھی معلوم ہوا کہ آیت میں تفرق سے مراد ائمہ دین کا اختلاف مراد نہیں بلکہ یہود و نصاریٰ کا اختلاف ہے ان آیات سے صاف معلوم ہوا کہ اختلاف وہ مذموم ہے جو دین (عقائد اصولیہ) میں ہو اور صاف حکم کے بعد ہو جس میں کوئی شبہ نہ ہو بلکہ اختلاف کی بنیاد محض ضد عناد اور حسد ہو اس کی مثال ایسی ہے جیسے شہر میں صاف صاف معلوم ہے کہ قبلہ مغرب کی طرف ہے اب شہر میں کوئی شخص مشرق کی طرف منہ کرکے نماز پڑھے تو اسکی بنیاد ہرگز کوئی شبہ یا اجتہاد نہ ہوگی محض ضد اور عناد ہے لیکن جس جنگل میں یہ ہی نہ پتہ چلے کہ مغرب کہاں ہے تو تحری اور غور و فکر کے بعد آدمی مشرق کی طرف منہ کرکے نماز پڑھ لے تو یہ نہ صاف بینہ کے بعد ہے نہ ضد اور عناد سے اسی طرح اگر چار نمازی چاروں طرف نماز پڑھ لیں تو سب کی نماز ادا ہو جائے گی یہ ہی اختلاف صحابہ کرامؓ، ائمہ مجتہدینؒ اور ائمہ محدثینؒ میں احادیث کی تصحیح و تضعیف میں ہے مندرجہ بالا آیات کو ان اختلاف پر چسپاں کرنا "**یحرفون الکلم عن مواضعہ**" کی بد ترین مثال ہے ۔ پاک و ہند میں

پہلے یہ تحریف قادیانیوں نے شروع کی پھر روافض اور غیر مقلدین نے اس تحریف کی خوب اشاعت کی اب منکرین قرآن اختلاف قراءۃ پر، منکرین حدیث اختلاف حدیث پر، منکرین صحابہؓ اختلاف صحابہؓ پر، منکرین ائمہ اختلاف ائمہ پر ان آیات کو چسپاں کرکے تحریف کا ارتکاب کرتے ہیں۔

دین اور منہاج

"شرع لکم من الدین ما وصّٰی بہٖ نوحاً و الذی اوحینآ الیک وما وصینا بہٖ ابراھیم و موسٰی و عیسٰی ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ"

(سورہ الشوریٰ آیت نمبر ۱۳)

ترجمہ: "راہ ڈالدی تمہارے لئے دین میں وہی جس کا حکم کیا تھا نوحؑ کو اور جس کا حکم بھیجا ہم نے تیری طرف اور جس کا حکم کیا ہم نے ابراہیم کو اور موسیٰؑ کو اور عیسیٰؑ کو یہ کہ قائم رکھو دین کو اور اختلاف نہ ڈالو اس میں" آدمؑ کے بعد سب سے پہلے رسول حضرت نوحؑ ہیں بلکہ کہنا چاہئے کہ فی الحقیقت تشریع احکام کا سلسلہ ان ہی سے شروع ہوا اور آخری نبی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں جن پر سلسلۂ نبوت و رسالت منتہا ہوا درمیان میں جو انبیاء و رسل آئے ان میں ابراہیمؑ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ یہ تین زیادہ مشہور ہوئے جن کے نام لیوا ہر زمانہ میں بکثرت موجود رہے کئی لوگ ان پانچوں کو اولوالعزم پیغمبر کہتے ہیں بہرحال اس جگہ حق تعالیٰ نے صاف طور پر بتلادیا کہ اصل دین ہمیشہ سے ایک ہی رہا ہے کیونکہ عقائد' اخلاق اور اصول دیانات میں تمام متفق رہے ہیں البتہ بعض فروع میں حسب مصلحت زمانہ کچھ تفاوت ہوا اور دین کے قائم کرنے کے طور و طریقے ہر وقت میں اللہ نے جدا ٹھہرادیئے ہیں جسکو دوسری جگہ فرمادیا ہے۔

(عثمانی صفحہ ۶۲۸)

"لکلٍ جعلنا منکم شرعۃً و منھاجاً"

(مائدہ آیت ۴۸)

ترجمہ: "ہر ایک کو تم میں سے دیا ہم نے ایک دستور اور راہ" یعنی خدا نے ہر امت کا آئین اور طریق کار اسکے احوال و استعداد کے مناسب جداگانہ رکھا ہے اورباوجودیکہ تمام انبیاء اور مِلل سماویہ اصول دین اور مقاصد کلیہ میں جن پر نجات ابدی کا مدار ہے باہم متحد اور ایک دوسرے کے مصدق رہے ہیں پھر بھی جزئیات و فروع کے لحاظ سے ہر امت کو انکے ماحول اور مخصوص استعداد کے موافق خاص خاص ہدایات دی گئیں اس آیت میں اسی فرعی اختلاف کی طرف اشارہ ہے۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں جو سب انبیاء کو آپس میں علاتی بھائی فرمایا ہے (علاتی یعنی جن کا باپ ایک ہو اور مائیں مختلف ہوں) اس کا مطلب بھی یہ ہی ہے کہ اصول سب کے ایک ہیں اور فرع میں اختلاف ہے اور چونکہ بچہ کی تولید میں باپ فاعل و مفیض اور ماں قابل اور محل افاضہ بنتی ہے اس سے نہایت لطیف اشارہ اس طرف بھی ہوگیا کہ شرائع سماویہ کا اختلاف مخاطبین کی قابلیت و استعداد پر مبنی ہے ورنہ مبدأ فیاض میں کوئی اختلاف و تعدد نہیں سب شرائع وادیان سماویہ کا سرچشمہ ایک ہی ذات ہے اور اس کا علم ازلی ہے۔

(عثمانی صفحہ ۱۵۰)

اس سے ظاہر ہوگیا کہ ائمہ اربعہ کا اختلاف اصول میں نہیں فروع میں ہے جو کہ صحیح ہے۔

عقیدہ نمبر(۴) اجماع کا انکار

تمام اہلسنّت والجماعت اجماع امت کو دلیل مانتے ہیں لیکن یہ غیر مقلدین اور مسعودی فرقہ اسکو اجماع کا نام ہی نہیں دیتا بلکہ اجماع کی ایک ایسی تعریف کرتا ہے جوکہ ہمارے آباؤ اجداد نے بھی کبھی نہیں سنی اور نہ یہ اجماع ہوسکتا ہے لکھتا ہے۔

"اجماع امت سے مراد یہ ہے کہ صحابہؓ سے لیکر قیامت تک سب مسلم اس پر اتفاق کرلیں"

(خلاصہ تلاش حق صفحہ ۱۱۷)

اور یہ تعریف اجماع کی نہ قرآن میں ہے نہ سنت میں نہ اصول میں اسی لئے مسعود احمد نے کوئی حوالہ نہیں دیا اور اجماع کا منکر بنص قرآن و حدیث جہنمی ہے جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے۔

"ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ماتولّی ونصلہ جھنم وسآءت مصیرًا"

(سورنساء آیت ۱۱۵)

ترجمہ: "اور جو کوئی مخالفت کرے رسول کی جب کہ کھل چکی اس پر سیدھی راہ اور چلے سب مسلمانوں کے رستہ کے خلاف تو ہم حوالہ کریں گے اسکو وہی طرف جو اس نے اختیار کی اور ڈالیں گے ہم اسکو دوزخ میں اور وہ بہت بری جگہ پہنچا"

فائدہ: اکابر علماء نے اس آیت سے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ اجماع امت کا مخالف اور منکر جہنمی ہے یعنی اجماع امت کو ماننا فرض ہے حدیث میں وارد

ہے کہ اللہ کا ہاتھ مسلمانوں کی جماعت پر ہے جس نے جدا راہ اختیار کی وہ دوزخ میں جاپڑا (عثمانی صفحہ ۱۲۵)

اور یہ حدیث بھی ہے **"علیکم بسنّتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین عضوا علیھا بالنواجذ"**

(ابن ماجہ صفحہ ۵)

ترجمہ: "تم پر میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت لازم ہے ان کو مضبوطی سے پکڑو" اور یہ بھی حدیث میں وارد ہے کہ میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی۔اس سے بھی ظاہر ہے کہ اجماع امت کو ماننا ضروری اور واجب ہے اور جو انکار کرے وہ دوزخی ہے۔

عقیدہ نمبر(۵) اجتہاد کا انکار

تمام اہلسنّت والجماعت کا اتفاق ہے کہ **"القیاس مظھر لامثبت"**

ترجمہ: "قیاس کتاب وسنت کے پوشیدہ مسائل کو تلاش کرنے کا نام ہے نہ کہ ازخود مسائل گھڑنے اور شریعت سازی کا نام ہے" اہلسنّت والجماعت کا اتفاق ہے کہ مجتہد شارع یعنی شریعت ساز نہیں ہوتا بلکہ شارح یعنی کتاب و سنت کی تشریحات کا ماہر ہوتا ہے وہ اجتہادی مسائل میں واسطہ فی البیان اور واسطہ فی التفہیم ہوتا ہے بانی فرقہ نے جس طرح اسلام کا معنی بگاڑا ' اجماع کا معنی بگاڑا ' تقلید کا معنی بگاڑا ' اسی طرح اجتہاد کا معنی بھی بگاڑا اہلسنت و الجماعت کے نزدیک اجتہاد کا معنی ہے کتاب وسنت کے پوشیدہ مسائل کی

تلاش اور مسعود احمد نے اسکا معنی بگاڑا اور کہا کہ اجتہاد نام ہے قرآن و سنت کے خلاف مسائل گھڑنا اور کتاب و سنت کے خلاف شریعت سازی کرنا یہ مطلب محض جھوٹ اور افتراء ہے کسی مجتہد سے بانی فرقہ اجتہاد کا یہ مطلب ثابت نہیں کرسکتا اجتہاد قرآن و سنت سے ثابت ہے بلکہ مجتہد پر اجتہاد واجب ہے قرآن و سنت کے پوشیدہ مسائل میں۔اور عامی پر تقلید واجب ہے اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے "**واتّبع سبیل من اناب الیّ**"

(سورۃ لقمٰن آیت ۱۵)

ترجمہ: "اور راہ چل اس کی جو رجوع ہوا میری طرف" یعنی پیغمبروں اور مخلص بندوں کی راہ پر چل دین کے خلاف ماں باپ کی تقلید یا اطاعت مت کر

(عثمانی صفحہ ۵۳۴)

حدیث میں ہے "**عن معاذ بن جبلؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لمابعثہ الی الیمن قال کیف تقضی اذا عرض لک قضاء قال اقضی بکتاب اللہ قال فان لم تجد فی کتاب اللہ قال بسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فان لم تجد فی سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اجتہد برائی ولا آلو قال فضرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدرہ وقال الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما یرضی بہ رسول اللہ**"

ترجمہ: "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معاذ بن جبلؓ کو یمن کا قاضی بناکر روانہ فرمایا تو پوچھا کہ اگر کوئی قضیہ پیش آجائے تو کس طرح فیصلہ کرو گے؟ عرض کیا کہ کتاب اللہ کے موافق فیصلہ کروں گا فرمایا اگر وہ مسئلہ

کتاب اللہ میں نہ ہو؟ تو عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے فیصلہ کروں گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اس میں بھی نہ ملے عرض کیا کہ میں اس وقت اجتہاد و استنباط کرکے اپنی رائے سے فیصلہ کروں گا اور تلاش حق میں کوئی کسر نہیں چھوڑوں گا (معاذؓ فرماتے ہیں کہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر (اظہار مسرت سے) اپنا دست مبارک میرے سینہ پر مارا اور فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اللہ کے رسول کے قاصد کو اس بات کی توفیق دی جس پر اللہ کا رسول راضی ہے" یہ واقعہ اجتہاد اور تقلید کے مسئلہ میں ایسی شمع ہدایت ہے کہ اس پر جتنا غور کیجئے اس مسئلہ کی گھتیاں سلجھتی چلی جاتی ہیں یہاں ہمیں اس واقعہ کے صرف ایک پہلو پر توجہ دلانا مقصود ہے اور وہ یہ کہ آپ نے اہل یمن کے لئے اپنے فقہاء صحابہؓ میں سے صرف ایک جلیل القدر صحابی کو بھیجا اور انہیں حاکم و قاضی معلم و مجتہد بناکر اہل یمن پر لازم کردیا کہ انکی اتباع کریں انہیں صرف قرآن وسنت پر ہی نہیں بلکہ قیاس و اجتہاد کے موافق فتوے صادر فرمانے کی بھی اجازت فرمائی۔ اگر اجتہاد شریعت سازی ہی کا نام ہے تو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کیا اسکی اجازت عطا فرماسکتے تھے؟

عقیدہ نمبر(۶) فتووں کا انکار

مسعود احمد کا رسالہ بنام "فتوے اسلام نہیں" میں مصنف نے فتووں کی تحقیر کی ہے تو کیا امام بخاریؒ نے جو تعلیقات میں صحابہؓ و تابعین کے فتاویٰ ذکر

کئے ہیں وہ اسلام نہیں ؟ اور کیا صحابہ کرامؓ کے ہزاروں فتاویٰ جو کہ مصنّف ابن ابی شیبہ اور مصنّف عبدالرزاق میں ہیں شریعت سازی ہے ؟ اور کیا تمام صحابہؓ بھی شریعت ساز تھے؟ فتویٰ تو سوال کا جواب ہوتا ہے اسکو فتویٰ اس لئے بولتے ہیں کہ یہ **فتی یفتو فتوًا** سے ہے ۔ بمعنی مضبوط تو عالم و مفتی کا جواب بھی قوی و مضبوط ہوتا ہے اس لئے فتویٰ بولتے ہیں ورنہ فتویٰ کے کوئی سینگ نہیں ہوتے۔

عقیدہ نمبر(۷) فقہ کا انکار

بانی فرقہ نے فقہ کو برا جانا اور اس کا انکار کیا اور مطلق فقہ کو مانتا ہی نہیں ہے اور کہا کہ یہ خود ساختہ ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

"فقہ کے بے شمار مسائل خود ساختہ ہیں" وللاکثر حکم الکل" کے مصداق یہ فقہ خود ساختہ ہے۔

(التحقیق فی جواب التقلید صفحہ نمبر ۷۷)

تو فقہ کے بارے میں عرض ہے کہ اسکی بہت فضیلت ہےاور فقیہ کی بہت تعریفات آئی ہیں اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے

"وما کان المؤمنون لینفروا کافۃ فلو لانفرمن کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین و لینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون"

(سورہ التوبہ آیت ۱۲۲)

ترجمہ: "اور ایسے تو نہیں مسلمان کہ کوچ کریں سارے سو کیوں نہ نکلا ہر فرقہ میں سے ان کا ایک حصہ تاکہ سمجھ پیدا کریں دین میں اور تاکہ خبر

پہنچائیں اپنی قوم کو جبکہ لوٹ کر آئیں انکی طرف تاکہ وہ بچتے رہیں" اس آیت میں دو طبقوں کا ذکر ہے مجاہدین کا اور فقہاء کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسلام کی سربلندی کا مدار ان ہی دو طبقوں پر رکھا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے **"سمعت معاویۃؓ خطیبا یقول سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول من یرد اللہ بہ خیرًا یفقھہ فی الدین وانما انا قاسم واللہ یعطی ولن تزال ھذہ الامۃ قائمۃ علی امر اللہ لایضرھم من خالفھم حتی یاتی امر اللہ"**

(بخاری صفحہ ۱۶ ج ۱ باب من یرد اللہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین)

حاشیہ نمبر ۸ میں ہے **"ولن تزال ھذہ الامۃ قال النووی یحتمل ان یکون ھذہ الطائفۃ من انواع المؤمنین فمنھم مقاتلون ومنھم فقھاء ومنھم محدثون ومنھم زھاد"**

صحیح مسلم میں ہے **"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یرد اللہ بہ خیرًا یفقھہ فی الدین ولا تزال عصابۃ من المسلمین یقاتلون علی الحق ظاہرین علی من ناواھم الی یوم القیمۃ"**

(صحیح مسلم صفحہ ۱۴۳ باب قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتزال طائفۃ من امتی ظاہرین علی الحق لا یضرھم من خالفھم)

مجاہدین کا کام ملک گیری ہے کہ کفار سے ملک چھین کر اسلامی مملکت میں شامل کریں اور فقہاء کا کام اس میں اسلامی قانون نافذ کرانا ہےاسلامی تاریخ گواہ ہے کہ جہاد کی کمان اور فقہ میں اولویت اور برتری ہمیشہ اہلسنت خصوصاً" احناف کو حاصل رہی جبکہ غیر مقلدین دونوں کاموں میں نہ صرف

صفر بلکہ دونوں کاموں کے مخالف ہیں اس آیت کے اولین مخاطب صحابہؓ تھے جنکی مادری زبان عربی تھی وہ کتاب و سنت کا مطلب ہم سے بہت اچھا سمجھتے تھے انکو فقیہ بننے کا حکم دینا اور دوسرے عربی دانوں کو فقہاء کے مسائل پر عمل کرنے کا حکم دے کرتادیا کہ فقہ صرف ترجمہ کا نام نہیں ہے خاص علمی گہرائی و گیرائی کا نام ہے جو ہر عربی دان کو بھی میسر نہیں امام بخاریؒ فرماتے ہیں "یسمی الرجل طائفۃ"

(بخاری صفحہ ۱۰۷۶ ج-۲)

ہر قوم کا ایک ایک فقیہ تھا جس کا مذہب اس قوم میں متواتر ومعروف تھا
- **"فمال هٰؤلاء القوم لايكادون يفقهون حديثًا"**

(آل عمران آیت ۷۸)

"وجعلنا على قلوبهم اكنةً ان يفقهوه وفى اٰذانهم وقرًا"

(انعام آیت ۲۵) (بنی اسرائیل آیت ۴۶) (کہف ۵۷)

"وقد فصلنا الاٰيٰت لقوم يفقهون" (انعام آیت ۹۹)

"وطبع على قلوبهم فهم لايفقهون"

(سورہ توبہ ۸۷) (منافقون آیت نمبر ۳)

"صرف الله بانهم قوم لايفقهون"

(توبہ آیت نمبر ۱۲۷)

"لهم قلوب لايفقهون بها"

اعراف آیت نمبر ۱۷۹

"ذلك بانهم قوم لايفقهون"

(حشر آیت ۱۳)

"ولكن المنفقين لايفقهون" (منٰفقون آیت ۷)

"رُبَّ حامل فقہٍ" (الحدیث)

"من یرد اللہ بہ خیرًا یفقھہ فی الدّین" (الحدیث)

"فقیہ واحد اشد علی الشیطٰن من الف عابد"

(الحدیث)

اس رو سے جو مطلق فقہ کو نہ مانتا ہو کہ فقہ کی کوئی حیثیت نہیں وہ کافر ہے کیونکہ اس نے قرآن کی آیات و احادیث کا انکار کیا ہے اور آیت و حدیث کا منکر کافر ہے۔

عقیدہ نمبر(۸) لفظ "خدا" کہنا جائز نہیں

اس فرقہ کا ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ اللہ کیلئے لفظ "خدا" کا کہنا جائز نہیں اس کے متعلق لکھتے ہیں۔

> "ہمارے نزدیک اللہ اسم ذات ہے اسکا ترجمہ نہیں ہوسکتا مزید برآں "خدا" لفظ اللہ تعالٰی کے شایان شان بھی نہیں کیونکہ پارسیوں کے عقیدہ کے مطابق دو خدا ہیں ایک نیکی کا خدا دوسرا بدی کا خدا گویا ہر خدا ناقص ہے۔ اللہ کی ذات نقص سے منزہ ہے لہذا اللہ تعالٰی کے لئے لفظ "خدا" کا استعمال کرنا صحیح نہیں"

(التحقیق فی جواب التقلید صفحہ ۱۱۷)

اسکے جواب میں عرض ہے کہ اللہ تعالٰی کے لئے لفظ "خدا" استعمال

جائز ہے اور صدیوں سے اکابرین اسکو استعمال کرتے آئے ہیں اور کبھی کسی نے اس پر نکیر نہیں کی اب کچھ لوگ پیدا ہوئے ہیں جن کے ذہن پر عجمیت کا وہم سوار ہے انہیں بالکل سیدھی سادی چیزوں میں "عجمی سازش" نظر آتی ہے یہ ذہن غلام احمد پرویز اور اس کے ہمنواؤں نے پیدا کیا اور بہت سے پڑھے لکھے شعوری وغیر شعوری طور پر اس کا شکار ہوگئے ان میں سے یہ فرقہ "جماعت المسلمین" بھی ہے ۔ عربی میں لفظ "رب" مالک اور صاحب کے معنی میں ہے اسی کا ترجمہ فارسی میں لفظ "خدا" کے ساتھ کیا گیا ہے چنانچہ جس طرح لفظ "رب" کا اطلاق بغیر اضافت کے غیر اللہ پر نہیں کیا جاتا اسی طرح لفظ "خدا" بھی جب مطلق بولا جائے تو اس کا اطلاق صرف اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے کسی دوسرے کو "خدا" کہنا جائز نہیں۔ غیاث اللغات میں ہے "خدا بالضم . بمعنی مالک ' صاحب چوں لفظ خدا مطلق باشد بر غیر ذات باری تعالیٰ اطلاق نکنند مگر در صور تیکہ بچیزے مضاف شود ' چوں کد خدا ' وہ خدا" ٹھیک یہی مفہوم اور یہی استعمال عربی میں لفظ "رب" کا ہے آپکو معلوم ہوگا کہ "اللہ" تو حق تعالیٰ شانہٗ کا ذاتی نام ہے جس کا نہ کوئی ترجمہ ہوسکتا ہے نہ کیا جاتا ہے دوسرے اسمائے الٰہیہ صفاتی نام ہیں جنکا ترجمہ دوسری زبانوں میں ہوسکتا ہے اور ہوتا ہے اب اگر اللہ تعالیٰ کے پاک ناموں میں سے کسی با برکت نام کا ترجمہ غیر عربی میں کردیا جائے اور اہل زبان اسکو استعمال کرنے لگیں تو اس کے جائز نہ ہونے اور اس کے استعمال کے ممنوع ہونے کی آخر کیا وجہ ہوسکتی ہے؟ اور جب لفظ "خدا" صاحب اور مالک کے معنی میں ہے اور لفظ "رب" کے مفہوم کی ترجمانی کرتا ہے تو آپ ہی بتایئے کہ اس میں

مجوسیت یا عجمیت کا کیا دخل ہوا انگریزی میں لفظ "رب" کا کوئی اور ترجمہ نہیں کیا جائے گا ؟ اور کیا اس ترجمہ کا استعمال یہودیت یا نصرانیت بن جائیگی ؟ اگر غیر مسلم اپنے معبود کے لئے کوئی لفظ استعمال کریں اور وہ ہمارے اللہ عزو جل کے لئے بھی نام ہوسکتا ہو تو کیا انکے استعمال کرنے سے وہ نام اللہ کا نام نہیں لیا جاسکتا اور اگر ایسا مان لیا جائے تو الٰہ کا لفظ بھی اللہ کے لئے کہنا جائز نہ ہوگا کیونکہ سورہ صٓ کی آیت ہے **"اجعل الألهة الٰهاً واحداً"** (الآیۃ) اس میں الٰہ کا لفظ معبود انِ باطلہ کے لئے مستعمل ہے۔ افسوس ہے کہ لوگ اپنی ناقص معلومات کے بل بوتے پر خود رائی میں اس قدر آگے بڑھ جاتے ہیں کہ انہیں اسلام کی پوری تاریخ سیاہ نظر آنے لگتی ہے اور چودہ صدیوں کے تمام اکابر کو گمراہ یا کم از کم فریب خوردہ تصور کرنے لگتے ہیں۔ یہی خودرائی انہیں جہنم کے گڑھے میں دھکیل دیتی ہے۔

(اللہ ہم سب کو اپنی پناہ میں رکھے اٰمین یا ربّ العالمین)

عقیدہ نمبر(۹) "مولانا" کا لفظ اللہ کے علاوہ کسی کے لئے جائز نہیں

اس عقیدہ کے تحت مسعود احمد نے اپنے رسالہ "مولانا کیا اس لفظ کا استعمال غیر اللہ کے لئے جائز ہے؟" میں لکھا ہے کہ "اس لفظ کا استعمال اللہ کے علاوہ کسی کے لئے جائز نہیں ہے اور اس بات کے ضمن میں جتنی بھی

آیات میں اللہ کے ساتھ "مولیٰ" کا لفظ تھا تمام پیش کردیں پھر یہ ثابت کردیا کہ اللہ کے علاوہ کسی کے ساتھ "مولیٰ" کا لفظ لگانا جائز نہیں" اس کے جواب میں عرض ہے کہ مسعود احمد دنیاوی علوم پڑھتے رہے پھر انہوں نے سوچا کہ دین کی وجہ سے لوگوں میں میرا نام ہوجائے تو بغیر علم اور اپنی ناقص معلومات سے لوگوں کو دھوکہ دینا شروع کردیا اور ایسی ایسی باتیں نکالیں جو ہمارے باپ دادا نے بھی نہیں سنی تھیں جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس کا کم و بیش مفہوم ہے کہ "آخری زمانے میں ایسے دجال اور کذاب آئیں گے اور وہ ایسی احادیث (باتیں) لیکر آئیں گے کہ جو نہ تم نے سنی ہونگی نہ تمہارے آباء واجداد نے" تو سب سے پہلے دیکھنا چاہئے کہ "مولیٰ" کے معنی کیا ہیں ؟ تو مجموعۃ قواعد الفقہ کے رسالۃ الرابعۃ التعریفات الفقھیہ میں صفحہ ۵۱۵ میں لکھا ہے۔

"المولیٰ اسکے معنی لکھے ہیں المالک ، العبد ، المعتِق ، المعتَق ، القریب ، الناصر ، الصاحب ، وغیر ذالک من المعانی وفی الاقرب المولوی منسوب الیہ معناہ العالم الزاہد"

یعنی مولیٰ کا معنی مالک ، غلام اور آزاد کرنے والے اور جو آزاد ہوا ہے ، اور قریب اور مددگار اور صاحب اور اسکے علاوہ بہت سے معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے اور مولوی کا معنی عالم اور زاہد کا ہے۔ تو اللہ کی طرف جب اسکی نسبت ہوتی ہے تو مطلب ہوتا ہے مددگار ، مالک ، دوست ، اور جب غیر اللہ کی طرف منسوب ہو تو مطلب ہوتا ہے عالم ، زاہد ، نہ کہ اس وقت مددگار کا معنی لیا جائے تو لہٰذا مولیٰ کا استعمال غیر اللہ کے لئے بھی جائز ہے۔ اور قرآن میں بھی اللہ عزوجل نے اپنی طرف اور جبرئیلؑ اور صالح المؤمنین کی

طرف مولیٰ کی نسبت کی ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

"وان تظهرا عليه فان الله هو مولٰه و جبريل و صالح المؤمنين"

(تحریم پ ۲۸)

ترجمہ : "اور اگر تم دونوں چڑھائی کروگی اس پر تو اللہ ہے اس کا رفیق اور جبرئیل اور نیک بخت ایمان والے" اور حدیث شریف میں بھی مولیٰ کا لفظ غیر اللہ کیلئے استعمال ہوا ہے جیساکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے **"مولی القوم منهم"** اور موسوعۃ فقہ الحسن البصری کے صفحہ ۲۰، تہذیب التہذیب کے ۲۶۳ ج۔۲، البدایۃ والنہایۃ کے صفحہ ۲۶۶ ج۔۹، سیرالنبلاء کے صفحہ ۵۷۳ ج۔۴ پر بھی مولانا کا لفظ غیر اللہ کے لئے مستعمل ہے لہٰذا اس لفظ کا استعمال غیر اللہ کے لئے جائز ہوا۔ اور حدیث میں جو وارد ہے۔

"لا يقل العبد لسيده مولاى فان مولاكم الله عزوجل" تو اس سے مراد یہ ہے کہ اسکو آقائے حقیقی مت سمجھ لینا اور اس سے شبہ بھی ہوتا تھا کہ مولیٰ کے لفظ سے مراد کہیں رب کا معنی نہ لیا جائے اس لئے منع فرمایا اور ہم لوگ جو مولانا کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس سے مراد آقا یا مددگار نہیں بلکہ دوست اور عالم کے معنی مراد ہوتے ہیں اور اصل وجہ مسعود احمد کی مولانا کے لفظ کو شرک کہنے کی یہ ہے کہ وہ خود عالم نہیں اور لوگ اگر اس پر اعتراض کرتے کہ تم تو عالم نہیں تمہارے نام کے آگے مولانا کا لفظ نہیں تو اس اعتراض سے بچنے کے لئے اس نے یہ سارا کھیل کھیلا کہ میں اس لئے اپنے آگے مولانا کا لفظ نہیں لگاتا۔

عقیدہ نمبر(۱۰) ایصال ثواب کا انکار

یہ فرقہ ایصال ثواب کا بھی انکار کرتا ہے کہ جب کسی مسلم کا انتقال ہوجائے تواسکو پڑھ کر بخشا جائے تو اس کو ثواب نہیں پہنچتا لیکن یہ عقیدہ صحیح نہیں کیونکہ اہلسنّت والجماعت کے نزدیک ایصال ثواب بالاتفاق درست ہے اگر انسان اپنی کسی نیکی کا ثواب دوسرے شخص کو بخشتا ہے تو یہ ثواب اسے پہنچتا ہے اور عبادات کی انواع ہیں (۱) مالیہ محضہ جیسے زکوٰۃ (۲) بدنیہ محضہ جیسے نماز (۳) مرکب ہو مالی وبدنی سے جیسے حج۔ تمام عبادات کا ثواب پہنچتا ہے۔ اہلسنّت والجماعت کا یہ مسلک بہت سی آیات و احادیث سے ثابت ہے صاحب ھدایہؒ ۲۹۶ ج۔۱ پر "**باب الحج عن الغیر**" کے تحت لکھتے ہیں۔

"الاصل فی ھذا الباب ان الانسان لہٗ ان یجعل ثواب عملہٖ لغیرہٖ صلوٰۃ اوصوما اوصدقۃ اوغیر ھا عند اھل السنۃ والجماعۃ لماروی عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم انہٗ ضحی بکبشین املحین احدھما عن نفسہٖ والآخر عن امتہٖ ممن اقربوحدانیۃ اللّٰہ تعالی وشھدلہ بالبلاغ جعل تضحیۃ احدالشاتین لامتہ..... الخ"

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا ایصال ثواب جائز ہے اور پہنچتا ہے ورنہ نعوذ باللہ اس ایصال کولغو تسلیم کرنا پڑے گا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی لغو کام نہیں ہوتا نبی کا سارا کا سارا کام شریعت پر مبنی ہوتا ہے۔ یہ حدیث ابن ماجہ نے عبدالرزاق عن الثوری عن بن عقیل عن ابی سلمۃ عن عائشۃؓ وابی ھریرۃؓ نحوہ کے طریق سے ذکر کی ہے اور اس باب میں حضرت انسؓ سے بھی روایت مذکور ہے۔

(۱) "**قال ابن ابی شیبہ حدثنا ابو معاویہ عن حجاج عن قتادہ عن انسؓ قال ضحی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بکبشین املحین اقرنین قرب احدھما فقال بسم اللّٰہ اللّٰھم منک ولک ھذا عن محمد واھل بیتہ ثم قرب الاٰخر فقال بسم اللّٰہ اللّٰھم منک ولک ھذا عمن وحدک من امتی**"

(۲) حدیث خثعمیہ میں ارشاد ہے۔

"**فانہ علیہ السلام قال فیہ حجی عن ابیک واعتمری**"

حدیث خثعمیہ سوائے ابو داؤد کے صحاح ستہ میں فضل بن عباسؓ سے مروی ہے۔

"**ان امرأۃ من خثعم قالت یا رسول اللّٰہ ان ابی ادرکتہ فریضۃ اللّٰہ فی الحج وھو شیخ کبیر لایستطیع ان یستوی علی ظھر البعیر قال حجی عنہ**"

اور اس حدیث کو سوائے ترمذی کے صحاح کے پانچوں مصنفوں نے ابن عباسؓ کے طریق سے ذکر کیا ہے اور اس حدیث کے بعض طرق میں "**ذلک فی حجۃ الوداع**" اور بعض میں یہ ہے۔

" "**فھل یقضی عنہ ان احج عنہ**" **قال الترمذی قال محمد اصح شئ فی ھذا ماروی ابن عباسؓ عن الفضل بن عباسؓ** "

اور بھی اس قسم کی بہت سی احادیث ہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اجازت دی کہ دوسرے کی طرف سے حج کرو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باقاعدہ اجازت فرمائی ہے اور جس چیز کی نبی اجازت عطا کردے تو کیا وہ چیز اسلام میں منع ہوسکتی ہے ؟

(۳) ایک صحابیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ سے اپنی

والدہ کے ایصال ثواب کیلئے کنواں کھدوایا" وقال ھذہ لام سعدؓ۔

(۴) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا مات ابن آدم انقطع عملہ الا من ثلاث صدقۃ جاریۃ' او علم ینتفع بہ' او ولد صالح یدعولہ"

(رواہ مسلم' ابو داؤد و النسائی)

اس میں بھی یہ ہے کہ مرنے کے بعد اعمال ابن آدم منقطع ہوجاتے ہیں۔ سوائے تین چیزوں کے یعنی اب وہ خود تو عمل نہیں کرسکتا مگر جو اس نے کام کئے وہ جاری رہیں گے اسکی وجہ سے ثواب پہنچتا رہے گا جیسا کہ کوئی سبیل بنادی یا علماء کے لئے گھر وغیرہ بنادیا یا علم سکھایا اور وہ علم پھیلتا گیا یا نیک اولاد کو چھوڑا وہ اولاد نیک عمل کرتی رہی تو اس کا بھی اجر ملے گا۔

(آیات قرآنیہ)

(۱) "والذین جاء وامن بعد ھم یقولون ربنا اغفرلنا ولا خواننا الذین سبقو نا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنو ربنا انک رء وف رحیم"

(سورحشر آیت ۱۰)

اس آیت میں سابق مؤمنوں کیلئے دعائے مغفرت ہے۔تو اس سے بھی ایصال ثواب ثابت ہوتا ہے۔

(۲) "ویستغفرون للذین اٰمنوا"

(سورمؤمن آیت ۷)

اس میں اللہ نے حاملین عرش فرشتوں کی استغفار کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ مؤمنین کیلئے استغفار کرتے ہیں اس سے بھی ایصال ثواب ثابت ہوگیا۔

(۳) "رب ارحمھما کما ربّینی صغیرًا"

(بنی اسرائیل آیت ۲۴)

ترجمہ : "اے میرے رب ان پر رحم کر جیسا پالا انھوں نے مجھ کو چھوٹا سا" حضرت شبیر احمد عثمانیؒ نے اس کی تفسیر میں ذکر فرمایا ہے "اس لئے تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ اس بڑھاپے میں اور موت کے بعد ان پر نظر رحمت فرما" اس سے بھی ایصال ثواب ثابت ہوتا ہے۔ اور اگر آپ ایصال ثواب کا انکار کرتے ہیں تو سب سے پہلے نماز جنازہ کا انکار کریں کیونکہ سب سے پہلے یہ ہی ایصال ثواب ہے کیونکہ میت کے دوسرے مسلمان بھائی اس کے لئے پڑھتے ہیں نہ کہ مردہ خود زندہ ہو کر پڑھتا ہے۔ پس ایصال ثواب درست ہے کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے اور جو سورہ نجم میں آیت ہے۔

"وان لیس للانسان الا ماسعٰی"

اس کا مطلب یہ ہے کہ اب وہ بذات خود کچھ نہیں کرسکتا البتہ اس سے ایصال ثواب کی نفی نہیں ہوتی۔

عقیدہ نمبر ۱۱ وسیلہ کا انکار

یہ فرقہ توسّل بالانبیاء والاولیاء کا بھی انکار کرتا ہے۔ تو اصل مسئلہ یہ ہے کہ توسّل بالذات کا حاصل یہ ہے کہ اے اللہ فلاں بندہ آپ کا مورد رحمت ہے اور مورد رحمت سے محبت اور اعتقاد رکھنا بھی موجب جلب رحمت ہے

اور ہم اس سے محبت اور اعتقاد رکھتے ہیں پس ہم پر رحمت فرما۔

(۲) حضرات انبیاء علیہم السلام، اور اولیاء اللہ العظام اور صلحاء کرام کے وسیلے سے اللہ سے دعا مانگنا شرعاً" جائز بلکہ قبولیت دعا کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے مستحسن اور افضل ہے۔ قرآن و حدیث کے اشارات و تصریحات سے اس قسم کا توسل بلاشبہ ثابت ہے۔

قرآن سے توسل کا ثبوت

"ولما جاء هم كتب من عند اللہ مصدق لما معهم و كانوا من قبل يستفتحون على الذين كفروا الخ"

(سورہ بقرہ آیت ۸۹)

ترجمہ : "اور جب پہنچی ان کے پاس کتاب اللہ کی طرف سے جو سچا بتاتی ہے اس کتاب کو جو ان کے پاس ہے اور پہلے سے فتح مانگتے تھے کافروں پر "**یستفتحون**" کا مصدر "**استفتاح**" ہے اس کے ایک معنی ہیں مدد طلب کرنا۔ علامہ شوکانی" تفسیر فتح القدیر ص ۹۰ ج ۱ میں لکھتے ہیں "**والا ستفتاح الاستنصار** علامہ فرماتے ہیں "**نزلت فی بنی قریظة والنضیر كانوا يستفتحون على الأوس والخزرج برسول اللہ صلى اللہ عليه وسلم قبل بعثه قاله ابن عباس وقتادة..... الخ**

اور یوں کہا کرتے تھے **اللھم انا نسئلک بحق نبیک الذی و عدتنا ان تبعثه فی اٰخر الزمان ان تنصرنا الیوم علی عدو نا فینصرون**

(روح المعانی)

دیکھئے جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم دنیا میں تشریف فرما نہیں ہوئے تھے اس وقت بھی اہل کتاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کر کے فتح یاب ہوتے تھے اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو بیان کر کے قرآن مجید میں اس قسم کے توسل کی کہیں تردید نہیں فرمائی پھر کیا اس کے جواز میں شبہ کرنا جائز ہے؟

حدیث شریف سے توسل کا ثبوت

"عن عثمان بن حنيف ان رجلا ضرير البصراتى النبى صلى اللہ عليه وسلم قال ادع لى ان يعا فينى (الى قوله) اللهم انى اسئلك وا توجه اليك بمحمد نبى الرحمه اه قال ابو اسحق هذا حديث صحيح"

(ابن ماجہ ص ۱۰۰)

ترجمہ : "ابن ماجہ میں باب صلوٰۃ الحاجہ میں عثمان بن حنیفؓ سے روایت ہے کہ ایک نابینا شخص نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو عافیت دے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تو چاہے تو اس کو ملتوی رکھوں اور یہ زیادہ بہتر ہے اور اگر تو چاہے تو دعا کروں اس نے عرض کیا کہ دعا کردیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حکم دیا کہ اچھی طرح وضو کرے اور دو رکعت نماز پڑھے اور یہ دعا کرے "اے اللہ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں اور آپ کی طرف

متوجہ ہوتا ہوں بوسیلہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی رحمت کے۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ کے وسیلے سے اپنی اس حاجت میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا ہوں تاکہ وہ پوری ہو جائے اے اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت میرے حق میں قبول کیجئے"۔

انجاح الحاجہ (حاشیہ ابن ماجہ) میں ہے کہ اس حدیث کو نسائی اور ترمذی نے کتاب الدعوات میں نقل کیا ہے اور ترمذی نے "حسنٌ صحیحٌ" کہا ہے اور بیہقی نے تصحیح کی ہے۔

فائدہ : اس سے توسل صراحتاً" ثابت ہوا اور چونکہ آپ کا اس کے لئے دعا فرمانا کہیں منقول نہیں اس سے ثابت ہوا کہ جس طرح توسل کسی کی دعا کا جائز ہے اسی طرح دعا میں کسی کی ذات کا بھی جائز ہے۔ اور یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ توسل بالا عمال کا ہر کوئی قائل ہے مگر غیر مقلدین توسل بالذات کے قائل نہیں تو ان کی خدمت میں عرض ہے کہ ذات کا وسیلہ بھی اسی وجہ سے دیا جاتا ہے کہ اس شخص کے اعمال اچھے ہوتے ہیں ورنہ بداعمال شخص کا وسیلہ تو کہیں بھی ثابت نہیں۔

تمت والحمد للہ علیٰ ذلک حمداً کثیراً ، الحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات

نوٹ : کچھ اختلافی مسائل اعمال کے قبیل سے بھی ہیں مثلاً" رفع یدین، قراءۃ خلف الامام، طلاقِ ثلاث وغیرہ، مگر اس کتاب میں چونکہ عقائد کا جائزہ لیا گیا ہے اس لئے ان اختلافات کا ذکر نہیں کیا اور ویسے بھی ان اختلافی مسائل پر علمائے حق نے بہت تفصیل سے بحث کی ہے جن کو ضرورت ہو وہاں رجوع فرمالیں۔

اللہ اس کتاب کو بندہ سمیت پوری امت کیلئے ذریعہ ہدایت بنائے اور شرف قبولیت عطا فرمائے (آمین)

مسعودی فرقہ کے وساوس کے جوابات

وسوسہ نمبر ۱:۔

کیا رسول اللہ ﷺ اہل حدیث، حنفی، شافعی، حنبلی یا مالکی تھے؟

الجواب:۔

اہل حدیث اور اہل قرآن دو فرقے انگریز کے دور میں بنے۔ فرقہ کو مذاہب اربعہ کے ساتھ شمار کرنا جہالت کی دلیل ہے۔ اہل اسلام کی کتابوں میں مذاہب اربعہ کا ہی ذکر ملتا ہے۔ ان چار کی اصول و فروع کی کتابیں ہیں۔ خود بانی فرقہ کو اعتراف ہے کہ اہل حدیث پہلے زمانے میں محدث کو کہتے تھے جو اہل صرف، اہل نحو، اہل منطق کی طرح ایک علمی طبقہ ہے نہ کہ مذہبی فرقہ۔ ہاں دور برطانیہ میں یہ فرقہ کا نام ہو گیا۔ جو لامذہب ہے۔ شاید کل کو بانی فرقہ یوں بھی وسوسہ چھوڑے کہ کیا رسول اللہ ﷺ اہل صرف، اہل نحو، اہل منطق کہلاتے تھے؟ اب سمجھئے کہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کیا ہیں؟ جن کی صحیح ترتیب بھی بانی فرقہ کو معلوم نہیں۔ ائمہ اربعہ بلکہ سب مجتہدین کا اعلان ہے "القیاس مظہر لا مثبت" (نور الانوار) کہ قیاس سے مسائل گھڑے نہیں جاتے بلکہ کتاب و سنت کی تہ میں پوشیدہ مسائل کو اصول شرعیہ کی مدد سے ظاہر کیا جاتا ہے جیسے کنواں کھودنے والا پانی کو پیدا نہیں کرتا۔ ہاں خدا کے پیدا کئے ہوئے پوشیدہ پانی کو ظاہر کرتا ہے۔ اب بانی فتنہ کا مجتہدین کو شریعت ساز کہنا ایسی ہی جہالت ہے کہ وہ کنواں کھودنے والے کو "خالق الماء" کہے۔

تو ائمہ رحمہم اللہ نے جب کتاب و سنت کے ہی پوشیدہ مسائل کو ظاہر فرمایا تو ان کی تقلید میں ان مسائل پر عمل کرنا کتاب و سنت پر ہی عمل ہے جیسے کسی کے کنوئیں سے پانی پینا، خدا کا ہی پیدا کیا ہوا پانی پینا ہے۔ خود بانی فرقہ کو یہ بات معلوم ہے۔ چنانچہ لکھتا ہے: "اس میں شک نہیں کہ چاروں اماموں نے جن اصول پر مسائل کی بنیاد رکھی وہ اصول سنت ہے کیونکہ ان لوگوں نے مسائل کو قرآن و حدیث کی روشنی میں حل کیا اور قرآن و حدیث کو چھوڑ کر کسی

اور شخص کے قول کو دلیل نہیں بنایا نہ اس کو حجت سمجھا لہٰذا ان کا یہ طریقہ بے شک سخت تھا اور وہ چاروں برحق تھے" (خلاصہ تلاش حق ص ۸۸) صاف اعتراف کرلیا کہ ان کتاب وسنت کے ہی مسائل ہیں کیونکہ ان کے اصول سنت پر مبنی ہیں جیسے حساب کے قاعدوں سے جو جواب نکلے اس کو حساب کا جواب کہا جاتا ہے نہ کہ سوال نکالنے والے کی ذاتی رائے۔ اب سوال ہے کہ یہ مسائل جو کتاب وسنت کے مسائل ہیں حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں موجود تھے یا نہیں؟ تو یقیناً موجود تھے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس وقت ان مسائل کا یہ نام نہ تھا کہ فقہ حنفی کے مسائل کہا جاتا۔ جیسے قرآن پاک کی ساتوں قراءتیں حضور ﷺ کے زمانہ میں موجود تھیں لیکن اس وقت ان کا نام قاری عاصم کی قراءت، قاری حمزہ کی قراءت نہیں تھا اسی طرح صحاح ستہ کی صحیح احادیث رسول پاک ﷺ کی ہی احادیث ہیں مگر اس وقت ان احادیث کو یہ نہیں کہتے تھے کہ یہ بخاری کی حدیث ہے وہ نسائی کی فلاں ابن ماجہ کی ہے فلاں ابوداؤد کی۔ تو اگر فقہ کا انکار صرف اس وجہ سے ہے کہ اس کا نام اس وقت فقہ حنفی نہ تھا تو اس قرآن کا بھی انکار کردو کیونکہ اس وقت اس کا نام قاری عاصم کی قراءت نہ تھا اور صحاح ستہ کی احادیث کا بھی انکار کردو کہ حضور ﷺ کے زمانے میں ان کو صحاح ستہ کی احادیث نہیں کہا جاتا تھا یا قرآن کی کسی آیت یا صحیح حدیث سے یہ فرق بیان کرو کہ قرآن کو ماننے کے لئے سات قاریوں کے نام قرآن میں دکھانے ضروری نہیں۔ صحاح ستہ کی احادیث کو ماننے کے لئے صحاح ستہ والوں کے نام قرآن وحدیث میں دکھانے ضروری نہیں لیکن فقہ کو ماننے کے لئے ائمہ فقہ کا نام قرآن وحدیث میں دکھانا ضروری ہے۔

چور پکڑا گیا

دراصل فقہ کو ماننے کا حکم قرآن پاک کی نصوص اور احادیث متواترۃ المعنی میں ہے اور

بانی فرقہ مطلق فقہ کا ہی منکر ہے اور قرآن کی ان آیات اور احادیث کا منکر ہے۔ ہمارا مطالبہ یہ تھا کہ ایک آیت یا ایک حدیث ہی پیش کریں کہ اللہ تعالیٰ نے یا رسول اللہ ﷺ نے فقہ کو ماننے سے منع کیا ہو وہ یہ قیامت تک پیش نہیں کرسکتا اور اگر فقہ کو مانتا ہے تو اپنے اصول فقہ اور فروع فقہ کی جامع کتب پیش کرو، وہ بھی اس کے پاس نہیں تو اپنی اس چوری کو چھپانے کے لئے الٹا سوال کردیا جیسے کوئی منکر قرآن کہے کہ تم قاری عاصم کا قرآن پڑھتے ہو نہ کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا، تم قاری عاصم کا نام قرآن میں دکھاؤ ورنہ میں قرآن کو نہیں مانتا یا کوئی منکر حدیث کہے کہ تم بخاری عجمی کی حدیثیں مانتے ہو نہ کہ محمد عربی کی، تم کسی حدیث میں بخاری عجمی کا نام دکھاؤ ورنہ میں حدیث کو نہیں مانتا۔ شاباش بانی فرقہ نے اپنی جہالت سے کیا وسوسہ گھڑا کہ اس اصول پر خود قرآن وحدیث کا ثبوت مشکل ہوگیا۔

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

وسوسہ نمبر۲:۔

کیا اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے مذاہب خمسہ یعنی اہل حدیث، حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی میں سے کسی ایک کی پیروی کا حکم دیا تھا؟

الجواب:۔

جی ہاں جیسے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ قرآن پڑھو جس قدر آسان ہو اور آج ہم قرآن قاری عاصم کوفی ہی کی متواتر قراءت پر پڑھ رہے ہیں اس کے بغیر اس حکم خداوندی پر عمل ممکن ہی نہیں۔ اسی طرح اللہ نے حکم دیا کہ تم منیب کی اتباع کرو اور یہاں مذہب حنفی کے سوا کسی منیب کا مذہب عملاً متواتر ہی نہیں اور اس پر عمل کیے بغیر اس حکم الٰہی کو ماننے کا کوئی طریقہ ہی نہیں۔ آپ ہی فرمائیے کیا رسول اللہ ﷺ نے بخاری اور ترمذی کی احادیث کے ماننے کا حکم دیا تھا؟ آپ ﷺ نے کراچی کے ۱۳۹۵ھ میں بننے والے بدعتی فرقے میں شامل ہونے کا حکم دیا تھا؟ صریح حدیث سے جواب دیں۔

وسوسہ نمبر۳:۔

کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ تشریف لانے کے بعد منزل من اللہ دین اسلام کی پیروی کریں گے یا مذاہب خمسہ میں سے کسی ایک کی؟

الجواب:۔

یہ بات تو یقینی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام مسعودی فرقے کی طرح لامذہب نہیں ہوں گے۔ وہ منصوص مسائل میں نصوص کی اور اجتہادی مسائل میں خود مجتہد اور صاحب مذہب ہوں گے البتہ بعض بزرگوں کے کشف سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اجتہادات سیدنا امام اعظم رحمہ اللہ کے اجتہادات کے موافق ہوں گے اور یہ کشف کسی آیت یا حدیث کے خلاف نہیں اور اسلام منزل من اللہ وہی ہے جو تشریعاً "کتاب و سنت میں منصوص ہے اور تفریعاً"

اجماع وقیاس سے واضح ہے جب آپ نے خود اعتراف کیا ہے کہ ائمہ اربعہ کے مسائل قرآن وحدیث سے ماخوذ ہیں تو ان کو منزل من اللہ کے مقابل رکھنا جہالت ہی نہیں بے حیائی بھی ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے "بے حیا باش وہرچہ خواہی کن"۔ سوال کرنے سے پہلے ہمارے دعویٰ کو یاد کرلو کہ اجتہادی مسائل میں مجتہد پر اجتہاد واجب ہے اور غیر مجتہد پر تقلید اور غیر مقلد پر تعزیر واجب ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے مجتہد ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر جاہل بھی مجتہد بن بیٹھے۔

وسوسہ نمبر۴:۔

کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں دوبارہ تشریف لاکر "مسلم" کہلائیں گے یا اہل حدیث، حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی، دیوبندی، بریلوی، سنی، شیعہ وغیرہ؟

الجواب:۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسلم بمعنی غیر مقلد تو ہرگز نہیں کہلائیں گے نہ ہی وہ بانی فرقہ پر ایمان لانے کو فرض جانیں گے' اس وسوسے میں تو جہالت کے ساتھ جھوٹ کی بھی حد کر دی کیا حنفی، مالکی، شافعی، دیوبندی، مسلم نہیں کہلاتے؟ کتنا بڑا جھوٹ ہے کہ وہ مسلم نہیں کہلاتے' یہ ایسا ہی وسوسہ ہے کہ بانی فتنہ کراچوی کہلاتے ہیں یا پاکستانی۔ جس طرح کراچی کو پاکستان سے باہر سمجھنے والا جاہل اور کذاب ہے اس سے بڑا جاہل اور کذاب وہ ہے جو حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی کو غیر مسلم سمجھتا ہے بلکہ ان سب کو غیر مسلم کہنے والا بنص حدیث خود غیر مسلم ہے۔

وسوسہ نمبر۵:۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہمارا نام مسلمین رکھا (الحج ۷۸) کیا اللہ تعالیٰ کے نام رکھنے کے بعد کوئی اور فرقہ وارانہ نام رکھا جاسکتا ہے؟ تو کیا یہ شریعت سازی نہیں؟

الجواب:۔

اللہ تعالیٰ نے ۱۳۹۵ھ میں کراچی میں مسعود کے بنائے ہوئے بدعتی فرقے کا نام کہیں مسلمین یعنی غیر مقلدین نہیں رکھا، جیسا کہ قادیانیوں کے شہر ربوہ کا نام اللہ تعالیٰ نے ہرگز نہیں رکھا اگرچہ قرآن میں دو جگہ ربوہ کا لفظ موجود ہے مگر قادیانیوں کے ربوہ کے ساتھ قرآنی الفاظ کا کوئی تعلق نہیں۔ اسی طرح مسعودی فرقہ جو قادیانیوں کے ربوہ کے بھی بعد بنا اس کا تعلق قرآن و حدیث میں مذکور لفظ مسلمین سے کیسے ہو سکتا ہے؟ مسلم نام کے بعد کسی دوسرے امتیاز کے لئے نام رکھنے سے قرآن و حدیث میں کہیں منع نہیں کیا گیا۔ اس کو اپنی طرف سے منع کرنا یقیناً شریعت سازی ہے۔ جس طرح یہود کے احبار و رھبان اپنی طرف سے حرام و حلال کرتے تھے اسی طرح بانی فتنہ نے محض اپنی طرف سے اس کو ناجائز کہا ہے، جو شریعت سازی ہے۔ قرآن پاک میں آل یعقوب علیہ السلام کو مسلم کے ساتھ اہل کتاب یہود نصاریٰ کہا گیا ہے یہ مسلم کے ساتھ ہی نام ہیں یا نہیں ہاں قرآن پاک (سورہ یونس آیت ۹۰) میں ہے کہ فرعون اپنے آپ کو "انا من المسلمین" کہتا تھا۔ اس کہنے کے بعد اس نے واقعتاً اپنا کوئی نام نہیں رکھا تو مسعود صاحب کا پیش رو یقیناً وہی ہے۔ کیا مسعود صاحب قرآن حدیث سے ثابت کر سکتے ہیں کہ فرعون نے آخری وقت میں "انا من المسلمین" کہنے کے بعد اپنا کوئی اور دینی نام بھی رکھا ہو؟ مسعود صاحب بہرحال آپ اکیلے نہیں آپ کا اتنا بڑا ساتھی اور بھی ہے اور منافقین کو بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا۔ "قولوا سلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم" کہو اپنے آپ کو مسلمین کیونکہ تمہارے دلوں میں ایمان ہی نہیں (حجرات ۱۴) دیکھئے یہ آپ کے پیش رو مسلمین ہیں جن کا دل ایمان سے خالی تھا اور آپ کے بارے میں بھی رسول اقدس ﷺ نے پیشگوئی فرمائی تھی۔ "عن علیؓ قال قال رسول اللّٰہ

ﷺ یوشک ان یاتی علی الناس زمان لا یبقیٰ من الاسلام الا اسمہ ولا یبقی من القرآن الا اسمہ مساجدھم عامرۃ وھی خراب من الھدیٰ علماءھم شر من تحت ادیم السماء من عندھم تخرج الفتنۃ وفیھم تعود" (مشکوٰۃ)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایسا زمانہ آئے گا کہ نام مسلمین کے اور اسلام کی کوئی چیز ان میں نہیں ہوگی ان مسلمین کی مساجد بہت آباد نظر آئیں گی مگر ہدایت سے خالی و برباد ہوں گی (آپ کی مسجد دیکھ کر حضور ﷺ کے مبارک الفاظ کا پورا مصداق سامنے آگیا) ان مسلمین کے علماء خدا کے آسمان کے نیچے سب سے بڑے شرارتی ہوں گے ان سے فتنوں کے سوا کچھ نہیں نکلے گا، ان کا اوڑھنا بچھونا وہ فتنے ہی ہوں گے۔ مسعود صاحب جس نے مسلمین کے مولوی دیکھے ہیں ان کو اس حدیث کے مضمون میں ذرہ بھر بھی شک نہیں ہو سکتا۔ "ہر کہ شک آرد کافر گردد"۔ کیا آپ کے نزدیک وہ تمام فقہاء اور محدثین اور سلاطین اسلام جن کا ذکر طبقات حنفیہ، طبقات مالکیہ، طبقات شافعیہ اور طبقات حنابلہ میں ہے، وہ سب غیر مسلم ہیں؟ بخاری شریف میں بعض تابعین کے عثمانی اور علوی کہلانے کا ذکر ہے۔ وہ بھی سب غیر مسلم ہیں؟

وسوسہ نمبر ۶:۔

ایک نبی کی امت ہونے کی حیثیت سے کیا ساری امت کا نام اہل حدیث، حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، دیوبندی، بریلوی، سنی، شیعہ وغیرہ ہو سکتا ہے؟

الجواب:۔

ایک خدا کے ایک قرآن کی جس طرح سات قراءتیں ہیں ان میں سے ہر قراءت مکمل قرآن ہے اسی طرح مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب پر عمل کرنا پوری سنت پر عمل

کرنا ہے۔ جس طرح ساتوں قراءتیں قرآن ہی کہلاتی ہیں اسی طرح سارے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی امت محمدیہ ﷺ ہی ہیں، البتہ ۱۳۹۵ھ کا مسعودی فرقہ رسول ﷺ کو چھوڑ کر مسعود احمد کو امام مفترض الطاعۃ مانتا ہے وہ یقیناً امت سے خارج ہے۔

وسوسہ نمبر ۷:۔

کیا مذاہب خمسہ یعنی اہل حدیث، حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی، رسول اللہ ﷺ پر نازل کیے گئے تھے؟

الجواب:۔

جب آپ نے خود مانا کہ ائمہ اربعہ کے مسائل قرآن وحدیث کی روشنی میں حل ہوئے اور وہ سنت اور حق ہیں تو یہ منزل من اللہ کی ہی تشریح ہوئی۔ اہل حدیث تو لامذہب ہیں۔

وسوسہ نمبر ۸:۔

کیا مذاہب خمسہ کا مجموعہ اسلام ہے، یا ہر مذہب علیحدہ علیحدہ مکمل دین اسلام ہے؟

الجواب:۔

مذاہب اربعہ کی مثال قرآن کی سات قراءتوں کی ہے، ہر قراءت مکمل قرآن ہے، اسی طرح ہر مذہب مکمل سنت ہے، آپ کے یہ سارے وساوس قرآن، سنت پر مبنی نہیں بلکہ شیعہ سے چوری کیے ہوئے ہیں، اگر آپ چوری ثابت ہونے پر ہاتھ پاؤں کٹوانے کو تیار ہیں تو ہم پوری نشان دہی کر دیں گے۔

وسوسہ نمبر ۹:۔

اگر مذاہب خمسہ کا مجموعہ اسلام ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے حکم "ادخلوا فی السلم کافۃ" دین اسلام میں پورے داخل ہو جاؤ (البقرہ ۲۰۸) کے تحت ان مذاہب کے پیروکار اپنے مذاہب کے علاوہ باقی مذاہب پر عمل کیوں نہیں کرتے صرف ایک حصہ پر عمل کیوں ہو رہا ہے؟

الجواب:۔

آپ کا یہ وسوسہ بھی کتاب وسنت پر مبنی اور منزل من اللہ نہیں۔ ہاں شیعوں سے چوری کیا ہوا ہے۔ جس طرح تمام سات قراءتوں کا ہر شخص کو پڑھنا ضروری نہیں صرف ایک قراءت پر تلاوت کرنے سے پورے قرآن کی تلاوت کا ثواب ملتا ہے، آپ جیسا جاہل کہے گا کہ ساتواں حصہ قرآن پڑھا گیا اور چھ (۶) حصے ضائع ہو گئے۔ جاہل میاں صاحب! منزل محمدی میں داخلے کے چار راستے ہیں جب ایک راستے سے داخل ہونے سے مقصد پورا ہو گیا تو یہ کہنا کہ جو چاروں راستوں پر مکمل طور پر نہ چلے وہ پورا منزل میں داخل نہیں ہو گا۔ یہ کوئی عقل مند تو نہیں کہہ سکتا۔ جس فرقے کا امیر اتنا عقل مند ہو تو اس فرقہ کے غریبوں کا کیا حال ہو گا۔

وسوسہ نمبر ۱۰:۔

اگر ان مذاہب خمسہ میں سے ہر ایک مکمل دین اسلام ہے تو کیا رسول اللہ ﷺ پر پانچ اسلام نازل ہوئے تھے یا ایک؟

الجواب:۔

دیکھیے اس وسوسے کا بھی قرآن وحدیث سے کوئی تعلق نہیں شیعہ سے چوری کیا ہوا ہے۔ فرمایئے جب ہر قراءت مکمل قرآن ہے تو کیا رسول اللہ ﷺ پر سات قرآن

نازل ہوئے تھے یا ایک؟ آپ نے خود چار مذاہب کو حق مانا ہے تو حق حضور ﷺ پر نازل ہوا تھا۔

وسوسہ نمبر۱۱:۔

آج ایک غیر مسلم دین اسلام قبول کرنے کے بعد مذاہب خمسہ میں سے کونسا مذہب قبول کرے گا؟ اور کس فرقے میں شامل ہو تاکہ "ادخلوا فی السلم کافۃ" کے تحت سچا مسلمان بن سکے؟

الجواب:۔

یہ وسوسہ بھی کتاب وسنت پر مبنی نہیں، پادری فانڈر اور سوامی دیانند سے چوری کیا ہوا ہے۔ آپ کو ایک شخص کی فکر ہے اس ملک میں لاکھوں کافر مسلم بنے انہوں نے سات قراءتوں میں سے صرف قاری عاصم کوفی کی قراءت کو قبول کیا کیونکہ اس ملک میں وہی تلاوۃ "متواتر تھی اور مذاہب اربعہ میں سے صرف مذہب حنفی کو قبول کیا کیونکہ صرف وہی عملاً متواتر تھا اور پوری دنیا کے مسلمانوں نے ان کو پکا اور سچا مسلمان سمجھا آپ بھی پکا اور سچا مسلمان بننا چاہتے ہیں تو انہی کی طرح سنی حنفی بن جایئے۔

وسوسہ نمبر۱۲:۔

جو آدمی ان مذاہب خمسہ کو تسلیم نہیں کرتا یا ان میں سے کسی ایک کو تسلیم نہیں کرتا کیا وہ کافر ہے؟ یا اس کے دین اسلام میں کوئی نقص رہ جائے گا؟

الجواب:۔

یہ وسوسہ بھی کتاب وسنت پر مبنی نہیں، شیعہ سے چوری کیا ہوا ہے۔ امام طحطاوی فرماتے ہیں "جو مذاہب اربعہ سے خارج ہے وہ بدعتی اور دوزخی ہے"۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں: "اس ملک میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید واجب ہے اور اس سے نکلنا حرام ہے۔ اس ملک میں جو امام صاحب کی تقلید سے نکلا اس نے گویا شریعت محمدی کی رسی اپنی گردن سے نکال پھینکی اور بے کار اور مہمل رہ گیا" (الانصاف) آپ بھی فرمایئے جو مسعود احمد پر ایمان نہ لائے وہ آپ کے نزدیک کافر ہے یا نہیں؟

وسوسہ نمبر۱۳:۔

سنن ابوداؤد کی ایک صحیح حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کے تہتر(۷۳) حصوں میں بٹ جانے کی پیش گوئی فرمائی اور پھر فرمایا ان تہتر میں سے بہتر(۷۲) جہنم میں جائیں گے ایک جنت میں۔ مسعود صاحب فرماتے ہیں "ھی الجماعۃ" اس سے کون سا فرقہ مراد ہے؟

الجواب:۔

جناب نبی کریم ﷺ کی حدیث کو کبھی ابوداؤد کی حدیث، کبھی بخاری ومسلم کی حدیث، کبھی مستدرک حاکم کی حدیث لکھ رہے ہیں کیا رسول اللہ ﷺ اپنی احادیث کو عجمیوں کی طرف منسوب کرکے بخاری کی حدیث، ابوداؤد کی حدیث کہتے تھے؟ اگر کہتے تھے تو قرآن وحدیث کے ثبوت پیش کرو اور اگر نہیں کہتے تھے تو آپ نے یہ شریعت سازی کیوں شروع کردی؟ آپ ابوداؤد کے ساتھ اگر ترمذی بھی دیکھ لیتے تو نجات پانے والی جماعت میں آپ کو شبہ نہ رہتا، آپ ﷺ نے فرمایا "ما انا علیہ واصحابی" میرے اور میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم کے طریقے پر چلنے والے، پھر آپ ﷺ نے اپنے

طریقے کو سنت فرمایا "علیکم بسنتی" (الحدیث) اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم کو جماعت فرمایا تو ناجی یہی اہل سنت والجماعت ہوئے۔ جس طرح نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم والے قرآن کو اہل سنت کے سات قاریوں نے مرتب کیا' ان میں سے جو قراءت آپ کے ملک میں تلاوۃ "متواتر ہو اس پر تلاوت کرنا ہی نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم والا طریقہ ہے اسی طرح آپ ﷺ کی سنت کی شکلوں کو اہل سنت والجماعت کے چار ائمہ نے مدون و مرتب فرمایا۔ ان چاروں میں سے جس کا مذہب جس ملک میں عملاً متواتر ہوگا اس پر عمل کرنا ہی نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنھم کے طریقہ پر عمل ہے۔ ۱۳۹۵ھ میں کراچی کا نومولود بدعتی فرقہ کسی طرح ناجی قرار نہیں پا سکتا۔

وسوسہ نمبر ۱۴:۔

کیا مندرجہ بالا فرقے رسول اللہ ﷺ کے دور میں تھے؟

الجواب:۔

۱۳۹۵ھ میں فرقہ اہل حدیث کے بطن سے جنم لینے والی فرقی یقیناً "حضور ﷺ کے زمانہ میں موجود نہ تھی۔ آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنھم اہل سنت تھے (ابن کثیر) اور ان کے مقابلہ میں کچھ منافق تھے۔ پھر تابعین رحمھم اللہ سے آج تک اہل سنت والجماعت کے مقابل اہل بدعت رہے ہیں جن میں سے ایک مسعودی فرقہ بھی ہے۔

وسوسہ نمبر ۱۵:۔

رسول اللہ ﷺ مندرجہ بالا فرقوں میں سے کس فرقے کے ساتھ تعلق رکھتے تھے؟ اگر کسی خاص فرقہ سے تعلق رکھتے تھے تو پھر اس آیت کا منشاء کیا ہے؟ "ان الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا" لست منھم فی شئی" (الانعام ر ۱۵۹) جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ہو گئے فرقے فرقے (اے رسول) آپ

ﷺ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔

الجواب:۔

جناب کو چونکہ پوری حدیث معلوم نہیں۔ آپ ﷺ نے فرقوں والی حدیث میں اہل سنت والجماعت کو ناجی قرار دیا اور جو فرقے بعض عقائد میں ان سے کٹتے گئے ان کو فرقے قرار دیا اہل سنت والجماعت کے دین میں صحابہ رضی اللہ عنھم کی طرح کوئی تفریق نہیں ہے۔ ہاں اجتہادی اختلاف صحابہ رضی اللہ عنھم میں بھی تھا اور ائمہ مجتہدین رحمھم اللہ میں بھی' اس کا تعلق اس آیت سے ہرگز نہیں۔ بانی فرقہ چونکہ خود سراپا اختلاف ہے اس لئے اختلاف اختلاف کے نعرے لگاتا رہتا ہے آئے دن امت میں نئے نئے اختلاف پیدا کرتا رہتا ہے' اس کو خود اچھی طرح معلوم ہے کہ اختلاف قرآن کی قراءتوں میں بھی ہے۔ اختلاف احادیث میں بھی ہے۔ اجتہادی اختلاف صحابہ رضی اللہ عنھم میں بھی ہے۔ اصول حدیث میں محدثین کی اختلاف رائے' کسی حدیث کے صحیح' ضعیف ہونے میں محدثین کی اختلاف رائے' ان سب اختلافات کو بانی فرقہ برداشت کرتا ہے وہاں آیات تفرق نہیں پڑھتا۔ خود اس نے ۱۳۹۵ھ میں نیا فرقہ بنایا اس وقت اسے آیات تفریق یاد نہیں رہی جس طرح منکرین قرآن کو اختلاف کی کوئی آیت یا حدیث مل جائے تو وہ ان کو اختلاف قراءت پر چسپاں کرتے ہیں' منکرین حدیث ان کو اختلاف احادیث پر' منکرین صحابہ رضی اللہ عنھم اختلاف صحابہ رضی اللہ عنھم پر' منکرین اہل بیت رضی اللہ عنھم ان کو اہل بیت رضی اللہ عنھم پر چسپاں کرتے ہیں یہ سب "یحرفون الکلم عن مواضعه" پر عمل کرتے ہوئے ان آیات واحادیث کا بے موقع استعمال کرتے ہیں۔ بانی فرقہ خود مانتا ہے اختلاف دو قسم کا ہے۔ عنادی جو لعنت ہے اور دوسرا اجتہادی۔ چنانچہ اپنی تفسیر قرآن عزیز ص ۱۵۷ ج ۱ پر لکھتا ہے "اختلاف ایک فطری امر ہے ہو جایا کرتا ہے۔" پھر لکھتا ہے:

"اجتہادی اختلاف اعمال میں تو ہو سکتا ہے اور اس کو گوارا کیا جاسکتا ہے۔۔۔۔۔۔۔ ائمہ کا اختلاف اجتہادی تھا اور صرف اعمال میں تھا۔" (خلاصہ تلاش حق ص ۲۶) پھر جیسا کہ گزرا کہ چاروں ائمہ کو برحق بھی مانتا ہے اور پھر شور بھی مچاتا ہے۔

اختلاف کی مثال:۔

نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنا شرائط نماز میں سے ہے۔ ایک شخص شہر میں ہے جہاں سینکڑوں مساجد کے محراب نظر آرہے ہیں جن سے قبلہ کا رخ معلوم ہو رہا ہے ہزاروں نمازی قبلہ رو نماز پڑھتے نظر آرہے ہیں لاکھوں آدمی قبلہ کا رخ بتانے والے موجود ہیں کہ قبلہ یہاں سے مغرب کی طرف ہے اتنی وضاحت کے بعد کوئی اس شہر میں مشرق کی طرف منہ کرکے نماز پڑھے تو یہ اختلاف محض ضد اور عناد پر مبنی ہے۔ ایسے ہی اختلاف کی کتاب و سنت میں مذمت ہے لیکن چار آدمی کسی ایسے جنگل میں ہیں جہاں نہ مسجد کا محراب نہ نمازی نہ کوئی قبلہ کا رخ بتانے والا، آسمان پر بادل، نہ کوئی ستارہ نظر آئے، نہ کچھ ان کو شرعی حکم، اب یہی ہے کہ تحری کریں سوچ بچار کرکے نماز پڑھ لیں۔

اس سوچ بچار میں ان کا اختلاف ہو گیا، چاروں نے الگ الگ سمتوں کی طرف نماز پڑھ لی بعد میں پتہ چلا کہ ایک نے مشرق کی طرف پڑھی، دوسرے نے مغرب کی طرف، تیسرے نے شمال کی طرف، چوتھے نے جنوب کی طرف، الغرض ان چار میں سے صرف ایک نے حقیقتاً قبلہ کی طرف نماز پڑھی باقی تین نے یقیناً قبلہ کی طرف نماز نہیں پڑھی لیکن اللہ تعالیٰ نے چاروں کی نماز کو قبول فرمالیا، چاروں کی نماز صحیح قرار دی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان چاروں کی نماز قبول فرمائی مگر مسعود صاحب ان پر تفرق والی آیتیں فٹ کرکے ان پر شرک کے فتوے لگائیں۔ کبھی اللہ تعالیٰ کو یوں سمجھانے لگیں کہ تیری ہی شریعت کے مطابق قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا حلال ہے اور قبلہ کی طرف پشت کرکے نماز پڑھنا حرام ہے۔ ان نمازیوں

میں حرام، حلال کا اختلاف ہے تو نے کیسے دونوں کی نماز قبول کرلی اللہ تعالیٰ یہی فرمائیں گے کہ ان کے بس میں اس سے زیادہ کچھ نہیں تھا میں نے اپنی رحمت سے چاروں کی نماز قبول کرلی تو کون احمق ہے جو میرے اور میرے بندوں کے معاملہ میں دخل دے رہا ہے "فاخرج فانک رجیم"۔

وسوسہ نمبر ۱۶:۔

رسول اللہ ﷺ نے جماعت المسلمین سے چمٹنے کی تاکید فرمائی (حاکم، بخاری) اور فرقوں سے الگ رہنے کا حکم دیا

الجواب:۔

جماعت المسلمین کے دو ہی مطلب آج تک اہل اسلام نے بیان کئے ہیں۔

۱۔۔۔۔۔۔ دینی مسائل میں اجماع۔

۲۔۔۔۔۔۔ سیاسی مسائل میں خلیفۃ المسلمین کی فرماں برداری۔

الحمد للہ اہل سنت والجماعت نے ہمیشہ اجماع کو بھی مانا اور خلفائے اسلام اکثر سنی، حنفی ہی رہے دولت عباسیہ تقریباً" پانچ سو سال تک رہی اس وقت اکثر قاضی اور مفتی حنفی تھے، سلجوقی اور خوارزمی تقریباً" چار سو سال خلیفہ رہے یہ سب سنی حنفی تھے اس دور میں حرم کعبہ میں چار مصلے قائم ہوئے۔ دولت عثمانیہ تقریباً" ساڑھے چار سو سال تک رہی۔ یہ سب سنی حنفی تھے ان کے زمانہ میں چار مصلوں کے ساتھ چار قاضی بھی مقرر رہے۔۔۔۔۔۔۔

حدیث "تلزم جماعۃ المسلمین وامامہم" جس سے بانی فرقہ لوگوں کو دھوکہ دے رہا ہے۔ اس حدیث کو امام بخاری، امام مسلم اور امام ابوداؤد تینوں کتاب الفتن میں لائے ہیں اور ابوداؤد میں اس کے بعد حدیث ہے: "لو ان رجلا "نتج فرسا" لم تنتج حتی تقوم الساعۃ" (ج ۲ ص ۵۸۳) یعنی حاملہ گھوڑی بچہ بھی نہیں

جنے گی کہ قیامت آجائے گی۔ کیا مسعود کے زمانہ میں گھوڑیوں نے بچے نہیں جنے؟ افسوس ہے کہ حدیث کے بے موقع محل میں مسعود نے یسوع کو بھی مات کر دیا۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے حدیث میں یہ تفصیل بتائی ہے کہ "تکون بعدی ائمۃ لا یھتدون بھدٰی ولا یستنون بسنتی وسیقوم فیھم رجال قلوبھم قلوب الشیاطین فی جثمان انس" (ص ۱۲۷ ج ۲) یعنی ایسے امام اور امیر ہوں گے جو اہل سنت نہیں ہوں گے ان میں ایسے لوگ ہوں گے جن کے جسم انسانوں جیسے اور دل شیطانوں جیسے ہوں گے۔ مسعود صاحب سمجھے کہ جماعت المسلمین اہل سنت والجماعت ہیں اور اہل سنت کی مخالفت میں جماعت الشیاطین وجود میں آئے گی۔ آپ نے بھی دیکھنی ہو تو کوثر نیازی کالونی نارتھ ناظم آباد کراچی میں دیکھ سکتے ہیں۔

وسوسہ نمبر ۱۷:۔

کونسا فرقہ جماعت المسلمین ہے جس سے چمٹا جائے؟

الجواب:۔

وہ جماعت اہل سنت والجماعت ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے پہلے دن سے ناجی قرار دیا۔ ۱۳۹۵ھ کا بدعتی فرقہ ہرگز ہرگز مراد نہیں بلکہ اس فرقہ کا امیر اس حدیث رسول کا سب سے بڑا منکر ہے کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر ان کا امام نہ ہو تو سب فرقوں سے الگ ہو جا اور درخت کی جڑیں چباتے چباتے مر جا۔ ۱۳۹۵ھ سے پہلے مسعود صاحب کے خیال میں نہ جماعت المسلمین تھی، نہ ان کا کہیں دفتر، نہ لٹریچر اور نہ امیر۔ اب حدیث رسول اللہ ﷺ کے موافق اس کا فرض تھا کہ وہ کہیں درختوں کی جڑیں چباتے چباتے مرجاتا۔ حضور ﷺ نے کہیں نہیں فرمایا تھا کہ ایک جعلی جماعت المسلمین بنا لینا اس لئے یہ منکر رسول ہے نہ کہ امیر المسلمین بلکہ مسلم شریف کی بعد والی حدیث تو یہ

ہے کہ "من اتاکم وامرکم جمیع علٰی رجل واحد یرید ان یشق عصاکم او یفرق جماعتکم فاقتلوہ" (ص ۱۲۸ ج ۲) اگر کوئی شخص آئے اور تم سب ایک آدمی پر جمع ہو (جیسے یہاں سب امام اعظم رحمہ اللہ کی تقلید پر جمع ہیں) اور وہ تمہاری جماعت میں پھوٹ ڈالنے کا ارادہ کرے تو اس کو قتل کر دو حضور ﷺ کا حکم تو یہ ہے اور یہ مسعود کہتا ہے کہ میری اطاعت کو فرض جانو۔۔۔۔۔۔۔۔۔

وسوسہ نمبر ۱۸:۔

جو لوگ جماعت المسلمین کے ساتھ وابستہ نہیں ہوں گے کیا وہ مستدرک حاکم کی مندرجہ بالا حدیث کی روشنی میں مؤمن ہونگے؟

الجواب:۔

جماعت المسلمین تو اہل سنت والجماعت ہیں جو ان کے ساتھ وابستہ نہیں ہو گا وہ واقعی بدعتی اور دوزخی ہے۔ جماعت المسلمین سے مراد یہ بدعتی فرقہ نہیں جس کا امیر ۱۳۹۵ھ تک خود فرقہ پرست مشرک رہا۔ پھر ۱۳۹۵ھ میں سب فرقوں سے الگ ہو کر درختوں کی جڑیں چبانے کی بجائے ایک جعلی جماعت المسلمین بنالی اور اہل اسلام میں ایک نئے فتنے کی بنیاد رکھ دی اس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جسم انسان کا اور دل شیطان کا ہو گا۔

وسوسہ نمبر ۱۹:۔

جو لوگ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث کے موافق تمام فرقوں سے علیحدہ نہیں ہوئے کیا وہ رسول اللہ ﷺ کے نافرمان نہیں ہوئے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے میری نافرمانی کی اس نے (جنت میں جانے سے) انکار کر دیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔

الجواب:۔

اہل سنت والجماعت پہلے دن سے ہی سب فرقوں سے الگ اور نبی ﷺ کی سنت

اور صحابہ رضی اللہ عنھم کی جماعت سے وابستہ ہیں۔ بخاری، مسلم، ابوداؤد کی حدیث اہل سنت کے نزدیک موجودہ زمانہ سے متعلق ہی نہیں بالکل قرب قیامت سے متعلق ہے البتہ مسعود احمد کے نزدیک یہ حدیث اس زمانہ سے متعلق ہے، لیکن اس نے اس حدیث کی نافرمانی کرکے اپنے اور اپنے فرقہ پر جنت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام کرلی کیونکہ اسے فرقوں سے الگ ہو کر درختوں کی جڑیں چبانے کا حکم تھا نہ کہ از خود نئی جعلی جماعۃ المسلمین بنانے کا، ہاں توبہ کا دروازہ اب بھی کھلا ہے اگر وہ اپنے بدعتی فرقے کو توڑ کر اور سب بدعتی فرقوں سے الگ ہو کر ناجی جماعت المسلمین اہل سنت والجماعت میں شامل ہو جائے تو ممکن ہے کہ اس کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں۔

صلوٰۃ المسلمین پر مختصر تبصرہ

مسعودی فرقہ کی کتاب صلوٰۃ المسلمین پر مختصر تبصرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔

اما بعد:

تعارف:۔

حضرات گرامی! آپ مسعودی فرقہ کو پہچان چکے ہیں۔ ہمارا نام اللہ تعالیٰ نے کافروں کے مقابلہ میں مسلمین رکھا چنانچہ آج تک کفار کے مقابلہ میں ہم اسی نام سے متعارف ہیں اور ہمارے مقدس پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے بدعتی فرقوں کے مقابلہ میں ہمارا نام اہل سنت والجماعت رکھا زمانہ رسالت سے لے کر آج تک اہل بدعت کے مقابلہ میں ہم اسی نام سے متعارف ہیں۔ بعض فروعی مسائل میں احادیث مبارکہ کے اختلاف کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم میں اختلاف ہوا جو سینکڑوں مجتہدین صحابہ کے ان اقوال میں موجود ہے جو کتاب الآثار امام ابو یوسفؒ کتاب الآثار امام محمدؒ، امام مالک رحمہ اللہ، مصنف عبد الرزاقؒ، مصنف ابن ابی شیبہؒ وغیرہ کتب احادیث میں پھیلا ہوا ہے۔ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ نے جب سنت نبوی کو مدون کروالیا تو یہ سینکڑوں مجتہدین کا اختلاف سمٹ کر چار ائمہ میں رہ گیا ایسے فروعی مسائل میں مالکی، شافعی، حنبلی کے مقابل ہم ان اجتہادی مسائل میں حنفی نام سے متعارف ہیں۔ جیسے بھارتی کے مقابلہ میں ہم پاکستانی ہیں، سرحدی کے مقابلہ میں ہمارا تعارفی نام پنجابی ہے اور ملتانی کے مقابلہ میں تعارف اور پہچان اوکاڑوی سے ہے اسی طریقہ سے یہود کے مقابلہ میں ہم مسلم، خوارج ونواصب کے مقابلہ میں ہم اہل سنت والجماعت اور شوافع کے مقابلہ میں ہم حنفی ہیں۔ آج تک ہمارا واسطہ کسی ایسے جاہل سے نہیں پڑا جس نے ہم سے پوچھا ہو کہ تم اوکاڑوی ہو یا پنجابی یا یہ پوچھا ہو کہ تم اوکاڑوی ہو یا پاکستانی البتہ ایسے

۔۔۔۔۔۔۔۔ سے واسطہ ضرور پڑا ہے جو کبھی پوچھتا ہے کہ تم حنفی ہو یا مسلم اور کبھی پوچھتا ہے کہ تم سنی ہو یا مسلم' اسے بارہا سمجھایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے لفظ مسلم قرآن پاک میں کافروں کے مقابلہ میں ذکر فرمایا ہے تو اللہ تعالیٰ کے منشاء کے خلاف اس لفظ کو حنابلہ وغیرہ کے خلاف استعمال کر کے یہودیانہ تحریف کا ارتکاب کر رہا ہے' مگر اس کا مشن ہی یہ ہے کہ جس طرح ساری امت نے متفقہ طور پر قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا ہے ۔۔۔۔۔۔۔ میں قادیانیوں سے مفادات جب ہی حاصل کر سکتا ہوں کہ پوری امت کو غیر مسلم قرار دوں۔ یہ لوگ اپنے فرقہ کے سوا نہ کسی کو سلام کرتے ہیں اور نہ ہی کسی کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ مسعود صاحب حج کو گئے تو امام کعبہ کے پیچھے نمازیں نہیں پڑھیں کہ امام کعبہ حنبلی ہے اور فرقہ پرست اور غیر مسلم ہے مگر یہ عجیب بات ہے کہ فرقہ پرست غیر مسلم کی زیر امارت حج ادا کر لیا' نماز اور حج میں یہ فرق کرنا بانی فرقہ کو شاید بذریعہ وحی شیطانی معلوم ہوا ہو ورنہ وحی رحمانی میں تو یہ فرق ہمیں نہیں ملا' امید ہے کہ فرقہ پرست مسعود ضرور وضاحت کرے گا۔

صلوٰۃ المسلمین:۔

بانی فرقہ نے ۱۳۹۵ھ میں اپنا فرقہ بنایا۔ اب ضرورت تھی کہ اپنے فرقہ پرستوں کو کوئی الگ نماز بھی دیتا۔ چنانچہ ۱۳۹۸ھ میں اس نے ایک کتاب صلوٰۃ المسلمین نامی شائع فرمائی۔ اس کتاب میں سوفیصد مسائل غیر مسلموں سے لیے گئے۔ اس کتاب کا تانا تو ناصر الدین البانی کی کتاب "صفۃ صلاۃ النبی" ہے اور بانا شوکانی زیدی اور ابن حجر شافعی مقلد کی کتابوں سے لیا گیا ہے۔ یہ تینوں بزرگ بانی فرقہ کے عقیدہ کے مطابق فرقہ پرست اور غیر مسلم ہیں۔ کسی یہودی نے بھی آج تک اپنی عبادت کی کتاب غیر یہودیوں کی کتابوں سے مرتب نہیں کی' کوئی سکھ ایسا نہیں ملتا جو اپنی عبادات کے طریقے ہنود کی کتابوں سے لیتا ہو لیکن بانی فرقہ کی غیرت واقعتا بے مثال ہے کہ جب وہ خدا کے حضور کھڑا ہوتا ہے تو سرے

پاؤں تک مکمل غیر مسلم ہوتا ہے اور اس کے فرقہ پرست پجاری بھی غیر مسلم طریقہ سے نماز پڑھتے ہیں۔ کیونکہ اس کتاب کا ایک ایک مسئلہ ان لوگوں کی کتابوں سے چوری کیا ہوا ہے جن کو بانی فرقہ 'فرقہ پرست اور غیر مسلم کہتے ہیں۔ خصوصاً" البانی صاحب سے تو اپنے رسالہ "الجماعۃ القدیمہ" میں بالکل منحرف ہو گئے ہیں۔

متواتر نماز:۔

رسول اقدس ﷺ سے لے کر آج تک امت نماز پڑھتی چلی آرہی ہے۔ ایک دن بھی اسلام میں ایسا نہیں گزرا جس دن نماز دنیا میں کسی جگہ ادا نہ کی گئی ہو بانی فرقہ بھی اس بات سے انکار نہیں کر سکتا۔ بانی فرقہ کے روحانی آباء میں بعض غیر مقلدین رکوع کے بعد بھی سینے پر ہاتھ باندھتے ہیں۔ ہاتھوں کو لٹکاتے نہیں۔ بانی فرقہ رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے والوں سے ایک فیصلہ کن سوال کرتے ہیں "ہاتھ باندھنے والوں کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ رکوع کے بعد ہاتھ باندھتے تھے ہم اسے تسلیم کئے لیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ہاتھ باندھتے تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنھم بھی ہاتھ باندھتے ہوں گے' پھر تابعین رحمہ اللہ بھی ہاتھ باندھتے ہوں گے اور اسی طرح یہ سلسلہ آگے چلتا رہا ہو گا۔۔۔۔۔۔

ہمارا سوال یہ ہے کہ ہمیں وہ موڑ بتایا جائے جس موڑ پر پہنچ کر لوگوں نے ہاتھ باندھنے کے فعل کو یک لخت چھوڑ دیا' کسی نے بھی اس کی مخالفت نہ کی۔۔۔۔۔۔۔ ہم نے جس موڑ کے متعلق سوال کیا ہے ظاہر ہے کہ ہاتھ باندھنے والوں کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ باہمی مذاکرہ میں وہ اس سوال کا جواب نہیں دے سکتے۔ لہٰذا یہ کہنا صحیح ہے کہ رکوع کے بعد کبھی ہاتھ باندھے ہی نہیں گئے' ہمیشہ ہاتھ چھوڑے گئے اور یہی عمل رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک سے قرناً" بعد قرن اور نسلاً" بعد نسل اور تواتر

کے ساتھ منتقل ہوتا رہا اور آج اسی تواتر عملی پر ہمارا عمل ہے جو کہ رسول اللہ ﷺ سے عملاً متواتر چلا آرہا ہو اس پر آبائی تقلید کا طعن اہل علم کے شایان شان نہیں۔۔۔۔۔۔ اگر کوئی عمل متواتر چلا آرہا ہو اور عہد رسالت ﷺ یا عہد صحابہ رضی اللہ عنھم میں اس کے ٹوٹنے کا مطلقاً ثبوت نہ ہو تو وہ عمل حجت ہو گا"۔۔۔۔۔۔۔۔۔

(صلوٰۃ المسلمین ص ۵۰۹ تا ۵۱۲ ملخصاً")

برادران اہل سنت والجماعت! جس قرآن پاک کی مسلمان روزانہ تلاوت کرتے ہیں جس طرح وہ قرآن تلاوۃ" متواتر ہے اسی طرح جو نماز روز مرہ مسلمان پڑھتے ہیں یہ عملاً متواتر ہے۔ بانی فرقہ نے اس عملاً متواتر نماز کے خلاف محاذ بنا لیا حالانکہ وہ خود بوقت ضرورت عملی تواتر کا قائل بن جاتا ہے جیساکہ اوپر کے حوالہ میں گزرا۔

حکایت:۔

ایک دن پانچ فرقہ پرست مسعودی میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ تم لوگ دین ساز ہو ہم صرف قرآن اور حدیث پر عمل کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا آپ اس پر پکے رہو گے کہ اپنی ہر بات کو قرآن وحدیث سے ثابت کرسکو۔ انہوں نے کہا بالکل' اگر ایک بات بھی ایسی نکل آئی جس کا ثبوت ہم آیت یا حدیث سے نہ دے سکے تو ہم اپنے دعوے میں بالکل جھوٹے ہوں گے۔ میں نے کہا آپ کا دعویٰ ہے کہ آپ صرف قرآن وحدیث کو مانتے ہیں تو دونوں کے ماننے کا طریقہ ایک ہی ہے یا الگ الگ؟ کہنے لگے کہ ایک ہی طریقہ ہے۔ میں نے کہا جس طرح ہر حدیث کی سند تلاش کرتے ہو پھر ہر راوی کے حالات تلاش کرتے ہو پھر کسی حدیث کو صحیح اور کسی کو ضعیف کہتے ہو' کیا قرآن پاک کی بھی ہر ہر آیت کی سند تلاش کرتے ہو' ہر ہر راوی کے حالات دیکھتے ہو' پھر بہت سی آیات کو بے سند اور بے ثبوت کہہ کر چھوڑ دیتے ہو؟ وہ کہنے لگے کہ اگر قرآن پاک کے ساتھ ایسا سلوک کریں تو سارا قرآن ہی ہاتھ سے

جاتا ہے۔ ہم قرآن پاک پر ایسا ظلم کیسے کر سکتے ہیں کہ اس کی تمام آیات اور ان کی ترتیب کا ثبوت ہی نہ دے سکیں۔ اس لئے ہم قرآن پاک کی ہر آیت کی سند تلاش نہیں کرتے' ہر حدیث کی سند تلاش کرتے ہیں اور واقعتاً فرق کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ اس فرق پر کوئی آیت یا حدیث پیش کرو۔ کہنے لگے اس فرق پر تو کوئی آیت یا حدیث نہیں ہاں یہ فرق اس لئے کرتے ہیں کہ قرآن پاک تلاوۃ "متواتر ہے اور احادیث متواتر نہیں ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ تو پہلے سوال کے جواب میں ہی جھوٹے ثابت ہوگئے کہ نہ آیت پیش کر سکے نہ حدیث اور عجب تو یہ ہے کہ اپنے مصنوعی امام کو بھی چھوڑ گئے' آپ نے فرق یہ بیان کیا کہ قرآن متواتر ہے اور حدیث متواتر نہیں۔ آپ کے فرقہ کا بانی لکھتا ہے:

" حدیث کی حفاظت دو طرح سے ہوئی (۱) عملاً (۲) نقلاً"۔ جو بات رسول اللہ ﷺ نے فرمائی تھے اس پر ہر زمانے میں عمل ہوتا رہا۔ ہر زمانے میں وہ پڑھی جاتی رہی اور پڑھائی جاتی رہی' مثلاً" حدیث میں ہے کہ نماز پانچ وقت کی فرض ہے۔ ظہر کی چار رکعت ہیں' مغرب کی تین رکعت ہیں' ہر رکعت میں ایک رکوع' اس کے بعد دو سجدے ہیں' سال میں دو عیدیں ہیں وغیرہ اس قسم کی بے شمار حدیثیں ہیں جو ہر زمانہ میں بچہ بچہ کی زبان پر تھیں اگر زبان سے بیان نہ بھی ہوئیں تو کم از کم ذہن میں اور عمل میں ہر ایک کے موجود تھیں تواتر کے ساتھ ان پر عمل ہو رہا تھا اور تواتر کے ساتھ نقل کی جا رہی تھیں۔ ان احادیث کی صحت قطعی اور ان کا تواتر قرآن مجید کے تواتر سے بھی زیادہ وسیع ہے۔ قرآن مجید کی آیات چند علماء اور حفاظ کی حفاظت میں تھیں لیکن یہ احادیث ہر عالم و جاہل اور مرد و عورت چھوٹے اور بڑے کے عمل میں آ رہی تھیں---------

(تفہیم الاسلام ص ۵۷)

بانی فرقہ نے اس عبارت میں عملی تواتر کو اسنادی تواتر بلکہ قرآنی تواتر سے بھی برتر قرار

دیا ہے۔ الحمد للہ اہل سنت والجماعت کی نماز اسی تواتر سے ثابت ہے اور اسی متواتر نماز کے خلاف پہلا موڑ بانی فرقہ کی صلوٰۃ المسلمین ہے۔ جس میں ساری امت کی متواتر نماز کو غلط قرار دیا ہے' اس کتاب کی حیثیت ایسی ہے جیسے کوئی اَن پڑھ متواتر قرآن مجید کے خلاف شاذ اور متروک قراءتیں کتابوں سے جمع کر کے اس کا نام قرآن المسلمین رکھ دے جو یقیناً ناقص بھی ہوگا اور شاذ و مردود بھی۔ بالکل اسی طرح یہ کتاب صلوٰۃ المسلمین مسائل میں نہایت ناقص ہے' نہ روز مرہ نماز کے مکمل مسائل ہیں' نہ مکمل ترتیب اور متواترات کے خلاف شاذ روایات پر مبنی ہے۔ کوئی مسلمان جیسے متواتر قرآن کے خلاف کسی شاذ اور ناقص قرآن المسلمین کو قبول نہیں کر سکتا۔ اسی طرح کوئی مسلمان اس شاذ اور ناقص صلوٰۃ المسلمین کو ہر گز قبول نہیں کرتا---------

دوسرا سوال:۔

پھر ان فرقہ پرستوں سے میں نے پوچھا کہ قرآن و حدیث کی تعریف کیا ہے؟ وہ پہلے تو شور مچانے لگے کہ سب جانتے ہیں۔ میں نے کہا کہ بتانے میں کیا گناہ ہے۔ جب بتانے میں کوئی گناہ نہیں اور نہ بتانے میں لوگ کہیں گے کہ آپ کو آتی نہیں تو آپ بتا ہی دیں تاکہ آپ پر جہالت کا الزام نہ رہے۔ تو ایک صاحب نے کہا" قرآن وہ کتاب ہے جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی' مصاحف میں لکھی ہوئی ہے اور بغیر کسی شبہ کے متواتر منقول ہے اور حدیث' رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل اور تقریر کو کہتے ہیں"۔ میں نے پوچھا کہ یہ دونوں تعریفیں کس آیت یا حدیث کا ترجمہ ہیں' ذرا حوالہ پیش فرمائیں۔ کہنے لگے یہ تعریفیں خدا اور رسول سے منقول نہیں' علمائے اصول سے منقول ہیں۔ میں نے کہا آپ تو پھر اپنے دعویٰ میں جھوٹے ہوگئے کہ ہم صرف قرآن و حدیث کو مانتے ہیں۔ اور ذرا اصول کی کتاب کا حوالہ دیں کہ کس نے لکھی' کس زمانہ میں لکھی' وہ کس فرقہ کا آدمی تھا اس کی

رائے کو آپ شریعت سازی قرار دیں گے یا نہیں؟ اس کے جواب میں وہ کوئی حوالہ پیش نہ کر سکے ----------

تیسرا سوال:۔

آپ کسی حدیث کو صحیح اور کسی کو ضعیف کہتے ہیں تو ہر ہر حدیث کے بارے میں یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں یا امتیوں سے کیونکہ خدا اور رسول ﷺ کے علاوہ کسی کی بات دلیل شرعی نہیں۔ وہ کہنے لگے کہ دنیا بھر میں کسی ایک حدیث کا بھی صحیح یا ضعیف ہونا خدا یا رسول ﷺ سے منقول نہیں اس بات میں ہم صرف اپنے بانی فرقہ پر اعتماد کرتے ہیں اور بانی فرقہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مقلد امام شافعی رحمہ اللہ، شوکانی زیدی اور البانی غیر مقلد جیسے فرقہ پرست غیر مسلموں پر اعتماد کرتا ہے۔ ان لوگوں نے اپنی رائے سے صحیح یا ضعیف احادیث کی تعریفیں بنائی ہیں جو قرآن وحدیث میں ہر گز موجود نہیں۔ ہمارے امام مفترض الطاعۃ جناب مسعود صاحب لکھتے ہیں "اس کتاب میں ضعیف حدیث نہیں لی گئی اگر کوئی صاحب اس کتاب کی کسی حدیث کے ضعیف ہونے کی نشاندہی فرمائیں گے تو انشاء اللہ آئندہ اشاعت میں اسے اس کتاب میں درج نہیں کیا جائے گا

---------- (صلوٰۃ المسلمین ص ۲۴)

میں نے کہا اس سے ایک تو یہ پتہ چلتا ہے کہ احادیث کے رد وقبول کا معیار امتیوں کی رائے پر ہے، دوسرے یہ کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور ہیں۔ میں نے ۲۳ محرم ۱۴۱۱ھ کو سات صفحات کا مضمون بانی فرقہ کو بھیجا جس میں ضعیف احادیث اور خیانتوں کی نشاندہی کی مگر آج تک اصلاح نہیں کی گئی۔

چوتھا سوال:۔

ائمہ اربعہ، محدثین اور فقہاء رحمہم اللہ نے احکام شرعیہ کی تفصیلات بیان فرمائی ہیں کہ

وضو، نماز وغیرہ میں کتنے فرائض ہیں جن میں سے کسی ایک کے رہ جانے سے وضو، نماز باطل ہو جاتے ہیں اور بعض افعال یا اذکار کے ترک سے سجدہ سہو لازم آتا ہے، بعض افعال پر آنحضرت ﷺ نے بغیر فرضیت و وجوب کے مواظبت فرمائی ان کو سنت کہا جاتا ہے اور جن کو پسند فرمایا مگر مواظبت نہ فرمائی ان کو مستحب کہا جاتا ہے۔ بانی فرقہ نے پوری امت کے خلاف یہ لکھ دیا ہے "جس طریقہ سے رسول اللہ نے صلوٰۃ ادا کی وہ طریقہ فرض ہے اس طریقہ میں فرض، واجب، سنت اور مستحب کی تقسیم فرضی ہے"----------

(صلوٰۃ المسلمین ۴۷)

سوال یہ ہے کہ بانی فرقہ نے یہاں تو یہ فرضی بات لکھ دی مگر صفحہ ۱۵۷ پر تعداد رکعات کی سرخی دے کر فرض، سنت، مستحب کی اس فرضی تقسیم کو تسلیم کر لیا۔ یہ بھی بتایا جائے کہ محدثین کی تقسیم حدیث صحیح، ضعیف، موضوع، مرسل، مدلس، مضطرب، معروف، منکر وغیرہ جس کو بانی فرقہ تسلیم کرتا ہے، قرآن وحدیث سے ثابت ہے یا محض فرضی اس کے جواب میں ان پانچوں نے تسلیم کیا کہ حقیقت یہ ہے کہ ہم اپنے دعویٰ پر کہ ہم صرف قرآن وحدیث کو مانتے ہیں کبھی پورے نہیں اتر سکتے۔

رسول پاک ﷺ سے بغاوت:۔

بانی فرقہ اس کتاب میں اکثر ان مسائل پر بھی احادیث پیش نہیں کر سکا جن پر امت کا اتفاق عمل ہے، صرف اختلافی مسائل پر زور مارا ہے مگر اختلافی احادیث میں سے بعض کے قبول اور بعض کے ترک کرنے میں کسی دلیل شرعی پر مدار نہیں رکھتا۔ یہ ہرگز نہیں ہوا کہ جن احادیث کو لکھتا وہ اللہ یا رسول ﷺ نے فرمایا کہ ان کو لکھ لو اور جن کو چھوڑا وہ اللہ اور رسول ﷺ نے فرمایا تھا کہ ان کو چھوڑ دو، ایسی بظاہر اختلافی احادیث کے بارے میں خود رسول اللہ ﷺ نے جو پیمانے دیئے تھے ان کو توڑ ڈالا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

معیار اول:۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا لوگ میری طرف سے اختلافی احادیث بیان کریں گے، ان میں سے جو احادیث کتاب اللہ اور میری سنت کے موافق ہوں گی وہ میری طرف سے ہونگی اور جو حدیثیں کتاب اللہ اور میری سنت کے خلاف ہوں گی وہ میری طرف سے نہیں۔ (الکفایہ خطیب بغدادی ۴۳۰)

مگر بانی فرقہ نے تلاش کر کے وہ احادیث کتاب میں جمع کی ہیں جو متواتر قرآن اور سنت یعنی عملی تواتر کے خلاف تھیں، حالانکہ آنحضرت ﷺ نے ان سے منع فرمایا تھا۔

معیار دوم:۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: میری امت کے آخری زمانہ میں ایسے جھوٹے اور دجال قسم کے لوگ ہوں گے جو تمہارے پاس کچھ احادیث لایا کریں گے وہ احادیث ایسی ہوں گی جو تمہارے باپ دادا نے نہیں سنی ہوں گی (یعنی باپ کے عملی تواتر کے خلاف ہوں گی) ان دجالوں اور کذابوں سے بچ کے رہنا، انہیں اپنے قریب نہ پھٹکنے دینا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تم میں گمراہی اور فتنے پھیلادیں۔ (صحیح مسلم

ص ۱۰) بانی فرقہ نے یہی کیا، ایسی احادیث تلاش کر کر کے لکھیں جو جمہور امت کے عملی تواتر کے خلاف تھیں اور اس طرح امت مسلمہ کو متواتر سنتوں سے ہٹا کر گمراہی میں ڈال دیا اور گھر گھر میں فتنہ ڈال کر کفار تک کو جگ ہنسائی کا موقعہ دیا۔

معیار سوم:۔

اختلافات کے ذکر کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا میری اور خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑنا۔ (ترمذی)

بانی فرقہ نے پوری کوشش اور محنت سے ایسی احادیث کو تلاش کیا جن پر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہ کی مواظبت وہ قیامت تک ثابت نہیں کر سکتا، الغرض اہل سنت والجماعت کو غلط قرار دینے کے لئے عملی تواتر کے ساتھ ساتھ نبی ﷺ کے بتائے ہوئے اصولوں تک سے روگردانی کی اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنھم کی سنت کو پس پشت ڈال دیا۔ اور اس پر دعوئ یہ کہ :

"اصلاح دو عالم ہم سے ہے۔"

زور علم:۔

عملاً متواتر نماز کے خلاف اس کتاب میں سب سے زیادہ جولانی بانی فرقہ نے رفع یدین کے مسئلہ میں دکھائی ہے مگر اس کا صحیح حکم بھی بیان نہیں کر سکا۔ اپنی کتاب خلاصہ تلاش حق میں ۱۹۴۳ میں رفع یدین کو فرض لکھا تھا (ص ۷۹) اس کتاب میں سارا زور اس کے سنت ہونے پر لگایا ہے لیکن کسی ایک حدیث میں نہ فرض کا لکھا دکھا سکا نہ سنت، اگر یہ الفاظ حدیث میں دکھادے تو ہم اس لفظ کے ہر ہر حرف پر ایک ایک ہزار روپیہ انعام دیں گے دیدہ باید۔

جھوٹ ہی جھوٹ:۔

بانی فرقہ صفحہ ۴۵۳ پر لکھتا ہے کہ جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے متنازعہ رفع یدین کی احادیث مروی ہیں ان میں ۱۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ۲۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ۳۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ۴۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ ۵۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ۶۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ۷۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ۸۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ۹۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ۱۰۔ حضرت زیاد بن حارث رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ مگر بانی فرقہ قیامت تک ثابت نہیں کر سکتا کہ ان گیارہ صحابہ رضی اللہ عنھم نے کسی صحیح سند سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متنازعہ رفع یدین کی روایت کی ہو بلکہ یہ بھی ثابت نہیں کر سکتا کہ صحابہ رضی اللہ عنھم خود متنازعہ رفع یدین کرتے تھے ایک ہی سانس میں گیارہ صحابہ رضی اللہ عنہ پر جھوٹ بول دینا تو پنڈت شردھانند سے بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا بانی فرقہ خود ایسی بے سند باتوں کو موضوع اور جھوٹی کہتا ہے۔ (دیکھو ص ۴۸۶، ۴۸۷) اگر بانی فرقہ یا کوئی فرقہ پرست مسعودی ان گیارہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے متنازعہ رفع یدین کی احادیث اور ان پر عمل صحیح سند سے ثابت کردے تو ہر حدیث کے حساب سے مبلغ گیارہ ہزار روپیہ انعام حق محنت کے طور پر دیا جائے گا۔ مرداں بکوشید

دس یا سترہ:۔

بانی فرقہ صفحہ ۳۹۳ پر ابو حمید ساعدی کی حدیث میں ایک مجلس کا ذکر آتا ہے لکھتا ہے اس مجلس میں دس صحابہ رضی اللہ عنہ تھے، بحوالہ ابوداؤد، ترمذی مگر صفحہ ۴۵۳ پر اسی مجلس کے ذکر میں ابو حمید رضی اللہ عنہ کے علاوہ ۱۷ صحابہ رضی اللہ عنہ کا نام تحریر کیا ہے اور حوالہ غیر مقلد وحید الزماں کی کتاب تسہیل القاری کا دیا ہے۔ کیا بانی فرقہ یا کوئی بھی فرقہ پرست مسعودی کسی صحیح سند سے یہ۔ سترہ نام اس مجلس میں ثابت کر سکتا ہے؟

فرضی کانفرنس:۔

بانی فرقہ نے حضرت ابو حمید رضی اللہ عنہ سے جس مجلس کا ذکر کیا ہے اس کے راوی محمد بن عمرو بن عطاء ہیں جن کی پیدائش ۴۰ھ میں ہوئی (تہذیب) اگر یہ دس سال کی عمر میں اس مجلس کی کارروائی دیکھ رہے ہوں تو یہ مجلس ۵۰ھ میں ہوئی ہوگی مگر شرکاء مجلس میں حضرت زید رضی اللہ عنہ کا نام بھی لیا گیا ہے جو ۴۸ھ میں وصال فرما چکے ہیں حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ ۳۸ھ میں، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ۳۴ھ میں، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ۳۸ھ، حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ ۳۸ یا ۵۴ھ، حضرت محمد بن مسلمہ ۴۱ھ حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ ۳۰ھ، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ ۴۹ھ میں وصال فرما چکے تھے۔ یہ بانی فرقہ کی ہی ہمت ہے تقریباً" دس دس سال پرانی قبریں اکھاڑ رہا ہے کہ کسی طرح ۵۰ھ میں متنازعہ رفع یدین کا ثبوت مل جائے حالانکہ دور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ ۱۱۰ھ یا ۱۲۰ھ، تک رہا ہے مگر بانی فرقہ کی تحقیق انیق کے موافق رفع یدین کے اکثر راوی ۵۰ھ سے قبل ہی دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ بانی فرقہ کو بڑی محنت سے ان کی دوبارہ حاضری کرانی پڑی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بانی فرقہ (قرآن و حدیث تو کجا) تاریخ سے بھی نابلد ہے (ص ۴۸۸)

متفرقات:۔

صفحہ ۳۱۰ پر جو حدیث ابو بکر رضی اللہ عنہ کی پیش کی ہے اس کی سند کا پہلا راوی امام بیہقی ہے جو امام شافعی رحمہ اللہ کا مقلد اور حیات انبیاء علیہم السلام کا قائل ہے، دوسرا راوی حاکم غالی شیعہ ہے، تیسرا راوی عارم ہے جس کا حافظہ بہت بگڑ گیا تھا۔ صفحہ ۳۱۱ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول پیش کیا ہے اس سند میں بیہقی مقلد کے علاوہ سلیمان بن کیسان، عبد اللہ بن القاسم اور حسین بن علی تین راوی غیر معروف ہیں۔ صفحہ ۳۱۲ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث پیش کی ہے جس کی سند کے راوی عبد الرحمن ابن ابی الزناد کا حافظہ بغداد میں آنے

کے بعد خراب ہوگیا تھا اور یہ حدیث اس سے سلیمان بن داؤد بغدادی نے روایت کی ہے پس صحیح نہ ہوئی۔ صفحہ ۳۱۲ پر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے جس کا مرفوع ہونا ہی سرے سے مشکوک ہے۔ صفحہ ۳۱۳ پر حضرت مالک بن الحویرث کی روایت نقل کی ہے جس کا مدار ابو قلابہ ناصبی اور نصر بن عاصم خارجی پر ہے اور اس سے نسائی میں سجدہ کے وقت رفع یدین کرنا بھی مروی ہے بانی فرقہ نے اس بات کو چھپایا ہے۔ صفحہ ۳۱۳ پر حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے جس کی سند میں محمد بن جحادہ شیعہ ہے اور ابوداؤد میں اس میں سجدہ کے رفع یدین کا بھی ذکر ہے صفحہ ۳۵۴ پر یہ دعویٰ کیا ہے کہ رفع یدین تو بلا استثناء سب ہی صحابہ کرتے تھے اور دلیل میں حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی حدیث بحوالہ ابوداؤد ذکر کی ہے مگر ابوداؤد میں اس دوسری آمد کے وقت صرف پہلی تکبیر کے رفع یدین کا ذکر ہے مگر بانی فرقہ اس میں رکوع کے رفع یدین کو شامل کر رہا ہے۔ صفحہ ۳۳۸ پر قراءت خلف الامام کی بحث میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث لکھی ہے کہ امام کے سکتات میں مقتدی قراءت کرلیا کرے' اس سند کا پہلا راوی امام بیہقی مقلد امام شافعی ہے' دوسرا راوی ابو عبداللہ الحافظ روافضی خبیث ہے' تیسرا راوی ابوالصلت الھروی رافضی خبیث ہے' چوتھا راوی ابو معاویہ مرجیہ ہے یہ سب بانی فرقہ کے نزدیک فرقہ پرست اور مشرک ہیں اس کے علاوہ محمد بن عبداللہ ابوالطیب الشعیری اور عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز القاضی الجرجانی ان دونوں کی توثیق ثابت نہیں اور شعیب اور محمد دونوں روای مدلس ہیں۔ یہ ایک سند کا حال ہے جس کو بانی فرقہ صحیح کہہ رہا ہے۔

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

اند کے بات گفتم وزغم دل ترسیدم
کہ تو آزردہ شوی ورنہ سخن بسیارست

الحاصل یہ کتاب صلوٰۃ المسلمین جو بانی فرقہ نے غیر مسلموں کی کتابوں سے جمع کی ہے ناقابل اعتماد بھی ہے اور مسائل نماز اور ترکیب نماز بیان کرنے میں نہایت ناقص بھی ہے۔ اکثر ضعیف روایات پر مبنی ہے جو عملی تواتر کے خلاف ہونے کی وجہ سے کسی طرح بھی درخور اعتناء نہیں۔ احادیث کے انتخاب اور ان کی تصحیح و تضعیف میں دلیل شرعی کا ہرگز خیال نہیں رکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو متواتر قرآن کی طرح متواتر نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے اور فرقہ پرستوں کے وساوس سے محفوظ فرمائے۔ فقط

جمالِ انور

تذکرہ و سوانح

علامہ انور شاہ کشمیریؒ

تالیف

مولانا عبد القیوم حقانی

القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ

براہ پوسٹ آفس خالق آباد ضلع نوشہرہ

تذکرہ وسوانح برائے تبصرہ وتعارف

علامہ انورشاہ کشمیریؒ

مولانا عبدالقیوم حقانی

سلسلہ نسب' ولادت' تحصیل وتکمیل علم' تذکرۃ الاساتذہ' تدریسی عظمت و خصوصیات' بے مثال علمی تبحر' حیرت انگیز مطالعاتی یادداشتیں' طالبان علوم نبوت پر شفقت وتربیت' بے تکلفی وظرافت' محدثانہ مباحث کے نادر نمونے' ذوق شعر و ادب' افادات کے شہ پارے' حسن سیرت کا مرقع' اتباع سنت' خودداری اور استغناء' سلوک وتصوف' عبدیت وانابت' عشق رسول ﷺ اور قادیانیت کا تعاقب اور دو تاریخی دستاویزات کا تذکرہ ....

القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ سرحد پاکستان

فون نمبر 0923-630237 .... فیکس : 0923-630094

نام کتاب	تذکرہ وسوانح علامہ انور شاہ کشمیریؒ
تالیف	مولانا عبدالقیوم حقانی
کمپوزنگ	جان محمد جانؔ رُکن القاسم اکیڈمی
ضخامت	298 صفحات
تعداد	1000
تاریخ طباعت	رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ/ اکتوبر 2006ء
ناشر	القاسم اکیڈمی' جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس' خالق آباد' نوشہرہ، سرحد، پاکستان

ملنے کے پتے

☆ صدیقی ٹرسٹ' صدیقی ہاؤس المنظر اپارٹمنٹس 458 گارڈن ایسٹ، نزد لسبیلہ چوک کراچی

☆ مولانا سید محمد حقانی ' مدرس جامعہ ابو ہریرہ خالق آباد، ضلع نوشہرہ

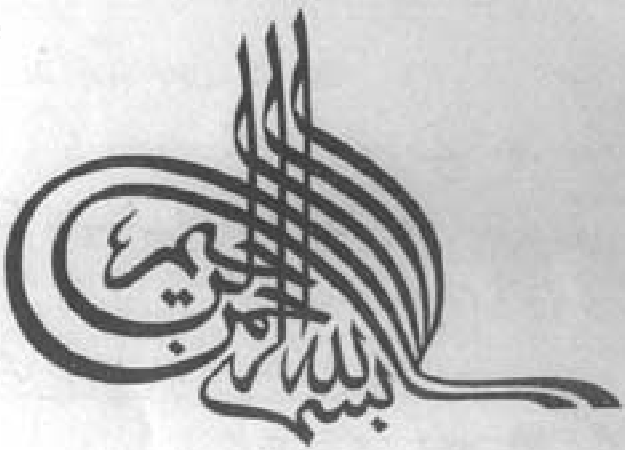
☆ کتب خانہ رشیدیہ ' مدینہ کلاتھ مارکیٹ ' راجہ بازار ' راولپنڈی

☆ مکتبہ سید احمد شہید ' ۱۰ الکریم مارکیٹ ' اردو بازار ' لاہور

☆ مکتبہ بخاری صابری مسجد گلستان کالونی مرزا آدم خان روڈ ملیاری کراچی

☆ مولانا خلیل الرحمن راشدی صاحب' جامعہ ابوہریرہ چنوں موم ضلع سیالکوٹ

اس کے علاوہ اکوڑہ خٹک اور پشاور کے ہر کتب خانہ میں یہ کتاب دستیاب ہے



شورش کاشمیریؒ

کا

منظوم خراجِ عقیدت

غاشیہ بردار دربار رسول اللہ ﷺ کا
ماضیِ مرحوم کے اعجاز دکھلاتا رہا
آدمی کے رُوپ میں قدرت کا روشن معجزہ
علم کی ہیبت سے رزم و بزم پر چھاتا رہا
سادگی میں عہدِ اُولیٰ کے صحابہؓ کی مثال
سیرتِ پیغمبرِ کونین ﷺ سمجھاتا رہا
یہ جہاں فانی ہے کوئی چیز لافانی نہیں !
پھر بھی اس دنیا میں انور شاہؒ کا ثانی نہیں

فہرستِ ابواب

باب : ۷

باب : ۸

باب : ۹

باب : ۱۰

باب : ۱۱

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فہرستِ مضامین

سوانح حضرت علامہ مولانا انور شاہ کشمیریؒ

مقدمہ

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

حضرت الاستاذ الاکبر علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہٗ شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند کی مبارک ہستی نہ کسی تعارف کی محتاج ہے نہ کسی تاریخ کی دستِ نگر، ان کی حقیقی تاریخ ایک پیروں چلتی تاریخ ہے جو ان کے تلامذہ اور مآثر علمی کی صورت میں ہمہ وقت دائر وسائر نمایاں اور چشم دید رہتی ہے۔ اس اُمتِ مرحومہ میں لاکھوں علماء وفضلاء پیدا ہوئے اور اپنے نورانی آثار دنیا کے لئے چھوڑ گئے، لیکن ایسی ہستیاں معدودے چند ہیں، جن کا فیض عالمگیر اور محبوبیت عام قلوب کی امانت ہو اور جن کے علم کے ساتھ ساتھ عمل سے بھی اُمت نے استفادہ کیا ہو۔ حضرت امام العصر علامہ انور شاہ صاحبؒ کی ہستی انہیں مبارک اور معدودے چند ہستیوں میں سے ایک ممتاز ہستی ہے جو صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں اور صدیوں کو علم وفضل سے رنگین کر جاتی ہیں۔ حضرتؒ کا علم اگر متقدمین کی یاد تازہ کرتا تھا تو ان کا عمل سلفِ صالحین کو زندہ کئے ہوئے تھا اور اسوۂ سلف کے لئے نمونہ ساز تھا۔

علم حافظہ تقویٰ وطہارت اور زہد وقناعت مثالی تھی۔ علمی حیثیت سے ہم تلامذہ انہیں چلتا پھرتا کتب خانہ کہا کرتے تھے اور عملی حیثیت جو ہمہ جہت اتباعِ سنت کے نور میں ڈھلا ہوا تھا، اکثر وبیشتر ان کے عمل ہی سے مسائل معلوم کر لیتے تھے اور مسئلہ وہی نکلتا جو ان

کا عمل ہوتا تھا۔ ان کے روشن چہرہ پر ایمان کی چمک اس طرح نمایاں تھی کہ غیر مسلم بھی دیکھ کر یہ کہنے پر مجبور ہوجاتے تھے کہ اگر اسلام مجسم صورت میں آتا تو وہ علامہ انور شاہ کی صورت میں ہوتا۔ ہمارے شیخ ومربی حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ فرماتے تھے کہ :

"ہمارے زمانے میں مولانا انور شاہ صاحبؒ کا وجود اسلام کی حقانیت کی دلیل ہے"۔

آج سے ستر اسی سال قبل جبکہ حضرت الاستاذ قبلہ شاہ صاحبؒ جوان عمر تھے، مظفر نگر کے ایک جلسۂ مناظرہ میں جو مسلمانوں اور آریوں کے درمیان ہوا تھا، حضرت علامہ مرحوم بھی دارالعلوم دیوبند کی طرف سے اپنے استاذ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ کے ساتھ شرکتِ جلسہ کے لئے تشریف لے گئے اور اسٹیج پر تشریف فرما تھے تو آریہ مبلغ نے کھلے لفظوں میں کہا تھا کہ اگر کسی کی صورت دیکھ کر اسلام قبول کیا جاتا تو آج بھی مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی صورت دیکھ کر مسلمان ہوجانا چاہئے تھا، جن کے چہرے پر ہی اسلام برستا ہوا دکھائی دیتا ہے، درسِ حدیث کے لئے جب حضرت شاہ صاحبؒ اپنے قیام کے کمرے سے درسگاہ کی طرف چلتے ہوئے نظر آتے تو ہم لوگوں میں ایک دوسرے کو آمد کی اطلاع دینے کے لئے بے ساختہ جو کلمہ زبان زد تھا وہ یہ تھا کہ "جاء الشیخ الثقة الامین" جو درحقیقت ان کے ظاہری وباطنی کمالات کی وجہ سے خود بخود قلوب میں وضع ہوگیا تھا۔ درس میں اس وقار سے بیٹھتے جیسے کوئی پُر رعب وہیبت بادشاہ اپنی رعایا کے سامنے تخت نشین ہو۔ کلام نہایت باعظمت، متین اور علمی مواد سے لبریز ہوتا اور نقل ورواۃ کی قسم سے جو بھی دعویٰ فرماتے، اسی وقت کتب متعلقہ کھول کر اس کی عبارت سامنے کر دیتے۔ کتب حدیث کا ڈھیر خصوصیت سے سامنے رکھا ہوا ہوتا تھا۔ درس میں تبحر اور تفقہ دونوں یکساں چلتے تھے۔ درسِ حدیث فقط فنِ حدیث تک محدود نہ تھا بلکہ جمیع علوم وفنون کے حقائق

پر مشتمل تھا۔ میں خود حضرتؒ کی تقریر قلمبند کرتا تھا۔ اپنی کاپی کی طوالت عنوانات سے بچانے کے لئے تقریباً سات کالموں میں تقسیم کر رکھا تھا اور ہر کالم پر عنوانات کے عنوان دیئے ہوئے تھے، جیسے فن صرف ونحو، فنِ معانی وبلاغت، فنِ تفسیر وحدیث، فنِ فقہ واُصول فقہ، فنِ منطق وفلسفہ اور فنِ ہیئت اور فنِ تاریخ وغیرہ کیونکہ اہم مسائل میں ان فنون کے مسائل تقریباً ہر روز آتے تھے جو مسئلہ جس فن کا ہوتا کہ میں اسی کالم میں اس کا اندراج کر لیتا اور درس سے اُٹھ کر یہ معلوم ہوتا کہ ہم لوگ صرف حدیث ہی پڑھ کر نہیں آئے ہیں، بلکہ جمیع فنون متداولہ کا درس لے کر آ رہے ہیں ....

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

روئیداد دارالعلوم میں حضرت شاہ صاحبؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ :

"حضرت شاہ صاحبؒ کشمیر کے ایک ممتاز علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والد بزرگوار مولانا سید معظم شاہ صاحب ایک جید عالم دین اور عارف کامل تھے۔ حضرت شاہ صاحب بچپن ہی سے غیر معمولی ذہانت وذکاوت اور بے مثل قوتِ حافظہ کے مالک تھے۔ آپ ۱۳۱۰ھ/۱۸۸۳ء میں دیوبند تشریف لائے۔ حضرت شیخ الہندؒ مسندِ صدارت پر متمکن تھے۔ استاد نے شاگرد کو اور شاگرد نے استاد کو پہلی ہی ملاقات میں پہچان لیا۔ تفسیر وحدیث کی کتابیں شروع کیں اور چند ہی سال میں دارالعلوم میں شہرت ومقبولیت کے ساتھ ایک امتیازی شان حاصل کر لی۔ ۱۳۱۴ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوکر آپ حضرت گنگوہی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سند حدیث کے علاوہ باطنی فیض سے بھی مستفیض ہوئے اور خلافت حاصل کی۔ دارالعلوم سے فراغت کے بعد آپ نے مدرسہ امینیہ دہلی میں فرائضِ تدریسی انجام دیئے، پھر حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے اور ۱۳۲۷ھ سے دارالعلوم دیوبند میں درس وتدریس کی خدمت انجام دینے لگے اور حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ کے خصوصی مہمان کی حیثیت سے رہے۔

۱۳۳۳ھ/ ۱۹۱۵ء کے اواخر میں جب حضرت شیخ الہندؒ نے سفر حجاز کا قصد کیا تو اپنی جانشینی کا فخر حضرت شاہ صاحبؒ کو بخشا۔ دارالعلوم کی مسند صدارت حدیث پر تقریباً ۱۲ سال تک آپ جلوہ افروز رہے۔ ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۷ء کے اوائل میں اہتمام دارالعلوم سے بعض اختلافات کے باعث آپ فرائض صدارت سے دست کش ہو کر جنوبی ہند کے مدرسہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تشریف لے گئے اور ۱۳۱۵ھ/ ۱۹۳۲ء تک وہاں درس حدیث کا مشغلہ جاری رہا۔ قدرت کی جانب سے آپ کو حافظہ ایسا عدیم النظیر بخشا گیا تھا۔ ایک مرتبہ دیکھی ہوئی کتاب کے مضامین و مطالب تو درکنار عبارتیں تک مع صفحات و سطور کے یاد رہتیں اور دوران تقریر میں بے تکلف حوالے دیتے چلے جاتے تھے۔ اسی کے ساتھ مطالعے کا اس قدر شوق تھا کہ جو علوم کے خزانے ان کے دامن جستجو کی وسعتوں کو مطمئن اور تشنگی علم کو سیراب نہ کر سکتے تھے، کثرتِ مطالعہ اور قوتِ حافظہ کے باعث گویا ایک متحرک و متکلم کتب خانہ تھے۔

صحاح ستہ کے علاوہ حدیث کی اکثر کتابیں تقریباً برنوک زبان تھیں۔ تحقیق طلب مسائل میں جن کی جستجو اور تحقیق میں عمریں گزر جاتی ہیں، مسائل کے استفسار پر چند لمحوں میں اس قدر جامعیت کے ساتھ جواب دیتے تھے کہ اس موضوع پر سائل کو نہ تو شبہ باقی رہتا تھا اور نہ کتاب دیکھنے کی ضرورت، پھر مزید لطف یہ کہ کتابوں کے ناموں کے ساتھ صفحات و سطور تک کا حوالہ بھی بتلا دیا جاتا تھا۔ وہ ہر ایک علم و فن پر اسی طرح برجستگی کے ساتھ تقریر فرماتے تھے کہ گویا ان کو یہ تمام علوم مستحضر ہیں اور ابھی ابھی ان کا مطالعہ کیا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے علمی ذوق کا طبیعت پر اس قدر غلبہ تھا کہ عرصے تک نکاح اور متاہلانہ زندگی سے گھبراتے رہے، مگر بالآخر بزرگوں کے شدید اصرار سے ۴۳ سال کی عمر میں متاہلانہ زندگی اختیار فرمائی تھی اور اس کے بعد تنخواہ لینے لگے تھے۔ ڈابھیل چند سال

قیام فرمانے کے بعد آخر میں امراض کی شدت سے مجبور ہو کر دیوبند جس کو آپ نے اپنا وطن اقامت بنا لیا تھا، چلے آئے اور یہیں ۳ صفر المظفر ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۳ء کو تقریباً ۶۰ سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔ مزار مبارک عیدگاہ دیوبند کے قریب ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے اپنے دور صدارت تدریس میں ہزار سے زائد طلبا کو درس حدیث پڑھایا جن میں ممتاز تلامذہ کے اسماء گرامی یہ ہیں:

حضرت مولانا مفتی شفیع دیوبندیؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا سید بدر عالم میرٹھیؒ، مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ، مولانا حفظ الرحمان سیوہارویؒ، مولانا مفتی عتیق الرحمان عثمانیؒ، مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ، مولانا شبیر علی تھانویؒ، مولانا عبدالرحمان کاملپوریؒ، مولانا محمد یوسف بنوریؒ، مولانا محمد انوریؒ، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، مولانا سیدؒ، مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ، مولانا محمد منظور نعمانیؒ، مولانا محمد میاں دیوبندیؒ اور مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانویؒ وغیرہ۔

مختصر یہ کہ حضرت شاہ صاحبؒ دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین حضرت شیخ الہندؒ کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے۔ تمام علوم معقولات و منقولات میں کامل دستگاہ رکھتے تھے اور قوت حافظہ میں یگانہ روزگار تھے۔ کئی مشہور محققانہ کتابوں کے مصنف تھے۔ ان کا درس حدیث اپنے دور کا مشہور درس تھا جو ایک خاص امتیازی طرز لئے ہوئے تھا۔ آپ کے تبحر علمی نے درس حدیث کو جامع علوم و فنون بنا دیا تھا اور آپ کے درس نے نقل و روایت کی راہ سے آنے والے فتنوں کے لئے آنے کی گنجائش نہیں چھوڑی تھی۔ آج بھی نمایاں اور ممتاز علماء اور صاحب طرز فضلاء زیادہ تر آپ ہی کے تلامذہ ہیں جو ہندو پاک میں علمی مسندوں کو آراستہ کئے ہوئے ہیں۔ آپ کے یہاں ردّ قادیانیت کا خاص اہتمام تھا اور اس فتنہ کو اعظم الفتن شمار کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں کئی معرکۃ الآراء کتابیں خود بھی تصنیف

فرمائیں اور بڑے اہتمام کے ساتھ اپنے تلامذہ سے بھی لکھوائیں۔ اس بارے میں بڑے شغف کے ساتھ لکھنے والوں کو علمی مدد دیتے تھے۔

حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور حضرت مولانا سید بدرِ عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدنیؒ نے خصوصیت سے حضرت شاہ صاحبؒ کی ردِ قادیانیت تحریک میں عملی حصہ لیا اور تحریر وتقریر کے ذریعے اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے سرگرمی سے کام کرتے رہے۔

الغرض حضرت شاہ صاحبؒ کی آخری زندگی تردیدِ قادیانیت میں صرف ہوئی اور انہیں کامل شغف اس فتنہ کبریٰ کے استیصال سے رہا، جس سے حضرت شاہ صاحب مرحوم کا بغض فی اللہ نمایاں ہوجاتا ہے، جو محبت حضرت خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کا ایک واضح نشان اور ورثہ انبیاء کی کھلی دلیل ہے۔

حضرتؒ کے اس سلسلہ کے مضامین ومقالات جن کا تعلق تردیدِ قادیانیت سے ہے، خصوصاً مقدمہ بہاولپور میں انہوں نے کئی روز مسلسل ردّ قادیانیت اور قادیانیوں کے کفر کے اثبات میں جو نہایت پُر مغز اور علمی بیانات کے اہم اقتباسات حضرت شاہ صاحبؒ کے صاحبزادے مولانا سید انظر شاہ صاحب نے اپنی تالیف "نقشِ دوام" میں جمع کردیئے ہیں (جنہیں پیش نظر کتاب میں بھی نقل کردیا گیا ہے) جن سے قادیانیت کے متعلق اکابرِ دارالعلوم دیوبند کا نقطۂ نظر مدلل طور پر سامنے آگیا ہے اور ساتھ ہی متعلقہ علوم اور اُصول و مقاصد دین بھی واشگاف ہوگئے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حرفِ آغاز

الحمد لحضرة الجلالة والصلوٰة والسلام علیٰ خاتم الرسالة.

القاسم اکیڈمی اور خود مجھ ناکارہ کی خوش بختی ہے کہ ربِّ ذوالجلال نے اکابرؒ کی سوانحات کی اشاعت کی توفیق بخشتی۔ سوانح شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ، سوانح قائد ملت حضرت مولانا مفتی محمودؒ، سوانح مجاہد ملت حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ، سوانح مولانا محمد احمدؒ اور سوانح مولانا محمد یوسف بنوریؒ (جمالِ یوسف) سوانح شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے بعد فخر المحدثین حضرت الامام مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کی تابناک زندگی کا یادگار مرقّع اور ہماری تاریخ کا سنہری ورق اس وقت قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔ فنِ سوانح نگاری دوسرے فنون کی طرح آج کل بہت ترقی اور عروج پر ہے اور اہل قلم جو اس فن میں مرتبۂ اختصاص رکھتے ہیں، اس کے نوک پلک خاصے درست کرچکے ہیں۔ یہ فن جس قدر مقبول اور قابلِ قدر ہے اس قدر نازک بھی ہے۔ مسلمان سوانح نگاروں نے ہمیشہ صاحبِ سوانح کے سبق آموز اور کردار ساز مواد کو جمع کرکے قوم کے سامنے پیش کیا ہے، جبکہ یورپ کے سوانح نگاروں نے حقیقت نگاری کے نام سے ہمیشہ صاحبِ سوانح کی کردار کشی اور بدنما نمونے پیش کرنے کی روایت ڈالی ہے۔

قارئین کی اکثریت ان شخصیتوں سے جن کے حالات، واقعات مطالعہ میں لانا چاہتی ہے، بذاتِ خود متعارف نہیں ہوتی بلکہ اس کے مرتبہ یقین کا زیادہ تر اعتماد سوانح نگار

کی سوانح نگاری پر ہوتا ہے۔ وہ ان ہی رنگوں سے متاثر ہوتی ہے جو وقائع نگار کے قلم سے ان کی زندگی کے نقشوں میں بھر دیے جاتے ہیں۔

اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ صاحب سوانح کی زندگی کے روشن پہلو سامنے لائے جائیں تاکہ لوگ ان کی سیرت و کردار، اخلاص وللہیت، عشق رسول واتباع سنت، ذوقِ عبادت وانابت اور بنی نوع انسان سے محبت کی روشنی سے استفادہ کر کے اپنی زندگیوں میں بھی ان اوصاف حمیدہ کے چراغ روشن کر سکیں۔

حضرت الامام مولانا محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ بھی ہماری تاریخ کے ایسے ہی روشن چراغ تھے جو اپنے علم وعمل، اخلاق وکردار، خدا پرستی اور خدمت خلق کے حوالے سے انسانیت کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ حضرت امام کشمیریؒ وہ شخصیت تھے کہ جن کے علم کے ساتھ ساتھ عمل سے بھی اُمت نے استفادہ کیا۔ حضرت امام کشمیریؒ کی عظمتوں کے بے شمار گوشے ہیں، لیکن مجھ گناہگار نے ان کی سوانح نگاری اس معنی میں نہیں کی کہ ان کی پوری زندگی کے سارے گوشے بیان کرنا مقصود ہو بلکہ ہمارا ہدف تو ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ اکابر واسلاف کے کردار کی تابناکی کو درخشاں اور نمایاں کرنا چاہئے اور آج بھی ہمارا مقصد یہی ہے۔

پیش نظر سوانح میں بھی آپ کو حضرت امام کشمیریؒ کی زندگی کے اُجلے اور روشن نقوش نظر آئیں گے۔ بارگاہ رب ذوالجلال میں دعا ہے کہ اے بار الٰہ! ہمیں حضرت امام کشمیریؒ کی فکر، اعمال، کردار اور ان کے مشن کو اُجاگر کرنے کی توفیق عطا فرما، ہمارے دلوں میں صاحب سوانح کی پیروی اور نقش قدم پر چلنے کا عزم، اشتیاق اور ہمت پیدا فرما، ہمیں اپنی کمزوریوں کا احساس اور عمل نافع کا شوق عطا فرمایا۔

عبدالقیوم حقانی

صدر القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ

شعبان ۱۴۲۶ھ/ستمبر 2006ء

باب : ۱

سلسلۂ نسب، والدین، ولادت، تحصیل علم، تعلیم وتربیت، تذکرۃ الاساتذہ، دارالعلوم دیوبند میں کسب فیض اور تدریسی آغازِ کار

سلسلۂ نسب :

فخر المحدثین محدث کبیر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ خاندانی سید تھے۔ آپ کے آباء واجداد تقریباً ڈھائی سو سال قبل بغداد سے ہجرت کر کے ملتان سے ہوتے ہوئے کشمیر آ کر آباد ہوئے۔ آپ کا پورا سلسلہ اولیاء اللہ اور کاملین سے سرفراز ہے۔ خصوصاً شاہ فتح اللہ اور شاہ مسعود نروری کے مزارات آج بھی کشمیر میں مرجع خاص و عام ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ کا سلسلۂ نسب چند واسطوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے خود اپنی بعض تصانیف میں اپنا سلسلۂ نسب یوں تحریر فرمایا ہے :

محمد انور شاہ بن محمد معظم شاہ بن عبد الکبیر بن عبد الخالق بن پیر اکبر بن پیر حیدر بن عارف باللہ بن بابا علی بن شیخ عبد اللہ بن شیخ مسعود کشمیری۔

والدین :

حضرت شاہ صاحبؒ کے والد حضرت مولانا محمد معظم شاہ بڑے متبحر عالم دین تھے۔ سہروردیہ سلسلہ میں مجاز طریقت تھے۔ ہزاروں کشمیریوں نے ان کے دست حق پرست پر بیعت کی، ایک سو پندرہ سال کی طویل عمر پائی۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی والدہ محترمہ بھی سیدہ تھیں۔ گویا آپ طرفین سے سید النسل تھے۔ بعض علماء کرام نے لکھا ہے کہ اگر ننھیال سادات سے ہو تو اس کی جانب

انتساب کرتے ہوئے خود کو سید کہنا و لکھنا جائز ہے۔ آپ کی والدہ محترمہ کا نام ''بی بی مال دیدی'' تھا۔ کشمیری زبان میں ''مال'' کے معنی پہاڑ کی اونچی چوٹی ہے اور دیدی کا لفظ کشمیری زبان میں عزت و احترام کا مفہوم ادا کرنے کے لئے بولا جاتا ہے۔ گویا ''مال دیدی'' کا مفہوم ہے پہاڑ کی اونچی چوٹی کی طرح بلند رتبہ خاتون۔ آپ کی والدہ محترمہ پیر سیف اللہ شاہ کی دختر تھیں، چند پشتیں اوپر جا کر آپ کی والدہ کا سلسلۂ نسب بھی حضرت شیخ مسعود شاہ کشمیریؒ سے جا ملتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی والدہ محترمہ بچپن ہی سے صوم وصلوٰۃ کی پابند اور قرآن مجید کی تلاوت کی رسیا تھیں۔

وطن اور ولادت :

حضرت شاہ صاحبؒ کی ولادت ۲۷ رشوال المکرم ۱۲۹۲ھ بوقت صبح بروز شنبہ موضع دودھوان لولاب علاقہ کشمیر میں ہوئی۔ دودھوان دراصل دُو دوَن ہے اور کشمیری زبان میں اس کا مطلب ہے دودھ سے بھرپور جنگل۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس گاؤں کے شمال مشرق کی طرف نہایت سرسبز چراگاہ تھی، جس میں گائیں، بھینسیں اور بکریاں وغیرہ چر کر خوب دودھ دیتی تھیں۔ اس لئے مقامی لوگوں نے اس چراگاہ کو دودون کا نام دیا اور بعد ازاں پورا گاؤں دودھوان کے نام سے مشہور ہوا۔

اے وادیٔ لولاب :

مشہور شاعر حفیظ جالندھریؒ نے ایک علاقہ کی منظر کشی اپنے شاعرانہ انداز میں یوں بیان کی ہے جو حرف بہ حرف دودھوان کے منظر کی عکاسی کرتی ہے ....

دور انسان کی نگاہ سے دور — دور دنیا کی شاہراہ سے دور
ایک وادی ہے کوہساروں میں — حسن کی فطرتی بہاروں میں

نغمہ زن آبشار چاروں طرف — ندیاں بے شمار چاروں طرف
پھوٹتے ہیں ہزارہا چشمے — سرد و شفاف و خوش نما چشمے
لپٹ گئی ہے زمین پھولوں سے — بن گئی ہے نازنین پھولوں سے

علامہ محمد اقبالؒ فرمایا کرتے ....

اے وادیٔ لولاب! — پانی ترے چشموں کا تڑپتا ہوا سیماب

سراپا :

مولانا حامد الانصاری غازی آپ کا سراپا تحریر فرماتے ہیں :

علامہ انور شاہ کشمیری! جسم نور کی چادر میں لپٹا ہوا، چہرہ مہتابی، چودھویں رات کا چاند، رنگ خوب کھلا ہوا گورا، چاند کی چاندنی میں دھلا ہوا، بزرگوں سے سنا جوانی میں سیب کی طرح سرخ تھے ادھیڑ عمر میں رنگ ہلکا سنہرا زعفرانی تھا، بڑھاپے میں سپیدی پر زردی سی چھائی رہتی تھی، وصال سے پہلے زردی ہی زردی تھی۔

پیشانی شاہی مسجد دہلی کی محراب کی طرح وسیع اور بلند تھی۔ آنکھیں معصوم اور کسی قدر مغموم، نہ بڑی نہ چھوٹی، اکثر اوقات رکوع میں رہتیں، جب قیام کے لئے اٹھتیں تو نور یقین کی چمک سے چاندنی سی پھیل جاتی، جب درس میں روایت حدیث کے ساتھ درایت کارفرما ہوتی اور محسوس ہوتا کہ آپ مقام اجتہاد سے بہت قریب ہیں تو آواز میں بلندی اور نگاہوں میں تیزی پیدا ہو جاتی اور شاگرد اس کی تپش اپنے سینوں میں محسوس کرتے۔ خاص طور پر اس وقت جب مذاہب اربعہ کے بیان کے بعد امام ابن تیمیہ سے مخاطب ہوتے اور مسلک جمہور کو ترجیح دیتے، سننے والے چند منٹ میں کئی مقامات طے کر لیتے۔ اہل علم خود اندازہ فرما سکتے ہیں کہ سننے والوں کا کیا عالم ہوگا۔

حضرت شاہ صاحب کبھی آسمان کی طرف دیکھتے اور کبھی شاگردوں کی طرف خاص شان سے فرماتے کہ :

"میں امام بخاریؒ کے قدموں میں بیٹھ کر بات کرتا ہوں اور امام ابن تیمیہؒ سے سر اُٹھا کر بات کرتا ہوں"۔

اس جملہ کو کئی پہلو سے ادا کرتے اور ہم لوگ ہونٹوں کے آثار چڑھاؤ سے انداز کرتے کہ آج بات میں کہاں سے کہاں پہنچ گئے ہے۔

حضرتؒ کے ہونٹ گداز تھے، خاموشی میں محبوبیت کی شان تھی۔ بولنے میں محبوبیت کی یہ شان اور دوبالا ہوجاتی۔ جب بات میں ابلاغ کی شان ہوتی تو شاگردوں کو پیار سے "جاہلین" کہہ کر خطاب کرتے، مگر کسی فرد کو کبھی جاہل نہ کہتے۔ قابل اور ذی استعداد طلبہ کو "صاحب سواد" کہتے، قابل اور صاحب سواد طلبہ یہ تھے۔ ادریس کاندھلوی، بدر عالم میرٹھی، محمد صدیق نجیب آبادی، مناظر احسن گیلانی، محمد یوسف شاہ، میر واعظ کشمیری، محمد شفیع دیوبند، ابوالوفا شاہجہاں پوری، محمد طیب قاسمی، عتیق الرحمٰن عثمانی، سید میرک شاہ کشمیری، لطف اللہ پشاوری، احمد اشرف راندیری، فصیح الدین بہاری، انوار الحسن شیر کوٹی، سید محمد یوسف بنوری اور سعید احمد اکبر آبادی، زین العابدین میرٹھی اور حبیب الرحمٰن مکی۔

ہر دورۂ حدیث کے صاحب سواد طلبہ الگ ہوتے، میرا حال سب سے الگ تھا: صاحب سواد تھا نہ جاہلین میں سے! ہمیشہ نظر خاص سے فیضیاب رہا۔ دل ہی دل میں اکثر حضرت الاستاذ سے مخاطب ہوتا اور کہتا ....

یہ مانا تیرا حسن ہے لاجواب — مری عاشقی بھی کوئی چیز ہے

آپ بھولے نہ ہوں گے میں سراپا لکھ رہا ہوں، بات چہرہ سے ہونٹوں تک اور حسن سے حسن کلام تک پہنچی۔ اب آواز پر آئیے۔

آواز میں ترنم تھا اور ترنم میں گنگناہٹ تھی جس سے آہنگ میں دلکشی کے ساتھ شانِ امتیاز پیدا ہوجاتی اور آواز اپنی عالمانہ خصوصیات کے ساتھ الگ پہچانی جاتی۔ شعر پڑھتے تو آواز کئی بلندیوں اور وادیوں سے گذرتی کئی موڑ لیتی اور آخر میں نون غنہ لہراتا اور سننے والوں کو اس لب ولہجہ پر بے اختیار پیار آتا۔

اب قد وقامت کا تصور فرمائیے۔ قد سرو تھا نہ صنوبر نہ بڑا نہ چھوٹا بلکہ کھنچتا ہوا درمیانہ، تن بدن نہ اکہرا نہ دوہرا بلکہ موزون اور متناسب، سراپا میں عظمت ووقار، روحانیت کا حسن اور شخصیت کا جلال، چلتے تو راستہ بن جاتا نظر اُٹھتی تو ہجوم کے دو ٹکڑے ہوجاتے اور صراط مستقیم تیار ہوجاتی اور حضرت استاد اپنے خاص شاگردوں کے ساتھ گذر جاتے۔

چال بہت ہی ہلکی قدم بہت نرم نرم اور بے حد نازک اتنے نرم کہ چیونٹی قدموں کے نیچے آجائے تو درود پڑھتی ہوئی اپنی راہ چلی جائے۔ جب چلتے تو نظریں نیچی رہتیں، کبھی کبھی نظر اٹھا کر سامنے دیکھتے۔ راستے میں بات کرنے اور ادھر اُدھر دیکھنے کی عادت نہ تھی۔ چلتے ہوئے نظر کے ساتھ کمر ہلکی جھکی رہتی، اس طرح قدم اُٹھاتے جیسے پستی سے بلندی کی طرف جا رہے ہوں۔ درسگاہ سے قیام گاہ یا مسجد جاتے دونوں طرف شاگردوں کا صحیح معنی میں عاشقوں کا ہجوم، دل چاہتا حضرت الاستاذ ہمارے سامنے سے گذرتے رہیں اور ہم عمر بھر دیکھتے رہیں۔

لباس! تن زیب ایسا کہ اب تک دیکھا نہ سنا سر سے پاؤں تک سبز حلہ، سر پر سبز رومال، بدن پر سبز رنگ کا چوغا، قدموں کو چومتا ہوا ایسا معلوم ہوتا کہ جنت کے سبزہ زار سے کوئی فرشتہ زمین پر اتر آیا۔ لباس کا سبز رنگ گہرا نہ تھا بلکہ کھلتا ہوا، تصوف کے سات رنگ مشہور ہیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ ساتوں رنگ ایک ذات اور ایک رنگ میں سمٹ آئے ہیں جیسے کشمیر کی ساری بہار ایک سراپا میں تحلیل ہوگئی ہے۔ سچ یہ ہے کہ کشمیر کی طرح آپ بھی

جنت نظیر تھے۔

خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنہوں نی علامہ انور شاہ کو دیکھا۔ ان سے فیض پایا، ان سے درس حدیث حاصل کیا، ان کے فیضان علم سے علم وتحقیق کو جلا دی۔ ان کی صحبت سے مستفید ہوئے اور ان کی مشعل علم سے روشنی حاصل کر کے دنیا کی سرحدوں تک، ڈاکر سے لے کر قازان روس اور سائبریا تک علوم وفنون کا نور لے کر پہنچے، حق یہ ہے کہ جن اہل علم اور اصحاب کمال کو اس عجوبہ عالم شخصیت سے تعلق رہا، انہیں ہفت عجائبات عالم کو دیکھنے کی نہ فرصت ملی نہ کبھی تمنا ہوئی۔ (ماہنامہ دارالعلوم ستمبر ۱۹۸۰ء از مولانا حامد الانصاری غازی)

ابتدائی تعلیم :

حضرت شاہ صاحبؒ نے تقریباً پانچ سال کی عمر میں اپنے والد محترم حضرت مولانا محمد معظم شاہ سے قرآن پاک پڑھنا شروع کیا اور چھ سال کی عمر تک ناظرہ قرآن مجید ختم کرنے کے علاوہ فارسی کی ابتدائی کتب نام حق کریما، پندنامہ، شیخ عطار، دستور الصبیان وغیرہ اور عربی زبان کی منیۃ المصلی اور قدوری وغیرہ پڑھ لیں۔ اللہ نے آپ کو ذکاوت' ذہانت کا خصوصی ملکہ عطا فرمایا تھا۔ آپ بچپن ہی سے بہت زیادہ ذہین' فطین' لائق اور ذی استعداد طالب علم تھے۔

والد کا اعتراف وشہادت :

آپ کے والد محترم حضرت مولانا معظم شاہ صاحب راوی ہیں کہ :

''جب میرے بیٹے محمد انور شاہ نے مجھ سے مختصر القدوری پڑھنا شروع کی تو مجھ سے بعض ایسے مسائل دریافت کرتے کہ میرے لئے مبسوط کتابوں کا مطالعہ کئے بغیر ان کا تسلی بخش جواب دینا ناممکن ہوتا، جو کچھ ایک بار پڑھ لیتے، وہ حافظہ میں پتھر کی لکیر بن

جاتا۔ میں انہیں علمی باریکیوں اور کتابی موشگافیوں سے بچنے کی تاکید کرتا لیکن کتاب کی صرف عبادت کے مفہوم تک خود کو محدود رکھ کر چلنا ان کے بس کی بات نہ تھی۔ حضرت شاہ صاحب کی اس ذہانت وفطانت سے پریشان ہو کر میں نے انہیں ایک دوسرے عالم کے سپرد کیا، مگر دوسرے استاد کو بھی ان سے یہی شکایت پیش آئی۔

اپنے وقت کا رازی وغزالی بنے گا :

حضرت شاہ صاحبؒ بچپن میں ایک دفعہ منطق اور نحو کے چند رسائل کا مطالعہ کر رہے تھے۔ اتفاقاً ایک بڑے عالم اس وقت آپ کے پاس آگئے اور آپ کی کتابوں کو اُٹھا کر دیکھا، کتابوں پر خود شاہ صاحبؒ کے حواشی لکھے ہوئے تھے، بچپن کے زمانہ کی اس ذکاوت وذہانت کو دیکھ کر اُس عالم نے بے اختیار کہا کہ یہ بچہ اپنے وقت کا رازی اور اپنے زمانے کا غزالی ہوگا۔

عظیم الشان عالم بنے گا :

آپ کے والد حضرت مولانا معظم شاہ صاحبؒ نے حضرت شاہ صاحبؒ اور آپ کے بڑے بھائی یاسین شاہ مرحوم کو کشمیر کے پہاڑوں میں اعتکاف کرنے والے ایک عارف کامل کے پاس حصول برکت کے لئے لے گئے۔ اُس عارف نے جب حضرت شاہ صاحبؒ کو دیکھا تو آپ کے والد سے پوچھا کیا یہ تمہارا بچہ ہے؟ پھر خود ہی کہنے لگے کہ یہ بڑا عظیم الشان عالم بنے گا اور مستقبل میں اس کی علمی عظمت مسلم ہوگی۔

لوگ مہدی موعود ہونے کا شبہ کرتے :

حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک موقع پر فرمایا: میرے غیر معمولی احوال دیکھ کر کشمیر

کے عوام شبہ کرتے تھے کہ میں ہی مہدی موعود ہوں۔ میرے والد محترم اور خاندان کے دوسرے بزرگوں کو عوام کی اس غلط فہمی کی تردید کرنی پڑتی تھی۔ فرمایا کرتے، میں بارہ سال کی عمر میں فتوے دینے لگا تھا اور نو سال کی عمر میں فقہ و نحو کی مطولات کا مطالعہ کر چکا تھا۔

(حیات انور ص ۲۰۴)

ہزارہ میں آمد :

جب حضرت شاہ صاحبؒ کی عمر چودہ (۱۴) سال کی ہوئی تو آپ ہزارہ (سرحد) کے متعدد علماء کی بارگاہِ علم میں حاضر ہوئے اور علوم عربیہ کی تکمیل فرماتے رہے۔ تین سال ہزارہ میں رہے۔ جب دارالعلوم دیوبند کی علمی عظمتوں کا تذکرہ سنا تو مزید علوم کے حصول کا شوق اس قدر بڑھا کہ ہزارہ سے دیوبند آ گئے۔ اس وقت آپ کی عمر سترہ سال تھی۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ :

۱۳۰۸ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ یہاں چار سال رہ کر تعلیم کی تکمیل کی اور ۲۰ سال کی عمر میں دورۂ حدیث مکمل کیا۔ دیوبند سے سند حدیث حاصل کرنے کے بعد آپ گنگوہ تشریف لے گئے اور حضرت مولانا مفتی رشید احمد گنگوہیؒ سے سند حدیث حاصل فرمائی اور ظاہری و باطنی علوم کی تکمیل کے بعد سلوک و طریقت کے مدارج طے فرمائے اور حضرت گنگوہیؒ سے بیعت ہو کر شرف خلافت سے مشرف ہوئے۔

تذکرۃ الاساتذہ :

دارالعلوم دیوبند میں جن اکابر اساتذہ سے آپ کو شرف تلمذ حاصل رہا ہے، ان کا تذکرہ اور حضرت شاہ صاحبؒ کی طالب علمی کی داستان نذر قارئین ہے۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ :

حضرت شیخ الہندؒ دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے شاگرد ہیں۔ جب آپ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے، اس وقت آپ قدوری اور شرح تہذیب پڑھ رہے تھے۔ علم حدیث کی تحصیل حضرت نانوتویؒ سے فرمائی اور حضرت نانوتویؒ کے دستِ مبارک سے دستار فضیلت حاصل کی۔ حضرت نانوتویؒ حضرت شیخ الہندؒ پر خصوصی شفقت فرماتے تھے، چنانچہ ان کی اعلیٰ علمی اور ذہنی صلاحیتوں کے پیش نظر دارالعلوم دیوبند کی مدرسی کے لئے اکابر کی نظر انتخاب آپ پر پڑی۔ ۱۲۹۱ھ میں مدرس چہارم کی حیثیت سے آپ کا تقرر عمل میں آیا۔ ۱۳۰۸ھ میں صدر مدرس کے منصب جلیلہ پر فائز ہوئے۔ ۱۲۹۱ھ میں اتر پردیش کے گورنر سر جان نے اپنے ایک معتمد جان پامر کو اس غرض سے دارالعلوم دیوبند بھیجا کہ وہ خفیہ تحقیق کر کے رپورٹ پیش کرے کہ دارالعلوم کا مقصد کیا ہے؟ جان پامر نے اپنے مشاہدات و تاثرات کا بڑے دلچسپ انداز میں اظہار کیا ہے۔

جان پامر بارگاہِ شیخ الہندؒ میں :

جان پامر لکھتا ہے۔ میں دارالعلوم دیوبند پہنچا۔ جہاں ایک نوجوان (حضرت شیخ الہندؒ) بیٹھا ہوا تھا۔ ایک موٹی کتاب اس کے سامنے رکھی ہوئی تھی اور دس بارہ طالب علم پڑھ رہے تھے۔ ایک طرف دو بندوقیں پڑی ہوئی تھیں۔ میں نے سلام کیا، اس نے کمال اخلاق سے جواب دیا۔ میں نے پوچھا گذشتہ سال آپ نے دستار فضیلت باندھی ہے۔ کہنے لگے اساتذہ کی عنایت ہے۔ میں نے پوچھا یہ بندوقیں کیسی ہیں؟ کہنے لگے مجھے شکار کا شوق ہے۔ سات سے دس بجے تک پڑھاتا ہوں اور پڑھتا ہوں گیارہ سے ایک بجے تک شکار اور دو سے چار بجے تک ترجمہ کرتا ہوں۔ میں نے دریافت کیا آپ نوکری کیوں نہیں

مدرس ہو گئے۔ آپ کو تمام علوم متداولہ میں مہارت تامہ حاصل تھی، لیکن حدیث سے بہت زیادہ شغف تھا۔ اسی شغف کے سبب آپ نے ابوداؤد کی شرح بذل المجہود کے نام سے لکھی جو پانچ جلدوں میں شائع ہوئی۔ اس کے علاوہ بھی آپ کی کئی تصانیف موجود ہیں۔ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے خلیفۂ اجل تھے۔ ایک دفعہ حضرت گنگوہیؒ نے مولانا خلیل احمدؒ کو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی خدمت میں بھیجا اور حضرت حاجی صاحبؒ کو لکھا کہ مولوی خلیل احمد حاضر خدمت ہو رہے ہیں، آپ ان کی باطنی حالت پر مطلع ہو کر مسرور ہوں گے۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے جب آپ کی باطنی حالت دیکھی تو بہت خوش ہوئے اور اپنے سر سے دستار اُتار کر آپ کے سر پر رکھ دی اور اپنی جانب سے تحریری خلافت عطا فرمائی۔ بعد میں اس اجازت نامہ پر حضرت گنگوہیؒ نے دستخط فرمائے۔ (تاریخ دار العلوم نمبر ۱۸۷)

حضرت مولانا غلام رسول صاحب ہزارویؒ :

حضرت مولانا غلام رسول صاحب ضلع ہزارہ کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کی۔ ۱۳۰۳ھ میں دار العلوم دیوبند سے سند فراغت حاصل کی۔ ۱۳۰۸ھ میں آپ کو دار العلوم میں مدرس مقرر کیا گیا۔ علوم عقلیہ ونقلیہ کے حافظ اور جامع تھے۔ طبقہ علماء میں ان کی بڑی قدر ومنزلت تھی۔ طلبا بڑے شوق سے ان کے درس میں شامل ہوتے تھے۔

حضرت مولانا اظہر شاہ صاحب نقش دوام ص ۳۲ پر رقمطراز ہیں:

"سردی کے زمانے میں مرزئی، اس پر فرغل، اس پر چادر اور پھر لحاف کا بوجھ کھینچ کر درسگاہ میں داخل ہوتے آتے ہی لیٹ جاتے اور فرماتے ارے! کوئی ہے جو مجھے دابے۔ طلبہ جسم دبانے کی سعادت حاصل

کرتے اور سبق شروع ہوتا"۔

انور شاہ کو آتا ہی کیا ہے؟

آپ کے زمانۂ تدریس ہی میں آپ کے نامور شاگرد حضرت مولانا محمد انور شاہ دار العلوم کے صدر مدرس ہو چکے تھے اور ان کے علوم کا بحر مواج تلاطم پذیر تھا۔ مولانا مفتی محمود صاحب نانوتویؒ سابق رکن شوریٰ دار العلوم دیوبند صاحبزادہ ہونے کی بنا پر کہنے سننے میں جری تھے۔ کبھی کبھار عرض کرتے کہ:

"جب آپ سے پڑھایا نہیں جاتا تو مفت میں دار العلوم سے مشاہرہ کیوں لے رہے ہیں؟ وہ دیکھئے آپ کے شاگرد حضرت شاہ صاحب کس شان کا درس دے رہے ہیں"۔

اس طنزیہ جملہ پر یہ سادہ دل پٹھان زائد کپڑے اُتار کر پھینک دیتا، سنبھلتے ہوئے ارشاد ہوتا: "تو پھر میں کہوں گا کہ انور شاہ کو آتا ہی کیا ہے"؟

کریلا اور نیم چڑھا :

طلبہ کہتے آپ عربی میں تقریر نہیں کر سکتے۔ شاہ صاحب تو عربی میں تقریر کر لیتے ہیں تو فوراً مرحوم کی عربی میں تقریر شروع ہو جاتی، پھر سوال ہوتا اچھا آپ فارسی میں تقریر نہیں کر سکتے جبکہ آپ کے شاگرد فارسی میں تقریر کرنے پر قادر ہیں۔ اس پر فارسی میں تقریر ہوتی۔ فرماتے ہیں کئی زبانوں کا ماہر ہوں، ان زبانوں کی فہرست میں اردو بھی داخل ہے۔ مولانا مفتی محمودؒ مذکور نے عرض کیا اگر آپ اردو جانتے ہیں تو کریلا اور نیم چڑھا کا مطلب بتایئے؟ کچھ وقت کیلئے غوطہ زن ہوئے، پھر ارشاد فرمایا، حرف عطف نے کام خراب کر دیا ورنہ بات صاف تھی کریلا نیم پر چڑھ گیا۔ اس سادگی اور معصومیت سے طلبہ بھی خوب لطف لیتے اور خود داران مدرسہ بھی۔

کرتے؟ کہنے لگے خدا تعالیٰ گھر بیٹھے بٹھائے ڈھائی سو روپے مہینہ دیتا ہے، پھر کس لئے نوکری کروں۔

حضرت شیخ الہندؒ کے فیض تعلیم نے حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ، مولانا عبیداللہ سندھیؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ، مولانا اعزاز علیؒ اور مولانا مناظر احسن گیلانیؒ جیسے مشاہیر علماء کی جماعت تیار کی۔ (تاریخ دارالعلوم دیوبند نمبر ۱۸۷)

انظر شاہ مسعودی کا شہ پارہ :

حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی نقش دوام ص ۲۸ پر فخر المحدثین حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ کی حضرت شیخ الہندؒ کی بارگاہ علم میں پہنچنے کی داستان یوں نقل کرتے ہیں:

میرے والد گرامی حضرت شاہ صاحب ۱۳۰۷ھ میں دیوبند تشریف فرما ہوئے تو مدرسہ کے جائے وقوع اور ذمہ داران مدرسہ سے ناواقفیت کی بنا پر دارالعلوم سے قریب شہر کی مشہور مسجد قاضی میں فروکش ہوئے۔ غربت و ناداری کی بنا پر کئی وقت مسلسل فاقہ رہا، لیکن اس فقر و فاقہ کا کسی سے تذکرہ بھی نہیں کیا۔ اُس زمانہ میں مسجد کے متولی قاضی احمد حسین تھے۔ قاضی صاحب موصوف نے اس ہونہار طالب علم کے چہرے پر آثار نجابت و شرافت کے ساتھ شدید گرسنگی کا نمایاں اثر دیکھا تو دریافت کیا میاں تم کس ارادے سے دیوبند آئے ہو؟

عرض کیا کہ حضرت مولانا محمود حسنؒ سے حدیث پڑھنے کے لئے کشمیر سے آیا ہوں متولی صاحب نے پہلے کھانا کھلایا، پھر اس نو وارد کو لے کر شیخ الہندؒ کی خدمت میں پہنچے۔ اس وقت دارالعلوم میں نہ مطبخ تھا اور نہ دارالاقامہ میں طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد کے مطابق

گنجائش۔ چنانچہ آپ پٹھان پورہ کی جامع مسجد میں مقیم ہو گئے اور مدتوں اس مسجد کی امامت کے ساتھ ساتھ حمام میں پانی بھرنے، مسجد کی صفائی، صفیں بچھانے اور اُٹھانے کا کام انجام دیتے رہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ الہندؒ سے صحیح امام بخاری، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی اور ہدایہ اخیرین پڑھیں۔

دارالعلوم سے فراغت کے بعد آپ گنگوہ تشریف لے گئے جہاں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے حدیث کے علاوہ باطنی تعلیم بھی حاصل کی۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ :

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اُسی صدف کے اعلیٰ درِ یتیم تھے جس سے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ جیسے اعلیٰ شخصیات نکلے تھے۔ حضرت گنگوہیؒ نے اپنے وجود باسعود کی بدولت مدرسہ دیوبند کو اعلیٰ ترقی پر پہنچایا تھا۔ حضرت گنگوہیؒ اُن قدیم طرز کے علماء میں سے تھے جن کا حلقۂ درس ملازمت وظائف سے بے نیاز تھا۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کی خانقاہ میں قیام رہتا تھا۔ تزکیہ قلب اور تزکیہ نفس کے حلقے کے ساتھ ساتھ طلبہ کا مجمع بھی موجود رہتا تھا۔ علم حدیث سے خاص طور پر غیر معمولی شغف تھا۔ تقریر نہایت جامع اور مختصر ہوتی تھی۔ دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل علماء میں جن حضرات نے حضرت گنگوہیؒ کے درس میں شریک ہو کر استفادہ کیا، ان میں حضرت علامہ کشمیریؒ جیسے یگانہ روزگار علماء شامل ہیں۔ (تاریخ دارالعلوم دیوبند ص ۸۷)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ :

حضرت مولانا خلیل احمد حضرت مولانا مملوک علی کے نواسے اور حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کے بھانجے تھے۔ دارالعلوم سے فراغت کے بعد مظاہر العلوم سہارنپور میں

بستر باندھ کر اجمیر روانہ ہونے لگے :

مولانا معین الدین اجمیری صدر جمعیت علمائے ہند دیو بند تشریف لائے تو مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی نے تمام اساتذہ کو مطلع کیا کہ اسباق جاری رکھیں۔ مولانا اجمیری گشت کریں گے۔ خدا جانے مرحوم کو یہ اطلاع پہنچی یا نہیں اپنی درسگاہ کو مقفل کر کے چلے گئے۔ ادھر مولانا معین الدین اجمیر روانہ ہو گئے، چائے کی مجلس میں مولانا عثمانیؒ نے مزاحاً فرمایا کہ مولانا اجمیری فرماتے تھے کہ آپ کے شیخ المنطق کو میرے سامنے پڑھانے کی ہمت نہیں ہوئی، اس پر مولانا غلام رسول صاحب بستر باندھ کر اجمیر روانہ ہونے لگے کہ وہیں مولانا اجمیری کو سبق سنا کر آؤں گا۔ غرض یہ کہ مولانا مرحوم لطائف کی پوٹلی تھے۔

موت کی نشانی :

حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ نے ایک بار فرمایا کہ عید الاضحیٰ کی تعطیلات تھیں اور میں اپنے کمرے میں حاشیہ نویسی میں مصروف تھا۔ اچانک مولانا غلام رسول صاحبؒ تشریف لائے اور کھڑے کھڑے فرمایا : اعزاز علی ! اگر میں مرگیا تو کتنا مجھ کو ایصالِ ثواب کرو گے۔ کچھ عرض معروض کے بعد جیب سے ایک تحریر نکالی، جس پر اپنے تمام تلامذہ سے ایصال ثواب کا وعدہ دستخطوں کے ساتھ لے رکھا تھا۔ میں نے بھی ایصال ثواب کی مقدار متعین کر کے دستخط کر دیے، پھر پوچھا کہ حضرت! یہ آج آپ نے کیسی مہم شروع کی ہے؟ فرمایا کہ میری شہریوں سے آویزش رہتی، مولوی حبیب ہمیشہ میرا ساتھ دیتا لیکن اس بار کی لڑائی میں حبیب نے میری حمایت ترک کی۔ یہ میری موت کی علامت ہے۔

اس واقعہ کے چند روز بعد یہ کہنہ سال، سادہ لوح عالم، ہزارہ کا انسان اور استاذ

الاساتذہ ہمیشہ کے لئے گورستانِ قاسمی میں پیوند خاک ہو گیا۔ ۱۳۳۷ھ ۱۸؍ محرم الحرام کو آپ خالق حقیقی سے جا ملے۔ حضرت شیخ الہند نے مرحوم کی رحلت پر جو مرثیہ لکھا اس کے ایک شعر میں ان کی علمی اور روحانی زندگی کا خلاصہ آ گیا۔ شعر یہ ہے ....

گزاری یونہی مرحبا عمر ساری
کہ دن مدرسہ میں تو مسجد میں شب بھر

دار العلوم دیو بند کا قیام، آغازِ کار اور شرکاءِ درس :

فخر المحدثین، محدث کبیر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ جس وقت دار العلوم دیو بند میں تعلیم حاصل کر رہے تھے، اُس وقت آپ کے ساتھ تقریباً ڈیڑھ ہزار طلبہ بھی اکتساب علم کر رہے تھے۔ جن میں ابو حنیفۂ ہند مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہؒ امام انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ، حضرت مولانا امین الدین صاحبؒ بانی مدرسہ جامعہ امینیہ دہلی اور حضرت مولانا مشیت اللہ صاحب بجنوریؒ کا نام نامی نمایاں نظر آتا ہے۔

قیام دار العلوم کا زمانہ بڑی بے سروسامانی کا تھا، نہ پڑھانے کیلئے مناسب جگہ تھی اور نہ طلبہ کے رہنے کا کوئی انتظام تھا۔ ابھی دار العلوم کے قیام کا دوسرا سال تھا کہ اچانک دیو بند میں وبائی مرض پھوٹ پڑا، اکثر طلبہ اور اساتذہ اس مرض میں مبتلا ہو گئے اور اپنے اپنے علاقوں کو چلے گئے۔ اس سبب سے دو مہینے تک تعلیم بند رہی، مگر اللہ نے حفاظت فرمائی۔ دار العلوم دیو بند آغاز کار میں دار العلوم ہونے کے ساتھ ساتھ دار الامتحان بھی تھا۔ دار الاقامہ میں طلبا کے رہنے کے لئے بہت محدود جگہ تھی۔

شہر دیو بند کی مسجد میں قیام :

جن طلبا کے ٹھہرانے کا انتظام دار الاقامہ میں ناممکن ہوتا انہیں دیو بند کے ساتھ

قرب وجوار میں موجود مساجد کے حجروں میں ٹھہرایا جاتا۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ کو بھی ایک عرصۂ دراز تک دارالعلوم کے دارالاقامہ میں جگہ نہ مل سکی۔ آپ کو اپنے ایک دوسرے ہم سبق ساتھی جن کا نام مولانا مشیت اللہ تھا' کے ساتھ دیو بند کی ایک مسجد میں قیام کرنا پڑا۔ فقر وغربت اور تنگی کے اس دور کے رفیق کی دلچسپ باتیں مولانا انظر شاہ کے قلم سے نذر قارئین ہیں:

رفیق درس بھی اور شاگرد بھی:

مولانا مشیت اللہ بجنور کے ایک رئیس خاندان کے چشم و چراغ، دل کے غنی، پوشاک کے غریب، عمل کے مسلمان، عقیدہ کے مؤمن، معصومیت بھولا پن اور سادگی کے پیکر تھے۔ سینکڑوں بیگھہ زمین کے مالک 'بعض گاؤں بھی ان کی ملکیت میں، لیکن معمولی کرتا شرعی پاجامہ، دھوڑی کا جوتہ، سر پر دو پلی ٹوپی، اپنے طرز میں صلابت کا یہ عالم کہ مولوی سلطان الحق ناظم کتب خانہ دارالعلوم دیو بند ایک مرتبہ گرگابی پہن کر ان کے یہاں جا پہنچے تو بولے کہ" اللہ جانے! مولوی صاحب تم میں بھی فرنگیت آگئی"۔" اللہ جانے" مرحوم کا تکیہ کلام تھا۔ شاہ صاحبؒ کے رفیق درس اور ایسے رفیق کہ اپنی امارت کے باوجود حضرت شاہ صاحب کی غربت کے شریک کار۔ شاہ صاحبؒ پٹھان پورہ کی مسجد میں امامت کرتے تو بجنور کا یہ رئیس زادہ حق رفاقت ادا کرتے ہوئے سقایہ بھرتا، مغرب کے بعد دونوں دارالعلوم آتے تو راہ چلتے حضرت شاہ صاحبؒ مولانا مشیت اللہ کو آسمان پر موجود ستاروں کی تشخیص وتعیین ان کے بروج وگردش اور فلکیات کا سبق پڑھاتے۔

طفل نوخیز بڑوں کے کان کتر رہا ہے:

مولانا مشیت اللہ صاحب کو حضرت شاہ صاحبؒ سے عجیب وغریب تعلق تھا۔ زمانہ طالب علمی میں گھر پہنچے تو اپنے ماموں مولانا حکیم رحیم اللہ صاحب سے شاہ صاحب کا

وقیع تذکرہ کیا اور یہ خوش خبری بھی سنائی کہ وہ میری دعوت پر بجنور آرہے ہیں۔ حکیم صاحب طبی مشغولیت کے باوجود بڑے علم دوست وعلماء پرور تھے۔ اپنے بھانجے سے آنے والے مہمان کا وسیع تذکرہ سنا تو سراپا اشتیاق بن گئے۔ اسٹیشن پر اپنے خادم کو استقبال کے لئے بھیجا۔ شاہ صاحبؒ اترے تو بے ریش وبروت جوانِ رعنا، حسن وکشش کا پیکر، خادم نے حکیم صاحب سے جا کر کہا کہ کیسا عالم' کہاں کا عالم وہ تو ایک طفل نوخیز ہے۔ مولوی مشیت اللہ نے اس کے تعارف میں مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے۔

جوہر شناس حکیم نے جوہر کو پہچان لیا:

شام کو حضرت شاہ صاحب اور مولوی مشیت اللہ اکٹھے کھانا کھاتے تھے۔ ایک دن حکیم صاحب تشریف لائے، شاہ صاحبؒ ان کو دیکھ کر سروقد ہوگئے۔ چارپائی پر نشست اس طرح تھی کہ سرہانے حکیم صاحب اور پائنتی پر سبزہ آغاز مہمان، علمی گفتگو شروع ہوئی، جس کا سلسلہ اس وقت کے مشہور عنوان" امتناع نظیر" پر جا پہنچا۔ حکیم صاحب اس زمانے میں امتناع نظیر پر کتاب تصنیف کر رہے تھے۔

چند لمحات کی گفتگو کے بعد جوہر شناس حکیم نے شاہ صاحب کو پہچان لیا، بے اختیار کھڑے ہوگئے، ہاتھ پکڑ کر سرہانے بٹھادیا اور خود سامنے کی چارپائی پر آگئے، صبح ہوئی تو جس خادم نے حضرت شاہ صاحبؒ کو طفل نوخیز کا عنوان دیا تھا، اس سے فرمایا میاں! جسے تم کمسن کہہ رہے تھے، وہ ہم بڑوں کے کان کتر رہا ہے، پھر اپنی تصنیف پر شاہ صاحبؒ سے تقریظ بھی لکھوائی جو حکیم صاحب کی مطبوعہ تصنیف میں موجود ہے۔ (نقش دوام ص ۳۱)

مولانا امین الدین نے مدرسہ قائم کردیا:

حضرت مولانا مشیت اللہ صاحب کے علاوہ حضرت شاہ صاحب کے دوسرے

مخلص اور ہم سبق دوست حضرت مولانا امین الدین صاحب نے تحصیل علم سے فراغت کے بعد یہ قصد کیا کہ دہلی میں علوم دینیہ کی تعلیم وتدریس کے لئے ایک مثالی مرکز بنانا چاہئے کیونکہ تدریس ہی اشاعت اسلام کی بنیاد اور اساس ہے۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تعلیم وتدریس کی جو اہمیت تھی، اس کا اندازہ اس واقعے سے ہوسکتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف لائے تو آپ نے وہاں صحابہ کرامؓ کے دو حلقے دیکھے۔ ایک حلقے میں لوگ تلاوت ودعا میں مشغول تھے اور دوسرے حلقے میں قرآن مجید کے درس وتدریس کا سلسلہ جاری تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ یہ فرما کر محمد عربی ﷺ قرآن مجید کے حلقۂ درس میں تشریف فرما ہوگئے۔ ابتداء اسلام سے لے کر چوتھی صدی ہجری تک دینی تعلیم وتدریس کا کام مساجد سے لیا جاتا رہا۔ اس دور میں مساجد کے پہلو بہ پہلو مدارس ومکاتب کے قیام کا ذوق عام تھا۔ اس زمانے میں ہر علاقے کے صاحب استطاعت لوگ طالبان علوم نبوت پر متوجہ رہتے تھے اور طلبہ کی امداد واعانت کو باعث سعادت سمجھتے تھے۔

حضرت مولانا امین الدین صاحب نے حضرت شاہ صاحب کو اپنے ساتھ شامل ہونے اور تعاون کی درخواست کی۔ مولانا امین الدین نے خود مدرسے کے اہتمام وانصرام کا کام سنبھال لیا اور تدریس کی ذمہ داری حضرت شاہ صاحبؒ کے حوالے کردی۔

مدرسہ کا سب سے پہلا مال[illegible]:

حضرت شاہ صاحبؒ کے ایک مشہور ومعروف شا[illegible]د اور خادم خاص مولانا ادریس صاحب سکھروڈوی کی روایت ہے کہ خود شاہ صاحبؒ کو اس بات کا اطمینان نہ تھا کہ مولانا امین الدین کی یہ کوشش جس قدر[illegible]ب ثابت ہوں، واقعی اتنی کامیاب ہوجائے

گی۔ حضرت شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے :

جب مولانا امین الدین صاحب مجھے لینے کیلئے بجنور پہنچ گئے تو چونکہ زمانہ قیام دار العلوم میں مولانا امین الدین صاحب بہت اخلاص ومحبت سے پیش آتے رہتے تھے، تو یہ خیال کرکے کہ مدرسہ چلے یا نہ چلے۔ مولوی صاحب کی دل شکنی نہ ہو، میں مولوی صاحب کے ساتھ ہولیا اور دہلی پہنچ کر سولہ یا سترہ روپے جو میرے پاس تھے وہ بھی میں نے مولانا کے حوالے کردیے۔ یہی روپے مدرسہ کا سب سے پہلا مالی سرمایہ تھا۔

بلا تنخواہ مدرس :

چنانچہ مولانا امین الدین نے اس رقم سے کاغذ لاکر مدرسہ کے لئے رجسٹر بنائے اور طلبہ کو داخل کرنا شروع کردیا۔ مولانا کا توکل خدا کے فضل سے کامیاب رہا اور کسی انتظار کے بغیر طلبہ کا اچھا خاصا اجتماع ہوگیا۔ مسلمانوں نے بھی توجہ کی اور مدرسہ کی مالی حالت قابل اطمینان ہوگئی۔ حضرت شاہ صاحب تین (3) سال تک مدرسہ میں بحیثیت صدر مدرس بلا تنخواہ کام کرتے رہے، جب مدرسہ کی مالی حالت کسی حد تک سدھر گئی تو مدرسین کو حق الخدمت دینا ضروری سمجھا گیا اور حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی اقل قلیل بوجہ کفاف قبول کرنا مان لیا جس پر مبلغ 20 روپے آپ کا ماہوار مشاہرہ مقرر ہوا۔

ڈیڑھ پیسے کی روٹی :

حضرت مولانا عبد القادر رائے پوریؒ کا بیان ہے کہ میں جن ایام میں حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں مدرسہ امینیہ میں پڑھتا تھا حضرت شاہ صاحب ڈیڑھ پیسے کی روٹی منگا کر کھایا کرتے تھے۔ اس برائے نام خوراک پر سارا دن درس وتدریس اور علوم وفنون کے مطالعہ میں گذرتا تھا۔ مفتی کفایت اللہ صاحب یوں رقمطراز ہیں :

''علامہ فہامہ جناب مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ ساکن کشمیر بے نظیر شخص ہیں، ذہن وذکاء، ورع وتقویٰ میں مردِ کامل، مدرسہ امینیہ میں ابتداءً مدرس تھے۔ اس علم کے شجر کے لگانے والے آپ ہیں۔ کیونکہ مولانا محمد امین صاحب جب دہلی تشریف لائے اور مدرسہ قائم کرنے کا ارادہ کیا تو اس وقت ان کے پاس نہ سامان تھا نہ روپیہ آپ نے محض متوکلاً علی اللہ سنہری مسجد میں پڑھانا شروع کیا۔ اور مولانا محمد انور شاہ صاحب آپ کے شریک تھے۔ دونوں صاحبوں نے طرح طرح کی تکلیفیں اٹھائیں، فاقے کئے مگر استقلال کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ آہستہ آہستہ اہل دہلی کو خبر ہوئی اور لوگ متوجہ ہونے لگے۔ یہاں تک کہ مدرسہ امینیہ اس حد تک پہنچا جو آپ کی نظر کے سامنے ہے۔

غرض کہ ابتدائی زمانہ کی کسمپرسی کی حالت میں مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ اس مدرسہ کے اعلیٰ واوّل محسن ہیں۔ ان کا شکریہ ادا کرنا اور ہمیشہ ان کو یاد رکھنا اہل مدرسہ کا فرض ہے۔ مولانا نے ایک عرصہ تک مدرسہ ہذا میں درس دیا اور طلبا کو مستفید فرمایا، پھر والدین سلمہما اللہ تعالیٰ کے تقاضے اور اصرار سے وطن تشریف لے گئے۔ ۱۳۲۵ھ میں حج کو تشریف لے گئے۔ واپسی پر دہلی میں دو ماہ قیام فرمایا اور اب بھی وطن میں تشریف رکھتے ہیں۔ خدا تعالیٰ مولانا کو تادیر سلامت رکھے اور ان کے بے نظیر علمی کمال سے لوگوں کو فائدہ پہنچائے''۔ (آمین)

(نقش انور ص ۱۰۹ تا ۱۱۲)

تنخواہ لے کر مدرسہ کے چندہ میں جمع کر لیتے:

خود فرماتے تھے کہ جب میں نے شروع شروع میں مدرسہ امینیہ میں پڑھانا شروع کیا ۱۳۱۵ھ تھا، شروع شروع میں مدرسہ میں کوئی آمدنی نہ تھی، محض توکل پر گذارہ تھا، پھر دو سال کے بعد اہل دہلی کو توجہ ہوئی اور مدرسہ میں روپیہ آنے لگا تو مہتمم صاحب نے میری تنخواہ پانچ روپے کر دی۔ میں وہی پانچ روپے مدرسے میں ماہوار چندہ دے دیتا تھا، پھر آئندہ سال میری تنخواہ دس روپے ہو گئی۔ پانچ روپے تو میں چندہ ماہوار مدرسے کو دے دیتا اور پانچ روپے مہتمم صاحب کی ملک کر دیتا کہ آپ مجھے اللہ کے واسطے کھانا دے دیا کریں۔ (انوار انوری ص ۱۴)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باب : ۲

علمی تبحر، بے مثال حافظہ، ذوقِ مطالعہ اور حیرت انگیز مطالعاتی یادداشتیں

ہمارے اکابرؒ کو ربّ ذوالجلال نے بے شمار گوناگوں اوصاف کے ساتھ متصف فرمایا تھا، مگر ان کی زندگی کا ممتاز ترین وصف ان کا علمی انہماک اور ذوقِ مطالعہ تھا۔ یہی ان کا مقصد تھا، یہی منزل تھی، ان کا عشق، ان کی محبت، ان کی اطاعت، ان کے جذبات، ان کا شعور، ان کا فکر اور زندگی کا ہر زاویہ شوقِ علم اور مطالعاتی انہماک سے وابستہ تھا۔ آج کے دور میں شاید کسی کو یہ باتیں ناممکن معلوم ہوں، ممکن ہے کوئی ان باتوں کو مبالغہ پر محمل کرے، مگر ہمارے اسلاف کی تاریخ یہی ہے۔ ہمارے اسلاف و اکابر کے مطالعاتی ذوق کو ان کے تذکرہ نگاروں نے مستقل بابوں میں لکھا ہے۔

حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کی علمی زندگی کی مرغوب غذا کتب بینی اور خدمتِ علم تھی۔ خود فرمایا کرتے: میں ہر وقت فکرِ علم میں مستغرق رہتا ہوں، بجز اُن اوقات کے جب نیند کا شدید غلبہ ہو ....

کر رہا ہے تجھ سے باتیں بے خودیٔ شوق میں
تیرے دیوانے کی تنہائی بھی لطف انگیز ہے

ذوقِ مطالعہ :

حضرت مولانا سید محمد ادریس صاحب سکھروڈوی لکھتے ہیں :

حضرت شاہ صاحب لیل ونہار، صبح وشام کتب بینی میں مصروف رہتے، جس وقت بھی کوئی دیکھنا چاہتا تو کتاب کے مطالعہ ہی میں دیکھتا۔ کتاب سے الگ ہو کر بھی فکر، خیال

کتاب ہی میں رہتا تھا، چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے، کھاتے پیتے، غرضیکہ کوئی ساعت ایسی نہ تھی جس میں خالی الذہن ہو کر وقت گذارتے ہوں۔ شب میں چند گھنٹوں کے سوا جن میں آپ سوجاتے، بیشتر حصہ کتب کے مطالعہ میں ہی صرف ہوتا تھا۔ ابتدائے شب میں بارہ (۱۲) بجے تک کتاب دیکھتے رہتے، نیند کے غلبہ سے جب عاجز ہوجاتے سوجاتے اور دو ایک گھنٹہ کے بعد اُٹھ کر وضو فرماتے اور کتاب لے کر بیٹھ جاتے۔ صبح صادق ہونے تک مطالعہ میں گذار دیتے اور صبح کی نماز کے بعد بھی پھر کتاب کے مطالعہ میں مشغول ہوجاتے۔ ایک مرتبہ خود ہی مجھ سے فرمایا کہ میں کسی وقت بھی دماغ کو فارغ نہیں چھوڑتا ہوں۔ اُن چند گھنٹوں کے سوا جس میں مجھے نوم غرق ہوتی ہے میرا فکر کتاب یا کسی مسئلہ کی تحقیق میں رہتا ہے۔

فکرِ کتاب اور علمی تحقیق :

بارہا ایسا دیکھا گیا کہ نماز کے لئے مسجد جارہے ہیں اور کوئی بات کسی حدیث یا کسی مسئلہ کے متعلق گفتگو ہوئی تو مسکراتے ہوئے تشریف لے جارہے ہیں اور نماز کے بعد فوراً کتاب اُٹھائی اور دیکھنا شروع کیا اور مسکراتے ہوئے ہی کچھ لکھنا شروع کر دیا۔ کبھی بغیر کتاب کے بیٹھے ہوئے کسی فکر میں متفکر دیکھا تو جلدی جلدی کتاب اُٹھائی اور مسکراتے ہوئے یادداشت کے طور پر لکھنے لگے۔ غرضیکہ دن رات کی تمام ساعتوں میں آپ کی فکر کتاب اور علمی تحقیق کے باہر نہ ہوتی تھی۔

بڑی بڑی ضخیم کتاب کو ایک مرتبہ ابتداء سے دیکھنا شروع کیا اور ایک دو دن ہی میں از اول تا آخر دیکھ کر ختم کر دیا۔ ہزارہا صفحات کی کتاب جب تک ختم نہ فرمالیتے، علیحدہ نہ فرماتے اور بہت جلدی ختم کر دیتے۔

مشغلۂ لیل ونہار :

مولانا مکھروڈوی لکھتے ہیں :

میں ۲۸ھ کے ختم پر دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوا تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ بھی غالباً اسی ۲۸ھ کے ابتداء میں دارالعلوم میں بسلسلہ درس تشریف فرما ہوئے تھے۔ حسن اتفاق سے مجھے خدمت کا شرف مدرسہ میں داخل ہونے کے چند ماہ بعد ہی حاصل ہوگیا تھا۔ میں نے لیل ونہار، صبح وشام، مرض وصحت، غرضیکہ ہر حال میں کتاب ہی کے ساتھ مشغلہ دیکھا، آپ کے پاس آنے والے آتے، کوئی بات دریافت کرتے جواب دے کر فوراً ہی کتاب پر نظر فرمالیتے۔

زیرِ مطالعہ کتب اور شوقِ کتب بینی :

مولانا مکھروڈوی نے لکھا ہے :

جہاں تک یاد کام کرتی ہے، زیرِ مطالعہ کتب دینیہ ہی ہوتی تھیں۔ درسیات میں حدیث وفقہ وتفسیر کی کتاب گاہ بگاہ ہی دیکھتے ہوئے پایا۔ بیشتر متقدمین کی کتب شروح احادیث زیرِ مطالعہ ہوتی تھیں اور خصوصیت سے حافظ ابن قیم، حافظ ابن دقیق العید اور اسی قسم کے لوگوں کی کتابیں جو جدید طبع ہو کر آتی تھیں، اُن کو بڑے شغف کے ساتھ مطالعہ فرماتے تھے اور جس کتاب جدید کے طبع ہونے کا علم ہوتا فوراً اُس کے حصول کی کوشش فرماتے اور حاصل کر لیتے۔

مستدرک جس وقت حیدرآباد میں طبع ہونی شروع ہوئی، یہ زمانہ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی مرحوم ومغفور کے حیدرآباد میں اُمورِ مذہبیہ کے عہدہ پر تقرر کا زمانہ تھا۔ کتاب موصوف کے طبع ہونے کا جب علم ہوا تو حیدرآباد کے اس ادارہ کو بہت دعائیں

دیں۔ مولانا حبیب الرحمٰن خان مرحوم نے جب ایک جلد طبع ہوگئی فوراً بھیج دی اور ساتھ ہی لکھا کہ اگرچہ کتاب پوری طبع ہونے پر شائع ہونے کا قاعدہ ہے، مگر آپ کے ساتھ خصوصی رعایت کی وجہ سے ایک حصہ بھیج رہا ہوں اور باقی دوسری مرتبہ ارسال خدمت کردی جائے گی۔ مجلد کرا کر بذریعہ رجسٹری یہ حصہ ارسال کیا۔ کتاب کے وصول ہونے پر جو خوشی چہرہ سے نمایاں ہورہی تھی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے اور جو دعائیں زبان مبارک سے جاری تھیں سننے سے وابستہ ہیں۔

اسی طرح جب طنطاوی کی تفسیر مصر میں طبع ہونی شروع ہوئی ایک ایک پارہ کر کے اُس کو منگایا۔ جتنا حصہ طبع ہوتا رہا وہ آتا رہا، اور جس وقت جو حصہ آتا سب مطالعہ چھوڑ کر اُس طرف متوجہ ہوجاتے۔

تفسیر مظہری کی طباعت کی تمنا :

مولانا محمد ادریس سکھروڈوی تحریر فرماتے ہیں :

قلمی کتب جو طبع نہ ہوئی تھیں، اُن کی طبع اور اشاعت کا اشتیاق اکثر ظاہر فرمایا کرتے تھے۔ تفسیر مظہری کے طبع کے انتظام کی طرف اکثر لوگوں کو توجہ دلاتے تھے اور بہت تعریف فرمایا کرتے اور تمنا تھی کہ یہ تفسیر کسی طرح طبع ہو کر معرضِ وجود میں آجائے۔

جملہ علوم وفنون میں اقتدارِ کامل :

مولانا سکھروڈوی کا بیان ہے کہ :

جو کتاب زیرِ درس ہوتی اُس کا مطالعہ محض درس کی غرض سے کبھی بھی نہیں دیکھتے تھے۔ اپنے ہی ذوق اور علمی تحقیق کے پیشِ نظر کتاب کا مطالعہ فرماتے تھے۔

دعوتِ مناظرہ کا فوراً عملی جواب :

مولانا سکھروڈوی کا بیان ہے کہ :

ایک مرتبہ حضرت شاہ صاحبؒ نے بیان فرمایا کہ میرٹھ میں ایک مولوی صاحب غیر مقلد تھے۔ غالباً اُن کا نام مولوی احمد اللہ فرمایا تھا۔ یہ مولوی صاحب غیر مقلد ہمیشہ حنفیوں کے ساتھ اُلجھتے اور دعوتِ مناظرہ دیتے رہتے تھے۔ میرٹھ میں حضرت شاہ صاحبؒ کے نام کی شہرت ایک مناظرہ کی وجہ سے ہوچکی تھی جو تھوڑے ہی زمانہ پہلے مقام گلاؤٹھی میں ہوچکا تھا اور غیر مقلدوں کو سخت ہزیمت ہوئی تھی اور ایک ہی نشست کے بعد چپکے سے بھاگ نکلے تھے۔ اس مناظرۂ گلاؤٹھی میں دیوبند کے علماء میں سے بڑے بڑے علماء جمع ہوئے تھے اور مولانا گنگوہیؒ کی خاص توجہ اس مناظرہ کی طرف تھی۔ مولانا گنگوہیؒ نے دیوبند سے بہ حیثیت سرپرست دارالعلوم ہونے کے سب ہی کو گلاؤٹھی پہنچنے کا امر فرمایا تھا۔

اس کے بعد بھی مولانا احمد اللہ غیر مقلد کا حنفیوں کو دعوتِ مناظرہ دینا باعث تعجب تھا۔

میرٹھ کے دو صاحب مولوی احمد اللہ صاحب سے دعوتِ مناظرہ کا کاغذ لے کر حضرت شاہ صاحبؒ کے پاس دہلی سنہری جامع مسجد میں قبل از عشاء پہنچے اور شاہ صاحبؒ کو کاغذ دعوتِ مناظرہ دکھلایا۔ شاہ صاحب اُسی شب میں دہلی سے میرٹھ کے لئے روانہ ہوگئے اور اخیر شب میرٹھ پہنچ کر مولوی احمد اللہ غیر مقلد کے محلّہ کی مسجد میں قیام فرمایا اور صبح قریب ہونے کو تھی لیٹ گئے، جو دو صاحب میرٹھ کے ساتھ تھے، اُن میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ شاہ صاحبؒ کے ساتھ کوئی کتاب تو ہے نہیں' دوسرے نے جواب دیا کوئی ضرورت نہ ہوگی۔ جب صبح ہوگئی تو نماز صبح اُسی مسجد میں پڑھی' مولوی احمد اللہ بھی نماز میں موجود تھے، بعد اختتام نماز مولوی احمد اللہ سے ملاقات کی اور فرمایا کہ یہ تحریر آپ کی ہے

؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں میری ہے۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا، بسم اللہ! میں موجود ہوں بیٹھ جایئے اور مسئلہ معین فرما لیجئے اور جونسا بھی مسئلہ آپ چاہیں اختیار کر لیں اور شروع کر دیں۔ مولوی احمد اللہ نے کہا آپ ہی شروع فرمایئے۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ آپ کے خیال میں زیادہ زوردار ہے، اُس کو شروع کروں یا کوئی اور مسئلہ جو آپ کہیں؟ جواب دیا کہ اسی مسئلہ کے متعلق فرمایئے جو لوگ نماز میں موجود تھے بیٹھ گئے اور کچھ لوگ جن کو اطلاع ہوئی وہ بھی آ گئے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میں شروع کرتا ہوں، میری طرف سے صرف ایک شرط ہے کہ جب تک میں ختم نہ کر لوں آپ درمیان میں نہ بولیں، جو کچھ اعتراض و سوال ہو بعد میں کہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے متواتر دو گھنٹے فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ پر پوری بسط و تفصیل کے ساتھ تقریر فرمائی اور کوئی حدیث موافق و مخالف، ضعیف و قوی، مع حوالہ کتب نقل کئے بغیر نہ چھوڑی۔ تقریر ختم کرنے کے بعد فرمایا کہ اب آپ کو جو کچھ کہنا ہو فرمایئے۔ (کاتب الحروف نے یہ سن کر عرض کیا کہ اس کو کیا یاد رہا ہو گا فرمایا یوں ہی ہوا) جواب میں کہنے لگا کہ مجھے تو کچھ یاد نہیں رہا۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا، اسی پر حدیث دانی کا دعویٰ کرتے ہو، کہنے لگا، میں نے تو دعویٰ نہیں کیا۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ لکھ دیجئے مجھے حدیث دانی کا دعویٰ نہیں۔ غرض لکھ کر نہ دیا۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ بیشک جو ائمہ کی توقیر نہیں کرتا حق تعالیٰ اُس کے حفظ کو سلب کر لیتے ہیں۔ یہ دن جمعہ کا تھا۔ آپ نے جمعہ میرٹھ میں ادا کیا۔ تمام شہر میں رفتہ رفتہ اس مناظرہ کا چرچا ہو گیا۔ لوگوں نے جمعہ کے بعد جامع مسجد میں شاہ صاحبؒ کو گھیر لیا اور کہنے لگے کہ باقاعدہ مناظرہ ہو کر اس سے تحریر لیجائے۔ لوگوں کا مجمع کثیر شاہ صاحبؒ کو لے کر مولوی احمد اللہ کے محلّہ کی مسجد میں جا پہنچا۔ مولوی احمد اللہ نے لیت و لعل کر کے پولیس بلوالی اور فتنہ کے خوف سے پولیس انسپکٹر نے مجمع کو

منتشر کر دیا۔ یہ واقعہ خود شاہ صاحبؒ کی زبانی سنا ہوا نقل ہے جس سے آپ کی یادداشت و حفظ اور احادیث پر کس قدر وسیع نظری کا پتہ چلتا ہے۔ (حیات انور ص ۳۲۲ تا ۳۲۴)

خسر الدنیا والآخرۃ :

حضرت شاہ صاحبؒ اپنے درس میں صرف علمی تحقیقات بیان فرمانے پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ ساتھ ساتھ طلبا کو اعمال و اخلاق کی اصلاح کی طرف بھی متوجہ فرماتے تھے۔ ایک روز طلبا سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے اس علم میں دنیا تو کبھی تھی ہی نہیں اس کے ذریعے دین ملا کرتا تھا۔ افسوس کہ وہ بھی تم نے نہ لیا، خسر الدنیا والآخرۃ۔

کتاب بھی تو ایک روگ ہے :

ایک مرتبہ حضرت شاہ صاحبؒ بیمار تھے اور علالت طول پکڑ گئی تھی۔ ایک صبح فجر کی نماز کے وقت یہ افواہ مشہور ہو گئی کہ حضرت کا وصال ہو گیا۔ خدام پر بجلی سی گر گئی اور نماز فجر کے بعد سب حضرتؒ کے مکان کی طرف لپکے۔ گھر پہنچ کر معلوم ہوا کہ بحمد للہ خبر غلط تھی۔ البتہ تکلیف کی شدت برقرار تھی۔ سب لوگ حضرت کی عیادت کیلئے کمرے میں پہنچے تو دیکھا حضرت شاہ صاحبؒ نماز کی چوکی پر بیٹھے ہیں، سامنے تکیہ پر کتاب رکھی ہے اور اندھیرے کی وجہ سے حضرت شاہ صاحبؒ جھک کر کتاب کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے ہمت کر کے عرض کیا :

حضرت! یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اول تو کون سی بحث رہ گئی ہے جو آپ کے مطالعہ میں نہ آ چکی ہو اور اگر بالفرض کوئی بحث ایسی ہو تو اس کی فوری ضرورت کیا پیش آ گئی ہے کیا اسے چند روز تک موخر نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا بھائی تم ٹھیک کہتے ہو لیکن یہ کتاب بھی تو ایک روگ ہے اس روگ کا کیا کروں؟

(اکابر دیوبند، صفحہ ۶۳)

علمی پناہ گاہ :

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ :

حضرت شاہ صاحبؒ کو اللہ نے غیر معمولی حافظہ اور علوم کا حیرت انگیز استحضار عطا فرمایا تھا، وہ محتاج بیان نہیں۔ حضرت والد (مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ) فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ دارالعلوم دیوبند میں منطق کی مشہور کتاب "ملا حسن" کا درس میرے سپرد تھا، مجھے مطالعے کے دوران اس کے ایک مقام پر اشکال پیدا ہوا۔ جب بھی کوئی علمی اشکال پیدا ہوتا تو حضرت شاہ صاحبؒ کی ذات ہماری پناہ گاہ تھی۔ چنانچہ میں ان کے پاس پہنچ گیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ اس وقت کتب خانہ کی بالائی گیلری میں بیٹھے مطالعہ میں مشغول تھے اوپر ہی سے مجھے آتے دیکھا تو سلام کے بعد پوچھا کیسے آنا ہوا؟

میں نے عرض کیا کہ ملاحسن کے ایک مقام پر اشکال پیش آ گیا ہے۔ وہ حل کرنا تھا۔ میرا خیال تھا کہ جواب میں حضرت شاہ صاحبؒ مجھے اوپر بلالیں گے لیکن حضرتؒ نے بلانے کے بجائے وہیں بیٹھے بیٹھے فرمایا کون سا مقام ہے؟ عبارت پڑھئے، میں نے عبارت پڑھی اور ابھی اپنے اشکال کی وضاحت بھی نہیں کی تھی کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے وہیں سے فرمایا، اچھا تمہیں یہاں یہ اشکال ہوا ہوگا۔ پھر اشکال کی تقریر بھی خود فرمائی اور جواب بھی وہیں بیٹھے بیٹھے اس طرح دے دیا کہ مجھے مسئلے میں مکمل اطمینان ہو گیا۔

حضرت والد صاحبؒ فرمایا کرتے، اگر کوئی تفسیر حدیث یا فقہ کی کتاب ہوتی تو مجھے اتنا تعجب نہ ہوتا لیکن حیرت اس بات کی تھی کہ منطق کی اس کتاب کے بارے میں پوچھنے گیا تھا جسے پڑھاتے ہوئے حضرت شاہ صاحب کو یقیناً سالہا سال گذر چکے تھے لیکن اس سوال و جواب سے اندازہ ہوا کہ یہ کتاب بھی حافظے میں پوری طرح محفوظ ہے۔

(اکابر دیوبند کیا تھے، ص ۹۲)

فتح الباری کا مطالعہ :

ایک دفعہ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ فتح الباری (جو کہ تیرہ جلدوں میں بخاری شریف کی مبسوط شرح ہے) کا تیرھویں مرتبہ مطالعہ کر رہا ہوں اور یہ بھی فرمایا کہ میں درس کے لئے مطالعہ نہیں کرتا۔ مطالعہ کا مستقل سلسلہ ہے اور درس کا مستقل۔ ایک مرتبہ فرمایا جس کتاب کا سرسری طور پر بھی مطالعہ کر لیتا ہوں پندرہ سال بقید صفحات اس کے مضامین محفوظ رہ جاتے ہیں۔ مطالعہ بڑی تیزی کے ساتھ فرماتے۔

چنانچہ فتح القدیر جو آٹھ جلدوں میں ہزارہا صفحات پر مشتمل ہے اس کا مطالعہ بیس روز میں فرمایا اور چھبیس (۲۶) سال کے بعد فرمایا، ایک بار مطالعہ کے بعد پھر مطالعہ کی ضرورت پیش نہیں آئی ....

دیکھا جو اپنے دل میں وہ دیکھا نہ پھر کہیں
یوں تو میری نگاہ سے دنیا گذر گئی

حضرت شاہ صاحبؒ کے قوتِ حافظہ، ذہانت، سرعت مطالعہ، حفظ و استحضار اور وسعتِ علم کے اتنے واقعات اور مشاہدات سوانح نگاروں نے لکھے ہیں کہ اس کے لئے ایک مستقل کتاب چاہئے۔

کتابوں کی فوراً نشاندہی کر دی :

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اس حوالے سے اپنا واقعہ یوں نقل کرتے ہیں :

میں حضرت شاہ صاحبؒ کے دولت خانے پر حاضر ہوا۔ حسب معمول بزرگانہ شفقت سے پیش آئے۔ چائے وغیرہ سے تواضع کے بعد متوجہ ہوئے، فرمایا مولوی

صاحب! کیسے تشریف لائے؟

میں نے عرض کیا حضرت ! "ابوالحسن کذاب" کا ترجمہ نہیں ملتا۔ اس کے بارے میں نشان معلوم کرنے حاضر ہوا ہوں۔ فرمایا ادب و تاریخ کی فلاں فلاں کتابوں میں فلاں فلاں مواقع کا مطالعہ کر لیجئے۔ تقریباً آٹھ دس کتابوں کے نام لے دیے اور ان کے مظان و مواقع کی نشان دہی فرما دی۔ میں نے عرض کیا: حضرت! مجھے اس شخص کی پوری تاریخ معلوم کرنی نہیں، صرف اس کی صفت کذب و دروغ گوئی کے حالات معلوم کرنے ہیں، مگر اُن کا کوئی عنوان کسی کتاب میں نہیں ملتا کہ اُس کے نیچے ان خاص واقعات کا مطالعہ کروں۔

فرمایا: مولوی صاحب! آپ نے بھی کمال کر دیا۔ صفت کذب کونسی صفت مدح ہے کہ لوگ اس پر عنوانات قائم کر کے اس کے واقعات دکھلائیں، ایسی مذموم صفات و افعال کا تذکرہ تو ضمناً اور استطراداً آ جاتا ہے، عنوانات ہمیشہ کمالات پر قائم کیے جاتے ہیں نہ کہ نقائص و عیوب پر۔ ان کتب میں فلاں فلاں مقام دیکھ لیجئے۔ ضمناً اس کی صفت کذب کا تذکرہ کہیں نہ کہیں مل جائے گا۔

تیس سال قبل کا مطالعہ آج مستحضر ہو گیا:

میں نے عرض کیا حضرت! مجھے تو کتابوں کے اتنے اسماء بھی یاد نہیں ہوں گے، چہ جائیکہ اُن کے یہ مظان اور مواقع محفوظ رہیں۔ بس آپ ہی اس شخص کے کذبات اور دروغ گوئی سے متعلقہ واقعات کی دو چار مثالیں بیان فرما دیں۔ میں اُن ہی کو آپ کے حوالے سے جزو کتاب بنا دوں گا۔ اس پر مسکرا کر ابوالحسن کذاب کی تاریخ اس کے سن ولادت سے سن وفات تک بیان فرمانا شروع کر دی، جس میں اس کے جھوٹ کے عجیب و غریب

واقعات بیان فرماتے رہے۔ آخر میں سن وفات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا یہ شخص مرتے مرتے بھی جھوٹ بول گیا، پھر اُس جھوٹ کی تفصیل بیان فرمائی۔ حیرانی یہ تھی کہ یہ بیان ایسے طرز سے ہو رہا تھا کہ گویا حضرت شاہ صاحبؒ نے آج کی شب میں مستقلاً اسی کی تاریخ کا مطالعہ کیا تھا جو اس بسط سے سن وار واقعات بیان فرما رہے ہیں۔

میں نے تعجب آمیز لہجہ میں عرض کیا کہ حضرت! شاید کسی قریبی زمانہ میں اس کی تاریخ دیکھنے کی نوبت آئی ہوگی۔ سادگی سے فرمایا جی نہیں آج سے تقریباً تیس سال کا عرصہ ہوتا ہے جب میں مصر گیا تھا، خدیوی کتب خانہ میں مطالعہ کیلئے پہنچا تو اتفاقاً اسی ابوالحسن کذاب کا ترجمہ سامنے آ گیا اور اس کا مطالعہ دیر تک جاری رہا بس اُس وقت جو باتیں کتاب میں دیکھیں حافظہ میں محفوظ ہو گئیں اور آج آپ کے سوال پر مستحضر ہو گئیں۔

عبارت میں جعل اور تصرف کیا گیا:

تحریکِ خلافت کے دور میں جب امارت شرعیہ کا مسئلہ چھڑا تو مولوی سبحان اللہ خان نے اس مسئلہ میں اپنے بعض نقاط نظر کی تائید میں بعض سلف کی عبارت پیش کی جو اُن کے نقطۂ نظر کی تو موید تھی مگر مسلکِ جمہور کے خلاف تھی۔ یہ عبارت وہ خود لے کر دیوبند تشریف لائے اور مجمع علماء میں اُسے پیش کیا تمام اکابر علماء دیوبند حضرت شاہ صاحبؒ کے کمرہ میں جمع تھے۔ حیرانی یہ تھی کہ نہ اس عبارت کو رد کر سکتے تھے کیونکہ وہ سلف میں سے ایک بڑی شخصیت کی عبارت تھی اور نہ اُسے قبول کر سکتے تھے کہ مسلک جمہور کے صراحۃً خلاف تھی وہ عبارت اتنی واضح اور صاف تھی کہ اُسے کسی تاویل و توجیہ سے بھی مسلک جمہور کے مطابق نہیں کیا جا سکتا تھا۔

حضرت شاہ صاحبؒ استنجا کے لئے تشریف لے گئے تھے، وضو کر کے واپس

ہوئے۔ اکابر نے عبارت اور مسلک کے تعارض کا تذکرہ کیا اور یہ کہ ان دونوں باتوں میں تطبیق وتوفیق بھی نہیں بن پڑتی۔

حضرت شاہ صاحب حسب عادت حسبنا اللہ کہتے ہوئے بیٹھ گئے اور عبارت کو ذرا غور سے دیکھ کر فرمایا، اس عبارت میں خلل اور تصرف کیا گیا ہے اور دو سطروں کو ملا کر ایک کر دیا گیا ہے۔ درمیان کی ایک سطر چھوڑ دی گئی ہے۔ اسی وقت کتب خانہ سے کتاب منگائی گئی، دیکھا گیا تو واقعی اصل عبارت میں پوری ایک سطر درمیان سے حذف ہوئی تھی جوں ہی اس ساقط کردہ سطر کو عبارت میں شامل کیا گیا، عبارت کا مطلب مسلکِ جمہور کے موافق ہو گیا اور سب کا تحیر رفع ہو گیا۔ (حیات انور ص)

تدلیس وتحریف کو بے نقاب کر دیا :

محدث العصر مولانا محمد یوسف بنوریؒ کا بیان ہے کہ :

ایک مرتبہ کشمیر کے سفر میں دو فریق جو کسی مسئلہ میں اُلجھ رہے تھے اور دونوں نے اختلافی مسئلہ میں فتویٰ ترتیب دے کر بعض کتابوں سے تائیدی عبارتیں بھی نقل کی تھیں۔ ان میں سے ایک جماعت نے فتاویٰ عمادیہ نامی قلمی کتاب کا حوالہ دے کر اپنے بیان کو مدلل کیا۔ جب یہ فتویٰ آپ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے دیکھتے ہی فرمایا: میں نے دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ میں فتاویٰ عمادیہ کے غیر مطبوعہ نسخہ کا مکمل مطالعہ کیا ہے۔ اس میں یہ عبارت قطعاً نہیں۔ یہ تدلیس اور کھلی تحریف ہے۔ اس بیان پر اہل علم کی جماعت متحیر ہو کر رہ گئی۔ (نقش دوام ص ۱۳۰)

حیرت انگیز مطالعاتی یادداشت :

بہاولپور کے مشہور مقدمہ میں حضرت شاہ صاحبؒ نے قادیانیت کے خلاف کئی

روز تک مسلسل بیان دیا۔ ایک روز اس مفصل تقریر پر جو آپ نے ختم نبوت کو ثابت کرنے کے لئے "تواتر" سے متعلق فرمائی جس سے آپ یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ ہمارا دین متواتر ہے اور تواتر کا انکار کرنے والا مرتد اور کافر ہے۔ اس ذیل میں اپنی اجتہادی تحقیق تواتر کی چارگانہ تقسیم، ان کی تعریف اور مثالوں سے تشریح وتفصیل کی تو جلال الدین شمس قادیانی نے آپ کو مخاطب فرما کر کہا کہ آپ تواتر کے منکر کو کافر کہتے ہیں حالانکہ "بحر العلوم" نے فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت" میں امام فخر رازی کے متعلق لکھا ہے کہ وہ تواتر معنوی کے منکر ہیں۔ اس پر شاہ صاحبؒ نے جج سے فرمایا" آپ ان سے یہ کتاب اور حوالہ طلب کیجئے میرے پاس اس وقت یہ کتاب موجود نہیں"۔

جلال الدین شمس قادیانی کتاب ہاتھ میں لے کر ورق گردانی کرنے لگا تو آپ پرجوش انداز میں کھڑے ہو گئے اور کتاب اس کے ہاتھ سے چھین لی اور جج سے فرمایا کہ :

"یہ صاحب ہمیں دھوکہ دینا چاہتے ہیں لیکن میں طالب علم ہوں دو چار کتابیں دیکھی ہیں ان سے میں مُفحَم (خاموش) نہیں ہوں گا۔ بتیس (۳۲) سال ہوئے میں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا تھا، بحر العلوم نے یہ نہیں لکھا کہ "رازی" "تواتر معنوی کا انکار کرتے ہیں بلکہ انہوں نے لکھا ہے کہ امام رازی حدیث " لا تجتمع امتی علی الضلالہ " کے متواتر معنوی ہونے کا انکار کرتے ہیں"۔

تواتر کی چار قسمیں :

پھر فرمایا : دین محمدی کا جناب رسول اللہ ﷺ سے ثبوت یا تواتر سے ہے یا خبر واحد سے۔ تواتر کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبر اعظم ﷺ سے کوئی بات متصلاً پہنچی ہو اور اس میں غلطی کا کوئی امکان نہ ہو۔ تواتر کی چند صورتیں ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔ تواتر ہمارے

دین میں چار قسم پر ہے۔ حدیث "من کذب علیّ متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار" حدیث متواتر ہے اور تیس (۳۰) صحابہ کرامؓ سے بسندِ صحیح مذکور ہے، اس کو تواتر اسنادی کہا جاتا ہے۔ نزولِ مسیح کے سلسلہ میں ہمارے پاس چالیس احادیث متواتر موجود ہیں ان کا انکار کفر ہے"۔

تواتر کی دوسری قسم "تواترِ طبقہ" ہے۔ جس میں معلوم نہیں ہوتا کہ ایک چیز کو کس نے کس سے لیا، مگر اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ پچھلوں نے اگلوں سے لی تھی۔ قرآن مجید کا تواتر اسی تواتر کے ذیل میں آتا ہے۔ اس کا منکر بھی کافر ہے۔ یہ بیان فرماتے ہوئے آپ نے ایک اہم بات یہ بھی ارشاد فرمائی کہ :

"مسواک کا ثبوت بھی اوپر ذکر کردہ دونوں تواتر کے ذیل میں آتا ہے اس لئے مسواک کے ترکِ استعمال میں تو کوئی حرج نہیں لیکن پیغمبر ﷺ سے اس کے استعمال کے ثبوت کا انکار کفر ہے۔ اسی طرح اگر کوئی یہ کہہ دے کہ "جو" (غلہ) حرام ہے تو وہ کافر ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے "جو" کھائی ہے اور اُمت اب تک "جو" کھاتی چلی آئی ہے۔ اس تواترِ قطعی کا انکار بھی کفر ہوگا حالانکہ "جو" کا کھانا نہ کھانا کوئی بڑی بات نہ تھی"۔

تواتر کی تیسری قسم "قدرِ مشترک" ہے۔ جس کی حقیقت یہ ہے کہ بہت سی حدیثیں خبرِ واحد کی شکل میں آتی ہوں لیکن ان سب کا مضمون اور مفاد تواتر کی حد تک پہنچ گیا جس کی مثال آنحضور ﷺ کے معجزات ہیں کہ ان میں سے بعض متواتر ہیں اور بعض خبرِ آحاد۔ ان اخبارِ آحاد میں ایک مضمون مشترک ملتا ہے جو قطعی ہے اس کا بھی منکر کافر ہے۔

تواتر کی چوتھی قسم تواترِ توارث ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک نسل نے دوسری نسل سے لیا ہو، مثلاً تمام اُمت اس علم میں مساوی طور پر شریک ہے کہ :

"خاتم الانبیاء محمد ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا"۔

اس تواتر کا انکار بھی کفر ہے، متواترات میں تاویل اور ان کے مطالب کو مسخ کرنا بھی کفر ہے۔ (ماہنامہ بادلیاں ص ۱۷۸)

بے نظیر وسعتِ مطالعہ :

حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ رقمطراز ہیں :

"ہمارے اطراف میں کچے چنوں کو بھون کر کھانے کا رواج ہے۔ رات کے اوقات میں چنے بھوننے کا بچے اہتمام کرتے رہتے ہیں اور بعد میں بڑے بھی اس میں شریک ہوجاتے ہیں۔ عوام میں مشہور ہے کہ منہ لگا غلام اور منہ لگا چنا چھوٹتا نہیں۔ غلط نہیں واقعہ یہ ہے کہ ایک بار ہم سب بچے مکان کے صحن میں بُھنے ہوئے چنے کی مجلس سے لطف اندوز ہورہے تھے کہ والد مرحوم (حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ) جنہیں اس زمانہ میں بواسیر کا شدید دورہ لاحق تھا، اپنے کمرہ سے عشاء کا وضو کرنے کیلئے باہر تشریف لائے، سیدھے آکر ہمارے قریب بیٹھ گئے اور چنوں کی فرمائش کی، بچوں نے چینی کی طشتری میں چنے نکال کردیے، آپ انہیں تناول فرمارہے تھے کہ ماموں حکیم محفوظ علی صاحب مزاج پرسی کیلئے تشریف لائے۔ عرض کیا حضرت ! بواسیر کی شدت میں آپ چنے استعمال فرمارہے ہیں یہ تو بے حد مضر ہیں۔ فرمانے لگے، مولوی صاحب فلاں کتاب کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ فلاں صورت میں اگر بواسیر کا عارضہ ہو تو چنا مضر نہیں۔ حکیم صاحب نے نشان زدہ کتاب سے مراجعت کی تو آپ کی اس بے نظیر وسعتِ مطالعہ کے معترف ہوگئے۔ (نقشِ دوام ص ۱۱۷)

☆☆☆☆☆☆☆☆

باب : ۳

طالبانِ علومِ نبوت پر شفقت، تشجیع وتربیت، تسامح وعنایت اور بے تکلفی وظرافت

اسلام میں حصول علم کی روایت غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے۔ محمد عربی ﷺ کے دور مقدس میں مدرسے کی ابتدائی شکل مسجد نبوی میں صفہ پر وجود میں آئی۔ جہاں نبی کریم ﷺ کے جانثار، عاشق زار اور محب کالے، گورے، آزاد و غلام اور عربی عجمی امتیاز کے بغیر حصول علم میں مصروف رہتے تھے۔ اسلامی معاشرے میں مدرسہ اس قدر اہمیت کا حامل ہے جتنا انسانی زندگی کے لئے ہوا، غذا اور ضروریات زندگی۔

دینی مدارس نے ہمیشہ ایسے افراد تیار کئے جنھوں نے اپنے دائرے میں اسلام سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے اللہ کی بندگی، اللہ کے بندوں کا تزکیہ اور اللہ کے دین کی اقامت کیلئے دن رات محنت کی اس حوالے سے دارالعلوم دیوبند کی روشن مثال ہمارے سامنے ہے۔

طلبا کی تربیت پر توجہ :

دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز سپوت حضرت امام کشمیریؒ کو رب ذوالجلال نے اپنی بارگاہ وفیاض سے بہت سے محاسن واوصاف عنایت فرمائے تھے۔ انہوں نے ہمیشہ اپنے تلامذہ کے دلوں میں علم دین کی عظمت واہمیت پیدا کی اور انھیں تزکیۂ نفس، اصلاح باطن، اصلاح اعمال اور فکری وذہنی تربیت کے ساتھ ساتھ اس طرح تیار کیا کہ ان کی طالب علمانہ زندگی عملی زندگی میں بارآور ثابت ہو۔

ملأ اعلیٰ کی دنیا :

حضرت امام کشمیریؒ کا یہ مقولہ حضرتؒ کے شاگردوں میں بہت مشہور تھا، جو شخص

قرآن و حدیث اور دوسرے دینی علوم کو محض شکم پروری کیلئے پڑھتا ہے وہ بازار سے قیمتی شال اس لئے خرید کر لاتا ہے کہ اس سے اپنے جوتے صاف کرے۔ حضرت امام کشمیریؒ اپنے تلامذہ کو صرف نفس کتاب پڑھا دینے کو کافی نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کی سیرت و کردار، اخلاق و عادات اور عبادات و معاملات کو سنوارنے کی طرف بھی توجہ دیتے تھے۔ حضرت امام کشمیریؒ کے نزدیک علم، تعلیم، معلم اور متعلم کی دنیا ملأ اعلیٰ کی دنیا ہے جس کو پاک صاف رکھنے کے لئے شکم پروری اور تن پرستی کی دنیا سے دور اور بلند و بالا رکھنا پڑھنے اور پڑھانے والوں کا پہلا فرض ہونا چاہئے۔

حضرت امام کشمیریؒ کے حلقۂ درس میں جن خوش قسمت طالبان علوم نبوت کو شامل ہونے اور آپ سے نسبت تلمذ کے شرف کا موقع ملا وہ اپنے وقت کے بہترین رجال کار گردانے گئے اور انہوں نے دین و دنیا کے ہر شعبے میں قائدانہ، مجاہدانہ اور مدبرانہ کردار ادا کیا۔

حضرت امام کشمیریؒ کی محنت، تربیت، شفقت، محبت اور حسن سلوک کی کہانی خود حضرتؒ کے تلامذہ کے قلم سے نذر قارئین ہے۔

احوالِ باطن کا اخفاء :

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ اپنے استاد مکرم حضرت امام کشمیریؒ کی باطنی کیفیت اور ظرافت کی ایک جھلک نمایاں کرتے ہوئے رقم طراز ہیں :

اپنے باطنی حال کے اخفاء میں ان کی کوشش حد سے گذری ہوئی تھی، کھلنے کا موقع اتفاقاً کبھی پیش آتا تو اس وقت ظرافت و مزاح کا لہجہ اختیار فرما لیتے۔ بظاہر عام مجلسوں میں صحبتوں میں ان پر سکینت و وقار کی خاموشی طاری رہتی لیکن حلقۂ درس میں ظرافت،

مزاح کا جبلی رجحان نمایاں ہوتا۔ اس وقت ان کی زبان پر معصومانہ انداز میں بڑے پر کیف فقرے جاری رہتے۔

ظرافت و لطائف میں حقائق کی تعلیم :

دورہ اختتام کی حد پر جب پہنچتا تو اس وقت اپنے مخصوص انداز میں فرماتے کہ اب زیادہ دیر نہیں ہے کہ میں مرغیوں کی ڈربہ کو کھول دوں گا۔ مرغے جو ہمارے ارد گرد جمع ہیں ڈربے سے نکلیں گے۔ دیکھتا ہوں بلندیوں پر چڑھ چڑھ کر بازوؤں کو پھڑ پھڑاتے ہوئے کون بانگ دیتا ہے، کس کی آواز کتنی اونچی ہوتی ہے۔ اس قسم کے لطیفوں میں وہ سب کچھ کہہ دیا کرتے تھے جو کہنا چاہتے تھے۔

درسگاہ میں ایک طالب علم سے خصوصی شغف رہتا تھا :

ہمارے ایک رفیق درس جن کا نام مولوی محمد عیسیٰ تھا، شاید بھکر نامی قصبہ کے رہنے والے تھے۔ بیچارے بڑے متین اور سنجیدہ اور نیک آدمی معلوم ہوتے تھے۔ شدت نیکی کی وجہ سے تعلق ان کا علم کے ساتھ بھی کچھ نیک ہی نیک سا تھا۔ شاہ صاحبؒ کے متصل دست چپ کی طرف شروع ہی سے انہوں نے اپنی جگہ بنالی تھی۔ وقت پر ٹھیک اپنی مقررہ جگہ پر آکر بیٹھ جاتے، شاید کسی دوسرے طالب علم کی ہمت بھی نہ ہوتی تھی کہ ان کی جگہ پر قبضہ کرے، ہوتا یہ تھا کہ کسی بلند و بالا مسئلہ پر شاہ صاحبؒ کے معلومات کا بحر ذخار موجیں مارتا ہوا چلا جاتا ہے۔ حافظ الدنیا، شیخ ابن ہمام، شمس الائمہ سرخسی، ابن نجیم کا ذکر ہو رہا ہے کہ اچانک شاہ صاحبؒ مولوی محمد عیسیٰ کی جانب متبسمانہ لہجہ میں مخاطب ہو جاتے، اور ان کی طرف خطاب کر کے کچھ فرماتے۔ صحیح الفاظ تو اس وقت یاد نہ رہے اور الفاظ کی نوعیت ایک رہتی کب تھی، تاہم حاصل یہی ہوتا تھا کہ جو کچھ بیان کیا گیا گویا مولوی عیسیٰ صاحب سے

اس کی تصدیق چاہی جاتی تھی۔ بیچارے مولوی محمد عیسیٰ خاموش مسکرانے لگتے، سارا حلقہ اس وقت صرف مسکراہٹ ہی مسکراہٹ، اور تبسم ہی تبسم بن جاتا تھا" ہاں مولوی محمد عیسیٰ صاحب تو آپ کی رائے اس مسئلہ میں کیا ہے"۔ یہ یا قریب قریب اسی کے عموماً ان سے سوال کیا جاتا۔ بظاہر مولوی محمد عیسیٰ صاحب کے وجود سے استرواح اور ازالۂ ملال وکلال کا کام لیا جاتا تھا۔ شاید ہی کوئی دن ایام درس کے طویل عہد میں ایسا گزرا ہو جس میں دلوں کے انبساط و انشراح کا یہ موقعہ اول یا آخر یا وسط میں نہ نکل آتا ہو، معلوم نہیں ہمارے یہ رفیق درس آج کل کہاں ہیں؟ کس مشغلہ میں ہیں؟ اسی دنیا میں ہیں یا اپنے محبوب استاذ اور سلف صالحین کے ساتھ لاحق ہوگئے، اگر اسی دنیا میں موجود ہیں تو ان سے معافی کا خواستگار ہوں۔ (احاطہ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن ص ۱۰۹)

کمال تواضع وعبدیت :

حضرت مولانا پروفیسر سعید احمد صاحب فرماتے ہیں:

ایک واقعہ لکھتا ہوں جس سے اندازہ ہوگا کہ حضرت الاستاذ کو چھوٹوں کی دلجوئی اور ان کی دلداری کا کس قدر خیال رہتا تھا۔ حضرت الاستاذ میری شادی میں شریک ہوئے اور حضرت نے ہی میرا نکاح پڑھایا تھا۔ یہ مہینہ مئی کا تھا جو آگرہ کے لئے بہت ہی شدید اور انتہائی سخت موسم ہے۔ بارات کو اعتماد پورہ جو آگرہ سے تین چار اسٹیشنوں کے فاصلہ پر ہے وہاں جانا تھا، ریل کے اوقات کی مجبوری کی وجہ سے دوپہر کو [illegible] ڈھائی بجے کے قریب ہم لوگ آگرہ سے روانہ ہوئے اور ایک ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد اعتماد پور کے اسٹیشن پر پہنچ گئے۔ مگر منزل ابھی دو میل دور تھی۔ اسٹیشن سے قیام گاہ تک جانے کے لئے اس نواح کی مخصوص اور سخت تکلیف دہ سواری یعنی یکہ میں بیٹھنا تھا، پھر اس پر لطف یہ کہ راستہ نہایت ناہموار تھا۔

چڑھے اور نشیب و فراز وہ کہ الامان! گرمی اپنے شباب پر۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ قافلہ یکوں پر سوار ہو کر اسٹیشن سے شہر کی جانب روانہ ہوا تو راستہ کی ناہمواری اور گڑھوں کی فراوانی کے باعث بُرا حال ہوگیا۔ حضرت شاہ صاحب ٹھہرے ایک نہایت ہی لطیف اور نازک مزاج بزرگ تھوڑی دیر چلنے کے بعد ہی یکہ رکوایا اور پاپیادہ ہوگئے، چلچلاتی دھوپ پڑ رہی اور لو چل رہی ہے۔ چاروں طرف سے مٹی کے تودے ہیں کہ فضا میں گشت لگاتے پھر رہے ہیں اور اسی عالم میں حضرت شاہ صاحبؒ منہ اور کانوں کو رومال سے لپیٹے ہوئے **حسبنا اللہ و نعم الوکیل** پڑھتے ہوئے قدم بڑھائے اعتماد پور کی آبادی کی طرف چلے جا رہے ہیں۔ آخر خدا خدا کر کے مقام آیا۔ ایک بڑے مکان میں انتظام تھا، وہاں ہم لوگوں کو پہنچا دیا گیا۔ یہاں لوگ پہلے سے موجود تھے، کوئی پنکھا لے کر دوڑا، اور کوئی پانی سے بھرا لوٹا لے کر آیا کہ سخت گرمی میں چل کر آئے ہیں۔ ذرا منہ ہاتھ دھو کر ٹھنڈے ہو لیجئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کو صدر مجلس میں قالین پر بٹھا دیا گیا اور دو تین آدمی بڑے بڑے پنکھے لے کر جھلنے کھڑے ہوگئے۔ جب ذرا پسینہ خشک ہوگیا اور دم میں دم آگیا تو دودھ کے شربت کا ایک بھرا ہوا گلاس میں خود لے کر حضرت الاستاذ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں آنے کو آتو گیا، ورنہ حق یہ ہے کہ شرم کے مارے نگاہ نہیں اٹھتی تھی کہ میری وجہ سے مولانا شبیر احمد صاحبؒ اور دوسرے حضرات کو عموماً اور حضرت الاستاذ کو خصوصاً کس قدر شدید تکلیف پہنچی ہے۔

اسی قسم کے خیالات اور احساس ندامت و شرمندگی تھا جن سے اُس وقت دوچار ہو رہا تھا۔ اسی عالم میں دودھ کے شربت کا گلاس حضرت الاستاذ کی طرف بڑھایا۔ حضرت میرے چہرے بشرے سے سمجھ گئے، گلاس میرے ہاتھ سے لے لیا اور خوش مزاجی کے ساتھ فرمایا ......

ع الا یا ایہا الساقی ادر کاسا و ناولہا

پھر ایک دو گھونٹ لینے کے بعد میری طرف دیکھ کر ذرا تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا :

اور مولوی صاحب " کہ عشق آساں نمود اوّل ولے افتاد مشکلہا " ۔

(حیات انور ص ۲۷۰،۲۷۱)

بے پناہ شفقت :

حضرت مولانا محمد میاں صاحب ناظم جمعیت علماء ہند دہلی حضرت امام کشمیریؒ کا طالبانِ علوم نبوت سے برتاؤ اور طرزِ عمل کی منظر کشی یوں کرتے ہیں :

ایشائی اور مشرقی تہذیب استاذ کو باپ اور شاگردوں کو اولاد کا درجہ دیتی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ اس کا عملی نمونہ تھے۔ آپ کی بے پناہ شفقت ہر وقت طلبہ علوم کے استقبال کے لئے وقف تھی۔ آپ کا دروازہ طلبہ کے لئے ہر وقت کھلا ہوا تھا۔ بدشوق طلبہ کو بھی آپ محبت وشفقت ہی سے گرویدہ کرنے کے عادی تھے۔

احقر وہ بدنصیب ہے جو حضرت کی نجی مجلس میں کبھی حاضر نہیں ہوا۔ حضرت کے حجرہ میں بھی شاید ایک مرتبہ ہی حاضری ہوئی۔ حلقۂ درس میں بھی کوئی ممتاز حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ اس اجنبیت اور بُعد کے باوجود جب بھی حضرت شاہ صاحب سے واسطہ پڑا۔ احقر نے محسوس کیا کہ حضرت کی بے پناہ شفقت اس ناکارہ کے شاملِ حال ہے۔

ذاتی رائے پر طالب علم کی دلجوئی کو ترجیح دی :

سب سے پہلے ایک درخواست کے سلسلہ میں حاضر خدمت ہوا۔ اُس وقت احقر درجہ وسطی کی کتابیں پڑھتا تھا۔ حضرت کے حلقۂ درس میں شرکت کے لئے ابھی ایک دو سال باقی تھے۔ ذاتی تعارف کچھ نہ تھا، دارالعلوم کے سینکڑوں طلبہ میں سے ایک میں بھی تھا

۔ یہ وہ وقت تھا کہ حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند "محاکم شرعیہ ریاست حیدرآباد" کے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کی حیثیت سے حیدرآباد میں مقیم تھے اور نظام حیدرآباد کی نظر میں دارالعلوم کی خاص عظمت تھی۔ متعدد طلبہ ریاست کے وظائف سے فیض یاب ہو رہے تھے۔ احقر کو بھی چند دوستوں نے مشورہ دیا۔ چنانچہ ایک درخواست نہایت خوشخط ایک کاتب سے احقر نے بھی لکھوائی اور حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا کہ اس پر سفارش تحریر فرمادیں۔

حضرت شاہ صاحب کی رائے یہ تھی کہ اس قسم کی درخواستیں بے سود ہیں، وہاں کسی خاص تعلق کے بغیر صرف سفارشی الفاظ سے کام نہیں چلتا۔ (چنانچہ نتیجہً درخواست سے اس کی تصدیق ہوگئی کہ آج تک اس کی رسید بھی نہیں آئی) مگر آپ کے لطف کرم بیکراں نے اس کی اجازت نہیں دی کہ اپنے رائے کو بالا رکھتے ہوئے سفارش لکھنے سے معذرت فرما دیں۔ جیسے ہی احقر نے درخواست پیش کی، آپ نے بلا تامل مؤثر انداز میں پرزور سفارش تحریر فرمادی۔ سفارش کے تمام الفاظ یاد نہیں رہے، البتہ ایک مصرع یاد ہے جو آخر میں تحریر فرمایا تھا .... ع خسرواں چہ عجب گر بنوازند گدارا

اسی زمانہ میں یا اس سے کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے کہ احقر کی پھوپھی کا انتقال ہوگیا۔ احقر کا مکان اسٹیشن کی جانب دیوبند کے آخری کنارہ پر دارالعلوم دیوبند سے تقریباً ایک میل کے فاصلہ پر ہے۔ حضرت شاہ صاحب کو معلوم ہوا تو آپ پاپیادہ تشریف لائے اور جہاں تک یاد پڑتا ہے، نمازِ جنازہ آپ نے ہی پڑھائی۔

فاش غلطیوں کے باوجود تسامح فرمایا :

دورۂ حدیث میں احقر کے ساتھ ختم سال پر بتاسی (۸۷) طلبہ تھے۔ عبارت عام

طور پر مولانا احمد اشرف صاحب راندیری، مولانا اشفاق صاحب سنبھلی، مولانا محمود الرحمٰن صاحب جالونی (مرحوم) مولانا عبدالمتین صاحب ہزاروی، مولانا سیف اللہ برادرِ خورد حضرت شاہ صاحبؒ (احقر کے مشفق دوست) مولانا مسعود احمد صاحب مرادآبادی وغیرہ پڑھا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ بخاری شریف کے سبق میں اس مسابقت میں شرکت کا شوق احقر کو بھی ہوا۔ سب سے پہلی صف میں جا کر بیٹھا اور سب سے پہلے بسم اللہ پڑھ کر اپنا حق قائم کرلیا، مگر عبارت پڑھی تو چند فاش غلطیاں ہوگئیں۔ حضرت شاہ صاحب کو نحوی یا صرفی غلطیوں سے بہت کوفت ہوتی تھی اور سختی سے تنبیہ فرمایا کرتے تھے، مگر حضرت نے محسوس فرمایا کہ یہ غلطیاں گھبراہٹ میں ہوئی ہیں، تو نہایت شفقت اور نرمی سے اصلاح فرمائی۔ چند سطریں پڑھی تھیں کہ ایک بحث شروع ہوگئی اور اسی بحث میں گھنٹہ ختم ہوگیا۔ جان بچی لاکھوں پائے پھر کبھی اس اقدام کی جرأت نہیں کی۔

نظرِ شفقت صلاحیت پر تھی:

ششماہی امتحان تھا۔ اُس زمانہ میں سہ ماہی یا ششماہی امتحان تقریری ہوا کرتے تھے۔ چند روز پہلے احقر کی شادی ہوئی تھی۔ امتحان دینے کے لئے حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں پیش ہوا، عبارت پڑھی، شاید عبارت میں کوئی غلطی بھی کی، پھر مضمون حدیث پر کوئی بحث نہیں کرسکا، خاموش بیٹھ گیا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک سوال کیا۔ احقر یہی سمجھتا ہے کہ اُس کا جواب الٹا سیدھا دیا، مگر تعجب ہوا کہ احقر کو نمبر پورے عطا فرمائے۔ احقر کا خیال ہے کہ حضرت نے نمبر دیتے وقت وقتی صورتحال کا خیال نہیں فرمایا بلکہ نظرِ شفقت صلاحیت پر تھی اور اسی لحاظ سے نمبر عطا فرمائے۔ اسی قسم کا ایک دلچسپ واقعہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب کے یہاں بھی

چند سال پہلے پیش آچکا تھا۔

امتحانات میں نظر ''جواب'' پر نہیں ''محنت'' پر ہوتی تھی:

حضرت مولانا کے یہاں مقاماتِ حریری کا درس ہوتا تھا۔ احقر کو اور مولانا اشفاق حسین صاحب سنبھلی کو مقامات سے اتنا شغف تھا کہ حافظ مقامات مشہور ہوگئے تھے۔ سہ ماہی امتحان کی نوبت آئی۔ امتحان تقریری تھا اور اتفاق سے احقر اور مولانا اشفاق صاحب دونوں کا امتحان ساتھ ہوا اور کچھ ایسی صورت ہوئی کہ اُس وقت درس گاہ میں ہم دو کے علاوہ اور کوئی طالب علم نہیں تھا۔ حضرت مولانا نے ساتویں مقامہ کی عبارت پڑھوائی اور نحوی سوال کیا جس کے جواب میں ہم دونوں قابل ترین طالب علم بغلیں جھانکنے لگے۔ حضرت مولانا نے اپنے مخصوص انداز میں فرمایا: ''مولانا! ہم تو سمجھتے تھے کہ آپ مقامات خوب یاد کرتے ہیں، بڑی محنت کرتے ہیں''۔

حضرت مولانا کے اُن ملامتی ارشادات کے جواب میں ہم دونوں 'دم بخود' تھے۔ یقین تھا کہ ہم دونوں فیل کردیئے جائیں گے لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ دونوں کو پورے نمبر عطا فرمائے۔ یہ بزرگانہ شفقت اس لئے تھی کہ ہماری محنت کا یقین تھا۔

اختلافِ رائے کے باوجود مشفقانہ طرز یکساں رہا:

کتب درسیہ سے فارغ ہوا تو ملازمت کے سلسلہ میں بھی حضرت شاہ صاحبؒ کی خاص شفقت نے دستگیری فرمائی۔

آرہ، ضلع شاہ آباد، صوبہ بہار میں ایک بہت پرانا مدرسہ ہے 'مدرسہ حنفیہ'۔ اس نے گورنمنٹ سے ایڈ حاصل کرنی شروع کی اور مولوی فاضل وغیرہ کے درجات کھولے تو اُن کو ایسے مدرس کی ضرورت ہوئی جو ادب، تاریخ اور ہیئت وغیرہ کی کتابیں پڑھا سکے۔

حضرت شاہ صاحب کسی تقریب سے بہار تشریف لے گئے تو اراکین مدرسہ حنفیہ کے ایک وفد نے حضرت سے ملاقات کی اور مدرسہ حنفیہ کے لئے ''ادیب'' کی فرمائش کی۔ یہاں جس طرح استاذ محترم حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ کی عنایت خصوصی نے سبقت فرما کر احقر کا نام پیش کیا ایسے ہی حضرت شاہ صاحبؒ کی خاص شفقت تھی کہ باوجودیکہ نہ حضرت شاہ صاحب کے یہاں کا حاضر باش تھا اور نہ اور کوئی خاص تعلق تھا۔ محض ازراہِ شفقت احقر کے نام کو منظور فرمایا۔

یہ ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۴ء کا واقعہ ہے۔ اُس وقت احقر کی عمر تقریباً بیس سال تھی، داڑھی نہیں تھی۔ صرف سبزہ آغاز تھا۔ مدرسہ حنفیہ کے عمر رسیدہ مدرسین اور اراکین کے لئے عجیب سی بات تھی کہ ایک لڑکے کو اس خدمت کے لئے بھیج دیا گیا، مگر ان بزرگوں کی دعاؤں نے امداد فرمائی اور چند اجتماع جو اسی ہفتہ میں ہوئے، اُن میں اُردو، اور عربی کی تقریروں نے اس خلجان کو رفع کر دیا اور وہ بجائے تحقیر کے احقر کی عزت کرنے لگے، پھر تقریباً تین سالہ قیام میں ایسی مقبولیت حاصل ہوگئی کہ اگر وہاں کچھ اور عرصہ قیام رہتا، تو شاید اس حلقہ کی معراج احقر کو حاصل ہو جاتی یعنی مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ کا پرنسپل بنا دیا جاتا مگر ....

عشق نے غالب نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

انگریزی سرکار کی وظیفہ خواری کے ساتھ علم دین کی خدمت گوارا نہ ہوئی، گلو خلاصی کی کوشش کرنے لگا۔ ۱۹۲۹ء میں وہاں سے علیحدہ ہو کر جب مدرسہ شاہی مرادآباد میں تقرر ہوا، تو اس موقع پر بھی ان دونوں بزرگوں کی شفقت کار فرما تھی۔ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب نے کوشش فرمائی اور حضرت شاہ صاحبؒ نے نہایت شاندار الفاظ میں احقر کی سفارش فرمائی۔

اہتمام دارالعلوم سے وہ اختلاف جس کا اشارہ پہلے گذر چکا ہے، احقر کے دیوبند سے چلے جانے کے بعد رونما ہوا۔ علمی طور پر میں نے کسی پارٹی کی حمایت میں کچھ نہیں کہا، البتہ میرے رجحانات اہتمام کی حمایت میں تھے اور حضرت شاہ صاحبؒ کو اس کا علم تھا، مگر آرہ یا مرادآباد سے دیوبند حاضر ہو کر جب بھی خدمت اقدس میں حاضری ہوئی تو احقر نے حضرت کے مشفقانہ طرز میں کوئی فرق نہیں محسوس کیا۔

طریقۂ اصلاح :

یہ سارا سلسلۂ بیان حضرت میاں صاحب کا ہے، مزید تحریر فرماتے ہیں :

ایک بات اور یاد آگئی۔ دیوبند کے طلبہ اُس زمانہ میں سافہ باندھا کرتے تھے۔ یہ سافے 'گاڑھے' گبرون یا ململ کے ہوتے تھے۔ بھاگل پوری سبز سافے خاص مقبولیت رکھتے تھے۔ احقر کے پاس ایک بنارسی سافہ تھا، جس کے پلّوں پر تقریباً چھ چھ انگل سنہری کام تھا۔ ایک مرتبہ یہ سافہ باندھے ہوئے حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شاہ صاحبؒ کی نظر زرکار پلّوں پر پڑ گئی، اثنائے گفتگو میں آپ نے مسئلہ بھی بیان فرما دیا کہ

''مرد کے لئے چار انگل سے زیادہ سنہری کام جائز نہیں ہے''۔

بیان کا پیرایہ اتنا لطیف تھا کہ اس وقت احقر کو یہ احساس بھی نہیں ہوا کہ تنبیہ اور اصلاح مقصود ہے۔ حضرتؒ سے رخصت ہونے کے بعد غور کرتا رہا کہ اس مسئلہ کو گفتگو کے سیاق وسباق سے کیا تعلق ہے۔ بہت دیر بعد خود اپنے سافہ کا خیال آیا اور پھر پلے کے کام کو ناپا تو چار انگل سے زائد تھا۔ اس کے بعد اس سافہ کے زنانہ کپڑے بنوا دیئے گئے۔ طلبہ کے ساتھ لطف و کرم کی یہ چند مثالیں ہیں، جن کا تجربہ خود احقر کو ہوا۔ قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔ (سیرت انور ص ۲۸۹ تا ۲۹۳)

طالب علم سے معافی مانگو :

مولانا سید احمد مالک کتب خانہ اعزازیہ دیوبند کا بیان کیا ہوا یہ واقعہ سننے کے قابل ہے۔ کہتے ہیں کہ جس سال ہماری بخاری و ترمذی حضرت شاہ صاحب کے یہاں زیر درس تھیں، دارالعلوم دیوبند میں ایک عجیب مجہول شخصیت طالب علم کی حیثیت سے داخل ہوئی۔ یہ شخصیت پنجاب کی تھی۔ میلے کچیلے کپڑے پھٹا پرانا لباس' یہ طالب علم صرف درس میں نظر آتا۔ باقی تمام اوقات مطالعہ میں گذارتا۔ عصر سے مغرب تک اکثر طلبا تفریح کے لیے نکل جاتے، مگر یہ کبھی تفریح میں نظر نہ آیا۔ محنتی اور شوقین طلباء بھی کبھی اپنی ضروریات کے لئے بازار جاتے لیکن اسے دیوبند کے بازار میں نہیں دیکھا گیا۔ حد تو یہ ہے کہ دارالعلوم میں اجتماعات یا وقتی و ہنگامی جلسوں میں اس کی صورت نظر نہ پڑتی۔ میلے کچیلے کپڑے جن پر جوئیں گشت کرتی رہتی، طلبا اس کے قریب بیٹھنے یا اسے اپنے قریب بٹھانے سے گریز کرتے۔ اس کا معمول تھا کہ کھانے کے اوقات میں مٹی کا پیالہ لیے ہوئے مطبخ آتا، کھانا لینے کے بعد وہیں بیٹھ کر کھالیتا۔ اسی پیالہ کو لیے ہوئے مولسری کے کنویں پر پہنچتا، پیالہ کھنگال کر اسی میں پانی پی لیتا اور پھر بدستور داخل حجرہ۔ ایک آدھ مرتبہ اس کے کمرے میں جھانک کر دیکھا تو ایک بوریا اور ایک اینٹ جس سے یہ تکیہ کا کام لیتا، اس کے سوا کمرہ میں کوئی چیز نہیں تھی۔

میرے رفیق درس مولانا مفتی عتیق الرحمان نے ایک روز خلاف معمول اس طالب علم کو دیکھا کہ اپنی مخصوص نشست چھوڑ کر ہمارے ساتھ والی نشست پر آ بیٹھا۔ پھٹا پرانا لباس اس پر چلتی ہوئی جوئیں اپنی کوفت سے زیادہ یہ اور احساس تکلیف کا باعث بن رہا تھا کہ حضرت استاذ کو بھی اذیت ہوگی۔ حضرت شاہ صاحبؒ تشریف لاچکے تھے۔ آپ کی

تقریر روانی کے ساتھ جاری تھی۔ حافظ ابن تیمیہ' ابن حجر عسقلانی' ابن ہمام' بدرالدین عینی وغیرہ کے حوالے بلند پایہ تحقیقات اور اس پر رد و قدح کے دوران حضرت استاذ کی مسکراہٹ۔ میں نے یہ سمجھ کر کہ آپ کی تمام تر توجہ اس وقت متعلقہ مسئلہ کی جانب ہے، نہایت ہی خفی لہجہ میں اس طالب علم سے کہا کہ تمہیں شرم نہیں آتی، اتنے غلیظ ہو کر یہاں آ بیٹھے ہو، میں مطمئن تھا کہ میری آواز حضرتؒ کے کان تک نہیں پہنچی ہوگی، گردن اٹھا کر دیکھا تو شاہ صاحبؒ کی کشادہ پیشانی پر ناگواری کی شکنیں پڑی ہوئی تھیں اور تقریر کا انبساط بھی رخصت ہو چکا تھا۔ سبق قبل از وقت ختم کیا اور درس گاہ سے رخصت ہوئے، مجھے اشارے سے بلایا، جب میں قیامگاہ پر پہنچا تو محسوس ہوا کہ آپ شدید ناگواری میں ہیں فرمایا! مولوی صاحب! آپ بہت نظیف ہیں کہ ایک غریب طالب علم کی آپ نے دل شکنی فرمائی۔ یہ تواضع کے خلاف اور کبر کی علامت ہے۔ آپ کو کیا معلوم جس طالب علم کو آپ نے سخت سست کہا وہ واحد طالب علم ہے جو میری تقریر کو مکمل سمجھ رہا ہے۔ جائیے اس سے معافی مانگئے۔ حضرت استاد کے اس حکم کی تعمیل کی گئی، لیکن یہ شبہ باقی رہا کہ حضرت نے اس طالب علم کے متعلق ایسے وقیع کلمات کس لئے استعمال کئے۔

ایک روز امتحان کی غرض سے اس طالب علم کے کمرہ میں پہنچ کر ایک اہم روایت کے متعلق سوال کیا اور میری حیرت کی انتہا نہ رہی، جب اس کی زبان سے حضرت شاہ صاحبؒ کی تقریر اس طرح سنی کہ الفاظ کی بھی تبدیلی نہ تھی۔ (نقش دوام ص ۹۵)

بھائی شمس الدین رخصت ہو رہے ہیں :

جناب مسعود احمد قاسمی صاحب لکھتے ہیں

حضرت شاہ صاحبؒ نے بڑی لطیف طبیعت پائی تھی اور ساتھ ہی مزاج کا عنصر

بھی موجود تھا۔ ایک دن عصر اور مغرب کے درمیانی وقت میں بخاری شریف کا درس دے رہے تھے کہ یکایک کتاب بند کردی اور کہا جب بھائی شمس الدین ہی چلے گئے تو اب سبق میں کیا لطف رہ گیا۔ چلو تم بھی اپنے گھر کا راستہ لو۔ سب لوگ حیران و پریشان رہ گئے کہ بھائی شمس الدین کون تھے اور وہ کب چلے گئے؟ جب حضرت شاہ صاحبؒ نے لوگوں کی حیرانی کو دیکھا تو غروب ہوتے ہوئے سورج کی طرف اشارہ کرکے فرمانے لگے :

جاہلو ! دیکھتے نہیں وہ بھائی شمس الدین رخصت ہو رہے ہیں، اندھیرے میں سبق پڑھ کر کیا کروگے۔ اس میں تو لطف نہیں آئے گا۔

دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس کی تنخواہ :

ایک مرتبہ ایک صاحب جو دیندار لوگوں میں سے تھے اور کلفیوں کا کاروبار کیا کرتے تھے، کلفیاں لے کر آئے، محفل میں شاہ صاحبؒ کے علاوہ اور بھی بزرگ ہستیاں موجود تھیں، جب سب لوگ کلفیاں کھا چکے تو شاہ صاحبؒ نے اُن سے فرمایا : ''بھئی آپ ان کلفیوں کی تجارت میں ایک مہینے میں کتنا پیدا کرتے ہیں''؟ اُنہوں نے جواب دیا ''یہی کوئی ساٹھ روپے ماہانہ'' اس پر شاہ صاحبؒ نے فرمایا ''تو پھر تمہیں دارالعلوم کی صدر مدرسی کی ضرورت نہیں''۔ یہ بات شاہ صاحبؒ نے اس لئے فرمائی تھی کہ اُن دنوں میں دارالعلوم کے صدر مدرس تھے اور اُن کی تنخواہ کل ساٹھ روپے ماہوار تھی۔

پیر نابالغ :

ایک دفعہ دورانِ درس میں نابالغ کی امامت کا مسئلہ چھڑ گیا کہ آیا نابالغ کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ شاہ صاحبؒ نے فرمایا، مسئلہ تو یہی ہے کہ نابالغ کے پیچھے نماز نہیں ہوتی لیکن بعض اوقات ہو جاتی ہے، پھر فرمانے لگے، کبھی تم نے ایسا بھی آدمی دیکھا ہے جو

بوڑھا بھی ہو اور پھر بھی نابالغ ہو؟ پھر خود ہی فرمانے لگے :

''پیر نابالغ میں ہوں کہ چالیس (۴۰) برس کی عمر ہونے کو آئی لیکن ابھی تک غیر شادی شدہ ہوں''۔ (سیرت انور ص ۴۷)

دستر خوان پر آئیے :

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رقمطراز ہیں :

کھوڑہ ضلع راولپنڈی کے سفر میں احقر مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ حال شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور اور دوسرے بعض اور مستفیدین بھی ساتھ تھے۔ حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ بھی ہمراہ تھے۔ راولپنڈی پہنچے، بڑے بڑے اجتماعات ہوئے اور بڑی بڑی عالمانہ تقریریں ہوئیں۔ مجلسی خوش مذاقی اور ظرافت کے سلسلہ میں ایک واقعہ یہ بھی پیش آیا کہ حضرت مولانا مرتضیٰ حسن مرحوم وظیفہ پڑھ رہے تھے جو ناشتہ آ گیا۔ حضرت ممدوح نے زور سے فرمایا کہ : ''شیخ وظیفہ کا مقصد آ چکا ہے دستر خوان پر آ جایئے''۔

اندر باہر فقیر :

کھوڑہ کے اسی سفر میں حضرت ممدوح نے مجھے ''فقیر صاحب'' کا خطاب عطا فرمایا۔ صورت واقعہ یہ ہوئی کہ بارش بہت زیادہ ہوگئی، جلسہ گاہ شہر سے میل بھر کے فاصلہ پر تھی، راستہ میں بھی بارش آ گئی۔ اور میں سر سے پیر تک پانی میں مع کپڑوں کے نچڑ گیا، جلسہ گاہ کے قریب ایک مسجد میں پہنچ کر بھیگے ہوئے کپڑے اُتارے، ایک صاحب نے اپنی چادر لنگی کے طور پر دی اور ایک صاحب نے اوڑھنے کے لئے دوسری چادر دیدی۔ میں لنگی باندھ کر اور چادر اوڑھ کر ننگے سر، ننگے پاؤں حضرت شاہ صاحب کے ساتھ جلسہ گاہ میں پہنچا، حکم فرمایا کہ : ''اس وقت جلسہ میں تقریر تجھی کو کرنا ہوگی''۔

چنانچہ مجھے اسٹیج پر کھڑا کر کے خود ہی میرے تعارف کی تقریر کی اور فرمایا کہ ''یہ فقیر صاحب جو آپ کے سامنے حلقہ میں ننگے سر ننگے پاؤں کھڑے ہیں فلاں ہیں، فلاں کے بیٹے اور فلاں کے پوتے ہیں، علمی سواد خاصا رکھتے ہیں، مجمع میں بولنے کا ڈھنگ انہیں آ گیا ہے، یہ جیسے باہر سے فقیر نظر آتے ہیں ویسے ہی اندر سے بھی فقیر صاحب ہی ہیں، آپ ان کی تقریر سے فائدہ اٹھائیں گے''۔ (سیرت انور ص ۱۱۶)

حکیمانہ تہدید یا مزاحی تنشیط :

حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ صاحب فرماتے ہیں :

ایک بار پچھلی صف میں سے کسی طالب نے سوال کیا، مگر مہمل انداز سے۔ فرمایا کہ ''جاہل! تجھے معلوم نہیں کہ میں اسناد متصل کرنا بھی جانتا ہوں، جانتا ہے کس طرح اسناد متصل ہوگی؟ میں اس اپنے پاس والے کو تھپڑ ماروں گا، وہ اپنے والے کو مارے گا، وہ اپنے پاس والے تھپڑ رسید کرے گا، یہاں تک کہ تھپڑ کا یہ فعلی سلسلہ سند تجھ تک پہنچ جائے گا''۔

یہ تہدید بھی تھی اور حکیمانہ رنگ سے فنی اصطلاحات میں ایک مزاح بھی تھا، جس سے طلبہ کی تنشیط (نشاط میں لانا) مقصود تھی۔ (سیرت انور ص ۹۴)

چہ دہ گز بہ بالا، چہ دہ گز بہ زیر :

ایک دفعہ فرمایا کہ ایک مغفل کھجور کے درخت پر چڑھ کر کھجوریں توڑنے لگا، جب اُترنے لگا تو طریقہ بھول گیا۔ ایک اور مغفل بھی آ گیا۔ اس نے رسہ طویل نیچے سے اس کی طرف پھینکا کہ اس کو اپنے بدن کے ساتھ باندھ لے میں تجھے نیچے کھینچ لوں گا، نیچے کھینچا تو بیچارہ گر کر مر گیا۔ لوگوں نے اسی کو پکڑا، یہ تو نے کیا کیا، بے چارے کی جان بھی گئی، جواب دیا کہ میں نے ایک دفعہ ایک شخص کو کنوئیں سے اسی طریق سے اوپر کھینچ لیا تھا۔ اسی پر قیاس

کر کے میں نے سمجھا ...... ''چہ دہ گز بہ بالا چہ دہ گز بزیر'' .... (انوار انوری ص ۶)

معروف تلامذہ :

ذیل میں ہم حضرت امام کشمیریؒ کے تلامذہ کی ایک مختصر اور نا تمام فہرست پیش کرتے ہیں۔ یہ فہرست نا تمام ہے اور بہت سے چیدہ چیدہ علماء اور صلحاء کے نام ہم نے بخوف طوالت نظر انداز کر دیئے ہیں۔

(۱) شیخ الاسلام حضرت مولانا فخر الدین احمد شیخ الحدیث مرکز علوم اسلامیہ دار العلوم دیوبند (دورۂ حدیث شریف آپ نے اگرچہ شیخ الہند علیہ الرحمۃ سے پڑھا ہے، لیکن حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ سے بھی اتنا زیادہ علمی استفادہ کیا ہے کہ آپ کے تلامذہ کی صف میں سب سے اول نمبر پر آپ کا شمار کیا جاتا ہے۔

(۲) حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند۔

(۳) حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

(۴) مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق ناظم عمومی جمعیۃ العلمائے ہند دہلی۔

(۵) حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی ناظم اعلیٰ ندوۃ المصنفین دہلی۔

(۶) شیخ الحدیث حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مئوناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ۔

(۷) حضرت مولانا محمد بن موسیٰ میاں سملکی قدس سرہ العزیز افریقہ۔

(۸) حضرت مولانا بدر عالم صاحبؒ مہاجر مدنی مؤلف فیض الباری۔

(۹) حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ سابق صدر دینیات حیدرآباد عثمانیہ یونیورسٹی و مؤلف سوانح قاسمی۔

(۱۰) حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ صدر جامعہ اشرفیہ لاہور پاکستان۔

(۱۱) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ دیوبندی مفتی اعظم پاکستان۔

(۱۲) حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مرحوم نجیب آبادی، مؤلف انوار المحمود۔

(۱۳) حضرت مولانا قاضی سجاد حسین صاحبؒ صدر المدرسین مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی

(۱۴) حضرت مولانا سعید احمد صاحبؒ اکبرآبادی پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

(۱۵) حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ، دار العلوم الاسلامیہ کراچی۔

(۱۶) حضرت مولانا محمد ادریس صاحبؒ سکروڈویؒ سابق مدرس جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت۔

(۱۷) حضرت مولانا محمد میاں صاحبؒ دیوبندی ناظم جمعیۃ علماء ہند دہلی۔

(۱۸) حضرت مولانا محمد چراغ صاحبؒ گوجرانوالہ۔

(۱۹) حضرت مولانا احسان اللہ خان صاحبؒ تاجورؒ لاہور۔

(۲۰) حضرت مولانا مصطفیٰ حسن علویؒ پروفیسر یونیورسٹی مولوی گنج لکھنؤ۔

(۲۱) حضرت مولانا میرک شاہ صاحب کاشمیریؒ سابق پروفیسر اورینٹل کالج لاہور۔

(۲۲) حضرت مولانا محمد نعیم صاحبؒ لدھیانوی۔

(۲۳) حضرت مولانا حبیب الرحمٰنؒ صاحب لدھیانوی۔

(۲۴) حضرت مولانا حمید الدین صاحبؒ شیخ الحدیث مدرسہ عالیہ کلکتہ۔

(۲۵) حضرت مولانا مفتی محمود احمد صاحبؒ نانوتوی رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند۔

(۲۶) حضرت مولانا حامد الانصاریؒ غازی رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند۔

(۲۷) حضرت مولانا منظور احمد صاحبؒ نعمانی مدیر الفرقان لکھنؤ۔

(۲۸) حضرت مولانا سلطان محمود صاحبؒ سرحدی سابق صدر مدرس مدرسہ فتح پوری دہلی

(۲۹) حضرت مولانا محمد اسماعیل سنبھلیؒ، سنبھل (مراد آباد)

(۳۰) حضرت مولانا محمد تقی صاحبؒ دیوبندی۔

(۳۱) حضرت مولانا محمد ادریس صاحبؒ میرٹھی۔

(۳۲) حضرت مولانا قاضی زید العابدین صاحبؒ سجاد میرٹھی۔

(۳۳) حضرت مولانا محمد صاحب انوریؒ مدرسہ تعلیم الاسلام سنت پورہ لائل پور پاکستان

(۳۴) حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ صاحب۔

(۳۵) حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوریؒ محدث حضرو ضلع کیمبلپور۔

(۳۶) حضرت مولانا شائق احمد صاحبؒ ایڈیٹر عصر جدید کراچی۔

(۳۷) حضرت مولانا قاری اصغر علی صاحبؒ مدرس دارالعلوم دیوبند۔

(۳۸) حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ نافع سابق استاد دارالعلوم دیوبند۔

(۳۹) حضرت مولانا عبدالوہابؒ صاحب مہتمم مدرسہ معین الاسلام ہاٹ ہزاری چاٹگام۔

(۴۰) حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ صدر مدرس مدرسہ معین الاسلام ہاٹ ہزاری چاٹگام۔

(۴۱) حضرت مولانا محمد طاہر القاسمیؒ سابق ناظم دارالصنائع دارالعلوم دیوبندؒ۔

(۴۲) حضرت مولانا محمد یوسفؒ صاحب میرواعظ کشمیر اصغر مال روڈ راولپنڈی پاکستان

(۴۳) حضرت مولانا سید اختر حسینؒ صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند۔

(۴۴) حضرت مولانا یعقوب الرحمٰن صاحبؒ عثمانی سابق ناظم جمعیۃ الطلبہ دارالعلوم دیوبند۔

(۴۵) حضرت مولانا فیوض الرحمٰن صاحب مرحوم پروفیسر اورینٹل کالج لاہور۔

(۴۶) حضرت مولانا عبدالحنان صاحبؒ ہزاروی جامع مسجد صدر راولپنڈی۔

(۴۷) حضرت مولانا مفتی فیض اللہ صاحبؒ ہاٹ ہزاری چاٹگام۔

(۴۸) حضرت مولانا اسماعیل یوسف کاروڑیؒ جوہانسبرگ (ٹرانسوال) جنوبی افریقہ۔

(۴۹) مصلح الامۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ فتح پوریؒ۔

(۵۰) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ سرگودھا۔

(۵۱) مولانا جمیل الدین صاحب میرٹھیؒ جامعہ اسلامیہ بھاولپور۔

(۵۲) حضرت مولانا محمد ایوب صاحبؒ اعظمی شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت۔

(۵۳) حضرت مولانا احمد اشرف صاحبؒ جامعہ اشرفیہ راندیر ضلع سورت۔

(۵۴) مولانا انوار الحق صاحب اعظمی مرحوم۔

(۵۵) مولانا عبدالعزیز صاحبؒ بہاری سابق صدر جمعیۃ علماء بمبئی۔

(۵۶) حضرت مولانا سید نثار احمد صاحبؒ نوری الہریا سرائے ضلع دربھنگہ۔

(۵۷) مولانا اسلام الحق صاحب اعظمی استاذ دارالعلوم دیوبند۔

(۵۸) حضرت مولانا ظہور احمد صاحب دیوبندیؒ سابق استاذ دارالعلوم دیوبند۔

(۵۹) مولانا محمد جلیل صاحب کیرانویؒ، استاذ دارالعلوم دیوبند۔

(۶۰) حضرت مولانا حکیم سید محفوظ علی صاحب مرحوم دیوبند۔

(۶۱) مولانا حکیم محبوب الرحمن صاحبؒ بجنور۔

(۶۲) مولانا سید احمد رضا صاحب مؤلف انوار الباری بجنور۔

(۶۳) مولانا محمد امین صاحبؒ استاذ حدیث دارالعلوم مئو، اعظم گڑھ۔

(۶۴) مولانا ریاست علی صاحبؒ جبل پور۔

(۶۵) مولانا غلام مصطفی صاحب کشمیریؒ سابق ایم این اے کشمیر۔

(۶۶) مولانا عبدالکبیر صاحب جامعہ مدینۃ العلوم حضرت بل سرینگر۔

(۶۷) مولانا آل حسن صاحبؒ دیوبندی مقیم میرٹھ۔

(۶۸) مولانا بشیر احمد صاحبؒ مدرسہ مظہر العلوم کرتپور ضلع بجنور۔

(۶۹) مولانا ابو احمد عبداللہ صاحبؒ لدھیانوی، دارالعلوم نعمانیہ گوجرانوالہ۔

(۷۰) شیخ التفسیر مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ راولپنڈی۔

(۷۱) مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاریؒ گجرات پاکستان

(۷۲) حضرت مولانا سیف اللہ شاہ صاحبؒ لولاب کشمیر۔

(۷۳) مولانا عبدالوحید صاحبؒ پرتاپ گڈھ (یو۔پی)

(۷۴) مولانا ڈاکٹر عبدالعلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

(۷۵) حضرت مولانا حکیم سعد اللہ صاحبؒ ناظم دارالعلوم مئو ناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ۔

(۷۶) حضرت مولانا محمد صادق صاحبؒ صدر مدرس بڑودہ گجرات۔

(۷۷) مولانا نعمت اللہ صاحب انوریؒ، بیر بھوم ضلع اسکول سوری ضلع بیر بھوم۔

(۷۸) مولانا مفتی اسماعیل بسم اللہ مرحوم ڈابھیل ضلع سورت۔

(۷۹) مولانا محمود احمد صاحبؒ ضلع دربھنگہ (بہار)

(۸۰) مولانا حکیم عبدالاول صاحبؒ اجراڑہ ضلع میرٹھ۔

(۸۱) مولانا افتخار علی صاحب خیر نگر بازار میرٹھ۔

(۸۲) مولانا عبداللہ خان صاحبؒ کرتپوری، ہمدرد دواخانہ دہلی۔

(۸۳) مولانا اسماعیل کاچھوی صاحب مرحوم جوہانسبرگ جنوبی افریقہ۔

(۸۴) مولانا ایم آئی نانا صاحبؒ جوہانسبرگ جنوبی افریقہ۔

(۸۵) مولانا صالح ابن محمد منکیرا جوہانسبرگ جنوبی افریقہ۔

حضرت امام کشمیریؒ زندگی بھر علوم دینیہ خصوصاً حدیث رسول ﷺ کی تدریس و ترویج میں مشغول رہے۔ اُن کا علمی فیضان دور دور تک پہنچا۔ ہزاروں طالبان علوم نبوت ان کے درس سے فیض یاب ہو کر دنیا کے کونے کونے میں پہنچے..........

چمن میں حسن گل ولالہ دیکھنے والو!
گلوں میں عکس رخ باغبان بھی ہوتا ہے

☆☆☆☆☆☆☆☆

باب : ۴

محدثانہ جلالتِ قدر، تدریسی خصوصیات، تجدیدی کارنامے، محققانہ مباحث، مجتہدانہ افاضات اور درسی معارف وافادات

دارالعلوم دیوبند کی داغ بیل اُن علمائے ربانیین نے ڈالی تھی جو سراپا خلوص و للّٰہیت تھے۔ ان کا دل و دماغ ملتِ اسلامیہ کے شاندار مستقبل کے لئے بے چین تھا۔ انہوں نے اپنے کو اشاعتِ دین اور ترویجِ علوم دینیہ کے لئے وقف کر دیا تھا اور بانیانِ دارالعلوم کچھ زیادہ سن رسیدہ اور معمر نہ تھے بلکہ ان کا تعلق عمر کے اس دور سے تھا جسے دورِ شباب کہا جاتا ہے نوجوانوں کے لئے یہ بات بڑی سبق آموز ہے، اس سے ''بزرگی بعقل است نہ بسال'' کی جہاں تصدیق ہوتی ہے وہاں یہ سبق بھی ملتا ہے کہ مردانِ کار کسی بڑے کام کے لئے اپنے کُہن سال اور معمر ہونے کا انتظار نہیں کرتے، بلند ہمتی ماہ و سال کی پابند نہیں ہوا کرتی۔

دارالعلوم سے ہزاروں علماء، صوفیا، اتقیاء، صلحاء، محدثین، مصنفین اور مبلغین پیدا ہوئے جنہوں نے دنیا کے کونے کونے میں اسلام کی ترویج و اشاعت کے لئے بے مثال قربانیاں پیش کیں۔

دارالعلوم دیوبند میں آغازِ تدریس :

محدث کبیر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ بھی دارالعلوم کے ابتدائی دور کے تلامذہ میں سے ہیں۔ جب آپ دارالعلوم سے فارغ ہوئے تو کچھ عرصہ مدرسہ امینیہ میں پڑھاتے رہے، پھر کشمیر چلے گئے۔ وہاں ''مدرسہ فیضِ عام'' کے نام سے ایک دینی مدرسہ

قائم کیا، کچھ وقت کے بعد حج کی سعادت سے بہرہ مند ہونے کے لئے سفر حجاز کا ارادہ کیا، وہاں سے واپسی پر دیوبند تشریف لائے اپنے اساتذہ کرام خصوصاً حضرت شیخ الہندؒ کی زیارت وملاقات کا شرف حاصل کیا۔ حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا، اب آپ کو دارالعلوم میں تدریس کرنی ہے۔ کافی عرصہ تک بلا تنخواہ تدریس کرتے رہے، جب شادی ہوئی تو طوعاً و کرہاً تنخواہ قبول کی۔

صدارتِ تدریس :

جب مصر کے مشہور زمانہ عالم سید رشید رضا دیوبند تشریف لائے اور حضرت شاہ صاحبؒ سے ان کی ملاقات ہوئی تو بے ساختہ بار بار یہ کہتے تھے کہ میں نے اس جلیل القدر استاد جیسا کوئی عالم نہیں دیکھا۔ حضرت شیخ الہندؒ کے بعد دارالعلوم دیوبند کی صدارت تدریس کا عہدہ جلیلہ آپ ہی کے سپرد ہوا۔ آپ کی شخصیت پر علم حدیث کا ذوق غالب تھا۔ صحاح ستہ کے علاوہ حدیث کی اکثر کتابیں بر نوک زبان تھیں۔

درسِ انور کا ایک منظر :

حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ آپ کے تلامذہ میں سے ہیں، وہ اپنی کتاب "دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن" میں اپنی یادداشتیں اور حضرت شاہ صاحبؒ کے انداز تدریس کی عکاسی کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

بہرحال یوں ہی اب صحیح طور پر یاد نہیں رہا کہ ہفتہ یا ہفتہ سے زیادہ دن گزرے کہ درس کا اعلان ہوا۔ معلوم ہوا کہ کل سے دورہ کے اسباق شروع ہوں گے۔ کتابیں جن کے اسباق شروع ہونے والے تھے، کتب خانہ سے برآمد کر لی گئیں تھیں، صبح کی نماز کے بعد ہی معلوم ہوا کہ سب سے پہلے حضرت سیدنا الامام الکشمیری کے یہاں صحیح مسلم کا سبق

سوانح علامہ انور شاہ کشمیریؒ ۹۳

شروع ہوگا۔ طلبا کا ہجوم تھا، انہی کے جھمیلے میں خاکسار بھی نو درہ کی چھت کے شمالی سمت پر جو ایک کمرہ تھا، اس میں حاضر ہوگیا، اتنی بڑی تعداد والی جماعت میں شریک ہو کر بیٹھنے کا یہ پہلا اتفاق تھا۔ خیال آتا ہے کہ صحیح مسلم کا اتفاقاً وہی نسخہ مجھے کتب خانہ سے ملا تھا جو طول و عرض میں حدیث کی دوسری کتابوں کے مقابلہ میں غیر معمولی طور پر ممتاز تھا لیکن کرتا کیا، اسی طویل وعریض کتاب کو لے کر کوٹھے پر چڑھ گیا، درس کے کمرے میں لکڑی کی چھوٹی چھوٹی تپائیاں رکھی ہوئی تھیں، طالب علموں نے انہیں تپائیوں پر قبضہ کر لیا، ایک تپائی میرے حصہ میں بھی آئی۔

علم کا بحرِ بیکراں :

خیال تھا کہ جیسے عام طور پر ہمارے مدارس کا دستور ہے، طلبا کتاب کی عبارت پڑھیں گے اور حضرت شاہ صاحب پھر اس عبارت کا مطلب بتائیں گے۔ لیکن پہلی مرتبہ درس کے ایک نئے طریقے کے تجربہ کا موقع میرے لئے یہ تھا کہ بسم اللہ بھی کتاب کی شروع نہیں ہوئی تھی کہ علم کا ایک بحر بیکراں بلا مبالغہ عرض کر رہا ہوں ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ میرے دل ودماغ کے ساحلوں سے ٹکرانے لگا۔ ایسے اساتذہ (غفر اللہ لھم) سے پڑھنے کا موقع ملا تھا، جو کتاب کو شروع کراتے ہوئے غیر ضروری طور پر اس قسم کی عام باتوں کا تذکرہ عموماً کیا کرتے ہیں کہ مصنف نے خدا کی حمد سے کتاب کیوں شروع کی اور اسی عام سوال کو اٹھا کر، اس کا جو مقررہ جواب کتابوں میں لکھا ہے، لفظوں کے الٹ پھیر سے دہرانے کے عادی تھے، صلوٰۃ کی شرح، مختلف امور کی طرف اس لفظ کا انتساب اس کے معانی میں کن تبدیلیوں کو پیدا کرتا ہے۔

الغرض مسلمان مصنفوں کی کتابوں کے دیباچہ کے عمومی اجزاء کے متعلق سوال و

جواب، ردوقدح کا موروثی سرمایہ، حواشی وشروح میں جو منتقل ہوتا چلا آرہا ہے، اسی کو غریب طالبعلموں پر پیش کرکے اپنی علمی وسعت کو ظاہر کرتے تھے، لیکن الامام الکشمیریؒ نے قبل اس کے کہ کتاب کا کوئی لفظ بھی شروع ہوا ہو، ایک خاص قسم کی دلکش ترنم آمیز آواز میں تقریر شروع کی، کس کس موضوع سے اس تقریر کا تعلق تھا تقریباً چالیس سال کے بعد اس کا دہرانا آسان نہیں ہے لیکن بعض انقلابی تاثرات کا نشان حافظہ پر جہاں تک خیال کرتا ہوں اب بھی باقی ہے پہلے ہی سبق میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ برسوں میں حاصل ہونے والے معلومات یکایک میرے سامنے آگئے۔

اندازِ تدریس :

حضرت شاہ صاحبؒ فطرتاً ادیب تھے، اس لئے اردو زبان جو ان کی مادری زبان نہ تھی چاہتے تو اس زبان کے بہترین ادیب وخطیب کی شکل میں اپنے آپ کو نمایاں کرسکتے تھے، لیکن مسلسل عربی کتابوں کے مطالعہ سے اور ادب عربی کی دوامی مزاولت کا اثر تھا کہ زبان مبارک پر عربی زبان کے الفاظ زیادہ چڑھ گئے تھے بلکہ طریقہ بیان بھی آپ کا عربی طرز بیان سے زیادہ متاثر تھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ گو تعلیمی وتدریسی زبان آپ کی اردو تھی لیکن عربی زبان کے ایسے الفاظ جو اردو میں عموماً مستعمل نہیں ہیں، اضطراراً آپ کی زبان مبارک سے مسلسل نکلتے رہتے تھے۔

تواتر کے اقسام چہارگانہ کو بیان کرتے ہوئے شاہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کی زبان مبارک سے پہلی دفعہ میں نے طبقة بعد طبقة کے عام الفاظ کے ساتھ جیلاً بعد جیل کے الفاظ سنے تھے۔ اس کی غرابت کا احساس اب بھی میرے حافظہ میں زندہ ہے۔ شاید اسی موقع پر "الكافة عن الكافة" یا "الكواف عن الكواف" ابن حزم کی مخصوص اصطلاح بھی سننے میں آئی۔

اسی قسم کے غیر مشہور یا اُردو زبان میں جو الفاظ عربی کے مروّج نہ تھے، اُن کے استعمال کرنے کی غرض ممکن ہے کہ یہ بھی ہو کہ عام مسلمانوں کو نہ سہی لیکن عربی مدارس کے طلباء کا ان الفاظ سے مانوس ہونا، ان کی شان کے مناسب تھا اور شاہ صاحبؒ شاید اس طریقے سے طلباء کو ان عالمانہ اصطلاحات وتعبیرات سے مانوس بنانا بھی چاہتے تھے۔

بعض غریب اصطلاحات کا تعارف واستعمال :

مجھے یاد پڑتا ہے کہ ایک دفعہ شاہ صاحب نے ان غریب اصطلاحات کے استعمال کی توجیہ کرتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ بعض چیزیں دنیا میں ایسی ہیں جن کا ذکر کنائے اور اشارے ہی میں کرنا، عام انسانی تہذیب کا اقتضاء ہے، پھر یہ نکتہ بھی ان ہی سے سننے میں آیا اور بالکل صحیح بات تھی کہ تراشنے والے ان چیزوں کی تعبیر کے لئے اچھے اچھے الفاظ تراش لیتے ہیں" پائین خانہ" مکان کے پچھلے حصے کو کہتے ہیں، پھر اس سے بیت الخلاء مراد لینے لگے، لیکن رفتہ رفتہ یہ لفظ پاخانہ کی شکل اختیار کرکے خود گندہ ہوگیا، فرماتے تھے کہ معانی کی گندگی رفتہ رفتہ الفاظ تک منتقل ہوکر پہنچ جاتی ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ تھوڑے تھوڑے دن بعد اس قسم کے الفاظ پر نظرثانی کی جائے۔

اپنے اسی خیال کے مطابق عورتوں کے ایام کی تعبیر وہ ہمیشہ "ایام طمث" استعمال کرنے کے عادی تھے، کیونکہ "حیض" کا لفظ حالانکہ خود کنائی تعبیر ہے لیکن کثرتِ استعمال نے اس کو بھی اس قابل نہیں رکھا کہ مہذب مجلسوں میں اس کے استعمال کو جاری رکھا جائے۔

گھر کی باتیں :

خیر قصہ تو حضرت شاہ صاحب کے درسی خصوصیات کا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ باتوں

باتوں میں صرف حدیث ہی نہیں بلکہ دوسرے علوم کے ایسے اہم اہم کلیات، ہاتھوں ہاتھ ان کے درس میں آجاتے تھے کہ اپنے ذاتی مطالعہ سے شاید ساری عمر ان تک رسائی ہم جیسے نارساؤں کی آسان نہ تھی۔

حدیث کے متعلق تواتر کے اقسام چہارگانہ کے سوا اصول حدیث کے "الاعتبار" کے اصطلاح کی شرح کرتے ہوئے شاہ صاحب نے جو تقریر فرمائی تھی حالانکہ تقریباً نصف صدی کے قریب زمانہ گزر چکا ہے لیکن وساوس وشبہات، شکوک واوہام کی جو تاریکیاں اچانک میرے سامنے سے چھٹ گئی تھیں اور سکینت وطمانینت کی جو لذت اس وقت میسر آئی تھی، دل میں اس کی خنکی اور حلاوت اس وقت تک موجود ہے۔ ایک ہی حدیث کے متعلق اعتبار کے قاعدے سے اعتماد اور بھروسہ کی جو منطقی قوت فراہم ہوتی ہے، صحیح طور پر اس قوت سے واقف ہوجانے کے بعد اپنی جبلت سے آدمی اس اعتماد کی کیفیت کے نکالنے سے عاجز ہوجاتا ہے، جو قدرۃً اس عمل کے بعد دلوں میں حدیث کے متعلق پیدا ہوجاتا ہے۔ حدیث کے متعلق شاہ صاحبؒ کے درس میں گُر کی باتیں معلوم ہوتی رہتی تھیں۔ ایسی باتیں جن سے تاثرات میں غیر معمولی انقلاب پیدا ہوجاتا تھا۔

آکسفورڈ اور کیمبرج یونیورسٹی کا لکچر ہال :

یاد آتا ہے ایک دفعہ مرحوم صاحبزادہ آفتاب احمد خان جو کسی زمانہ میں علی گڑھ یونیورسٹی کالج کے روح رواں جزوکل یا کم ازکم غیر معمولی مؤثر عنصر تھے۔ صاحبزادے صاحب مرحوم کبھی کبھی دیوبند تشریف لایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ صحیح مسلم کے درس میں آکر وہ بھی شریک ہوئے، واپس ہوکر میں نے خود ان سے سنا ہے کہتے تھے کہ آج تو آکسفورڈ اور کیمبرج کے لکچر ہال کا منظر میرے سامنے آگیا تھا۔ یورپ کی ان یونیورسٹیوں میں

پروفیسر کو جیسے پڑھاتے ہوئے میں نے دیکھا ہے، آج ہندوستان میں میری آنکھوں نے اسی تماشے کو دیکھا۔

معلومات کا تلاطم پذیر طوفان :

یادداشت اور حافظہ کی غیر معمولی قوت کا نتیجہ یہ تھا کہ معلومات کا طوفان شاہ صاحب کے اندر تلاطم پذیر رہتا تھا۔ خیال آتا ہے کہ کسی مسئلہ پر تقریر فرماتے ہوئے اسی کی مناسبت سے، ان کا ذہن کسی دوسرے مسئلہ کی طرف منتقل ہوجاتا، تو عموماً فرماتے "مجھے دفاع ہوگیا اس مسئلہ کی طرف" ان دفاعی مسائل میں صرف، نحو، معانی، بیان، بدیع وغیرہ فنون تک کے مسائل شریک تھے۔

سیبویہ کی الکتاب :

عربیت سے تعلق رکھنے والے ان علوم سے شاہ صاحب کو غیر معمولی دلچسپی تھی۔ ان علوم کی اعلیٰ بنیادی کتابوں کا غیر معمولی فکر ونظر کے ساتھ انہوں نے مطالعہ کیا تھا، میرا خیال ہے کہ کافیہ اور شرح جامی کے ساتھ مدارس کے عام مولویوں کا جو تعلق ہوتا ہے، یہی تعلق شاہ صاحب کو سیبویہ کی الکتاب سے تھا۔ ابن عصفور جس کے کچھ نوٹ اور کچھ حواشی سیبویہ کی کتاب پر ہیں، اس نام کو بھی پہلی دفعہ خاکسار نے شاہ صاحب ہی سے سنا تھا اور کہہ سکتا ہوں کہ ان کے بعد پھر کسی مولوی کی زبان سے یہ الفاظ سننے میں نہ آئے۔ دوسروں کی کیا کہوں، سیبویہ کی الکتاب کے مطبوعہ نسخے پر میری نظر تو ضرور پڑی ہے، شاید ادھر ادھر سے کچھ اس کو دیکھا اور پڑھا بھی ہوگا، لیکن ابن عصفور کے حاشیہ کے دیکھنے کا بھی شرف حاصل نہ ہوا۔ معانی وبیان وبدیع کے مسائل میں الجرجانی کی دلائل الاعجاز، اسرار البلاغت یا زمخشری کی تفصیل کے سوا تفتازانی وغیرہ مصنفوں کی کتابوں کا حوالہ دیتے ہوئے شاہ

صاحب کو فقیر نے کبھی نہیں دیکھا۔

فقہی معیار :

اصول فقہ میں وہ ابن ہمام کی تحریر کے گویا حافظ تھے۔ فقہ میں ابوبکر کاسانی صاحب بدائع شمس الائمہ سرخسی اور ابن نجیم صاحب بحر الرائق سے ان کو بہت متاثر پاتا تھا، شامی کے تفقہ پر یہ معلوم ہوتا تھا کہ چنداں بھروسہ نہیں تھا۔ صاحب ہدایہ کے بڑے مداح تھے۔ عموماً فرماتے کہ ابن ہمام کی فتح القدیر جیسی کتاب لکھنے کا ارادہ کروں تو کر سکتا ہوں لیکن ہدایہ جیسی کتاب کے لکھنے سے اپنے کو قطعاً عاجز پاتا ہوں۔

(احاطۂ دار العلوم میں بیتے ہوئے دن ص ۷۶ تا ۵۰)

تدریسِ حدیث میں تجدیدی کارنامہ :

حضرت مولانا عبدالحلیم چشتی فاضل دیوبند حضرت شاہ صاحب کے درسِ حدیث کی تصویر یوں دکھاتے ہیں :

حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ درسِ حدیث میں صرف کتاب نہیں پڑھاتے بلکہ صحیح معنوں میں علوم حدیث کا درس دیتے ہیں، جس سے طلبہ کے ذہن میں جلاء، نظر میں وسعت اور معلومات میں بیش بہا اضافہ ہوتا تھا اور انہیں اپنی پڑھی ہوئی چیزوں سے کام لینے کا ڈھنگ آتا تھا۔ درسِ حدیث میں علامہ موصوف کا تجدیدی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے حدیث کی شرح میں ہر فن کا اجراء کیا اور تمام متداول علوم وفنون کو حدیث کی شرح میں برتا اور ان کے اجراء کا طریقہ اور سلیقہ سکھایا ہے۔

درسِ حدیث میں تنوع :

علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ نے درسِ حدیث میں مشکلات علوم کو حل کیا ہے اور فن کی

دقیق باتوں کو سمجھایا ہے۔ ان وجوہ کی بنیاد پر ان کے درس کی تقریروں (امالی) میں جو تنوع پایا جاتا ہے، وہ امالی کی علمی دنیا میں اور کہیں نہیں ملتا۔

امام کشمیریؒ کی امالی کو قید تحریر میں لانے کے لئے موزوں ترین شخصیت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی تھی، وہ بڑے ذہین اور علوم معقول ومنقول میں حاذق تھے۔ عربی تحریر وتقریر میں پوری قدرت حاصل تھی۔ انہوں نے فتح الملہم شرح صحیح مسلم میں جگہ جگہ ائمہ فن اور کبار علماء کے اقوال کے ساتھ ساتھ علامہ محمد انور شاہؒ کے اقوال کو بھی زیب قرطاس کیا ہے۔

علامہ محمد انور شاہؒ کی امالی اگرچہ پوری صحاح ستہ پر ہیں لیکن **العرف الشذی علی جامع الترمذی، فیض الباری علی صحیح البخاری** اور **معارف السنن** زیادہ اہم ہیں۔ (ماہنامہ اعظم گڑھ اکتوبر ۱۹۶۰ء)

درسِ حدیث کی امتیازی خصوصیات :

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ لکھتے ہیں :

حضرت شاہ صاحبؒ کے درسِ حدیث میں کچھ ایسی امتیازی خصوصیات نمایاں ہوئیں جو عام طور سے دروس میں نہ تھیں اور حضرت شاہ صاحبؒ کا انداز درس درحقیقت دنیائے درس وتدریس میں ایک انقلاب کا باعث ثابت ہوا۔

اولاً آپ کے درسِ حدیث میں رنگِ تحدیث غالب تھا۔ فقہ حنفی کی خدمت وتائید وترجیح بلاشبہ اُن کی زندگی تھی، لیکن رنگ محدثانہ تھا۔ فقہی مسائل میں کافی سیر حاصل بحث فرماتے، لیکن انداز بیان سے یہ کبھی مفہوم نہیں ہوتا تھا کہ آپ حدیث کو فقہی مسائل کے تابع کر رہے ہیں اور کھینچ تان کر حدیث کو فقہ حنفی کی تائید میں لانا چاہتے ہیں، بھلا اس کا قصد و ارادہ تو کیا ہوتا؟ بلکہ واضح یہ ہوتا تھا کہ آپ فقہ کو بحکم حدیث قبول کر رہے ہیں۔ حدیث فقہ کی طرف نہیں لے جائی جا رہی ہے بلکہ فقہ حدیث کی طرف لایا جا رہا ہے، وہ آ رہا ہے اور

کلیۃً حدیث کے موافق پڑتا جارہا ہے۔ بالفاظ دیگر گویا حدیث کا سارا ذخیرہ فقہ حنفی کو اپنے اندر سے نکال کر پیش کر رہا ہے اور اُسے پیدا کرنے کے لئے نمودار ہوا ہے۔

درس میں محدثانہ رنگ غالب رہتا :

درسِ حدیث میں آپ کے یہاں محدثانہ رنگ غالب تھا اور حدیث کو فقہ حنفی کے مؤید کی حیثیت سے نہیں بلکہ اُس کے منشا کی حیثیت سے پیش کیا جاتا تھا اور ہاتھ در ہاتھ اُس کے دلائل وشواہد سے اس دعویٰ کو مضبوط بنایا جاتا تھا۔

متونِ حدیث کی معتمد کتابوں کا ڈھیر آپ کے سامنے ہوتا تھا اور تفسیر الحدیث بالحدیث کے اُصول پر کسی حدیث کے مفہوم کے بارہ میں جو دعویٰ کرتے اُسے دوسری احادیث سے مؤید اور مضبوط کرنے کے لئے درس ہی میں کتب پر کتب کھول کر دکھائے جاتے تھے۔ اور جب ایک حدیث کا دوسری احادیث کی واضح تفسیر سے مفہوم متعین ہو جاتا تھا تو نتیجتاً وہی فقہ حنفی کا مسئلہ نکلتا تھا۔ اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ حدیث فقہ حنفی کو پیدا کر رہی ہے۔ یہ ہرگز مفہوم نہیں ہوتا تھا کہ فقہ حنفی کی تائید میں خواہ مخواہ توڑ مروڑ کر حدیثوں کو پیش کیا جارہا ہے یعنی گویا اصل تو مذہب حنفی ہے۔ محض مؤیدات کے طور پر روایات حدیث سے اُسے مضبوط بنانے کے لئے یہ ساری جدوجہد کی جارہی ہے۔ نہیں، بلکہ یہ کہ حدیث اصل ہے لیکن جب بھی اُس کے مفہوم کو اُس کے قوی اور سیاق وسباق نیز دوسری احادیث باب کی تائید و مدد سے اُسے مشخص کر دیا جائے تو اس میں سے فقہ حنفی نکلتا ہوا محسوس ہونے لگتا ہے۔

تلامذہ کے تأثرات :

اس لئے طلبائے حدیث حضرت ممدوح کے درس سے یہ ذوق لے کر اُٹھتے تھے

کہ ہم فقہ حنفی پر عمل کرتے ہوئے حقیقتاً حدیث پر عمل کر رہے ہیں اور حدیث کا جو مفہوم ابوحنیفہؒ نے سمجھا ہے وہی درحقیقت شارع علیہ السلام کا منشا ہے۔ جس کو روایتِ حدیث ادا کر رہی ہے بلکہ یہ سمجھ میں آتا تھا کہ اس روایتِ حدیث سے امام ابوحنیفہؒ اپنا کوئی مفہوم پیش نہیں کرتے بلکہ صرف پیغمبر علیہ السلام کا مفہوم پیش کر رہے ہیں اور خود اس حدیث میں محض ایک جویا اور ناقل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ہمہ جہتی محققانہ مباحث :

دوسری خصوصیت یہ تھی کہ حضرت ممدوح کے علمی تبحر اور علم کے بحر ذخار ہونے کی وجہ سے درسِ حدیث صرف علوم حدیث ہی تک محدود نہ رہتا تھا، اُس میں استطراداً لطیف نسبتوں کے ساتھ ہر علم وفن کی بحث آتی تھی، اگر معانی وبلاغت کی بحث آجاتی تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا علم ومعانی کا یہ مسئلہ اسی حدیث کے لئے واضع نے وضع کیا تھا، معقولات کی بحثیں آجاتیں اور معقولیوں کے کسی مسئلہ کا رد فرماتے تو اندازہ ہوتا کہ یہ حدیث گویا معقولات کے مسئلہ ہی کی تردید کے لئے قلب نبوی پر وارد ہوئی تھی۔

غرض اس نقلی اور روایتی فن (حدیث) میں نقل وعقل، دونوں کی بحثیں آتیں اور ہر فن کے متعلقہ مقصد پر ایسی سیر حاصل اور محققانہ بحث ہوتی کہ علاوہ بحثِ حدیث کے وہ فنی مسئلہ ہی فی نفسہ اپنی پوری تحقیق کے ساتھ منقح ہو کر سامنے آجاتا تھا۔

سال بھر تک یکسانی کے ساتھ مسائل پر یہ محققانہ بحثیں جاری رہتیں۔ یہ ضرور تھا کہ ششماہی امتحان کے بعد عصر سے مغرب تک کا وقت طلبہ کا مزید لے لیتے تھے، جس سے رجب کے اواخر تک یعنی امتحان سالانہ شروع ہونے سے پہلے پہلے ترمذی وبخاری یکساں شان تحقیق کے ساتھ ختم ہو جاتی تھیں۔

بہر حال حضرت شاہ صاحبؒ کا درسِ حدیث محض حدیث تک محدود نہ تھا بلکہ فقہ، تاریخ، ادب، کلام، فلسفہ، منطق، ہیئت، ریاضی اور سائنس وغیرہ تمام علوم جدیدہ وقدیمہ پر مشتمل ہوتا تھا اور اس لئے اس جامع درس کا طالب علم اس درس سے ہر علم وفن کا مذاق لے کر اٹھتا تھا اور اس میں یہ استعداد پیدا ہو جاتی تھی کہ وہ بضمن کلامِ خدا ورسول ہر فن میں محققانہ انداز سے کلام کر جائے۔

درسی لائن کا انقلاب :

یہ درحقیقت درس کی لائن کا ایک انقلاب تھا جو زمانہ کی رفتار کو دیکھ کر الاستاذ الامام الکشمیریؒ نے اختیار فرمایا۔ چنانچہ کبھی کبھی تحدیث بالنعمۃ کے طور پر فرمایا کرتے تھے کہ ''بھائی اس زمانہ کے علمی فتنوں کے مقابلہ میں جس قدر ہو سکا ہم نے سامان جمع کر دیا ہے''۔ بالخصوص فقہ حنفی کے مآخذ ومناشی کے سلسلہ میں حدیثی ذخیرہ کافی ہی نہیں، کافی سے زائد جمع فرما دیا۔

عمر بھر کا نچوڑ :

پھر بھی قیامِ ڈابھیل کے زمانہ میں آخری سال جس کے بعد پھر درس دینے کی نوبت نہیں آئی اور وصال ہو گیا۔ درسِ حدیث میں فقہی وحدیثی تحقیقات کا بہت زیادہ اہتمام فرمایا اور ترجیح مذہب حنفی اور تطبیق روایات میں عمر بھر کے علم کا نچوڑ پیش فرمایا، جس کو املا کرنے والوں نے املا کیا۔

''تائید مذہب حنفی'' کے اس غیر معمولی اہتمام کی توجیہ کرتے ہوئے گاہ گاہ فرماتے کہ عمر بھر ابو حنیفہؒ کی نمک حرامی کی ہے۔ اب مرتے وقت جی نہیں چاہتا کہ اس پر قائم رہوں۔ چنانچہ کمل کر پھر ترجیح مذہب کے سلسلہ میں اچھوتے اور نادر روزگار علوم ومعارف

اور نکات ولطائف ارشاد فرماتے، جس سے یوں محسوس ہوتا تھا کہ منجانب اللہ آپ پر مذہب حنفی کی بنیادیں منکشف ہو گئی تھیں اور اُن میں شرح صدر کی کیفیات پیدا ہو چکی تھیں، جس کے اظہار پر گویا آپ مأمور یا مجبور تھے۔ ان علوم ومعارف کے ذخیرہ کو حضرت ممدوح کے دو (۲) رشید شاگردوں' مولانا محمد یوسف بنوریؒ اور مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی نے الواح اوراق میں جمع کر کے اہل علم پر ایک ناقابل مکافاۃ احسان فرمایا ہے۔ حق تعالیٰ ان دونوں محقق فاضلوں کو جزاء خیر عطاء فرمائے اور حضرت شاہ صاحب کی روحانیت سے اُن کی نسبت کو اور زیادہ قوی فرمائے۔ (آمین)

عمر بھر امام ابو حنیفہؒ کی نمک حرامی کی :

حضرت ممدوح کا یہ جملہ کہ عمر بھر ابو حنیفہؒ کی نمک حرامی کی۔ شاید اس طرف مشیر ہے کہ حضرت ممدوح جہاں روایاتِ حدیث میں تطبیق وتوفیق روایات کا اُصول اختیار فرمائے ہوئے تھے وہیں روایاتِ فقہیہ میں بھی آپ کا اُصول تقریباً تطبیق وتوفیق ہی کا تھا، یعنی مذاہب فقہا کے اختلافات کی صورت میں حنفیہ کا وہ قول اختیار فرماتے جس سے خروج عن الخلاف ہو جائے اور دونوں فقہ باہم جڑ جائیں، اگرچہ یہ قول مفتیٰ بہ بھی نہ ہو اور مسلک معروف کے مطابق بھی نہ ہو، نظر صرف اس پر تھی کہ دو (۲) فقہی مذہبوں میں اختلاف جتنا کم سے کم رہ جائے وہی بہتر ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں بعض مواقع پر خود امام کا قول بھی چھوٹ جاتا اور صاحبین کا قول زیرِ اختیار آ جاتا تھا۔ یعنی فقہ حنفی کے دائرے سے تو کبھی باہر نہیں جاتے تھے۔ مگر ابو حنیفہؒ کے بلاواسطہ قول سے کبھی کبھی باہر نکل جاتے تھے۔ خواہ وہ بواسطۂ صاحبین ابو حنیفہؒ ہی کا قول ہو۔ شاید اس کو حضرت ممدوح نے ابو حنیفہؒ کی نمک حرامی کرنے سے تعبیر فرمایا ہے۔

اقوالِ ابو حنیفہؒ کا اختیار و ترجیح :

جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آخر عمر میں اس توسع سے رجوع کر کے کھلے طور پر مذہب کے معروف و مفتیٰ بہ حصے بلکہ اقوالِ ابی حنیفہؒ کے اختیار و ترجیح کی طرف طبیعت آ چکی تھی اور یہ بلاشبہ اس کی دلیل ہے کہ ابو حنیفہؒ کی خصوصیات کے بارہ میں حق تعالیٰ نے انہیں شرح صدر عطا فرما دیا تھا اور وہ بالآخر اسی ٹھیٹھ لکیری پر جم کر چلنے لگے تھے، جس پر اُن کے شیوخ سرگرم رفتار رہ چکے تھے۔

مناظرانہ مباحث :

اسی کے ساتھ درسِ حدیث کے سلسلہ میں مذاہب اربعہ کے اختلافات بیان کرتے ہوئے کبھی کبھی مناظرانہ صورتِ حال بھی پیدا ہو جاتی تھی۔ ان مناظرانہ مباحث اور فرعیاتی اختلافات سے کتاب وسنت کے ہزارہا مکنون علوم و انکشاف ہوتے تھے جو اس اختلاف کے بغیر حاصل ہونے ممکن نہ تھے اور پھر ان فرعیات کا تزاحم اور تزاحم کے بعد قول فیصل حضرت ممدوح کے قلب ولسان سے ظاہر ہوتا تو ظرف کی خصوصیات لگ جانے سے عجیب وغریب اور نئے نئے علوم پیدا ہوئے، پھر ان تزاحمات میں محاکمہ اور ترجیح کے سلسلہ سے جو تنقیحات بیان ہوئیں وہ خود مستقل علوم ومعارف کا ذخیرہ ہوتی تھیں۔

اعراب کی تصحیح کا اہتمام :

حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب بیان کرتے ہیں :

جو طلبہ صرف ونحو کی خامی اور عربی استعداد کی کمزوری کی وجہ سے حدیث صحیح نہیں پڑھ سکتے تھے اور اعراب میں غلطیاں کرتے تھے، حضرت شاہ صاحب اُن کے لئے حدیث

پڑھنا جائز نہیں سمجھتے تھے، اس طرح اگر طالب علم سے سبق قرأت میں کسی ایسے راوی کے نام میں غلطی ہوتی جو سلسلۂ سند میں بار بار اور کثرت سے آتا تو اس سے بھی آپ کو بڑی سخت اذیت ہوتی تھی اور گویا یہ تکلیف آپ کے لئے ناقابلِ برداشت تھی۔

ایک دن ترمذی کا سبق ہو رہا تھا۔ ایک طالب علم نے عبارت پڑھنی شروع کی۔ شاید پہلی یا دوسری حدیث تھی۔ سلسلۂ سند میں آیا ''عَنِ الشَّعْبِیِّ'' اُس بیچارہ نے بجائے شَعْبِیّ کے شُعَبِیّ پڑھا۔ حضرت استاذ نے تصحیح فرماتے ہوئے فرمایا ''عَنِ الشَّعْبِیِّ'' لیکن اُس بندۂ خدا کی زبان سے پھر وہی نکلا عَنِ الشُّعَبِیِّ۔ حضرت نے اُسی وقت سبق سے اُٹھا دیا اور فرمایا جو لوگ اتنے ناقص الاستعداد اور کم فہم ہوں کہ روزانہ سند میں آنے والے راویوں کے صحیح ناموں سے بھی واقف نہ ہوں اور بار بار بتلانے سے بھی نہ سمجھ سکیں اُن کو دورۂ حدیث میں شریک نہیں ہونا چاہئے۔

لایعنی سوال وجواب سے احتراز :

صحیح قسم کے طالبانہ سوالات سے حضرت بہت خوش ہوتے تھے اور بڑی بشاشت کے ساتھ جواب مرحمت فرماتے تھے۔ لیکن مُہمل قسم کے اور لایعنی یا غیر متعلق سوالات کی بالکل گنجائش اور اجازت نہ تھی۔ جس سال یہ عاجز دورۂ حدیث میں تھا اُس سال دورہ میں تقریباً سو طالب علم تھے۔ ان میں سے ۴۔۵ کو حضرت نے خود متعین فرمایا تھا کہ صرف یہی سوال کیا کریں اور ان کے علاوہ جس کو سبق کے سلسلہ میں کچھ پوچھنا ہو وہ پہلے ان کو بتلا دے، اگر یہ اس کو پیش کرنے کے قابل سمجھیں تو پیش کریں۔ حضرت کے اس طرزِ عمل کی وجہ سے کسی فضول اور لایعنی بات میں بالکل وقت ضائع نہیں ہوتا تھا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ حضرت کا یہ ہمیشہ کا رویہ تھا یا اُسی سال یہ طرزِ عمل اختیار فرما لیا۔ (حیات انور ص ۲۱۰ تا ۲۱۲)

درسِ حدیث کے دس خصوصیات :

حضرت مولانا محمد ادریس اپنے فاضل استاد حضرت مولانا محمد انور شاہؒ کے درسِ حدیث کی خصوصیات کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں :

۱) درسِ حدیث میں سب سے اوّل اور زیادہ توجہ اس طرف فرماتے تھے کہ حدیث نبوی کی مراد باعتبار قواعد عربیت وبلاغت واضح ہو جائے۔ حدیث کی مراد کو علمی اصطلاحات کے تابع بنانے کو پسند نہ فرماتے تھے کیونکہ اصطلاحات بعد میں پیدا ہوئیں اور حدیث نبوی زماناً اور رتبۃً مقدم ہے۔ حدیث کو اصطلاح کے تابع کرنا خلاف ادب ہے۔

۲) خاص خاص مواضع میں حدیث نبوی کے ماٰخذ قرآن کریم سے بیان فرماتے اور اسی مناسبت سے بہت سی مشکلات قرآنیہ کو حل فرما دیتے تھے۔

۳) حسب ضرورت اسماء الرجال پر کلام فرماتے۔ خصوصاً جن رواۃ کے بارے میں محدثین کا اختلاف ہوتا تو اس جرح وتعدیل کے اختلاف کو نقل کر کے اپنی طرف سے ایک قول فیصل بتلا دیتے کہ یہ راوی کس درجہ میں قابل قبول ہے۔ اس کی روایت حسن کے درجہ میں ہے یا صحیح کے، قابل رد ہے یا قابل اغماض یا لائق مسامحت۔ اغماض ومسامحت میں جو فرق ہے وہ اہل علم سے مخفی نہیں۔ زیادہ تر فیصلہ کا طریقہ یہ بھی رکھتے کہ جب کسی روای کی جرح وتعدیل میں اختلاف ہوتا تو یہ بتلا دیتے کہ یہ راوی ترمذی کی فلاں سند میں واقع ہے اور امام ترمذی نے اس روایت کی تحسین یا تصحیح فرمائی ہے۔

۴) فقہ الحدیث پر جب کلام فرماتے تو اولاً ائمہ اربعہ کے مذاہب نقل فرماتے اور پھر

اُن کے وہ دلائل بیان فرماتے جو ان مذاہب کے فقہاء کے نزدیک سب سے زیادہ قوی ہوتے، پھر اُن کا شافی جواب اور امام اعظمؒ کے مسلک کی ترجیح بیان فرماتے۔

۵) نقل مذاہب میں قدماء کی نقول پیش فرماتے اور اُن کو متاخرین کی نقول پر پیش فرماتے اور اُن کو متاخرین کی نقول پر مقدم رکھتے ائمہ اجتہاد کے اصل اقوال پہلے نقل فرماتے پھر مشائخ کے اقوال ذکر فرماتے۔

۶) مسائل خلافیہ میں تفصیل کے بعد یہ بھی بتلا دیتے کہ اس مسئلہ میں میری رائے یہ ہے کہ گویا وہ ایک قسم کا فیصلہ ہوتا جو طلبہ کے لئے موجب طمانیت ہوتا۔

۷) درسِ بخاری میں تراجم کے حل کی طرف توجہ فرماتے۔ اولاً بخاری کی غرض مراد واضح فرماتے۔ بہت سے مواقع میں حل تراجم میں شارحین کے خلاف مراد متعین فرماتے تھے۔ ثانیاً یہ بھی بتلاتے کہ اس ترجمۃ الباب میں امام بخاری نے ائمہ اربعہ میں سے کس امام کا مذہب اختیار فرمایا ہے۔ پوری بخاری آپ سے پڑھنے کے بعد یہ واضح ہوتا کہ سوا مسائل مشہورہ کے اکثر جگہ امام بخاری نے امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کی موافقت کی ہے۔

۸) حافظ ابن حجر عسقلانی چونکہ امام شافعیؒ کے مقلد ہیں، اس لئے امام شافعیؒ کی تائید میں جا بجا امام طحاوی کے اقوال اور استدلال نقل کر کے اس امر کی پوری سعی کرتے ہیں کہ امام طحاوی کا جواب ضرور ہو جائے۔ بغیر امام طحاویؒ کا جواب دیے گذرنے کو حافظ ابن حجر یہ سمجھتے ہیں کہ میں نے حق شافعیت ادا نہیں کیا۔ درس میں حضرت شاہ صاحبؒ کی یہ کوشش رہتی تھی کہ مسائل فقہیہ میں حافظ ابن

حجرؒ کا جواب دیے بغیر نہ گذریں۔

۹) اسرارِ شریعت میں شیخ محی الدین بن عربی اور شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ کا کلام زیادہ نقل فرماتے تھے۔

۱۰) درسِ حدیث کی تقریر مختصر مگر نہایت جامع ہوتی تھی، جس سے ذی علم مستفید ہو سکتے تھے، ہر کس و ناکس کی سمجھ میں نہیں آسکتی تھی۔

درسی معارف وافادات :

ذیل میں حضرت محدثِ کبیر مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ کے درسِ حدیث سے متعلق چند افادات نذرِ قارئین ہیں۔ جن سے حضرت شاہ صاحب کی محدثانہ جلالتِ قدر کا پہلو سامنے آتا ہے۔

حیاء کی ایک ہی قسم ہے :

الحیاء شعبة من الایمان ...... حیا ایمان کی شاخ ہے۔ حضرت شاہ صاحب اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں : میں حیا کو دو قسموں میں اس انداز پر تقسیم نہیں کرتا جو عام علماء کی رائے ہے، یعنی شرعی و عرفی۔ میرے خیال میں حیاء کی ایک ہی قسم ہے۔ البتہ متعلق کے اعتبار سے بدل جاتی ہے۔ جس پر ذکرِ الٰہی کا غلبہ ہوتا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کے ارتکاب میں خدا سے حیا کرتا ہے اور جس پر دنیا کا غلبہ ہوتا ہے، وہ صرف ان چیزوں سے بچتا ہے جو اہلِ دنیا کی نظر میں معیوب ہوتی ہیں۔ اس لئے حیا ایک ہی ہے، صرف اس کے متعلق بدل رہے ہیں، پھر بھی یہ پیشِ نظر رہے کہ بعض اخلاقِ حسنہ ایمان کے مبادی ہیں جو ایمان سے بھی پہلے آتے ہیں اور ان پر ایمان کا رنگ چڑھتا ہے۔

خصائلِ کفر اور ایمانی اداؤں کا حکم :

حدیث میں ہے : **لا ایمان لمن لا امانة له** ۔ اس سے معلوم ہوا کہ امانت ایمان سے مقدم ہے بلکہ حیا کو بھی ایمان سے مقدم سمجھنا چاہئے اور یہ بھی محفوظ رہے کہ مؤمن میں بعض اوقات خصائلِ کفر ہوتی ہیں اور بعض کفار میں ایمانی عادات و اخلاق۔ لیکن مؤمن کافرانہ اداؤں کی بنا پر ایمان سے خارج نہیں ہوتا البتہ ان خصائل کی بنا پر زمرۂ مؤمنین میں محبوب نہ ہوگا۔

حسنِ ادب اور سلامتیِ فکر کا شہکار :

انما انا قاسمٌ و اللّٰہ یعطی ...... جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں صرف تقسیم کرنے والا ہوں اور دینے والے حقیقت میں خدا ہی ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اس حدیث کے ذیل میں یہ افادات ذکر کئے ہیں۔

دینا ہو یا تقسیم کرنا ان سب اُمور کا تعلق تو خدائے تعالیٰ سے ہے، اگرچہ بظاہر آپ معطی بھی ہیں، جیسا کہ آپ قاسم ہیں، اس لئے حدیث میں اشکال ہے کہ آپ نے خود اپنے اور خدا تعالیٰ کے درمیان دینے اور تقسیم کرنے کا فرق قائم کرلیا۔

میں نے غور و فکر کیا تو محسوس ہوتا ہے کہ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ نے دونوں جملوں میں صرف ظاہر کا لحاظ فرماتے ہوئے یہ تقسیم فرمائی اور آپ ﷺ کا یہ ارشاد عوام کے رجحان و فکر کے مطابق ہے۔ عوام بھی فاعلِ حقیقی کی طرف منسوب نہیں کرتے بلکہ جس سے ملتا ہے اسی کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ زید نے مجھ کو فلاں چیز دی۔ دینے کا فاعل زید کو بتایا گیا اور جو حقیقت میں دینے والا ہے۔ اس کی جانب نسبت نہیں کی گئی۔

میری اس تفصیل کے پیش نظر آنحضور ﷺ کے لئے راہ کھلی ہوتی تھی کہ آپ نے جس طرح اپنے آپ کو قاسم ٹھہرایا ایسے ہی آپ اپنے کو معطی بھی کہہ سکتے تھے لیکن آپ نے ایک اور حقیقت پر نظر رکھی، وہ یہ کہ دینے والا بلند رتبہ اور مستقل ہوتا ہے اور تقسیم کرنے والا صرف ذریعہ بنتا ہے اور لینے والے کی حیثیت کمتر ہوتی ہے تو آپ ﷺ نے بلندی ورفعت استقلال واستحکام خدائے تعالیٰ کے لئے ثابت کیا جو ان کے شایانِ شان ہے اور اپنی جانب وہ چیز منسوب کی جو آپ کی بشریت کے حسب حال ہے۔ گویا کہ آپ کا یہ ارشاد آپ کے حسن ادب اور سلامتی طبع وفکر کا مظہر ہے۔ اس میں توحید افعال کی بحث کھڑی کردینا مناسب نہیں۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے اور اس حدیث کے تحت کہ انبیاء علیہم السلام اپنی حیات وممات میں کسی چیز پر قادر نہیں ہوتے اس لئے آنحضور ﷺ نے خود کو قاسم ٹھہرایا ہے اور اپنے بارے میں مالک نہیں فرمایا، اگر حافظ کی یہ تقریر صحیح رہے تو پھر حدیث میں کسی تاویل کی ضرورت باقی نہیں رہیگی۔

احوالِ برزخ کا ترتب اعمالِ دنیا پر ہوتا ہے:

وہ احادیث جن میں ہے کہ قبر میں میت سے سوال وجواب ہوگا، اگر اس کے جوابات صحیح ہوں گے تو فرشتے اس سے کہیں گے کہ دلہنوں کی طرح سو جاؤ۔ اس بارے میں شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ برزخ میں عمل وشغل ختم ہو جائے گا، جبکہ بعض احادیث سے جو مسندِ دارمی میں موجود ہیں معلوم ہوتا ہے کہ مردے قبر میں بعض مشاغل جاری رکھتے ہیں۔ اذان بھی دیتے ہیں، اقامت بھی کہتے ہیں، نماز بھی پڑھتے ہیں، ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ تلاوت بھی کرتے ہیں اور بخاری کی روایت میں تو ان کے حج کا تذکرہ ہے۔ قرآن مجید میں بھی برزخی زندگی کے بارے میں مختلف ارشادات

ہیں۔ مثلاً ایک موقع پر ہے کہ مردے حشر میں بعد النشر کہیں گے من بعثنا من مرقدنا، ہمیں ہمارے قبور سے کس نے اٹھا دیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اموات قبر میں سوتی ہیں اور انہیں کوئی بھی احساس نہیں، پھر قرآن نے دوسرے موقع پر فرمایا کہ:

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِيًّا۔ (المومن ۴۶)

ترجمہ: آگ جس کے سامنے یہ ہر صبح وشام لائے جاتے ہیں۔

آگ صبح اور شام فرعون اور اس کے ہم خیال لوگوں پر پیش کی جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ برزخ میں احساس ہے، ورنہ تو آگ کو سامنے لانے سے کیا فائدہ؟

میری رائے ان متضاد بیانات کی بنا پر یہ ہے کہ برزخی زندگی میں یکساں احوال نہیں بلکہ دنیاوی زندگی کے مطابق حسن عمل اور بدعملی کی بنا پر قبر کی زندگی کے احوال بدلتے ہیں۔ اس لئے بعض قبر میں پڑے سوتے ہیں اور بعض برزخی حیات میں طرح طرح کی راحتوں ونعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ برزخی زندگی کو حدیث میں نوم کے ساتھ اس وجہ سے تعبیر کیا کہ لغت عرب میں کوئی ایسا لفظ موجود نہیں جو برزخ کی زندگی کی کیفیات کو ادا کر سکے۔ اس لئے وہی لفظ انتخاب کیا گیا جو برزخی زندگی کی کیفیات کو فی الجملہ ادا کر سکے اور وہ نوم ہی ہے نوم موت سے مشابہ ہے، اس وجہ سے حدیث میں النوم اخ الموت کے لفظ آئے ہیں، برزخ اس دنیوی زندگی کے انقطاع اور ایک دوسری زندگی کا آغاز ہے۔ ایسے ہی نوم میں فی الجملہ انقطاع ہے۔ (تلخیص از نقش دوام)

علم حدیث سے عشق وفریفتگی:

حضرت شاہ صاحبؒ کو علم حدیث سے عشق وفریفتگی کا تعلق تھا اور اس کی نشرو

اشاعت کو انہوں نے اپنی زندگی کا مقصدِ اولین قرار دے رکھا تھا۔ حدیث کی اشاعت و خدمت کے سلسلہ میں محدث کبیر حضرت شاہ صاحبؒ کی مساعی اس دور میں تجدیدی اور اجتہادی شان اور احیاء کا رنگ رکھتی ہیں، ان ہی کی مساعی سے پاک و ہند میں حدیث کا سکہ رائج الوقت کی طرح چلن ہو گیا۔ درسِ حدیث کے مستقل حلقے قائم ہوئے۔ شروح احادیث کے دور کی نشاۃ ثانیہ ہوئی اور دیکھتے دیکھتے آپ کے شاگردوں کی ایک عظیم جماعت تیار ہو گئی۔ حضرت شاہ صاحب کی پوری زندگی حدیث کی تشریح و تفہیم، تدریس و تعلیم اور اشاعت و تبلیغ میں گزری ....

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

☆☆☆☆☆☆☆

باب : ۵

تصنیف و تالیف اور تحقیق کے نادر نمونے و شہ پارے

قدرت کا عجیب نظام ہے کہ علماء اُمت اور ارباب ولایت کے مزاج اتنے مختلف ہیں کہ عقل نارسا حیران رہتی ہے۔ کوئی دینی خدمت' تعلیم وارشاد اور افادہ وافاضہ کے پیش نظر تصنیف وتالیف میں مشغول نظر آتا ہے۔ کوئی اصلاح وتربیت کے حرص کی خاطر حلقہ' صحبت واستفادہ کو وسیع کرنے کی فکر میں مصروف ہے۔ کوئی اللہ کا بندہ خمول پسندی' وجاہت وشہرت سے نفرت کی بنا پر گم نامی کو اپنا شیوۂ امتیاز بنائے ہوئے ہے۔ نہ نظام قدرت کے عجائب کی انتہا ہے نہ کائنات کی نیرنگیوں کا شمار۔

محیر العقول جامعیت :

حضرت امام کشمیریؒ کو بھی اللہ نے ایک طرف علمی تبحر' محیر الافکار وجامعیت' حیرت افزا دقت نظر' فوق العادۃ حافظہ' کتب بینی ومطالعہ کا عجیب شوق وذوق عطا فرمایا۔ دوسری طرف خمول پسندی وجاہت وشہرت سے نفرت اور تواضع وفروتنی کے کمالات سے سرفراز فرمایا۔ حضرت کشمیریؒ کی پوری زندگی مطالعہ کتب میں گذری اور زندگی بھر کچھ نہ کچھ جواہر ریزے ان کے قلم گوہر بار سے نکلتے رہے۔ مشکلات وحقائق پر اپنی یادداشتیں لکھتے رہے اور علمی افکار ونظریات بھی قلم بند کرتے رہے لیکن کبھی مستقل تالیف وتصنیف کا شوق دامن گیر نہ ہوا۔

اگر سنن ترمذی کی شرح لکھ دیتے تو !

حضرت امام کشمیریؒ کے شاگرد رشید محدث کبیر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ

فرماتے ہیں: کاش ! اگر ہمارے حضرت امام کشمیریؒ کو اپنے علوم و معارف کے پیش نظر تصنیف و تالیف کا سواں حصہ بھی شوق ہوتا تو آج علمی دنیا کا دامن اُن کے علوم و تحقیقات سے پُر ہوتا اور ان کے علمی جواہرات سے اہل علم مالا مال ہوتے اور آئندہ نسلیں صحیح معنوں میں ان کی معرفت و قدر دانی میں کوتاہی نہ کرتیں۔

حضرت مولانا بدر عالم صاحبؒ نے ایک دفعہ عرض کیا کہ اگر جامع ترمذی پر کوئی شرح تالیف فرما دیتے تو پس ماندگان کے لئے سرمایہ ہوتا۔ غصہ میں آ کر فرمانے لگے کہ زندگی بھر نبی کریم ﷺ کی احادیث پڑھا کر پیٹ پالا۔ کیا آپ یہ چاہتے کہ مرنے کے بعد میری حدیث کی خدمت بکتی رہے۔

مشیت الٰہی کو یوں منظور تھا کہ حضرت نے صرف چند رسائل ہی یادگار چھوڑے ہیں۔ جن میں فاتحہ خلف الامام، رفع یدین، مسئلہ وتر اور فتنہ قادیانیت کی تردید میں چند کتابیں شامل ہیں۔

تصنیفی اور تالیفی خصوصیات :

حضرت مولانا یوسف بنوریؒ نے نفحۃ العنبر ص ۱۰۵ پر حضرت امام کشمیریؒ کی تصنیفی و تالیفی خصوصیات کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ مولانا بنوریؒ فرماتے ہیں:

جامعیت و دقتِ نظر و سرعتِ انتقال ذہنی و کثرتِ آمد کی بناء پر طبیعت اختصار کی عادی بن گئی تھی۔ معلومات کی فراوانی کی وجہ سے ضمنی مضامین کثرت سے ذکر فرمایا کرتے تھے۔ حدیث کے لطائف میں جب علم عربیت و بلاغت کے نکات کا بیان شروع ہو جاتا تھا تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ علوم عربیت کی تحقیقات ہی شائد کتاب کے اصلی موضوع ہیں۔ بعید ترین و عمدہ ترین مآخذ سے وہ نقول پیش فرمایا کرتے جن سے محققانہ شروح حدیث کا دامن

بھی خالی ہوتا تھا۔ افسوس کہ اختصار کی وجہ سے میں اس کی مثالیں پیش نہیں کر سکتا۔ اس لئے عام نگاہیں ان کی گہرائیوں تک نہیں پہنچ سکتی تھیں اور یہ مشکل عام طبیعتیں لذت اندوز ہوتی تھیں۔ حضرت کے مختصر سے مختصر رسالے کے لئے بھی سارے علوم سے نہ صرف مناسبت بلکہ مہارت ان میں ضروری ہے۔ ان تصانیف کی صحیح قدر دانی وہی عالم کر سکتا ہے کہ کسی موضوع میں ان کو مشکلات پیش آئی ہوں اور پورے متعلقات کی چھان بین کر چکا ہو اور تشفی نہ ہوئی ہو، پھر حضرت امام العصر کی تالیف کا غور سے مطالعہ کی توفیق ہو، اس وقت قدر شناسی وقدر دانی کی نوبت آئے گی اور حقائق مطلوبہ کے چہرے سے پردے ہٹتے چلے جائیں گے خالی ذہن غیر مبتلا شخص جس کو کبھی کسی مشکل کی خلش ہی پیش نہ آئی، سطحی مضامین و شگفتہ عبارت سے مانوس ہو وہ کبھی قدر نہیں کر سکتا۔

تصنیفات کا اجمالی تعارف (پہلی قسم) :

حضرت امام کشمیریؒ کی تصنیفات کا تعارف مولانا بنوریؒ کے سحر آفرین قلم سے نذر قارئین ہے:

(۱) عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام :

یہ کتاب ۲۲۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ عقیدۂ حیات مسیح علیہ السلام کے بارے میں قرآن کریم کی کیا ہدایات ہیں۔ اس کی تفصیل ہے۔ اس میں احادیث کا استقصاء و استیفاء نہیں کیا گیا ہے۔ بقدر ضرورت ضمناً احادیث کا ذکر ہے۔ اس لئے اس کا دوسرا نام ہے "حیاۃ المسیح بمتن القرآن و الحدیث الصحیح" ضمنی مسائل کی تحقیقات بھی آ گئی ہیں۔

عقیدہ وحدوث عالم، عقیدۂ ختم نبوت، کنایہ حقیقت ہے یا مجاز؟

ذوالقرنین اور یاجوج و ماجوج کی تحقیق، سدِ ذی القرنین کی تعیین وغیرہ وغیرہ۔ حضرت شیخ عثمانی مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ یہ کتاب حضرت شاہ صاحبؒ کی سب کتابوں میں واضح و مفصل وشگفتہ ہے۔

(۲) تحیۃ الاسلام فی حیاۃ عیسٰی علیہ السلام :

یہ کتاب ۱۵۰ صفحات کی ہے۔ ''عقیدۃ الاسلام'' کی تعلیقات اور اس پر اضافات ہیں، ادب و بلاغت کی عجیب و غریب ضمنی تحقیقات آگئی ہیں۔

(۳) التصریح بما تواتر فی نزول المسیح :

نزول مسیح علیہ السلام کے متعلق احادیث و آثارِ صحابہ کو اس میں بہت تفتیش و دیدہ ریزی سے جمع کیا گیا ہے، جن کی تعداد تقریباً سو تک پہنچ جاتی ہے۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا اس پر ایک نفیس مقدمہ بھی ہے۔

(۴) اکفار الملحدین فی ضروریات الدین :

۱۲۸ صفحہ کا ایک عجیب و غریب رسالہ ہے، جس میں کفر و ایمان کی اصل حقیقت پر روشنی ڈالی گئی اور اُصولی طور پر بحث کی گئی ہے کہ مدارِ ایمان کیا کیا اُمور ہیں اور کن عقائد و اعمال کے انکار سے کفر لازم آتا ہے اور کس قسم کے عقائد میں تاویل کرنا بھی موجبِ کفر ہے۔

اس موضوع پر اُمت میں سب سے پہلے امام غزالیؒ نے قلم اُٹھایا تھا۔

''فیصل التفرقہ بین الاسلام و الزندقہ'' ان کا رسالہ مصر و ہندوستان میں عرصہ ہوا کہ شائع ہو چکا ہے۔ اس رسالے کی عمدہ تحقیقات حضرت شیخ نے چند سطروں میں نقل فرمائی ہیں۔ عصرِ حاضر میں یہ ایک اہم ترین دینی خدمت تھی۔ وہ حضرت نے پوری

فرمادی۔ اس پر سارے علماءِ دیوبند کی رائیں اس لئے لکھوادی ہیں تاکہ اہلِ حق جماعت میں اس اہم ترین مسئلہ میں کوئی اختلاف نہ ہے۔

(۵) خاتم النبیین :

یہ عقیدۂ ''ختمِ نبوت'' میں عجیب رسالہ ہے جو ۹۶ صفحات پر پھیل گیا ہے۔ فارسی زبان میں ہے لیکن دقیق۔ حضرت کا خاص اسلوب، قلمی کمالات اور وہبی علوم کے نمونے پورے طور پر جلوہ آرا ہیں۔

حضرت مولانا سید سلیمان صاحبؒ نے بھی ایک دفعہ ایک مکتوب میں تحریر فرمایا تھا کہ بہت دقیق ہے، عام لوگ نہیں سمجھ سکتے۔

(۶) فصل الخطاب فی مسئلۃ اُم الکتاب :

مسئلہ'' فاتحہ خلف الامام ''جو عہدِ صحابہ سے لے کر آج تک معرکۃ الآراء موضوع رہا ہے۔ اس پر ۱۰۶ صفحات کا محققانہ رسالہ ہے۔ حدیث عبادہ بروایت محمد بن اسحاق کی عجیب و غریب تحقیق کی گئی۔ بڑی تدقیق کے ساتھ اس اہم موضوع کا حق ادا کر دیا گیا ہے۔ لفظ ''فصاعداً'' کی تحقیق میں ۱۳٬۱۲ صفحات پر مشتمل دقیق ترین مضمون آ گیا ہے۔ یہ مضمون چونکہ عام دسترس سے بالکل باہر تھا، راقم الحروف نے اپنی کتاب معارف السنن شرح ترمذی (مخطوط) میں اس کی جدید اسلوبِ عصری سے تحلیل و تشریح کی ہے اور شگفتہ عربی میں اس کی تسہیل کی کوشش کی ہے۔

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی مرحوم کو ڈابھیل میں جب یہ مضمون سنایا، نہایت محظوظ ہوئے اور بے ساختہ فرمایا کہ حق تعالیٰ جزاءِ خیر عطا فرمائے کہ اس مشکل ترین دقیق و غامض مضمون کی ایسی افصاح کی کہ شاید مقدور میں اس سے زیادہ ممکن نہیں ہے۔

(۷) خاتمة الخطاب في فاتحة الكتاب :

مسئلہ" فاتحہ خلف الامام" پر فارسی زبان میں لطیف رسالہ ہے۔ با مراجعت کتاب دو روز میں محرم ۱۳۲۰ھ میں تالیف فرمایا ہے۔ مسئلہ پر جدید انداز میں استدلال ہے۔ حضرت مولانا شیخ الہندؒ کی اس پر تقریظ بھی ہے۔ حضرت شیخ نے وقت نظر کی خوب داد دی ہے۔

(۸) نيل الفرقدين في مسئلة رفع اليدين :

۱۴۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ مسئلہ خلافیہ نماز میں رکوع سے پہلے اور بعد میں ہاتھوں کو اُٹھانے کے موضوع پر نہایت عجیب انداز میں تحقیق فرمائی ہے اور نہایت انصاف سے محققانہ انداز میں یہ ثابت فرمایا ہے کہ مسئلہ میں اختلاف عہد صحابہؓ سے ہے اور اس میں اولویت کا اختلاف ہے۔ جائز ناجائز کا اختلاف نہیں۔ ضمنی طور پر نفیس مباحث آ گئے ہیں۔

(۹) بسط اليدين لنيل الفرقدين :

سابق الذکر موضوع پر چونسٹھ (۶۴) صفحات کا رسالہ ہے۔ یہ رسالہ سابق "نیل الفرقدین" کا تکملہ ہے اس موضوع پر قدماء محدثین سے لے کر متاخرین اور عصر حاضر تک بہت کچھ خامہ فرسائی ہو چکی ہے۔ اس پائے مال موضوع پر ایسے محققانہ اسلوب میں جدید احتمالات دقیق استنباطات پیش کرنا یہ حضرت شاہ صاحب ہی کا حصہ ہے۔ الشیخ الامام محمد زاہد الکوثری اپنی کتاب "تانيب الخطيب فيما ساقه في ترجمة ابی حنيفة من الاكاذيب" ص۱۴۳ میں رقمطراز ہیں:

هذا البحث اى رفع اليدين جرى الذيل الفت فيه كتب خاصة من الجانبين و من احسن ما الف في هذا الباب نيل الفرقدين و بسط

اليدين كلاهما لمولانا العلامة الحبر البحر محمد انور شاه الكشميرى و هو جمع فى كتابيه لب اللباب فشفى و كفى اهـ۔

رفع الیدین کے موضوع پر جانبین سے مخصوص کتابیں لکھی گئی ہیں، لیکن اس موضوع پر بہترین کتابیں علامہ حبر و بحر مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ کی دو کتابیں ہیں' نیل الفرقدین اور بسط الیدین جن میں سارا لب لباب آ گیا ہے اور یہ شافی و کافی ہیں۔

درحقیقت صحیح قدردانی ایسے محققین ہی کر سکتے ہیں۔

(۱۰) كشف الستر عن صلاة الوتر :

مسئلہ "وتر" کے بارے میں اُمت میں جو اختلافات چلے آئے ہیں' کل خلافیات سولہ سترہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ ان میں جو مشکل ترین وجوہ ہیں، ان کی ایسی تحقیق و فیصلہ کن تدقیق فرمائی ہے کہ کسی منصف مزاج کو مجال انکار باقی نہیں رہتا۔ رسالہ ۹۸ صفحوں میں تمام ہوا۔ دوسرے ایڈیشن میں بقدر ایک ثلث تعلیقات کا اضافہ فرمایا ہے۔ مسئلہ آمین بالجہر' وضع الیدین علی الصدور وغیرہ مسائل کی تشفی کن تحقیق فرمائی گئی ہے۔ شروع میں خطبہ کے بعد ایک فصیح و بلیغ عربی کا قصیدہ جو نہایت ہی مؤثر اور رقت انگیز ہے۔ ہر حیثیت سے قابل دید ہے۔

(۱۱) ضرب الخاتم على حدوث العالم :

"حدوث عالم" علم کلام و فلسفہ کا معرکۃ الآراء موضوع ہے۔ متکلمین و فلاسفۂ اسلام نے سیر حاصل بحثیں کی ہیں۔ مستقل رسائل کا موضوع بحث رہا ہے۔ شیخ جلال الدین دوانی نے بھی اس پر ایک رسالہ "الزوراء" کے نام سے تصنیف کیا ہے۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ نے اس سنگلاخ وادی میں قدم رکھا ہے اور الٰہیات و طبیعیات اور قدیم و جدید فلسفہ کی رو

سے اتنی کثرت سے دلائل و براہین قائم کئے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ اور ''حدوث عالم'' کا مسئلہ نہ صرف یقینی بلکہ بدیہی بن جاتا ہے، لیکن افسوس کہ حضرت نے ان براہین و دلائل وشواہد کو چار سو (۴۰۰) شعر میں منظوم پیش کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ شعر کا دامن تفصیلات سے خالی رہتا ہے، لیکن اس کے ایضاح وحل کے لئے ہزاروں حوالے کتب متعلقہ کے دیدیئے گئے، جن میں صدر شیرازی کی ''اسفار اربعہ'' ''فرید وجدی' و بستانی کے دائرۃ المعارف خصوصیت رکھتی ہیں۔ راقم الحروف نے حضرت کے حکم سے متعلقہ حوالہ جات تقریباً ایک سو صفحات میں بڑی عرق ریزی سے جمع کئے تھے جس سے حضرت بے حد مسرور تھے اور میری اس ناچیز خدمت کو ایک دفعہ مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی کے سامنے بہت سراہا تھا۔ فرماتے تھے کہ اصل موضوع تو ''اثبات باری'' تھا، لیکن عنوان میں ایک قسم کی شناعت تھی۔ اس لئے ''حدوث عالم'' کا عنوان تجویز کیا اور آخر میں دونوں کا مفاد ایک نکلتا ہے۔

(۱۲) مرقاۃ الطارم لحدوث العالم :

سابق الذکر موضوع پر ۶۲ صفحات میں رسالہ ہے۔ رسالہ کیا ہے دریا کو کوزے میں بند کردیا ہے۔ اس رسالے میں اؤلہ و براہین کے استقصاء کا ارادہ نہیں فرمایا، بلکہ یہ ''ضرب الخاتم'' کے لئے مقدمات وتشریح وتفسیر کا کام دیتا ہے۔ نظائر وشواہد موضوع پر اتنے پیش کئے ہیں کہ عقلی برہان سے پہلے ذوق ووجدان فیصلہ کرلیتا ہے۔ ترکی کے سابق شیخ الاسلام مصطفیٰ صبری جو قاہرہ میں جلاوطنی کے بعد مقیم تھے اور رد مادیئین و دہریئین میں نہایت ہی متخصص جلیل القدر عالم تھے۔ ترکی وعربی میں اس موضوع پر متعدد کتابیں تالیف فرما چکے تھے۔

۱۳۵۷ھ مطابق ۱۹۳۸ء میں یہ رسالہ ان کو راقم الحروف نے دیا تھا۔ مطالعہ فرمانے کے بعد اتنے متاثر ہوئے اور فرمایا کہ میں نہیں جانتا تھا کہ فلسفہ وکلام کے دقائق کا اس انداز سے سمجھنے والا اب بھی کوئی دنیا میں زندہ ہے اور پھر فرمایا :

انی أفضّل هذه الوريقات على جميع المادة الذاخرة في هذا الموضوع و انی افضلها علی هذه الاسفار الاربعة للصدر الشیرازی۔ یعنی جتنا کچھ آج تک اس موضوع پر لکھا جاچکا ہے، اس رسالہ کو اس سب پر ترجیح دیتا ہوں اور یہ اسفار اربعہ (ان کے سامنے رکھی ہوئی تھی) اتنی بڑی کتاب پر اس رسالہ کو ترجیح دیتا ہوں، پھر اس وقت ''القول الفصل'' کے نام سے رد دہریئین میں ایک مبسوط کتاب تالیف فرما رہے تھے۔ اس میں اس رسالہ سے بہت نقول لئے اور اس کتاب میں اس رسالہ کی بڑی تعریف کی۔

ایک حصہ اس کا طبع ہوچکا ہے نہ معلوم یہ عبارت اس حصہ میں آگئی یا نہیں۔ ضمناً اس رسالہ میں کلام وتصوف الٰہیات وطبیعیات کے بہت سے حقائق کا فیصلہ فرمایا گیا ہے۔

(۱۳) إزالة الرين في الذبّ عن قرة العينين :

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی مشہور کتاب '' قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین '' کا حیدرآباد دکن میں کسی شیعی مزاج عالم نے رد لکھا تھا۔ حضرت امام العصر نے شاہ دہلوی کی تائید میں اس کی تردید لکھی۔ نہایت عمدہ کتاب ہے۔ ۱۹۶ صفحات میں پھیلی گئی ہے۔ اس میں قال المولی المؤلف کہہ کر شاہ دہلوی کی عبارت نقل فرماتے ہیں۔ قال المعترض سے تردید کرنے والے کی عبارت اور اقوال سے اس کی تردید فرماتے ہیں۔ اس کتاب کا ایک نسخہ مجھے کشمیر میں ملا تھا۔ ابتداء سے ۱ صفحے غائب ہیں۔ اس لئے مجھے

نہ معلوم ہوسکا ہے اور سوء اتفاق سے حضرت شیخ سے پوچھنے کی نوبت نہ آئی" ازالۃ الرین" میرا تجویز شدہ نام برائے نام ہے۔

(۱۴) سہم الغیب فی کبد اھل الریب :

(تاریخی نام" قسیّ سہم الغیب")

ہندوستان کی سرزمین جہاں بدقسمتی سے بہت سے بدعات اور عقائد شرکیہ بعض سادہ لوح مسلمانوں میں رائج ہوگئے ہیں۔ایک ان میں سے"علم غیب" کا عقیدہ ہے اور سید احمد رضا خاں صاحب بریلوی اور ان کے اتباع نے اس کو علمی رنگ میں پیش کیا اور ایک عرصہ تک ہندوستان میں یہ موضوع بحث رہا۔ایک شخص بریلوی نے اس میں ایک رسالہ لکھا اور اہل حق کے مسلک کے خلاف اپنے نامۂ عمل اور نامۂ قرطاس کو سیاہ کیا اور اپنا نام عبد الحمید دہلوی ظاہر کیا۔حضرت شیخ کا قیام اس زمانہ میں دہلی میں تھا۔آپ نے جواب ترکی بہ ترکی عبد المجید بریلوی کے نام منسوب کرکے اس کا جواب شائع فرمایا۔ رسالہ کے آخر میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا شیخ الہند محمود حسن دیوبندیؒ کے مناقب میں عربی میں ایک قصیدہ ہے،رسالہ کی زبان حضرت شیخ کے عام تصنیفی مذاق کے خلاف اردو ہے۔

یہ چودہ تصانیف تو امام العصر شاہ صاحبؒ کی وہ ہیں کہ اپنے قلم سے تالیف فرمائے ہیں۔

تصنیفات کی دوسری قسم :

دوسری قسم کی وہ تصنیفات ہیں کہ آپ کی یادداشتوں سے مرتب کی گئی ہیں۔اس کا ذکر کرنا بھی میرے خیال میں ضروری ہے۔

(۱) مشکلات القرآن :

قرآن کریم کی جن آیات کریمہ کو مشکل خیال فرمایا تھا،خواہ وہ اشکال تاریخی اعتبار سے ہو یا کلامی حیثیت سے۔سائنس کی رو سے ہو یا کسی عقلی پہلو سے یا علوم عربیت و بلاغت کی جہت سے ہو ان پر یادداشت مرتب فرمائی تھی،اگر کہیں اس پر عمدہ بحث کی گئی ہے اس کو نقل فرمایا یا حوالہ دیا اور انہیں تو خود غور وفکر کے بعد جو حل سانح ہوا تحریر میں لایا گیا۔یہ یادداشت بہ شکل مسودات مختلف اوراق میں موجود تھی۔مجلس علمی ڈابھیل نے مرتب کرکے اسے شائع کیا اور راقم الحروف نے مجلس علمی کی خواہش پر"یتیمۃ البیان" کے نام سے ۸۲ صفحہ کا اس کا مبسوط مقدمہ لکھا ہے۔اصل کتاب ۲۸۷ صفحات پر ختم ہوئی۔قرآنی علوم اور قرآنی معارف کا نہایت بیش قیمت گنجینہ ہے۔اگر جدید اسلوب سے اس کو پھیلایا گیا تو ایک ہزار صفحات میں کہیں جاکر کتاب ختم ہوگی۔بعد میں معلوم ہوا کہ قرآن کریم کے متعلق کچھ اور مسودات بھی نکل آئے تھے۔جن کی زیور طبع سے آراستہ ہونے کی نوبت ابھی نہیں آئی۔

(۲) خزینۃ الاسرار :

یہ ایک رسالہ ہے جس میں کچھ اوراد وادعیہ کچھ مجربات واذکار وغیرہ جمع کئے گئے ہیں۔یہ سب علامہ دمیری کی کتاب"حیاۃ الحیوان" کے اقتباسات ہیں،کہیں کہیں حضرت شاہ صاحب کی طرف سے اضافات بھی ہیں۔یہ رسالہ حضرت کے قدیمی مسودات جو کشمیر میں تھے ان میں دستیاب ہوا تھا۔مجلس علمی ڈابھیل نے اس نام سے شائع کیا۔

(۳) فیض الباری بشرح صحیح البخاری :

یہ حضرت شاہ صاحب کے درس صحیح بخاری کی املائی شرح ہے،جس کو حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدینہ نے کئی سال کی محنت وعرق ریزی کے بعد فصیح و

بلیغ عربی زبان میں مرتب کیا ہے۔ یہ حضرت امام العصر کے علوم و کمالات کی سچی تصویر پیش کرتی ہے۔ جہاں حافظ شیخ الاسلام بدر الدین عینی اور قاضی القضاۃ حافظ ابن حجر عسقلانی جیسے بلند پایہ محقق شارحین عاجز آ گئے ہیں، وہاں شیخ کے خصائص و کمالات جلوہ آرا نظر آئیں گے۔ زیادہ تر اعتنا انہی معارف حدیث کا کیا گیا۔ جہاں شارحین ساکت نظر آتے ہیں۔ حضرت شیخ کے آخری عمر کے مجرب علوم و اذواق خصوصی احساسات و علمی خصوصیات دقت نظر و تحقیقی معیار کے نمونے اہل علم و یاران نکتہ داں کے لئے صلائے عام دے رہے ہیں۔ یہ چار ضخیم جلد کا بحر بیکراں مصر میں آب و تاب سے شائع ہوا ہے۔ قرآن و حدیث فلسفہ کلام و معانی و بلاغت وغیرہ کے نہایت بیش بہا ابحاث سے مالا مال ہے (اس پر راقم الحروف اور حضرت جامع و مرتب کے قلم سے دو مبسوط مقدمے ہیں۔ ۸۰ صفحات پر مشتمل ہیں) عام عبارت نہایت شگفتہ و سلیس ہے۔ بعض بعض مقامات میں خاصی ادبی لطافت ہے۔

(۴) العرف الشذی بشرح جامع الترمذی :

یہ حضرت شاہ صاحب کی درس جامع ترمذی کی املائی شرح ہے۔ جس کو جناب مولانا محمد چراغ صاحب ساکن ضلع گجرات نے بوقت درس قلم بند کیا ہے اور زیور طباعت سے آراستہ ہو چکی ہے اور اس کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع ہوا ہے۔ جامع ترمذی کے مشکلات احادیث احکام پر محققانہ کلام ہر موضوع پر عمدہ ترین کبار اُمت کے نقول اور حضرت کی خصوصی تحقیقات کا ذخیرہ ہے۔ طلبۂ حدیث اور اساتذۂ حدیث پر عموماً اور جامع ترمذی کے پڑھانے والوں پر خصوصاً اس کتاب کا بڑا احسان ہے۔

(۵) انوار المحمود فی شرح سنن ابی داؤد :

یہ سنن ابی داؤد کے درس کی املائی تقریر و شرح ہے جس کو مولانا محمد صدیق

صاحب نجیب آبادی مرحوم نے جمع کر کے شائع کیا ہے۔ کل دو جلدوں میں ہے۔ مرتب و جامع نے بہت سی کتابوں کی اصلی نقول کو مراجعت کر کے لفظ بلفظ درج کر دیا ہے۔ کتاب کے تسمیہ میں حضرت شاہ صاحب اور ان کے شیخ حضرت شیخ الہند کے نام کی تلمیح کی گئی ہے۔

(۶) صحیح مسلم کی املائی شرح :

سنا ہے کہ ہمارے محترم دوست فاضل گرامی جناب مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی نے صحیح مسلم کے درس کی تقریر قلم بند فرمائی تھی۔ یہ اب تک طبع نہ ہوئی، نہ راقم الحروف کو دیکھنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔

(۷) حاشیہ سنن ابن ماجہ :

جناب محترم مولانا سید محمد ادریس صاحب سکروڈوی سے سنا تھا کہ آپ نے سنن ابن ماجہ پر کتاب کے حواشی و ہوامش پر تعلیقات اپنے قلم سے لکھی تھیں۔ راقم الحروف کو اس کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔

یوں تو حضرت نے جن کتابوں پر تعلیقات لکھی ہیں، اگر استقصاء کیا جائے تو متعدد کتابیں نکل آئیں گے۔ " الاشباہ والنظائر " جو ابن نجیم کی فقہ میں مشہور کتاب ہے۔ اس پر تعلیقات حضرت کے قلم سے خود میں نے کشمیر میں دیکھے ہیں۔

یہ کل اکیس (۲۱) کتابیں ہوئیں جن سے حضرت امام العصر کے کمالات کے کچھ پہلو نمایاں ہو سکتے ہیں۔ کتاب کی پوری حقیقت اس وقت منکشف ہوتی ہے کہ کتاب کے مضامین یا خصوصیات کا واضح تعارف کراتا اور جن مشکل ابحاث میں حضرت کے کمالات نظر آ رہے ہیں، ان کی تفصیلات سامنے آتیں، لیکن ظاہر ہے کہ یہ کسی مقالے کے لئے موزوں نہیں۔ تفصیلی تبصرہ اور علوم و معارف کے نمونے پیش کرنے کے لئے ایک مستقل

تالیف کی ضرورت ہے۔ (تحدیث العمر ص ۱۰۵ تا ۱۱۷)

وسعتِ علم ونظر اور شانِ تحقیق :

تصنیف وتالیف کا ذوق اور ملکہ ایک وہبی چیز ہے۔ رب ذوالجلال جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ خالق کائنات نے حضرت امام کشمیریؒ کو تصنیف وتالیف کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجہ کا تحقیقی ذوق بھی عطا فرمایا تھا ....

مثل خورشید سحر، فکر کی تابانی میں
بات میں سادہ و آزاد، معانی میں دقیق

حضرت امام کشمیریؒ کی علمی رفعت، مرتبہ ومقام، تصنیفی، تالیفی اور تحقیقی ذوق اور ہمہ جہت خدمات کا تذکرہ مجھ گناہ گار کے احاطہ ادراک سے کہیں بلند ہے۔ ذیل میں حضرت کے تلمیذ رشید حضرت مولانا منظور نعمانیؒ کے قلم سے حضرت امام کشمیریؒ کی بعض مسائل میں تحقیق ملاحظہ فرمادیں۔ فرماتے ہیں :

اختلافِ مطالع کا اعتبار :

وسعتِ علم ونظر اور خاص فقیہانہ فکر کا ایک نتیجہ یہ بھی تھا کہ بعض مسائل میں آپ کی تحقیق ہمارے زمانہ کے عام علماءِ احناف سے الگ تھی۔ بلکہ شاید واقعہ کی زیادہ صحیح تعبیر یہ ہوگی کہ عام علماء واہلِ فتویٰ کے لئے فقہ حنفی میں وہ ایک نئی علمی دریافت ہوتی تھی۔ اس کی کئی ایک مثالیں اس عاجز کو یاد ہیں لیکن اُن میں سے ایک ایسی ہے جس کا ذکر اردو کے اس مقالہ میں بھی نامناسب نہ ہوگا۔

فقہ حنفی کا یہ مسئلہ مشہور ہے کہ اگر دنیا کے کسی بھی گوشہ میں چاند دیکھا جائے تو دوسرے تمام مقامات پر اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ مثلاً اقصائے مغرب میں رمضان کا چاند

ایک دن دیکھا گیا تو اگر شرعاً قابلِ اعتبار ذریعہ سے اس کی اطلاع اقصائے مشرق میں رہنے والوں کو پہنچ جائے تو اُن کو بھی اُسی حساب سے روزہ رکھنا ہوگا۔ خاص علمی اور فقہی تعبیر اس مسئلہ کی یہ کی جاتی ہے کہ :

"حنفیہ کے یہاں اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں اور دوسرے ائمہ کے یہاں اس کا اعتبار ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا عام طور سے علمی اور فقہی حلقوں میں حنفیہ کا یہی مذہب معلوم ومشہور ہے اور عموماً اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے اور حنفی فقہ وفتاویٰ کی کتابوں میں کچھ ایسا ہی لکھا ہوا بھی ہے۔ حالانکہ ہیئت کے حساب سے یہ بالکل ناقابلِ فہم ہے"۔

حضرت اُستاذ قدس سرہٗ کی تحقیق اس مسئلہ میں یہ تھی کہ عام مصنفین سے اس کی تعبیر میں لغزش ہوگئی ہے اور اصل مسئلہ حنفیہ کا یہ ہے کہ ایک اقلیم میں اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں۔ فرماتے تھے کہ مشرق ومغرب کے درمیان اختلافِ مطالع کا اعتبار نہ کرنا بداہۃً غلط ہے اور حضرت استاذ اپنی اس تحقیق کے سلسلہ میں جہاں تک اب یاد پڑتا ہے ابن رشد کی بدایۃ المجتہد اور فقہ حنفی کی کتابوں میں سے بدائع کا حوالہ بھی دیتے تھے۔

واضح رہے کہ پہلے تو یہ صرف ایک قابلِ غور علمی مسئلہ تھا جو محض معقولیت پسندوں کے لئے اشکال اور خلجان کا باعث ہوتا تھا، لیکن اب یہ واقعاتی مسئلہ ہوگیا ہے۔ کیونکہ اکثر ممالکِ عربیہ میں عموماً ہندوستان سے ایک دن پہلے چاند نظر آجاتا ہے اور ہیئت کے اُصول پر ایسا ہی ہونا بھی چاہئے اور ہوائی جہاز جدہ سے پرواز کرکے ۸۔۹ گھنٹے میں بمبئی آجاتا ہے اور ۱۲ گھنٹے سے کم میں دہلی آسکتا ہے۔ پس یہ ہوسکتا ہے کہ مثلاً ۲۹ رمضان کی شام کو کچھ لوگوں نے جدہ میں عید کا چاند دیکھا اور اُسی شب کو وہ ہوائی جہاز سے روانہ ہوکر صبح کو بمبئی پہنچے تو اگر اختلافِ مطالع کا اعتبار نہ کیا جائے تو اُن لوگوں کی شہادت پر ہندوستان والوں

کے لئے اُس دن روزہ ختم کر کے عید منانے کا حکم دیا جائے گا۔ حالانکہ یہاں اُس روز انتیسواں (۲۹) بلکہ کبھی تو اٹھائیسواں (۲۸) ہی روزہ ہوگا۔ اپنے زمانہ کے بعض اکابر علماء و اہل فتویٰ کے متعلق سُنا ہے کہ جب اُن کے سامنے یہ واقعاتی اشکال اس مسئلہ کے متعلق پیش کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اگر ایسی صورت پیش آجائے پھر اس کے سوا چارہ نہیں کہ دوسرے ائمہ کے قول پر فتویٰ دیا جائے گا، جیسا کہ اس قسم کی ناگزیر صورتوں میں کیا جاتا ہے۔ یہ عاجز عرض کرتا ہے اگر اُن بزرگ کو اس مسئلہ کے متعلق حضرت اُستاذ کی مندرجہ صدر تحقیق پہنچی ہوتی تو اس مسئلہ میں فقہ حنفی کو چھوڑ کر دوسرے ائمہ کے قول پر فتویٰ دینے کو وہ ناگزیر نہ سمجھتے۔ (حیات انور ص ۱۴۴، ۱۴۵)

ایام قیام قبا کی تحقیق :

محمد عطاء اللہ صاحب لکھتے ہیں :

فرمایا یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ آنحضرت ﷺ قبا میں چودہ روز قیام پذیر رہے۔ چنانچہ بخاری صفحہ ۵۰۶، جلد ۱ میں تصریح ہے اور جو سیر محمد بن اسحٰق میں ہے کہ قبا کا قیام چار دن رہا۔ پس وہ سہو ہے۔ اس کا منشا یہ ہے کہ حضور ﷺ قبا میں داخل ہوئے۔ منگل کے روز اور شہر مدینہ میں تشریف لائے جمعہ کے روز۔ پس جمعہ اسی ہفتہ کا شمار کر لیا گیا اگر اعتراض کیا جائے کہ جمعہ ثانیہ کا اعتبار کرنے سے بھی حساب پورا نہیں ہوتا، کیونکہ منگل منگل آٹھ روز، بدھ، جمعرات جمعہ تین دن مل کر گیارہ دن ہو گئے تو بخاری شریف میں مذکور چودہ دن تو پورے نہ ہوئے، جواب یہ ہے کہ جمعہ کے دن کا تشریف لے جانا قیام کی خاطر نہ تھا بلکہ جمعہ کی نماز ادا کر کے واپس آجانا مقصود تھا، پھر ہفتہ، اتوار، پیر قبا میں رہ کر منگل کو مدینہ میں تشریف لائے۔ یہ پندرہ یا چودہ روز ہو گئے۔

فضیلت حضرت ابوبکرؓ قطعی ہے :

ایک دفعہ فرمایا کہ حضرت صدیق اکبرؓ کی فضیلت امام اشعریؒ کے نزدیک قطعی ہے اور امام باقلانی کے نزدیک ظنی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اشعری کا فرمانا اصوب ہے۔ کیونکہ اس کثرت سے احادیث اس باب میں مروی ہیں جن سے تواتر ثابت ہو جاتا ہے بلکہ تواتر سے بھی فوق ایسا ہی افضلیت شیخین بھی ثابت ہے، پھر ترتیب بھی قرابت کے برعکس ہے، پس جو اقرب ہے نسباً وہ آخر ہے افضلیت میں۔ اس طرح کہ علیؓ، عثمانؓ، عمرؓ، ابوبکرؓ، نیز افضلیت میں صدیق اکبرؓ اقدم ہیں، پھر عمرؓ، پھر عثمانؓ، پھر علی کرم اللہ وجہہ۔

لفظ دون کی ادبی تحقیق :

فرمایا "وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ"۔ (الاعراف:۲۰۵) (اور اے شخص! اپنے رب کی یاد کیا کر اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور خوف کے ساتھ اور زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ صبح اور شام) اس میں دون الجہر معطوف واقع ہوا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ذکر جہر کا بھی جواز ہے اور دون بمعنی ذرا کم یعنی جہر مفرط سے ذرا کم۔ فقہا کا جہر مراد نہیں بلکہ "لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ" کے قبیل سے ہے۔ مثلاً "وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ" یعنی نبی کریم ﷺ کی مجلس میں چیخ کر نہ بولو۔ جیسے اعراب بولتے تھے، جیسے "وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ" یعنی جو گناہ شرک سے کم درجہ کا ہوگا اسے بخش دے گا۔

"وَ لَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ"۔ یعنی تھوڑا عذاب جو ورے ہے اس بڑے کے۔

"ثم صلى ركعتين و هما دون اللتين قبلهما" یعنی پھر دو رکعتیں ادا

فرمائیں جو کہ پہلی دو رکعتوں سے کم طویل تھیں۔ غرض ثابت فقہا نے جہر کو کیا جو چیخ کر بولنے سے ذرا کم ہوتا ہے۔

سنن ابی داؤد ص ۲۶۳ میں ہے "فان افتانا بفتیًا دون الرجم قبلناها" پس اگر انہوں نے فتویٰ دیا رجم سے کم سزا کا تو ہم اس کو قبول کرلیں گے (اسد الغابہ صفحہ ۱۶۸) وغیرہ غرض یہ کہ جہر مفرط کی نفی ہے۔ مطلقاً جہر کی نفی نہیں۔

(ف) حضرت عبداللہ ذوالبجادین تو حضور نبی کریم ﷺ کے سامنے ذکر جہر کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے شکایت بھی کی کہ یہ شخص ریاکار ہے۔ فرمایا: "انه من الاواهین" اور خود حضرت عمرو بن عبسہؓ کے ایمان کے واقعہ میں رات کے وقت نبی کریم ﷺ کا لا اله الا الله کا کعبہ میں بلند آواز سے ذکر فرمانا آیا ہے۔ کعبہ شریف تو مساجد میں افضل ہے۔ کتب سیرت میں مصرح ہے۔ فرمایا بزازیہ میں کلام مضطرب کیا ہے اور شامی میں تفصیل کی ہے۔ مختصر المعانی میں ہے ص ۱۸۵:

"معنی دون فی الاصل ادنی من الشئی یقال دون ذاک اذا کان احط منه قلیلاً"۔ ترجمہ: "دون اصل میں کسی شئی کا کم درجہ کا ہونا"۔ "هذا دون ذاک" وہاں بولتے ہیں جب وہ شئی دوسری کی نسبت سے تھوڑی سی کم ہو"۔

لاہور میں ایک شخص کو تلقین ذکر کرتے وقت زور سے ضرب لا الٰہ الا اللہ کی لگا کر دکھائی۔ دیوبند میں احقر جن حضرات کو بیعت کی غرض سے لے جاتا تھا، جہر سے ذکر کرنا تلقین فرماتے تھے۔ (انوار انوری ص ۹۲ تا ۹۳)

قلم و قرطاس دنیا کی پیدائش سے پہلے ہی علم کی حفاظت و اشاعت کا ذریعہ بن چکے تھے۔ قلم ہی ہے جس کے ذریعے سے جہالت کو ختم اور ہدایت کو عام کیا جاسکتا ہے۔ دعوت و تبلیغ، دین کی نشر و اشاعت اور اہل باطل سے مقابلہ کے لئے زبان و قلم کا سہارا لینا

ناگزیر ہے۔ زبان و قلم ہی وہ ہتھیار ہے جس کے ذریعے سے باطل کو سرنگوں اور حق کو بلندی کے مقام تک پہنچا سکتے ہیں، لیکن یہ ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ اس کے مستحق دراصل علماء ہی ہیں اور یہ علماء کا فرض منصبی رہا ہے۔ ہمارے اکابر نے اس موضوع پر کافی کام کیا ہے۔ حضرت امام کشمیریؒ بھی اصلاح انقلاب اُمت کے داعی اور محرک تھے۔ وہ صحیح معنوں میں اسلامی علوم کے وارث تھے، ان کے پاس خلوص تھا، قناعت تھی، زہد تھا، تقویٰ و خشیت الٰہی تھی، قیام لیل تھا، جس سے ان کی ہر بات، ہر لفظ، ہر ادا اور ہر نگاہ صاعقہ فن تھی۔ اس کے برعکس آج ہم میں نے نہ وہ روح اعمال ہے نہ جذب و کشش، نہ تصنیف تالیف کا ذوق ہے نہ تحریر و تقریر کا ملکہ نہ تحقیق ہے اور نہ ذوق مطالعہ۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں ......

اے لا الٰہ کے وارث باقی نہیں ہے تجھ میں
گفتار دلبرانہ کردار قاہرانہ
تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے
کھویا گیا ہے تیرا جذب قلندرانہ

☆☆☆☆☆☆ ☆

باب : ۶

ذوقِ شعروادب، افادات وملفوظات

شعر کی تعریف اس کے اجزائے ترکیبی اور محاسن و معائب کے متعلق بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور آئندہ لکھا جاتا رہے گا۔ شعر کا تعلق دل سے ہے اور دل بھی دل گداختہ۔ شعر تخیل کی معراج ہے اور یہ معراج ہر کس و ناکس کے حصے میں نہیں آتی ، یہ وہبی ملکہ ہے اکتسابی نہیں۔

فرمودات اور تعامل نبوی ﷺ کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مطلق شعر کوئی نہ قابل مذمت ہے نہ قابل مدح۔ جس شاعری کے ذریعے رب ذوالجلال اور محمد عربی ﷺ کی عظمت کا سکہ دلوں پر بٹھایا جائے اور دین کے تقاضوں سے روشناس کرایا جائے اور دشمنان دین کے ناپاک عزائم کا جواب دیا جائے ، یہ شاعری نہ صرف محمود ہے بلکہ اہم ترین فریضۂ حق کی ادائیگی ہے۔ ہمارے بزرگ اسی قسم کے صاف ستھرے شعری ذوق کے مالک تھے۔

ذوقِ شعروادب :

حضرت امام کشمیریؒ کو بھی اپنے اکابر و اسلاف کی طرح ادبی ذوق اور سخن فہمی میں اعلیٰ درجے کا کمال حاصل تھا۔ ان کی شاعری عام شاعری نہ تھی۔ وہ عام شعراء سے ہٹ کر اپنے طرز کے اپنے انداز کے اپنی قسم کے اور اپنی شان کے نرالے شاعر تھے۔

اشعار کا خزانہ :

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رقمطراز ہیں :

ان کی عادت یہ تھی کہ عربی زبان کے کسی مشکل لفظ کی تشریح کرتے ہوئے یا کسی اور ضرورت سے، عربی شعر پیش کرنا چاہتے تو گو شہادت کے لئے ایک مصرعہ یا ایک شعر کافی ہوتا، لیکن یادداشت کی بے پناہ قوت کا نتیجہ تھا، ایک مصرعہ کے لئے بیس بیس پچیس پچیس بلکہ اس سے بھی زیادہ اشعار کی نظموں کو مسلسل سناتے چلے جاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس وقت ہم طالبعلموں کی حیثیت ٹھیک ان بھینسوں کی ہوتی تھی، جن کے سامنے بجانے والے بین باجہ بجا رہے ہوں اور غریب بھینس ٹک ٹک اس کو دیکھ رہی ہو، دوسروں کے متعلق تو مجھے کہنے کا حق نہیں، لیکن فقیر کی حیثیت تو اس وقت اخفش کے "بز" ہی کی ہوتی تھی۔ اپنی یافت اور سمجھ کے مطابق، جیسا کہ عرض کر چکا ہوں، شاہ صاحبؒ کی تقریروں کو میں مسلسل نوٹ کرتا چلا جاتا تھا، لیکن انشاء و شعر کا یہ جذبہ شاہ صاحبؒ پر طاری ہوتا تو میرے قلم اور انگلیوں کو آرام کرنے کا قدرتی موقع مل جاتا۔ اسی لئے میری مرتبہ تقریر شاہ صاحبؒ کے ان سنائے ہوئے اشعار سے خالی تھی، شاید چند ضروری مصرعے یا شعر مشکل ہی سے اس سلسلہ میں قلم بند ہوئے ہوں۔ میرا اندازہ تھا کہ مجموعی طور پر نصف لاکھ یعنی چالیس پچاس ہزار سے کم تعداد ان عربی اشعار کی نہ ہوگی، جو شاہ صاحب کو زبانی یاد تھے، جنہیں جس وقت جی چاہتا وہ سنا سکتے تھے۔ (احاطہ دار العلوم میں بیتے ہوئے چند دن ص ۱۰۳)

اردو شاعری کا ایک نمونہ:

حضرت امام کشمیریؒ عارف وصوفی تھے۔ ادیب تھے، شاعر تھے۔ عام طور پر عربی میں اشعار کہتے تھے، کبھی کبھی فارسی میں بھی مشق سخن فرمالیا کرتے تھے۔ بڑے بڑے علماء اور معاصر شاعران کا ادب واحترام کرتے تھے۔ خصوصاً علامہ اقبال تو اُن کے مداح تھے۔ اردو زبان میں حضرتؒ کی شاعری زیادہ مشہور نہیں۔ حضرت کے مخلص دوست منشی محمد دین

نے جو حضرت سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے، اپنی کتاب تاریخ اقوام کشمیر جلد دوم میں حضرت امام کشمیریؒ کی ایک اردو نظم جو دنیا کی بے ثباتی کے بارے میں ہے، نقل کی ہے۔ یہ نظم حضرتؒ کی شاعری کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ جی چاہتا ہے کہ اس نظم کے اشعار سے قارئین بھی حظ وافر حاصل کریں۔

سفر کی منزل ہے وارِ دُنیا، ذرا تو اس کا خیال سا کر
سدا نہیں ہے یہ دیس تیرا، ضرور جانا ہے دن نبھا کر
کبھی تأمل سے داہنے بائیں، آگے پیچھے کو دیکھ لینا
کدھر کو جاتے ہیں دوست پیارے، کہاں وہ رہتے ہیں یاں سے جا کر
وہ چل بسے سارے باری باری، یہ باقی خلقت بھی چل بسے گی
تو چشمِ عبرت سے دیکھ غافل، کبھی تو اپنی نظر اُٹھا کر
چلے ہی جاتے ہیں قافلے سب یہاں کا ٹھہرا ہوا ہے یہ ڈھب
کسی کا آنا کسی کا جانا، کبھی نہاکر کبھی رُلا کر
کبھی نکل کر تو جنگلوں میں، خدا کی قدرت کا دیکھ جلوہ
کہیں ہے اونچا کہیں ہے نیچا، کہیں اندھیرا ہے جگمگا کر
کسی کا اقبال زور پر ہے، کسی پہ ادبار چھا رہا ہے
کوئی ہے آتا کما کما کر، کوئی ہے جاتا لٹا لٹا کر
کوئی ہے دُکھیا کوئی ہے سُکھیا، کوئی ہے خنداں کوئی ہے گریاں
یہ غمزدہ غم گھٹا گھٹا کر، وہ خوش ہے خوشیاں منا منا کر
غرض یہاں ہیں سب آتے جاتے، دن اپنے اپنے بھرتے جاتے
نہیں ہے رہنا یہاں کسی کو، کہ کوچ اک دن ہے سب بجا کر

اگر ہوں اعمال اپنے اچھے بُری نہیں ہے یہ زندگانی
فرشتے اعمال نیک والے نکال لیں گے بچا بچا کر
نماز پڑھنا، قیام کرنا، رکوع کرنا، سجود کرنا
کبھی کھڑے ہو کے گاہ جھک کر، زمیں پہ ماتھا ٹکا ٹکا کر

فارسی نعتیہ قصیدہ :

حضرت امام کشمیریؒ نے اپنی تصنیف عقیدۃ الاسلام فی حیوۃ عیسیٰ علیہ السلام کے آخر میں مدح رسول کریم ﷺ کے حوالے سے ایک نعتیہ قصیدہ بھی شامل کیا ہے۔ قصیدہ کے الفاظ پڑھتے جائیے اور سر دھنتے جائیے۔ پورا لطف تو اس کو میسر ہو سکتا ہے جو خود عشق رسول ﷺ کی شاہراہ کا مسافر ہو۔ بطور نمونہ اور بطور تبرک ہدیہ قارئین ہے

دوش چوں از بے نوائی ہم نوائے دل شدم
عہدِ ماضی یاد کردہ سوئے مستقبل شدم
از سفر وا ماندہ آخر طالبِ منزل شدم
کز تگاپو سو بسو شامِ غریباں در رسید

دشت و گلگشت و بہارستان و خارستان ہم
فکر و ہم ہمدم نفس اندر قفس زادِ رہم
پیش و پس بانگ جرس از کارواں در ہر قدم
دیدۂ عبرت کشودم مخلصے نامد پدید

تا سروشِ غیب از الطاف قدم یاد کرد
رحمتِ حق ہم چو من درماندہ را امداد کرد
ما منِ خیر الوریٰ بہرِ نجات ارشاد کرد
مقصدِ ہر طالبِ حق آں مرادِ ہر مُرید

قبلۂ ارض و سما مرآتِ نورِ کبریا
سید و صدر علیٰ شمسِ ضحیٰ بدرِ دُجیٰ
شافعِ روزِ جزا وانکہ خطیبِ انبیاء
صاحبِ حوض و لوا ظلِّ خدا روزِ عید

صاحبِ خلقِ عظیم و مظہرِ جود عمیم
آیتِ رحمت کہ شانِ او رؤف است و رحیم
رحمۃٌ للعالمین خوانَدش خداوندِ کریم
خَلق و خُلق و قول و فعل و ہدی وست او حمید

دستِ او بیضا ضیا اجود تر از بادِ صبا
حبذا وقتِ عطا ابرِ سخا آبِ بقا
وقف امرِ عالمے بر ضحکِ آں رحمت لقا
عامِ اشہب از جمالِ طلعتش عید سعید

داغ مہر او چراغ سینۂ اہل کمال
شور عشقش در سر عمار و سلمان وبلال
ثبت بر ایمائے وے نعمان و مالک بے خیال
ولہ آثار وے معروف و شبلی بایزید

از حدیث وے ہمہ درحیطۂ اہل اثر
مسلم و مثل بخاری وقف بر وصل سیر
سنت بیضائے وے نور دل ہر بابصر
اتقیاء را اسوۂ اقدام وے تقلید جید

سید عالم رسول و عبد رب العالمین
آں زماں بودہ نبی کآدم بُد اندر ماء و طین
صادق و مصدوق وحی غیب و مامون و امین
در ہر آں چیزے کہ آوردست از وعد و وعید

منبر او سدرۂ و معراج او سبع قباب
در مقام قرب حق بر مقدم او فتح باب
کاندرانجا نور حق بود و نبد دیگر حجاب
دید و بشنید آنچہ جزوے کس نشنید و ندید

مدح حائش رفع ذکر و شرح وصفش شرح صدر
او امام انبیاء صاحب شفاعت روز حشر
ہمگناں زیر لوائش یوم عرض و نیست فخر
سید مخلوق و عبد خاص خلاق مجید

انجب و خیر والوری خیر الرسل خیر العباد
قدوۂ اہل ہدایت اسوۂ اہل رشاد
تحفۂ از ہمت او خلق را زاد معاد
عالم از رشحات انفاس کریمش مستفید

انتخاب دفتر تکوین عالم ذات او
برتر از آیات جملہ انبیاء آیات او
مشرق صبح وجود ما سوا مشکوٰۃ او
مستنیر از طلعت او ہر قریب و ہر بعید

دین او دین خدا تلقین او اصل ہدیٰ
نطق او وحی سما حقا نجوم اہتدا
صاحب اسرار او ناموس کبریا برملا !
علم او از اولین و آخرین اندر مزید

مولدش ام القریٰ ملکش بشام آمد قریب
خاک رہ طیبہ از آثار وے بہتر ز طیب
شرق و غرب از نشر دینِ مستطابش مستطیب
امتش خیر الامم برا نتحاں بودہ شہید

....

خاص کردش حق باعجاز کتاب مستطاب
حجت و فرقان و معجز محکم و فصل خطاب
نجم نجمش در براعت ہست برتر ز آفتاب
حرف حرف او شفا ہست و ہدیٰ بہر رشید

....

الغرض از جملہ عالم مصطفیٰ و مجتبیٰ
خاتم دور نبوت تا قیامت بے مرا
افضل و اکمل ز جملہ انبیاء نزد خدا
نعت اوصاف کمال او فزوں تر از عدید

....

تا صبا گلگشت گیہاں کردہ می باشد مدام
بوئے گل بر روش وے گردد بعالم صبح و شام
یاد بروے از خدائے وے درود و ہم سلام
نیز بر اصحاب آل و جملہ اخیار عبید

....

وز جناب وے رضا بر اخوان مستہام
خاصہ آں انور کہ افقر ہست از جملہ انام
مستغیث است الغیاث اے سرور عالی مقام
در صلہ از بارگاہت در نشید ایں قصید

ردِّ قادنیت میں عربی اشعار :

طوالت سے بچنے کے لئے امام کشمیریؒ کے ردّ قادیانیت سے متعلق عربی اشعار سے انتخاب باب "عشق رسول ﷺ اور ردّ قادیانیت کا تعاقب" میں نقل کر دیا گیا ہے۔ قارئین وہاں ملاحظہ کریں۔

عالمِ برزخ و تشکلِ اعمال :

در ہمہ سیر و فرجے کشف نہ شد حقیقتے — گرچہ برنگ و بو بخانہ کو بکو
گر بودم فراغتے از پسِ مرگ ساعتے — شرح دہم چناں بتو قصہ بقصہ ہو بہو
رہگذرے نگہ ندید دیدہ درین گذر — ورنہ خاک خفتہ جو دشت بدشت سو بسو
تانہ گذشت صورتے جلوہ نزد حقیقتے — قید و گلستن ہمو رنگ برنگ بو ببو
دانہ خلاف تخم نے ہرچہ بود زجبر و قدر — آنچہ کشتہ درو حظہ بحظہ جو بجو
ظاہر و باطن اندراں ہمچو نواۃ و نخل دان — نے بعد او یک زد و جب بجب وو بدو
رشتہ ایں جہاں تن جامعہ آنجہاں تن — رشتہ برشتہ نخ نخ تار بتار پو بپو
ہست عمل جزا ہماں آنچہ وادۂ ستاں — باز رسد بطور نور و تو بکار دہم درو
ہست جزا ہمو عمل سم کہ خورد شود مرض — بیخ و شجر ہموں ہموں تخم و ثمر چنو چنو
قبر کہ بودہ وادرے سوئے جہان دیگرے — غیب شود شہود ازو دیدہ بدیدہ رو برو
منکشف آنجہاں شود گرچہ دراں جہاں بود — زندگی دگر چنو ذرہ بذرہ مو بمو

مردن ایں طرف بود زیستن دگر طرف — روزن باز دید تو طبقہ بطبقہ تو بتو

اختر اگر زخود گذر کردہ بدے دریں سفر
زیستن ابد بداد تازہ بتازہ نو بنو

(منقول از "مہاجر" ۱۹۳۶ء)

افادات وارشادات :

جس شخص نے بھی ایک مرتبہ حضرت امام کشمیریؒ کا کلام سُن لیا یا پڑھ لیا وہ اُن کے کلام کا عاشق اور گرویدہ ہوگیا۔ اشعار کی طرح نثر میں بھی حضرت امام کشمیریؒ قادر الکلام تھے۔ آج حضرتؒ ہم میں موجود نہیں لیکن ان کے اشعار، اقوال، ارشادات اور افادات ہمارے لئے ان کی صحبت کا بدل ہیں ....

اے عارفی اپنے دل پُر شوق کی باتیں
اچھا ہے کہ تو اپنی زباں ہی سے سُنائے
کیا جانے کوئی کاشف اسرار محبت
پھر محفل احباب میں آئے کہ نہ آئے

گستاخِ رسول ﷺ کے کفر پر اجماع :

کل اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ناروا الفاظ کہنے والا کافر ہے اور جو شخص اُس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے"۔

(اکفار الملحدین فی ضروریات الدین ص ۴۳)

فلسفۂ قدیم وجدید :

فلسفۂ قدیم اَبعَدُ عن الاسلام ہے اور فلسفۂ جدید اَقرَبُ الی الاسلام ہے۔

حق تعالیٰ کی مشیت ایسی معلوم ہوتی ہے کہ جن عقلاءِ زمانہ نے اسلامی چیزوں معجزات،

روحانیت وغیرہ کا انکار کیا تھا، ان ہی کے فلسفہ، ریسرچ اور تحقیقات سے وہ سب چیزیں دنیا والوں کے لئے ثابت ومشاہد ہو جائیں۔

(چنانچہ ر:ح اور روحانیت کا اقرار وہ کر چکے، خوارق وعادات بھی تسلیم ہو چکے جن سے معجزات اسلام کا استبعاد عقلی ختم ہوا۔

قرآن مجید میں ہے کہ اہل جنت واہل جہنم آپس میں ایک دوسرے کو دیکھیں گے، پہچانیں گے اور باتیں کریں گے، حالانکہ ان کے درمیان بہت غیر معمولی فاصلہ ہوگا، تو اب ٹیلیفون، ٹیلیگراف، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی ایجادات نے اس کو بھی قریب عقل ومشاہدہ کیا ہے۔

اصوات واعمال کا ریکارڈ مستبعد سمجھا جاتا تھا، مگر گراموفون کی ایجاد نے اس سے بھی مانوس کر دیا کہ حق تعالیٰ نے زمین اور اس کے متعلقات میں بھی اخذ وریکارڈ کا مادہ ودیعت فرما دیا تھا جس کو ہم یورپ کی ان ایجادات سے پہلے عقل ومشاہدہ کی رو سے نہ سمجھ سکتے تھے)(نطق انور حصہ اول ص ۹۱ از مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری)

آخرت میں اعمال کا ثمرہ :

آخرت میں اعمال کا ثمرہ جو ملے گا، وہی عمل ہوں گے۔ ان کی ایک صورت ہے عالمِ دنیا کی اور دوسری عالمِ آخرت کی، عمل ایک ہی ہے لیکن مکان کے اعتبار سے فرق ہے کہ وہی عمل وہاں جزاء کی صورت میں ہوگا اور اس کی دلیل آیتِ قرآنی وَ وَجَدُوْا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا ہے، جس کے ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ ملے گا، لیکن میں کہتا ہوں کہ بعینہٖ اپنے کئے ہوئے اعمال ہی کو آخرت میں موجود پائیں گے اور یہ مفہوم دوسری آیت واحادیث سے بھی مؤید ہوتا ہے۔ (نطق حصہ اول ص ۹۰)

شیخ ابن عربی کا کشف :

حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ کا کشف ہے کہ ”محشر میں پیشی کے وقت داہنی طرف اللہ اکبر، بائیں طرف سبحان اللہ، پچھلی طرف الحمد للہ اور سامنے سے لا الٰہ الا اللہ یہ چاروں کلمات رفیق ہوں گے“۔

یہ ترتیب اسی لئے ہے کہ اللہ اکبر اعلان کی چیز ہے۔ چنانچہ نعرۂ تکبیر جہاد وغیرہ میں ہے اور یہ کہ علم جہاد بھی داہنے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ لہٰذا داہنی جانب مناسب ہے۔

سبحان اللہ تسبیح ہے، نقائص و عیوب سے اور صفت سلبی ہے۔ لہٰذا شمال کی جگہ (بائیں طرف) مناسب ہے۔ الحمد للہ یہ آخر میں اور ہر کام کے پیچھے ہوا کرتا ہے، جیسے کھانے کے بعد اور ترازو میں بھی آخر میں ہوگا، لہٰذا پیچھے ہونا مناسب ہے اور لا الٰہ اللہ چونکہ ہادی اور راہنما ہے، اس کا سامنے ہونا مناسب ہے۔ (نطق انور حصہ اول ص ۹۲)

حضرت آدم علیہ السلام کی وجہ خلافت :

حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کی وجہ علم زیادہ ہونا ملائکہ سے بتلایا جاتا ہے لیکن میرے نزدیک چونکہ حضرت آدم کی خلقت ہی میں عبدیت زیادہ تھی بہ نسبت ملائکہ کے اس لئے وہ خلافت سے سرفراز ہوئے ہیں، کیونکہ خلافت عطا فرمانے کی بات اور اس پر ملائکہ کی طرف سے عرض و معروض پہلے ہی ہو چکی تھی، پھر جب یہ مکالمہ (یا مناظرہ) ختم ہو چکا تو حق تعالیٰ نے ایک کرشمہ بھی دکھایا کہ حضرت آدم کو علم عطا فرما کر ظاہر میں حجت بھی قائم فرما دی یعنی ارشاد خداوندی عطاء منصب خلافت پر ملائکہ نے بنی آدم کے ظاہری احوال سے ”سفک دما“ و ”فساد فی الارض“ کا اندازہ لگا کر جو بے محل سوال کر دیا تھا، حق تعالیٰ نے صرف اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ فرما دیا اور فرشتے بھی اپنے بے محل سوال پر نادم ہو گئے، پھر بعد کے واقعات نے ظاہر کر دیا کہ حضرت آدمؑ نے ہر موقع پر جناب باری میں نہایت عاجزی، غایت تذلل اور تضرع و ابتہال ہی کا اظہار کیا اور کوئی بات بھی بجز عبودیت کے ظاہر نہ فرمائی۔ حالانکہ وہ بھی حجت و دلیل اور سوال و جواب کی راہ اختیار کر سکتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰؑ سے مناظرہ ہوا تو حضرت آدمؑ نے ایسی قوی حجت پیش فرمائی کہ حسب ارشاد نبی کریم ﷺ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔ ظاہر ہے کہ یہی دلیل وہ حق تعالیٰ کی جناب میں بھی پیش کر سکتے تھے، مگر وہاں ایک حرف بھی بطور عذر گناہ نہیں کہا، بلکہ اس کے برخلاف اپنے قصور ہی کا اعتراف فرما کر مدت دراز تک توبہ و استغفار، عجز و نیاز اور گریہ و زاری میں مصروف رہے۔ میرے نزدیک یہی عبودیت اور سراپا طاعت و نیازمندی کا وہ مقام تھا جس کی وجہ سے حضرت آدمؑ خصوصی فضیلت اور خلعت خلافت سے سرفراز ہوئے ہیں، پھر اس کے بعد جو حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے وصف علم کو اس موقع پر نمایاں کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان کا وصف ظاہر تھا، جس کو سب معلوم کر سکتے تھے اس لئے نہیں کہ وہ مدار فضیلت تھا، بخلاف وصف عبودیت کے کہ وہ مستور و پوشیدہ وصف تھا، جس کو معلوم کرنا دشوار تھا۔ الخ۔ (نطق حصہ اول ص ۱۲۶، ۱۲۷)

امام محمدؒ :

امام شافعیؒ چونکہ فقیہ النفس تھے، اس لئے انہوں نے امام محمدؒ کی کماحقہ تعریف کی ہے، کبھی فرماتے ہیں کہ امام محمدؒ دل اور نگاہ دونوں کو بھر دیتے ہیں (کیونکہ خوب صورت تھے اور علم بھی اچھا تھا) کبھی فرماتے ہیں کہ جب امام محمدؒ گفتگو کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ وحی نازل ہو رہی ہے، ایک بار فرمایا کہ میں نے ان سے دو اونٹوں کے بوجھ کے برابر علم حاصل کیا۔

جہاں تک محدثین کی بات ہے تو ان میں جو لوگ فقیہ نہیں ہیں، ان کو امام محمدؒ کی قدر

ومنزلت معلوم نہیں، اس لئے ان لوگوں سے امام محمدؒ کے بارے میں تعریفی کلمات منقول نہیں ہیں۔ محدثین کی ناپسندیدگی کی وجہ یہ ہے کہ امام محمدؒ پہلے شخص ہیں جس نے فقہ کو حدیث سے الگ کیا۔ اس لئے ان لوگوں نے اس بارے میں ان کو مطعون کیا، حالانکہ آخر کار تمام مذاہب والوں کو ان کی اتباع کرنی پڑی اور سب نے انہیں کا طریقہ کار اختیار کیا۔

(فیض الباری ج ا ص ۱۵۲، ۱۵۳)

حدوثِ عالم کا منکر کافر ہے :

حافظ ابن تیمیہؒ نے فرمایا کہ فلاسفہ میں سے کوئی بھی عالم کے قدیم ہونے کا قائل نہیں ہے۔ افلاطون بھی عالم کو حادث کہتا تھا، یہاں تک کہ سوائے زمانہ ارسطو آیا اس نے عالم کے قدیم ہونے کا اعتقاد قائم کیا لیکن یہ اعتقاد بالکل غلط ہے۔ اس کا قائل کافر ہے۔

تمام آسمانی مذاہب بھی عالم کے حادث ہونے پر متفق ہیں۔ ہاں بعض صوفیاء کی طرف منسوب ہے کہ انہوں نے بعض چیزوں کو قدیم مانا ہے۔ مثلاً شیخ اکبرؒ، علامہ شعرانی شافعی نے فرمایا ہے کہ یہ عبارتیں بعد کی ملائی ہوئی ہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ شیخ اکبر بعض مسائل میں منفرد ہیں۔ چنانچہ انہوں نے فرعون کے ایمان کا اعتبار کرلیا ہے، اگر اس نے توبہ نہ کی ہوگی تو اس کو اس کے اعمال کی سزا ملے گی، مگر شیخ اکبر کے نزدیک وہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رکھا جائے گا۔ بحر العلوم نے شیخ اکبر کی طرف بعض اشیاء کے قدیم ہونے کو منسوب کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ نسبت صحیح ہے لیکن دوانی نے ابن تیمیہؒ کی طرف عرش کے قدیم ہونے کی جو نسبت کی ہے یہ درست نہیں ہے۔ (فیض الباری ج ا ص ۱۰۶)

ابنِ سینا کی اصطلاح حدوث ذاتی :

جان لو کہ فلاسفہ میں کوئی حدوث ذاتی کا قائل نہیں تھا۔ ابن سینا نے آکر یہ اصطلاح ایجاد کی اس کا مقصد یہ تھا کہ اسلام اور فلسفہ کے درمیان بیچ کا راستہ نکال لے۔

فلاسفۂ یونان افلاک اور عناصر کو شخصی طور پر قدیم مان رہے تھے اور موالید ثلثہ (جمادات، حیوانات، نباتات) کو نوعی اعتبار سے قدیم مانتے تھے۔ میں نے اپنے رسالہ میں اس عقیدہ کے بطلان کو واضح کیا ہے۔ ابن رُشد نے تہافت التہافت نامی ایک کتاب لکھی ہے، جس کے اندر امام غزالیؒ پر اعتراضات کئے ہیں۔ میں نے غزالیؒ پر کئے گئے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے ایک رسالہ لکھا ہے، مگر اب تک اس کے طبع ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ میرے خیال میں ابن رُشد ابن سینا سے زیادہ ماہر ہے اور ارسطو کا کلام ابن سینا سے زیادہ سمجھتا ہے۔

(فیض الباری ج ا ص ۱۶۶)

اگر آدمی صحیح بصیرت کے ساتھ احادیث میں غور وفکر کرے تو اس کو معلوم ہوگا کہ اکثر وبیشتر احادیث قرآن کے اجمال کا بیان اور اس کے اشارات کی توضیحات ہیں بلکہ کثرت سے ایسی ہیں جن میں تعبیرات قرآنی کے لطیف اشارے ملتے ہیں۔

(مقدمہ مشکلات القرآن ص ۱۹)

قرآن کا اسلوب خطیبانہ ہے :

حضرت امام کشمیریؒ کی رائے تھی کہ قرآن کا اسلوب تالیف وترتیب کا نہیں بلکہ خطیبانہ اسلوب ہے۔ جو سامعین کا لحاظ رکھتا ہے اور حسب موقع گفتگو کا رُخ بدلتا رہتا ہے، کیونکہ عرب کا مزاج ایسا ہی تھا، آپ کا کہنا تھا کہ قرآن واقعات کی کھتونی اور حیات و ممات کا رجسٹر نہیں بننا چاہتا، بلکہ اس کا مقصد تذکیر ونصیحت اور عبرت وموعظت ہے، اس لئے واقعات کا بھی اسی حد تک ذکر کرتا ہے اور اجمال وتفصیل سے کام لیتا ہے۔ آپ کا خیال تھا کہ قرآنی بیانات کی تکرار قندِ مکرر کا لطف دیتی ہے۔ اسی لئے قرآن خود اپنی تفسیر و تشریح بھی کرتا ہے۔ جس سے موضوع کی اہمیت بھی کھل جاتی ہے۔ جیسے نماز کا ذکر ۹۰۰ مرتبہ سے زیادہ آیا ہے۔ مولانا حمید الدین فراہیؒ (صاحب نظام القرآن) کی طرح شاہ صاحب بھی ربطِ آیات اور قرآن مکمل، منظم اور مربوط ہونے کے قائل تھے۔ فرماتے تھے کہ

ہم اپنی کم فہمی سے وہ ربط نہیں سمجھ پاتے، مگر فقہاء کے مرتب کلام کی طرح ہر بات کسی اصل اور قاعدے کے تحت ہوتی ہے۔ نسخ قرآن کے وہ قائل نہ تھے۔ سیوطی بیس آیتوں اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ پانچ آیتوں میں (نسخ کے) قائل ہیں، مگر ان کا کہنا تھا کہ بظاہر منسوخ آیتوں کا حکم بھی کسی نہ کسی طرح موجود ہے۔ وہ قرآن میں کسی زائد حرف کے بھی قائل نہ تھے، بلکہ ایسے حروف کو کسی مزید فائدہ پر مشتمل سمجھتے تھے۔ (مشکلات القرآن ص ۷۹ ۸۰)

ربّ ذوالجلال نے ابتدائے آفرینش سے ہی بنی نوع انسان کی فکری و روحانی تربیت اور رہنمائی کے لئے اپنے رجال کا سلسلہ شروع فرمایا جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا، تو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر اختتام پذیر ہوا۔ اب بھی ہر دور میں ربّ ذوالجلال رجال کار پیدا فرماتے ہیں اور فرماتے رہیں گے۔ فتنوں اور عریانی و فحاشی کے اس دور میں بھی ذاتی اغراض و مفادات سے بالاتر ہو کر دین متین کی سربلندی اور انسانیت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دینے والے موجود ہیں۔ ماضی قریب میں ایسے ہی ایک شخصیت حضرت امام کشمیریؒ کی تھی جو ہمارے اکابر و اسلاف کی تاریخ میں ایک مفکر و مصلح کے طور پر ایک منفرد اور ممتاز مقام کے حامل ہیں۔

حضرت امام کشمیریؒ کی تصنیفات، تالیفات، تحقیقات، خطابت، ارشادات، ملفوظات اور فرسودات میں درد و محبت، عشق و مستی، فکر آخرت، احترام انسانیت، ذوق و شوق مطالعہ اور اتباع سنت کا درس ملتا ہے، لیکن حضرت کی باتیں سمجھنے کے لئے وہی دل، حوصلہ، ذہن اور جذبہ چاہئے جو آج نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے ....

عارفی از بس ہیں نازک یہ رموز حسن و عشق
کون سمجھے گا یہ باتیں اور سمجھائے گا کون

☆☆☆☆☆☆☆

باب : ۷

رُخِ انور کی تابانیاں، حسنِ صورت وسیرت کا مرقع، دلبرانہ ادائیں و معصومیت، اتباعِ سنت کا اہتمام، خودداری و استغنا اور مخلوقِ خدا پر شفقت

شمائل ترمذی میں حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے :

ایک رات میں مسجد میں گیا۔ چاندنی رات تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سُرخ دھاری دار چادر اوڑھے ہوئے آرام فرماتے تھے۔ میں نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا رُخ روشن دیکھا، پھر چاند کی طرف دیکھا میرے دل نے یہ فیصلہ کیا کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور آسمان کے بدر کامل سے زیادہ روشن ہے ....

چاند سے تشبیہ دینا یہ بھی کیا انصاف ہے
اُس کے منہ پہ چھائیاں مدنی کا چہرہ صاف ہے

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے، میں زیارت کے لئے حاضر ہوا، جب میں نے آپ کا چہرۂ انور دیکھا تو میرے دل نے گواہی دی کہ یہ کسی جھوٹے شخص کا چہرہ نہیں ہے۔

ایک حدیث میں ہے: "ما بعث اللہ نبیاً الا حسن الوجه و حسن الصوت"۔ اللہ نے ہر نبی کو صورت وظاہر کی نورانیت وزیبائی عطا فرمائی سیرت وباطن کے کمال کے ساتھ اگر اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو حُسن و جمال کی دولت سے مالا مال کردے تو مخلوق کو اس بندۂ خدا سے افادہ واستفادہ کا زیادہ شوق پیدا ہوتا ہے۔ فخر المحدثین حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ کو بھی اللہ نے حسنِ ظاہر کی دولت سے نوازا تھا۔

چہرۂ انور دیکھ کر ایک ہندو ایمان لے آیا:

ملتان چھاؤنی کے اسٹیشن پر فجر کی نماز سے قبل گاڑی کے انتظار میں حضرت مولا-

محمد انور شاہ صاحب تشریف فرما تھے۔ خدام کا اردگرد مجمع تھا، ریلوے کے ایک ہندو بابو لیمپ ہاتھ میں لئے ہوئے آ رہے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کا منور چہرہ دیکھ کر سامنے کھڑے ہو گئے اور زار و قطار رونے لگے اور ایمان لے آئے۔ کہنے لگے اس بزرگ کا روشن چہرہ دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ اسلام سچا دین ہے ....

مرد حقانی کی پیشانی کا نور
کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

انور شاہ کا چہرہ دیکھتا رہوں :

حضرت شاہ صاحب ایک دفعہ کشمیر تشریف لے جا رہے تھے۔ بس کے انتظار میں سیالکوٹ کے اڈے پر تشریف فرما تھے۔ ایک پادری آیا اور کہنے لگا کہ آپ کے چہرے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ مسلمانوں کے بڑے عالم دین ہیں۔ فرمایا نہیں، میں تو ایک طالب علم ہوں۔ مولانا ظفر علی خان حضرت کے چہرے کے عاشق تھے کہا کرتے تھے، جی چاہتا ہے کہ حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ کے چہرے کو دیکھتا رہوں۔

مجسمہ معصومیت :

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ حضرت شاہ صاحبؒ کے ابتدائی شاگردوں میں سے تھے۔ حضرت شاہؒ صاحب کو پہلی بار دیکھا تو فریفتہ ہو گئے۔ لکھتے ہیں: میری آنکھوں کے سامنے پہلی دفعہ ایسا معلوم ہوا کہ معنوی معصومیت کو دیدہ اور مرئی قالب میں ڈھال کر کسی نے رکھ دیا ہے۔ آنکھوں میں معصومیت' چہرے پر معصومیت' لبوں میں معصومیت' از سرتا پا ہمہ تن معصومیت' حسن کردار کا مجسمہ' عفاف و استغنا' صفا قلب و تقویٰ کی ڈھلی ہوئی کوئی گڑیا' جو کچھ باہر میں ہے وہی سب کچھ اندر بھی ہے، نکھرا اور دمکتا ہوا چہرہ، حسن

پر رونق و نضارت شادابی و تر و تازگی کھیل رہی تھی۔ نثار ہو رہی تھی۔ داڑھی کے بال حد سے زیادہ سیاہ و زردی مائل سرخی کی جھلک کے ساتھ روئے انور کے رنگ کا ایک جان بخش دل آویز نظارہ میری آنکھوں کے سامنے آیا۔ حضرت الاستاذ الامام کا شباب کا زمانہ تو شاید نہ تھا غالباً چالیس سے اس وقت عمر مبارک متجاوز ہو چکی ہوگی لیکن آب و رنگ کی تازگی و شادابی ایسی تھی کہ ہزار ہا ہزار شبابی مظاہر اس پر نثار تھے۔ (حیات انور ص ۳۲)

جمال انور :

حضرت مولانا سعید احمد اکبر آبادی ایم اے لکھتے ہیں :

قدرت نے حضرت الاستاذ کو جس طرح اقلیم علم کی تاجداری عطا فرمائی تھی۔ اس طرح جسمانی ہیئت، ڈیل ڈول، قد و قامت اور شکل و صورت میں ایک خاص امتیاز عطا فرمایا تھا۔ مجھ کو ہندوستان' مصر و حجاز اور دوسرے ممالک عربیہ کے بڑے بڑے علماء اور مشائخ کو دیکھنے کا موقع ملا ہے لیکن جو وجاہت' جو وقار و متانت جو دل کشی اور جاذبیت میں نے حضرت الاستاذ میں پائی، وہ کہیں کسی اور جگہ نظر نہیں آئی۔ ہزار علماء میں بھی بیٹھتے تو سب سے ہی الگ اور سب سے ہی نمایاں رہتے۔ دیکھنے والوں کی نگاہ ادھر ادھر گھومنے کے بعد وہیں پر جا کر ٹھہرتی اور پھر جمتی تو اس طرح کہ وہاں سے ہٹنے کا نام نہ لیتی۔ کشمیری النسل تھے، اس لئے خوب کھلا ہوا سفید رنگ، کشیدہ و دراز قامت، چوڑا چکلا سینہ، دوہرا اور گداز جسم، بڑی بڑی مگر رسیلی اور شرمیلی آنکھیں، کشادہ و فراخ پیشانی، طویل مگر ستواں بینی، بڑے بڑے کان، پر گوشت اور فربہ چہرہ، ابریشم اور حریر کی مانند نرم و سبک جلد، چلتے تھے تو معلوم ہوتا کہ علم کا ایک کوہ گراں سبک گامی کر رہا ہے، بیٹھتے تھے تو محسوس ہوتا تھا کہ علم و فضل کا ایک آفتاب نظام شمسی سے وابستہ ستاروں کو اپنے اردگرد لے کر بیٹھ گیا ہے، وہ بھی سفید

اور کبھی سبز سر پر عمامہ اور قامت بالا پر سبز قبا، دیکھنے والے ڈر ڈر کے دیکھتے تھے کہ کہیں نظر نہ لگ جائے کہ فرمانِ نبوی ہے، العین حق۔ (حیات انور ص ۱۹۸)

یہ جہاں فانی ہے کو چیز لافانی نہیں
پھر بھی اس دنیا میں انور شاہؒ کا ثانی نہیں

پہلی جھلک نے وارفتہ کر دیا:

حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی رقمطراز ہیں:

آج سے تقریباً تیس (۳۰) سال پہلے کی بات ہے۔ میری طالب علمی کا زمانہ تھا اور اگلے سال دارالعلوم دیوبند جانے کا ارادہ تھا۔ مرادآباد میں جمعیۃ العلماء ہند کا اجلاس ہوا۔ یہ عاجز بھی گیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کا ذکر اپنے اساتذہ سے سنا کرتا تھا لیکن ابھی تک آنکھوں سے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ غالباً صبح کا وقت تھا۔ دیکھا کہ چند حضرات ایک طرف سے تشریف لا رہے ہیں، اُن میں ایک بزرگ جو گہرے سبز رنگ کا عبا پہنے ہوئے تھے اور غالباً ہلکے زرد رنگ کا عمامہ زیب سر تھا، بڑے حسین و جمیل اور بڑے نورانی نظر پڑے۔ آپ سے آپ دل میں آیا کہ شاید یہی دیوبند کے ''حضرت شاہ صاحبؒ'' ہیں۔ کسی سے پوچھا جواب ملا کہ ہاں شاہ صاحبؒ یہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صرف اس دید ہی سے دل میں ایک خاص محبت و عقیدت ڈال دی۔

اجلاس کے سلسلہ میں تین دن میں مرادآباد رہا۔ اب تک یاد ہے کہ اس تاک میں رہا کرتا تھا اور گھوم پھر کر بھی اس کی کوشش کیا کرتا تھا کہ حضرت کو کہیں دیکھوں۔ غالباً دیکھنا تو بار بار نصیب ہوا لیکن تقریر یا بات سننا کیا معنی، اُن دنوں میں آواز سننا بھی یاد نہیں۔

جی بھرتا نہیں تھا:

چند مہینے کے بعد دیوبند پہنچ گیا۔ اس سال چونکہ میں نے دورۂ حدیث نہیں لیا

تھا۔ اس لئے حضرت کے یہاں میرا کوئی سبق تو نہیں تھا، لیکن پھر بھی روزانہ کئی کئی بار آنکھوں کو دید کا موقع ملتا تھا۔ مگر خوب یاد ہے کہ جی بھرتا نہیں تھا اور ہر دفعہ دیکھنے میں لذت ملتی تھی۔ اگلے سال میں نے دورہ لیا اور حسب معمول بخاری شریف اور ترمذی شریف پوری پوری حضرت کے یہاں ہوئیں اور ان دونوں سبقوں کے سلسلہ میں روزانہ قریباً تین چار گھنٹے خدمت میں حضوری کی سعادت ہوتی تھی، لیکن اپنی اس گذشتگی کے ذکر اور اس کی یاد میں آج بھی لذت محسوس کرتا ہوں کہ حسب توفیق علمی استفادہ کے علاوہ یہ عاجز آنکھوں کے ذریعہ بھی لذت و سرور حاصل کرتا تھا اور میرا خیال ہے کہ میں اس حال میں منفرد نہ تھا بلکہ بہت سے شرکاء درس غالباً میرے شریک حال تھے۔

کہیں نظر نہ لگ جائے:

دارالعلوم کے صدر مدرس مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ کہتے تھے کہ ایک بار جمعہ کے روز سردی کے موسم میں حضرت شاہ صاحب سبز پوشاک میں ملبوس دارالعلوم سے جامع مسجد کے لئے روانہ ہوئے۔ میری نظریں آپ پر پڑیں تو مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں حضرت شاہ صاحبؒ کو میری نظر نہ لگ جائے۔

حسنِ صورت کا منظوم منظر:

ضیاء الرحمان ضیاؔ نے حضرت محدث کبیر مولانا محمد انور شاہ صاحب کے حسن صورت کی کیا خوب منظر کشی کی ہے

گلستان وادی لولاب کا تازہ گلاب
چہرۂ انور تھا شرح آئینہ نور و کتاب
تھا جبین پاک پہ سیمائے من اثر السجود
دیکھ کر حلقہ بگوش دیں ہوئے اہل جحود

دین کی حقانیت کا حجت و برہاں رہا
تھا فرشتہ اور گمان حضرت انساں رہا

حسن و رعنائی کی دلآویزی :

حضرت مولانا انظر شاہ صاحب رقمطراز ہیں :

حضرت شاہ صاحبؒ کو بواسیر کا مرض لاحق تھا۔ آخری عمر میں مرض کے غلبہ کے باوجود خوبی و رعنائی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ مرض الوفات میں خون کا بڑا حصہ خارج ہو چکا تھا لیکن جب غسل دیکر کفن پہنایا گیا تو دونوں رخسار گلاب کے پھول نظر آئے۔ ہزاروں انسانوں نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا اور مغفور و مرحوم ہونے کی اسے ایک علامت قرار دی۔ حسن و جمال، تناسب اعضاء، متوازن قد و قامت، پرنور علم اور نور ایمان مستزاد تھا۔ معصومیت، دلنوازی اور دلربائی ایک قدرتی اضافہ یہ حسن اور کشش اس بلا کی مؤثر تھی کہ بعض غیر مسلم دیکھ کر بے اختیار ایمان لے آئے۔

(نقش دوام ص ۵۷)

حُسنِ صورت و سیرت کا جامع :

سیرت انور کے مرتب جناب مسعود احمد قاسمی صاحب لکھتے ہیں :

شاہ صاحبؒ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حسن سیرت کے ساتھ ساتھ حسن صورت سے بھی حصۂ وافر عطا فرمایا تھا، اگر ایک طرف آپ علم کی ایک چلتی پھرتی لائبریری اور بحر ذخار تھے، تو دوسری طرف حسن و جمال میں بھی یکتا تھے، سفید کھلا ہوا رنگ، چوڑا چکلا سینہ، لمبا لیکن کشیدہ قد، بھرا ہوا جسم، فراخ کشادہ پیشانی، ستواں ناک، بڑی بڑی آنکھیں، نرم، نازک جلد۔

الغرض آپ حسن و جمال کا مرقع تھے۔ بڑے بڑے مجمع میں بھی لوگ آپ کو پہچان جاتے تھے کہ یہی سب سے بڑا عالم ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو ایک خاص جاذبیت عطا فرمائی تھی اور علمی و روحانی فیض کی شعاعیں آپ کے چہرۂ مبارک سے اس طرح ہویدا تھیں کہ جو کوئی ایک بار نظر بھر کر دیکھ لیتا پھر چہرۂ مبارک سے اپنی نظر نہ اُٹھاتا۔ آپ بڑے حلیم اور کم گو تھے، بلا ضرورت بات کرنے کے عادی نہ تھے اور یہی ایک عالم کی نشانی ہے کہ اُس کی ہر بات سے وقار ٹپکتا ہے اور وہ بلا ضرورت باتیں کرنا پسند نہیں کرتا۔ ایسا بہت کم دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک شخص حسن سیرت اور حسن صورت دونوں میں یکتا ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ صاحبؒ کو حسن سیرت اور صورت دونوں سے نوازا تھا۔ شاہ صاحبؒ کے علمی اور صوری محاسن کی بدولت ہر شخص آپ کی طرف کھنچتا تھا۔ (سیرت انور ص ۲۲)

چہرے سے اسلام کی دعوت :

مولانا محمد علی مونگیری کی دعوت پر جب آپ مونگیر قادیانیت کی تردید کے لئے تشریف لے گئے اور چند روز تک اجتماع میں آپ کے مسلسل بیان ہوئے تو علاقہ کا ایک بڑا ہندو سادھو جو ان اجتماعات میں پابندی سے شریک ہوتا رہا۔ آخری دن کہنے لگا کہ یہ شخص (حضرت شاہ صاحبؒ) اپنے چہرے سے اسلام کی دعوت دیتا ہے۔

سنتوں کا چلتا پھرتا نمونہ :

حُسن صورت عارضی چیز ہے اور حُسن سیرت مستقل اور دائمی کمال ہے۔ حُسن صورت اللہ کا انعام ضرور ہے لیکن مطلوب و مقصود نہیں۔ حُسن سیرت وہ عنصر ہے جس کو یہ دولت میسر آ گئی وہ دنیا اور آخرت میں کامیاب ٹھہرتا ہے۔ آج ہمیں امام ابوحنیفہؒ، امام

مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام شافعیؒ، حضرت عبدالقادر جیلانیؒ، حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ جیسے اکابر سے محبت ہے تو محبت کی بنیادیں حُسن صورت پر نہیں بحُسنِ سیرت پر استوار ہیں۔ حسن صورت اور حسن سیرت کا اجتماع سونے پہ سہاگے کا کام دیتا ہے۔ رب ذوالجلال نے محدث کبیر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ کو حسن صورت کے ساتھ ساتھ اخلاق وکمالات اور اتباع سنت کی برکات سے مالا مال کر دیا تھا۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نے لکھا ہے:

ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی سنتوں کی اصل کیفیت حضرت شاہ صاحب کو دیکھ کر سیکھتے تھے۔ رفتار مسنون انداز کی تھی۔ زمین پر نہایت ہی سبک قدم رکھتے' جس وقت چلتے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چال کا منظر دکھائی دیتا' جس کی کیفیت شمائل کی عام کتابوں میں صحابہؓ نے '' کانما ینحط الی صبب '' ۔ گویا کہ اوپر سے نیچے کو اتر رہے ہیں' کے ساتھ بیان کی ہے۔

چلنے میں بھی اتباع سنت کا اہتمام:

حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ فرماتے تھے:

میں میرٹھ میں پڑھتا تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کا نام سُنا تھا' لیکن آپ کی زیارت کا اب تک موقع نصیب نہیں ہوا تھا۔ ایک روز میرٹھ میں اعلان ہوا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کسی غیر مقلد عالم سے مناظرہ کے لئے تشریف لا رہے ہیں۔ مناظرہ محلّہ کی ایک مسجد میں جمعہ کے بعد ہونے والا تھا۔ میں بھی اپنے چند ساتھی طلباء کے ساتھ مسجد میں پہنچ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد مجمع پیچھے ہٹا اور حضرت شاہ صاحب آگے آگئے تھے۔ دور اور قریب سے دیکھا تو رفتار کانما ینحط الی صبب کی مظہر تھی۔

کھانے کے بعد ہاتھ کو تلوؤں پر ملنے کی سنت کا اہتمام:

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کا بیان ہے کہ جب کھانا سامنے آتا تو تواضع کی ایک خاص کیفیت آپ پر طاری ہوتی اور ہر لقمہ کے بعد الحمدللہ پڑھتے رہتے' کھانے سے فراغت کے بعد دونوں ہاتھوں کو تلوؤں پر ملنے کا مسنون اہتمام علماء میں آپ ہی کے یہاں دیکھا۔ (سیرت انور ص ۸۲)

لباس:

جناب مسعود احمد قاسمی صاحب لکھتے ہیں:

حضرت شاہ صاحبؒ پاجامہ استعمال کرتے تھے اور پاجامہ نیم ساق (پنڈلی) سے کبھی نیچا نہ ہوتا تھا۔ عمامہ کا استعمال زیادہ ہوتا تھا۔ سردیوں میں اکثر و بیشتر سبز یا سیاہ رنگ کا عمامہ استعمال فرماتے تھے۔

ہر ادا میں اتباع سنت کا اہتمام:

ہم بہت سی سنتیں حضرت شاہ صاحبؒ کے عمل کو دیکھ کر معلوم کر لیا کرتے تھے۔ کھانا کھانے کے بعد تولیہ یا رومال سے ہاتھ پونچھنے کے بجائے ہمیشہ پاؤں کے تلوؤں سے ہاتھ پونچھ لیتے تھے۔ اکڑوں بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔ کھانے میں ہمیشہ تین انگلیاں استعمال فرماتے تھے اور دونوں ہاتھ مشغول رکھتے تھے۔ بائیں ہاتھ میں روٹی اور دائیں ہاتھ سے اُسے توڑ توڑ کر استعمال کرتے تھے۔ لقمے ہمیشہ چھوٹے چھوٹے استعمال کرتے تھے۔ جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے جاتے تو فاسعوا الی ذکر اللہ کا منظر سب کو نظر آتا۔ سعی اور دوڑ کی شان، تیز رفتاری اور لمبے لمبے قدم، ان کی چال سے نمایاں ہوتی تھی حسبنا اللہ تکیہ کلام تھا۔ اُٹھتے بیٹھتے اکثر و بیشتر حسبنا اللہ فرماتے رہتے۔ ایسے ہی موقع بموقع اللہ

اَحل' فرماتے رہتے۔ (حیات انور ص ۲۱)

بیوہ اور سیدہ سے نکاح کروں گا:

حضرت شاہ صاحبؒ کافی عرصہ تک نکاح اور شادی کرنے میں تاخیر کرتے ہوئے تجرد کی زندگی کو فوقیت دیتے رہے۔ جب حضرت شاہ صاحبؒ کی عمر تقریباً چوالیس سال کی ہوئی تو اکابر دارالعلوم دیوبند حضرت حبیب الرحمٰن عثمانیؒ اور مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ نے مشورہ کر کے آپ کو نکاح کی ترغیب دی۔ جب رشتہ کی بات چلی تو حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ شرط لگائی کہ میں اُس عورت سے نکاح کروں گا جو سیدہ ہو اور بیوہ ہو۔ یہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر ازدواجی زندگی میں عمل کرنے کا اہتمام تھا، کیونکہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ نبوت سے پہلے شادی کی تو آپ کے عقد میں حضرت خدیجہؓ آئیں جو سیدہ بھی تھیں اور بیوہ بھی تھیں، ایک جگہ شادی کی بات چلی، وہ عورت نجیب الطرفین سادات میں سے تھی، جب حضرت شاہ صاحب کو اُن کے تمول اور رئیس ہونے کا علم ہوا تو انکار کر دیا۔ بعد میں حضرت حکیم سید محفوظ علی کی ہمشیرہ سے نکاح ہوا۔ اس نکاح کی تفصیل شاہ صاحبؒ کے فرزند حضرت مولانا انظر شاہ صاحب کے قلم سے نذرِ قارئین ہے۔

رفیقۂ حیات کا بچپن کا خواب:

والدہ مرحومہ نے بچپن میں ایک خواب دیکھا تھا کہ دو ترنجیں ہیں۔ ان پر ایک طوطا بیٹھا ہوا ہے۔ یہ طوطا دونوں ترنجوں کو بوسہ دے رہا ہے بلکہ بچپن میں یہ خواب بھی دیکھا کہ میری شادی ایک کہنہ سال آدمی سے ہوئی ہے، جس کا حلیہ ان کو ہمیشہ محفوظ رہا۔ فرماتی تھیں حضرت شاہ صاحبؒ کو پہلے لمحہ میں دیکھتے ہی اپنے بچپن کے خواب کی بھرپور تعبیر سامنے آگئی۔ جب حضرت شاہ صاحب کا نکاح ہوا اور بارات بھوپال گئی تو والد ماجد

حضرت شاہ صاحب کا سن وسال ۴۵ سے متجاوز تھا اور ریش مبارک کا ایک تہائی حصہ سفید ہو چکا تھا۔ بارات پہنچی تو والدہ کے محلہ میں کہرام بپا ہو گیا کہ ۱۳ سال کی معصوم بچی ایک کبیر السن سے بیاہ دی گئی۔ جاہل عورتوں نے یہ داستان بڑی رنگ آمیزی کے ساتھ والدہ تک بھی پہنچائی جو اس وقت دلہن بنی بیٹھی تھیں۔ والدہ مرحومہ بتاتی تھیں کہ اس بے جوڑ شادی کی تفصیلات سُن کر میں کانپ اُٹھی۔ نکاح کے بعد رُخصتی ہوئی، جب والدہ مرحومہ کو اُتارا گیا اور شاہ صاحب کے ساتھ زندگی کے شب و روز گذرے تو والدہ مرحومہ نے اپنے جذبات وخواہشات کو مرحوم کی خواہشات پر قربان کر دیا تھا۔

آغازِ ازدواج:

حضرت شاہ صاحب کی زندگی میں زہد وقناعت رسماً نہیں بلکہ واقعیت کے ساتھ موجود تھی۔ شروع سے لے کر آخر تک ان ہی دو وصف پر زندگی قائم رہی۔ والدہ فرماتی تھیں کہ جس وقت شادی ہوئی تو سب سے پہلی ہمارے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ یہ تھی کہ:

میں ایک مفلوک الحال اور غریب الوطن ہوں۔ تاہلی زندگی کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ حضرت استاد شیخ الہندؒ اور یہ دو مہتمم صاحبان کے حکم پر یہ صورت اختیار کی ہے۔ گھریلو زندگی اور عائلی نظم وانتظام کے لئے میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے پہلی بار جو چیزیں اثاثۃ البیت کے طور پر بہم پہنچائیں، وہ مٹی کا ایک بدھنا مٹی کے دو پیالے اور ایک چٹائی تھی۔ ایک مدت تک والدہ کے کھانے کا انتظام مولانا طیب صاحب کے مکان سے ہوتا رہا۔ البتہ صبح کا ناشتہ میں کبھی کبھی چائے اور مدرسہ کا کھانا حضرت والد صاحب بھیجتے۔

(نقش دوام)

خودداری:

زہد وقناعت کا ثمرہ خودداری ہی کی صورت میں بار آور ہوتا ہے۔ جب انسان کی

نظر میں مال و دولت کی اہمیت نہ ہو تو وہ بڑے سے بڑے مالدار حکمران اور کج کلاہ کو خاطر میں نہیں لاتا۔ حضرت شاہ صاحب میں بھی خودداری کا عنصر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ ایک مرتبہ دہلی میں نظام حیدر آباد سر آصف خسروئے دکن آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے شاہ صاحب سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ شاہ صاحب دیوبند سے دہلی تشریف لائے۔ نظام نے آپ کو فوراً اندر بلایا۔ شاہ صاحبؒ نے سیدھے سادے طور پر السلام علیکم فرمایا۔ نظام نے بڑی قدر و منزلت سے آپ کو خوش آمدید کہا۔ کافی دیر تک باتیں ہوتی رہیں، جو زیادہ تر علمی تھیں۔ اُن دنوں دیوبند سے ایک اخبار ''مہاجر'' نکلا کرتا تھا۔ یہ اخبار ہفتہ وار تھا' اخبار کے ایڈیٹر نے ملاقات کی خبر چھاپنی چاہی۔ شاہ صاحبؒ کو عنوان کی اطلاع دی گئی' جو مندرجہ ذیل تھا: ''بارگاہ خسروی میں علامہ کشمیری کی باریابی''۔

شاہ صاحبؒ کو یہ عنوان بالکل پسند نہ آیا، انہوں نے فرمایا، ہرچند کہ میں ایک فقیر بے نوا ہوں، مگر اتنا گیا گذرا بھی نہیں کہ اس طرح کے عنوانات برداشت کروں، کیسی بارگاہ خسروی اور کہاں کی باریابی۔ صرف اتنا لکھئے: ''نظام حیدر آباد سے انور شاہ کی ملاقات''۔ (سیرت انور ص ۸۶)

حکمرانوں سے استغناء:

نواب فیض الدین ایڈوکیٹ کی صاحبزادی کی شادی تھی۔ شاہ صاحب صرف شادی میں شرکت کی غرض سے حیدر آباد آئے ہوئے تھے۔ کچھ لوگوں نے چاہا کہ شاہ صاحبؒ اور نظام کی ملاقات کرادی جائے۔ نظام بھی چاہتے تھے کہ شاہ صاحبؒ کی ملاقات سے فیضیاب ہوں لیکن شاہ صاحبؒ نے ایک نہ سنی اور نظام سے ملنے کی درخواست کو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ میں حیدر آباد صرف نواب فیض الدین صاحب کی لڑکی کی شادی میں شرکت

کے لئے آیا ہوں اور اس کے علاوہ اور کوئی مقصد اس سفر سے وابستہ کرنا نہیں چاہتا۔

چنانچہ آپ نے نظام سے ملاقات نہ کی۔ اسی طرح ایک مرتبہ سر اکبر حیدری نے شاہ صاحبؒ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ یہ انہیں دنوں کا واقعہ ہے، جب شاہ صاحبؒ نواب فیض الدین ایڈوکیٹ کی صاحبزادی کے سلسلے میں حیدر آباد میں اُن کے مکان پر ہی ٹھہرے ہوئے تھے۔ شاہ صاحب نے جواب دیا، اُن سے کہہ دو کہ میں یہیں ہوں' اگر انہیں ملنا ہو تو یہیں آکر مل لیں۔ سر اکبر حیدری نے گذارش کی کہ میں آنے کو تیار ہوں لیکن اگر تنہائی میں ملاقات ہو جائے تو بہت اچھا ہو۔ شاہ صاحبؒ نے سر اکبر حیدری کو کہلا بھیجا کہ یہ ناممکن ہے کہ میں اُن کی وجہ سے حاضرین مجلس کو اُٹھ جانے کو کہوں یا خود مجلس سے اُٹھ کر چلا جاؤں۔ (سیرت انور ص ۸۷)

دولت سے علم کی خرید:

حضرت مولانا انظر شاہ صاحب راوی ہیں کہ والدہ مرحومہ سے بارہا سنا کہ مولانا محمد میاں سملکی (بڑے مالدار باپ کے بیٹے تھے) جب دیوبند میں پڑھتے تو میری ہمشیرہ راشدہ خاتون جن کی عمر اس وقت سات آٹھ سال کی تھی اور بچیوں کے عام دستور کے مطابق اپنی گڑیا کی تقریب شادی کے انتظامات میں مصروف تھیں۔ مولانا سملکی نے بازار سے کچھ بیش قیمت کپڑوں کے ٹکڑے گڑیا کے لئے خرید کر دیئے۔ عصر کا وقت تھا، حضرت والد صاحب اس وقت معمولاً اپنے مخصوص کمرہ سے باہر وضو کے لئے تشریف لائے۔ آپ وضو کر رہے تھے۔ ہمشیرہ کپڑوں کا یہ تحفہ لئے ہوئے سامنے سے گذریں، شاہ صاحبؒ نے اشارہ سے بلا کر تحقیق حال کی اور معصوم بچی سے پوری کیفیت سننے کے بعد شدید غصہ کا اظہار فرمایا۔ الفاظ بعینہٖ یوں تھے کہ یہ صاحب کیا اپنی دولت سے ہمارا علم خریدنا چاہتے ہیں۔

بات کچھ بڑی نہ تھی، مجھے یقین ہے کہ عقیدت مند شاگرد کی نیت میں کوئی فتور نہ تھا، مگر شاہ صاحبؒ جس غیر معمولی خودداری کی دولت سے سرفراز تھے یہ اسی کی ایک جھلک ہے۔

ارتباط اور تعلقات :

خودداری کے ان واقعات سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہوگا کہ آپ اس خودداری میں کسی تعلق کی بھی رعایت نہ کرتے تھے۔ ربط و تعلق کی رعایت جس طرح آپ کے یہاں موجود تھی، اس کا اندازہ درج ذیل واقعہ سے ہوگا۔ جس کے راوی آپ کے برادر خورد مولانا سیف اللہ شاہ ہیں، کہتے ہیں۔ ایک بار عید الاضحیٰ کے بالکل قریب حضرت شاہ صاحبؒ کشمیر تشریف لائے، مکان پہنچنے سے پہلے اپنے پرانے وخصوصی متعلقین لگرو خاندان کے ساتھ وقت گذارا۔ ادھر اُدھر سے کچھ عزیز و اقارب پہنچ گئے، جن کی خواہش تھی کہ آپ عید گھر کریں۔ دوسری جانب لگرو خاندان کا اصرار تھا کہ عید بارہ مولہ میں ہونا چاہئے۔ عید سے دو روز قبل بارہ مولا کے ایک گاؤں کے کچھ عقیدت مند آئے اور اپنی بستی میں چلنے پر اصرار کیا۔ عید بالکل قریب تھی۔ اس لئے آپ نے جانے سے انکار فرمایا۔ انہوں نے یقین دلایا کہ ایک رات کے قیام کے بعد صبح ہی بارہ مولہ واپس ہونے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی۔ بار بار کی اس یقین دہانی پر دل شکنی سے بچنے کے لئے بارہ مولہ سے اس گاؤں کی جانب روانہ ہوئے اور اگلی صبح کو وعدہ کے مطابق جب واپسی کا ارادہ فرمایا تو جیسا کہ عوام کی عادت ہے، گاؤں کی آبادی نے نہ صرف پروگرام کو لیت و لعل میں ڈالا، بلکہ اچھی خاصی مزاحمت پر آمادہ ہوگئے۔ آپ نے فرمایا بھائی میں بارہ مولہ میں عید کرنے کا وعدہ کر چکا ہوں، اب یہ مزاحمت کیسی ہے؟

اس پر ایک دیہاتی نے ذرا تلخ ہوکر کہا، آپ ہم غریبوں کی دعوت نظر انداز

کر کے بارہ مولہ کے رؤسا کی دعوت کو ترجیح دے رہے ہیں۔ اس پر حضرت شاہ صاحبؒ برہم ہوئے اور فرمایا :

خدا کے بندے میں پُرانے تعلقات کو چھوڑتا نہیں اور نئے مراسم کی تلاش کرتا نہیں۔ (نقش دوام ص ۹۲،۹۳)

مہمان نوازی :

مہمان نوازی سنتِ انبیاء علیہم السلام میں سے ہے۔ خصوصاً حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت زیادہ مہمان نواز تھے۔ صحابہ کرام میں حضرت علیؓ کا پسندیدہ مشغلہ مہمان نوازی تھا۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے۔ جو آدمی اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ اُسے چاہئے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔ حضرت شاہ صاحب حد درجہ کے مہمان نواز تھے کتابوں میں یہ روایات کثرت سے ملتی ہیں کہ سادات خاندان سخی اور مہمان نواز ہوا کرتے ہیں۔ شاہ صاحبؒ تو نجیب الطرفین سید بھی تھے، عالم تھے، محدث تھے اور سب سے بڑھ کر محمد عربی ﷺ کے عاشق اور صحابہ کرامؓ کے محب تھے، اس لئے مہمان نوازی آپ کی فطرتِ ثانیہ تھی۔

اضیاف کا اکرام :

جناب محمد عفاء اللہ لکھتے ہیں :

ایک دفعہ غالباً ۱۳۲۸ھ بیروں کا موسم تھا اور احقر دیوبند حاضر ہوا۔ حضرت شاہ صاحبؒ بھی ڈابھیل سے تشریف لائے ہوئے تھے۔ حضرت صحن میں چارپائی پر تشریف فرماتے تھے، مولانا مشیت اللہ صاحبؒ اور بہت سے مہمان بیٹھے تھے، کمال مہربانی فرمائی۔ ہمیں دیکھتے ہی چارپائی سے اُٹھ کر ننگے ہی پاؤں ہماری طرف تشریف لائے اور مصافحہ

فرمایا، پھر مولانا مشیت اللہ صاحب بجنوری کے پاس تشریف فرما ہوئے اور ان کو بیر کا چھلکا اُتار کر عنایت فرما رہے تھے۔ ایک طبق ہماری طرف بھی رکھ دیا اور ایک طالب علم کو فرمایا کہ ان کو چھیل کر کھلاؤ اور دوسرے طالب علم کو جیب مبارک سے ایک روپیہ نکال کر دیا اور فرمایا کہ بکری کا عمدہ گوشت بازار سے لاؤ، پھر گھر کے اندر تشریف لے گئے۔

مولوی محفوظ علی صاحب فرماتے تھے کہ گھر میں حضرت فرما رہے تھے کہ بہت معزز مہمان آئے ہیں۔ کھانا عمدہ پکائیو، پھر باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ دو ٹوکرے باقر خانیوں کے لے آئے۔ اتنی تکلیف کیوں اُٹھائی، اگر کوئی شئے لانا ہی ہو تو بیسری چیز لے آیا کرو، میرے ہاں محبت میں کوئی فرق نہیں پڑتا، بہت تھوڑی چیز لانا چاہئے۔

فصل الخطاب :

پھر فصل الخطاب کے متعلق میں نے تذکرہ شروع کر دیا کہ ایک صاحب نے اس کا جواب لکھا ہے۔ بڑی ہی تعلّی دکھائی ہے۔ فرمایا جب عناد پر کوئی اُتر آئے تو اس کا کیا علاج ہے۔ عصر کے وقت مولانا مشیت اللہؒ چلے گئے۔ ہم سب نماز کے لئے قریب والی مسجد میں چلے گئے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے خود امامت کرائی۔ اسی طرح سب نمازوں میں خود ہی امام بنے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت کی اقتداء میں کئی نمازیں نصیب کر دیں۔ دوسرے دن نماز فجر ہی میں ہمیں بلایا، اور بڑی شفقت فرمائی۔ میں نے بعض عبارت فصل الخطاب کا مطلب پوچھا۔ نہایت خندہ پیشانی سے مسکراتے ہوئے جواب عنایت فرماتے رہے۔ اس پر بڑے خوش ہوئے کہ اس کو کتاب پر نظر ہے، پھر فرمایا آپ ذرا لیٹ جایئے۔ یہ کمبل ہیں ان کو نیچے بچھا لیجئے۔ خود اپنے دست مبارک سے عنایت فرمائے۔ ہم نے متبرک سمجھ کر تکیہ کے

نیچے رکھ لئے، پھر دوپہر کو کھانا پر تکلف بھیجا۔ مولانا محفوظ علی اور مولانا محمد ادریس سیکروڈوی اور کئی ایک مہمانوں نے مل کر کھانا کھایا۔

بیعت وتعویذ :

پھر بعد ظہر میں نے عرض کیا کہ ساتھی کو بیعت فرمالیں، نہایت شفقت سے قبول فرمالیا۔ اور دوازدہ تسبیح چشتیہ کا ذکر تلقین فرمایا، پھر احقر نے دو تعویذوں کے لئے عرض کیا کہ نظر کا تعویذ ایک میرے بچے کے لئے اور ان کے بچے کے لئے درکار ہے۔ فرمایا میری تو دوات تعویذ کے قابل نہیں رہی۔ خشک سیاہی پانی ڈالنے سے پھیکی ہو جائے گی اور پرانی ہو اور اس سے تعویذ نہیں لکھنا چاہئے۔ عرض کیا کہ تعویذ تو حضرت سے لکھوانا ہے پھر دوات میں سیاہی نئی ڈلوائی اور تعویذات لکھ کر ہمارے حوالے کئے، فرماتے تھے خود ہی لکھ لینا۔

"اعوذ بلکلمات اللہ التامات من کل شیطان و ھامة و کل عین لامة"۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ اس پر یہ الفاظ بھی زیادہ کرلے۔"حصنتک بحصن الف الف"۔

کمال شفقت پر بھی عذر :

احقر نے عرض کیا کہ حضرت ہی تحریر فرمادیں، پھر بڑی عنایت ہوئی۔ جب شام کی گاڑی سے ہم واپس ہونے لگے تو فرمانے لگے، اگر کوئی اور گنجائش ہو تو اور ٹھہر جاؤ۔ احقر نے عرض کیا کہ کل کو رخصت لے لیں گے، پھر اگلے دن صبح کو مجلس ہوئی۔ جب رخصت ہونے لگے تو فرمایا کہ آپ کی مہمانی کا حق ادا نہیں ہو سکا۔ کچھ خیال نہ کرنا، میں بھی علیل ہوں، مجھے بہت رقت ہوئی کہ اتنی شفقت پر بھی یہ عذر۔

(انوار انوری ص ۵۳)

ایک بیرسٹر کی دلجوئی :

شاہ صاحبؒ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حسنِ اخلاق کی خوبی سے بھی سرفراز فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ کے پاکیزہ اخلاق وعادات کی وجہ سے ہر کوئی آپ کو عزیز رکھتا تھا۔ چھوٹا ہو یا بڑا ہر ایک کا خیال رکھتے تھے۔ کیا مجال جو کبھی کسی کو آپ کی باتوں سے ٹھیس لگی ہو۔ لوگوں کے جذبات کی قدر کرنا آپ کو خوب آتا تھا۔ چنانچہ آپ اس خوبی سے بات کرتے کہ مقصد بھی حل ہو جاتا اور سننے والے کو آپ کی بات گراں بھی معلوم نہ ہوتی۔

چنانچہ ایک دفعہ شاہ صاحبؒ امرتسر تشریف لے گئے۔ شاہ صاحبؒ کی شہرت سن کر بہت سے لوگ آپ کی قدمبوسی کے لئے حاضر ہوئے۔ اُن میں ایک مشہور ومعروف بیرسٹر بھی تھے۔ بیرسٹر صاحب داڑھی مونچھیں نہ رکھتے تھے۔ اس لئے شاہ صاحبؒ کے سامنے بیٹھنے سے کتراتے تھے۔ شاہ صاحبؒ نے بیرسٹر صاحب کی حالت کو بھانپ لیا اور فرمانے لگے بیرسٹر صاحب! آپ تو بلاوجہ شرمندہ ہو رہے ہیں، اگرچہ ہمارا فعل مختلف ہے لیکن ہم دونوں کا مقصد ومنتہیٰ دنیاداری ہی کرنا ہے، اگر میری داڑھی نہ ہو تو مجھے کوئی بھی روٹی نہ دے اور اگر آپ داڑھی رکھیں تو آپ کو بیرسٹر کون مانے۔ اس لئے آپ کو شرمندہ ہونے کی چنداں ضرورت نہیں۔

شدید بارش کے باوصف دعوت کے لئے چل پڑے :

ایک مرتبہ ایک صاحب کے یہاں شاہ صاحبؒ کی دعوت تھی۔ خدا کا کرنا کیا ہوا کہ دعوت کے وقت بارش ہونے لگی، شاہ صاحبؒ نے ایک صاحب سے فرمایا، مولوی محمد حسن صاحب! فلاں صاحب نے آج ہماری دعوت کی ہے، اُن کے گھر چلنا ہے۔ محمد حسن صاحب نے فرمایا، شاہ صاحب! اس وقت تو بارش ہو رہی ہے، کھانا یہیں پر منگوا لیجئے گا۔

شاہ صاحب نے فرمایا بھائی محمد حسن صاحب! ایسا نہیں ہو سکتا، میرے ایک مخلص نے دعوت کی ہے، ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ میں وہاں جانے سے رُک جاؤں۔ چنانچہ شاہ صاحبؒ بارش ہی میں نکل پڑے۔ راستہ میں میزبان صاحب سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ انہوں نے لاکھ کہا کہ شاہ صاحب! کھانا دردولت پر پہنچا دیا جائے گا لیکن شاہ صاحبؒ نہ مانے اور بارش ہی میں اُن کے گھر جا کر کھانا تناول فرمایا۔ اس واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ شاہ صاحبؒ لوگوں کے جذبات کی کتنی قدر کرتے تھے۔ بعض اوقات آپ کو تکلیف بھی اُٹھانا پڑتی لیکن اس ڈر سے کہ کہیں آپ کی وجہ سے دوسرے کو شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ اپنی تکلیف کا مطلق ذکر نہ فرماتے اور خندہ پیشانی سے ہر تکلیف کو برداشت کرتے۔ (سیرت انور ص ۲۶)

☆☆☆☆☆☆☆☆

باب : ۸

سلوک وتصوف اور صفائے باطن کا اہتمام‘ احترامِ اساتذہ واطاعت‘ حضرت گنگوہیؒ سے عشق ومحبت‘ عبدیت وانابت‘ معاصی سے اجتناب اور نفرت

تصوف تربیتِ اخلاق اور تزکیۂ نفوس دینِ مبین کا اہم ترین شعبہ ہے۔ ہمیشہ سے علماءِ حق کا یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ علومِ ظاہری کی تکمیل کے بعد کسی شیخ سے بیعت کا سلسلہ قائم کر لیتے اور درس وتدریس کے ساتھ ریاضت ومجاہدہ، سندِ حدیث کے ساتھ سندِ خلافت باطنی اور جوشِ احوال کے ساتھ ادبِ قال کے زمرے میں بھی داخل ہو جاتے۔ یہ علماءِ حق اہل علم ہونے کے ساتھ ساتھ اہل تصوف بھی ہوتے۔ مدرسہ میں پڑھاتے یا بازاروں سے گزرتے۔ خواص میں بیٹھتے یا عوام سے ملتے، اپنی زندگی کے روشن نقوش سے لوگوں کی زندگی اور ان کے فکر ونظر کے زاویوں کا رُخ بدل دیتے۔ ہمارے اسلاف اور اکابر دنیاوی مشاغل کے ساتھ ساتھ ذکر وشغل، تزکیۂ باطن، معرفت وسلوک اور مراقبہ ونسبت مع اللہ کے بلند درجات پر فائز ہوتے تھے ....

میرے غم کی قدر و قیمت کوئی میرے دل سے پوچھے
یہ چراغ وہ ہے جس سے میرے گھر میں ہے اُجالا

ہمارے اکابرؒ کو عبادت، ذکر الٰہی، تہجد اور وظائف کا بے حد ذوق تھا۔ دن قال اللہ وقال الرسول میں گذرتا تو رات قیام وسجود میں گذر جاتی اور وہ بزبانِ حال فرماتے۔

دل میں اس طرح ہوا ہے میرے پنہاں کوئی
ہر ادا سے میری ہوتا ہے نمایاں کوئی

تصوف کا اصل مقصد اوراد واشغال نہیں بلکہ اعمالِ باطنہ کی اصلاح ہے اور اعمالِ باطنہ کی اصلاح کے لئے شیخ ومربی اور مرشد کی صحبت ازبس ضروری ہے۔

حضرت گنگوہیؒ سے بیعت وخلافت :

محدث کبیر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ نے جب دار العلوم سے سند فراغت حاصل کی تو روحانی تربیت اور تزکیۂ باطن کے لئے حضرت مولانا مفتی رشید احمد گنگوہیؒ کی خدمت میں گنگوہ حاضر ہوئے۔ بچپن ہی سے حضرت شاہ صاحب وظائف کا اہتمام کرتے تھے۔ خصوصاً اپنے والد حضرت مولانا پیر معظم شاہ صاحب کو جن اذکار و اوراد میں مشغول پاتے، خود بھی وہی وظائف شروع کر دیتے، لیکن جب حضرت گنگوہیؒ کے دستِ حق پر بیعت ہوئے تو ہمیشہ اُن کے تلقین فرمودہ ذکر و وظائف پر کاربند رہے۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب جو حضرت شاہ صاحبؒ کے تلمیذ خاص تھے فرماتے ہیں :

حضرت شاہ صاحبؒ کے درس و تدریس کے ساتھ ساتھ ارشاد و تلقین کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔ بیعت بھی فرما لیتے تھے۔ اپنے اکابر سے سُنا کہ حضرت گنگوہیؒ کی طرف سے مجاز بیعت بھی تھے۔ دیوبند کے بعض لوگ بھی آپ سے بیعت تھے۔ الہ دین دیوبندی جو حضرت نانوتویؒ کے دیکھنے والوں میں تھے، حضرت شاہ صاحب سے بیعت تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے وصال کے بعد میں نے اور جناب مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان مقیم کراچی نے بھی حضرت شاہ صاحب کی طرف رجوع کیا۔ آپ نے ہمیں طریق چشتیہ کے مطابق اذکار تلقین فرمائے اور ہم اس میں کھلی تاثیر و تصرف محسوس کرتے تھے۔

(حیات انور ص ۲۰۲)

باطنی کیفیت کی جھلک :

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی اپنے استاد مکرم حضرت امام کشمیریؒ کی باطنی

کیفیت اور تصوف سے متعلق علوم و معارف کو ان الفاظ میں بیان کیا۔ فاضل گیلانی لکھتے ہیں :

حادث یعنی کائنات و مخلوقات کا قدیم یعنی خالق سے کیا تعلق ہے۔ شاہ صاحبؒ کے الفاظ میں ربط الحادث بالقدیم یہی عنوان قائم کر کے اس سلسلے میں کچھ فرماتے تھے۔ یہی تصوف کے نظری حصہ کا بنیادی و اساسی مسئلہ تھا۔ پہلی دفعہ شاہ صاحب نے اس مغالطہ کا ازالہ فرمایا کہ عوام الناس خالق و مخلوق کے تعلقات کو صانع و مصنوع یا معمار و مکان کی مثال سے سمجھنا چاہتے ہیں۔ مصنوع اپنے باقی رہنے میں چونکہ صانع کا محتاج نہیں ہوتا یعنی مکان کو بن جانے کے بعد معمار کی ضرورت باقی نہیں رہتی، عوام کی سمجھ میں صحیح طور پر اس لئے نہیں آتا کہ پیدائش میں تو عالم خدا کا محتاج ہے لیکن پیدا ہو جانے کے بعد عالم کو اپنی بقا میں خدا کی کیا ضرورت ہے؟ صوفیہ اس وسوسہ کا ازالہ اپنے اس نظریہ سے کرتے ہیں جو وحدت الوجود وغیرہ ناموں سے مشہور ہے اور نہ جاننے والوں نے مشہور کر رکھا ہے کہ صوفیہ وحدت الوجود کے جو قائل ہیں تو اس کا یہ مطلب ہے کہ ان کا ایمان وحدت الوجود پر ہے یعنی سارے موجودات ایک ہیں، حالانکہ الوجود کی وحدت کو الموجود کی وحدت سے کیا تعلق؟

مسئلہ احسان :

اسی طرح مشہور حدیث جبرئیلؑ جس میں ہے کہ ایمان و اسلام اور احسان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسافر کے بھیس میں حضرت جبرئیل نے سوالات کئے تھے۔ اس حدیث میں "الاحسان" کے لفظ کا ترجمہ ہی شاہ صاحبؒ نے ایسا کیا کہ تصوف کے عملی حصہ کی اصل خصوصیت سامنے آ گئی۔ فرمایا تھا کہ احسان کا صلہ جب الیٰ کے ساتھ آتا ہے تو کسی کے ساتھ حسن سلوک کرنا اس کا مطلب ہوتا ہے لیکن صلہ کے بغیر صرف

احسان کا ترجمہ ''حسن پیدا کردن'' کرنا چاہئے۔ یہی یا قریب قریب اسی کے فارسی زبان میں احسان کا ترجمہ کر کے فرمایا کرتے تھے کہ عقائد و اعمال اور زندگی کے تمام شعبوں میں، جو مذہب کے دائرے میں داخل ہیں، ان کو بار ٹھہراتے ہوئے سر سے ٹالنا، ایک حال تو یہ ہوتا ہے، لیکن ان میں حسن آفرینی کی کوشش بس یہی احسان ہے اور تصوف کا مطلب یہی ہے کہ بجائے تکلیف کے دین ہی گویا زندگی کا اقتضاء بن جائے' اور یوں دین کے ہر شعبہ میں حسن کے اندر حسن کا اور جمال کے اندر جمال کا اضافہ کرتے چلے جانا چاہئے۔ یہی الاحسان کے مقام کا اقتضاء ہے۔ خیال آتا ہے کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں ''المحسنین'' کا لفظ آیا ہے، اس کا صحیح مصداق شاہ صاحب کے نزدیک مسلمانوں کا وہی طبقہ ہے جو دینی مطالبات کی تعمیل میں اپنے پیش نظر احسانی نقطۂ نگاہ رکھتا ہے۔

(احاطۂ دارالعلوم میں بیتے ہوئے چند دن ص ۹۳)

علم غالب اور سلوک مغلوب تھا :

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب اپنے مشاہدات لکھتے ہوئے فرماتے ہیں، علمی شغف و انہماک اور علمی کمال کا آپ پر اتنا غلبہ تھا کہ دوسرے تمام کمالات اور زندگی کے دوسرے پہلو اس کے نیچے بالکل دبے ہوئے تھے۔ چنانچہ آپ کی زندگی کا وہ بلند ترین پہلو جس کو ''سلوک و تصوف'' سے تعبیر کرنا چاہئے۔ اس علمی کمال اور شغف علمی سے دبا ہوا تھا۔ اسی وجہ سے بہت سے لوگ آپ کی زندگی کے اس رخ سے بالکل ناواقف ہیں۔ یہ عاجز بھی کچھ زیادہ واقف نہیں ہے لیکن اجمالاً اتنا ضرور جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دولت سے بھی حصۂ وافر عطا فرمایا تھا اور یقیناً آپ آراستہ باطن اصحاب احسان میں سے تھے۔ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ سے مجاز بھی تھے۔ لیکن اس لائن کی باتیں کرنے کی عادت

نہ تھی۔

احسانی کیفیت شریعت و سنت پر استقامت ہے :

البتہ ایک دفعہ ایک واقعہ سنایا اور اس سلسلہ میں جو کچھ جوش آ گیا تو ایک آدھ بات ہم لوگوں کو ایسی بھی سننی میسر آ گئی جس سے کچھ سمجھا جا سکا کہ اس فضا میں بھی حضرت استاذ کی پرواز کتنی بلند ہے۔ جو واقعہ حضرت نے سنایا وہ یہ تھا :

فرمایا کہ ایک دفعہ میں کشمیر سے یہاں کے لئے چلا۔ راستہ کی کافی مسافت گھوڑے پر سوار ہو کر طے کرنی پڑتی تھی۔ راستہ میں ایک صاحب کا ساتھ ہو گیا۔ یہ پنجاب کے ایک مشہور پیر صاحب کے مرید تھے اور ان ہی کے پاس جا رہے تھے۔ یہ مجھ سے اپنے ان پیر صاحب کا اور ان کے کمالات اور کرامات کا تذکرہ راستہ بھر کرتے رہے۔ ان کی خواہش اور ترغیب یہ تھی کہ میں بھی ان پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوں اور اتفاق سے وہ مقام میرے راستہ میں بھی پڑتا تھا۔ میں نے بھی ارادہ کر لیا۔ جب ہم دونوں پیر صاحب کی خانقاہ پر پہنچے تو ان صاحب نے مجھ سے کہا کہ نئے آدمیوں کو اندر حاضر ہونے کے لئے اجازت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے میں پہلے جا کر آپ کے لئے اجازت لے لوں۔ چنانچہ وہ اندر تشریف لے گئے، ان بزرگ نے اطلاع پا کر خود اپنے صاحبزادے کو مجھے لینے کے لئے بھیجا اور اکرام سے پیش آئے۔ خود ایک تخت پر بیٹھے ہوئے تھے، باقی سب مریدین و طالبین نیچے فرش پر تھے، مگر مجھے اصرار سے اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا۔ کچھ باتیں ہوئیں، اس کے بعد اپنے مریدین کی طرف متوجہ ہو گئے اور اپنے طریقہ پر ان پر توجہ ڈالنی شروع کی اور اس کے اثر سے وہ بے ہوش ہو ہو کر لوٹنے اور تڑپنے لگے۔ میں یہ سب دیکھتا رہا، پھر میں نے کہا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ اگر مجھ پر بھی یہ حالت طاری ہو سکے تو مجھ پر آپ

توجہ فرمائیں۔ انہوں نے توجہ دینی شروع کی اور میں اللہ تعالیٰ کے ایک اسم پاک کا مراقبہ کر کے بیٹھ گیا۔ بیچاروں نے بہت زور لگایا اور بہت محنت کی، لیکن مجھ پر کچھ اثر نہیں ہوا۔ کچھ دیر کے بعد انہوں نے خود ہی فرمایا کہ آپ پر اثر نہیں پڑ سکتا۔

حضرت استاذ نے یہ واقعہ اتنا ہی نقل فرمایا اور اُس کے بعد ایک غیر معمولی جوش کے ساتھ فرمایا:

"کچھ نہیں ہے لوگوں کو متاثر کرنے کے لئے ایک کرشمہ ہے اور کچھ مشکل بھی نہیں معمولی مشق سے ہر ایک کو حاصل ہو سکتا ہے۔ ان باتوں کا خدا رسیدگی سے کوئی تعلق نہیں"۔

پھر اُسی سلسلہ میں اور اُسی جوش کی حالت میں فرمایا:

"اگر کوئی چاہے اور استعداد ہو تو ان شاء اللہ تین دن میں یہ بات پیدا ہو سکتی ہے کہ قلب سے اللہ اللہ کی آواز سنائی دینے لگے، لیکن یہ بھی کچھ نہیں۔ اصل چیز تو بس احسانی کیفیت اور شریعت وسنت پر استقامت ہے۔ (حیات انور ص ۱۶۷)

حضرتؒ صوفی بھی ہیں:

حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ فرماتے ہیں کہ میں جب دہلی پڑھتا تھا تو میں نے سنا کہ مولانا کریم بخش صاحب گلاوٹھی ضلع بلند شہر سے حضرت شاہ صاحب سے ملاقات کرنے تشریف لائے ہیں۔ میرے چونکہ مولانا کریم بخش صاحب استاد تھے، میں بھی گیا۔ یہ مغرب کے بعد کا وقت تھا۔ مولانا کریم بخش صاحب تو ملے نہیں، حضرت شاہ صاحب کو دیکھا کہ مدرسہ امینیہ کے اندر بیٹھے ہیں اور ذکر جہری سے اللہ اللہ کر رہے ہیں۔ تب میں سمجھا کہ حضرت صوفی بھی ہیں۔ یہ تو حضرت شاہ صاحبؒ نے خود فرمایا تھا۔ بہاولپور

کے مقدمہ میں احقر نے ریل گاڑی میں جب امرتسر سے لاہور کو چلے، سوال کیا کہ آپ کو اجازت کن بزرگوں سے ہے، تو فرمایا حضرت گنگوہیؒ سے ۱۳۱۹ھ میں حضرتؒ نے مجھے حدیث کی سند بھی دی اور بیعت کرنے کی اجازت بھی دی۔ ویسے تو ہمارا سلسلہ دس پشت سے سہروردی ہے اور مجھے حضرت مولانا محمد معظم شاہ والد صاحب سے اجازت ہے۔

(ف) حضرت شاہ صاحب عموماً سہروردی سلسلہ میں اور چشتیہ سلسلہ میں بیعت کرتے تھے۔ دونوں حضرات کے ذکر تلقین کرتے تھے۔

شاہؒ صاحب کو دیکھ کر خدا یاد آ جاتا ہے:

حضرت شاہ صاحبؒ ایک دفعہ گنگوہ تشریف لے گئے تو حضرت گنگوہیؒ سے عرض کیا۔ حضرت میرے لئے دعا فرمائیں کہ مجھے نماز پڑھنی آ جائے۔ دیوبند کے بزرگوں میں مشہور تھا کہ حضرت شاہ صاحب جب نماز پڑھتے ہیں تو ٹھیک بندہ بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ہمارے ایک استاد حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صاحب تھے، وہ فرماتے تھے کہ شاہ صاحب کو دیکھ کر خدا یاد آ جاتا ہے۔ یہی اولیاء اللہ کی نشانی ہے۔ کم از کم میں نے ساری زندگی حضرت شاہ صاحب جیسا نماز پڑھنے والا نہیں دیکھا۔ (انوار انوری ص ۱۵،۱۶)

حضرت گنگوہیؒ کے عاشق زار:

مولانا سید احمد رضا مؤلف انوار الباری لکھتے ہیں:

حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ امام ربانی حضرت گنگوہیؒ نہ صرف مذہب حنفی کے ماہر تھے، بلکہ چاروں مذاہب کے فقیہ تھے، میں نے اُن کے سوا کسی کو نہیں دیکھا جو چاروں مذاہب کا ماہر ہو۔ (مقدمہ انوار الباری ج ۲ ص ۲۳۱)

حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک مرتبہ فرمایا، ہم یہاں کشمیر سے ہندوستان آئے تو

دین حضرت گنگوہیؒ کے پاس دیکھا۔ اس کے بعد حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے یہاں دیکھا۔ جو دیکھنا چاہے وہ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے یہاں جا کر دیکھے۔ حضرت گنگوہیؒ کی شان میں شاہ صاحبؒ نے ایک عربی قصیدہ لکھا، جب مصر کے بہت بڑے عالم علامہ رشید رضا دیوبند آئے تو خطبہ استقبالیہ میں حضرت شاہ صاحبؒ نے اکابرین دیوبند کے تذکرہ کے ذیل میں حضرت گنگوہیؒ کے علمی و روحانی کمالات کے بارے میں اپنا عربی قصیدہ بھی پڑھا۔

حضرت شاہ صاحبؒ حضرت گنگوہیؒ کے عاشق زار تو تھے ہی کیونکہ حضرت گنگوہیؒ سے تو ان کو بیعت کا تعلق تھا، آپ نے حضرت گنگوہیؒ کے علاوہ دوسرے اساتذہ کرام کے احترام اور عقیدت میں بھی کبھی کوئی فرق نہیں آنے دیا۔

امام کشمیریؒ اپنے اُستاذ پر پنکھا چلاتے رہے :

حضرت مولانا محمد انوری لائل پوری کا بیان ہے :

حضرت شاہ صاحبؒ دارالعلوم کے صدر مدرس تھے جو اس علمی درسگاہ کا سب سے بڑا عہدہ ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ مالٹا کی اسارت کے بعد دیوبند واپس ہوئے۔ میں اپنے والد مرحوم کے ہمراہ دارالعلوم میں داخلہ کے لئے دیوبند پہنچا۔ حضرت شاہ صاحب کی زیارت کا اب تک موقع نہیں ملا تھا، لیکن آپ کی علمی عظمت کا احساس آپ کے سینکڑوں تلامذہ سے سُن کر دل و دماغ پر غالب تھا۔ دیوبند پہنچ کر میرے والد مجھے لے کر آستانہ شیخ الہند پر پہنچے۔ گرمی کا زمانہ تھا اور ظہر کی نماز ہو چکی تھی۔ حضرت کی مردانہ نشست گاہ میں ایک ہجوم حضرت کو چہار طرف سے گھیرے ہوئے بیٹھا تھا۔ چھت میں لٹکے ہوئے پنکھے کو ایک صاحب کھینچ رہے تھے، جن کا پُر انوار چہرہ اس پر معصومیت و نورانیت شگفتہ علم اور جلالت علمی

کی ملی جلی کیفیات دعوت نظارہ دیتیں یہ صاحب پنکھا کھینچتے ہوئے چپکے چپکے لوگوں سے کہتے ذرا ہٹ کر بیٹھیے، کہیں حضرت کو تکلیف نہ ہو۔ والد صاحب نے چپکے سے میرے کان میں کہا کہ یہ پنکھا کرنے والے دارالعلوم کے صدر مدرس حضرت مولانا انور شاہؒ ہیں، یہ سن کر میرے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی کہ جس کی ذات گرامی کی علمی شہرتوں سے ایک عالم گونج رہا ہے اور جس کے خود اپنے شاگرد اس مجلس میں موجود ہیں، کس خدمت اور عقیدت سے اپنے اُستاد کی خدمت میں مصروف ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کا احترام :

مولانا اعزاز علی صاحب فرماتے کہ حضرت شاہ صاحبؒ جب حضرت شیخ الہندؒ کے سامنے آتے تو احتراماً جھک جاتے کہ ہمیں آپ کے گرنے کا اندیشہ ہوتا۔

حکیم صفت احمد صاحب کہتے ہیں، مالٹا سے تشریف لانے کے بعد دوپہر کو معمولاً میری حاضری حضرت شیخ الہندؒ کے یہاں ہوتی۔ حضرت اقدس اس وقت کچھ آرام فرماتے اور میں آپ کا بدن دابتا۔ ایک روز حضرت چادر اوڑھے ہوئے استراحت فرما رہے تھے اور میں حسب دستور بدن دبا رہا تھا کہ اچانک شاہ صاحب تشریف لائے۔ آنے کو تو آ گئے لیکن یہ دیکھ کر کہ حضرت آرام فرما رہے ہیں، بڑی تشویش میں مبتلا ہو گئے۔ کچھ لمحات ایسے گذرے کہ اپنے سانس کو اس طرح روکے رہے جیسا کہ آپ زندہ ہی نہ ہوں، یہ ساری کوشش اس لئے تھی کہ حضرت استاد کو کسی تیسرے کی موجودگی کا احساس ہو کر آرام میں خلل نہ آئے۔ (نقش دوام ص ۱۰۲، ۱۰۵)

سراپا انکسار خادم :

مولانا مشیت اللہ صاحب کے بڑے صاحبزادے حکیم محبوب الرحمن صاحب

فاضل دیوبند کا بیان ہے :

میں جب دیوبند پڑھتا تھا تو حضرت شاہ صاحب کے ساتھ آپ کے رہائشی کمرہ میں میرا قیام تھا۔ حضرت کو پان کی عادت تھی۔ ایک روز میں نے پان لگا کر پیش کیا، آپ نے منہ میں رکھا ہی تھا کہ مجھے سامنے سے حضرت شیخ الہندؒ تشریف لاتے ہوئے نظر آئے جو کسی ضرورت سے اپنے شاگرد کے پاس تشریف لا رہے تھے۔ شاہ صاحبؒ کو حضرتؒ کے اس وقت آنے کی اطلاع کی گئی، میں اس اضطراب کو بھول نہیں سکتا جو اس وقت شاہ صاحبؒ پر اپنے استاد کی آمد اور منہ سے پان نکالنے کی عجلت کی صورت میں طاری تھی۔ تیزی کے ساتھ اپنے منہ کو صاف کیا اور کمرے کے دروازے پر ایک سراپا انکسار خادم کی حیثیت سے اپنے آقا کے استقبال کے لئے کھڑے ہوگئے۔ (نقش دوام ص ۹۲)

سارا فتنہ ختم ہوگیا :

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ رقمطراز ہیں :

فتنہ ۱۳۴۶ھ میں جب معاملہ حدود سے بڑھنے لگا اور حضرت شاہ صاحبؒ نے مدرسہ میں آنا اور درس دینا چھوڑ دیا، جس سے طلبہ میں انتشار پھیل گیا اور اسٹرائک کی صورت پیدا ہوئی تو حضرت والد ماجدؒ نے بلا واسطہ اس مسئلہ کو سلجھانے کی سعی فرمائی اور ایک دن اچانک صبح کے وقت حضرت شاہ صاحب کے مکان پر تن تنہا پہنچ گئے اور اطلاع ہونے پر اک دم گھبرا کر حضرت شاہ صاحب باہر تشریف لائے اور اسی سابقہ نیاز مندی کے ساتھ بہت ہی مؤدبانہ انداز سے پردہ کرا کر گھر میں لے گئے۔ گردن جھکا کر عرض کیا کہ حضرت اس وقت اچانک کیسے تکلیف فرمائی؟

حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ حضرت مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ میرا بھی آپ پر کوئی حق ہے؟ فرمایا ہے، اور یہ ہے کہ اگر آپ میری کھال کی جوتیاں بنا کر پہنیں تو مجھے کوئی عذر

نہ ہوگا۔ والد ماجد نے فرمایا کہ بارک اللہ۔ بس تو میری گذارش یہ ہے کہ آپ ان قصوں کو چھوڑ دیں اور مدرسہ چلیں اور میرے ساتھ چلیں۔ فرمایا بہت اچھا۔ حضرت نے چند معاملات پیش فرمائے کہ حضرت انہیں یوں کر دیا جائے۔

والد ماجد نے فرمایا کہ آپ کا منصب مطالبہ کرنے کا نہیں مطالبے پورا کرنے کا ہے۔ آپ اپنے قلم سے جو مناسب سمجھیں چل کر خود کر دیں۔ اس پر ساتھ ہو لئے اور مدرسہ میں پہنچ گئے۔ سب کو حیرت اور بے انتہا مسرت ہوئی کہ سارا فتنہ ختم ہوگیا۔ والد ماجد نے فرمایا کہ یہ سب مطالبے آپ خود جاری کر دیں اور درس شروع کرا دیں۔ فرمایا کہ حضرت آپ اجازت دیں کہ ظہر کے بعد حاضر ہو کر درس شروع کروں۔ فرمایا مضائقہ نہیں۔

(حیات انور ص ۲۳۲)

استاذ کے یکہ کے پیچھے دوڑتے رہے :

حضرت شاہ صاحبؒ تمام اساتذہ کا احترام کرتے تھے۔ مولانا منفعت علی صاحب دیوبندی جو دارالعلوم کے استاد تھے۔ ایک مرتبہ کسی ضرورت سے دہلی گئے، حضرت شاہ صاحب اس وقت مدرسہ امینیہ کے صدر مدرس تھے۔ مولانا منفعت علی صاحب حضرت شاہ صاحب کے ہاں ٹھہرے، جب مولانا منفعت علی صاحب دیوبند واپس ہونے لگے تو شاہ صاحب کے پاس سواری کے لئے پیسے نہیں تھے۔ اپنے استاد کو یکہ پر سوار کر دیا اور خود شاہ صاحب پیچھے دوڑنے لگے۔

کتاب کا احترام :

اساتذہ کے احترام کے ساتھ کتاب کا بھی احترام کرتے۔ قاری محمد طیب صاحب راوی ہیں :

حضرت شاہ صاحب خود فرمایا کرتے کہ میں مطالعہ میں کتاب کو اپنا تابع نہیں کرتا

بلکہ خود ہمیشہ کتاب کا تابع ہو کر مطالعہ کرتا ہوں۔ چنانچہ سفر و حضر میں ہم لوگوں نے کبھی نہیں دیکھا کہ لیٹ کر مطالعہ کر رہے ہوں یا کتب پر کہنی ٹیک کر مطالعہ میں مشغول ہوں، بلکہ کتاب کو سامنے رکھ کر مؤدب انداز سے بیٹھتے۔ گویا کسی شیخ کے آگے بیٹھے ہوئے استفادہ کر رہے ہیں۔

مطالعہ کے لئے وضو کا اہتمام :

یہ بھی فرمایا کہ "میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد سے اب تک دینیات کی کسی کتاب کا مطالعہ بے وضو نہیں کیا"۔ سبحان اللہ کہنے کو تو یہ بات بہت چھوٹی سی نظر آتی ہے لیکن اس پر استقامت اور دوام ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ یہ وہی کر سکتا ہے جسے حق تعالیٰ نے ایسے کاموں کے لئے موفق اور میسر کر دیا ہے اور وہ گویا بنایا ہی اس لئے گیا ہے کہ اس سے دینی آداب کے عملی نمونے پیش کرائے جائیں۔ کُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَه۔

ہر کسے را بہر کارے ساختند   میل او را در دلش انداختند

کسی غیر محرم عورت پر نظر نہ پڑ جائے :

حضرت شاہ صاحبؒ کے تصوف کا تذکرہ کرتے کرتے ہم بہت دور نکل آئے۔ تصوف و سلوک کا ثمرہ بھی تو یہی ہے کہ انسان میں اساتذہ کا احترام، کتابوں کا احترام، طلباء پر شفقت، تقویٰ و پرہیزگاری، تواضع و عبدیت کے آثار ظاہر ہوں اور اخلاقی رذائل غیبت، بدگوئی، چغلی، بدنظری سے انسان محفوظ ہو جائے۔ حضرت شاہ صاحب بھی تمام اخلاقی رذائل سے محفوظ تھے۔

مشہور عارف باللہ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری جنہوں نے دتی کے قیام کے زمانہ میں آپ سے میبذی، ملاحسن اور ترمذی پڑھیں۔ فرماتے ہیں۔ حضرت

صاحب مہینوں مسجد سے باہر نہ نکلتے تھے اور کبھی ضرورت کے لئے باہر نکلنا ہوتا تو چہرہ پر رومال اس طرح ڈال لیتے کہ سوائے راستہ کے گرد و پیش کی کوئی چیز نظر نہ آتی، یہ اہتمام اس لئے تھا کہ کسی غیر محرم عورت پر نظر نہ پڑ جائے۔ (نقش دوام ص ۸۷)

جب پہلی مرتبہ اتفاقاً غیر محرم خاتون پر نظر پڑی :

حضرت مولانا انظر شاہ فرماتے ہیں۔ میں نے اپنی والدہ سے سنا ہے کہ شادی کے بعد حضرت والد کا قیام دار العلوم کے ایک کمرہ میں تھا اور والدہ مولانا محمد طیب صاحب کے رہائشی مکان سے ملحق ایک مکان میں جو مہتمم صاحب کی ملکیت تھا، قیام فرماتیں۔ شاہ صاحبؒ مکان پر تشریف لاتے تو دستور یہ تھا کہ دستک دیتے اور اجازت کے بعد اندر تشریف لاتے۔ اتفاقاً ایک روز مہتمم صاحب کی والدہ ہمارے گھر میں تشریف رکھتی تھیں۔ حضرت شاہ صاحب تشریف لائے اور زنان خانے میں آنے کی اجازت چاہی۔ والدہ کو سہو ہوا اور اجنبیہ کا خیال دل سے نکل گیا۔ اندر آنے کی اجازت دی۔ شاہ صاحبؒ نے جونہی زنان خانے میں قدم رکھا تو اجنبیہ پر نظر پڑنے کے ساتھ ہی استغفار پڑھتے ہوئے اُلٹے پاؤں باہر لوٹ گئے۔

اس اتفاقی حادثہ کی تکلیف جو کچھ آپ کو ہوئی، وہ ایک مدت کے لئے والدہ مرحومہ سے ناراضگی کی شکل اختیار کر گئی۔ اپنے سبق میں طلباء کے سامنے غمگین لہجے میں فرمایا: بھائی! بالغ ہونے کے بعد کل بلا ارادہ مولانا طیب صاحب کی والدہ پر نظر پڑ گئی، جس کی تکلیف سوہانِ روح کی طرح محسوس کرتا ہوں۔

حرام کسب کا پان بھی گوارا نہ ہو سکا :

حضرت شاہ صاحبؒ کے نامور شاگرد مولانا بدر عالم میرٹھی کا بیان ہے :

ایک بار آپ دیو بند سے سفر فرما رہے تھے اور رفیق سفر کی حیثیت سے میں آپ کے ساتھ تھا۔ ریل کے جس ڈبہ میں سوار ہوئے اس میں دو خوش پوشاک و خوش رو عورتیں بھی تھیں۔ حضرت شاہ صاحب جب گاڑی میں تشریف رکھتے تو اپنے منور چہرہ کی وجہ سے مرکز نگاہ بن جاتے۔ یہ عورتیں برابر آپ کو دیکھتی رہیں اور آپ حسب دستور کتاب کے مطالعہ میں مستغرق رہے۔ دونوں عورتوں کے ساتھ ایک بڑا پان دان تھا، انہوں نے پان لگایا اور طشتری میں رکھ کر مجھے دیا کہ ان بزرگوں کیلئے پیش کردوں۔ دونوں کا اصرار اتنا تھا کہ ان سے پان لینے اور شاہ صاحب کو پیش کرنے کے سوا میرے لئے کوئی چارہ کار نہیں رہا میں نے طشتری آپ کے سامنے رکھ دی، استغراق مطالعہ میں آپ نے بھی بے تکلف پان منہ میں رکھ لیا ابھی چند منٹ بھی نہ گذرے تھے کہ آپ پر امتلا کی کیفیت طاری ہوگئی اور مسلسل متلی شروع ہوگئی۔ پہلے تو مجھے خیال ہوا کہ غالباً تمبا کو مقدار سے بڑھ گیا، جس سے امتلا کی شدت ہے۔ دوسرا پان کھول کر دیکھا تو تمبا کو کی مقدار آپ کی معمولاً مقدار سے بھی کم تھی، پھر شبہ ہوا کہ کوئی تے آور چیز تو پان میں نہیں دی گئی، لیکن موجود دوسرے پان کو خوب دیکھنے کے بعد یہ بدگمانی بھی جاتی رہی۔ میرٹھ کے اسٹیشن پر معلوم ہوا کہ دونوں عورتوں کا تعلق طوائفوں سے تھا۔ اب معلوم ہوا کہ اس پاکیزہ باطن انسان کا دل حرام کسب کے پان کو بھی گوارا کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اللہ اکبر مردانِ خدا کے ساتھ خدائے حفیظ و حافظ کا یہ حفاظتی معاملہ۔ (نقش دوام ص ۸۰)

مزاج کی یہ لطافت، باطن کی پاکیزگی، اللہ کی طرف سے حفاظت اور سلامتی فکر کے باوجود پیری مریدی اور سلوک وتصوف بطور مستقل شغل کے شاہ صاحبؒ کے یہاں نہیں تھی۔ اگر کوئی شخص تعویذ مانگتا تو حتی الوسع اجتناب کرتے۔ اعمال و اشغال میں آپ کسی خاص طریقہ سلوک کے پابند نہ تھے۔

حفاظتِ مال کا تعویذ :

ایک دفعہ فرمایا :

حافظ ابوزرعہ رازی نے فرمایا کہ جرجان میں آگ لگنے سے ہزارہا گھر جل گئے، اور قرآن بھی جلے۔ لیکن یہ آیات نہ جلیں ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ. (یٰس:۳۸) و عَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ. (ابراہیم:۱۱) وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰہَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ. (ابراہیم:۴۲) وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا. (النحل:۱۸) وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ. (بنی اسرائیل:۲۳) تَنْزِیْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰی. (طٰہٰ:۴) لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَھُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی. (طٰہٰ:۶) یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ. (الشعراء:۸۸،۸۹) وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ کَرْھًا، قَالَتَآ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ. (حٰم السجدہ:۱۱) وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ. (الذاریات:۵۶) مَآ اُرِیْدُ مِنْھُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّ مَآ اُرِیْدُ اَنْ یُّطْعِمُوْنِ. (الذاریات:۵۷) اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّۃِ الْمَتِیْنُ. (الذاریات:۵۸) و فِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ. (الذاریات:۲۲) فَوَ رَبِّ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اِنَّہٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّکُمْ تَنْطِقُوْنَ۔ (الذاریات:۲۳)

فرمایا یہ تجربہ ہے کہ آیات مذکورہ لکھ کر کسی برتن میں بند کر کے دوکان یا سامان میں رکھنا حفاظت کے لئے مجرب ہے۔

فرمایا کہ ایک آدمی یا کئی آدمی مل کر ہر سورت کی آخری آیت پڑھ کر پانی پر دم کریں تو لاعلاج مرض کے لئے مفید ہے۔

کیڑے سے حفاظت کا تعویذ :

فرمایا: اگر کوئی درج ذیل اسماء کو کاغذ پر لکھ کر چھت سے تعویذ باندھ دے تو چھت کی لکڑی کو کیڑا نہیں لگتا۔

فقہاء سبعہ مدینہ :

فرمایا: فقہائے سبعہ مدینہ ان کے نام مبارک یہ ہیں..........

الا کل من لا یقتدی بائمۃ ! فقسمتہ ضیزی عن الحق خارجۃ
فخذھم عبید اللہ و عروۃ وقاسم سعید وابوبکر سلیمان و خارجۃ

(انوار انوری ص ۸۰)

حضرت شاہ صاحبؒ کے چھوٹے بھائی جناب حضرت مولانا سید سلیمان شاہ صاحبؒ راوی ہیں کہ ایک کشمیری جو کہ باولا تھا۔ حضرت شاہ صاحب کا ایک جگہ کشمیر میں وعظ ہو رہا تھا، وہ گڑبڑ کرتا ہوا دوڑ کر حضرت کی طرف آیا۔ حضرت شاہ صاحب نے ایک تھپڑ مارا، اس کی حالت درست ہوگئی۔ فوراً صحت یاب ہوگیا۔ اس کے بعد کبھی بھی دیوانوں والی حرکت نہیں کی۔ (انوار انوری ص ۳)

حضرت شاہ صاحبؒ کا قلب وقالب اور ظاہر و باطن تصوف کے نور سے منور تھا۔ آپ کے قلب مبارک میں معرفت ومحبتِ الٰہیہ کا بحر موجزن تھا۔ ایک ایک لفظ سے معرفت کے سوتے اُبلتے تھے۔ غفلت کا غبار دھلتا ہوا محسوس ہوتا تھا اور مردہ دلوں میں محبت الٰہی کا جذبہ پیدا ہوتا تھا۔ آپ باطنی حالات ومکاشفات میں بڑے بلند رتبہ کے حامل تھے.....

کتنے نغمے ہیں کہ پردوں میں چھپا رکھے ہیں
آپ چھیڑیں تو یہ ساز دل ناساز کبھی

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باب : ۹

عشقِ رسول ﷺ

اور

قادیانیت کا تعاقب

ہر وہ شخص جس کو اللہ نے ایمان اور عقل وفہم کی دولت نصیب فرمائی ہے، وہ یقین کے ساتھ جانتا ہے کہ عشق رسول ﷺ ایمان کی روح اور بنیاد ہے ......

محمد کی محبت دینِ حق کی شرط اوّل ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

ربّ ذوالجلال نے ہر مسلمان پر محمد عربی ﷺ کی محبت اس کے تمام خویش و اقارب، اعزہ واحباب سے زیادہ لازم کی ہے۔ ارشاد ربانی ہے: میرے حبیب! فرما دیجئے اے لوگو! تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہاری عورتیں، تمہارا کنبہ، تمہاری کمائی کے مال، تمہاری تجارت، جس کے نقصان کا تمہیں ڈر رہتا ہے اور تمہاری پسند کے مکان ان میں سے کوئی چیز بھی اگر تمہیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے تو انتظار کرو کہ اللہ اپنا عذاب اُتارے اور اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (توبہ)

انس بن مالک انصاریؓ فرماتے ہیں کہ محمد عربی ﷺ نے فرمایا:

تم میں کوئی مؤمن نہ ہوگا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے ماں باپ، اولاد اور سب آدمیوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ اس مضمون کی متعدد آیات واحادیث موجود ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان ونجات کا دارومدار محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت پر ہے۔ محبت ایسی چیز ہے جو ظاہر میں بھی نظر آتی ہے اور دل میں بھی موجزن رہتی ہے......

نگاہوں سے ٹپکتی ہے اداؤں سے برستی ہے
محبت کون کہتا ہے کہ پہچانی نہیں جاتی

ذکرِ محبوب ﷺ :

نبی ﷺ کی محبت کی علامات میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ محبِ مخلص اور نبی ﷺ کا عاشق زار اکثر محبوب دو عالم ﷺ کا تذکرہ کر کے اپنے دل میں عشق کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کا سامان کرتا ہے۔ حدیث میں ہے، جس کو جس چیز سے محبت ہوتی ہے، وہ اکثر اس کا ذکر کرتا ہے۔

روضۂ رسول ﷺ پر حاضری :

محدثِ کبیر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری صاحبؒ بھی رسول اللہ ﷺ کے عاشق اور سچے محب تھے۔ جب یکم محرم الحرام ۱۳۲۳ھ کو آپ روضۂ رسول پر عرض سلام کے لئے حاضر ہوئے تو نہایت رقت آمیز انداز میں بارگاہِ محمدی میں درج ذیل اشعار کا نذرانہ پیش کیا ۔۔۔۔۔۔۔

اے صبا عالم رساں نزد رسول
گرچہ از تر دامنی خستم ولے
چوں گدا ہستم ندارم از درم
چوں رسیدی انور ابر کوئے او

اذ مالی نحو مولیٰ قد باؤل
علیٰ ان اروی اذا ھبّت قبول
الله لاینھر الوجه سؤل
انک الآتی بخیر فی القفول

سوز درون و عشق رسول ﷺ :

محدثِ کبیر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کی علمی زندگی سراپا معمورۂ عشق رسول تھی۔ عشق رسول ان کی زندگی کی سب سے قیمتی متاع عزیز تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب

قادیانیت نے اپنے پر پرزے نکالنے شروع کیے تو حضرت شاہ صاحب کے دن کا چین اور رات کی نیند اڑ گئی، کیونکہ سوز درون عشق رسول ﷺ کے راستے کی خشت اول ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، حضرت شاہ صاحبؒ سے شرف تلمذ رکھتے ہیں، وہ اپنا واقعہ اپنے قلم سے لکھتے ہوئے فرماتے ہیں :

قادیانیت کا ارتداد اور کفر کا سیلاب اُمڈتا چلا آرہا ہے :

میں حسب عادت ایک روز استاذ محترم حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کی دائمی عادت کے خلاف یہ دیکھا کہ ان کے سامنے کوئی کتاب زیر مطالعہ نہیں، خالی بیٹھے ہوئے ہیں اور چہرے پر فکر کے آثار نمایاں ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ کیسا مزاج ہے؟ فرمایا کہ بھائی مزاج کو کیا پوچھتے ہو' قادیانیت کا ارتداد اور کفر کا سیلاب اُمڈتا چلا آتا ہے۔ صرف ہندوستان میں نہیں عراق و بغداد میں ان کا فتنہ سخت ہوتا جاتا ہے اور ہمارے علماء و عوام کو اس طرف توجہ نہیں۔ ہم نے اس کے مقابلہ کے لئے جمعیۃ علماء ہند میں یہ تجویز پاس کرائی تھی کہ دس رسالے مختلف موضوعات متعلقہ قادیانیت پر عربی زبان میں لکھے جائیں اور ان کو طبع کرا کر بلادِ اسلامیہ میں بھیجا جائے، مگر اب کوئی کام کرنے والا نہیں ملتا اس کام کی اہمیت لوگوں کے خیال میں نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ اپنی استعداد پر تو بھروسہ نہیں لیکن حکم ہو تو کچھ لکھ کر پیش کروں۔ ملاحظہ کے بعد کچھ مفید معلوم ہو تو شائع کیا جائے، ورنہ بے کار رہنا تو ظاہر ہی ہے۔

هدية المهديين کی طباعت :

ارشاد ہوا کہ مسئلہ ختم نبوت پر لکھو۔ احقر نے استاذ محترم کی تعمیل ارشاد کو سرمایۂ سعادت سمجھ کر چند روز میں تقریباً ایک سو صفحات کا ایک رسالہ عربی زبان میں لکھ کر آپ کی

خدمت میں پیش کیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ رسالہ دیکھتے جاتے تھے اور بار بار دعائیہ کلمات زبان پر تھے۔ مجھے کوئی تصور نہ تھا کہ اس ناچیز خدمت کی اتنی قدر افزائی کی جائے گی، پھر خود ہی حضرت نے اس رسالہ کا نام "ھدیۃ المھدیین فی آیۃ خاتم النبیین" تجویز فرما کر اس کے آخر میں ایک صفحہ بطور تقریظ تحریر فرمایا اور اپنے اہتمام سے اس کو طبع کرایا۔ مصر، شام، عراق مختلف مقامات پر اس کے نسخے روانہ کئے۔

قادیان میں اعلانِ حق اور ردِّ مرزائیت :

اسی زمانہ میں حضرت شاہ صاحبؒ کے ایماء پر امرتسر و پٹیالہ ولدھیانہ کے چند علماء نے یہ تجویز کیا کہ اس فتنہ کے استیصال کے لئے خاص قادیان میں ایک تبلیغی جلسہ سالانہ منعقد کیا جائے تاکہ "قضیۂ زمین برسرِ زمین" طے ہو سکے۔ یہ عوام کو فریب میں ڈالنے والے مناظرے اور مباہلے کے چیلنج جو اکثر اس فرقہ کی طرف سے چھپتے رہتے ہیں، ان کی حقیقت لوگوں پر واضح ہو جائے۔ چنانچہ چند سال مسلسل یہ جلسے قادیان میں ہوتے تھے اور حضرتؒ اکثر بذاتِ خود ایک جماعت علماءِ دیوبند کے ساتھ اس میں شرکت فرماتے تھے۔ احقر ناکارہ بھی اکثر ان میں حاضر رہا ہے۔

شاہ صاحبؒ کو قتل کی دھمکیاں :

قادیانی گروہ نے اپنے آقاؤں (انگریزوں) کے ذریعہ ہر طرح اس کی کوشش کی کہ یہ جلسے قادیان میں نہ ہو سکیں لیکن کوئی قانونی وجہ نہ تھی جس سے جلسے روک دیئے جاویں کیونکہ ان جلسوں میں عالمانہ بیانات تہذیب و متانت کے ساتھ ہوتے اور کسی نقضِ امن کے خطرہ کو موقع نہ دیتے تھے۔ جب قادیانی گروہ اس میں کامیاب نہ ہوا تو خود تشدد پر اتر آیا۔ حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ اور ان کے رفقاء کو قادیان جانے سے پہلے اکثر ایسے

خطوط گمنام ملا کرتے تھے کہ اگر قادیان میں قدم رکھا تو زندہ واپس نہ جا سکو گے اور یہ صرف دھمکی ہی نہ تھی، بلکہ عملاً بھی اکثر اس قسم کی حرکتیں ہوتی تھیں کہ باہر سے جانے والے علماء و مسلمانوں پر حملے کئے جاتے تھے، ایک مرتبہ آگ بھی لگائی گئی۔

لیکن حق کا چراغ کبھی پھونکوں سے بجھایا نہیں گیا۔ اس وقت بھی ان کے اخلاق سوز حملے مسلمانوں کو ان جلسوں سے نہ روک سکے۔

تردیدِ مرزائیت میں تصانیف کا سلسلہ :

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ہم چند خدام جلسۂ قادیان میں حضرت شاہ صاحب کے ساتھ حاضر تھے۔ صبح کی نماز کے بعد حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ نے اپنے مخصوص تلامذہ حاضرین کو خطاب کر کے فرمایا کہ "زمانہ کو الحاد کے فتنوں نے گھیر لیا اور قادیانی دجال کا فتنہ ان سب میں زیادہ شدت اختیار کرتا جاتا ہے۔ اب ہمیں افسوس ہوتا ہے کہ ہم نے اپنی عمرِ توانائی کا بڑا حصہ اور درسِ حدیث کا اہم موضوع حنفیت و شافعیت کو بنائے رکھا۔ ملحدین زمانہ کے وساوس کی طرف توجہ نہ دی، حالانکہ ان کا فتنہ مسئلہ حنفیت و شافعیت سے کہیں زیادہ اہم تھا۔ اب قادیانی فتنہ کی شدت نے ہمیں اس طرف متوجہ کیا تو میں نے اس کے متعلقہ مسائل کا کچھ مواد جمع کیا ہے، اگر اس کو میں خود تصنیف کی صورت سے مدوّن کروں تو میرا طرز ایک خالص علمی اصطلاحی رنگ کا ہے اور زمانہ قحط الرجال کا ہے۔ اس قسم کی تحریر کو نہ صرف یہ کہ پسند نہیں کیا جاتا بلکہ اس کا فائدہ بھی بہت محدود رہ جاتا ہے۔ میں نے مسئلہ "**قراۃ فاتحۃ خلف الامام**" پر ایک جامع رسالہ "**فصل الخطاب**" بزبانِ عربی تحریر کیا۔ اہلِ علم اور طلباء میں عموماً مفت تقسیم کیا لیکن اکثر لوگوں کو یہی شکایت کرتے سُنا کہ پوری طرح سمجھ میں نہیں آتا۔ اس لئے اگر آپ لوگ کچھ ہمت کریں تو یہ مواد میں آپ کو دیدوں۔ اس وقت حاضرین میں چار آدمی تھے۔ احقر ناکارہ اور حضرت مولانا سید مرتضیٰ

حسن صاحبؒ سابق ناظم شعبہ تعلیم وتبلیغ دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا بدر عالم صاحب سابق مدرس دارالعلوم دیوبند و جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سورت و دارالعلوم ٹنڈو الہیار سندھ و حال مہاجر مدینہ طیبہ اور حضرت مولانا محمد ادریس صاحب سابق مدرس دارالعلوم دیوبند و شیخ الجامعہ بہاولپور و حال شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور ادام اللہ تعالیٰ فیوضہم۔ ہم چاروں نے عرض کیا کہ جو حکم ہو ہم امتثال امر کو سعادت کبریٰ سمجھتے ہیں۔

فتنۂ قادیانیت کے استیصال کے لئے عملی کام:

اسی وقت فرمایا کہ اس فتنہ کے استیصال کے لئے عملی طور پر تین کام کرنے ہیں۔

اول مسئلہ ختم نبوت پر ایک محققانہ مکمل تصنیف جس میں مرزائیوں کے شبہات واوہام کا ازالہ بھی ہو۔

دوسرے حیات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مسئلہ کی مکمل تحقیق قرآن وحدیث اور آثار سلف سے مع ازالہ شبہات ملحدین۔

تیسرے خود مرزا کی زندگی، اس کے گرے ہوئے اخلاق اور متعارض و متہافت اقوال اور انبیاء و اولیاء و علماء کی شان میں اس کی گستاخیاں اور گندی گالیاں اس کا دعویٰ نبوت و وحی اور متضاد قسم کے دعوے۔ ان سب چیزوں کو نہایت احتیاط کے ساتھ اس کی کتابوں سے مع حوالہ جمع کرنا جس سے مسلمانوں کو اس فرقہ کی حقیقت معلوم ہو اور اصل یہ ہے کہ اس فتنہ کی مدافعت کے لئے یہی چیز اہم اور کافی ہے، مگر چونکہ مرزائیوں نے مسلمانوں کو فریب میں ڈالنے کے لئے خواہ مخواہ کچھ علمی مسائل میں عوام کو الجھا دیا ہے، اس لئے ان سے بھی اغماض نہیں کیا جا سکتا۔ پھر فرمایا کہ مسئلہ ختم نبوت کے متعلق تو یہ صاحب (احقر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا) ایک جامع رسالہ عربی زبان میں لکھ چکے ہیں اور اردو میں لکھ رہے ہیں اور آخر الذکر معاملہ کے متعلق مواد فراہم کر کے مدون کرنے کا سب سے

بہتر کام حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کر سکیں گے کہ اس معاملہ میں ان کی معلومات بھی کافی ہیں اور مرزائی کتابوں کا پورا ذخیرہ بھی ان کے پاس ہے، وہ اس کام کو اپنے ذمہ لے کر جلد سے جلد پورا کریں۔

مسئلہ رفع وحیات عیسیٰؑ:

اب مسئلہ رفع وحیات عیسیٰ علیہ السلام رہ جاتا ہے۔ اس کے متعلق میرے پاس کافی مواد جمع ہے۔ آپ تینوں صاحب دیوبند پہنچ کر مجھ سے لے لیں اور اپنے اپنے طرز پر لکھیں۔

یہ مجلس ختم ہوگئی مگر حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے قلبی تاثرات اپنا ایک گہرا نقش ہمارے دلوں پر چھوڑ گئے۔ دیوبند واپس آتے ہی ہم تینوں حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسئلہ حیات عیسیٰؑ سے متعلقہ مواد حاصل کیا۔

حضرت مولانا بدر عالم صاحب دامت برکاتہم نے آیت انی متوفیک و رافعک الیّ کی تفسیر سے متعلقہ مواد لے کر اس پر ایک مستقل رسالہ اردو میں بنام الجواب الفصیح لمنکر حیات المسیح تحریر فرمایا جو علمی رنگ میں لاجواب سمجھا گیا اور حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے پسند فرما کر اس پر تقریظ تحریر فرمائی۔ یہ رسالہ ۱۳۴۲ھ میں شعبہ تبلیغ دارالعلوم دیوبند سے شائع ہوا۔

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب دامت فیوضہم نے اپنے مخصوص انداز میں اسی مسئلہ پر اردو زبان میں ایک جامع اور محققانہ رسالہ بنام کلمة الله فی حیوة روح الله تصنیف فرما کر حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرتؒ نے بے حد پسند فرما کر تقریظ تحریر فرمائی اور ۱۳۴۲ھ میں دارالعلوم دیوبند سے شائع ہو کر مقبول و مفید خلائق ہوا۔

احقر ناکارہ کے متعلق یہ خدمت کی گئی کہ جتنی مستند ومعتبر روایات حدیث حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات یا نزول فی آخر الزمان کے متعلق وارد ہوئی ہیں، ان سب کو ایک رسالہ میں جمع کردے۔ احقر نے تعمیل حکم کے لئے رسالہ التصریح بما تواتر فی نزول المسیح بزبان عربی لکھا اور حضرت شاہ صاحبؒ کی بے حد پسندیدگی کے بعد اس سال شائع ہوا۔

ختم نبوت پر مستقل کتاب :

اس کے بعد حسب ارشاد مسئلہ ختم نبوت پر ایک مستقل کتاب اردو زبان میں تین حصوں میں لکھی :

پہلا حصہ ختم النبوۃ فی القرآن جس میں ایک سو آیاتِ قرآنی سے اس مسئلہ کا مکمل ثبوت اور ملحدوں کے شبہات کا جواب لکھا گیا ہے۔

دوسرا ختم النبوۃ فی الحدیث جس میں دو سو دس احادیث معتبرہ سے اس مضمون کا ثبوت اور منکرین کا جواب پیش کیا گیا ہے۔

تیسرا ختم النبوۃ فی الآثار جس میں سینکڑوں اقوال صحابہ وتابعین اور ائمہ دین اس کے ثبوت اور منکرین اور ان کی تاویلات باطلہ پر رد کے متعلق نہایت صاف وصریح نقل کئے گئے ہیں۔ یہ تینوں رسالے پہلی مرتبہ ۱۳۴۳ھ سے ۱۳۴۵ھ تک شائع ہوئے۔ اسی کے ساتھ مختصر رسالہ دعاوی مرزا اور مسیح موعود کی پہچان اردو زبان میں احقر نے لکھ کر پیش کئے۔ ان رسائل کا جو کچھ نفع مسلمانوں کی اصلاح وہدایت اور ملحدین منکرین پر اتمام حجت کے سلسلہ میں ہوا یا ہوگا، اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے مجھے تو اپنی محنت کا نقد صلہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کی مسرت وخوشنودی اور بے شمار دعاؤں سے اسی وقت مل گیا اور جوں جوں ان رسائل کی اشاعت سے مسلمانوں کی ہدایت بلکہ بہت سے قادیانی خاندانوں کی توبہ ورجوع الی الاسلام

کے متعلق حضرت کو معلوم ہوئے، اسی طرح اظہار مسرت اور دعا کے انعامات ملتے رہے۔

مولانا مرتضیٰ حسن کی تصانیف :

مخدومنا حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحبؒ جو عمر اور طبقہ کے اعتبار سے حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ سے مقدم تھے لیکن حضرت شاہ صاحبؒ کے محیر العقول علم کے بے حد معتقد اور آپ کے ساتھ معاملہ بزرگوں کا سا کرتے تھے، جو خدمت اس سلسلہ کی ان کے سپرد فرمائی تھی۔ اس کو آپ نے بڑی سعی بلیغ کے ساتھ انجام دینا شروع کیا اور مرزا قادیانی کی پوری زندگی، اس کے اخلاق واعمال اور عقائد وخیالات، دعویٰ نبوت ورسالت اور تکفیر عام اہل اسلام، گستاخی درشان انبیاء واولیا کو مرزا کی اپنی کتابوں سے بحوالہ صفحہ سطر نہایت انصاف اور احتیاط کے ساتھ نقل کرکے بہت سے رسائل تصنیف فرمائے اور حضرت شاہ صاحب قدس اللہ سرہٗ کے سامنے پیش فرما کر ان کی مراد پوری فرمائی۔ ان رسائل میں سے چند کے نام حسب ذیل ہیں :

قادیان میں قیامت خیز بھونچال' اشد العذاب علی مسیلمۃ البنجاب' فتح قادیان' مرزائیوں کی تمام جماعتوں کو چیلنج' مرزائیت کا خاتمہ' مرزائیت کا جنازہ بے گور وکفن' ہندوستان کے تمام مرزائیوں کو چیلنج' مرزا اور مرزائیوں کو دربار نبوت سے چیلنج۔ یہ سب رسائل ۱۳۴۲ھ سے ۱۳۴۴ھ تک شائع ہوئے۔

تاریخی مناظرہ :

اسی زمانہ میں چھاؤنی فیروز پور پنجاب میں قادیانیوں کا ایک خاصہ جتھہ جمع ہوگیا تھا۔ یہ لوگ وہاں کے مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ کرتے رہتے تھے اور اپنے دستور کے موافق عوام مسلمانوں کو مناظرہ ومباحثہ کا یہ چیلنج کیا کرتے اور جب کسی عالم سے مقابلہ کی نوبت آتی

تو راہ گریز اختیار کرتے۔ اسی زمانہ میں ضلع سہارنپور کے رہنے والے کچھ مسلمان جو فیروز پور میں بسلسلۂ ملازمت مقیم تھے، ان لوگوں نے روز روز کی جھک جھک کو ختم کرنے کے لئے خود قادیانیوں کو دعوت مناظرہ دیدی۔

قادیانیوں نے سادہ لوح عوام سے معاملہ دیکھ کر بڑی دلیری اور چالاکی کے ساتھ دعوت مناظرہ قبول کر کے بجائے اس کے کہ مناظرہ کرنے والے علماء سے شرائط مناظرہ طے کرتے، انہیں عوام سے ایسی شرائط مناظرہ پر دستخط لے لئے جن کی رو سے فتح بہر حال قادیانی گروہ کی ہو اور اہل اسلام کو مقررہ شرائط کی پابندی کی وجہ سے ہر قدم پر مشکلات درپیش ہوں۔ ان عوام مسلمین نے مناظرہ اور شرائط مناظرہ طے کرنے کے بعد دارالعلوم دیوبند سے چند علماء کو دعوت دی جو قادیانیوں سے مناظرہ کریں۔

مہتمم دارالعلوم حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحبؒ اور حضرت شاہ صاحبؒ کے مشورہ سے اس کام کے لئے حضرت مولانا سید مرتضی حسن صاحبؒ، حضرت مولانا بدر عالم صاحب، حضرت مولانا محمد ادریس صاحب اور احقر تجویز ہوئے۔ ادھر قادیانیوں نے یہ دیکھ کر کہ ہم نے اپنی من مانی شرائط میں مسلم مناظرین کو جکڑ لیا ہے، اپنی قوت محسوس کی اور قادیان کی پوری طاقت فیروز پور میں لا ڈالی۔ ان کے سب سے بڑے عالم اس وقت سرور شاہ کشمیری اور سب سے بڑے مناظر حافظ روشن علی اور عبد الرحمن مصری وغیرہ تھے۔ یہ سب اس مناظرہ کے لئے فیروز پور پہنچ گئے۔

شاہ صاحب کو مناظرے کی اطلاع :

ہم چار افراد حسب الحکم دیوبند سے فیروز پور پہنچے تو یہاں پہنچ کر چھپا ہوا پروگرام مناظرہ اور شرائط مناظرہ کا نظر سے گذرا۔ شرائط مناظرہ پر نظر ڈالی تو معلوم ہوا کہ ان میں ہر حیثیت سے قادیانی گروہ کے لئے آسانیاں اور اہل اسلام کے لئے ہر طرح کی بے جا

پابندیاں عوام نے اپنی ناواقفیت کی بناء پر تسلیم کی ہوئی ہیں۔ اب ہمارے لئے دو ہی راستے تھے کہ یا ان مسلم فریقین شرائط مناظرہ کے ماتحت مناظرہ کریں جو ہر حیثیت سے ہمارے لئے مضر تھیں یا پھر مناظرہ سے انکار کریں کہ ہم ان شرائط کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے جو بغیر ہماری شرکت کے طے کر لی گئی ہیں، لیکن دوسری شق پر مقامی مسلمانوں کی بڑی خفت اور سبکی تھی اور قادیانیوں کو اس پروپیگنڈے کا موقع ملتا کہ علماء نے مناظرہ سے فرار کیا، اس لئے ہم نے سب سے مشورہ کر کے مناظرہ کرنے کا تو فیصلہ کر لیا اور بذریعہ تار صورت حال کی اطلاع حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کو دے دی۔

ہماری طرف سے کوئی شرط نہیں :

اگلے روز مقررہ وقت پر مناظرہ شروع ہو گیا۔ ابھی شروع ہی تھا، عین مجلس مناظرہ میں نظر پڑی کہ حضرت شاہ صاحبؒ اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحبؒ مع چند دیگر علماء کے تشریف لا رہے ہیں۔ ان کی آمد پر ہم نے کچھ دیر کے لئے مجلس مناظرہ ملتوی کی اور ان حضرات کو صورت حال بتلائی۔ حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جائیے ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ تم نے جتنی شرطیں اپنی پسند کے موافق عوام سے طے کرا لی ہیں، اتنی ہی اور لگا لو، ہماری طرف سے کوئی شرط نہیں۔ تم چوروں کی طرح عام ناواقف مسلمانوں کے دین و ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کے عادی ہو، کسی شرط اور کسی طریق پر ایک مرتبہ سامنے آ کر اپنے دلائل بیان کرو اور ہمارا جواب سنو پھر خدا کی قدرت کا تماشا دیکھو۔

حضرت امام کشمیریؒ کے ارشاد کے موافق اسی کا اعلان کر دیا گیا اور مناظرہ جاری ہوا۔ ان اکابر کو مناظرہ کے لئے پیش کرنا ہماری غیرت کے خلاف تھا۔ اس لئے پہلے دن مناظرہ مسئلہ ختم نبوت پر احقر نے کیا۔ دوسرے تیسرے دن حضرت مولانا بدر عالم اور مولانا محمد ادریس صاحب نے دوسرے مسائل پر مناظرہ کیا۔

قادیانی رسوا ہوئے :

یوں تو مناظرہ کے بعد ہر فریق اپنی اپنی کہا ہی کرتا ہے، لیکن اس مناظرہ میں چونکہ عموماً تعلیم یافتہ طبقہ شریک تھا، اس لئے کسی فریق کو دھاندلی کا موقع نہ تھا، پھر اس مناظرہ کا کیا اثر ہوا۔ اس کا جواب فیروز پور کے ہر گلی کوچہ سے دریافت کیا جا سکتا تھا کہ قادیانی گروہ کو کس قدر رسوا ہو کر وہاں سے بھاگنا پڑا۔ خود اس گروہ کے تعلیم یافتہ و سنجیدہ طبقہ نے اس کا اقرار کیا کہ قادیانی گروہ اپنے کسی دعوے کو ثابت نہیں کر سکا اور اس کے خلاف دوسرے فریق نے جو بات کہی قوی دلیل کے ساتھ کہی۔

مناظرہ کے بعد شہر میں ایک جلسۂ عام ہوا، جس میں حضرت شاہ صاحب اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہما کی تقریریں قادیانی مسئلہ کے متعلق ہوئیں یہ تقریریں فیروز پور کی تاریخ میں ایک یادگار خاص کی نوعیت رکھتی ہیں۔ بہت سے وہ لوگ جو قادیانی دجل کے شکار ہو چکے تھے، اس مناظرہ اور تقریروں کے بعد اسلام پر لوٹ آئے۔

حضرت شاہؒ صاحب کا دورۂ پنجاب :

۱۳۴۳ھ میں جب کہ حضرت شاہ صاحب قدس اللہ سرہ کی کوشش سے بذریعہ تصنیف و تحریر قادیانی دجل و فریب کا پردہ پوری طرح چاک کر دیا گیا اور قادیانیت سے متعلق ہر مسئلہ پر مختلف طرز و انداز کے بیسیوں رسائل شائع ہو چکے تو آپ نے اس کی بھی ضرورت محسوس فرمائی کہ ناخواندہ عوام کا طبقہ جو زیادہ کتابیں نہیں پڑھتا اور قادیانی مبلغین چل پھر کر ان میں اپنا دجل پھیلاتے ہیں اور مناظرہ مباہلہ کے جھوٹے چیلنج ان کو دکھاتے پھرتے ہیں، ان لوگوں کی حفاظت کے لئے پنجاب کے مختلف شہروں کا ایک تبلیغی دورہ کیا جائے۔

پنجاب و سرحد کے دورہ کا پروگرام بنا۔ علماء دیوبند کی ایک جماعت ہمرکاب ہوئی اس جماعت میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اکابرین سے حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ، حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحبؒ شریک تھے اور حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا بدر عالم صاحبؒ، حضرت مولانا محمد ادریس صاحبؒ اور مولانا محمد نعیم صاحب لدھیانویؒ اور احقر بھی شامل تھے۔ یہ علم کے پہاڑ اور تقوے کے پیکر، پنجاب کے ہر بڑے شہر میں پہنچے اور مرزائیت کے متعلق اعلانِ حق کیا۔ منکرین کو رفع شبہات کی دعوت دی۔ لدھیانہ، امرتسر، گوجرانوالہ، گجرات، راولپنڈی، ایبٹ آباد، مانسہرہ ہزارہ، کہوٹہ وغیرہ میں ان حضرات کی بصیرت افروز عالمانہ تقریریں ہوئیں۔ مرزائی دجال جو آئے دن مناظرہ و مباہلہ کے چیلنج عوام کو دکھانے کے لئے پھرا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک سامنے نہ آیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس جہان میں نہیں ہیں۔

اس پورے سفر میں عام مسلمانوں نے جاء الحق و زھق الباطل کا منظر گویا آنکھوں سے دیکھ لیا۔

بہاولپور کا معرکۃ الآراء تاریخی مقدمہ :

حضرت شاہ صاحبؒ اور دیگر اکابر علماء کے بیانات

مرزائیوں کے مرتد ہونے کا فیصلہ

۱۹۲۶ء میں احمد پور شرقیہ ریاست بہاولپور کی ایک مسلمان عورت کا دعویٰ اپنے شوہر کے مرزائی ہو جانے کی وجہ سے نکاح فسخ ہونے کے متعلق بہاولپور کی عدالت میں دائر ہوا اور سات سال تک یہ مقدمہ بہاولپور کی ادنیٰ اعلیٰ عدالتوں میں دائر رہتے ہوئے آخر

میں دربار معلی بہاولپور میں پہنچا۔ ۱۹۳۳ء میں دربار معلے نے پھر عدالت میں یہ لکھ کر واپس کیا کہ ہمارے خیال میں اس مسئلہ کی پوری تحقیق و تنقیح کرنا ضروری ہے۔ دونوں فریق کو موقع دیا جائے کہ وہ اپنے اپنے مذہب کے علماء کی شہادتیں پیش کریں اور دونوں طرف کے مکمل بیانات سننے کے بعد اس مسئلہ کا کوئی آخری فیصلہ کیا جائے۔

اب مدعٰی علیہ مرزائی نے اپنی حمایت کے لئے قادیان کی طرف رجوع کیا۔ قادیان کا بیت المال اور اس کے رجال کار مقدمہ کی پیروی کے لئے وقف ہو گئے۔ ادھر مدعیہ بے چاری ایک غریب گھرانے کی لڑکی نہایت کسپمری میں وقت گذار رہی تھی۔ اس کی قدرت سے قطعاً خارج تھا کہ ملک کے مشاہر علماء کو جمع کر کے اپنی شہادت میں پیش کر سکے یا اس مقدمہ کی پیروی کر سکے۔ مگر الحمد للہ بہاولپور کے غیور مسلمانوں کی انجمن مؤید الاسلام نے زیر سرپرستی حضرت مولانا محمد حسین صاحب شیخ الجامعہ بہاولپور اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیا اور مقدمہ کی پیروی کا انتظام کیا اور ملک کے مشاہیر علماء کو خطوط لکھ کر اس مقدمہ کی پیروی اور شہادت کے لئے طلب کیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ اس وقت جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں صدر مدرسی کے فرائض انجام دے رہے تھے اور کچھ عرصہ سے علالت کے سبب رخصت پر دیوبند تشریف لائے ہوئے تھے۔ طویل علالت سے نقاہت بے حد ہو چکی تھی۔

بیماری کے باوجود بہاولپور کا سفر :

لیکن جس وقت یہ معاملہ آپ کے سامنے آیا تو مسئلہ کی نزاکت اور دینی حمیت کے قوی احساس نے آپ کو اس کے لئے مجبور کر دیا کہ اپنی صحت اور دوسری ضرورتوں کا خیال کئے بغیر وہ بہاولپور کا سفر کریں۔ آپ نے نہ صرف اپنے آپ کو شہادت کے لئے پیش فرمایا، بلکہ ملک کے دوسرے علماء کو بھی ترغیب دے کر شہادت کے لئے جمع فرمایا۔

یہ واقعہ تقریباً ۱۳۵۰ھ کا ہے، جبکہ احقر ناکارہ بحیثیت مفتی دار العلوم دیوبند فتوی

نویسی کی خدمت انجام دے رہا تھا۔

انجمن مؤید الاسلام بہاولپور کی دعوت کے علاوہ استاد محترم حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کا ایماء بھی میری حاضری کے متعلق معلوم ہوا۔ احقر نے حاضری کا قصد کر لیا۔ لیکن حضرت الاستاذ شاہ صاحب قدس سرہ کو جو خداداد شغف دینی ضرورتوں کے ساتھ تھا اور آپ کو بے چین کئے رکھتا تھا۔ اس کی وجہ سے آپ نے تاریخ مقدمہ سے کافی روز پہلے بہاولپور پہنچ کر اس کام کو پوری توجہ کے ساتھ انجام دینے کا فیصلہ فرما کر سب بیانات کے اختتام تک تقریباً بیس پچیس روز بہاولپور میں قیام فرمایا۔

ختم نبوت کا مقدمہ لڑنے کے لئے سفر حج ملتوی کر دیا :

بہاولپور کے ایک بزرگ تھے مفتی محمد صادقؒ، انہوں نے چار ورق خط لکھا حضرت کشمیریؒ کو کہ ہمارے ہاں قادیانیت کا فتنہ ہے' بچی مسلمان ہے' شوہر قادیانی ہو گیا ہے۔ کیس عدالت میں ہے اور آپ ہماری مدد کریں۔ یہ خط حضرت انور شاہ کشمیریؒ نے پڑھا تو حج کے لئے تیار تھے۔ اب ایک بندے نے حج کا ارادہ کر رکھا ہے، سامان تیار ہے، رفقاء تیار ہیں، وفد تیار ہے، خط پڑھنے کے بعد پانچ چھ منٹ خط کو دیکھا' خط بند کیا تو حاضرین سے کہنے لگے کہ آپ حج پر جائیں، میں تو حج پہ نہیں جا سکتا۔ رفقاء نے کہا کہ حضرتؒ! آپ کی رفاقت کی بناء پر تو ہم تیار ہوئے ہیں کہ آپ کے ساتھ ہمارا حج ہو جائے گا۔ ہم تو تیاری آپ کی خاطر ہوئے ہیں تھے۔ فرمانے لگے کہ بہاولپور کے ایک عالم دین کا خط آیا ہے۔ ایک مسلمان بچی کے فسخ نکاح کا مسئلہ ہے اور اس کے ساتھ ساتھ قادیانیت کے ارتداد و کفر کا مسئلہ ہے اور ختم نبوت کے اعتقاد کا مسئلہ ہے تو خط کھول کر یوں بند کرنے کے وقت میں نے زندگی کے پچھلے اعمال پر سوچا کہ اگر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن پوچھ لے کہ کونسا عمل لائے ہو، پچھلی زندگی میں کوئی عمل رکھتے ہو تو پیش کرو؟ تو سوچنے کے بعد میرے دماغ میں

کوئی ایسا عمل تازہ نہیں ہوا، جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کر سکوں۔ حج چھوڑتا ہوں میں اب واپس جاؤں گا اور بہاولپور کیس کے سلسلے میں سفر کروں گا تا کہ قیامت کے دن حضور ﷺ کے منصب ختم نبوت کے تحفظ کرنے والوں میں شمار کیا جاؤں اور سمجھا جاؤں اور اس عمل کے صدقے میں میری بخشش ہو جائے اور اس کے ساتھ فرمانے لگے کہ دل میں یہ خیال بھی آیا کہ جا تو رہا ہوں حج کے لئے اور آگے سفر کروں گا مدینہ منورہ کا تو اللہ تعالیٰ کی رضا بھی چاہیے، حضور ﷺ کی شفاعت بھی چاہیے، فرمانے لگے کہ قیامت کے دن اگر حضور ﷺ پوچھ لیں کہ ضرورت وہاں تھی، آ یہاں گیا؟ ضرورت تو تیری بہاولپور میں تھی اور تو یہاں آ گیا؟ تو میرے پاس اس کا بھی کوئی جواب نہیں ہوگا۔ میں حضور ﷺ کے مقام ختم نبوت اور منصب ختم نبوت کی حفاظت کے لئے بہاولپور جاؤں گا۔

(ماہنامہ "لولاک" ملتان جنوری ۱۹۹۹ء تقریر مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری)

ضو سے اس خورشید کی اختر میرا تابندہ ہے
چاندنی جس کے غبار راہ سے شرمندہ ہے

کمرۂ عدالت یا دیوبند کا دارالحدیث :

حضرت شاہ صاحبؒ کا پُرشوکت عالمانہ بیان جو کمرۂ عدالت میں ہوا، اس کی اصل کیفیت تو صرف انہی لوگوں کے دل سے پوچھئے، جنہوں نے یہ منظر دیکھا ہے۔ اس کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ مختصر یہ کہ اس وقت کمرۂ عدالت دارالعلوم دیوبند کا دارالحدیث نظر آتا تھا۔ عدالت اور حاضرین پر ایک سکتہ کا عالم تھا۔ علوم ربانی کے حقائق و معارف کا دریا تھا جو اُمڈا چلا جاتا تھا۔

تین روز مسلسل بیان ہوا۔ تقریباً ساٹھ صفحات پر قلم بند ہوا۔ یہ بیان اور دوسرے حضرات کے بیانات جو ایک مستقل جلد میں طبع ہوئے۔

حقیقت یہ ہے کہ نہ صرف ردِ مرزائیت کے لئے بلکہ اسلام و ایمان اور کفر و ارتداد کی پوری حقیقت کو سمجھنے کے لئے ایک نادر مجموعہ ہیں۔

اس مقدمہ میں کیا ہوا؟ اس کی پوری تفصیل تو اس منفصل فیصلہ سے معلوم ہو سکتی ہے جو عدالت کی طرف سے ۷ فروری ۱۹۳۵ء مطابق ۳ ذیقعدہ ۱۳۵۳ھ کو دیا گیا اور جو اسی وقت بزبان اردو ایک سو باون صفحات پر شائع ہو چکا تھا۔ اس کی اشاعت کا اہتمام حضرت مولانا محمد صادق صاحب استاد جامعہ عباسیہ بہاولپور حال ناظم اُمورِ مذہبیہ بہاولپور کے دست مبارک سے ہوا۔ اس مقدمہ کے پیروی علماء کے اجتماع ان کی ضروریات کا انتظام بھی مولانا موصوف ہی کے ہاتھوں انجام پایا تھا اور مولانا سے میرا پہلا تعلق اسی سلسلہ میں پیدا ہوا۔ آپ نے اس فیصلہ کے شروع میں ایک مختصر تمہید لکھی ہے۔ اس کے چند جملے نقل کر دینے سے کسی قدر حقیقت پر روشنی پڑ سکتی ہے وہ یہ ہیں :

''مدعیہ کی طرف سے شہادت کے لئے حضرت شیخ الاسلام مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ، حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحبؒ چاند پوری، حضرت مولانا محمد نجم الدین صاحبؒ پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور و مولانا محمد شفیع صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند پیش ہوئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی تشریف آوری نے تمام ہندوستان کی توجہ کے لئے جذب مقناطیسی کا کام کیا۔ اسلامی ہند میں اس مقدمہ کو غیر فانی شہرت حاصل ہوگئی۔

حضرات علمائے کرام نے اپنی اپنی شہادتوں میں علم و عرفان کے دریا بہا دیئے، اور فرقۂ ضالہ مرزائیہ کا کفر و ارتداد روز روشن کی طرح ظاہر کر دیا اور فریق مخالف کی جرح کے نہایت مسکت جواب دیئے۔ خصوصاً حضرت شاہ صاحبؒ نے ایمان' کفر' نفاق' زندقہ' ارتداد' ختم نبوت' اجماع' تواتر' متواترات کے اقسام' وحی' کشف اور الہام کی تعریفات اور ایسے اُصول و قواعد بیان فرمائے جن کے مطالعہ سے ہر ایک انسان علی وجہ البصیرت بطلان

مرزائیت کا یقین کامل حاصل کرسکتا ہے، پھر فریق ثانی کی شہادت شروع ہوئی، مقدمہ کی پیروکاری اور شہادت پر جرح کرنے اور قادیانی دجل وتزویر کو آشکارا کرنے کے لئے شہرۂ آفاق مناظر حضرت مولانا ابوالوفاء صاحب نعمانی شاہ جہانپوری تشریف لائے۔ مولانا موصوف مختار مدعیہ ہوکر تقریباً ڈیڑھ سال مقدمہ کی پیروکاری فرماتے رہے۔ فریق ثانی کی شہادت پر ایسی باطل شکن جرح فرمائی جس نے مرزائیت کی بنیادوں کو کھوکھلا اور مرزائی دجل وفریب کے تمام پردوں کو پارہ پارہ کرکے فرقہ مرزائیہ ضالہ کا ارتداد آشکار عالم کردیا۔ فریقین کی شہادت ختم ہونے کے بعد مولانا موصوف نے مقدمہ پر بحث پیش کی اور فریق ثانی کی تحریری بحث کا تحریری جواب الجواب نہایت مفصل اور جامع پیش کیا۔

امام کشمیریؒ عدالت کے کمرہ میں:

۲۵ راگست ۱۹۳۲ء کو حضرتؒ کا بیان شروع ہوا، عدالت کا کمرہ امراء و رؤساءِ ریاست اور فضلاء کی وجہ سے پُر تھا۔ عدالت کے بیرونی میدان میں دور دور تک زائرین کا اجتماع تھا۔ باوجودیکہ شاہ صاحبؒ عرصہ سے بیمار تھے اور جسم مبارک بہت ناتواں ہوچکا تھا مگر متواتر پانچ روز تک تقریباً پانچ پانچ گھنٹے یومیہ عدالت میں تشریف لاکر علم وعرفان کا دریا بہاتے رہے۔ مرزائیت کے کفر وارتداد، دجل وفریب کے تمام پہلو آفتاب نصف النہار کی طرح روشن فرمائے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے بیان ساطع البرہان میں مسئلہ نبوت اور مرزا کے ادّعاءِ نبوت ووحی ومدعی نبوت کے کفر وارتداد کے متعلق جس قدر مواد جمع ہے اور ان مسائل وحقائق کی توضیح وتفصیل کے لئے جو علمی مباحث موجود ہیں۔ شاید مرزائی نبوت کے رد میں اتنا علمی ذخیرہ کسی ضخیم کتاب میں یکجا نہیں ملے گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے بیان پر تبصرہ خاکسار کی فکر کی رسائی سے باہر ہے۔ ناظرین بہرہ اندوز ہوکر حضرت شاہ صاحبؒ

کے حق میں دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو اعلیٰ علیین میں مدارج بلند فرمادیں۔ (آمین) (انوار انوری ص: ۱۷۵تا۱۷۷ مولانا محمد انوری)

ہم سنگ سے ٹکرائیں تو شیشہ کی صدا ہیں
گل مد مقابل ہو تو شبنم کی صدا ہیں

مقدمے کا بصیرت افروز فیصلہ:

کامل دو سال کی تحقیق وتنقیح کے بعد عالی جناب ڈسٹرکٹ جج صاحب بہادر نے اس تاریخی مقدمہ کا بصیرت افروز فیصلہ ۷ر فروری ۱۹۳۵ء بحق مدعیہ سنایا۔ یہ فیصلہ اپنی جامعیت اور قوتِ استدلال کے لحاظ سے یقیناً بے نظیر وبے عدیل ہے۔

اس مقدمہ میں حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کے حکم کی بناء پر پہلا بیان اس احقر کا ہوا۔ تین روز بیان اور ایک دو روز جرح ہوکر تقریباً ساٹھ صفحات پر بیان مرتب ہوا۔ پہلا پہلا بیان تھا۔ ابھی لوگوں نے اکابر کے بیان سنے نہ تھے، سب نے بہت پسند کیا، مجھے یاد ہے کہ دورانِ بیان میں بھی اور مکان پر آنے کے بعد بھی حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ دل سے نکلی ہوئی دعاؤں کے ساتھ اپنی مسرت کا اظہار فرماتے تھے اور اس ناکارہ وآوارہ کے پاس دین ودنیا کا صرف یہی سرمایہ ہے کہ اللہ والوں کی رضا رضائے حق کی علامت ہے۔

امام کشمیریؒ کی کرامت:

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کے صاحبزادے رقمطراز ہیں:

مقدمہ بہاولپور وہ پہلا مقدمہ تھا جس میں قادیانیوں کو عدالتی سطح پر غیر مسلم قرار دیا گیا۔ چنانچہ اس مقدمے کا فیصلہ اپنے حق میں کرانے کے لئے قادیانیوں نے اپنا سارا زور

صرف کر دیا تھا۔

ادھر جب حضرت شاہ صاحبؒ کو اس کی اطلاع ہوئی کہ ایسا مقدمہ زیر سماعت ہے تو آپ نے بہ نفس نفیس وہاں تشریف لے جانے کا ارادہ فرمالیا اور اس غرض کے لئے آپ نے جو رفقاء منتخب فرمائے، ان میں حضرت والد صاحبؒ بھی شامل تھے۔ اتفاق سے ان دنوں حضرت والد صاحبؒ اپنے والد ماجد (حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب) کی علالت کی وجہ سے ذہنی طور پر مشوش اور فکر مند تھے، لیکن جب حضرت شاہ صاحب نے بہاولپور جانے کے لئے فرمایا تو تیار ہو گئے، لیکن قیامِ بہاولپور کے زمانے ہی میں اچانک والد صاحبؒ کے پاس دیوبند سے تار آیا کہ:

"آپ کے والد کی طبیعت زیادہ خراب ہے جلدی واپس آجائیں"۔

حضرت والد صاحبؒ یہ تار حضرت شاہ صاحبؒ کے پاس لے گئے۔ حضرت والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اس وقت میں سخت تردد کی حالت میں تھا۔ ایک طرف والد ماجدؒ کی صحت کی طرف سے پریشانی تھی اور اس تار کا تقاضا یہ تھا کہ ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر واپس چلا جاؤں۔

دوسری طرف ایسے اہم کام میں حضرت شاہ صاحبؒ کی رفاقت کی جو سعادت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی اسے چھوڑتے ہوئے دل کٹ رہا تھا اور خیال یہ تھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ اس تار کو دیکھ کر واپسی کی اجازت دے دیں گے، کیونکہ ہمارے اکابر عام طور سے ان باتوں میں بہت رعایت فرماتے ہیں، لیکن اس روز حضرت شاہ صاحبؒ کی کرامت ظاہر ہوئی۔ حضرتؒ نے تار کا مضمون سننے کے بعد بڑے اعتماد کے ساتھ فرمایا:

"ہم آپ کے والد صاحبؒ کے لئے دعا کریں گے' ان شاء اللہ وہ تندرست ہو جائیں گے' آپ بے فکر ہو کر یہاں اپنا کام کریں"۔

حضرت والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی زبان سے یہ جملہ سن کر میرے دل میں ٹھنڈک پڑ گئی اور ساری تشویش اور پریشانی کافور ہو گئی، پھر حضرتؒ نے خود والد صاحبؒ کے نام اس مضمون کا تار روانہ کیا کہ:

"مولوی شفیع صاحب کی یہاں ضرورت ہے میں نے انہیں روک لیا ہے، ہم سب آپ کی صحت کے لئے دعا کر رہے ہیں"۔

اور پھر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے والد صاحب کی طبیعت بھی بہتر ہو گئی"۔

(البلاغ مفتی اعظم نمبر ص ۴۹۱،۴۹۲)

فیصلہ میری قبر پر آ کر سنایا جائے:

ریاست بہاولپور میں قادیانیوں کے کفر و اسلام کا ایک مقدمہ چل رہا تھا۔ جب وہ آخری مراحل میں پہنچا تو شیخ الجامعہ حضرت مولانا محمد گھوٹوی اور حضرت مفتی صادق صاحبؒ اور تمام علماء نے استدعا کی کہ حضرت شاہ صاحبؒ کا ایک علمی بیان عدالت میں ہونا چاہئے۔ شاہ صاحبؒ ان دنوں خونی بواسیر کے سخت مریض تھے۔ ڈاکٹروں' حکیموں نے سفر سے بالکل روک دیا تھا، کمزوری بہت ہو چکی تھی، لیکن جونہی شاہ صاحبؒ کو دعوت پہنچی' آپ سفر کے لئے تیار ہو گئے۔ بہاولپور سے مفتی صادق صاحب خود انہیں لینے کے لئے دیوبند گئے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اگر قیامت کے روز حضور ﷺ نے یہ سوال کر لیا کہ میری ختم نبوت کا مقدمہ پیش تھا' تجھے طلب کیا گیا اور تو نہیں گیا تو میں کیا جواب دوں گا۔ موت تو آنی ہی ہے' اگر اسی راستہ میں آ گئی تو اس سے بہتر اور کیا ہو گا، تو حکیموں کے روکنے کے باوجود آپ تشریف لے گئے۔ جج صاحب جن کا محمد اکبر نام تھا، وہ شاہ صاحبؒ کا بہت احترام کرتا تھا۔ آپ کو عدالت میں کرسی مہیا کی گئی اور حضرت شاہ صاحبؒ کا آخری معرکۃ الآراء بیان ہوا' اور قادیانیوں کی طرف سے اس پر جرح ہوتی

رہی اور شاہ صاحبؒ جواب دیتے رہے۔ جب حضرت شاہ صاحبؒ کا بیان اور جرح ہوتی ختم ہوئی۔

غلام احمد قادیانی کو جہنم میں جلتا ہوا دکھاؤں :

تو حضرت شاہ صاحبؒ نے قادیانیوں کے بڑے مناظر جلال الدین شمس کا ہاتھ پکڑا اور بڑے جوش سے فرمایا کہ جلال الدین اگر اب بھی تمہیں قادیانی کے کفر میں شبہ ہو تو آؤ میں تمہیں اسے جہنم میں جلتا ہوا دکھاؤں، یہ سن کر اس نے جلدی سے ہاتھ چھڑا لیا اور کہنے لگا کہ اگر آپ دکھا بھی دیں تو میں کہوں کہ یہ استدراج یعنی کوئی شعبدہ ہے' حقیقت نہیں۔

ہمارے حضرات کہتے ہیں کہ وہ بد بخت تھا' اگر ہاں کر لیتا تو حضرت شاہ صاحبؒ پر اس وقت ایسی جذب کی حالت تھی کہ وہ اسے کشفاً جہنم میں جلتا ہوا دیکھ رہے تھے اور دکھا بھی سکتے تھے۔

مقدمہ کی سماعت ہو جانے کے بعد جب حضرت شاہ صاحبؒ دیو بند جانے لگے تو مولانا مفتی محمد صادقؒ اور دیگر علماء کو وصیت فرمائی کہ مقدمہ کا فیصلہ اگر تو میری زندگی میں ہو گیا تو میں سن لوں گا' اگر یہ فیصلہ میری وفات کے بعد ہو تو میری قبر پر آ کر سنایا جائے۔ چنانچہ حضرت کی واپسی کے بعد آپ کی جلد وفات ہو گئی اور یہ فیصلہ آپؒ کی وفات کے بعد ہوا اور حضرت محمد صادق صاحبؒ حضرت شاہ صاحبؒ کی وصیت کے مطابق خصوصی طور پر دیو بند گئے اور شاہ صاحبؒ کی قبر پر کھڑے ہو کر یہ فیصلہ سنایا۔ الحمد للہ فیصلہ مسلمانوں کے حق میں ہوا تھا۔

اس واقعہ سے آپ اندازہ لگائیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ کو کتنی فکر اور کتنا لگاؤ اس مسئلہ سے تھا کہ وفات کے بعد بھی جبکہ وہ عالمِ برزخ میں چلے گئے تھے، وہاں بھی آپ کو اس کا انتظار تھا۔ یہ اس وقت کے مسلمانوں کو اس فتنہ کے استیصال کی طرف متوجہ کرنے

کی ایک صدا تھی جو شاہ صاحبؒ نے وصیت کی شکل میں بلند کی۔

(چراغِ ہدایت میں ص ۳۴، ۳۵، از مولانا محمد چراغ' تقریظ مولانا منظور احمد چنیوٹی)

ڈھونڈا تو بہت لیکن پایا نہ کوئی تجھ سا
اک مدت اسی کوشش میں دمساز گنوائی ہے

امام کشمیریؒ کے ایک خادم کا اعلان :

سنا تھا کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ یہ شنید اس وقت دید میں بدل گئی، جب قادیانیوں کے جشنِ صد سالہ کی رٹ جسٹس خلیل الرحمٰن خان کی عدالت میں زیرِ سماعت تھی۔ اس عدالت میں بھی عدالتِ بہاولپور کی تاریخ دہرائی گئی' جس طرح وہاں مرزائیوں کا وکیل جلال الدین شمس' محدث العصر سید انور شاہ کشمیریؒ کے روبرو خائب و خاسر ہو کر فرار ہوا تھا' اسی طرح اس عدالت میں مرزائیوں کا وکیل مجیب الرحمٰن' مجاہد ختم نبوت جناب رشید مرتضیٰ قریشی صاحب کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہوا۔ دورانِ سماعت ایک دن یوں ہوا کہ جب بحث طول پکڑ گئی تو جناب رشید مرتضیٰ قریشی عدالت میں کھڑے ہوئے اور پر جلال انداز میں فرمایا کہ جنابِ عالی ! یہ بحث آج ہی ختم ہو جاتی ہے، میں انور شاہ کشمیریؒ تو نہیں' ان کا ادنیٰ خادم ہوں' لیکن جس ذات پہ ان کا بھروسہ تھا' اسی ذات پہ بھروسہ کرتے ہوئے آج رشید مرتضیٰ قریشی اعلان کرتا ہے کہ اگر مجیب الرحمٰن میرے ہاتھوں میں ہاتھ دے تو میں اسے اسی عدالت میں مرزا قادیانی کو جہنم میں جلتے دکھا سکتا ہوں۔

یہ سننا تھا کہ عدالت میں سناٹا چھا گیا۔ رشید مرتضیٰ صاحب نے بار بار چیلنج دیا' مگر اس کا جواب نہ آنا تھا نہ آیا۔ اسلام ایک دفعہ پھر سربلند رہا اور باطل منہ کے بل گر کے رہا۔ بے شک اِنَّ الباطلَ کانَ زھوقا۔

(جنہیں ختم نبوت سے عشق تھا ص ۴۳)

فتنہ مرزائیت پر حضرت شاہ صاحبؒ کی اپنی تصانیف :

مرزائیت کے متعلق تمام ضروری مسائل پر کافی سے زائد رسائل و کتب حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے ارشاد و ایماء کی بناء پر لکھے جا چکے تھے۔ لیکن ایک مسئلہ ہنوز تشنہ باقی تھا کہ مرزائیوں کے نماز، روزہ اور تلاوت قرآن اور کلمۂ اسلام پڑھنے سے عام مسلمانوں اور خصوصاً تعلیم یافتہ طبقہ کو سخت اشتباہ تھا کہ ان چیزوں کے ہوتے ہوئے ان کو اسلام سے خارج کیسے کہا جا سکتا ہے۔ بلکہ اس معاملہ میں بعض اہل علم کو بھی یہ اشکال تھا کہ اہل قبلہ اور کلمہ گو کی تکفیر نیز جو شخص کسی تاویل کی بناء پر خلاف شرع عقیدے کا قائل ہو، اس کی تکفیر میں علمائے اہل حق نے بہت کلام کیا ہے۔ اس لئے اس مسئلہ پر حضرت الاستاذ شاہ صاحب قدس سرہ نے خود قلم اٹھایا اور ایک رسالہ بنام اکفار الملحدین و المتاولین فی شئی من ضروریات الدین جس میں اس مسئلہ کو قرآن و حدیث اور تصریحات سلف کی روشنی میں آفتاب نصف النہار کی طرح واضح فرما دیا۔

بلکہ کفر و ایمان کی مکمل حقیقت، اہل قبلہ اور کلمہ گو کی شرعی تعریف پر ایک نہایت جامع تصنیف فرما دی، جس میں اس بات کو بھی واضح کر دیا گیا کہ اگر کسی عقیدۂ کفریہ میں مطلقاً تاویل کو مانع کفر قرار دیا جائے تو دنیا میں کوئی کافر کافر نہیں رہ سکتا کیونکہ ہر کافر کچھ نہ کچھ تاویل اپنے عقیدۂ فاسدہ کی کرتا ہے۔ بلکہ فیصلہ یہ ہے کہ اسلام کے وہ احکام جو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہیں (جن کو اصطلاح فقہ و کلام میں ضروریات دین کہا جاتا ہے) جیسے ان کا انکار صریح کفر و ارتداد ہے۔ اسی طرح تاویل کر کے جمہور اُمت کے خلاف ان کے نئے معنی بتانا بھی کفر و ارتداد ہے (یہ کتاب عربی زبان میں ہے)

عقیدۃ الاسلام فی نزول عیسیٰ علیہ السلام :

ایک دوسری مستقل کتاب مسئلہ حیات و نزول عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بھی اپنے قلم سے بزبان عربی تصنیف فرمائی۔ جس کا نام "عقیدۃ الاسلام فی نزول عیسیٰ علیہ السلام" رکھا۔ یہ کتاب کہنے کو تو اسی ایک مسئلہ کی بہترین و جامع تحقیق ہے، لیکن حضرت شاہ صاحبؒ کی تقریر و تحریر کو جاننے والے جانتے ہیں کہ ایک مسئلہ کے ضمن میں کتنے علوم و معارف کے ابواب آ جاتے ہیں۔ یہ کتاب بھی اپنے موضوع کی عجیب و غریب تصنیف ہے۔

مقدمہ بہاولپور سے واپسی کے بعد مرض روز بروز شدت پکڑتا گیا، لیکن اسی حالت میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے درس حدیث کو جاری رکھا۔ تا آنکہ قویٰ نے بالکل جواب دے دیا اور آپ دیوبند تشریف لا کر گویا صاحب فراش ہو گئے اور یہی مرض مرض الموت ثابت ہوا۔ لیکن قدرت نے جو دینی خدمت کا جذبۂ بے پایاں آپ کے قلب مبارک میں ودیعت فرمایا تھا، وہ بستر مرگ پر بھی چین سے نہ لیٹنے دیتا تھا۔ افادات علمیہ اور کتب بینی کا سلسلہ اس حالت میں بھی اسی طرح جاری تھا۔

خاتمۃ التصانیف :

تا آنکہ یہ ارادہ ہوا کہ ایک مرتبہ پھر کشمیر کا سفر کیا جائے۔ وہاں اپنے اعزہ و اقارب کی ملاقات کے علاوہ پیش نظر یہ تھا کہ کشمیر میں قادیانی فتنہ پھیلا ہوا ہے۔ اب تک وہاں پہنچ کر اس کے انسداد کے متعلق کوئی کام نہیں کیا گیا۔ اس سفر کا قصد کرنے کے ساتھ یہ ضرورت محسوس فرمائی کہ کشمیر کے عوام اردو یا عربی کے رسائل تو پڑھ نہ سکیں گے۔ فارسی زبان میں مسئلہ ختم نبوت اور قادیانیت کے متعلق لکھ کر طبع کر کے وہاں ساتھ لے جائیں اور مفت تقسیم کریں۔ اس ارادہ کے ساتھ ہی خود ایک رسالہ کی تصنیف شروع فرما دی۔

تصنیف تکمیل کو نہ پہنچی تھی کہ مرض کے اشتداد نے بالکل ہی قویٰ کو معطل کر دیا تو ایک طا
علم کے ذریعہ اس ناکارۂ خلائق کے پاس پیغام بھیجا کہ میں نے کشمیری ضرورت سے
زبان میں مسئلہ ختم نبوت پر ایک رسالہ لکھنا شروع کیا تھا، مگر اب میں اس کی تکمیل
معذور ہوں تجھ سے ہو سکے تو اس کی تکمیل کر دے۔

احقر ناکارہ نے تعمیلِ ارشاد کو سعادتِ عظمیٰ سمجھ کر شروع کرنے کا ارادہ ہی کی
کہ حضرت استاذؒ کی حالت بدلنا شروع ہوئی اور یہ علم و تقویٰ کا آفتاب عالمتاب غرو
کے کنارے آلگا۔ یہاں تک کہ ۲/ ماہ صفر ۱۳۵۲ھ شب دوشنبہ اس پیکرِ علم و تقویٰ مجسمِ د
دیانت نے دین ہی کی فکر میں اپنی عمر کا آخری سانس پورا کر دیا۔ آپ کے گرد و پیش
گویا بزبانِ حال یہ سنا جاتا تھا

اگرچہ خرمنِ عمرم غمِ تو داد بباد
بخاکِ پائے عزیزت کہ عہد نہ شکستم

اب وہ کشمیری قصد اور وہاں رسالہ فارسی کی اشاعت بھی ایک خواب و خیال ہ
عرصہ کے بعد آپ کے مسودات میں سے وہ منتشر اوراق فارسی جمع کر کے مجلس علمی جا
اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت نے بنام خاتم النبیین شائع کیا اور یہی اوراق آپ کا خ
التصانیف قرار پائے۔ (حیات انور ص: ۲۶۵ تا ۲۶۹)

امامِ کشمیریؒ کا عربی قصیدہ:

حضرت کشمیریؒ نے ردِّ قادیانیت کے سلسلہ میں اس اضطراب و بے چینی کا اظ
اپنے بعض قصائد میں بھی کیا ہے۔ ایک طویل عربی قصیدہ میں جو "اکفار الملحدین
میں طبع ہوا ہے' آپ نے قادیانی فتنہ کی شدت و گہرائی کی طرف امتِ اسلامیہ کو متوجہ ف

اس قصیدہ کا زورِ بیان، قلق و اضطراب آج بھی امتِ اسلامیہ کا خون گرما دینے کی
ت رکھتا ہے

أَلَا يَا عِبَادَ اللّٰهِ قُومُوا وَقَوِّمُوا   خُطُوبًا أَلَمَّتْ مَا لَهُنَّ يَدَانِ

اے اللہ کے بندو! اٹھو اور ان فتنوں کے کس بل نکال دو' جو ہر جگہ چھا رہے
اور جن کے برداشت کرنے کی تب و تاب نہیں رہی۔

وَقَدْ كَادَ يَنْقَضُّ الْهُدٰى وَمَنَارُهُ   وَزُحْزِحَ خَيْرٌ مَا لِذَاكَ تَدَانِ

ان فتنوں کی شدت سے ہدایت کے نشانات مٹا چاہتے ہیں' خیر و صلاح سمٹ رہی
اور پھر اس کے تدارک کی کوئی صورت نہیں پڑے گی۔

بُّ رَسُولٌ مِنْ أُولِي الْعَزْمِ فِيكُمْ   تَكَادُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ تَنْفَطِرَانِ

ایک اولوالعزم رسول (سیدنا عیسیٰ علیہ السلام) کو تمہارے سامنے گالیاں دی
ی ہیں' قریب ہے کہ قہرِ الٰہی سے زمین اور آسمان پھٹ پڑیں۔

وَحَارَبَ قَوْمٌ رَبَّهُمْ وَنَبِيَّهُ   فَقُومُوا بِنَصْرِ اللّٰهِ إِذْ هُوَ دَانِ

ایک نابکار قوم (مرزائیوں) نے اپنے رب اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے
نگ چھیڑ رکھی ہے' پس اللہ کی مدد کے بھروسے اٹھو کہ وہ بہت ہی قریب ہے۔

وَقَدْ عِيلَ صَبْرِي فِي انْتِهَاكِ حُدُودِهِ   فَهَلْ ثَمَّ دَاعٍ أَوْ مُجِيبٌ أَذَانِي

حدود اللہ کو ٹوٹتے دیکھ کر صبر کا دامن میرے ہاتھ سے چھوٹ چکا ہے۔ پس کیا
ساری دنیا میں کوئی حدودِ الٰہی کے تحفظ کے لئے پکارنے والا یا میری دعوت پر لبیک کہنے
الا ہے؟

وَإِذْ هَزَّ خَطْبٌ جِئْتُ مُسْتَنْصِرًا بِكُمْ   فَهَلْ ثَمَّ غَوْثٌ يَالَلْقَوْمِ يُدَانِي

اور جب مصیبت حد برداشت سے نکل گئی تب میں نے مدد کے لئے تمہارے

دروازے پر دستک دی' پس اے قوم ! کیا کوئی فریادرس ہے جو آگے بڑھ کر میرے دکھ درد میں شریک ہو جائے؟

لعمری لقد نبھت من کان نائما — و اسمعت من کانت لہ اذنان

بخدا ! میں ان لوگوں کو جو خوابِ غفلت میں مست تھے' بیدار کر چکا ہوں اور ہر ایسے شخص کو جسے قدرت نے سننے کی صلاحیت عطا فرمائی ہے' سنا چکا ہوں۔

وناديت قوما في فريضة ربهم — فهل من نصير لي من اهل زمان

اور میں قومِ مسلم کو ان کے رب کے جانب سے عائد شدہ فریضہ کے سلسلہ میں پکار چکا ہوں' پس کیا اہلِ خانہ میں کوئی شخص میری مدد کو اٹھے گا؟

دعوا كل امر واستقيموا لما دهى — وقد عاد فرض العين عند عيان

سب کچھ چھوڑ کر اس فتنۂ عظمیٰ کے مقابلہ میں کمربستہ ہو جاؤ' اس لئے کہ اس فتنہ کا مشاہدہ ہو جانے کے بعد اس کا استیصال ہر شخص پر فرضِ عین ہو گیا ہے۔

الا فاستقيموا واستهيموا لدينكم — فموت عليه اكبر الحيوان

ہاں اٹھو ! اور اپنے دین کی حفاظت کے لئے دیوانہ وار جان کی بازی لگا دو' بخدا ! دین کی خاطر جان دے دینا ہی سب سے اعلیٰ واشرف زندگی ہے۔

وعند دعاء الرب قوموا و شمروا — حنانا عليكم فيه اثر حنان

اور جب تحفظ دین کے لئے رب تعالیٰ کی طرف سے پکارا جا رہا ہے تو دیر کیوں کرتے ہو' اٹھو اور کمرِ ہمت چست باندلو اس راستے میں تم پر رحمتوں پر رحمتیں نازل ہوں گی۔ (ماہنامہ "الرشید" دارالعلوم دیوبند نمبر ص ۶۸۹، ۶۹۰)

میں ظلمتِ شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
شرر فشاں ہوگی آہ میری نفس میرا شعلہ بار ہوگا

تحفظ ختم نبوت کا کام نہ کر سکے تو گلی کا کتا بھی بہتر ہے :

قادیانیت کی بیخ کنی اور استیصال کے لئے حضرت شاہ صاحبؒ نے مرض اور بڑھاپے کے باوجود سفر فرمایا۔ شاہ صاحبؒ اس سفر کو اپنے لئے ذخیرۂ آخرت سمجھتے تھے۔ چنانچہ حسب روایت مولانا محمد انور لائل پوری جو اس سفر میں رفیق تھے' بہاولپور پہنچنے کے بعد جمعہ آپ نے بہاولپور کی جامع مسجد میں پڑھا اور نماز کے بعد ہزارہا مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا :

میں بواسیر خونی کے مرض کے غلبہ سے نیم جان تھا اور ساتھ ہی اپنی ملازمت کے سلسلہ میں ڈابھیل کیلئے پابہ رکاب بھی' اچانک شیخ الجامعہ کا مکتوب مجھے ملا جس میں بہاولپور آکر مقدمہ میں شہادت دینے کیلئے لکھا گیا تھا' میں نے سوچا کہ میرے پاس کوئی زادِ آخرت تو ہے نہیں' شاید یہی چیز ذریعۂ نجات بن جائے کہ میں محمد ﷺ کے دین کا جانب دار بن کر یہاں آیا ہوں' پھر فرمایا' اگر ہم تحفظ ختم نبوت کا کام نہ کر سکیں تو گلی کا کتا بھی ہم سے بہتر ہے۔ (نقش دوام ص ۱۹۰)

فتنۂ قادیانیت کی سرکوبی کے لئے تلامذہ کو وصیت :

حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ کے تلامذہ جب دیوبند سے فارغ التحصیل ہو کر اپنے اپنے علاقوں کا رُخ کرتے تو تمام اساتذہ دارالعلوم دیوبند سے اور حضرت شاہ صاحبؒ سے الوداعی ملاقات کرتے دعا کراتے' آپ ہر طالب علم کو فتنۂ قادیانیت کے استیصال کی طرف ضرور توجہ دلاتے اور بزبانِ حال فرماتے ......

قتیل اس شخص کا کیا واسطہ میرے قبیلے سے
وفا کے جرم میں جس نے سزا پائی نہیں ہوتی

فتنہ قادیانیت کا مقابلہ کرو :

حضرت مولانا محمد علی جالندھری بھی حضرت شاہ صاحب کے شاگرد تھے۔ حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اجازت طلب کرتے ہوئے دعا کی درخواست کی اور عرض کیا کہ میرا خاندان اہل حدیث ہے، جبکہ میں حنفی ہوں۔ خطرہ ہے کہ گھر میں اختلاف مسائل سے بدمزگی پیدا نہ ہو۔ رفع اختلاف اور اصلاح ذات البین کے لئے خصوصی دعا فرمائیں۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا :

بھائی مولوی صاحب، اہل سنت اور اہل حدیث کے اختلاف کی کیا فکر ہے، تمہارے پنجاب میں جھوٹی نبوت، کذاب نبی، دجالِ اُمت اور خطرناک پارٹی پیدا ہوچکی ہے۔ یہ پارٹی کافرانہ عقائد اور غیر اسلامی مسائل کی حامل ہے۔ یہ لوگ اپنے عقائد کی بنیاد پر مرتد ہوچکے ہیں اور مسلمانوں کو مرتد بناتے ہیں مولوی صاحب اس فتنہ کا مقابلہ کرو اور مسلمانوں کے باہمی اختلافی مسائل سے بچتے رہو۔ قادیانی فتنہ اور طائفہ مرتدہ کے خلاف کام کرکے حضور علیہ السلام کی روح طیبہ کو خوش کرو۔ مسلمانوں اور اسلامی فرقوں کے مسائل میں اختلاف کے باوجود اتحادِ عمل اور آپس میں اتفاق رکھتے ہوئے منکرین جہاد و ختم نبوت کے مقابلہ پر سیسہ پلائی دیوار بن کر رہنا چاہئے۔ مسلمان فرقوں کے درمیان اختلاف ہو تو ہو لیکن مخالفت نہ ہو اور سب مسلمانوں کو سب سے پہلے نبوت کاذبہ کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہئے۔ (ختم نبوت کے محاذ ص:۱۸)

آخری وصیت :

میں نے خود حضرت شاہ صاحبؒ سے سنا کہ :

"جب یہ فتنہ کھڑا ہوا تو چھ ماہ تک مجھے نیند نہیں آئی اور یہ خطرہ لاحق

ہوگیا کہ کہیں دین محمدی (علی صاحب الصلوٰۃ والسلام) کے زوال کا باعث یہ فتنہ نہ بن جائے۔ فرمایا چھ ماہ کے بعد دل مطمئن ہوگیا کہ ان شاء اللہ دین باقی رہے گا اور یہ فتنہ مضمحل ہوجائے گا"۔

میں نے اپنی زندگی میں کسی بزرگ اور عالم کو اس فتنہ پر اتنا دردمند نہیں دیکھا جتنا کہ امام العصر حضرت شاہ صاحبؒ کو۔

ایسا محسوس ہوتا تھا کہ دل میں ایک زخم ہوگیا ہے، جس سے ہروقت خون ٹپکتا رہتا ہے۔ جب مرزا کا نام لیتے تو فرمایا کرتے تھے "لعین ابن العین قادیان" اور آواز میں ایک عجیب درد کی کیفیت محسوس ہوتی۔ فرماتے تھے کہ :

"لوگ کہیں گے کہ یہ گالیاں دیتا ہے فرمایا کہ ہم اپنی نسل کے سامنے اپنے اندرونی درد دل کا اظہار کیسے کریں، ہم اس طرح قلبی نفرت اور غیظ وغضب کا اظہار کرنے پر مجبور ہیں، ورنہ محض تردید وتنقید سے لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ تو علمی اختلافات ہیں جو پہلے سے چلے آتے ہیں"۔

مرض موت میں جب تمام قوتیں جواب دے چکی تھیں اور چلنے پھرنے کے قابل نہیں تھے، ایک دن (یہ جمعہ کا دن تھا) جامع مسجد میں ڈولی میں لائے گئے اور اپنے شاگردوں اور علماء اور اہل دیوبند کو آخری وصیت فرمائی کہ دین اسلام کی حفاظت کی خاطر اس فتنہ قادیانیت کی سرکوبی کے لئے پوری کوشش کریں اور فرمایا :

"میرے تلامذہ کی تعداد جنہوں نے مجھ سے حدیث پڑھی ہے دوہزار ہوگی، ان سب کو میں وصیت کرتا ہوں کہ اس فتنہ کے خلاف پوری جدوجہد کریں"۔

(خاتم النبیین ﷺ ص:۲۳ از مولانا انور شاہ کشمیری)

میں جنت کا ضامن ہوں :

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس دنیا کو الوداع کہنے والے تھے۔ اس کا بھی ایک واقعہ روایت حضرت علامہ شمس الحق صاحب افغانی سن لیں۔ حضرت علامہ افغانیؒ بھی حضرت علامہ کشمیریؒ کے اجل شاگردوں میں سے تھے۔ حضرت علامہ افغانیؒ نے فرمایا کہ :

"جب حضرت کشمیریؒ کا آخری وقت آیا' کمزوری بہت زیادہ تھی، چلنے کی طاقت بالکل نہ تھی، فرمایا کہ مجھے دار العلوم دیو بند کی مسجد پہنچا ئیں۔ اس وقت کاروں کا زمانہ نہ تھا، ایک پالکی لائی گئی، پالکی میں بٹھا کر حضرت شاہ صاحب کو دار العلوم کی مسجد میں پہنچایا گیا۔ محراب میں حضرت کی جگہ بنائی گئی تھی، وہاں بٹھا دیا گیا، حضرت کی آواز ضعف کی وجہ سے انتہائی نحیف اور دھیمی تھی۔ تمام اجل شاگردؒ حضرتؒ کے اردگرد ہمہ تن گوش بنے بیٹھے تھے۔ آپ نے صرف دو باتیں فرمائیں۔ پہلی بات تو یہ فرمائی کہ تاریخ اسلام کا میں نے جس قدر مطالعہ کیا ہے' اسلام میں چودہ سو سال کے اندر جس قدر فتنے پیدا ہوئے ہیں' قادیانی فتنہ سے بڑا خطرناک اور سنگین فتنہ کوئی بھی پیدا نہیں ہوا۔

دوسری بات یہ فرمائی کہ حضور ﷺ کو جتنی خوشی اس شخص سے ہوگی جو قادیانیت کے استیصال کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دے تو رسول اکرم ﷺ اس کے دوسرے اعمال کی نسبت اس کے اس عمل سے زیادہ خوش ہوں گے اور پھر آخر میں جوش میں آ کر فرمایا کہ جو کوئی اس فتنہ کی سرکوبی

کے لئے اپنے آپ کو لگا دے گا' اس کی جنت کا ضامن میں ہوں"۔

(انتہی) سبحان اللہ! دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں، آخری وقت ہے' اگر فکر ہے تو اس فتنہ کی۔

(چراغ ہدایت ص ۳۳۳ تا ۳۳۴ از مولانا محمد چراغ تقریظ مولانا منظور احمد چنیوٹی)

محمدؐ کی محبت دین حق کی شرط اول ہے
اس میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے
محمدؐ کی محبت آن ملت' شان ملت ہے
محمدؐ کی محبت روح ملت جان ملت ہے
محمدؐ کی محبت خون کے رشتوں سے بالا ہے
یہ رشتہ دنیوی قانون کے رشتوں سے بالا ہے
محمدؐ ہے متاع عالم ایجاد سے پیارا
پدر' مادر' برادر' مال' جان اولاد سے پیارا

امام کشمیریؒ نے عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو امیر شریعت کا اعزاز بخشا :

حیات امیر شریعت کے مؤلف مرزا جانباز لکھتے ہیں :

پیشتر ازیں تحریر کیا جا چکا ہے کہ ہندوستان کی سیاسی اور مذہبی ابتری نے ملک کا امن و سکون تہ و بالا کر دیا تھا اور یہ خانہ ویرانی اسلام کی ترقی کی راہ میں سنگ گراں تھی۔ ہندو کے طرز عمل نے مسلمانوں کو مجبور کیا کہ وہ اپنے لئے شہادت کی موت تلاش کریں تا کہ ہندوستان میں نبی کریم ﷺ کی آبرو محفوظ رہ سکے۔ شدھی و سنگھٹن شاردا ایکٹ تحریک شاتم رسول کے بڑھتے ہوئے سیلاب نے کمزور اور قلیل تعداد مسلمانوں کو اس قدر ہراساں کر دیا تھا کہ علمائے کرام کی اپنی ذمہ داریاں بھی مخدوش نظر آنے لگی تھیں۔ خطیب شہر کی

اذان بے اثر ہو رہی تھی، صحن حرم اور مسجد کے مینار اپنی رونق کی تلاش میں سرگرداں تھے کہ مارچ ۱۹۳۰ء کے آخری دنوں میں لاہور میں انجمن خدام الدین کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا جس کی صدارت دیوبند کے شیخ الحدیث حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ نے فرمائی۔ وقت اور حالات کی موجودگی میں علمائے ہندوستان کا تاریخی اجتماع تھا۔ دوسرے علماء کے ساتھ شاہ جی (حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری) بھی اس جلسے میں شریک ہوئے ہزاروں کا اجتماع تھا۔ صدارتی تقریر ہو رہی تھی کہ شاہ جی جلسہ گاہ میں پہنچے۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرما رہے تھے :

''دین کی قدریں بگڑ رہی ہیں۔ کفر چاروں طرف سے یلغار کر چکا ہے۔ اس وقت مسلمانوں کو اپنے لئے ایک امیر کا انتخاب کرنا چاہئے۔ اس کے لئے میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو منتخب کرتا ہوں، وہ نیک بھی ہیں اور بہادر بھی۔ اس وقت انہوں نے فتنۂ شاتمِ رسول اور شاردا ایکٹ کے سلسلے میں جس جرأت اور دلیری سے دین کی خدمات انجام دی ہیں۔ آئندہ بھی ان سے ایسی ہی توقع ہے''۔

یہ کہہ کر حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے دونوں ہاتھ حضرت شاہ جیؒ کی طرف بڑھائے اور شاہ جیؒ نے اپنے دونوں ہاتھ حضرت شاہ صاحبؒ کے ہاتھوں میں دے کر فرمایا۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے بلکہ حضرت نے مجھے اپنی غلامی میں قبول فرمایا ہے۔ (حیات امیر شریعت ص ۱۳۲)

یہ جملے کہہ کر شاہ جی زار و قطار رونے لگے اور ان کا سارا جسم کانپنے لگا۔ اس کے بعد باقی علماء جن کی تعداد پانچ صد تھی، اس وقت شاہ جی (امیر شریعت) کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ان میں مولانا ظفر علی خان' مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی' مولانا احمد علی لاہوریؒ

سرفہرست تھے۔

حصولِ زندگی میں مذہب ایسے جذبات کا مجموعہ ہے جس سے عقلِ انسانی احاطہ نہیں کر سکتی اور نہ ہی فکر و تدبر میں ان کا وزن کیا جا سکتا ہے۔ جنونِ شوق ہی البتہ اس کسک کو محسوس کرتا ہے، پھر نمرود کی آگ ہو یا دریائے نیل کی موجیں وہ ان تمام خطرات کی دعوت پر لبیک کہتا ہے۔ ۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۰ء تک فرنگی عملداری میں کفر و ارتداد نے اُصولِ اسلام' داعی اسلام اور مسلمانوں پر وقت کے مختلف موڑوں سے جس طرح بے محابا خشت باری کی' حضرت امیر شریعت سینہ سپر ہو کر ان سے ٹکرائے اور بامراد ہوئے۔ حضرت انور شاہ کشمیری صاحبؒ اور دیگر پانچ صد مقتدر علماء کا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو امیر شریعت کا اعزاز بخشنا انہی خدمات کا صلہ تھا اور ہنوز مستقبل کی کئی اُمیدیں ان سے وابستہ تھیں۔

قائد شریعت :

وقت گذرتا رہا' اور تاریخ نے ایک مرتبہ پھر اپنے آپ کو دہرایا' ایک وقت وہ بھی آیا جب چشمِ فلک نے دیکھا کہ ہزارہ ڈویژن کے تین ہزار علماء نے تحریک نفاذ شریعت کیلئے محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق کے ہاتھ پر بیعت کر کے آپ کو قائد شریعت کا خطاب دیا یوں حضرت عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو امیر شریعت کا لقب ملا تو استاذ مکرم حضرت مولانا عبدالحقؒ کو قائد شریعت کا اعزاز حاصل ہوا۔

امیر شریعتؒ سے محبت اور تعلق پر افتخار :

امیر شریعت تحفظ ختم نبوت کے جانباز سپاہی اور قائد تھے۔ تحفظ ختم نبوت ان کی زندگی کا مشن تھا، اس لئے حضرت علامہ انور شاہؒ صاحب کو امیر شریعت سے خصوصی تعلق اور محبت تھی۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے صاحبزادے مولانا محمد ازہر شاہ قیصر بیان کرتے ہیں۔

اباجیؒ شاہ جیؒ کے سو جان سے دیوانے تھے۔ ہر وقت شاہ جیؒ کا کلمہ پڑھتے ہر وقت انہی کا حال پوچھتے۔ کتاب سے فراغت ہوئی، چارپائی پر سنبھل کر بیٹھ گئے۔ سادہ چائے آئی اس کا دور چلا۔ سامنے میرے ماموں جناب حکیم سید محفوظ علی صاحب یا مولانا حفظ الرحمان، مولانا محمد ادریس صاحب، مولانا عتیق الرحمٰن عثمانی ہوئے اور اباجی نے سلسلہ کلام شروع کردیا۔ کیوں مولوی صاحب؟ ہم عطاء اللہ شاہ کو اگر سب کاموں سے ہٹا کر صرف تردید قادیانیت پر لگادیں تو یہ کیسا رہے گا؟

مولوی صاحب ! یہ صاحب واقعی مخلص ہیں بہت محنتی اور بہت زیادہ بہادر۔ انہوں نے پنجاب میں چند تقریریں کر کے قادیانیت کے خلاف ایک عام جذبہ پیدا کردیا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر انہوں نے اس طرح محنت سے کام کیا تو قادیانیت انشاء اللہ ختم ہوجائے گی۔ قادیانیت کے سلسلہ میں شاہ جیؒ نے جتنا کام کیا، سب اباجی کے اشارہ وارشاد پر۔ شاہ جی کی تقریریں پسند کی جاتیں تو اباجی کا خون سیروں بڑھ جاتا۔ وہ تردید قادیانیت کے لئے لمبے دورے کرتے تو اباجی کی نگاہ ان کے ہر قدم پر رہتی۔ ایک دفعہ جمعہ کے خطبہ میں فرمایا:

> ”پنجاب میں ایک صاحب ہمیں مل گئے ہیں۔ صاحب توفیق، صاحب صلاحیت، صاحب سواد خوب کام کرتے ہیں۔ ہم نے قادیانیت کے متعلق انہیں توجہ دلائی ہے۔ بڑے بڑے لوگوں سے جو کام نہ ہوا وہ اس نوجوان (حضرت شاہ جیؒ) نے کر دکھایا ہے“۔

حضرت امام کشمیریؒ عقیدہ ختم نبوت کو دین کی اساس و بنیاد سمجھتے تھے۔ اس لئے اس کے تحفظ کے سلسلہ کو حرز جان کی طرح اولین اہمیت دیتے تھے۔ اخلاص وللہیت ان کا مزاج تھا جو کچھ کرتے تھے، رضائے الٰہی کے لئے کرتے تھے۔

علامہ اقبالؒ سے تعلق و دوستی :

علامہ محمد اقبالؒ سے حضرت شاہ صاحبؒ کے گہرے مراسم تھے۔ ان گہرے مراسم اور دوستی کا یہ نتیجہ نکلا کہ علامہ محمد اقبال قادیانیت کے فتنۂ عظیم کے مفاسد و مکائد سے مطلع اور ان کی بیخ کنی کے لئے عملاً آمادہ ہوگئے۔ چونکہ حضرت صاحبؒ فتنۂ قادیانیت کی تردید و ابطال کو اپنی زندگی کا مشن اور عظیم مذہبی فریضہ سمجھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے ڈاکٹر اقبال کو بھی اس رنگ میں رنگا۔ پھر اقبال مرحوم نے اپنی تحریر و تقریر اور شاعری میں اس فتنہ کی برائیوں کو ہر جگہ بے نقاب کیا۔ یہ علامہ محمد انور شاہؒ کا فیض نظر تھا جو ختم نبوت کے سلسلہ میں علامہ اقبال کو یہ افکار عمیق، لذت گفتار اور انداز بیان کی چبھن نصیب ہوئی۔

انور شاہؒ کی مثال بہ ارشاد علامہ اقبالؒ :

ڈاکٹر اقبال مرحوم کو حضرت شاہ صاحبؒ سے اس قدر شغف اور تعلق ہوگیا تھا کہ حضرت سے ملاقات کا ہر وقت اشتیاق لگا رہتا تھا۔ مقدمہ بہاولپور کے سفر میں جبکہ احقر بھی ہمراہ تھا' لاہور ورود ہوا۔ آسٹریلیا بلڈنگ میں قیام فرمایا۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم کو جب میزبان کی طرف سے اطلاع پہنچی، فوراً کار سے تشریف لائے۔ کئی گھنٹے مختلف مسائل میں حضرتؒ سے استفادہ فرماتے رہے۔ اکثر رقت طاری ہوجاتی تھی، پھر وصال سے چند ایام قبل جب لاہور تشریف لے گئے، ڈاکٹر اقبال مرحوم نے خود قیام کا انتظام کرایا۔ اپنے احباب سمیت ہر وقت حاضر خدمت رہتے تھے۔ حضرت امام کشمیریؒ کی مجالس میں اکثر اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ کو حاضر ہونے کی دعوت دیتے، پھر برکت علی محمڈن ہال میں اپنے اہتمام سے جلسہ کا انعقاد کیا۔ ختم نبوت اور ردّ قادیانیت پر حضرتؒ کا بیان ہوا۔ ڈاکٹر صاحبؒ پر اس قدر اثر ہوا کہ ردّ قادیانیت کے لئے کمربستہ ہوگئے۔

ڈاکٹر صاحبؒ کا آخری دور کا کلام نظم ونثر اردو وفارسی ان حقائق کی ترجمانی کر رہا ہے۔ ردّ قادیانیت میں نہایت بلند پایہ مضامین سپرد قلم فرمائے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب قادیانی نے ملازمین برطرف کرائے۔ یہ حضرت شاہ صاحبؒ کی کھلی کرامت ہے۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم اس کی سعی فرماتے رہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کو لاہور لایا جائے۔ فرمایا کرتے تھے، دیوبند میں بعض جزوی اختلافات کے رونما ہونے کو ہم اپنے لئے نیک فال سمجھتے ہیں۔ یہ تو احقر کے سامنے لاہور میں حضرت سے عرض کرتے تھے کہ میں نے اپنی ذاتی سعی سے احباب کو کوئی ہزار کی رقم جمع کرنے کے لئے کہا ہے کہ جناب کے لئے ایک کوٹھی تعمیر کرائی جائے اور کتب مہیا کی جائیں تاکہ آپ کی ذات سے قدیم وجدید تعلیم یافتہ حضرات استفادہ کریں اور مسائل جدیدہ جس قدر سامنے آرہے ہیں، ان کے حل کی کوشش کی جائے اور علم الفقہ کی ازسرِ نو ترتیب دی جائے۔

حضرت شاہ صاحب مرحوم لاہور کے آخری سفر میں رسالہ خاتم النبیین کا مسودہ ساتھ لے گئے تھے۔ اس کے بعض مقامات ایک مجلس میں سنائے۔ ڈاکٹر صاحبؒ نہایت محظوظ ہوئے، اپنے دوستوں کو بلا بلا کر لاتے اور بار بار سنانے کا تقاضا کرتے۔

حضرت کے وصال کی خبر لاہور میں سن کر ڈاکٹر صاحبؒ بے حد مغموم ہوئے۔ تعزیتی جلسہ اپنے اہتمام سے کرایا۔ خود صدارتی تقریر میں بھرائی ہوئی آواز میں جو الفاظ ادا فرماتے، فضا میں اب تک گونج رہے ہیں۔ فرمایا:

''مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ کی مثال پیش کرنے سے اسلام کی پانچ سو سال کی تاریخ عاجز ہے''۔ (اقبال کے ممدوح علماء ص: [illegible] از قاضی افضل حق قرشی)

ہر لحظہ ہے مؤمن کی نئی آن نئی شان
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

قادیانی نبوت برگِ حشیش:

ضرب کلیم میں علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں ....

میں نہ عارف نہ مجدد نہ محدث نہ فقیہ
مجھ کو معلوم نہیں کیا ہے نبوت کا مقام
ہاں مگر عالم اسلام پہ رکھتا ہوں نظر
فاش ہے مجھ پر ضمیر فلک نیلی فام
عصر حاضر کی سیہ رات میں دیکھی میں نے
یہ حقیقت کہ ہے روشن صفت ماہ تمام
وہ نبوت ہے مسلماں کے لئے برگِ حشیش
جس نبوت میں نہیں قوت و شوکت کا پیام

علامہ انور کشمیریؒ اور علامہ اقبالؒ:

اس زمانے میں پنجاب اور دیگر برصغیر میں انگریزی تعلیم یافتہ طبقے میں قادیانی فتنے کی شرانگیزی اور اسلام کشی کا جو احساس پایا جاتا تھا، اس میں بڑا دخل ڈاکٹر اقبالؒ کے اس لیکچر کا تھا جو عقیدۂ ختم نبوت پر تھا اور ساتھ ہی اقبالؒ کے اس انگریزی مقالہ کا بھی بڑا اثر تھا، جو قادیانیت کے خلاف شائع ہوا تھا، لیکن شاید یہ کم لوگوں کو معلوم ہے کہ ان دونوں تحریروں کا اصل باعث مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ ہی تھے۔

ایک مرتبہ انجمن خدام الدین کے سالانہ اجتماع میں شرکت کے لئے علامہ انور شاہ لاہور تشریف لائے تو ڈاکٹر اقبال ان سے ملاقات کے لئے خود ان کی قیام گاہ پر پہنچے پھر ایک شب انہیں اپنے ہاں کھانے پر بھی مدعو کیا۔ دعوت کا تو بہانہ ہی تھا۔ علامہ اقبالؒ کے

پیش نظر اصل مقصد تو علامہ انور شاہؒ سے علمی استفادہ کرنا تھا۔ چنانچہ رات کے کھانے کے بعد ڈاکٹر اقبالؒ نے عقیدۂ ختم نبوت اور قتل مرتد کا مسئلہ چھیڑ دیا، جس میں اڑھائی گھنٹے تک گفتگو ہوتی رہی۔ ڈاکٹر اقبالؒ کی عادت یہ تھی کہ جب وہ کسی اسلامی مسئلے پر کسی بڑے عالم سے گفتگو کرتے تھے تو بالکل ایک طالب علم کا انداز اختیار کر لیتے تھے۔ ہر زیر بحث مسئلے کے ایک ایک پہلو کو سامنے لاتے اور اس کے بارے میں اپنے شکوک وشبہات کو بے تکلفانہ بیان کرتے چلے جاتے تھے۔

چنانچہ علامہ انور شاہؒ کے ساتھ گفتگو میں بھی انہوں نے یہی انداز اختیار کیا۔ حضرت انور شاہ کشمیریؒ نے ان کے تمام شکوک وشبہات اور اعتراضات کو بڑے صبر وسکون کے ساتھ سنا اور اس کے جواب میں ایسی جامع اور مدلل تقریر کی کہ ان دونوں مسائل کے بارے میں ڈاکٹر اقبالؒ کو مکمل طور پر اطمینان ہو گیا اور ان مسائل کے بارے میں اگر کوئی خلش ان کے دل ودماغ میں تھی تو وہ جاتی رہی۔ چنانچہ اس کے بعد انہوں نے عقیدۂ ختم نبوت کے بارے میں وہ لیکچر تیار کیا جو ان کے چھ لیکچرز کے مجموعے میں شامل ہے۔ انہوں نے قادیانیت پر وہ حقیقت افروز مقالہ سپرد قلم کیا کہ جس نے انگریزی اخبارات میں شائع ہو کر پنجاب کی فضا میں تلاطم برپا کر دیا۔ (روزنامہ پاکستان، ۲۱ر ستمبر ۲۰۰۰ء از چوہدری اصغر علی کوثر وڑائچ)

چشم نرگس سے کوئی حال چمن کا پوچھے
دیکھتے دیکھتے کیا کیا گل خنداں نہ رہے

اقبالؒ کو امام کشمیریؒ کا تحفہ :

حکیم الامت حضرت اقبالؒ اگرچہ فلسفے پر خود پورا عبور رکھتے تھے اور اسی مضمون میں انہوں نے ایم اے بھی کیا تھا۔ پھر اسلامیات کا بھی وسیع مطالعہ رکھتے تھے، جس کا

اندازہ ان کی شاعری، خطبات اور دیگر تصانیف سے بھی ہوتا ہے لیکن بایں ہمہ انہوں نے Reconstruction of Religious Thoughts کے عنوان سے انگریزی زبان میں جو 6 لیکچرز تیار کیے، ان میں علامہ کشمیریؒ سے خاطر خواہ مدد لی۔ ''حدوث عالم'' پر علامہ انور شاہ کا منظوم رسالہ اگرچہ بہت مختصر ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ رسالہ ''حدوث عالم'' کے موضوع پر قدیم وجدید فلسفہ اور اس پر جامع تنقید کا نچوڑ ہے۔ یہ رسالہ جب چھپا تو علامہ انور شاہ نے اس کا ایک نسخہ بدست مولانا سعید احمد اکبر آبادی تحفۃً ڈاکٹر اقبالؒ کو بھی ارسال فرمایا۔

چنانچہ علامہ اقبالؒ نے پڑھنے کے بعد مولانا سعید احمد اکبر آبادی سے کہا میں مولانا انور شاہ کا رسالہ پڑھ کر دنگ رہ گیا ہوں کہ رات دن قال اللہ وقال الرسول سے واسطہ رکھنے کے باوجود فلسفہ میں بھی ان کو اس درجہ درک وبصیرت ہے اور اس کے مسائل پر وہ اس قدر گہری نگاہ رکھتے ہیں کہ حدوث عالم پر اس رسالے میں انہوں نے جو کچھ لکھ دیا ہے اس کی توقع تو یورپ کے بڑے سے بڑے فلسفی سے بھی نہیں کی جا سکتی۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادی ان دنوں بطور طالب علم لاہور میں مقیم تھے اور علامہ اقبالؒ کو اس کا علم تھا۔ علامہ اقبالؒ یہ بھی جانتے تھے کہ علامہ انور شاہؒ سے بھی مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی گہری ارادت تھی، اس لئے انہوں نے چار شعروں پر نشان لگا کر یہ رسالہ ان کے سپرد کیا کہ جب بھی آپ کی ملاقات علامہ انور شاہؒ سے ہو تو ان سے کہیے گا کہ ان چار اشعار کا مفہوم مجھے سمجھ نہیں آیا۔ آپ بتا دیجئے کہ ان کا مطلب کیا ہے۔ مگر علامہ انور شاہؒ نے رسالہ لے کر مولانا سعید احمد کو کہنے کے بجائے ان اشعار کے مفہوم کے بارے میں ڈاکٹر اقبال کو فارسی میں ایک طویل خط لکھا۔ یہ خط مولانا سعید احمد ہی لے کر آئے اور ڈاکٹر اقبالؒ کو دیا۔ (روزنامہ پاکستان، ۲۱ر ستمبر ۲۰۰۰ء، از قلم چوہدری اصغر علی کوثر وڑائچ)

اے دل ! تمام نفع ہے سودائے عشق میں :

حضرت شاہ صاحبؒ کی پوری سوانح پڑھ جایئے، ختم نبوت کے حوالے سے اُن کے معرکوں کی گونج تاریخ کے صفحات میں سُنی جائے گی۔ تردید قادیانیت کے سلسلہ میں اُن کے مجاہدانہ کردار کے قصے لوگوں کی زبان پر رہیں گے۔ اُن کے عشق رسول کی داستان ضرب الامثال بنے گی۔ عشق رسول ہی وہ مقام ہے جہاں عقل کے پَر جلتے ہیں، بڑے بڑے وفادار رفیق پیچھے رہ جاتے ہیں، لیکن شاہ صاحب جیسے لوگ اپنے کام کیے جاتے ہیں اور دوسروں کو بھی تلقین کرتے نظر آتے ہیں ....

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اِک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باب : ۱۰

حضرت امام کشمیریؒ کا سفرِ آخرت

مرگ اک ماندگی کا وقفہ ہے یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

محمد عربی ﷺ کا ارشاد ہے، دل بھی اس طرح زنگ آلود ہو جاتے ہیں جس طرح پانی لگ جانے سے لوہا زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس زنگ کو دور کس طرح کیا جائے۔ آپ نے فرمایا۔ موت کو یاد رکھیں اور قرآن مجید کی کثرت سے تلاوت کریں۔ یہی وجہ ہے کہ اہل اللہ موت کو ہر وقت یاد رکھتے ہیں اور بعض تو اشتیاق سے اس کے منتظر رہتے ہیں ....

خرم آن روز کہ زیں منزل ویراں بردم
راحت جان طلبم و زپئے جانان بردم

ربِ ذوالجلال کے نیک بندوں نے اس عارضی زندگی کو ایک آزمائش ایک امتحان اور دیدارِ الٰہی کے حصول کا ایک ذریعہ سمجھا اور وصالِ دوست اور دیدارِ دوست کی آرزو میں تڑپنا اپنا معمول بنا لیا۔ موت اُن کے لئے اذیت نہ تھی بلکہ ملاقاتِ دوست کا پیغام اور مژدہ سنانے کا باعث تھی۔ اس لئے وہ موت کی طلب میں بے قرار رہتے تھے، جنگِ یرموک کے دوران سب سے پہلے ایک مجاہد سپہ سالار فوج کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا ....

اے بوعبیدہ! رخصت پیکار دے مجھے
لبریز ہوگیا میرے صبر و سکوں کا جام
بے تاب ہوگیا ہوں فراق رسول ﷺ میں
اک دم کی زندگی بھی محبت میں ہے حرام

موت کا ایسا اشتیاق بارگاہ رب ذوالجلال میں باریابی کا ایسا یقین اور رحمت خداوندی کی ایسی طلب ہی ایمان کی علامت اور نشانی ہے۔ اللہ کے محبوب بندوں نے اس عارضی زندگی اور رنگ و بو کی فانی بستی میں کبھی دل نہیں لگایا اور سفر آخرت پر روانگی سے کبھی پہلو تہی نہیں کی۔ وہ ہمیشہ یہی کہتے رہے ہیں ....

دیکھ لینے کو تیرے سانس لگا رکھا ہے
ورنہ بیمار غم ہجر میں کیا رکھا ہے

ہمیں موت کیوں کڑوی لگتی ہے۔ ہمارے مزاج میں خرابی کیوں آ گئی ہے۔ درحقیقت ہم دنیا سے دل لگا بیٹھے ہیں، موت وحیات کے بارے میں ہمارا تصور غلط ہے۔ ہمیں ہمارے محبوب ﷺ نے تو چودہ سو سال قبل بتلا دیا ہے کہ ہم دنیا میں مسافر ہیں اور مسافر بھی ایسے جو گھڑی دو گھڑی کیلئے کسی سایہ دار درخت کے نیچے آرام کرے اور پھر اپنی منزل کو روانہ ہو جائے۔ حضرت امام کشمیریؒ کا جب وقت آخر آیا تو گریہ و خشیت الٰہی کے آثار آپ پر نمایاں تھے، جو ساتھی ملتا اُس سے فرماتے بھائی ہماری آپ سے آخری ملاقات ہے۔ اکثر گھر میں فرماتے، پیر کے روز مجھے سفر کرنا ہے، کس جگہ جانا ہے، اس کا تعین نہ فرماتے۔

حضرت امام کشمیریؒ کی علالت :

حضرت امام کشمیریؒ کے فرزند جناب مولانا انظر شاہ کشمیری حضرتؒ کی بیماری اور سفر آخرت کے لمحات بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :

ڈابھیل کے زمانہ قیام میں پرانے مرض "بواسیر خونی" کا غلبہ ہوا۔ اس میں بڑا دخل گجرات کی آب و ہوا کی ناموافقت کو تھا۔ یہی وہ زمانہ ہے کہ مرض آہستہ آہستہ بڑھتا

گیا۔ قویٰ پر ضعف غالب آ گیا، بھوک ختم ہو گئی۔ بیماری کی شدت ہوئی تو آپ ڈابھیل سے رخصت لے کر دیوبند تشریف لے آئے۔ مکان پر علاج و معالجہ جاری رہا۔ دہلی کے مشہور معالج حکیم نابینا صاحب، حکیم محمد احمد صاحب اور ڈاکٹر انصاری صاحب علاج کرتے رہے۔ خود آپ کے برادر نسبتی حکیم سید محفوظ علی صاحب تجربہ کار طبیب تھے۔ تن دہی سے تدابیر صحت کر رہے تھے، لیکن مرض کا یہ عالم تھا کہ بڑی مقدار میں خون اجابت کے ساتھ خارج ہوتا۔

شفیق باپ کی شفقت کا آخری مظاہرہ :

۲ر صفر ۱۳۵۲ھ بروز اتوار عصر سے کچھ پہلے قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے۔ خون بڑی مقدار میں جسم سے خارج ہو گیا۔ عصر کے بعد دارالعلوم دیوبند کا ایک ہجوم مزاج پُرسی کے لئے آیا۔ میری عمر اس وقت چار یا ساڑھے چار سال کی تھی۔ اتفاقاً اس دن آماس گلو کا مرض لاحق تھا۔ خوب یاد ہے۔ والدہ مرحومہ نے اشارہ فرمایا کہ والد کی خدمت میں پہنچ کر دم کرا لوں۔ خدا تعالیٰ نے آپ کے دم میں خاص تاثیر عنایت کی تھی۔ چنانچہ دم کرایا گیا، شفا نصیب ہوئی۔ ایک یتیم ہونے والے بچے کے لئے شفیق باپ کی شفقت کا یہ آخری مظاہرہ تھا۔ مغرب کی اذان پر مہتمم صاحب اور طلبا قریب ہی مسجد میں نماز مغرب ادا کرنے کے لئے گئے۔ آپ نے چارپائی پر مغرب کی نماز ادا فرمائی۔

چوں قضا آید طبیب ابلہ شود :

عصر و مغرب کے درمیان بیماری کی شدت بڑھتی رہی، بلکہ مغرب کے بعد سے نزع کی کیفیات طاری ہو گئیں، لیکن ہوش و حواس کی سلامتی اور مکمل تیقظ و بیداری کی وجہ سے آنے جانے والوں اور گھر کے کسی فرد بلکہ تجربہ کار و حاذق طبیب کو بھی اس کیفیت پر

نزع کا شبہ نہیں ہوا۔ چوں قضا آید طبیب ابلہ شود۔ وقت گزرنے کے ساتھ آپ کی بے چینی بڑھتی جاتی۔ تشنگی کا یہ عالم تھا کہ چند سیکنڈ کے وقفہ سے پانی کی ضرورت محسوس ہوتی، ایک قریبی عزیز محمد سعید مرحوم خدمت کی آخری سعادت سے بہرہ اندوز تھے۔ آپ بڑی بے تابی کے ساتھ اُٹھتے، "بھائی سعید! پانی پلاؤ" کے مضطربانہ کلمہ سے پانی طلب فرماتے۔ چند گھونٹ پی لیتے اور اسی پانی میں انگلیاں تر فرما کر کبھی چہرہ اور کبھی سینہ پر ملتے۔ حسب معمول حسبنا اللہ پڑھتے ہوئے سیدھے لیٹ جاتے، بے تابی سے اُٹھنا، بے قراری سے لیٹ جانا مسلسل ہوتا۔

علم و کمال کا آفتاب غروب ہوا چاہتا تھا:

یہ رات اپنے منظر کے حساب سے بڑی بھیانک تھی۔ شام سے ہی والدہ کے سر میں شدید درد تھا۔ دنیا و مافیہا سے بے خبر گھر کے ایک گوشے میں لیٹی ہوئی تھی۔ معصوم بچے محو خواب اور بڑوں کے دماغ پر نیند کا خمار۔ کسی کو جگایا بھی جاتا، تو بیداری و خواب کی کشمکش میں نیند کی فتح ہوتی۔ آخری چند گھڑیاں خالہ زاد بھائی محمد سعید اور ان کی والدہ کے ساتھ ہی گزریں۔ رات کی تاریکی بڑھتی جاتی۔ زندگی کے مشرق پر علم و کمال کا آفتاب جہاں تاب جو نصف صدی سے مصروف گردش تھا جس کی روشنی سے علمی کائنات کے ذرے چمک رہے تھے اور جس کی گرمی سے روح گرمی حیات پائے ہوئے تھی' بڑھ کر موت کے مغرب میں چھپا چاہتا تھا۔ ایک تاریکی رات اپنے ساتھ لائی تھی، ایک اندھیرا اس دنیا میں اور پھیلنا چاہتا تھا، جس کے لئے ایک مرد حق آگاہ کی زندگی اس ناسوتی عالم سے بہ سرعت اپنا تعلق توڑ رہی تھی۔ شب کے گیارہ بجے پندرہ منٹ اور بڑھے اس پر آدھ گھنٹہ کا اضافہ ہوا، ادھر یہ امیر المومنین فی الحدیث موت کے پیہم حملوں سے لاچار ہو کر مصفی و پاکیزہ روح کو قفس

عنصری سے آزاد کر رہا تھا۔

سفید پوشوں کا ہجوم:

میری خالہ کا بیان ہے جن کی زندگی کے ساتھ اسی سال کی طویل صداقت بیانی ایک شاہدِ عدل کی حیثیت رکھتی ہے کہ میں نے گھر میں جلتے ہوئے چراغ کو پست کیا تو گھر کا پورا صحن سفید پوش انسانوں سے جن کے سروں پر عربی عمامے تھے لبریز ہو گیا۔ کبھی اپنی آنکھوں پر شبہ ہوتا اور کبھی اس منظر پر حیرت ہوتی، کیا یہ دارالعلوم دیوبند کے طلبہ ہیں؟ لیکن آج تو ان کو اندر آنے کی اجازت نہیں، کیا یہ بلند پایہ علماء کا گروہ ہے؟ جنہیں ان کی خصوصیات کی بنا پر اندر آنے کی اجازت مل گئی، لیکن ان کے منور چہرے، عربی طور و طریق میرے تمام تخیلات کو غلط کر دیتے۔ اس خدا کی قسم! جس کے قبضہ میں تمام انسانوں کی جان ہے، نہ میری آنکھیں دیکھنے میں غلطی کر رہی تھیں اور نہ صورت واقعہ کے بیان میں کسی مبالغہ سے کام لیا۔ دیوار پر آویزاں گھنٹہ نے اپنی مانوس آواز میں بارہ بجائے۔ حضرت شاہ صاحبؒ ایک ناقابل گفتنی اضطراب کے ساتھ پلنگ پر اُٹھ بیٹھے۔ "بھائی مجھے پانی پلا دو" کانپتے ہاتھوں سے ایک گلاس کو ہونٹوں تک پہنچایا ابتداء میں حسبنا اللہ اور خاتمہ کلمہ توحید کے پاکیزہ ورد پر کیا۔ خود ہی چارپائی پر قبلہ رُخ ہو گئے، وہ مقدس ہجوم جس نے گھر کے ماحول کو لبریز کر رکھا تھا کوئی چیز ہاتھوں میں تھام کر بلند آواز سے کلمہ طیبہ کا ورد کرتا ہوا گھر سے باہر جا رہا ہے۔

کائناتِ علم کا عظیم سانحہ:

میں نے جھک کر دیکھا تو پیشانی پسینہ آلود تھی اور شاہ صاحب مرحوم ساکت و صامت لیٹے ہوئے تھے۔ دنیا میں اندھیرا چھا گیا روشنی گل ہو گئی، علم و کمال کا آفتاب غروب

ہوگیا اور رشد و ہدایت کا چراغ بجھ گیا۔ یہ دو صفر ۱۳۵۲ھ اتوار کا دن ختم ہو کر تین صفر شب پیر تھی۔ تقریباً نصف شب کے وقت کائنات علم کا یہ سانحۂ عظیم پیش آیا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

امام الحدیث کی وفات ہوگئی :

اس سانحہ کی اطلاع فوراً دیوبند میں پھیل گئی۔ دارالعلوم دیوبند جہاں طلبہ گرمی کی رات میں اپنے کمروں سے باہر مصروف خواب تھے۔ نودرہ کی مشہور عمارت کے سامنے ایک بھیانک پُر درد آواز سُنی گئی۔ لوگو تم سو رہے ہو امام الحدیث کی وفات ہوگئی۔ آواز کچھ ایسی زہرہ گداز تھی کہ سونے والے جاگ گئے اور سہمے کے سہمے رہ گئے۔ قاری اصغر علی صاحب 'حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ' کے خصوصی خادم بیان کرتے ہیں کہ اس آواز سے چند منٹ پہلے میں حضرت مدنیؒ کے سر میں مالش سے فارغ ہوا تھا۔ وہ زنان خانے میں تشریف لے گئے۔ ادھر میں اپنے بستر پر دراز ہوا کہ یہ فلک شگاف نعرہ کانوں میں گونجا، میں گھبرا کر اٹھا دیکھا کہ اندر سے مولانا مدنیؒ برہنہ پا و برہنہ سر باہر تشریف لے آئے۔ مجھ پر خوف کا ایسا غلبہ تھا کہ بے اختیار مولانا کی پناہ گاہ میں آ گیا۔ کہتے تھے کہ یہ جنات تھے جو حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات پر ماتم کناں ہیں۔ کچھ طلبا نے اس جسم کو دیکھا، جس سے یہ خوفناک آواز نکل رہی تھی۔ اس آواز کو سُن کر طلبہ شاہ صاحبؒ کے گھر پر جمع ہونے لگے۔

تمام رات اہل شہر' اکابر دارالعلوم اور طلبہ کی آمد و رفت جاری رہی۔ اس زمانہ میں دیوبند کے پوسٹ آفس میں رات کے وقت تار دینے کا نظم نہیں تھا بلکہ اوقاتِ شب میں دیوبند کے اسٹیشن سے ٹیلی گرام دیا جاتا۔ چنانچہ اطراف ملک میں رات کو اسٹیشن سے تار دیے گئے دہلی، لاہور، امرتسر، لدھیانہ وغیرہ متعلقین کو اس حادثہ کی اطلاع دی گئی۔ صبح تک دیوبند کے

قرب و جوار اور مضافاتی دیہات سے مسلمانوں کی آمد کا یہ عالم تھا کہ رہائشی محلہ انسانوں کا ایک سمندر نظر آتا۔

غسل کی تیاری :

چاشت کا وقت گزرنے کے بعد غسل کی تیاری ہوئی اور مکان کے ایک حصہ میں جسدِ خاکی منتقل کر دیا گیا۔ دارالعلوم کے بعض حضرات غسل دینے میں شریک ہوئے۔ مولانا عبدالواحد صاحب استاد دارالعلوم دیوبند اور حافظ محمد شریف صاحب پیر جی اس سعادت میں شرکت کر رہے تھے۔ غسل و کفن کے بعد جنازہ گھر میں رکھ دیا گیا۔ دہلی اور پنجاب کے بعض علاقوں سے ٹیلی گرام دیوبند پہنچ چکے تھے، جس میں نماز جنازہ میں شرکت کی خصوصی درخواست کے ساتھ اپنے پہنچنے کی اطلاع بھی دی گئی تھی۔

جنازہ میں جم غفیر :

اس زمانہ میں پنجاب اور دہلی سے آنے والی گاڑی کا دیوبند اسٹیشن پر تین بجے کراس ہوتا، اس لئے مناسب سمجھا گیا کہ جنازہ کی نماز چار بجے کے قریب ہو۔ ظہر کی نماز کے بعد جنازہ کو گھر سے لے جانے کی تیاری ہوئی۔ ہجوم کی بنا پر اور ہر شخص کے اس والہانہ شوق کو دیکھ کر کہ جنازہ کو ہاتھ لگ جائے، جنازہ میں بانس کی بڑی بڑی بلیاں باندھ دی گئی تھیں، اس اہتمام کے باوجود سینکڑوں کاندھا دینے کی سعادت سے محروم رہے اور کثیر تعداد نے اپنے ہاتھوں میں موجود رومالوں کو جنازہ سے چھو کر یہ آخری سعادت حاصل کی۔ ظہر کی نماز کے بعد امام الحدیث کا جنازہ اسی دارالعلوم کے وسیع ترین صحن میں لا کر رکھ دیا گیا، جس کے چمن زار کا یہ ایک شاداب پھول تھا اور جس کی چمن بندی کے لئے اس باغبان نے اپنی حیاتِ مستعار کا نصف حصہ صرف کیا تھا۔ طلبہ کی آنکھوں نے اس پیکر علم کو سبز پوشاک میں

ملبوس دارالعلوم کے احاطے اور اس کی روشوں پر مصروف خرام دیکھا تھا۔ یہاں کے در و دیوار نے "قال اللہ و قال الرسول" کے اس شہید کی نوا انجی گوش ہوش سے سنی تھی۔

دلدوز اور بھیانک منظر :

آج سینکڑوں انسان سفید پوش میت کو اسی دبستان علم کے صحن میں اس طرح دیکھ رہے تھے، جیسے امواج سمندر کی سطح ٹھہر گئی ہو، یہ منظر کتنا دلدوز اور کتنا بھیانک تھا کہ جب مجمع کی کثرت کی بنا پر نودرہ کی عمارت کو ناکافی سمجھتے ہوئے تحتانی دارالحدیث کے تمام دروازے کھول کر جنازہ اس درسگاہ میں لاکر رکھ دیا گیا جہاں سالہا سال صحیح بخاری کے صحیفہ کو اس کوہ علم نے طلبہ کو سمجھایا تھا۔ نصف صدی کی اس اندوہناک تاریخ پر انسانوں کا ہجوم نہیں بلکہ در و دیوار بھی آہ وفغاں کر رہے تھے۔

میاں اصغر حسین نے نمازِ جنازہ پڑھائی :

صفیں سیدھی ہوگئیں اور دارالعلوم دیوبند کے ایک زاہد مرتاض میاں اصغر حسین نماز جنازہ پڑھانے کے لئے آگے آئے۔ اللہ اکبر کا بلند کلمہ کچھ اس انداز میں فضا میں گھل کر سامعین کے دلوں تک پہنچا کہ خدائے واحد کی کبریائی اور اس کے مقابلہ میں انسان کی بے بسی محسوس شکل میں سامنے آئی۔ ہجوم کی کثرت میں عارف باللہ کی گلوگیر آواز کو معلوم کرنا دشوار تھا۔ دارالحدیث کی وہ وسیع عمارت جس میں ایک ہزار کے قریب انسان ہر وقت سما سکتے ہیں بلکہ احاطہ مولسری، احاطہ دفتر اور صدر دروازہ سے باہر سامنے والی شاہراہ پر انسانوں کا ایک عظیم مجمع اشکبار آنکھوں اور سوختہ دلوں کے ساتھ دست بستہ کھڑا ہوا تھا۔ جا بجا مکبر متعین تھے جن کے دلدوز کلمات شدت غم سے حواس باختہ انسانوں کو چونکاتے۔ آج دیوبند میں ہڑتال تھی۔ ہندو دکانداروں نے بھی اس ماتمی ہڑتال میں حصہ لیا تھا۔ بوڑھے اور

نوجوان شریک نماز تھے۔ بچے اس حسرت انگیز منظر کے تماشائی، عورتیں مکانوں کی چھتوں پر وقف نظارہ تھیں، نماز ختم ہوئی اور جنازہ کو اپنے دوش پر لینے کے لئے مضطرب ہجوم میں ایک نئی کشمکش کا آغاز ہوا۔ یہ امام الحدیث کے پاکیزہ جسم سے اپنے ہاتھ مس کرنے کی آخری سعادت تھی جسے حاصل کرنے کے لئے سب ہی بیقرار تھے۔ جنازہ مدنی گیٹ سے باہر نکلا اور دارالعلوم سے عیدگاہ تک کا وہ فاصلہ جو چند منٹوں میں آسانی سے طے کیا جا سکتا ہے گھنٹہ سوا گھنٹہ کے طویل وقفہ میں طے ہوا۔ جنازہ قبرستان جاتے ہوئے مرحوم کے رہائشی مکان کے سامنے پہنچا تو مجمع بے قابو ہوگیا۔ اس گھر کی رونق اُجڑ چکی تھی اور جانے والا اپنے ساتھ یہاں کی پوری زندگی لئے جا رہا تھا، اب یہ ایک بیوہ کا مسکن اور چند یتیموں کا اُجڑا ہوا مکان ہی نہیں بلکہ علم و حکمت کا ایک خرابہ اور کمال علمی و عملی کا تباہ آشیانہ تھا، اس محلہ کی غیر مسلم آبادی جس نے بارہا مرحوم کو چلتے پھرتے دیکھا تھا جن کے بوڑھے اور نوجوان بچے اور عورتیں اس فرشتہ صورت انسان کے سامنے آتے ہی اپنے مخصوص انداز میں ہاتھ جوڑتے ہوئے جھک جاتے، آج جنازہ کو گریاں بریاں رخصتی سلام کر رہے تھے۔

شاہ منزل کے دروازہ پر دو معصوم بچے جو شفقت پدری سے تازہ تازہ محروم ہوئے تھے۔ اپنے باپ کے جنازہ کے انتظار میں کھڑے ہوئے تھے۔ ایک کی عمر چار سے پانچ سال تک اور دوسرا سات و آٹھ سال کی عمر کے درمیان۔ ان دونوں میں سے بڑا اکبر شاہ مرحوم عمر کی چودہ بہاریں دیکھنے کے بعد اپنے شفیق باپ کی آغوش میں جا پہنچا اور یہ سیاہ نامہ والد مرحوم کا منثور مرثیہ لکھنے کے لئے ابھی زندہ ہے۔ مولوی سید حسن رضوی نے جو انوریہ لائبریری کے معتمد اور شاہ صاحب مرحوم کے خصوصی خادم ہیں، ان بچوں کو اپنے ساتھ لیا اور جنازہ کے پیچھے چلے شام کے تین اور چار کے درمیان کا وقت تھا کہ جنازہ عیدگاہ کے صحن میں رکھ دیا گیا۔ قبر تیار ہو چکی تھی لیکن پنجاب، دہلی، بجنور، مراد آباد سے آنے والوں کا انتظار کیا

جا رہا تھا۔

بھائی ہمیں یہیں دفن کرنا :

مرحوم پھلوں کے شائق تھے۔ دیوبند کے بیر جوانی عمدگی ونفاست کی وجہ سے دور دور شہرت رکھتے ہیں۔ عیدگاہ کے قریب پٹھان کے مشہور باغ تھے۔ بیر کی فصل آتی تو معمولاً بیر کھانے کے لئے ان باغات میں تشریف لے جاتے۔ جہاں آج آپ کا مرقد ہے۔ طلبہ وہیں آپ کے لئے مصلّٰی بچھا دیتے، جس پر بیٹھ کر بیر تناول فرماتے۔ بارہا موجود خدام سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ بھائی ہمیں یہیں دفن کرنا۔

طویل القامہ لحیم وشحیم سفید پوش :

یہ وصیت اور آپ کی دیرینہ خواہش والدہ مرحومہ تک پہنچ چکی تھی۔ وفات کی صبح میں اپنا ایک طلائی زیور فروخت کر کے مرحومہ نے یہ زمین خرید لی اور نامور شوہر کی وصیت کو پورا کرنے کی سعادت ان کے حصہ میں آئی۔ یہ قطعاً غلط ہے کہ دارالعلوم سے اختلاف کی بنا پر مرحوم کے برادر نسبتی حکیم سید محفوظ علی صاحب نے اکابر دارالعلوم کے ساتھ قبرستان قاسمی میں دفن کرنے سے گریز کیا لیکن یہ بھی معلوم نہیں کہ مدفن کے لئے اس زمین کو شاہ صاحب نے کس خصوصیت کی بنا پر انتخاب کیا تھا۔ ہجوم برابر بڑھ رہا تھا اور جن مخصوص حضرات کا انتظار تھا، وہ بھی پہنچ چکے تھے۔ جنازہ لحد میں اُتارنے کے لئے آگے بڑھایا گیا، قرب و جوار میں موجود درختوں پر بھی آدمی چڑھ چکے تھے جس سے بعض تناور درختوں کے تنے ٹوٹ کر گرے لیکن بے قابو ہجوم کو کنٹرول کرنا ممکن نہیں تھا۔ میت قبر پر لا کر رکھی گئی تو ایک طویل القامہ لحیم وشحیم سفید پوش سر سے پاؤں تک چادر میں لپٹا ہوا مجمع کو چیرتا پھاڑتا آگے آیا اور ایک لمبی جست لگا کر جنازہ تک پہنچ گیا۔ وہ چادر جو میت کے اوپر تھی اسے کھینچ کر اس

تیزی سے فرار ہوا کہ ہزاروں انسانوں کا ہجوم اس کے تعاقب میں ناکام رہا۔ چار اور پانچ کے درمیان اس گنجینۂ علوم کو زیر زمین دفن کر دیا گیا۔ مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَ فِيهَا نُعِيدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى۔

دنیا سے علم اُٹھ جائیگا :

حافظ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی میت لحد میں اُتار کر مٹی دی جا رہی تھی تو آپ کے ایک نامور شاگرد آگے بڑھے اور فرمایا کہ : "هٰكَذَا يَذْهَبُ الْعِلْم" تشریح اس ارشاد کی خود ان کی زبانی سنئے :

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ دنیا سے علم اُٹھ جائے گا۔

یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ علم دنیا سے کیونکر اُٹھے گا، لیکن رئیس العلماء ابن عباسؓ کی موت نے بتا دیا کہ دنیا سے علم کے اُٹھنے کی یہ صورت ہوگی۔

علم وکمال کی جیتی جاگتی ہستی دفن کر دی گئی :

عیدگاہ دیوبند کے قریب ایک گوشہ میں وادی لولاب کے کسی ایک انسان کو دفن نہیں کیا گیا بلکہ کمال علم اور کمال عمل کی ایک جیتی جاگتی ہستی دفن کر دی گئی۔ یہ تنہا انور شاہ کی وفات نہیں بلکہ چمنستان علم سے فصل بہار کی رخصت، ہمال علم کے پھولوں سے بہجت و شادابی کا خاتمہ، حدیث وتفسیر فقہ وادب معانی وبیان منطق وفلسفہ اور ان تمام علوم کا زوال تھا جو مرحوم کی شخصیت میں مبدأ فیاض کی عنایت سے جمع ہو گئے تھے۔ گردش لیل ونہار کو رو کے اور امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری کی رحلت، حافظ ابن تیمیہ کی موت، ابن حجر عسقلانی کا ارتحال، امام غزالی کا سانحہ، محی الدین ابن عربی کی وفات، فخر رازی کا عالم آب وگل سے سفر، ابن رشد اور جاحظ کا دنیا سے پردہ اور کسائی کے چہرہ پر موت کے آثار، یہ سب منظر

دیکھنے والوں نے اس وقت دیکھے جب امام العصر کی میت کو زیر زمین رکھا جارہا تھا۔ یہ دنیا اپنی زندگی کے ان گنت سال گذار چکی اور خدا جانے کہ اس کی عمر ابھی کتنی باقی ہے لیکن علم کی محفلیں انور شاہ کو کبھی فراموش نہیں کر سکتیں اور جب تک اس کائنات میں علم وفن' دین و دانش کے زمزمے بلند رہیں گے یہ فرہادِ کمال بھی زندہ و پائندہ رہے گا ....

عشق سے ہوں گے جن کے دل آباد
قیس مرحوم کو کریں گے یاد

اخبارات کا ماتم اور دیوبند میں تعزیتی جلسہ :

اگلے روز ہندوستان کے مسلم اخبارات نے سیاہ حاشیوں کے ساتھ علامہ مرحوم کے سانحۂ وفات کی دلدوز خبر شائع کی۔ ظفر علی خان مرحوم کے "زمیندار"۔ غلام رسول مہر کا "انقلاب" بجنور کا اخبار "مدینہ"۔ مولانا مظہر علی کا "الامان" اور دینی علمی رسالے مدتوں اس حادثہ پر ماتم کرتے رہے۔ غیر منقسم ہندوستان کا کوئی مدرسہ ایسا نہ تھا جہاں تعزیتی جلسے کے ساتھ قرآن خوانی نہ ہوئی ہو۔ انجمنوں نے تعزیتی قراردادیں پاس کیں اور ہزاروں کی تعداد میں قرآن ختم کئے گئے۔ ان جلسوں میں تین جلسے تاریخی شہرت کے مالک ہیں۔

علامہ اقبالؒ کا خراجِ تحسین :

سب پہلا جلسہ لاہور کا ہے، جس میں علماء و فضلاء کے ساتھ شاعرِ مشرق ڈاکٹر اقبال مرحوم نے اس شعر کے ساتھ تقریر شروع کی ....

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

فرمایا: "اسلام کی آخری پانچ سو سالہ تاریخ مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی نظیر پیش

کرنے سے عاجز ہے۔ ایسا بلند پایہ عالم اور فاضل جلیل اب پیدا نہ ہوگا۔ وہ صرف جامع العلوم قسم کی ایک شخصیت ہی کے مالک نہیں تھے بلکہ عصر حاضر کے دینی تقاضوں پر بھی ان کی پوری نظر تھی۔ میں نے جدید فقہ کی تدوین کے لئے ان کا انتخاب کیا تھا اور اس موضوع پر ان سے گفتگو بھی رہی، جس طرز پر فقہ کی تدوین میرے پیش نظر تھی اس کے لئے مناسب شخصیت ان کے سوا عالم اسلام میں کوئی نہ تھی۔ دیوبند سے علیحدگی کے بعد لاہور کے قیام کی تجویز میں نے ان کے سامنے رکھی، جسے فی الجملہ مرحوم نے قبول بھی کر لیا تھا لیکن اہل گجرات کے اصرار پر آپ ڈابھیل تشریف لے گئے اور وقت کی سب سے بڑی ضرورت کی تکمیل بدقسمتی سے نہیں ہو سکی۔ اب میں مایوس ہوں کہ اس عظیم ترین کام کے لئے کوئی شخصیت موزوں نظر نہیں آتی۔

آج علم کا آفتاب غروب ہوگیا :

دوسرا تعزیتی جلسہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کا ہے جہاں آپ کے جانشین مولانا شبیر احمد عثمانی نے علماء، طلباء اور گجرات کے عام باشندوں کو اپنے ان دلدوز کلمات سے بے چین کر دیا۔ فرمایا کہ "آج علم کا آفتاب غروب ہوگیا اور کمالات کا اُجالا تاریکیوں کی لپیٹ میں ہے۔ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری مرحوم کی وفات اسلام کا وہ بڑا حادثہ ہے جس کے نتیجہ میں طلبہ نہیں بلکہ اہل فضل و کمال یتیم ہو گئے۔ طلبہ کے لئے تو الحمد للہ ہم لوگ کافی ہیں لیکن ہماری مشکلاتِ علمی کا حل کرنے والا دنیا سے اُٹھ گیا۔ بلاشبہ آپ کی وفات سے ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا جس کا پُر ہونا بہت مشکل ہے۔ عام طور پر دنیا آپ کو بے نظیر قوی الحفظ اور وسیع العلم فاضل کی حیثیت سے جانتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ آپ کا تعارف ناقص ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کی شخصیت میں علماء متقدمین کے کمالات اس طرح جمع ہو گئے تھے کہ

کمالات انوری کا ہر پہلو فخر روزگار شخصیتوں کا مکمل عکس نظر آتا ہے۔ اس لئے اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ اے شبیر! تم نے ابن حجر عسقلانی کو دیکھا ہے یا ابن دقیق العید سے تمہاری ملاقات ہوئی یا تم کو سلطان العلماء عزالدین بن عبدالسلام کی زیارت کی سعادت نصیب ہے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ مجھے ان شخصیتوں سے نیاز کا موقعہ ملا، زمانہ کی گردش کا فرق ہے ورنہ حضرت شاہ صاحب مرحوم اگر قدیم صدیوں میں پیدا ہوئے ہوتے تو کتب سیر وسوانح میں ان کا ذکر انہیں مذکورہ اشخاص کے پہلو بہ پہلو کیا جاتا۔ تشبیہ واستعارہ کی زبان میں حضرت مرحوم کی زیارت متقدمین علماء کی زیارت اور ان سے شرف ہمکلامی ہے۔ اس لئے میرے نزدیک ان کی وفات ابن حجر کا سانحہ ابن دقیق العید کی رحلت اور سلطان العلماء کا دنیا سے اُٹھ جانا ہے۔

مجمع تصویر غم بن گیا:

ڈابھیل کے باشندوں سے سنا ہے کہ مولانا عثمانی کے دردانگیز کلمات نے پورے مجمع کو تصویر غم بنا دیا۔ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ایک ہفتہ تک بند رہا اور صبح وشام ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی اور کلمہ طیبہ کا ورد ہوتا رہا۔

تیسرا تعزیتی جلسہ وفات سے اگلے دن صبح کو دارالعلوم دیوبند کے دارالحدیث کی وسیع عمارت میں ہوا، جس میں تمام اکابر دارالعلوم دیوبند خصوصاً مولانا حسین احمد مدنیؒ نے تعزیتی تقریر فرمائی۔ تعزیتی جلسہ شروع ہوا تو طلباء دارالعلوم بیقراری سے رو رہے تھے۔ مولانا مدنیؒ نے اشکبار طلبہ سے فرمایا کہ اسلام کی تیرہ سو سالہ تاریخ میں بڑے بڑے حادثے اور اہم شخصیتوں کی وفات کا حادثہ پیش آیا۔ سرور کائنات ﷺ کی وفات اور خلفائے راشدین کی رحلت اسلام پر ایک سانحہ عظیم تھا لیکن اس وقت بھی صبر سے کام لیا گیا

آپ بھی صبر سے کام لیں۔ بلاشبہ حضرت شاہ صاحب مرحوم کی وفات سے علماء وطلبہ یتیم ہوگئے۔ فضل وکمال، تبحر علمی، وسعت معلومات اور قوت حافظہ میں آپ کی نظیر نہیں تھی، میں نے ہندوستان اور عالم اسلام کے نامور علماء کو دیکھا اور ان سے ملاقات کی ہے لیکن علامہ کشمیری مرحوم کی نظیر کہیں نہیں پائی۔ جلسۂ تعزیت کے اختتام پر ایک صاحب نے فارسی کے تعزیتی اشعار پڑھے تو آپ پر رقت طاری ہوگئی۔ دارالعلوم دیوبند میں تین روز مسلسل قرآن خوانی ہوتی رہی۔ دہلی میں جمعیۃ العلمائے ہند کی جانب سے ایک جلسۂ تعزیت ہوا، جس میں مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب اور مولانا احمد سعید مرحوم نے اس روح فرسا واقعہ پر غم انگیز تقریریں کیں۔ غرض یہ کہ ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں تعزیتی اجلاس، تعزیتی قراردادیں اور قرآن خوانی کا سلسلہ تین مہینہ تک جاری رہا۔

عالِم کی موت عالَم کی موت ہے:

اہل اللہ کی وفات عام انسانوں کی موت نہیں بلکہ جناب رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "عالِم کی موت عالَم کی موت ہے"۔

یہ واقعہ ہے کہ کسی عالم ربانی کے سانحہ پر انسان ہی ماتم نہیں کرتے بلکہ حدیث سے ثابت ہے کہ زمین وآسمان بھی اس کی موت پر اشکبار ہوتے ہیں۔ حدیث ہی میں تو ہے کہ اہل علم کے لئے کائنات کا ذرہ ذرہ دعا گو رہتا ہے تا آنکہ سمندر کی تہ میں مصروف گردش مچھلیاں بھی۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ اہل اللہ کے فیوض سے کائنات کی ہر چیز فائدہ اُٹھاتی ہے۔ آفتاب نکلتا ہے تو اس کی ضو فشانی کے لئے کوئی مخصوص علاقہ نہیں۔ اسی طرح جب وہ غروب کرتا ہے تو تاریکی سب جگہ چھا جاتی ہے تو اہل اللہ اور علماء کے وجود سے پوری دنیا

روشن ومنور اور ان کی موت پر پوری دنیا تاریک اور ظلمت ہر طرف محیط۔ خدا تعالیٰ اہل اللہ کی وفات سے پہلے اس پیش آنے والے حادثہ کی اطلاع بھی دے دیتے ہیں۔

آفتاب ٹوٹ کر زمین پر گر پڑا:

چنانچہ آپ کی علالت کا آخری دور گذر رہا تھا تو حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری کے صاحبزادے نے جو اس وقت دارالعلوم میں طالب علمی کرتے تھے، خواب میں دیکھا کہ آفتاب ٹوٹ کر زمین پر گر پڑا۔ مغرب کی نماز حضرت شاہ صاحبؒ کی خانقاہ کی مسجد میں ادا کی۔ بعد نماز ان صاحبزادے نے اپنا یہ خواب حضرت موصوف کو سنایا، سُن کر فرمایا کہ بھائی کسی بہت بڑے عالم کی وفات ہوگی اور ممکن ہے کہ میری ہی ہو۔

اس خواب کے چند روز بعد ہی مرحوم کا سانحۂ وفات پیش آ گیا۔ بلاشبہ آپ اپنے علم وفضل کے اعتبار سے ایک درخشاں آفتاب تھے اور آپ کا حادثہ آفتاب علم کا ٹوٹ کر گرنا تھا۔ وفات کے بعد متعدد لوگوں نے ایسے خواب دیکھے جو آپ کی مغفرت کاملہ اور نجات کی جانب مشیر ہیں۔

یہ کس کا جنازہ ہے:

مولوی عبدالواحد صاحب نے ایک رات یہ خواب دیکھا کہ ایک جنازہ ہے اور اس کے پیچھے اتنا بڑا ہجوم جسے شمار کرنا بھی ممکن نہیں۔ مخلوق جنازے کے پیچھے دوڑ رہی ہے اور ہجوم بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ میں بھی اسی ہجوم میں شریک ہوگیا اور لوگوں سے پوچھا کہ یہ کس کا جنازہ ہے؟ بتایا گیا کہ یہ جناب رسول اکرم ﷺ کا جنازہ ہے جسے لوگ تبرکاً اور حصول برکت کے لئے کاندھا دینے کے لئے دوڑ رہے ہیں۔ میں نے ہجوم سے کہا کہ ذرا ٹھہرو ٹھہرو۔ میں جناب رسول اکرم ﷺ کے چہرۂ انور کی زیارت کرنا چاہتا ہوں، میری

بیقراری پر جنازۂ مبارک زمین پر رکھ دیا گیا اور ہجوم نعش مبارک کے قریب سمٹنے لگا۔ میں نے چہرۂ مبارک سے چادر ہٹائی تو وہ بعینہٖ چہرۂ حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کا تھا۔

نجات ومغفرت کی بشارت:

اس کے علاوہ مولانا حکیم عبدالرشید صاحب محمود نے حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا کہ حضرت مرحوم سبز پوشاک میں ہیں اور بے ریش وبروت۔ حکیم صاحب فرماتے تھے کہ اس خواب کو دیکھ کر مجھے حیرانی وتشویش ہوئی۔ غالباً حضرت تھانویؒ کو خواب لکھ کر بھیجا تو حضرتؒ نے تحریر فرمایا کہ یہ حضرت شاہ صاحبؒ کی نجات ومغفرت اور اہل بہشت میں سے ہونے کی بشارت ہے۔ چونکہ حدیث میں آیا ہے کہ اہل جنت جُرْدٌ مُرْدٌ یعنی بے ریش وبروت ہوں گے جس سے اس طرف اشارہ ہے کہ خدا تعالیٰ بہشت بریں کی لذتوں اور وہاں کی راحتوں سے استفادہ کے لئے شبابی عہد کو لوٹا دیں گے۔ ظاہر ہے کہ از کار رفتہ بوڑھے کسی آرام دہ ماحول سے بھی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ شبابی دور میں نہ صرف یہ کہ قویٰ برسرکار ہوتے ہیں بلکہ اس زمانے کی اُمنگیں انسان کو ہر نعمت سے صحیح استفادہ کا بھرپور موقعہ بھی دیتی ہیں تو یہ خدائے تعالیٰ کی مزید نعمت ہے کہ بہشت سے اور اس کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے قویٰ بھی مناسب عنایت فرمائے۔

مزار اور لوحِ مزار:

عرض کر چکا ہوں کہ آپ کو عیدگاہ دیوبند سے متصل ایک قطعہ زمین میں دفن کیا گیا۔ اس زمین پر آپ کی سب سے پہلی قبر تھی لیکن بہت جلد آپ کی بڑی صاحبزادی عابدہ خاتون وفات پا کر وہیں دفن ہوئیں۔ دیوبند میں آپ کے چند خصوصی معتقدین بھی اسی مقبرہ میں دفن ہیں۔ مجھ سے بڑا بھائی محمد اکبر شاہ مرحوم تیرہ چودہ سال کی عمر میں غریق

رحمت ہو کر اپنے نامی گرامی والد کے قدموں کے نیچے سوتا ہے۔ آپ کے برادر نسبتی حکیم محفوظ علی صاحب، والدہ مرحومہ اور راقم الحروف کی پہلی اہلیہ نجیبہ خاتون بائیں جانب دفن ہیں۔ پورے خاندان کے بڑے چھوٹے اور معصوم بچے بیس پچیس کی تعداد میں ان سب کی قبریں والد مرحوم کے ساتھ ہیں۔ مزار کی داہنی جانب اس ظلوم وجہول نے ان تمناؤں کے ساتھ خالی رکھی ہے کہ رحمتِ حق ایک سراپا عصیان کو اسی مطہر زمین کا پیوند خاک بنائے۔ والامر بید اللہ۔

وفات کے چند روز بعد مولانا حفظ الرحمٰن مرحوم دہلی سے لوحِ مزار تیار کرا کر لائے جس کا مضمون مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کا اور کتابت مشہور خطاط محمد یوسف دہلوی کی ہے۔ لوحِ مزار کا مضمون بھی ایک فاضل روزگار کے قلم کی تراوش ہونے کی وجہ سے اس قابل ہے کہ یہاں نقل کر دیا جائے۔ الفاظ یہ ہیں:

''مرقد مبارک ومنور حضرت رئیس الحکماء والمتکلمین، خاتم الفقہاء والمحدثین، شیخ الاسلام مولانا سید محمد انور شاہ کہ بتاریخ ۳ رصفر ۱۳۵۲ھ بوقت نصف شب از دار الفنا بسوئے دار البقاء رحلت فرمود''۔

اس لوحِ مزار کے ساتھ مسنون خام قبر عیدگاہ کے دامن میں زیارت گاہ خاص و عام اور مرجع اہل علم وکمال ہے۔ مرحوم کی عمر کل ساٹھ سال کی ہوئی۔ (نقشِ دوام ص ۲۸۲ تا ۲۸۳)

علوم حدیث کے حافظ :

حضرت امام کشمیریؒ کو اکابر علماء ومشائخ اور زعماء نے ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔

'' مولانا محمد انور شاہ مرحوم وسعتِ نظر، قوتِ حافظہ اور کثرتِ حفظ میں اس عہد

میں بے مثال تھے۔ علوم حدیث کے حافظ اور نکتہ شناس، علوم ادب میں بلند پایہ، معقولات میں ماہر، شعر وسخن سے بہرہ مند اور زہد وتقویٰ میں کامل تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی نوازشوں کی جنت میں ان کا مقام اعلیٰ کرے کہ مرتے دم تک علم ومعرفت کے اس شہید نے قَالَ اللّٰہُ وَ قَالَ الرَّسُوْلُ کا نعرہ بلند کیا''۔ (علامہ سید سلیمان ندویؒ)

عصر حاضر کا کامل ترین عالم ربانی :

''حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات بلاشبہ وقتِ حاضر کے کامل ترین عالم ربانی کی وفات ہے۔ جن کی نظیر مستقبل قریب میں متوقع نہیں۔ طبقہ علماء میں حضرت شاہ صاحب کا تبحر کمال، فضل وورع وتقویٰ، جامعیت واستغنا مسلّم تھا۔ موافق ہو یا مخالف ان کے سامنے تسلیم وانقیاد سے گردن جھکا دیتا تھا۔ (مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ)

چمنِ ولی اللّٰہی کے ثمردار درخت :

مولانا محمد انور شاہ صاحب چمن ولی اللّٰہی کے ایک بارآور اور ثمردار درخت تھے جو اپنے گنجان سایہ سے تمام عالم کو مستفید کر رہے تھے اور جس درخت کے شیریں پھلوں سے ایک عالم اپنی گرسنگی کو دور کر رہا تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ ایک فیض جاری کے ایسے سرد اور شیریں چشمہ تھے جس کے پانی کا بہاؤ نہ صرف ہندوستان تک محدود تھا بلکہ تمام عالم اسلامی اس چشمہ سے سیراب ہو رہا تھا۔ اس کا منبع اگرچہ دیو بند میں تھا لیکن اس کا دھارا چین، بخارا، جاوا، مصر اور ترکی میں پڑتا تھا''۔ (سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی مرحوم)

انور شاہؒ کے سینے میں کتب خانہ محفوظ ہے :

'' میں ایسے حضرات کو بھی جانتا ہوں جن کو ایک لاکھ حدیثیں یاد ہیں اور ایسے حضرات کو بھی جانتا ہوں جن کو صحیحین حفظ یاد ہیں لیکن ایسا عالم کہ کتب خانہ کا کتب خانہ ہی

جس کے سینے میں محفوظ ہو سوائے حضرت مولانا انور شاہ کے کوئی نہیں دیکھا۔

میں نے ہندوستان' حجاز' عراق اور شام وغیرہ ممالکِ اسلامیہ کے علماء و فضلاء سے ملاقات کی اور مسائلِ علمیہ میں ان سے گفتگو کی لیکن تبحرِ علمی' وسعتِ معلومات اور علوم نقلیہ (یعنی قرآن کریم و حدیثِ رسولِ اکرمؐ) اور علوم عقلیہ (یعنی فلسفہ' تاریخ اور ہیئت وغیرہ) کے احاطہ میں شاہ صاحبؒ کا کوئی نظیر نہیں پایا"۔ (شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ)

جی چاہتا ہے شاہ صاحب کے چہرے کو دیکھتا رہوں:

☆ "حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ کی نظیر علوم میں خصوصاً علم حدیث میں پیش کرنے سے تمام ایشیا عاجز ہے۔ جی چاہتا ہے کہ شاہ صاحبؒ کے چہرے کو دیکھتا ہی رہوں"۔ (بابائے صحافت مولانا ظفر علی خان مرحوم)

☆ "اس قسم پر کوئی کفارہ نہیں جو اس امر پر کھائی جائے کہ مولانا انور شاہؒ اس زمانے میں بے نظیر عالم ہیں"۔ (امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ)

☆ "صحابہؓ کا قافلہ جا رہا تھا' یہ پیچھے رہ گئے تھے"۔

(خطیب العصر رئیس الاحرار سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ)

☆ "شاہ صاحبؒ سلفِ صالحین کا نمونہ ہیں اور علم کا ایک چلتا پھرتا کتب خانہ ہیں"۔ (مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ)

میں نے کتابوں میں یہ مسئلہ نہیں دیکھا:

☆ "مجھے جب کبھی کسی مسئلہ میں کوئی دشواری پیش آتی تو کتب خانہ دارالعلوم کی طرف رجوع کرتا' اگر کوئی چیز مل جاتی تو فبہا ورنہ پھر حضرت شاہ صاحبؒ سے رجوع کرتا۔ شاہ صاحبؒ جو جواب دیتے اُسے آخری اور تحقیقی پاتا اور اگر حضرت شاہ صاحبؒ نے کبھی

یہ فرمایا کہ میں نے کتابوں میں یہ مسئلہ نہیں دیکھا تو مجھے یقین ہو جاتا کہ اب یہ مسئلہ کہیں نہیں ملے گا اور تحقیق کے بعد ایسا ہی ثابت ہوتا"۔ (مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ)

☆ "اگر مجسم علم کسی کو دیکھنا ہو تو مولانا انور شاہ کو دیکھ لے"۔

(مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹیؒ)

شاہ صاحب کے درجہ کا عالم:

☆ "میں نے شاہ صاحبؒ کے علاوہ اس درجہ کا کوئی عالم نہیں دیکھا جو امام بخاریؒ، حافظ ابن حجرؒ، ابن تیمیہؒ، ابن حزمؒ اور شوکانیؒ وغیرہ کے نظریات پر تنقیدی نظر و محاکمہ کر سکتا ہو اور ان حضرات کی جلالتِ قدر کا پورا لحاظ رکھ کر بحث و تحقیق کا حق ادا کر سکے"۔

(علامہ محدث علی حنبلی مصریؒ)

☆ "علامہ ابن الہمام (صاحب فتح القدیر متوفی ۸۶۱ھ) کے بعد انور شاہؒ کے پایہ کا کوئی دوسرا شخص نہیں ہوا جو متنِ احادیث سے نئے نئے مباحث نکات کے استنباط و استخراج کی اہلیت رکھتا ہو اور یہ وقفہ (شاہ صاحبؒ اور ابن ہمامؒ کے درمیان) کوئی معمولی وقفہ نہیں ہے"۔ (محدث و مفسر علامہ زاہد الکوثریؒ)

☆ سلطنتِ ترکی کے سابق شیخ الاسلام مصطفیٰ صبری نے حضرت شاہ صاحبؒ کی تصنیف "مرقاۃ الطارم" دیکھ کر فرمایا کہ:

"میں نہیں سمجھتا تھا کہ فلسفہ و کلام کے دقائق کا اس انداز سے سمجھنے والا اب بھی کوئی دنیا میں موجود ہے۔ جتنا کچھ آج تک اس موضوع پر لکھا جا چکا ہے اس رسالہ کو اس سب پر ترجیح دیتا ہوں اور اسفار اللہ شیرازیؒ کی ان چار مجلدات کبیرہ پر بھی"۔ (شیخ الاسلام مصطفیٰ صبری)

☆ ''علامہ انور شاہ صاحبؒ متاخرین میں جس پائے کے محدث گذرے ہیں، وہ اونچے اہل علم سے مخفی نہیں۔ حق یہ ہے کہ حدیث کے وسیع و دقیق فن کی مہارت کا جو سلسلۃ الذہب قرونِ اولیٰ سے چلا تھا، موصوف اس کی آخری کڑی تھے اور اب آپ کے بعد پوری دنیائے اسلام میں اس شان کے محدث اور حافظ حدیث کم از کم ہماری معلومات کی حد تک عنقا کے درجے میں ہیں۔ حدیث کو سمجھنے والے' اس پر عمدگی سے کلام کرنے والے اور اس کے مطالب و مفاہیم کو دلنشین پیرائے میں بیان کرنے والے تو بفضلہٖ تعالیٰ اب بھی ہیں لیکن جلیل القدر حفاظ حدیث کی یہ مخصوص شان کہ صدہا احادیث لفظ بہ لفظ حافظے میں محفوظ ہو اور بروقت ان کا استحضار بھی ہو۔ علامہ انور شاہ صاحبؒ کے بعد کہیں نظر نہیں آتی''۔

(مولانا عامر عثمانی مرحوم)

☆ ''میں حضرت شاہ صاحبؒ کے یگانہ کمالات اور ان کے تبحر علمی، مُحیر العقول حافظہ اور فنِ حدیث میں ان کے علوِ مرتبہ' نیز ان کی حیرت انگیز وسعتِ نظر سے نہ صرف واقف بلکہ اس کا معتقد ہوں لیکن مجھے ان سے تلمذ کا شرف حاصل نہیں۔ میری واقفیت بالواسطہ اور ان کے تلامذہ کے ذریعے سے ہے''۔ (مفکر اسلام مولانا سید ابو الحسن علی ندوی)

☆☆☆☆☆☆

باب : ١١

دو تاریخی دستاویزات

١۔ مقدمہ بہاولپور کی تفصیلی رپورٹ

٢۔ علامہ رشید رضا کی آمد پر علماءِ دیوبند کے عقائد، مسلک و منہج پر مفصل خطاب

مقدمۂ بہاولپور کی اجمالی روئیداد

حضرت امام کشمیریؒ کا مقدمۂ بہاولپور میں کردار ایک تاریخی کردار ہے جس کے بعض گوشے مختلف ابواب میں نقل ہوتے آئے ہیں۔ ذیل میں سید محمد ازہر شاہ قیصر کے مرتب کردہ مقدمۂ بہاولپور کی اجمالی رپورٹ نذر قارئین ہے، جس سے تمام تر منظر آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے۔ .... (ادارہ)

بہاولپور کے تاریخی مقدمہ میں شہادت کے لئے رسول اللہ ﷺ کے جانبدار ہو کر جب حضرت شاہ صاحبؒ تشریف لے گئے۔ احقر حضرت کے ہمراہ تھا۔ مولانا اسعد اللہ صاحب سہارنپوری اور احقر دونوں کو حضرت شاہ صاحبؒ نے مختار مقدمہ بنوایا۔ چنانچہ احقر کو ۱۹ یوم سعادت رفاقت نصیب ہوئی۔ حضرت کو ان ایام میں مرض بواسیر کا دورہ شدید تھا' خون کثرت سے آ تا رہا۔ صفرا کا غلبہ ہو گیا تھا، پیاس شدت کی رہتی تھی، ضعف میں قوت اور قوت میں ضعف ہو گیا تھا۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کا پہلے بیان ہوا۔ ایک دن بیان دوسرے دن جرح ہوئی۔ مولانا مرتضیٰ حسنؒ چاندپوری کا دو دن بیان ہوا' تیسرے دن جرح ہو کر پانچویں دن عدالت کا وقت شروع ہونے سے ایک گھنٹہ بعد تک رہی، پھر حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں اطلاع دی گئی، کار سے تشریف لائے، زائرین کا ہجوم تھا۔ ڈسٹرکٹ جج صاحب مرحوم نے نہایت اعلیٰ انتظام فرمایا تھا تا کہ کارروائی سننے والوں کو

وقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

جب حضرت شاہ صاحبؒ نے کمرۂ عدالت میں قدم مبارک رکھا، تمام حاضرین اُٹھ کھڑے ہوئے، تا آنکہ مرزائی بھی کھڑے ہوئے۔ احقر نے حضرت کے ضعف و نقاہت کے باعث جج صاحب سے عرض کر کے آرام کرسی کا انتظام کروایا تھا کہ حضرت بیٹھ کر بیان دیں گے۔ ہم دونوں کے لئے بھی کرسیاں رکھی ہوئی تھیں لیکن ہمیں تو اوپا کھڑے ہی رہنا تھا اور کام بھی کرنا تھا، اس لئے دونوں کرسیاں اُٹھوا دی تھیں۔ کمال یہ کہ مرزائی ہر دو مختاران مدعا علیہ بھی اپنی اپنی کسریاں اُٹھوا کر زمین پر بیٹھ گئے۔

حضرت کے حکم سے حوالہ جات کتب نکال کر پیش کرنا بھی احقر کے سپرد تھا اور حضرت کی بین کرامت تھی جس عبادت کے متعلق ارشاد فرماتے، احقر فوراً نکال کر پیش کرتا تھا اور حضرت پڑھ کر جج صاحب کو سناتے تھے۔ بیان شروع ہوتے ہی تمام کچہری میں سناٹا چھا گیا تھا، حاضرین ہمہ تن گوش تھے، حضرت کا بیان نہایت سکون و اطمینان سے سن رہے تھے، باوجود ضعف کے آواز اتنی بلند ہو جاتی تھی کہ عدالت کے اندر باہر سب کو پورا بیان سنائی دیتا تھا۔ مرزائی لوگ مولانا مرتضیٰ حسن کے بیان میں شور مچاتے تھے لیکن حضرت کے بیان میں سب کی زبانیں گنگ ہو گئی تھیں۔ ایسا منضبط اور اُصولی بیان: لاعین رات ولا اذن سمعت۔

جج صاحب کی آرزو تھی کہ بیان ایسا ہونا چاہئے جس سے مجھے نتیجہ تک پہنچنا آسان ہو جائے کہ کن وجوہ کی بناء پر کسی کی تکفیر کی جاسکتی ہے۔ سو حضرت کا بیان ماشاء اللہ ایسا ہی تھی۔ جج صاحب نہایت محظوظ ہو رہے تھے کہ ان کی مراد بر آئی۔ وہ فرماتے تھے کہ: جزیاتِ منتشرہ کی بھرمار سے کوئی خاص نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ افسوس ہے کہ "بیاناتِ علماء ربانی" کے نام سے جو کتاب شائع ہوئی ہے، اس میں وہ تفصیلات درج نہیں ہیں۔ نیز جو عبارات اثناء بیان میں تشریحات و تفسیرات کے ساتھ پیش فرمائی جاتی تھیں، وہ بھی پوری

درج نہیں کی گئیں۔ صرف اتنا بیان طبع ہوا جو حضرت شاہ صاحبؒ جج صاحب کو املاء کرواتے تھے۔ اس میں حوالہ جات کی عبارات کا صرف اوّل اور آخری لفظ لے لیا گیا ہے۔ حالانکہ حضرت شاہ صاحبؒ پوری عبارات مع تشریحات و تفسیر سناتے تھے۔ اگر ذرا تکلیف انجمن مؤید الاسلام بہاولپور کے منتظمین گوارا فرماتے یا کم از کم احقر لائل پوری کو حکم فرماتے تو حضرت شاہ صاحبؒ کا پورا مشرح مفصل و مبسوط بیان ۱۶۰ صفحات پر آ جاتا۔ اس لئے کہ احقر بھی پورا پورا بیان ساتھ ساتھ لکھتا جاتا تھا۔ فیصلہ مقدمہ پڑھئے، معلوم ہو جائے گا کہ فاضل جج نے اپنے صادق مصدوق فیصلے کا مدار زیادہ تر حضرت شاہ صاحب ہی کے محققانہ بیان پر رکھا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کا بیان سننے کے لئے پنجاب، بلوچستان، کراچی اور دیگر دور دراز علاقوں کے علماء و فضلاء و رؤساء اور آفیسران ریاست آئے ہوئے تھے۔

انجمن مؤید اسلام بہاولپور نے جو تمہیدی الفاظ حضرت کے بیان "البیان الازہر" پر لکھے ہیں، ملاحظہ فرمایئے:

"شیخ الاسلام والمسلمین اسوۃ السلف و قدوۃ الخلف حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کاشمیری قدس اللہ اسرارھم کی بلند ہستی کسی تعارف اور توصیف کی محتاج نہیں۔ آپ کو مرزائی فتنے کے رد و استیصال کی طرف خاص توجہ تھی، حضرت شیخ الجامعہ صاحب کا خط شاہ صاحبؒ کی خدمت میں دیوبند پہنچا تو حضرت ڈابھیل تشریف لے جانے کا ارادہ فرما چکے تھے اور سامان سفر باندھا جا چکا تھا، مگر مقدمہ کی اہمیت کو ملحوظ فرما کر ڈابھیل کی تیاری کو ملتوی فرمایا اور ۱۹؍اگست ۱۹۳۲ء کو بہاولپور کی سرزمین کو اپنی تشریف آوری سے مشرف فرمایا۔ حضرت کی رفاقت میں پنجاب کے بعض علماء مولانا عبدالحنان خطیب آسٹریلیا مسجد

لاہور و ناظم جمعیۃ علماءِ پنجاب مولانا محمد صاحب لائل پوری فاضل دیوبند'
مولانا محمد زکریا صاحب لدھیانوی وغیرہم بھی تشریف لائے۔
ریاست بہاولپور اور ملحقہ علاقہ کے علماء اور زائرین اس قدر جمع ہوئے
کہ حضرت کی قیام گاہ پر بعض اوقات بیٹھنے کی جگہ نہ ملتی تھی اور زائرین
مصافحہ سے مشرف نہ ہو سکتے تھے''۔

۲۵/اگست ۱۹۳۲ء کو حضرتؒ کا بیان شروع ہوا، عدالت کا کمرہ امراء و روساءِ ریاست و علماء کی وجہ سے پُر تھا۔ عدالت کے بیرونی میدان میں دور تک زائرین کا اجتماع تھا۔ باوجود یہ کہ حضرت شاہ صاحبؒ عرصہ سے بیمار تھے اور جسم مبارک بہت ناتواں ہو چکا تھا مگر متواتر پانچ روز تک تقریباً پانچ پانچ گھنٹے یومیہ عدالت میں تشریف لا کر علم و عرفان کا دریا بہاتے رہے۔ مرزائیت کے کفر و ارتداد اور دجل و فریب کے تمام پہلو آفتاب نصف النہار کی طرح روشن فرما دیئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے بیان ساطع البرہان میں مسئلہ ختم نبوت اور مرزا کی ادعاءِ نبوت و وحی و مدعی نبوت کے کفر و ارتداد کے متعلق جس قدر مواد جمع ہے اور ان مسائل و حقائق کی توضیح و تفصیل کے لئے جو ضمنی مباحث موجود ہیں' شاید مرزائی نبوت کے رد میں اتنا علمی ذخیرہ کسی ضخیم کتاب میں یکجا نہیں ملے گا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے بیان پر تبصرہ کرنا خاکسار کے فکر کی رسائی سے باہر ہے، ناظرین بہرہ اندوز ہو کر حضرت شاہ صاحبؒ کے حق میں دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کے اعلیٰ علیین میں مدارج بلند فرمائیں۔ آمین۔

حضرتؒ کا حافظہ اس وقت قابل دید و شنید تھا، جب حوالہ دیتے' کتاب کھولتے ہی فوراً انگلی مبارک عبارت پر ہوتی' جج صاحب لکھئے ! عبارت یہ ہے، بعض دفعہ احقر کو فرماتے کہ عبارت نکال کر دے تاکہ دکھاؤں۔ بعض دفعہ صفحہ بھی ارشاد فرماتے' بیان بیٹھ کر

فرماتے لیکن حوالہ جات پیش فرماتے وقت کھڑے ہو جاتے۔ ''توراۃ شریف'' کی بعض آیات عربی الفاظ میں سنائیں اور اپنے دست مبارک سے لکھ کر جج صاحب کو دیں۔ چنانچہ ایک آیت احقر کو یاد ہے :

نابی مقربخ میحیخ کامرخ یاقیم لخ الوھخ الا و تشماعون ......

نبی من قربک من اخیک کاخیک یقیم لک الھک الیہ تسمعون۔

ارشاد فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا علیہ السلام نے اپنے دست مبارک سے لکھ کر اس آیت کا بنی اسرائیل میں اعلان فرمایا ...... فرمایا: جج صاحب لکھئے ! ہمارا دین متواتر ہے اور دنیا میں کوئی دین متواتر نہیں۔ تواتر کی تعریف بیان فرما کر اس کے اقسام' تواتر اسناد' تواتر طبقہ' تواتر قدر مشترک' تواتر توارث بیان فرمائے۔ فرمایا تواتر کی ایک قسم معنوی بھی ہے اور تواتر کی کسی ایک قسم کا منکر کافر ہے۔

مرزا غلام احمد نے تواتر کے جمیع اقسام کا انکار کیا ہے۔ جرح کے روز جلال دین شمس مرزائی مختار مدعا علیہ نے سوال کیا کہ آپ نے تواتر کے منکر کو کافر کہا ہے' حالانکہ یہ تو ایک اصطلاح ہے جو علماء نے گھڑ رکھی ہے۔ اس کا منکر کیسے کافر ہو سکتا ہے؟

ارشاد فرمایا کہ : تم لوگ مانتے ہو یا نہیں کہ یہ قرآن مجید وہی قرآن ہے جو حضور اکرم ﷺ پر نازل ہوا اور ہم تک محفوظ چلا آیا۔ جلال دین نے کہا ہم مانتے ہیں' فرمایا کہ اس حالتِ حفاظت کا نام تمہارے ہاں کیا ہے؟ جلال دین نے کہا'' تواتر'' فرمایا' اس کا منکر کافر ہوگا یا نہیں؟ مرزائی مختار نے اقرار کیا، فرمایا کہ میں یہی تو کہہ رہا ہوں۔

قادیانی مختار نے سوال کیا کہ امام رازیؒ نے تواتر معنوی کا انکار کیا ہے۔ چنانچہ ''فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت'' میں بحر العلومؒ نے تصریح کی ہے۔ فرمایا' جج صاحب ! ہمارے پاس ''فواتح الرحموت'' کتاب موجود نہیں ہے۔ ۳۲ سال

ہوئے میں نے یہ کتاب دیکھی تھی' ان صاحب نے حوالہ دینے میں دھوکا دیا ہے۔ بحر العلوم امام رازیؒ کے متعلق یہ لکھتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ یہ جو حدیث ہے:

لا تجتمع امتی علی الضلالہ ۔ یہ تواتر معنوی کے درجہ کو نہیں پہنچتی، یہ نہیں کہ تواتر معنوی کے حجۃ ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ چنانچہ جج صاحب نے قادیانی مختار کو حکم دیا کہ اصل عبارت پڑھ کر سنایئے۔ اس نے ذرا تامل کیا تو حضرت شاہ صاحبؒ نے کتاب اس کے ہاتھ سے چھین لی کہ لاؤ میں عبارت سناتا ہوں۔ اس نے کہا کہ میں ہی سنا دیتا ہوں' جب سنایا تو وہی عبارت تھی جو حضرتؒ نے ارشاد فرمائی تھی۔ فرمایا: جج صاحب! یہ صاحب ہمیں مفحم کرنا چاہتے ہیں، لیکن میں چونکہ طالب علم ہوں' دو چار کتابیں دیکھ رکھی ہیں' میں ان سے ان شاء اللہ مفحم نہیں ہونے کا۔

قادیانی مختار نے سوال کیا، آپ نے فرمایا کہ مدعی وحی نبوت واجب القتل ہے تو رسول اللہ ﷺ نے ابن صیاد کو کیوں قتل نہ فرمایا بلکہ فاروق اعظمؓ کو بھی روک دیا۔ فرمایا: جج صاحب لکھئے ابن صیاد نابالغ تھا اور نابالغ کو شریعت میں قتل نہیں کیا جاتا۔

سوال: آپ نے فرمایا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مسیلمہ کذاب کے دو قاصد آئے۔ حضور ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم بھی مسیلمہ کا عقیدہ مانتے ہو؟ انہوں اثبات میں جواب دیا، تو فرمایا کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ قاصدوں کو قتل نہیں کیا جاتا تو تم دونوں کو قتل کرتا۔ اب سوال یہ ہے کہ حضور ﷺ نے رواج کا اتباع کیا؟

فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کا یہ فرمانا کہ قاصدوں کو قتل نہیں کیا جاتا' یہ بجائے خود تشریعی حکم ہے۔ نبی رواج کا متبع نہیں ہوتا بلکہ حکم خداوندی کا متبع ہوتا ہے۔

حضرت کی قیامگاہ پر زائرین کا ہجوم رہتا تھا۔ ہر وقت کسی نہ کسی موضوع پر تقریر فرماتے رہتے تھے، بہت سے لوگ حضرت سے بیعت بھی ہوئے، رات دن یہی شغل تھا

رات کے ایک بجے تک بیٹھے رہتے، قرآن وحدیث وفقہ، تصوف وغیرہا علوم وفنون کے دقیق دقیق مسائل علماء کرام وصوفیاء عظام دریافت کرتے رہتے۔ ہر ایک کے جواب میں ایسی محقق اور مبسوط تقریر فرماتے۔ گویا ساری عمر اسی میں لگائی ہے۔ ایک عالم دین نے مسئلہ وحدۃ الوجود اور وحدت شہود کے متعلق سوال کیا' بس پھر کیا تھا، تین دن عصر سے مغرب تک اور مغرب سے عشاء تک اسی پر بیان فرماتے رہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی عبارت زبانی سنا رہے ہیں۔ معارف لدنیہ میں یہ فرماتے ہیں، مکتوبات شریفہ میں یہ فرماتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی یہ تحقیق ہے، عبقات میں شاہ اسماعیل شہیدؒ نے یوں فرمایا' حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن العربیؒ نے فتوحات میں یہ فرمایا ہے۔ نصوص الحکم میں یہ ارشاد ہوتا ہے' حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی نظموں پہ نظمیں وحدۃ الوجود پر طویل پڑھ کر سنا رہے ہیں۔

حضرت مولانا دین پوری نور اللہ مرقدہٗ بھی مع اپنے خدام کے تشریف فرما رہتے تھے۔ مولانا غلام محمد صاحب گھوٹوی' حضرت مولانا عبداللطیف ناظم مدرسہ مظاہر العلوم' مولانا مرتضیٰ حسن صاحب، حکیم عبدالرشید افسر الاطباء بہاولپور' غرض ہر طبقہ محظوظ ہوتا تھا۔ حضرت ناظم صاحب سہارنپوری بڑی عقیدت کے ساتھ دوزانو سامنے بیٹھے رہتے تھے اور استفادہ فرماتے رہتے تھے۔

مولانا شمس الدین بہاولپوری مرحوم کی کتب خانہ سے معجم کبیر طبرانیؒ کا قلمی نسخہ منگایا۔ حضرت ناظم صاحب لے کر آئے۔ احقر کو حکم فرمایا کہ روزانہ مجھے اس میں سے احادیث نقل کر کے دیا کرو۔ چنانچہ نشان دہی فرمائی جاتی اور احقر کو یہ سعادت نصیب ہوئی۔ فرمایا کہ قلمی کتاب کا پڑھنا مشکل ہوتا ہے' میں آپ کو طریقہ سکھاتا ہوں۔ چنانچہ تھوڑی سی رہنمائی سے احقر نے خوب سمجھ لیا۔ معجم کے اس نسخہ میں کہیں اعراب ونقاط کا نام ونشان بھی

نہیں۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور مولانا محمد مرتضیٰ حسن مرحوم کے بیانات پہلے خود ملاحظہ فرماتے' جگہ جگہ رہنمائی فرماتے' جب خود تسلی فرما لیتے تو کچہری میں جانے دیتے' لیکن خود حضرت کوئی تیاری نہ فرماتے۔ ایک بجے شب تک تو جیسے اوپر گزرا وعظ و تلقین و ارشاد و بیان مسائل ہوتا رہتا' صرف ایک گھنٹہ آرام فرماتے۔ دو بجے تہجد کے لئے اُٹھتے' فجر کی نماز تک مراقب رہتے' پاس انفاس میں مشغول رہتے' اول وقت نماز فجر کی امامت خود کرتے' پھر سورج نکلنے تک کچھ پڑھتے رہتے' چائے پی کر موٹر سے کچہری تشریف لے جاتے۔ سات بجے سے ایک بجے تک بیان ہوتا رہتا' ضعف و نقاہت بغایت تھا' لیکن تکان مطلقاً محسوس نہ فرماتے۔ تمام رفقاء سفر و دیگر علماء کا خوب اہتمام سے تفقد فرماتے رہتے' مجلس مشاورت میں خاص خاص علماء کو شامل فرماتے۔ احقر پر اتنی نوازشات و عنایات کی بارش ہوتی رہتی تھی کہ بیان سے باہر ہے۔ احقر نے قادیانیوں کی کتب سے بعض نئی باتیں نکال کر پیش کیں' بہت خوش ہوئے اور بار بار علماء کو بلا کر دکھاتے۔ جب تک احقر مجلس مشاورت میں حاضر نہ ہوتا' بات شروع نہ فرماتے۔ تخلیہ میں بھی مشورہ فرماتے اور باصرار فرماتے کہ تیری اس میں کیا رائے ہے۔

بہاولپور شہر میں جامع مسجد و دیگر مقامات پر قادیانیت کے خلاف تقریر کرنے کے لئے علماء کو بھیجتے رہتے تھے۔ دو دفعہ احقر کو بھی بھیجا' ان ایام میں اس قدر حضرتؒ کے چہرۂ مبارک پر انوار کی بارش ہوتی رہتی تھی کہ ہر شخص اس کو محسوس کرتا تھا۔ احقر نے بارہا دیکھا کہ اندھیرے کمرے میں مراقبہ فرما رہے ہیں' لیکن روشنی ایسی جیسے بجلی کے قمقمے روشن ہوں' حالانکہ اس وقت بجلی گل ہوتی تھی۔

بہاول پور جامع مسجد میں جمعہ کی نماز حضرت اقدسؒ پڑھایا کرتے تھے' بعد نماز کچھ بیان بھی ہوتا تھا' ہزاروں ہزار کا مجمع رہتا تھا۔ پہلے جمعہ میں فرمایا کہ :

''حضرات! میں نے ڈابھیل جانے کے لئے سامان سفر باندھ لیا تھا کہ یکایک مولانا غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ کا خط دیوبند موصول ہوا کہ شہادت دینے کے لئے بہاولپور آ ئیے۔ چنانچہ اس عاجز نے ڈابھیل کا سفر ملتوی کیا اور بہاولپور کا سفر کیا۔ یہ خیال کیا کہ ہمارا نامۂ اعمال تو سیاہ ہے ہی' شاید یہی بات میری نجات کا باعث بن جائے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا جانبدار ہو کر بہاولپور میں آیا تھا''۔

بس اس فرمانے پر تمام مسجد میں چیخ و پکار پڑ گئی' لوگ دھاڑیں مار مار کر اور پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے' خود حضرت پر ایک عجیب کیفیت وجد طاری تھی۔ ایک مولوی صاحب نے اختتام وعظ پر فرمایا کہ شاہ صاحبؒ کی شان ایسی ہے اور آپ ایسے بزرگ ہیں' وغیرہ: حضرت فوراً کھڑے ہو گئے' فرمایا: حضرات! ان صاحب نے غلط کہا ہے' ہم ایسے نہیں ہیں بلکہ ہمیں تو یہ بات یقین کے درجہ کو پہنچ گئی ہے کہ :

''ہم سے گلی کا کتا بھی اچھا ہے' ہم اس سے گئے گزرے ہیں''۔

سبحان اللہ' انکسار اور تواضع کی حد ہو گئی۔

لاہور اسی سفر کے سلسلہ میں دو روز قیام فرمایا تھا۔ آسٹریلین بلڈنگ کی مسجد میں بعد نماز فجر وعظ فرمایا: علماء و فضلاء عوام و خواص بالخصوص ڈاکٹر محمد اقبال اور ان کے ساتھی اہتمام سے حاضر ہوتے تھے۔ بیان ہوتا تھا: ''اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو' مالک تعالیٰ سے علاقہ پیدا کرو''۔ غرض حضرت نے خطبہ شروع فرمایا: الحمد للہ نحمدہٗ و نستعینہ الخ' وعظ کرسی پر بیٹھ کر فرما رہے تھے' احقر کے دل میں وسوسہ سا گزرا کہ مسجد میں تو شاید کرسی بچھانا سوئے ادب ہو۔ حضرت نے فوراً خطبہ بند کر دیا۔ فرمایا کہ مسجد میں کرسی بچھانا نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔ چنانچہ ''مسلم شریف'' میں روایت ہے کہ ایک سائل کے جواب دینے کے

لئے حضور ﷺ کے لئے مدینہ کے بازار سے کرسی لائی گئی۔ راوی کہتا ہے کہ اس کرسی کے پائے سیاہ تھے غالباً لوہے کے تھے مصلے کے قریب رکھی گئی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اسی پر بیٹھ کر جوابات دیئے ...... یہ فرمایا اور پھر خطبہ شروع فرما کر حضرت نے وعظ کیا' احقر ندامت سے پسینہ پسینہ ہو گیا۔

قادیانی مختار نے کہا کہ "تحذیر الناس" میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے بھی بعد خاتم النبیین نبی کا آنا تجویز کیا ہے۔

فرمایا: جج صاحب لکھئے ! حضرت مولانا محمد قاسمؒ نے اپنے الہامی مضمون میں نبی کریم ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کے متعلق دلائل و براہین ساطعہ بیان فرمائے ہیں اور اکثر عبداللہ بن عباسؓ کی علمی توجیہات فرمائی ہیں۔ ان لوگوں پر حیرت ہے جو "تحذیر الناس" کو بغور و بالاستیعاب دیکھتے نہیں۔ اسی رسالہ میں جا بجا نبی کریم ﷺ کا خاتم النبیین زمانی ہونا اور اس کا اجماعی عقیدہ ہونا اور اس پر ایمان ہونا ثابت فرمایا ہے۔ رسالہ کے ص ۱۰ کی عبارت' میں آپ کو لکھوانا چاہتا ہوں، حضرت مولانا فرماتے ہیں :

"سو اگر اطلاق اور عموم ہے تب تو ثبوت خاتمیت زمانی ظاہر ہے' ورنہ تسلیم لزوم خاتمیت زمانی بدلالۃ التزامی ضرور ثابت ہے۔ ادھر تصریحات نبوی مثل انت منی بمنزله هارون من موسى الا انه لانبى بعدى او كما قال' جو بظاہر بطرز مذکور اسی لفظ خاتم النبیین سے ماخوذ ہے۔ اس بات میں کافی ہے کیونکہ یہ مضمون درجہ تواتر کو پہنچ گیا ہے اور اس پر اجماع بھی منعقد ہو گیا ہے۔ گو یا الفاظ مذکور بسند تواتر منقول نہ ہوں۔ سو یہ عدم تواتر الفاظ باجود تواتر معنوی یہاں ایسا ہی ہوگا، جیسا تواتر اعداد رکعات فرائض و وتر وغیرہ باوجود یہ کہ الفاظ حدیث مشعر تعداد رکعات متواتر

نہیں۔ جیسا کہ اس کا منکر کافر ہے، ایسا ہی اس کا منکر بھی کافر ہوگا"۔

اسی رسالہ کے دوسرے صفحات میں بھی جا بجا حضور ﷺ کی خاتمیت زمانی کا اقرار فرمایا ہے۔ نیز مناظرہ عجیبہ جو صرف اسی موضوع پر ہے' نیز آب حیات' قاسم العلوم' انتصار الاسلام وغیرہا کتب مصنفہ حضرت نانوتویؒ دیکھنا چاہئے۔ حضرت مولانا مرحوم حضور ﷺ کے لئے تین طرح کی خاتمیت ثابت فرماتے ہیں۔ ایک بالذات یعنی مرتبہ حضور ﷺ کا خاتمیت ذاتی ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ وصفِ نبوت کے ساتھ موصوف بالذات ہیں اور انبیاءِ کرام علیہم السلام موصوف بالعرض اور آپ کے واسطے سے۔ جیسا کہ عالمِ اسباب میں موصوف بالنور بالذات آفتاب ہے۔ اس کے ذریعے سے تمام کواکب قمر وغیرہ اور دیگر اشیاءِ ارضیہ متصف بالنور' یہی حال وصفِ نبوت کا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ اس سے متصف بالذات ہیں اور اسی وجہ سے آنحضور ﷺ کو سب سے پہلے نبوت ملی۔

حدیث میں ہے : كنت نبيا وادم منجدل بين الماء والطين۔

اور دوسرے حضرات انبیاء علیہم السلام حضور ﷺ کے واسطے سے متصف بالنبوۃ ہوئے۔ حدیث میں ارشاد ہے :

"لو كان موسىٰ حيا لما وسعه الا اتباعی "۔ اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو ان کو بھی میرے اتباع کے بغیر چارہ نہ ہوتا"۔

پارہ نمبر ۳ کے آخری رکوع میں ارشاد ہوتا ہے :

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۔ (آل عمران ۸۱)

جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب وحکمت دوں پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو تمہارے پاس کی چیز کو سچ بتائے تو تمہارے لئے اس پر

ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ضروری ہے۔

اس آیت سے صاف واضح ہے کہ نبی کریم محمد مصطفی ﷺ جیسا کہ اس اُمت کے رسول ہیں، نبی الانبیاء بھی ہیں، تمام انبیاء علیہم السلام کی جماعت کو ایک طرف رکھا گیا اور نبی کریم ﷺ کو ایک طرف' اور سب سے حضور ﷺ پر ایمان لانے اور مدد کرنے کا عہد و پیمان لیا گیا۔ آیت میں ثم جاءکم ،فرما کر تصریح فرمادی گئی کہ حضور ﷺ کا زمانہ ظہور سب سے آخر میں ہوگا ....

آیت میثاق درو ے ثم ہست　　　ایں ہمہ از مقتضائے ختم ہست

ثم عربی زبان میں تراخی کے لئے آتا ہے۔ اسی واسطے علی فترۃ من الرسل الآیۃ۔ فرمایا: حدیث میں ہے: انا دعوۃ ابی ابراھیم ۔ میں اپنے باپ حضرت ابراہیم کی دعا ہوں' تمام انبیاء علیہم السلام حضور ﷺ کی تشریف آوری کی بشارت دیتے آئے۔ چنانچہ ''توراۃ شریف'' ''انجیل شریف'' و دیگر صحف میں باوجود تحریف لفظی و معنوی ہوجانے کے اب بھی متعدد آیات موجود ہیں جو حضور ﷺ کی خاتمیت اور افضلیت کا پتہ دیتی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ تشریف لاکر اتباع شریعت محمدیہ کرنا اسی فضیلت اور خاتمیت کا عملی مظاہرہ ہوگا۔ لیلۃ المعراج میں انبیاء علیہم السلام کا صف بندی کر کے امام کا منتظر رہنا اور حضور ﷺ کا امامت کرنا بھی اسی کی طرف مشیر ہے کہ لیلۃ المعراج میں انبیاء علیہم السلام کا اجتماع حضور ﷺ کے ساتھ ہوا اور ابن حبیب عبداللہ ابن عباسؓ سے راوی ہیں کہ یہ آیت لیلۃ المعراج میں نازل ہوئی۔ (اتقان) اور انا خطیبھم اذا انصتوا اور احادیث شفاعت بھی اسی فضیلت محمدیہ کا اعلان کرتی ہیں۔

معلوم ہوا کہ حضور ﷺ پر نبوت کا اختتام ہوا اور پہلے انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نہ کسی کا زندہ رہنا ضروری تھا، تاکہ بطور نمائندہ سب کی جانب سے حضور ﷺ کے

دین کی نصرت کریں۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام کا انتخاب ہوا' اس لئے کہ آپ انبیاء بنی اسرائیل کے خاتم ہیں اور سلسلہ اسحاقی اور اسماعیلی کو جوڑ دینا منظور ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تین اُمور کا اعلان فرمایا:

١۔ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ۔ (الصف:٥)

''اے بنی اسرائیل! میں فقط تمہاری طرف مبعوث ہو کر آیا ہوں''۔

٢۔ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ۔ (الصف:٥)

''مجھ سے پہلے کی کتاب تورات کی میں تصدیق کرنے والا ہوں''۔

٣۔ وَ مُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ۔ (الصف:٥)

''میں ایک عظیم الشان رسول برحق کی خوشخبری سنانے آیا ہوں جو میرے بعد مبعوث ہوں گے ان کا نام احمد ہے''۔

قرآن عزیز اعلان کرتا ہے کہ وہ رسول برحق جن کے متعلق عالم ارواح میں انبیاء علیہم السلام سے عہد و پیمان ہوا' اور بشارات دی گئی تھیں، آچکا۔

جاء الحق و صدق المرسلین۔

حدیث شریف میں ہے:

(١) انی اولی الناس بعیسی بن مریم . الحدیث ۔ مجھے زیادہ قرب ہے عیسیٰ علیہ السلام بہ نسبت تمام لوگوں کے اور بلاشبہ وہ نزول فرمائیں گے''۔

انبیاء بنی اسرائیل کے آخری نبی اولوالعزم کا خاتم النبیین علی الاطلاق کے دین کی نصرت کے لئے تشریف لانا اور شریعت محمدیہ پر عمل فرمانا، حضور ﷺ کے افضل الانبیاء اور خاتم الانبیاء ہونے کا عملی مظاہرہ ہے۔ فضیلت محمدیہ کو دنیا پر واشگاف کر دینا منظور ہے۔ آپ کا حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں تشریف لانا ایسا ہی ہے جیسے ایک نبی دوسرے نبی کے علاقہ میں چلا جائے۔ چنانچہ حضرت یعقوبؑ حضرت یوسف علیہ السلام کے علاقہ میں

تشریف لے گئے تھے‘ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ تشریف لائیں گے تو نبی تو ہوں گے لیکن بہ حیثیت حکماً عدلاً تشریف آوری ہوگی۔ بطور بعثت فرمانے کے تشریف آوری ہوگی۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ قرب قیامت میں عیسائی اقوام کی مسلمانوں سے مڈبھیڑ رہے گی۔ لہٰذا اہل کتاب کی اصلاح کے لئے تشریف لائیں گے۔ ثالث وہی ہوتا ہے جو ہر دو فریق کے نزدیک مسلم ہو۔ ہماری کتابیں ”عقیدة الاسلام“ ”تحیة الاسلام“ ”التصریح بما تواتر فی نزول المسیح“ اس بات میں دیکھنا چاہئے۔

دوم خاتمیت زمانی‘ یعنی آپ کا زمانۂ نبوت اس عالمِ مشاہدہ میں تمام انبیاء علیہم السلام کے آخر میں ہے۔ آپ کے بعد کسی کو نبوت کی تفویض نہ ہوگی۔ ابی بن کعبؓ سے مرفوعاً روایت ہے:

بدئی بی الخلق و کنت اخرهم فی البعث‘ و اخرج جماعه عن الحسن عن ابی هریرة مرفوعاً کنت اوّل النبیین فی الخلق و اخرهم فی البعث. (”کذا فی روح المعانی“ ص ۱۱، ج ۷)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام آنحضور ﷺ سے پہلے نبی بنائے جاچکے ہیں۔ نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ اسلام کا اجماعی اور متواتر عقیدہ ہے۔

مرزا غلام احمد نے اجماع کو حجۃ مانا ہے۔ چہ جائیکہ تمام اُمتِ محمدیہ کے تواتر سے ثابت شدہ عقیدہ (تریاق القلوب) حضرت نانوتویؒ نے تیسری خاتمیت مکانیہ ثابت فرمائی ہے یعنی وہ زمین جس میں نبی کریم ﷺ جلوہ افروز ہوئے۔ وہ تمام زمینوں میں بالاتر اور آخری ہے اور اس کے اوپر کوئی زمین نہیں‘ اس کو بدلائل ثابت فرمایا ہے۔

قادیانی مختار مقدمہ نے سوال کیا کہ امام مالکؒ سے منقول ہے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے قائل ہیں۔ احقر نے فرمایا کہ ابی کی شرح ”مسلم شریف“ نکالو چنانچہ ص

۲۲۶‘ ج ۱ مطبوعہ مصر سے ذیل کی عبارت پڑھ کر سنائی:

”وفی العتبه قال مالک بینا الناس قیام یستمعون لاقامه الصلوٰة فتغاشیهم غمامه فاذا عیسیٰ قد نزل الخ“۔

عتبہ میں ہے کہ امام مالکؒ نے فرمایا: ”درآنحالیکہ لوگ کھڑے نماز کی اقامت سن رہے ہوں کہ اچانک ان کو ایک بادل ڈھانپ لے گا‘ یکا یک حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے“۔

امام مالکؒ کا بھی وہی عقیدہ ہے جو ساری اُمتِ محمدیہ کا اجماعی اور متواترہ عقیدہ ہے۔ ہم نے تتبع کیا ہے کوئی تیس اکتیس صحابہؓ احادیثِ نزولِ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے راوی ہیں۔ تابعین کا تو احصاء بھی مشکل ہے۔ امام ترمذیؒ نے پندرہ صحابہؓ گنوائے ہیں‘ ہم نے مزید پندرہ (۱۵) کا اضافہ کیا۔ چنانچہ ”مسند احمد“ و ”کنز العمال“ و دیگر کتب حدیث کا مطالعہ کرنے والوں سے مخفی نہیں۔ ہمارا رسالہ ”التصریح بما تواتر فی نزول المسیح“ مطالعہ کیا جائے۔

قادیانی نے سوال کیا کہ علماءِ بریلوی‘ علماءِ دیوبند پر کفر کا فتویٰ دے رہے ہیں اور علماءِ دیوبند بریلوی پر۔

ارشاد فرمایا کہ جج صاحب! احقر بطور وکیل تمام جماعت دیوبند کی جانب سے گزارش کرتا ہے کہ حضرات دیوبند ان کی تکفیر نہیں کرتے۔ اہل سنت والجماعت اور مرزائی مذہب والوں میں قانون کا اختلاف ہے‘ علماءِ دیوبند اور علماءِ بریلوی میں واقعات کا اختلاف ہے‘ قانون کا نہیں۔ چنانچہ فقہاءِ حنفیہؒ نے تصریحات فرمائی ہیں کہ اگر کوئی مسلمان کلمۂ کفر کسی شبہ کی بناء پر کہتا ہے تو اس کی تکفیر نہ کی جائے گی۔ دیکھو ”رد المحتار“ و ”بحر الرائق“۔

(مضمون: مولانا محمد انوری از حیات انور ص ۲۳۱ تا ۳۲۶ مرتبہ سید محمد از ہر شاہ قیصر)

حضرت امام کشمیریؒ کی صاحبِ ''المنار'' علامہ رشید رضا کی دیوبند آمد پر تقریر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

الحمد لله كفٰى و سلام على عباده الذين اصطفٰى . اما بعد !

السلام عليكم ورحمة الله و بركاته !

آج کی اس تقریب کا پسِ منظر و پیش منظر حاضرین کے علم میں ہے، جیسا کہ معلوم ہے کہ ہمارے مہمانِ مکرم ''علامہ رشید رضا'' خوش قسمتی سے ہمارے درمیان تشریف رکھتے ہیں۔ آپ قاہرہ کی ممتاز شخصیت، عالمِ اسلام کی نمایاں ہستی ہیں اور آپ کی ذات گرامی سے جدید وقدیم تصورات کی تاریخ وابستہ ہے۔ آپ کی گوناگوں شخصیت اور مرقع علم ودانش کسی طویل تعارف کا محتاج نہیں اور وقت بھی مختصر ہے۔ اس لئے میں کسی طویل تمہید کے بغیر اس وقت کے مناسب کچھ عرض کرنے کی جرأت کر رہا ہوں۔

سب سے پہلے میں دار العلوم دیوبند کے اربابِ حل وعقد کا شکرگزار ہوں کہ انہوں نے مجھے اس وقیع اور پُر تپاک تقریب میں کچھ عرض کرنے کا حکم دیا جس کی تعمیل میں اپنے لئے سعادت باور کرتا ہوں۔

مہمان مکرم کی نجی گفتگو سے مجھے محسوس ہوا کہ وہ دار العلوم کے مسلک، علوم وفنون

میں اس کے امتیاز، اس کے خصوصی ذوق ومشرب سے چنداں واقف نہیں ہیں جس کی بناپر ان کے لئے یہ حقیقت تقریباً مشتبہ ہے کہ فقہ حنفی کی حدیث سے مطابقت اور حدیث وقرآن کے سرچشموں سے اس فقہ کا استنباط واستخراج کس حد تک صحیح ہے، اس لئے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اسی موضوع کو اپنی گذارشات کا عنوان بنا کر کچھ عرض کروں۔

مولانائے محترم ! آپ کو معلوم ہے کہ ہمارا یہ ملک اور سرزمین وطن یعنی ہندوستان ممالک اسلامیہ سے بہت دور واقع ہوا ہے۔ خصوصاً اسلام کے وطنِ اول (مکہ معظمہ زادہا اللہ شرفاً) اور وطنِ ثانی (مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً) سے بُعد مسافت کی بناپر اسلام کے شعائر اس ملک میں دھندلے اور دینی علوم کی شمع فروزاں ہونے کے بجائے یہاں دھیمی رفتار سے نور افگن تھی، الا ما شاء اللہ۔

اس لئے ہماری موجودہ اس جماعت نے جسے ''علمائے دیوبند'' کے نام سے شہرت حاصل ہے۔ ہندوستان میں اسلام اور اُمت مرحومہ کے لئے جو طریق کار ومنہاج متعین کیا اس میں یہ خصوصی حکمت ومصلحت پیشِ نظر رہی کہ یہاں صحیح ومخلصانہ خدمت کے لئے اسلام کے قدیم ہی زوایا ودوائر میں رہ کر کوئی مؤثر ومفید خدمت انجام دی جاسکتی ہے۔ چنانچہ اکابر نے پُرعزم انداز میں اپنا موقف متعین کیا اور اُسی موقف پر گامزن ورواں دواں ہیں۔ اس لئے سب سے پہلے دیوبند اور اکابرِ دیوبند کے باب میں اس نقطۂ نظر کو بقوۃ اپنانے کی ضرورت ہے کہ وہ کوئی تجدد پسند ادارہ نہیں اور نہ قدیم روایات کو شکست وریخت کرنا اس کے منصوبہ کا جزء ہے بلکہ وہ اسلام کو اس کی صحیح شکل وصورت اور حقیقی خدوخال میں نمایاں کرنے کی مبارک ومسعود خدمت کو اپنا دینی فریضہ یقین کرتے ہیں۔ بایں ہمہ اسلام جس حد تک لچک رکھتا ہے اور جس انداز پر مسائل وحوادث میں اس کی قیادت پیش کی جاسکتی ہے علمائے دیوبند اس توسع سے بھی گریز نہیں کرتے، گویا کہ قدامت کے ساتھ وسیع

المشربی، دینی اقدار پر تصلب کے ساتھ توسع ہمارا خصوصی ذوق و ممتاز رجحان ہے۔

جیسا کہ معلوم ہے کہ ہم دینی مسائل و اسلامی نقطۂ نظر میں ہندوستان میں امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم فاروقی دہلوی رحمہم اللہ سے ذہنی و علمی روابط استوار کئے ہوئے ہیں۔ ہمارے امام حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تصانیف عالم اسلام کے ہر گوشہ میں پہنچ چکیں اور ان کی مجتہدانہ بصیرت کے مرغزار سب کے لئے دعوت نظارہ ہیں لیکن پھر بھی امام ہمام کے بعض احوال و سوانح ایسے ہیں جو ہم نے اپنے ثقہ اکابر سے سنے اور جو شاہ صاحب کی عام سوانح میں موجود نہیں۔ ان سوانحی نشیب و فراز پر اطلاع کے بغیر شاہ صاحبؒ کی ہمہ گیر شخصیت اور ان کے افکار و نظریات کے گوشے واضح نہیں ہوتے، اس لئے مقصد کو قریب تر کرنے کے لئے میں مجبور ہوں کہ شاہ صاحبؒ کی ابتداء و انتہاء پر کچھ عرض کروں۔

سوانحی خدوخال :

سوانحی خدوخال سے میری مراد نہیں کہ میں حضرت شاہ صاحبؒ کے سن پیدائش یوم ولادت و جائے پیدائش کی غیر ضروری تفصیلات میں آپ کا وقت عزیز و قیمتی لمحات صرف کروں بلکہ میں حضرت شاہ صاحبؒ کی حیات طیبہ کے اس موڑ سے گفتگو کا آغاز کرتا ہوں، جہاں سے قدرت کے فیاض ہاتھوں نے انہیں امامت کے جلیل منصب کیلئے تراش و خراش کیا۔ وہ دور شاہ صاحبؒ کے حصول علم اور علمی مراحل میں تحقیق و ژرف نگاہی کا میموں عہد ہے، انہوں نے ابتدائی علوم اپنے والد ماجد شاہ عبدالرحیم صاحبؒ سے حاصل کئے اور پھر جذبۂ زیادت و شوق تحصیل علوم کے حسین امتزاج میں حرمین شریفین کا سفر اختیار کیا۔ سرزمین حرم پر شیخ ابو طاہر کردی علیہ الرحمۃ سے باقاعدہ حدیث کا درس لیا اور استفادہ کی جدوجہد میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا لیکن اس استفادہ میں بھی ان کی جلیل شخصیت و تابناک

مستقبل کے آثار اس طرح ہویدا تھے کہ شیخ ابو طاہر فرماتے ہیں کہ :

"شاہ ولی اللہ مجھ سے حدیث کے الفاظ لیتے ہیں جبکہ مطالب و معارف حدیث میں میں خود ان کا تلمیذ ہوں"۔

باکمال استاذ کے اس تاریخی مقولہ کا اس کے سوا اور کیا مطلب ہو سکتا ہے کہ فیاض حقیقی نے جو ذکاوت و ذہانت کی وافر دولت فقاہت اور دقیقہ سنجی کی متاع بے بہا حضرت شاہ ولی اللہؒ کو عنایت فرمائی تھی، اس کے نتیجہ میں وہ حدیث کی ایسی دل نشین توجیہ و تشریح پر کامیاب رسائی رکھتے تھے جو شارع علیہ السلام کا حقیقی مقصد ہوتا۔ دو سال کے قیام کے بعد شاہ صاحبؒ اپنے وطن ہندوستان لوٹ آئے۔

ہندوستان کی زبوں حالی اور نکبت و ذلت کے تہ بہ تہ بادل :

یہ وقت تھا کہ ہندوستان ان وجوہ کی بنا پر جن کی جانب میں نے آغاز ہی میں متوجہ کیا تھا یعنی اسلام کے حقیقی سرچشموں سے بُعد و دوری اس سرزمین پر اسلام کو عموماً اور سنت رسول اللہ ﷺ کو خاص طور پر پامال کئے ہوئے تھی۔ برائے نام مسلمان سلطنت کا ڈھانچہ بھی ٹوٹ رہا تھا اور ایک نئی تہذیب و تمدن ہندوستان کی جانب مسلسل بڑھ رہا تھا۔ اس آنے والی تہذیب سے اسلام کو جو متوقع خطرہ تھا، شاہ صاحبؒ کی دور رس نظر اور اس کے معلوم کرنے سے عاجز نہیں تھی۔ بدعات و محدثات کے خول میں مسلمان پھنس گئے تھے، روایات و خرافات کے گھروندے میں اُلجھے ہوئے تھے۔ شاہ صاحبؒ نے اپنی بصیرت و دانش و بینش کے نتیجہ میں یہی فیصلہ کیا کہ اس سرزمین پر اس کے سوا اور کوئی طریق کار سود مند و بار آور نہ ہوگا کہ سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو قائم کرتے ہوئے اسلام کی حقیقی شکل اور اس کے پائیدار نفوذ کے لئے راہیں ہموار کی جائیں، چنانچہ موصوف نے اصلاحی

اقدام شروع کیا اور بگڑے ہوئے معاشرہ کو رُو بہ اصلاح لانے کے لئے اس جد و جہد میں مصروف ہوگئے، جو خاصانِ خدا کا خصوصی حصہ ہے۔ اسے تسلیم کرنا ہوگا کہ ان کے سینے کی وسعتوں میں ایسی روحانی روشنی موجود تھی، جس کے اُجالے میں وہ مستقبل کو پڑھ لیتے اور جد و جہد کے آغاز سے اس کے انجام تک پہنچنا ان کے لئے آسان تھا۔ ان کی فراست ایمانی نے کھل کر بتا دیا تھا کہ اب ہندوستان کی زمیں پر حق و باطل کا ایک معرکہ شروع ہوا چاہتا ہے۔ جس میں حق کی حمایت و نصرت کے لئے محدود نہیں بلکہ وسیع اور جہدِ مسلسل کی ضرورت ہوگی۔ چنانچہ امام دہلویؒ نے جن خطوط پر کام کیا، اس کی ایک مختصر تفصیل یہ ہے۔

تجدیدی کوششوں کا آغاز اور اس کے دوائر :

حضرت شاہ صاحبؒ قرآنی ہدایت کو عام کرنے اور عوام تک پہنچانے کے لئے منصوبہ بند پروگرام کی جانب متوجہ ہوئے۔ آپ جانتے تھے کہ اسلام کے اوّلیں و حقیقی ماخذ یعنی قرآن کی تعلیمات و معارف سے براہِ راست واقفیت کے بغیر ہندوستانی مسلمان جس تہ بہ تہ گمراہی میں اُلجھا ہوا ہے، اس سے باہر نہیں آسکتا۔ اس لئے سب سے پہلے آپ نے اس وقت کی رائج زبان فارسی میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا۔ شاہ صاحبؒ نے اپنے اس ترجمہ کو اسرائیلیات و خرافات سے پاک وصاف رکھا اور اس طرح توحید کے مسئلہ کے لئے آپؒ نے تخم کاری کی۔ اس کے ساتھ ہی اسلام کے دوسرے سرچشمہ حدیثی مضامین سے بلاواسطہ شناسائی کے لئے حدیث کی مشہور کتاب ''موطا امام مالک'' کی شرح فارسی زبان میں ''المسوّی'' کے نام سے تحریر فرمائی۔ اس شرح میں فقہاءِ حدیث کے طریقہ پر حدیث و آثار کی شرح بہترین انداز میں آگئی اور سب سے بڑی بات یہ ہوئی کہ تحقیقِ مناط اور تخریجِ مناط اور تنقیحِ مناط کی جانب شاہ صاحبؒ متوجہ رہے۔

مہمانِ مکرم ! ابھی میں نے آپ کے سامنے تین اصطلاحی الفاظ استعمال کئے، جن کی معرفت آپ کو بخوبی حاصل ہے لیکن عام افادہ کے لئے ان اصطلاحات پر روشنی ڈالنا ضروری سمجھتا ہوں، جیسا کہ معلوم ہے کہ :

تحقیق مناط :

مطلب یہ ہے کہ شارع علیہ السلام سے کسی جزئی صورت میں کوئی حکم صادر ہوا، پھر بھی حکم اس نوع کی ساری جزئیات میں ثابت کر دیا جائے۔ مثلاً شریعت نے حالتِ احرام اور حدودِ حرم میں شکار کی ممانعت کی ہے اور پھر بطور سزا و جزا حالتِ احرام میں شکار کرنے والے کے لئے قیمت شکار کردہ جانور کی ادا کرنا ضروری ہے۔ اس قیمت کی تشخیص ہی تحقیقِ مناط ہے اور چونکہ اس کا تعلق فقہ کی اہم بنیاد قیاس سے نہیں ہے، اس لئے اس میں کسی اجتہاد کی بھی ضرورت نہیں اور یہ کام ہر شخص کر سکتا ہے، بشرطیکہ تجربہ و شعور رکھتا ہو۔

تخریج مناط :

یہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے کسی سلسلہ میں کوئی حکم دیا اور اس حکم کی علت بیان نہیں کی بلکہ نص میں بھی اس کی علت موجود نہیں۔ مزید برآں وہاں چند ایسے اوصاف بھی موجود ہیں جن میں سے ہر ایک علت بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہاں مجتہد کو اپنا سرمایۂ فکر و نظر صرف کر کے کسی ایک وصف کو بطور علت متعین کرنا ہوگا۔ یہ بڑے غور و فکر اور بحتاط تحقیق و تدبر کا کام ہے، اس لئے عوام اس میں قطعاً شریک نہیں کئے جا سکتے۔ اسے اس طرح سمجھئے کہ جناب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''ربوا'' سے منع فرمایا لیکن اس حرمت کی کوئی علت نہیں بیان فرمائی۔ البتہ چند اوصاف علت بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور وہ گویا کہ اوصاف یہ ہیں :

"قدر، وزن، کیل جنس، چیز کا قیمتی ہونا، شئے کا از قبیل غذا ہونا اور قابل ذخیرہ ہونا"۔

ظاہر ہے کہ جب یہ چند در چند اوصاف یکجا جمع ہو گئے، تو علماء کے لئے راہ کھلی ہوئی ہے کہ وہ اپنے ذوق و رجحان کے مطابق کسی ایک وصف کو حرمت کی علت قرار دیں۔ چنانچہ سود ہی کے مسئلہ میں امام اعظمؒ کے خیال میں حرمت کی علت "قدر و جنس" میں اتحاد ہے اور حضرت امام مالکؒ کی رائے میں ربوا کی حرمت کی علت اشیاء کا از قبیل غذا اور قابل ذخیرہ ہونا ہے جبکہ امام شافعیؒ نے چیز کے قیمتی ہونے کو علت بتایا ہے، مکرر عرض ہے کہ تخریج مناط مناط کی تین قسموں میں سب سے اہم اور بے حد دشوار ہے، اس میں ضروری غور و فکر اور جچے تلے تدبر و تحقیق کی قدم قدم پر ضرورت ہے اور یہ کام کوئی ماہر فن ہی انجام دے سکتا ہے۔

تنقیح مناط:

مناط کی تیسری قسم تنقیح مناط کے نام سے موسوم ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے کسی خاص واقعہ کے تحت کوئی حکم دیا اور اس سے مقصود کسی قاعدہ کلیہ کی تشکیل نہیں بلکہ کسی واقعہ کے تحت ہی وہ حکم جاری ہوا، اور یہ اسی واقعہ کے ساتھ مخصوص ہے، پھر بھی حکم کی علت معلوم نہیں ہوتی بلکہ یہاں چند در چند چیزیں جمع ہو جاتی ہیں، جن میں سے بعض علت ہونے کی صلاحیت رکھتی ہیں اور بعض نہیں۔ حالانکہ یہ بھی بادی النظر میں علل معلوم ہوتی ہیں۔ اس مرحلہ میں علت کا تعین و تشخیص فقہاء کا کام ہے اور ایسی تنقیح کو "تنقیح مناط" کہا جاتا ہے۔ اس کی مثال حضرت ابو ہریرہؓ کی وہ روایت ہے کہ ایک صاحب جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں تباہ و برباد ہو گیا، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کیوں؟ کیا بات پیش آئی؟ بولا کہ رمضان کے مہینہ اور روزہ کی حالت

میں نے اپنی بیوی سے ہم بستری کر لی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ غلام آزاد کر سکتے ہو؟ جواب تھا نہیں، تو کیا پھر ساٹھ (۶۰) مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہو؟ جی یہ بھی نہیں، تو پھر اچھا متواتر دو (۲) مہینہ کے روزے رکھ سکو گے؟ حضور یہ تو بہت مشکل ہے۔

اس صورت میں امام اعظمؒ اور امام مالکؒ کے خیال میں کفارہ واجب ہے اور اس کے وجوب کا مناط و علت رمضان اور روزے کی حالت میں عمداً روزہ افطار کرنا ہے، خواہ وہ روزہ کے منافی فعل ہم بستری ہو جیسا کہ اس واقعہ میں یہی پیش آیا یا کھانا پینا ہو، یہ دونوں حضرات منافیٔ صوم کے اقدام کے لئے عمداً کی قید کا اضافہ کرتے ہیں اور ماہ رمضان کو بھی ضروری قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بستری اتفاقاً اس واقعہ میں پیش آ گئی، ورنہ تو منافیٔ صوم فعل کا ارتکاب وجوب کفارہ کا اصل سبب ہے۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے خیال میں کفارہ کا موجب و مناط صرف جماع ہی ہے۔ پس اگر جماع کے نتیجہ میں افطار ہوا تو کفارہ واجب ہوگا۔ اکل و شرب کی صورت میں وجوب کفارہ نہیں۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے پاس ایک اور حدیث ابو ہریرہؓ ہی کی اپنے نقطۂ نظر کی مؤید ہے، وہ یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص رمضان میں کسی شرعی رخصت کے بغیر روزہ توڑ دے تو بعد میں اگر چہ عمر بھر روزہ رکھتا ہو پھر بھی اس کوتاہی کی تلافی ہرگز نہ ہوگی اور یہ دونوں حضرات اس حدیث میں لفظ "افطار" سے عمداً کھانا پینا اور ان کے ذریعہ سے روزہ توڑنا مراد لیتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ قصداً خورد و نوش کے نتیجے میں روزہ کا توڑنا اور پھر عمر بھر روزہ رکھنا مفید نہیں۔ اس لئے اس کا کوئی کفارہ بھی نہیں ہوگا۔

غرضیکہ تنقیح مناط اور تخریج مناط یہی دونوں مجتہدین ائمہ کی اصل جولانگاہ ہے اور اسی میں ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہیں۔ کوئی اپنے اجتہاد سے کسی چیز کو علت بتاتا ہے اور دوسرا کسی دوسری چیز کو۔ اس کی ایک مثال وہ حدیث بھی ہے جس میں آپ ﷺ

نے ارشاد فرمایا: مفتاح الصلوۃ الطہور و تحریمها التکبیر و تحلیلها التسلیم۔

اس کے پیش نظر اکثر ائمہ نے صیغۂ تکبیر "اللہ اکبر" اور صیغۂ تسلیم "السلام علیکم و رحمۃ اللہ" کو رکن نماز قرار دیا ہے لیکن امام ابو حنیفہؒ کے یہاں مناط حکم یہ ہے کہ تکبیر سے مخصوص اللہ اکبر کا صیغہ مراد نہیں بلکہ وہ ہر ذکر اللہ ہے جس میں تعظیم اور خدا کی کبریائی کا مفہوم موجود ہو اور تسلیم سے مراد یہ ہے کہ مصلی اپنے ارادے و اختیار سے نماز کو ختم کرے، گویا کہ وہ تسلیم کر خروج عن الصلاۃ کے ہم معنی کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام اعظمؒ نے ان دونوں چیزوں یعنی الفاظ، حامل تعظیم اور ارادے کے ساتھ نماز کو ختم کر دینے کو فرض اور رُکن صلاۃ ٹھہرایا ہے لیکن چونکہ جناب رسول کریم ﷺ سے عملاً تکبیر بشکل اللہ اکبر اور تسلیم بصورت السلام علیکم ورحمۃ اللہ، ہمیشہ ثابت ہے۔ اس لئے امام ابو حنیفہؒ ان دونوں کو واجب صلاۃ کہتے ہیں۔ حافظ ابن ہمامؒ مصنف "الفتح القدیر" نے اللہ اکبر کو واجب بتایا ہے اور مشہور یہ ہے کہ یہ سنت ہے۔ ان دونوں میں ذکر مشعر تعظیم اور خروج بصنع المصلے اس طرح موجود ہے، جس طرح کوئی کلی کسی جزئی کے تحت میں موجود ہو۔ پس یہ دونوں فرض ہوں گے۔

مہمان مکرم! میں تفصیل سے خود کو محفوظ رکھتے ہوئے اپنے مقصد کی وضاحت اختصار سے کر رہا ہوں، ورنہ تو ایسی مثالیں اور بھی پیش کیا جا سکتی تھیں، اب میں پھر اسی تذکرہ کی جانب رجوع کرتا ہوں یعنی حضرت شاہ ولی اللہ الدھلویؒ کے مجددانہ کارناموں کی تفصیل:

میں عرض کر رہا تھا کہ شاہ صاحبؒ نے موطا کی شرح "المسوّیٰ" میں ان تنقیحات کے تینوں شعبوں کی رعایت کی ہے اور وہ ایسے فقہ کو مختار قرار دے رہے ہیں، جس میں جامعیت موجود ہے۔ شاہ صاحبؒ نے اپنی دو معرکۃ الآراء تصانیف "الانصاف فی بیان سبب الاختلاف" اور "عقد الجید فی مسائل الاجتهاد و التقلید" میں یہ بات محققانہ انداز میں تحریر فرمائی ہے کہ مجتہد فیہ مسائل میں حق کسی ایک امام کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ وہ متعدد ہو کر ہر امام کے لئے ممکن ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ائمۂ اربعہ کا بھی یہی نقطۂ نظر تھا، وہ خود کو حق کا اجارہ دار قرار دے کر دوسرے مجتہد کو باطل پر قائم نہیں سمجھتے تھے۔ شاہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ:

"میں خود بھی اسی نقطۂ نظر کا حامل ہوں"۔ یہاں یہ بھی وضاحت ضروری ہے کہ مجتہد فیہ مسائل سے میری کیا مراد ہے؟ تو یاد رکھئے اجتہادی مسائل وہ ہوتے ہیں جن میں کتاب اللہ یا سنت (رسول اللہ ﷺ) متواترہ سے کوئی حتمی بات ثابت نہ ہو۔ ایسے ہی مسائل میں حق کا تعدد کیا جا سکتا ہے ورا گر کسی معاملہ میں کوئی قطعی دلیل موجود ہے تو نہ وہاں کوئی مجتہد اجتہاد کرے اور نہ اسے اجتہادی مسئلہ کہا جا سکتا ہے، وہاں حق صرف ایک ہی ہوگا اور حق وہی گا جو اس دلیل قطعی کے مطابق ہو۔ پس اسے خوب ملحوظ رکھنا چاہئے کہ جو اس حق کی موافقت و تائید کرے وہی حق گو و حق پسند ہے اور جو اس سے مخالفت رکھتا ہوں، اسے یقیناً حق کا مخالف کہا جائے گا"۔

شاہ صاحبؒ نے اس کے ساتھ تشریح و عقائد اسلام کے حکم و مصالح کے بارے میں بھی ایسی تصانیف فرمائیں جو راہوں کی شمع اور دھندلکوں میں فانوس ہیں۔ ان عنوانات پر ان کی شہرۂ آفاق تالیف "حجۃ اللہ البالغہ" اور "تفہیمات الٰہیہ" نیز "خیر کثیر" مشہور ہیں۔

اولاد و احفاد اور ولی اللّٰہی شاہکار کی حفاظت و صیانت:

خدا کا شکر ہے کہ الامام الدھلوی کے یہ مخصوص افکار و نظریات اور ان کی مجددانہ کاوشیں ان ہی پر ختم نہ ہونے پائیں بلکہ ان کی اولاد و احفاد میں اس طریق کار پر مسلسل پیش

رفت ہوتی رہی۔ چنانچہ ان کے سب سے بڑے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ، دوسرے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ اور شاہ رفیع الدین مرحوم نے قرآن مجید کے تراجم وتفاسیر ملک میں عام کیں اور حضرت شاہ محمد اسحاق، شاہ عبدالغنی، شاہ محمد اسماعیل علیهم الرحمه نے نہ صرف حدیث وعقائد کی درستگی کا اہتمام کیا بلکہ یہ حضرات استخلاص وطن اور اعلاء کلمۃ الحق کے لئے جلی وخفی کوششیں بھی کرتے رہے بلکہ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے تو بدعات ومحدثات کے خلاف زبردست جدوجہد کی اور بعض معرکۃ الآراء تصانیف ان کے علم ریز قلم سے تیار ہو کر ایمانیات کے سلسلہ میں مفید تر ثابت ہوئیں اور موصوف نے بالاکوٹ میں سکھوں کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرمایا۔ شاہ محمد اسحاقؒ درس حدیث میں ایسے یگانہ روزگار عالم تھے کہ اطراف ملک سے طلباء کا ان کی جانب ہجوم رہتا۔ غرضیکہ یہ خانوادہ علم وعمل کا مرقع، دین ودانش کا روشن مینار، بدعات کے لئے شمشیر بے نیام اور سنت مصطفوی ﷺ کے احیاء کے لئے کشادہ محراب تھا۔

دیوبند کا مکتبہ فکر:

یوں تو یہی خاندان ولی اللہی دیوبندی مکتب فکر کا امام وسربراہ ہے، پھر بھی شاہ محمد اسحاقؒ کے خصوصی شاگرد حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مجددی مہاجر مدنی اپنے استاذ کے بعد مسند آراء درس حدیث ہوئے۔ طلباء حدیث نے ان سے ایسا استفادہ کیا جس کے آثار قیامت تک باقی رہیں گے۔ حضرت شاہ عبدالغنیؒ آخر میں مدینہ طیبہ کی جانب ہجرت کر گئے اور وہاں بھی بلاد عرب کے طلباء ان سے حدیث کی سند لیتے رہے۔ ان ہی حضرت شاہ عبدالغنیؒ کے خصوصی تلامذہ میں ہمارے دارالعلوم دیوبند کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی ہیں۔ بانی دارالعلوم نے بخاری

شریف کا حاشیہ جو ان کے استاذ حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کا شروع کیا ہوا تھا، مکمل فرمایا، اور دینی علوم ومعارف پر اہم کتابیں تصنیف کرنے کے ساتھ مادہ پرست دہریہ اور اسلام خلاف فرقوں کی تردید میں مسلسل تصانیف کے ساتھ جابجا مناظرے بھی کئے اور اس دارالعلوم کو ایک ایسے تخیل کے تحت قائم فرمایا جس سے ان کے دبیز فکر اور اعلاء کلمۃ الحق و اسلامی تعلیمات کو عام کرنے کا مخلصانہ جذبہ ظاہر ہے۔ میں نے موصوف کے مناقب و فضائل میں کچھ قصائد کہے ہیں جس میں سے ایک قصیدہ پیش خدمت کرنا مناسب ہوگا جس کا پہلا شعر یہ ہے ....

قفا یا صاحبی علی الدیار   فمن داب الشجی هو ازدیار

یہ دونوں حضرات یعنی حضرت نانوتویؒ وحضرت گنگوہیؒ رفیق درس اور فکر ونظر میں ایک دوسرے کے معاون تھے۔ حضرت گنگوہی کو خدائے تعالیٰ نے منفرد تفقہ عنایت فرمایا تھا جس کی بنا پر انہیں بلا تکلف "فقیہ مجتہد" کہا جاسکتا ہے۔ ساتھ ہی وہ بدعات ومحدثات کے خلاف شمشیر برہنہ تھے۔ مسائل وحوادث میں ان کے فتاویٰ ملک میں قبول عام رکھتے، جن میں ان کے تفقہ اور بصیرت کے جوہر نمایاں ہیں۔ پس کہا جاسکتا ہے اور اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں کہ حضرت گنگوہیؒ فروع وجزئیات فقہیہ میں ہمارے امام اور حضرت نانوتویؒ اصول وعقائد میں جماعت کے سربراہ ہیں۔ ان دونوں نے دیوبندی علوم کو ایسا منقح وروشن کیا کہ اب کوئی گوشہ مخفی نہیں رہا۔

علامہ جلیل:

آپ کو معلوم ہے کہ فرنگی شاطر نے اپنی مخصوص وروایتی دسیسہ کاریوں سے کام لے کر جب ہندوستان میں اپنی حکومت کے دائرے وسیع تر کردیئے اور مسلمانوں کی

بادشاہت ختم ہوگئی تو عیسائی مشنری نے ہندوستان میں عیسائیت وتثلیث کی تبلیغ کے لئے منصوبہ بند کام شروع کیا۔ دوسری جانب مسلمانوں میں تفرقہ اندازی کرتے ہوئے بعض مذموم و اسلام خلاف نظریات کو نام نہاد مسلمانوں ہی کے ذریعہ بروئے کار لانے کی بدترین کوشش کی۔ یہی وقت تھا کہ ان دونوں حضرات نے ہندوستان میں اسلام کے تحفظ اور اسلامی تعلیمات کی نشأۃ ثانیہ کے لئے دارالعلوم دیوبند کو قائم کیا۔ اس دارالعلوم نے نہ صرف اسلامی تعلیمات کو عام کیا بلکہ یہ انگریز کی دسیسہ کاریوں کے خلاف ایسا ہی معسکر تھا جو جاں سپار وفدا کار مجاہدین اسلام کو برآمد کرکے خدمت کے ہر محاذ پر روانہ کررہا تھا۔ آج ہندوستان میں جہاں کہیں آپ کو تعلیمات اسلام کے چراغ روشن نظر آتے ہیں، وہ اسی مدرسہ کا فیض اور یہیں سے روشن کئے ہوئے چراغ ہیں۔ دارالعلوم کی خدمات اور اس کا دائرۂ کار اس قدر وسیع ہے کہ اس مختصر وقت میں میں تفصیلات بیان کرنے سے عاجز ہوں۔

طریق تعلیم اور اغراض ومقاصد :

تاہم ضروری ہے کہ میں اس عظیم درسگاہ کے کچھ بنیادی مقاصد آپ کے سامنے پیش کروں تاکہ مدرسہ کے حدود ومقاصد آپ کے لئے واضح ہوں، تو لیجئے ! ہمارا اصل مقصد حدیث اور فقہ الحدیث کی تعلیم وتدریس ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے کچھ دوسرے علوم بھی مبادیات کی حیثیت سے پڑھائے جاتے ہیں لیکن ان کی تعلیم باندازۂ ضرورت ہی ہے۔ تاآنکہ ہماری جماعت کے دوسرے امام حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے تو اپنی سربراہی وسیادت کے دور میں کچھ سال ایسے بھی گزارے، جن میں فلسفہ ومنطق کی تعلیم اور اس کی انتہائی کتابوں کی تدریس متروک قرار دی تھی اور پھر یہ سلسلہ ایک عرصہ تک رکا رہا۔ گویا وہ علوم آلیہ میں بھی اُلجھنا نہیں چاہتے تھے بلکہ ان کی منزل علوم عالیہ

تھے۔ یعنی وہی حدیث وفقہ الحدیث، حدیث وفقہ الحدیث کی تعلیم میں ہمارا طریق کار متوازن، نپا تلا ہے، اسے یوں سمجھئے کہ مسائل فقہیہ کے استخراج واستنباط کے بارے میں ائمۂ اربعہ کے چار مشہور اصول ہیں۔

۱۔ امام مالک علیہ الرحمہ : اہل مدینہ کی اقتداء اور اتباع کو بنیاد بناتے ہیں تاآنکہ مدنی تعامل ان کے یہاں حدیث مرفوع پر بھی ترجیح رکھتا ہے۔

۲۔ امام شافعی علیہ الرحمہ : کسی باب میں صحیح ترین حدیث (اصح ما فی الباب) کو لے کر اسی مسئلہ سے متعلق باقی روایات کو تاویلاً اپنی منتخب حدیث کے موافق کرتے ہیں یا ان احادیث کو چھوڑ دیتے ہیں۔

۳۔ امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ : اصح، صحیح، حسن بلکہ ضعیف (جبکہ اس کا ضعف معمولی ہو) سب کو معمول بہا بنانے کے لئے اختیار کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں ہر حدیث کا مدلول ومضمون قابل عمل ہے، اسی بنیاد پر انہوں نے اپنا مشہور مسند مرتب کیا ہے۔

۴۔ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ : تمام اقسام حدیث کو جمع کرتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک کے مضمون کو قانون کلی ہونے کی بنا پر شرعی قانون کی حیثیت دیتے ہوئے دوسری روایات کی مناسب توجیہ کرتے ہیں اور ہر حدیث کے لئے کوئی برجستہ محل تلاش کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حنفیہ کے یہاں تاویلات احادیث زیادہ ہیں جبکہ شوافع کے یہاں رُواۃ پر جرح وتنقید کی کثرت ہے۔

امام شافعیؒ پہلے وہ امام ہیں جنہوں نے مرسل حدیث کو حجت تسلیم نہیں کیا، البتہ اگر مرسل حدیث کے مضمون کی تائید دوسری احادیث سے ہو تو پھر وہ مرسل کو تسلیم کرتے ہیں۔

ائمہ حدیث اور ان کے نقاط نظر :

الضعف الجليل : آپ جانتے ہیں کہ ائمہ حدیث نے بھی فقہاء کے اسی اصول وضابطہ کے تحت رہ کر اپنے مجموعے تیار کئے ہیں۔ چنانچہ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے امام مالکؒ وشافعیؒ کے طرز کو ترجیح دے کر ان دونوں کے اُصول کو مرکب کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی جامع میں اصح ما فی الباب حدیث کا ذکر کرتے ہوئے اس کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں کہ اس حدیث کو سلف کے تعامل کی تائید حاصل ہو۔ امام ہمامؒ نے اس کی رعایت کی ہے کہ کوئی ایسی حدیث بخاری میں نہ آنے پائے جو کسی دوسری حدیث کے معارض ہو، بلکہ انہیں اپنے پسندیدہ اُصول کی رعایت اس حد تک ملحوظ رہی کہ صلاۃ کسوف کے بارے میں صرف اسی روایت کو انہوں نے ذکر کیا جس میں ہر رکعت میں دو رکوع کا تذکرہ ہے۔ حدیث کے دوسرے مشہور امام یعنی مسلم بن حجاج القشیری کا زیادہ زور رُواۃ کی ثقاہت پر ہے۔ چنانچہ انہوں نے صلاۃ کسوف کے سلسلہ میں اس روایت کو لیا جس میں ایک رکعت میں تین یا چار رکوع کا ذکر آرہا ہے اور تو اور وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر موقوف اس روایت کو بھی ذکر کرنے سے گریز نہیں کر رہے ہیں جس میں ایک ہی رکعت میں پانچ رکوع کا تذکرہ آرہا ہے۔ غرضیکہ امام بخاریؒ صلاۃ کسوف کے بارے میں موجود جملہ روایتوں سے اصح حدیث کا انتخاب کر رہے ہیں اور امام مسلمؒ اپنے دائرۂ کار میں محدود رہتے ہوئے بہت سی روایات کی تخریج کر رہے ہیں۔

اکابر دارالعلوم کی وسیع المشربی :

ہمارے مشائخ یعنی اکابر دارالعلوم نے ہر گوشہ میں اعتدال کو اپنایا ہے، وہ تشدد سے بھی محفوظ رہے اور سہولت پسندی بھی ان کے یہاں نہیں۔ ان کا خاص ذوق وشوق

متعارض احادیث میں یہ رہا کہ کسی حدیث کو ترک نہ کیا جائے۔ اس مبارک ومسعود مقصد کے لئے خدا تعالیٰ نے انہیں ایسے فہم اور توجیہی ذہن سے سرفراز فرمایا کہ وہ ہر حدیث کی قابل قبول اور دلنشیں توجیہ پر مضبوط قدرت کے مالک ہیں، بلکہ میرا دعویٰ ہے کہ جو منصف ومعقولیت پسند فرد ان کی کی ہوئی توجیہات کو بنظر انصاف دیکھے گا تو اس کی گہرائی وگیرائی اور دلنشیں ہونے کی داد دئے بغیر نہیں رہے گا۔ اپنے اس مقصد کو بعض مثالوں سے واضح کرتا ہوں۔

آپ جانتے ہیں کہ حدیث قلتین کا مسئلہ اختلافی مسائل میں ہے۔ حضرت امام شافعیؒ اور ان کا مکتبۂ فکر قلتین کے مسئلہ میں منفرد رائے رکھتا ہے۔ اس سے پہلے کہ میں اکابر دارالعلوم کی مقبول توجیہ کی طرف آپ کو متوجہ کروں، پہلے اس باب کی متعارض روایات پر توجہ دلاتا ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یزید بن زریع، کامل بن طلحہ، ابراہیم الحجاج، ہدبہ بن خالد، وکیع اور یحییٰ بن معین نے اس روایت کو ان الفاظ میں روایت کیا ہے :

اذا بلغ الماء قلتين او ثلث لم يحمل الخبث۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ ''القلتین'' اور ''ثلث'' کے درمیان ''اَوْ'' تنویع کے لئے ہے۔ اس لئے یہ ایک اندازہ ہوگا، اسے شرعی حد بندی نہیں کہا جا سکتا اور مسئلہ کا فیصلہ اس پر ہوگا کہ ایک جانب کی نجاست دوسری جانب تک مؤثر ہے یا نہیں؟ بلاشبہ اگر روایت میں ''اَوْ'' نہ ہوتا تو مذکورہ بالا حدیث کو بے تکلف تحدید شرعی قرار دیا جا سکتا تھا۔ اسی لئے ابوحنیفہؒ اور ان کے صاحبینؒ نے مسئلہ مذکورہ میں قولِ فیصل نجاست کی تاثیر وعدم تاثیر کو کہا ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن ہمامؒ اور علامہ ابن نجیمؒ کی وضاحت ہے۔ حنیفہ کے اس نقطۂ نظر نتیجہ میں وہ احادیث تعارض سے محفوظ ہو گئیں جو قلتین والی حدیث سے متصادم نظر آتی ہیں یعنی حدیث ''النهي عن البول في الماء الراكد'' اور حدیث ''النهي عن ادخال اليد في

الاناء'' اور حدیث''و لوغ الکلب فی الاناء''۔

صاف نظر آرہا ہے کہ احناف کی توجیہ نے ان مختلف روایات میں تعارض وتزاحم کو کس کامیابی سے ختم کردیا۔

ایک دوسری مثال مزید وضاحت کے لئے پیش کرتا ہوں۔ وہی اختلافی مسئلہ ''قرأۃ خلف الامام'' کا معلوم ہے کہ حضرات احنافؒ نے امام کی اقتداء میں سورۂ فاتحہ مقتدی کے نہ پڑھنے کی دلیل اس آیت کو بنایا ہے''واذا قرئ القران فاستمعوا لہ و انصتوا لعلکم ترحمون''۔ نیز یہ حدیث'' اذا قرئ فانصتوا '' اور مزید یہ حدیث ''من کان لہ امام فقرأۃ الامام لہ قرأۃ''۔ تو انہوں نے اس سے بظاہر متعارض روایات مثلاً حدیث ''لا تفعلوا الا بام القران فانہ لاصلوۃ لمن لم یقرابہا'' کی تاویل وتوجیہ کی۔ یہ عرض کرنا بھی مناسب ہوگا کہ مذکورہ بالا آیت کے شانِ نزول کے بارے میں جب کوئی صحیح روایت نہیں تو لازماً اس کے الفاظ میں عموم کا اعتبار رہے گا۔

امام بیہقیؒ نے کتاب القرأۃ میں احمد بن حنبلؒ سے روایت کی ہے کہ معتمد علماء کا اجماع ہے کہ یہ آیت''قرأۃ فی الصلوٰۃ'' کے بارے میں ہے، یہی احمد بن حنبلؒ ''اذا قرا فانصتوا'' والی حدیث کو صحیح قرار دے رہے ہیں اور ابوبکر بن الاثرم نے بھی اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔ امام مسلم نے باب التشہد میں ابوموسیٰ اشعری کی روایت ذکر کی اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کا حوالہ دیا بلکہ ابن خزیمہؒ، ابن طبریؒ، حافظ ابن عبدالبرؒ، ابن حزم اندلسیؒ اس روایت کی تصحیح کررہے ہیں اور تو اور حافظ ذکی الدین عبدالعظیم المنذریؒ اور یادش بخیر۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے تو دیکھا آپ نے کہ سند کی حیثیت سے اس حدیث کی قوت اور ترجیح کا کیا پایہ ہے۔ دوسری طرف تعامل سلف کے لحاظ سے اگر اس حدیث پر نظر ڈالئے تو صحابہ کی ایک جماعت مالکؒ، احمدؒ اور ابوحنیفہؒ اس

حدیث پر عمل پیرا ہیں اور جب کسی حدیث کے راوی ثقہ ومعتمد ہوں اور سلف صالحین کا تعامل بھی اس کا مؤید ہو تو وہ حدیث صحیح ہوگی، بلکہ کوئی ردّ وقدح یا جرح وتنقید اس حدیث کی صحت کو مجروح نہیں کرتی۔ اب دوسری حدیث''من کان لہ امام فقرأۃ الامام لہ قرأۃ'' کو بھی لیجئے۔ حافظ ابن ہمامؒ نے احمد بن منیعؒ کے حوالہ سے اس حدیث کی تصحیح نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرائط کے مطابق ہے اور خود میں بھی آج تک کسی ایسی علت پر مطلع نہیں ہوا جو اس حدیث کے لئے قادح ہو۔ اس کی سند یہ ہے:

''اخبرنا اسحاق بن یوسف الارزق قال حدثنا سفیان وشریک عن موسیٰ بن ابی عائشۃ عن عبداللہ بن شداد عن جابر بن عبداللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کان لہ امام فقرأۃ الامام لہ قرأۃ''۔ بلکہ ترمذی کے یہاں ایک موقوف روایت اور دوسرے محدثین کے یہاں ایک مرسل روایت اس روایت کی خوب مساعدت وتائید کرتی ہے۔ اس لئے اس حدیث کو بھی صحیح ماننا ہوگا۔

جب یہ بحث مختصر آپ کے سامنے آگئی تو اب اکابر دارالعلوم کی توجیہ ومعارض روایات میں ان کی فرحت انگیز تاویل کو سنئے۔

حضرت گنگوہیؒ نے جن کے متعلق میں نے ابھی عرض کیا تھا کہ وہ فقہی جزئیات میں ہمارے مسلّم پیشوا ہیں، حضرت عبادہ بن صامتؓ کی اس روایت میں جو محمد بن اسحاق سے مروی ہے اور جس کا سیاق یہ ہے کہ لعلکم تقرأون خلف امامکم اور اس کے جواب میں صحابۂ کرام کا ارشاد''جی ہاں''۔ اور پھر اس پر آپ ﷺ کا یہ ارشاد فلا تفعلوا حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ یہ دلیل اباحت ہے کہ دلیلِ وجوب۔ معلوم ہوا کہ حضرات صحابہؓ آنحضور ﷺ کی اجازت کے بغیر قرأت کرتے تھے۔ اسی لئے تو آپ کو دریافت کرنے کی ضرورت پیش آئی اور جب انہوں نے نعم سے جواب دیا تو آپ نے''فلا تفعلوا الا بام

القرآن" فرمایا۔

چونکہ یہ سورۂ فاتحہ قرآن مجید کی ایک متعین اور خصوصی سورۃ ہے جبکہ دوسری سورتیں اس طرح متعین نہیں۔ اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سورۂ فاتحہ کا تذکرہ فرمایا۔ اس کا تمام تر تعلق صرف اس سورۃ کی خصوصیت کی بنا پر ہے اور معلوم ہے کہ یہی وہ سورۃ ہے، جس کے نہ پڑھنے سے نہ تو امام کی نماز ہوگی جبکہ وہ امامت کر رہا ہو اور نہ منفرد کی جبکہ وہ تنہا نماز پڑھ رہا ہو۔ رہا مقتدی تو اس کے حق میں سورۂ فاتحہ کی قرأۃ کا معاملہ بجز مباح ہونے کے اور کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اباحت وکراہت کا مسئلہ خود احناف کے یہاں بھی اختلافی مسائل میں ہے، اگرچہ اس پر تمام احناف متفق ہیں کہ قرأۃ سورۂ فاتحہ مقتدی پر واجب نہیں۔ تاہم بعض اس کی قرأت کو بحالت اقتداء مباح کہتے ہیں اور جبکہ بعض اذا قری القرآن والی آیت کے پیش نظر ممنوع۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ کی اس توجیہ سے تمام معارض روایات ایک دوسرے کے موافق ہوگئیں اور ان میں کوئی مخالفت وتزاحم نہ رہا اور اختلافی مسئلہ لیجئے یعنی رفع یدین اور آمین بالجہر۔ اس میں بھی علماءِ دیوبند کا ذوق یہ ہے کہ "رفع یدین" اور "آمین بالجہر" رسول اکرم ﷺ اور حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہے اور ترک رفع اور اخفاء بالتامین بھی ثبوت کے درجہ میں ہے جیسا کہ امام ابوداؤد کے یہاں صحیح سند سے موجود حدیث میں ہے بلکہ یہی نہیں، ترکِ رفع حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کی روایات صحیحہ سے بھی محقق ہے اور ترک جہر آمین کو صحابہ کرام کے جم غفیر اور سلف صالحین کے تعامل سے ثابت ہی ماننا ہوگا۔ نتیجۃً رفع وترک، آمین بالجہر وآمین سراً ہر دو سنت ہی کے ذیل میں آتے ہیں گفتگو جو کچھ ہوگی وہ ترجیح ہی کے باب میں رہے گی تو احناف رفع یدین کے ترک اور آمین بالسر کے ترجیح کے قائل ہیں۔

علامہ جلیل! میری اس مختصر گذارش وتفصیل سے آپ کو محسوس ہوا ہوگا کہ علماءِ دیوبند کا طریق کار تشدد وافراط وتفریط سے کس درجہ محفوظ ہے، وہ دوسرے ائمہ کے مذاہب کو کلیۃً باطل نہیں کہتے بلکہ حق وصواب ان کے لئے بھی محفوظ مانتے ہیں۔ یہی وہ اعتدال ہے، جس کی وجہ سے دیوبندیت ایک محفوظ، معتدل مسلک بجا طور پر کہا جاسکتا ہے۔

اس وقت ہندوستان میں اسنادِ حدیث کا مدار حضرت نانوتویؒ بانی دارالعلوم قدس سرہ کے فخر روزگار شاگرد حضرت شیخ الہندؒ پر ہے۔ یہ میرے شیخ اور میرے جملہ معاصرین کے امام ہیں اور اسی طرق کار پر گامزن ہیں جو ہمارے اکابر کا خصوصی مسلک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موصوف کو معارض روایات میں تطبیق اور مشکلات الحدیث میں دلپذیر توجیہ کی ایک امتیازی صلاحیت عطا فرمائی ہے۔ بلا مبالغہ آپ کی نظیر سے نہ صرف ہندوستان بلکہ عالمِ اسلام خالی ہے۔

حضرت شیخ کا منصب جلیل اور امامت فی الحدیث کا جو میں دعویٰ کرتا ہوں اس کی صداقت آپ پر بھی اس طرح واضح ہوگی کہ ان کی ایک دلپذیر توجیہ سنئے۔

مجھ سے ہی حضرت الاستاذ نے ایک بار فرمایا کہ صلوٰۃ کسوف میں جو آنحضور ﷺ سے تعداد رکوع کے بارے میں متعدد روایات آرہی ہیں۔ یہ آپ کی خصوصیت پر مبنی ہے، کیونکہ آپ نے صلوٰۃ کسوف پڑھنے کے بعد صحابہؓ سے خطاب فرمایا تھا "صلوا احدث صلوۃ صلیتموہا من المکتوبۃ" (تم نے جو فرض نماز ابھی تازہ پڑھی ہے یعنی فجر کی نماز، تو اسی کی طرح صلوٰۃ کسوف کو بھی پڑھو) جس سے واضح ہوا کہ آنحضور ﷺ عام امت کے لئے صلوٰۃ کسوف اور عام نمازوں کے رکوع میں کوئی فرق نہیں فرما رہے ہیں۔ میں نے اس پر عرض کیا کہ حضرت! شوافع تو جناب رسول اکرم ﷺ کے اس ارشاد کو صرف تعداد رکعت کی تشبیہ پر محمول کرتے ہیں، وہ اس کا تعلق وحدۃ رکوع سے نہیں کرتے۔ اس پر فرمایا کہ یہ تو

حضرات شوافع کی کوشش ایک صاف واضح حقیقت کو نظری بنانے کی جدوجہد ہے۔ بھلا آپ سوچئے تو سہی کہ جب آنحضور ﷺ نے کسوف کی نماز متعدد رکوع کے ساتھ مجمع عظیم کو پڑھائی تو اس ارشاد کی پھر کیا ضرورت تھی اور جبکہ ارشاد فعل کے مقابلہ میں اہمیت رکھتا ہے اور سب مانتے ہیں کہ فعل میں خصوصیت کا امکان ہے اور قول میں اس طرح کا کوئی احتمال نہیں تو پھر آپ ﷺ کے قول وفعل پر کیوں نہیں ترجیح ہوگی اور معارض روایات جب اس توجیہ سے ایک دوسرے کے موافق بنتی ہیں تو پھر یہ پسندیدہ روش کیوں ترک کی جائے۔

حضرت استاذ کی اس وضاحت پر نہ صرف میں محظوظ ہوا بلکہ آپ کی خداداد صلاحیت کا مزید قائل ہونا پڑا۔

دیکھا آپ نے کہ اکابرِ دارالعلوم کس منفرد صلاحیت اور موہبتِ الٰہی کے جامع ہیں۔

استاذ الجلیل ! میں نے آپ کے قیمتی لمحات مصروف کئے جس کے لئے میں معذرت طلب ہوں۔ میں آپ کا مکرر شکریہ ادا کرتا ہوں، خود اپنی جانب سے اور اپنی جماعت کی جانب سے۔

واللہ یحفظکم اینما کنتم وھو حسبی
و نعم الوکیل نعم المولیٰ و نعم النصیر۔

القاسم اکیڈمی کی تازہ علمی، روحانی اور عظیم تاریخی پیشکش

مرویاتِ سیدہ عائشہ صدیقہؓ
و
سیدنا امیر معاویہؓ

مؤلف : مولانا سعید الرحمٰن علوی

پیش لفظ : مولانا عبدالقیوم حقانی

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث کا منتخب مجموعہ جسے ہفت روزہ خدام الدین لاہور کے مدیر شہیر مولانا سعید الرحمٰن علوی نے ترتیب دیا ہے۔ جس میں فہم دین، وصیت، مسلم کی فضیلت، انصار کی محبت، فاروق اعظم کی شان، بیماری گناہوں کا کفارہ، سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال، سخاوت عثمانی، سمع و طاعت، سیدہ عائشہ کا مقام، دنیا کے بے ثباتی، حرمت و مساوات، صحابہ معیار حق ہیں، مقام صحابہ، عدل و انصاف، تقدیر، اسوۂ نبوی، ہجرت، توبہ، دعا، لیلۃ القدر، مصنوعی بال، مقام صدیق اکبر، سونا، چاندی، ریشم کا استعمال، ہمسایہ کے حقوق، صلہ رحمی، زیارت قبور، حسن اخلاق، جاہلوں سے اعراض، تصاویر سے اجتناب، رفتار و گفتار، میل و ملاقات، عیادت، نماز جنازہ، مسواک، اعتکاف، یوم عرفہ، عورتوں کا جہاد، غیبت، بے فائدہ تحسین، خدمت و محنت، بشر، وسہولت اور متعدد موضوعات سے متعلق احادیث کی آسان، سادہ، سلیس زبان میں تشریح و توضیح کی گئی ہے۔ القاسم اکیڈمی نے اسے پہلی مرتبہ کتابی شکل میں منظر عام پر لانے کی سعادت حاصل کی ہے۔

صفحات : 152 .... قیمت : 75 روپے

القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ سرحد پاکستان

القاسم اکیڈمی کی تازہ ترین عظیم علمی اور فقہی پیش کش

اِسلامی آدابِ زندگی

تحریر ! محمد منصور الزمان صدیقی

پیش لفظ ! مولانا عبدالقیوم حقانی

قرآنی تعلیمات، احادیثِ نبوی، عبادات، معاملات، اعمال کے فضائل، بلندیٔ اخلاق و خصائل، محبت و اطاعتِ رسول، محرمات سے اجتناب، منہیات کی نشان دہی، فرق باطلہ کا تعاقب، رد بدعات، دعوت سنت و اتحاد امت، خدمتِ انسانیت —— الغرض زندگی کے ہر موڑ پر رہنمائی کے ہدایات سے معمور، مہد سے لحد تک اہم ضروری مسائل و احکام، سلیس اور بامحاورہ زبان میں ایک مطالعاتی معلم اور محسن کتاب، اپنے موضوعات کے تنوع، تفہیم و تسہیل افادیت اور تعلیم و تربیت کے حوالے سے ایک لاجواب کتاب۔

صفحات : 938 .... ریگزین .... قیمت : 350

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جمالِ حبیب ﷺ

یعنی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپا
(حلیہ مبارک) کا مختصر، جامع و مستند تذکرہ۔

ترتیب

محمد حبیب الرحمٰن حسامی
فاضل دارالعلوم حیدر آباد

ناشر

مکتبۂ احیاءِ سنت
مدرسہ امداد العلوم، نزد کریمینل کورٹ، لال ٹیکری، حیدر آباد، اے پی، انڈیا۔
Phone:3325952

تفصیلات کتاب

(جملہ حقوق بحق مرتب محفوظ ہیں۔)

نام کتاب : جمالِ حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم)

نام مرتب : محمد حبیب الرحمٰن حسامی

صفحات : ۴۰

921.914

سن اشاعت : شعبان ۱۴۲۰ھ مطابق نومبر ۱۹۹۹ء

تعداد بارسوم : تیرہ سو (۱۳۰۰)

کتابت و طباعت : امداد گرافکس Ph:(040) 4557645

باہتمام : ڈاکٹر محمد نثار احمد صاحب اقبال

(اسسٹنٹ پروفیسر نظامیہ طبی کالج، حیدرآباد)

ناشر : مکتبہ احیاء سنت 11-5-597 مدرسہ امدادالعلوم

جامع مسجد ٹین پوش، لال ٹیکری، حیدرآباد۔

قیمت : Rs.10/- دس روپے۔

☆☆☆ ملنے کے پتے ☆☆☆

- ☆ مکتبہ احیاء سنت (ناشر)۔
- ☆ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد، شیورام پلی، حیدرآباد۔
- ☆ فضل بک ڈپو، متصل جامع مسجد معظم پورہ، ملے پلی۔
- ☆ مکتبہ فیض ابرار، متصل جامعہ اشرف العلوم، اکبر باغ، حیدرآباد۔
- ☆ مدرسہ دارالعلوم حسامیہ، محلہ دستگیر، چٹگوپہ، ضلع بیدر (کرناٹک)۔
- ☆ ہندوستان پیپر امپوریم، مچھلی کمان، چارمینار، حیدرآباد۔
- ☆ محمد بلال امین حسامی یوسفیہ کالونی، پربھنی مہاراشٹرا۔

انتساب

مادر علمی جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد کے نام جس کے علمی ماحول نے مجھے قلم پکڑنا سکھایا اوران تمام اساتذہ کرام کے نام جن کی شفقتوں کے زیر سایہ میں نے اپنا علمی سفر شروع کیا اوراس قابل ہوا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک پر یہ چھوٹا ساکتابچہ ترتیب دے سکوں۔

فہرست مضامین

ارشاد عالی

استاذی حضرت مولانا محمد حسیب الرحمٰن صاحب قاسمی مدظلہ
شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی محمد وآلہ وصحبہ اجمعین اما بعد

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک اور جمال جہاں آرا کا بیان بڑی سعادت کی بات ہے۔ صحابہ میں بھی اس کا خوب چلن تھا۔ ہند بن ابی ہالہ تو اس میں خوب پیش پیش تھے۔ قدیم مصنفین میں سے محدث عبدالرزاق (م۲۱۱ھ) نے اپنے مصنّف کا اختتام ہی بطور تفاؤل کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل پر کیا ہے۔ علماء کی اس موضوع پر بہت سی مختصر و مطول تحریریں پائی جاتی ہیں، اس موضوع پر سب سے مفید اور مقبول عام امام ترمذی کا وہ مجموعہ ہے جو شمائل ترمذی کے نام سے امت کے درمیان پایا جاتا ہے۔ اور درس نظامی کے منتہی درجہ کے طلبہ کو باضابطہ پڑھایا جاتا ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد کے ایک ہونہار طالب علم عزیزی مولوی محمد حبیب الرحمن سلمہ نے شمائل ترمذی کی روشنی میں آپؐ کے حلیہ مبارک پر ایک مجموعہ تیار کیا ہے۔ اور مزید افادہ کی غرض سے دوسری کتابوں سے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔ اس طرح انہوں نے آپؐ کا ایک مختصر لیکن جامع حلیہ مبارک کتابوں کے حوالہ سے مزین کر کے بہت مفید بنایا ہے۔

دعا ہے کہ پروردگار عالم اس کو امت میں قبول عام اور اپنی بارگاہ میں حسن قبول سے نوازے اور عزیز مکرم کو مستقبل میں مزید علمی خدمات کی توفیق ارزانی کرے۔

والحمد اولا و آخرا

(مولانا) محمد حسیب الرحمن قاسمی (صاحب مدظلہ)

رائے گرامی

استاذی حضرت مولانا شاہ محمد جمال الرحمٰن صاحب مدظلہ العالی

استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد و خطیب جامع مسجد ملے پلی، حیدرآباد

الحمد للہ والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ اما بعد

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک تذکرہ خواہ وہ حسن سیرت سے متعلق ہو یا حسن صورت سے باعث خیر ہے۔ اور یہ علامت حُب نبیؐ اور سبب حُب نبیؐ ہے۔ اسی لئے ہر زمانہ میں اصحاب علم اور اہل قلم نے اپنی اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے اس عظیم سعادت کے حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ حضرات صحابہؓ جہاں سیرت نبویؐ کے حقیقی شیدائی تھے وہیں صورت نبویؐ سے والہانہ محبت و عقیدت بھی رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہیکہ سراپائے نبی انورؐ کی مکمل تفصیلات متعدد روایات میں موجود ہیں جنہیں جمع کر کے اہل علم نے مستقل کتابیں لکھیں، یا انہیں ضخیم کتابوں کا ایک اہم جز بنایا۔ چونکہ ہر فرد کا ضخیم کتب سے استفادہ دشوار ہوتا ہے۔

اسی لئے عزیزم محمد حبیب الرحمن سلمہ متعلم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد نے مختلف کتب سے حلیہ مبارک کے متعلق مواد جمع کرکے ایک چھوٹا سا رسالہ سادہ زبان میں ترتیب دیا ہے۔

عزیز موصوف کی یہ بالکل ابتدائی اور پہلی کوشش ہے، اسلئے حوصلہ افزائی کے مستحق ہیں۔ حق تعالی اس کو قبول فرمائیں اور کتابچہ کو شرف قبول بخشیں۔

والسلام

(حضرت مولانا) محمد جمال الرحمن مفتاحی (صاحب مدظلہ)

حرفِ اولین

الحمدللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی اشرف المرسلین وعلی آلہ و اصحابہ اجمعین اما بعد

احقر کی ایک عرصہ سے تمنا تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک پر کوئی جامع و مستند کتاب ترتیب دی جائے۔ کیونکہ سیرت پاک پر ارباب سیر نے بہت سی ضخیم کتابیں لکھی ہیں مگر صورت پاک (حلیہ مبارک) پر مختصر اور عام فہم اسلوب میں بہت کم کتابیں ہیں۔ جبکہ آپؐ کے ظاہری حسن و جمال اور آپؐ کے سراپا (حلیہ مبارک) کی تفصیل جہاں بڑی سعادت کی بات ہے وہیں ہر مومن کو اسے اس نیت سے بھی معلوم کرنا چاہئے کہ محبت میں زیادتی ہوتی ہے۔ اسلئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کے لئے بے چین رہتے تھے، اور آپؐ کے پردہ فرمانے کے بعد آپؐ کے حلیہ مبارک کو اپنی اولاد کے سامنے بیان کرتے تھے۔

آنے والی ان سطور میں حدیث اور سیرت کی مستند کتابوں کے حوالہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک کو بیان کیا گیا ہے، جن میں قابل ذکر کتابیں یہ ہیں (۱) شمائل ترمذی (۲) خصائل نبوی (۳) مدارج النبوہ (اردو) (۴) الانوار المحمدیہ من المواہب اللدنیہ وغیرہ اس کتاب کی

ترتیب دینے کے دوران استاذی حضرت مولانا مفتی محمد جمال الدین صاحب قاسمی مدظلہ صدر شعبہ افتاء واستاذ حدیث دارالعلوم حیدرآباد گاہے گاہے مفید مشوروں سے نوازے ہیں اور تصحیح بھی فرمائی ہے۔ نیز دیگر اساتذہ کرام سے بھی اس سلسلہ میں کافی مدد ملی۔ جن میں استاذی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حسیب الرحمن صاحب قاسمی واستاذی حضرت مولانا محمد جمال الرحمن صاحب مفتاحی واستاذی حضرت مولانا سید احمد ومیض صاحب ندوی دامت برکاتہم ہیں اور رفقاء دور حدیث (١٤٢٠ھ) نے بھی اس علمی کام میں خوب ساتھ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اساتذہ اور احبہ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کاوش کو قبول فرماکر نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

نوٹ: اہل علم حضرات سے گذارش ہیکہ اس کتاب میں کوئی غلطی رہ گئی ہو تو مطلع فرمادیں۔

والسلام مع الاحترام

محمد حبیب الرحمن حسامی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قد (جسم) مبارک

حضور صلی اللہ علیہ وسلم درمیانہ قد کے تھے نہ بہت لانبے تھے نہ بہت پست قد تھے اتنے لانبے نہیں تھے کہ دیکھنے میں برا لگے اور نہ ہی اتنے پست قد تھے کہ ناٹے معلوم ہوں۔ (شمائل ترمذی)

پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب مجمع میں ہوتے تو سب سے اونچے اور ممتاز معلوم ہوتے تھے، درحقیقت یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا کہ باوجود میانہ قد ہونے کے سب سے ممتاز اور اونچے نظر آتے تھے، علماء نے اس معجزہ کی وجہ یہ بیان فرمائی ہیکہ سارے لوگ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کے لئے تڑپتے تھے خاص کر وہ حضرات جو دور دراز سے پہلی مرتبہ ہی آئے ہوئے ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کا زیادہ اہتمام ہوا کرتا تھا اسی لئے اللہ تعالی نے آپؐ کو یہ ممتاز معجزہ بھی عطا فرمایا تھا تاکہ دیکھنے والے آپ کا دیدار بآسانی کرسکیں۔

ایک روایت میں ہیکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو بہت لانبے تھے اور نہ بہت پست قد تھے جب آپؐ تنہا ہوتے تو درمیانی قد والے معلوم ہوتے اور جب قوم کے درمیان ہوتے تو سب سے بلند و بالا معلوم ہوتے، اور ایک جگہ وہ فرماتی ہیں کہ آپؐ اگر دو آدمی کے

درمیان ہوتے تو آپ ان دونوں سے بلند نظر آتے اور جب ان دونوں سے جدا ہوتے تو متوسط القامت نظر آتے۔ نیز مجلس میں آپؐ کے دونوں شانے مبارک بلند سے بلند تر معلوم ہوتے۔ (الانوار المحمدیہ و بیہقی)

پیشانی مبارک

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی کشادہ اور فراخ تھی اور دونوں ابروں کے درمیان ایک رگ تھی جو (خلاف شرع کام کرنے والے پر) غصہ کرتے وقت ابھر جاتی تھی۔ (شمائل ترمذی)

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک سے نیک بختی سعادت مندی اور نورانیت ٹپکتی رہتی تھی۔

(مدارج النبوۃ اردو جلد:۱/ قسط:۱/ صفحہ:۱۷)

ہند ابن ابی ہالہ کہتے ہیں کہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابرو باریک خمدار اور گھنے تھے دونوں ابرو جدا جدا تھے ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں تھے۔ (شمائل ترمذی)

لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی حدیث میں بیان فرمایا ہیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک کشادہ اور بھنویں ملی ہوئی تھیں اور ہند ابن ابی ہالہ کی درج بالا حدیث میں من غیر قرن (یعنی ابرو کے بال ملے ہوئے نہیں تھے) آیا ہے ارباب سیر نے ان دونوں روایات میں تطبیق اس طرح دی ہے کہ اصل اور صحیح روایت سے تو یہ ثابت ہیکہ ابرو کے بال ملے ہوئے

نہیں تھے اور جس روایت سے باہم ملنے اور اتصال کا ذکر ہے اس سے مراد چند خفیف بالوں کا ملنا ہے، بہت گھرے ملے ہوئے نہیں تھے کہ جس سے دونوں ابرو پیوست ہو۔ (مدارج النبوہ جلد:۱/ قسط:۱/ صفحہ:۲۰)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پلکیں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پلکیں، سیاہ، دراز اور گھنی تھیں۔ (شمائل)

پُرنور آنکھیں

آنکھ کی پتلی نہایت سیاہ تھی اور اس کی سفیدی والا حصہ خوب سفید تھا اور اس حصے میں لال ڈورے پڑے ہوئے تھے۔ (شمائل)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں بڑی بڑی تھیں اور بھنویں دراز تھیں، بڑی ہونے کا مطلب تنگ اور چھوٹی آنکھ ہونے کی نفی کرنا ہے اتنی بڑی نہیں تھیں کہ آنکھیں باہر نکلی ہوئی معلوم ہوں بلکہ اعتدال کے ساتھ بڑی تھیں ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کے سلسلہ میں اکحل العینین کا لفظ آیا ہے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں بغیر سرمہ لگائے سرمگیں نظر آتی تھیں۔

(مدارج النبوۃ جلد:۱قسط:۱صفحہ:۱۷)

پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات کو اپنی آنکھوں میں اثمد سرمہ لگایا کرتے تھے اور ارشاد فرماتے کہ تم اثمد سرمہ لگایا کرو کیونکہ وہ آنکھ کی روشنی تیز کرتا ہے اور پلکیں بھی اگاتا ہے۔ (شمائل ترمذی)

آپ صلی اللہ علیہ و سلم کی بینائی خوب تیز تھی حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم رات کی تاریکی میں بھی ویسا ہی دیکھتے تھے جیسا کہ دن کی روشنی میں۔ (بخاری و بیہقی)

ناک مبارک

آپ صلی اللہ علیہ و سلم کی ناک مبارک بلندی کی طرف کچھ مائل تھی اور اس پر ایک چمک اور نور تھا پہلی مرتبہ آپ کو دیکھنے والا بڑی اور لمبی ناک والا سمجھتا تھا، لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا کہ حسن اور چمک کی وجہ سے وہ بلند معلوم ہوتی ہے، فی نفسہ زیادہ بلند نہیں تھی بلکہ اعتدال کے ساتھ لمبی تھی۔

(شمائل اور خصائل)

دہن (منہ) مبارک

حضور صلی االلہ علیہ و سلم کا دہن (منہ) شریف فراخ اور کشادہ تھا۔ (مسلم شریف) ۔۔۔ اہل عرب مردوں کیلئے کشادہ دہنی کو قابل تعریف اور تنگ دہنی کو قابل مذمت ٹھراتے تھے عرب کے شعراء تنگ دہن کو معشوق اور محبوب سے نسبت دیتے تھے گویا ان کے نزدیک تنگ دہن ہونا عورتوں کے اوصاف میں سے تھا۔ اس لئے اللہ تعالی نے آپ صلی اللہ علیہ و سلم کو فراخ دہنی سے نوازا۔ دوسری روایت میں یفتح الکلام ویختمہ باشداقہ کا اضافہ ہے مطلب یہ ہے کہ آپؐ کے منہ مبارک سے جو بھی بات نکلتی تھی تام اور کامل ہوتی تھی شکستہ اور ناقص الفاظ استعمال نہیں فرماتے تھے، گویا

فراخ دہنی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فصیح ہونے کو بتایا گیا ہے۔

(مدارج النبوۃ جلد: ۱/ قسط: ۱/ صفحہ: ۲۱)

دندان (دانت) مبارک

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک موتی کی طرح آبدار تھے، سامنے کے دانتوں کے درمیان تھوڑا سا فصل تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو فرماتے تو سامنے کے دانتوں سے ایک نور سا ظاہر ہوتا تھا۔ علامہ مناویؒ فرماتے ہیں کہ یہ کوئی حسی چیز تھی جو بطور معجزہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دانتوں کے درمیان سے نکلتی تھی۔ (مستفاد از شمائل ترمذی وخصائل نبوی)

لعاب مبارک

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب مبارک بیماروں کیلئے باعث شفاء تھا، خیبر کے روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا تھا کہ کل میں (جنگی) جھنڈا ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں دونگا کہ اللہ تعالی اس کے ہاتھوں فتح نصیب فرمائے گا وہ شخص اللہ اور اسکے رسولؐ سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اسکا رسول اس سے محبت کرتے ہیں۔ چنانچہ دوسرے دن تمام صحابہؓ امیدوار تھے کہ اپنے کو دیا جائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علیؓ کہاں ہیں تو صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یارسول اللہ علیہ وسلم انکی آنکھوں میں درد (آشوب) ہے آپؐ نے فرمایا ان کو ادھر بھیجو چنانچہ ان کو لایا گیا آپؐ نے اپنا لعاب دہن ان کی دونوں آنکھوں میں لگایا تو دونوں آنکھیں ایسی اچھی ہو گئیں گویا اس میں درد ہی نہیں تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ و سلم کا لعاب دہن نہایت خوشبودار بھی تھا۔ ایک کنویں میں آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے کلی فرمائی تو اس سے مشک کی طرح خوشبو آنے لگی۔

اسی طرح جب آپ صلی اللہ علیہ و سلم حضرت انسؓ کے مکان کے کنویں میں اپنا لعاب دہن ڈالے تھے تو مدینہ میں کوئی کنواں اس سے زیادہ میٹھا اور شیریں نہ تھا اس طرح کی کئی روایات اور واقعات ہیں جس سے آپ کے لعاب دہن کی برکت اور عظمت معلوم ہوتی ہے۔

(الانوار المحمدیہ من المواهب اللدنیه صفحه: ۲۰۰)

کان مبارک

آپ صلی اللہ علیہ و سلم کے کان کامل اور مکمل تھے (حوالہ جامع صغیر) اور دوسروں کے مقابلہ میں آپ کی قوت سماعت بھی زیادہ تھی۔

آواز مبارک اور انداز گفتگو

آپ صلی اللہ علیہ و سلم کی بولی بڑی شیریں اور پیاری تھی تمام بولیوں سے زیادہ حسین اور دلکش تھی کوئی بھی آپ صلی اللہ علیہ و سلم سے بڑھ کر خوش آواز نہیں گذرا۔ آپ صلی اللہ علیہ و سلم کے کلام کی توصیف اور تعریف کرتے ہوئے حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے کسی نبی کو نہیں بھیجا مگر خُوش آواز اور خُوش رُو یہاں تک کہ ہمارے نبی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و سلم ان اوصاف میں فائق تر اور بلند تر تھے جہاں تک کسی کی آواز نہ

پہونچتی ہو وہاں تک آپ کی آواز مبارک بے تکلف پہونچ جاتی تھی خصوصاً ایسے خطبوں کی آواز جس میں نصیحت یا خدا سے ڈرانا ہوتا تھا حتی کہ پردے میں بیٹھی ہوئی خواتین بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سن لیا کرتی تھیں۔

حجتہ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں جو خطبہ دیا تھا اس کو تمام صحابہ کرامؓ نے سنا تھا، (جبکہ اس وقت وہاں پر موجودہ تعداد تقریبا ایک لاکھ تیس ہزار تھی) اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ منیٰ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کی تعبیر کرتے جارہے تھے اس سے مراد اس کلام کی توضیح وتفسیر ہے آواز کو سنوانا مقصد نہیں ہے آواز تو سب سن رہے تھے۔

(مدارج النبوۃ جلد:۱/ قسط:۱/ صفحہ: ۲۴، ۲۳)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو تم لوگوں کی طرح سے لگاتار اور جلدی جلدی نہیں ہوتی تھی بلکہ صاف صاف ہر بات کو الگ الگ بیان فرماتے تھے اور ان باتوں کو پاس بیٹھنے والے حضرات اچھی طرح سے ذہن نشین کرلیتے تھے۔ (شمائل ترمذی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار مبارک ہموار، پُر گوشت اور نرم تھے۔ (شمائل ترمذی)

جس کی وجہ سے آپؐ حسین اور خوشنما معلوم ہوتے تھے۔

گردن مبارک

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک چاند کی طرح صاف وشفاف اور خوبصورت تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا کسی گڑیا کی گردن ہے۔

(شمائل وخصائل)

سر مبارک

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک اعتدال کے ساتھ عظیم تھا اتنا بڑا نہیں تھا کہ دیکھنے میں برا معلوم ہو، سر کا قدرے بڑا ہونا باطنی کمالات اور کامل عقل ہونے کی نشانی ہے۔ اس لئے اللہ تعالی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ امتیاز بخشا تھا۔ (مدارج النبوۃ جلد:۱/قسط:۱/صفحہ:۲۸)

زلف مبارک

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے بال بہت گھنے تھے نہ بالکل گھنگریالے تھے اور نہ بالکل سیدھے بلکہ قدرے خمدار تھے۔ (شمائل ترمذی)

اس سے زلف مبارک کی خوبصورتی میں مزید اضافہ ہوگیا تھا۔

زلف کی حد

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زلف کی لمبائی کے سلسلہ میں تین مختلف روایتیں حدیثوں میں آئی ہیں۔

(۱) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زلف کان کی لو تک تھے۔ (عظیم الجمة الی شحمة اذنیه)

(۲) حضرت برا ابن عازب ہی کی دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ کے بال مونڈھوں تک تھے۔ (له شعر يضرب منكبيه)۔

(۳) حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال نصف کانوں تک تھے۔ (كان شعر رسول الله صلى الله عليه وسلم الى نصف اذنيه) (شمائل ترمذی)

لیکن ان تمام روایات میں کوئی تعارض اور اختلاف نہیں ہے کیونکہ بال بڑھنے والی چیز ہے ایک زمانہ میں نصف کان تک تھے تو دوسرے زمانہ میں کان کی لو تک اور جب مزید بڑھ گئے تو مونڈھوں تک آگئے ہوں، اور جو صحابی نے جس زمانہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک کو دیکھا تو انہوں نے وہی حال بیان کر دیا اور حضرت براء بن عازبؓ ہی سے اس کے متعلق جو دو قسم کے مختلف احادیث منقول ہیں۔ اس کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ پہلی مرتبہ جب انہوں نے دیکھا تھا تو کان کی لو تک تھے اور جب دوسری مرتبہ مشاہدہ کیا تو مونڈھوں تک پہنچ چکے تھے بعض علماء کرام نے ان تینوں روایات میں تطبیق دیتے ہوئے یوں فرمایا ہیکہ سر مبارک کے اگلے حصہ کے بال نصف کانوں تک پہونچ جاتے تھے اور سر کے درمیانی حصہ کے بال کانوں کی لو تک اور سر کے آخری حصہ کے بال مونڈھوں تک پہونچ جاتے تھے بہر حال تینوں طرح کی روایات صحیح سند سے ثابت ہیں۔

(مستفاد از انوار المحمديه من المواهب اللدنيه)

نوٹ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو بال کٹوانے سے منع فرمایا ہے۔ (نسائی صفحہ: ۲۷۵)

اور صحابیاتؓ میں سے کسی سے بھی سر کے بال کٹوانا ثابت نہیں ہے، اور یہ حقیقت ہیکہ عورتوں کے بال جتنے بڑے ہوتے ہیں اسکی خوبصورتی میں اتنا ہی اضافہ ہوتا ہے لیکن آج کل کا دور بالکل الٹا ہوچکا ہے کہ عورتیں بال کٹوانے کو فیشن سمجھ رہی ہیں یہ بہت بری اور غلط رسم چل پڑی ہے اس فیشن پر عمل کرنے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشاد کی کھلی مخالفت ہورہی ہے۔ ان بال کٹوانے والی عورتوں کو سوچنا چاہیئے کہ اسلام نے ان کو جو حقوق عطاء کئے ہیں اس کی نظیر (مثال) کسی اور مذہب میں نہیں ملتی۔ اسلام سے پہلے عورت کو گری ہوئی نظروں سے دیکھا جاتا تھا مگر اسلام نے اس کو گھر کا ملکہ بنایا لہذا وہ اس احسان عظیم کو یاد رکھیں اور اسلام کے دستور حیات کو اپنانے کی کوشش کریں۔ اسی طرح یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ عورتوں کو اپنے بالوں کے ساتھ کسی دوسرے انسان کے بال جوڑنا اور اس کی چوٹی بنانا جائز نہیں ہے، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ (لعن اللہ الواصلۃ والمستوصلۃ) اور ایک روایت میں اسے (فانہ زور) کہا گیا ہے۔ یعنی وہ جھوٹ کو آراستہ کررہی ہیں۔ (نسائی صفحہ: ۲۸۰)

لہذا اپنے بالوں کے ساتھ دوسرے انسانی بالوں کا جوڑنا فریب اور

دھوکہ دینا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت کے مستحق بننا ہے اس لئے اپنے بالوں کے ساتھ کسی انسانی بالوں کو نہ جوڑیں، البتہ دیگر حیوانات کے بالوں کو چوٹی بنا کر استعمال کرنا جائز ہے۔ (مستفاد از جدید فقہی مسائل)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید بال

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ و سلم کے دونوں کنپٹیوں میں تھوڑی سی سفیدی تھی اور حضرت انسؓ ہی کی دوسری روایت میں ہیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک اور ڈاڑھی مبارک میں صرف چودہ[۱۴] بال سفید تھے اور دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اور ڈاڑھی مبارک میں کل سترہ[۱۷] یا بیس[۲۰] بال سفید تھے۔ (شمائل ترمذی)

لیکن یہ کوئی اختلاف یا تعارض کی بات نہیں ہے کیونکہ مختلف زمانوں پر اس کو محمول کیا جاسکتا ہے اور شمار کرنے والے کے شمار میں بھی فرق ہوسکتا ہے۔ نیز یہ اندازے کی بات ہے ہوسکتا ہیکہ ایک صحابی نے چودہ اور دوسرے نے سترہ اور بعض دوسرے حضرات نے اٹھارہ اور بیس کا اندازہ کیا ہو۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کی سفیدی تیل کے استعمال کے وقت محسوس نہیں ہوتی تھی، تیل کے استعمال کے وقت چونکہ سب بال چمکنے لگتے ہیں اس لئے بالوں کی سفیدی تیل کی چمک

کے اندر مل جاتی تھی یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تیل کی وجہ سے بال جم جاتے تھے، جس کی بنا پر سفید بال اپنی قلت اور کم ہونے کی وجہ سے چھپ جاتے تھے۔

(شمائل ترمذی)

سفید بال کی وجہ

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ آپ بوڑھے ہوگئے ہیں؟ (کہ آپ کے بال سفید ہوگئے اس کی کیا وجہ ہے؟) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے سورہ ھود، واقعہ، مرسلات، عم یتسالون اور سورہ کورت نے بوڑھا بنادیا ہے، اور ایک روایت میں ہے (شیبتنی ھود واخواتھا) کہ مجھ کو سورہ ھود اور اس جیسی دوسری سورتوں نے بوڑھا بنادیا۔ (شمائل ترمذی)

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ اپنے دولت کدہ سے تشریف لاتے ہوئے اپنی ڈاڑھی مبارک پر ہاتھ پھیر رہے تھے، حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ حضرت ابو بکرؓ یہ منظر دیکھ کر عرض کیا یا رسول اللہؐ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں کس قدر جلدی آپؐ پر بڑھاپا آگیا اور یہ کہہ کر رونے لگے اور آنسو جاری ہوگئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورہ ھود جیسی سورتوں نے مجھے بوڑھا کردیا ہے۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ سورہ ھود اور اس جیسی دیگر سورتوں سے مراد وہ سورتیں ہیں جن سورتوں میں قیامت، جہنم اور بد بخت لوگوں کے انجام وغیرہ

کا ذکر آیا ہے، کیونکہ یہ تمام آخرت کے احوال ہیں جو بہت ہی حیران کن اور خطرناک ہونگے چنانچہ ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا جو امور آخرت کے متعلق میں جانتا ہوں اگر تمہیں معلوم ہو جائیں تو تم ہنسنا بہت ہی کم کردیتے اور اکثر اوقات روتے رہا کرتے حتیٰ کہ بیویوں کے پاس جانا چھوڑ دیتے۔

امام زمخشریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک کتاب میں دیکھا ہے کہ ایک شخص شام کے وقت بالکل کالے بال والا جوان تھا، ایک ہی رات میں بالکل سفید بال والا ہو گیا، لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو اس شخص نے کہا میں نے رات میں قیامت کا منظر دیکھا ہے کہ لوگوں کو زنجیروں سے کھینچ کر جہنم میں ڈالا جارہا ہے۔ اس کی دہشت اور ہیبت مجھ پر ایسی غالب ہوئی کہ ایک ہی رات میں مجھے اس حالت میں پہونچا دیا، یعنی پورے بال سفید ہو گئے۔

(خصائل نبوی صفحہ: ۵۲)

ہم سب کو اس سے سبق حاصل کرنا چاہئیے کہ ہم کو بھی ایک دن اس دنیا سے جانا ہے اور آخرت، قبر اور حشر والی زندگی سے دوچار ہونا ہے وہاں حساب بھی دینا ہے اگر ہم اس بات کو ہمیشہ اپنے فکروں اور ذہنوں میں بٹھائے رکھیں تو دینی اور دنیوی ہر دو اعتبار سے کامیابی ہو سکتی ہے۔ اسلئے ایک بزرگ نے اپنے گھر میں ایک قبر کھود رکھی تھی اور روزانہ اس قبر میں اتر کر کچھ دیر اس میں لیٹتے اور اپنے نفس سے کہتے کہ ایک دن تمہیں اس طرح قبر میں اتارا

جائیگا، منکر نکیر تمہارے پاس آئیں گے اور تمہاری زندگی کے بارے میں سوال کریں گے اس طرح وہ بزرگ فکر آخرت تازہ کرتے تھے نیز صوفیا کرام نے ایک بات یہ بھی بتائی ہیکہ اگر انسان قبر کو ہمیشہ یاد کرتا رہے تو وہ کبھی بھی گناہ نہیں کرسکتا، گویا یہ گناہوں سے بچنے کا نسخہ ہے۔

شرح السنہ میں لکھا ہے کہ ایک صاحب کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی انہوں نے پوچھا یارسول اللہؐ مجھے یہ حدیث پہونچی ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا ہیکہ سورہ ھود نے مجھے بوڑھا بنادیا، کیا بات ہے؟ یعنی اس کا کیا مطلب ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس میں ایک آیت ہے جس نے مجھے بوڑھا کردیا، وہ آیت یہ ہے

فاستقم کما امرت الخ (سورہ ھود)

یعنی دین پر ایسی مضبوطی کے ساتھ جمے رہو جیسا کہ اللہ نے حکم دیا ہے۔

(مستفاد از خصائل نبوی صفحہ: ۵۱)

اسلیے بزرگان دین کہتے ہیں کہ استقامت ہزار کرامتوں سے افضل ہے۔

سینہ مبارک

آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک فراخ اور کشادہ تھا، دونوں مونڈھوں کے درمیان اعتدال کے ساتھ فصل تھا۔ سینہ کا چوڑا اور کشادہ ہونا شجاعت اور بہادری کی علامت ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں بھی نمایاں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس آدمیوں کی طاقت تھی اور ترمذی

شریف کی روایت کے مطابق چالیس جنتیوں کی طاقت تھی اور ایک جنتی کی طاقت دنیا کے سو آدمیوں کے برابر ہوتی ہے اس طرح گویا آپؐ کو چار ہزار دنیوی انسانوں کی طاقت دی گئی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک سے لیکر ناف تک بالوں کی باریک لکیر تھی۔ (ذو مسربة) ۔۔۔۔۔ اسکے علاوہ چھاتی اور پیٹ پر بال نہیں تھے البتہ دونوں بازؤں اور کندھوں اور سینہ مبارک کے اوپری حصہ پر کچھ بال تھے۔ (مستفاد از شمائل ترمذی و خصائل نبوی)

بطن (پیٹ) مبارک

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بطن (پیٹ) مبارک ہموار اور برابر تھا، یعنی پیٹ سینہ سے بلند نہیں تھا بلکہ دونوں برابر تھے۔ سواء البطن والصدر (شمائل ترمذی)

بغل شریف

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بغل شریف سارے بدن مبارک کی طرح سفید تھی، امام طبریؒ کہتے ہیں کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی ورنہ آپؐ کے سواء اکثر لوگوں کے بغل کا رنگ کالا ہوتا ہے امام قرطبیؒ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغل میں بال نہیں تھے لیکن علماء فرماتے ہیں کہ یہ بات ثابت نہیں ہے کیونکہ جلد کی سفیدی سے یہ لازم نہیں آتا کہ بغل میں بال نہ ہوں، جبکہ احادیث میں نتف ابطیه آیا ہے کہ حضور صلی

اللہ علیہ وسلم بغل کے بال کو اکھیڑ لیا کرتے تھے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کے بغل میں بال تھے۔

آپؐ کے بغل شریف سے خوشبو آتی تھی ایک صحابیؓ کا بیان ہیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے بغلگیر ہوئے تو آپ کے بغل شریف کے پسینہ سے مشک کی طرح خوشبو آرہی تھی۔ (مدارج النبوۃ جلد:۱/ قسط:۱/ صفحہ:۳۶)

مہر نبوت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں مونڈھوں کے درمیان (پشت پر) مہر نبوت تھی اور وہ مقدار میں کبوتر کے انڈے جیسی تھی، جو درحقیقت ایک اُبھرا ہوا گوشت تھا جسکے چاروں طرف تِل تھے جو گویا مسّوں کے برابر معلوم ہوتے تھے، اور اس کے اطراف چند بال تھے۔

مہر نبوت پر کیا لکھا ہوا تھا، یہ صحیح روایات سے ثابت نہیں ہے۔ البتہ ابن حبانؒ وغیرہ نے صراحت کی ہیکہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا اور دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر سرفانت المنصور (ترجمہ: تم جہاں چاہے جاؤ تمہاری مدد کی جائے گی) لکھا ہوا تھا۔

در اصل مہر نبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ اور علامت نبوت تھی، چونکہ سابقہ کتب سماوی میں اس بات کی پیشگوئی کی گئی تھی کہ آخری نبی جو مبعوث ہونگے ان کی ہجرت کی جگہ ایسی زمین ہوگی جہاں کھجور زیادہ ہونگے، اور وہ عرب میں پیدا ہونگے، اور وہ دین ابراہیمی پر ہونگے، وہ ہدیہ نوش

فرمائیں گے، صدقہ نہیں کھائیں گے، اوران کے دونوں شانوں (مونڈھوں) کے درمیان مہر نبوت ہوگی۔ چنانچہ اسی مہر نبوت اور دیگر علامات کو دیکھ کر حضرت سلمان فارسیؓ ایمان لائے تھے۔ جس کا مفصل قصہ خصائل نبوی میں مذکور ہے۔

(مستفاد از شمائل ترمذی و خصائل نبوی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اور انگلیاں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کلائیاں دراز تھیں اوران پر کچھ کچھ بال تھے، ہتھیلیاں فراخ، کشادہ، پر گوشت اور نرم و ملائم تھیں انگلیاں (تناسب کے ساتھ) لانبی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک کی نرمی کے سلسلہ میں حضرت مستور بن شدادؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے والد سے پوچھا تو والد صاحب نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہونچا اور میں نے آپؐ سے مصافحہ کیا آپ کا دست (ہاتھ) مبارک ریشم سے زیادہ نرم اور برف سے زیادہ سرد تھا۔ (طبرانی عن مستور بن شداد)۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے زیادہ نرم حریر و دیبا کو نہ پایا۔

(بخاری عن انس بن مالک)

حالانکہ حریر ریشمی کپڑوں میں سب سے زیادہ نرم ہوتا ہے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ مبارک اس سے بھی زیادہ نرم تھا، ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے رخسار پر اپنا دست اقدس

پھیرا تو حضرت جابر کو ایسی ٹھنڈک اور خوشبو محسوس ہوئی جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی عطر کی ڈبیہ سے اپنا ہاتھ نکالا ہو۔ (مسلم ثانی صفحہ: ۲۵۶)

حضرت وائل بن حجرؓ فرماتے ہیں کہ میں جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کرتا ہوں تو میرا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مس ہونے (ملنے) کی وجہ سے ایسا معطر اور خوشبو دار ہو جاتا ہے کہ میں دن بھر اپنے ہاتھوں کو سونگھتا رہتا ہوں اور اس میں مشک (نافہ) سے بہتر خوشبو پاتا رہتا ہوں۔

(طبرانی وبیہقی)

ان تمام روایات اور واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک ہمیشہ معطر اور ٹھنڈا رہتا تھا لیکن ٹھنڈک سے وہ ٹھنڈک مراد نہیں ہے جو مزاج اور طبیعت کی برودت اور خشکی کی وجہ سے ہوتی ہے اور سرد پسینہ آنے لگتا ہے اور اس کے چھونے کو لوگ ناپسند کرتے ہیں۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سرد اور ٹھنڈک پن اعتدال مزاج اور حرارت کا غلبہ نہ ہونے کی وجہ سے تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس کو چھونے سے راحت اور سکون محسوس ہوتا تھا، کراہیت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ (مدارج النبوۃ جلد: ۱/ قسط: ۱/ صفحہ: ۲۹، ۴۰)

ڈاڑھی مبارک

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی مبارک گھنی تھی اور آپؐ اپنی ڈاڑھی مبارک میں تیل لگایا کرتے تھے اکثر اس میں کنگھا کرتے اور اس کو اچھے

انداز سے رکھنے کا اہتمام فرماتے تھے۔ شفائے قاضی عیاض میں کہا گیا ہے کہ اللحیة یملا صدره یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی مبارک کے بال اتنے زیادہ تھے کہ جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک ڈھب گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی مبارک کی لمبائی کتنی تھی یہ صحیح روایات سے منقول نہیں ہے البتہ وظائف النبی میں کہا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی مبارک چار انگل تھی اس سے کم نہیں ہوتی تھی۔

(لیست اسنادہ بالقوی) (مدارج النبوۃ جلد: ۱/ قسط: ۱/ صفحہ: ۳۴،۳۳)

یہ حقیقت ہیکہ ڈاڑھی کا لمبا رکھنا آدمی کے اندر نکھار اور حسن پیدا کرتا ہے خصوصاً جبکہ ڈاڑھی گھنی ہو نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ڈاڑھی مبارک کو تھوڑی کے نیچے کر کے گرہ نہیں لگاتے تھے بلکہ ڈاڑھی پر گرہ لگانے اور اسکو اندر دبا کر رکھنے والے پر سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فان محمدا بری منه یعنی اس شخص کا جو ڈاڑھی پر گرہ لگاتا ہے مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ (نسائی صفحہ: ۲۷۷)

لہذا ہم مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنی ڈاڑھی کو سنت کے مطابق رکھیں، اس میں کنگھی کیا کریں۔ اسے تھوڑی کے نیچے دبا کر چھپانے کی کوشش نہ کریں۔

ڈاڑھی کی شرعی مقدار

ڈاڑھی کہاں تک رکھیں اس کے بارے میں احناف کی رائے یہ ہے کہ وہ ایک مشت سے کم نہ ہو اس سے بڑھے ہوئے حصہ کو کاٹ سکتے ہیں جیسا

کہ عبداللہ بن عمر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ کان ابن عمر رضی اللہ عنہما اذا حج او اعتمر قبض علی لحیته فما فضل اخذہ۔ (بخاری شریف)

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ جب حج یا عمرہ کرتے تو اپنی ڈاڑھی کو مٹھی میں لیتے اور اس سے بڑھے ہوئے بالوں کو کاٹتے تھے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہیکہ ڈاڑھی اگر ایک مٹھی سے بڑھ جائے تو اس کو کاٹ سکتے ہیں، لیکن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی کی دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈاڑھی کو اپنے حال پر چھوڑ دیں (عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم انهکوا الشوارب و اعفوا االلحی۔

(بخاری شریف ثانی، صفحہ: ۸۷۵)

یعنی آپ ؐ نے فرمایا کہ لبوں کو تراشنے میں مبالغہ کرو اور ڈاڑھی کو اپنے حال پر چھوڑ دو اسے مت چھیڑو۔ بظاہران دونوں احادیث میں ٹکراؤ معلوم ہورہا ہے چنانچہ اس کے درمیان بعض شارحین تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا فعل یعنی ڈاڑھی کا ایک مشت سے زائد حصہ کا کترانا حج اور عمرہ کے ساتھ خاص تھا اور آپ ؐ کا ارشاد عام حالات سے متعلق ہے اور اس سلسلہ میں علماء کرام کی عادت مختلف رہی ہے چنانچہ منقول ہیکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی داڑھی ان کے سینہ کو ڈھانپ لیتی تھی اسی طرح حضرت عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما کے بارے میں بھی منقول ہے۔ نیز پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے حلیہ میں لکھا ہوا ہے کہ آپؒ کی

داڑھی طویل و عریض تھی لہذا ہم کو چاہیئے کہ صحابہؓ اور پیران پیرؒ کے طریق کار کو اپنا کر اپنی زندگی سنت اور اسلام کے طریقہ کے مطابق گزاریں۔

(مدارج النبوۃ جلد:۱/ قسط:۱/ صفحہ:۳۲،۳۳)

لبہائے مبارک

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مونچھیں ترشواتے تھے، آپؐ نے یہ امر بھی فرمایا ہیکہ مشرکوں اور مجوسیوں کی مخالفت کرو اور اپنی ڈاڑھیوں کو بڑھاؤ اور لبوں (مونچھوں) کے کم کرنے اور ترشوانے میں مبالغہ کرو۔ (بخاری و مسلم)

لہذا ہم بھی اپنی مونچھوں کو ترشوائیں، بالکل استرا نہ لگائیں، اس طرح ترشوائیں کہ اطراف لب ظاہر ہوں، اور ابرو کی مقدار میں چھوڑ دیئے جائیں البتہ غازی یعنی جنگ لڑنے والا اس سے مستثنیٰ ہے اور انہیں مستحب ہے کہ لبوں کو لمبا رکھیں تاکہ دشمنوں کی نظر میں رعب و دبدبہ ظاہر ہو، لیکن لبوں کو اتنا دراز اور لمبا نہ کریں کہ اطراف لب ہی ڈھک جائیں۔ مونچھ اس انداز کے ہوں کہ وہ منھ کے اندر نہ آئیں۔ نیز علماء فرماتے ہیں کہ لبوں کے دونوں کناروں کے بال چھوڑنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، حضرت عمر فاروقؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ لبوں کے گوشوں کو چھوڑ دیا کرتے تھے اس لئے اگر اطراف لب چھوڑ دیں تو کوئی حرج نہیں۔ (مدارج النبوۃ جلد:۱/ قسط:۱/ صفحہ:۳۲)

چہرہ انور

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور نہ بالکل گول تھا اور نہ ہی بہت لانبا تھا بلکہ معتدل اور تھوڑی سی گولائی لیئے ہوئے تھا۔ (شمائل و خصائل)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن بے مثال

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ و سلم کا پورا حسن و جمال ظاہر کیا جاتا تو آنکھیں اس کا تحمل نہیں کر سکتی تھیں۔ (الانوار المحمدیہ صفحہ: ۱۹۴)

البتہ آپؐ کے جتنے حسن کو صحابہ کرامؓ پر ظاہر کیا گیا ہے اور انہوں نے اس حسن کا جتنا ادراک کر کے اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے اس کو یہاں لکھا جارہا ہے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم سفید رنگ کے تھے ،ایسی سفیدی نہیں جو چونے میں ہوتی ہے اور نہ ایسا گندمی رنگ تھا کہ جس میں کالے پن کی جھلک آجائے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم کا رنگ سفید ہونے کے ساتھ چمکدار بھی تھا اور اس میں کسی قدر گندمی رنگ شامل تھا جسکی وجہ سے آپؐ کا حسن دوبالا ہو گیا تھا۔ حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم نہایت حسین و جمیل تھے ،آپ صلی اللہ علیہ و سلم کا چہرہ اقدس اتنا خوبصورت تھا کہ میں نے اس سے زیادہ حسین چہرہ والا کسی کو نہیں دیکھا۔

حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھا کہ بیچ آسمان میں ہے ،میں کبھی آپ صلی اللہ علیہ و سلم کا چہرہ اقدس دیکھتا اور کبھی چاند پر نظر ڈالتا ،مجھے اخیر میں یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم چاند سے کہیں زیادہ حسین ہیں۔ (ماخوذ از مسلم و شمائل)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کامل (چودھویں رات کے چاند) سے بھی زیادہ خوبصورت اور حسین تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حسن و جمال میں ایسے معلوم ہوتے تھے گویا کہ چاندی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن ڈھالا گیا ہو۔ (شمائل ترمذی)

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ سب تشبیہات تقریبی ہیں ورنہ ایک چاند کیا ہزار چاند بھی آقاؐ کے نور کے مشابہ اور برابر نہیں ہوسکتے۔ (خصائل نبوی)

ع چاند سے تشبیہ دینا بھی کوئی انصاف ہے
چاند میں ہیں چھائیاں حضرتؐ کا چہرہ صاف ہے

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یوسف علیہ السلام کے حسن کو دیکھ کر عورتیں اپنی انگلیوں کو کاٹ لیں تھیں، اگر وہ عورتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال کو دیکھ لیتیں تو اپنے دلوں کو کاٹ ڈالتیں۔ (جمع الوسائل)

ع حسنِ ظاہر میں آپؐ اجمل ہیں
خلقِ باطن میں آپؐ اکمل ہیں
بے تامل عقل یہ کہتی ہے کہ
کل خلائق میں آپؐ افضل ہیں (عکس جمال)

حقیقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن حضرت یوسف علیہ السلام

کے حسن سے بڑھ کر تھا، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن میں ملاحت بھی تھی جیسا کہ آپ ؐ نے خود فرمایا انا املح واخی یوسف اصبح۔

حضرت حسان بن ثابتؓ جو شاعرِ رسولؐ ہیں فرماتے ہیں ؎

واحسن منك لم ترقط عيني
واجمل منك لم تلد النساء
خلقت مبرا من كل عيب
كانك قد خلقت كما تشاء

ترجمہ: اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر ذات میری آنکھ نے نہیں دیکھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خوبصورت شخص کبھی عورتوں نے نہیں جنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر عیب سے پاک پیدا کیئے گئے تھے، گویا جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنایا گیا۔ بعض اہل سیر فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اقدس کو چاند سے تشبیہ دینے میں یہ حکمت ہیکہ چاند کے نور سے آنکھوں کو ٹھنڈک اور فرحت اور اس کے مشاہدہ سے دل کو لذت حاصل ہوتی ہے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ کو دیکھنا بھی دل کو راحت اور فرحت کا سبب ہے یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کئے بغیر صحابہ کرام کو چین وسکون حاصل نہ ہوتا تھا۔

(مدارج النبوۃ جلد: ۱/ قسط: ۱/ صفحہ: ۱۶)

اور ایک روایت میں ہیکہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم جب مسرور (خوش) ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ و سلم کا چہرہ آئینہ کی طرح ہو جاتا تھا جس میں در و دیوار کے نقوش اور لوگوں کے چہرے کا عکس جھلکنے لگتا تھا۔

(مسلم شریف عن ابی الطفیل)

پُر گوشت جوڑ

آپ صلی اللہ علیہ و سلم کی جوڑ کی جگہیں مثلاً کہنیاں، گھٹنے، وغیرہ سب کے سب پُر گوشت اور گُداز تھیں جو کہ قوت اور طاقت کی علامت ہے۔

(شمائل و خصائل)

پنڈلیاں مبارک

آپ صلی اللہ علیہ و سلم کی پنڈلیاں باریک و لطیف تھیں پُر گوشت نہیں تھیں۔ (کان فی ساقیه خموشة)

ایک حدیث میں ہیکہ نظرت الی ساقیه کانها جمارة یعنی میں نے آپ صلی اللہ علیہ و سلم کی پنڈلیوں کی طرف نظر ڈالی تو گویا وہ درختِ خرما تھا۔ یعنی جس طرح درخت خرما ہموار صاف لطیف اور سفید ہوتا ہے اسی طرح آپ ؐ کی پنڈلیاں مبارک بھی ہموار صاف اور چمکدار تھیں۔

(مدارج النبوۃ جلد:۱/ قسط:۱/ صفحہ:۴۲)

قدم مبارک

حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے قدم مبارک پر گوشت تھے اور انگلیاں بھی تناسب کے ساتھ لانبی تھیں تلوے کچھ گہرے، قدم ہموار اور بالکل صاف

ستھرے تھے کہ پانی ان پر نہیں ٹھیر تا تھا فوراً بہہ جاتا تھا۔ نیز ایڑی مبارک پر گوشت کم تھا۔ (قليل لحم العقب) (شمائل)

اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے كان رسول الله صلى الله عليه وسلم احسن البشر قدما یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے قدم مبارک کی ظاہری شکل بہت حسین تھی۔ (ابن سعد)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر سے ہمیشہ عطر لگائے بغیر خوشبو مہکتی رہتی تھی۔ پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت کی تعلیم کی غرض سے عطر لگاتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ مبارک تمام عطروں سے ممتاز اور عمدہ تھا، چنانچہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی خوشبو عنبر نہ مشک اور نہ کوئی دیگر خوشبو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ سے زیادہ عمدہ سونگھی۔ (مسلم ثانی: ۲۵۷)

ایک روایت حضرت انسؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے اور دوپہر کے وقت قیلولہ (آرام) فرمایا (چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں بہت پسینہ آتا تھا) تو میری والدہ (ام سلیمؓ) شیشی لیکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ اطہر جمع کرنے لگیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھل گئی، فرمایا اے ام سلیم کیا کررہی ہو، عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پسینہ جمع کررہی ہوں

تا کہ میں بطور خوشبو اس کو استعمال کروں، کیونکہ اسکی خوشبو سب سے زیادہ بہتر ہے۔ (مسلم ثانی : ۲۵۷)

ایک اور روایت حضرت انسؓ ہی سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس راستہ سے گذرتے تھے وہاں سے خوشبو مہکتی تھی اور لوگ پہچان لیتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس راستے سے گذرے ہیں۔ (مسند ابو یعلی عن انس)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے کی شکل

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے دو تسمہ والے تھے۔ ایک تسمہ والے جوتے کی ابتداء حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمائی۔ (ماخوذ از شمائل ترمذی)

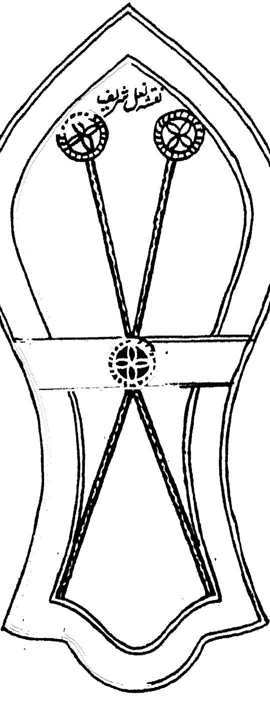
ایک تسمہ والے جوتے کی ابتداء اسلئے فرمائی تاکہ دو تسمہ والے جوتے کو ضروری نہ سمجھا جائے۔ ایک تسمہ ابہام اور سبابہ (یعنی انگوٹھا اور اسکے بعد کی انگلی) کے درمیان ہوتا تھا اور دوسرا تسمہ وسطی اور بنصر (تیسری اور چوتھی انگلی) کے درمیان ہوتا تھا۔ (خصائل نبوی)

ایک خاص بات

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اپنی کتاب "زاد السعید" میں فرماتے ہیں کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نعل شریف کا نقشہ صحیح سند سے مل جائے تو اسکا ادب کریں اور اسکو بوسہ دیں، مگر اس میں اتنا غلو اور

زیادتی نہ کریں کہ خلاف شرع کوئی بات ہوجائے۔ اسکو وسیلۂ برکت اور محبت سمجھیں، یہ نہیں کہ تمام احکام دین چھوڑ کر اسی پر اکتفاء کریں، چنانچہ نعل شریف کے نقشہ کو انہوں نے حسب روایت امام زین العابدین" عراقی محدث، نقل کیا ہے۔ جو یہاں پر مذکور ہے۔ اس سلسلہ میں مزید وضاحت کیلئے مذکورہ کتاب ملاحظہ فرمالیں۔

هٰذَا مِثَالُ نِعَالِهٖ صَلُّوْا عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ



حلیہ مبارک صلی اللہ علیہ وسلم
(منظوم)

حلیہ مبارک ان کا سن لیں صلی اللہ علیہ و سلم
صدقے جن پر جنت کی حوریں صلی اللہ علیہ و سلم
خیرالبشر کا فخر رسل کا محبوب رب کا ہادی کل کا
آؤ تصور میں دیدار کرلیں ، صلی اللہ علیہ و سلم
رشکِ یوسف حسن تھا ان کا بیمثل واللہ انکا سراپا
پائیں نہ مانند ہم لاکھ ڈھونڈیں صلی اللہ علیہ و سلم
سر سے سرداری ظاہر تھی بیضوی چہرہ پیشانی چوڑی
رخساروں سے گل شرمائیں ، صلی اللہ علیہ و سلم
سرگیں آنکھیں انڈوں جیسی پیالوں سے جیسے تسنیم چھلکی
مخمور کرتی مست نگاہیں صلی اللہ علیہ و سلم
پتلیاں کالی دیدے اجلے سرخی مائل ان میں ڈورے
شرم و حیا سے بھرپور آنکھیں صلی اللہ علیہ و سلم
ابرو انکے باہم ملتے ، گنگا جمنا ملتے ہوں جیسے

حسن کی معراج تھیں وہ کمانیں ، صلی اللہ علیہ و سلم
ناک تھی نازک اونچی پتلی ہونٹ بھی پتلے رسیلے گلابی
موتی جیسے دانتوں میں ریخیں ، صلی اللہ علیہ و سلم
سینہ کشادہ گردن لانبی ریش مقدس لانبی گھنی تھی
لانبی ، لانبی ، کالی پلکیں ، صلی اللہ علیہ و سلم
رنگ تھا دلکش گندم جیسا ، روئے مبارک پر نور ایسا
دیکھیں جو اک بار صد بار دیکھیں صلی اللہ علیہ و سلم
بوئے پسینہ مشک سے بہتر جلد مبارک ایسی منور
شمس و قمر بھی قربان جائیں صلی اللہ علیہ و سلم
بال تھے ان کے گھنگریالے نرم ملائم کالے کالے
کندھوں تک لہراتی زلفیں، صلی اللہ علیہ و سلم
ماہ کامل دھندلا دھندلا ، حسن یوسف پھیکا پھیکا
ان کے آگے سب شرمائیں ، صلی اللہ علیہ و سلم
دل موہ لیتا ان کا تبسم ، ایسا لگتا وقت تکلم
جاتی ہیں بکھری نورانی کرنیں ، صلی اللہ علیہ و سلم
ان کا قد بھی معجز نما تھا حد سے نہیں تھا حالانکہ اونچا
پھر بھی ،اونچا دیکھیں نظریں صلی اللہ علیہ و سلم

چلتے تھے تو ایسا لگتا صحراؤں میں کوئی ہے چلتا
جیسے اونچائی سے اتریں صلی اللہ علیہ و سلم

دست و پا تھے انکے سجیلے مضبوط مضبوط ایسے گٹھیلے
پل میں پہلوانوں کو پچھاڑیں صلی اللہ علیہ و سلم

میدان جنگ میں جونہی پہنچیں دشمن پریشان ہوکر بھاگیں
لرزہ ہو طاری دل ہل جائیں صلی اللہ علیہ و سلم

انسان کامل ہادی اعظم جن کے آگے سب کے سر خم
خیر البشر ایسے ہیں ہم میں صلی اللہ علیہ و سلم

پشت پہ تھی جب مہرِ نبوت تھے بال اس پر بیضہ کی صورت
ختم رسل پھر کیونکر نہ مانیں صلی اللہ علیہ و سلم

شرط ایماں ان سے محبت شرط محبت کامل اطاعت
سچا جھوٹا یوں پہچانیں صلی اللہ علیہ و سلم

اپنے آقا سردار کل پر بھیجو درود اس ختم رسل پر
جب تک رہے جان اختر تن میں صلی اللہ علیہ و سلم

نعت

محمد مصطفیٰ ہیں وجہ تخلیق جہاں لاریب
محمد مرتضیٰ کاشف ہیں سرّ کن فکاں لاریب
محمد مجتبیٰ خیر الوریٰ سردار عالم ہیں
کمالات ان کے نام پاک ہی سے ہیں عیاں لاریب
محمد کی حیات طیبہ تفسیر قرآں ہے
محمد مصطفیٰ قرآن کے ہیں ترجماں لاریب
محمدؐ گفتگو کرتے تو گویا پھول جھڑتے تھے
یقینا وہ تکلم میں تھے سب سے خوش بیاں لاریب
محمد کی محبت اور عظمت روح ایماں ہے
محبت ہی نہ ہو تو دین و ایماں پھر کہاں لاریب
محمدؐ ہادی عالم محمدؐ شافع محشر
مرے آقاؐ کی رحمت ہے یہاں بھی اور وہاں لاریب
محمدؐ ہی کے اسوہ میں سکون و امن عالم ہے
وگرنہ پھر نہیں ممکن ہے دنیا میں اماں لاریب
نبیوں کے نبی آقا محمدؐ ہیں حبیبؔ اپنے
نہیں آساں مکمل ان کے وصفوں کا بیاں لاریب